اردو زبان میں پہلی بار جنگ صفّین اور نہروان سے متعلق مروی روایات کا تحقیقی جائزہ

صحیح اخبارِ صفّین و نہروان

تالیف ڈاکٹر فواز بن فرحان الشمری حفظہ اللہ



جلد اوّل

مراجعت وتقدیم

محدث العصر علامہ عبداللہ بن عبدالرحمن السعد حفظہ اللہ

فضیلۃ الاستاذ ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری حفظہ اللہ فضیلۃ الاستاذ ڈاکٹر خالد الغیث حفظہ اللہ

دار ابی الطیب
للبحث والتحقیق

کتاب

صحیح اخبارِ صفّین و نہروان

تالیف

ڈاکٹر فواز بن فرحان الشمری

ترجمہ

ابو معاویہ سلفی ابو حذیفہ عزیزی

نظر ثانی: **حافظ عبداللہ صدیق**

مراجعت وتقدیم

محدث العصر علامہ عبداللہ بن عبدالرحمن السعد

فضیلۃ الأستاذ ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری فضیلۃ الأستاذ ڈاکٹر خالد الغیث

اشاعت ــــــــــــ جون 2026ء

ناشر

دار ابی الطیب للبحث والتحقیق

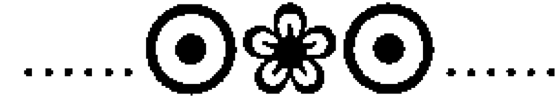
Street no: 5, Hameed Colony, Gill Road, Gujranwala
+92-340-6671335 darabitayyab1@gmail.com
fb/darabitayyab www.darabitayyab.com

فہرست

پہلی فصل: جنابِ علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان اختلافات کی اصل بنیادیں

دوسری فصل: فتنۂ صفین کے بارے میں مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا موقف

تیسری فصل: صفین میں جنگ اور تحکیم کی دعوت



حصہ اوّل[1]:

فضیلۃ الشیخ علامہ محدث عبداللہ بن عبدالرحمٰن السعد حفظہ اللہ کا مقدمہ

إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ، نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ، وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَلَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا، أَمَّا بَعْدُ:

یقیناً واقعۂ صفین تاریخ کے مشہور واقعات میں سے ایک واقعہ ہے، اسی لیے کئی ایک لوگوں نے اس واقعے پر الگ سے تالیفات سپردِ قلم کی ہیں۔ چونکہ یہ واقعہ مسلمانوں کے درمیان وقوع پذیر ہوا اس لیے یہ نفس پر بہت گراں گزرتا ہے اور دل کو تکلیف دینے والا ہے۔ لیکن اللہ عزوجل کے فضل و کرم سے چند سالوں کے بعد مسلمان اس سے گزر کر انتشار کو ترک کر کے مجتمع ہو گئے اور انھوں نے باہم مصالحت اختیار کر لی اور وحشت کے بعد دل باہم مل گئے۔ چنانچہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو کر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان پر مہرِ تصدیق ثبت کی جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے حسن بن ابی الحسن بصری سے روایت کیا ہے، انھوں نے ابوبکرہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نواسے حسن رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر ارشاد فرمایا: ''میرا یہ بیٹا سید (سردار) ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کی دو جماعتوں کے درمیان صلح کرائے گا۔''[2] آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بعینہٖ واقع ہوا اور (جس سال یہ صلح ہوئی) اس سال کا نام ''عام الجماعۃ'' رکھا گیا۔

---

[1] شیخ علامہ محدث عبداللہ السعد حفظہ اللہ نے مجھے ایک طویل مقدمہ لکھ کر دیا، اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے! مجھے یہ مناسب لگا کہ میں اس کے موضوعات کے پیشِ نظر اسے دو قسموں میں تقسیم کر دوں:
پہلی قسم: چونکہ یہ قسم اس کتاب کے موضوعات کے متعلق تھی، تو اسے میں نے اس کتاب کے شروع میں اس جگہ رکھ دیا۔
دوسری قسم: تو میں نے اسے کتاب کے آخر پر ضمیمے کے طور پر لگا دیا، اس لیے کہ یہ ایک مستقل موضوع کے متعلق تھی اور وہ موضوع ہے: ''روافض کی گمراہیوں اور ان کے عقائد کے بگاڑ کا بیان''

[2] صحيح البخاري (٣٤٣٠)

سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے کہا: نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان: ''مسلمانوں کی دو جماعتوں کے درمیان'' ہمارے لیے بہت خوش کن ہے۔ امام ابوبکر بیہقی رحمہ اللہ نے کہا: انھیں یہ فرمان اس لیے خوش کرتا تھا کہ اس میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں جماعتوں کو مسلمان کہا ہے۔[1]

اس حدیثِ صحیح سے اخذ شدہ کچھ فوائد:

(1) دونوں جماعتوں کے مسلمان ہونے کا حکم۔

(2) اس صلح کی تعریف، اور اس صلح کے ساتھ حسن رضی اللہ عنہ لفظِ ''سید'' کے مستحق ٹھہرے۔ چنانچہ یہ صلح اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب ہے۔

(3) نیز اس حدیث میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی بہت بڑی مدح سرائی ہے۔

(4) اسی طرح اس میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی بھی تعریف ہے، یقیناً وہ خلافت کے لائق اور اس کے اہل تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتو حسن رضی اللہ عنہ کے امارت وخلافت سے دستبردار ہونے پر ان کی ثنا و مدح سرائی نہ کی جاتی۔

حسبِ ارادہ اس موضوع کی قدرے تفصیل کے بارے میں، میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے یوں کہنا چاہوں گا:

⊙ اس حادثۂ صفین کے تعلق سے مسلمان تین گروہوں میں تقسیم ہو گئے:

پہلا گروہ: یہ گروہ ان لوگوں پر مشتمل تھا جنھوں نے اس جنگ سے کنارہ کشی اختیار کی اور اس میں شرکت سے گریز کیا، اس کنارہ کشی و گریز پر برانگیخت کرنے والی نصوص تواتر کی حد کو پہنچی ہوئی ہیں۔ چنانچہ ان نصوص میں فتنوں سے علاحدگی اختیار کرنے اور مسلمانوں کے درمیان واقع ہونے والی ان آزمایشوں میں ملوث نہ ہونے کی پوری دعوت اور انگیخت موجود ہے۔

دوسرا گروہ: یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا۔ بلاشبہہ یہ لوگ حق کے زیادہ قریب تھے اور درستی کے زیادہ حق دار تھے، جیسا کہ بخاری ومسلم میں یہ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مسلمانوں میں افتراق کے وقت تیزی سے (اپنے ہدف کے اندر سے) نکل جانے والا ایک گروہ نکلے گا۔ دو جماعتوں میں سے جو جماعت حق سے زیادہ تعلق رکھنے والی ہوگی (وہی) اسے قتل کرے گی۔''[2]

---

(1) الاعتقاد للبيهقي (ص: ٣٧٦) اور یہ اپنی تخریج کے ساتھ [رقم: ٥٩٩] پر آئندہ بیان ہوگی۔ (فواز)

(2) صحيح مسلم (١١٣/٣) اور اسی طرح یہ حدیث صحيح البخاري (٥٨١١) میں بھی موجود ہے۔ اور آئندہ [رقم: ٨٧] پر یہ حدیث بیان ہوگی۔ (فواز)

(خروج کرنے والے) اس گروہ سے مراد خوارج کا گروہ ہے اور ان سے لڑائی کرنے والے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت کے لوگ ہیں۔

تیسرا گروہ: یہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے متبعین ہیں۔ یہ گروہ اگرچہ باغی گروہ ہے جیسے بخاری و مسلم کی سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عمار کو باغی گروہ قتل کرے گا۔''[1]

لیکن یہ ضروری ہے کہ ہم مذکورہ بالا اس حدیث کے ساتھ ان دوسری احادیث کو بھی ملائیں جن میں دونوں گروہوں کا مسلمان ہونا بیان ہوا ہے، جیسا کہ ابھی مذکورہ سطور میں یہ بات ذکر ہوئی ہے۔ نیز ان احادیث میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے امارت و خلافت سے دستبردار ہونے پر ان کی مدح سرائی بھی مذکور ہے، جیسا کہ یہ بھی اوپر ذکر ہوا ہے۔ بلکہ اس پر بھی نصوص موجود ہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ بھی قدرے حق پر گامزن تھے جیسا کہ فرمانِ نبوی: ''دو جماعتوں میں سے حق سے زیادہ تعلق رکھنے والی جماعت'' سے یہ متشرح ہوتا ہے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ سب کچھ اجتہاد کی بنا پر ہوا جیسا کہ اہل سنت والجماعت کے مذہب میں یہ ثابت شدہ ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی درج ذیل روایت سے اس کی تایید ہوتی ہے، چنانچہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہا:

[امام حبر الامۃ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیتِ کریمہ[2] کے عموم سے معاویہ رضی اللہ عنہ کی ولایت وسلطنت پر استدلال کیا ہے، اس لیے کہ وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ولی تھے اور عثمان رضی اللہ عنہ کو مظلوماً شہید کر دیا گیا تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے یہ مطالبہ کرتے تھے کہ وہ قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کے سپرد کر دیں تاکہ وہ ان سے قصاص لے لیں، اس لیے کہ وہ اموی ہیں، جبکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس معاملے کو موخر کر رہے تھے تاوقتیکہ انھیں اقتدار حاصل ہو جائے اور پھر وہ اس معاملے کو کر گزریں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ سے یہ مطالبہ کرتے تھے کہ وہ شام ان کے حوالے کر دیں، مگر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا یہاں تک کہ قاتلین ان کے سپرد کر دیے جائیں۔ نیز انھوں نے اور ان کے متبعین نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ معاویہ رضی اللہ عنہ کو اقتدار حاصل ہو گیا اور

---

[1] صحیح مسلم (۸/۱۸٦)

[2] یعنی فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ۖ إِنَّهُ كَانَ مَنْصُورًا﴾ [بني إسرائیل: ۳۳]

حکومت کا معاملہ ان کے سپرد ہو گیا جیسا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا خیال تھا اور انھوں نے اس آیتِ کریمہ سے استدلال کیا تھا۔ یہ ایک عجیب معاملہ ہے!

امام طبرانی رحمہ اللہ نے اپنی "المعجم" میں اس حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے، انھوں نے کہا: ہمیں یحییٰ بن عبدالباقی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابو عمیر ابن النحاس نے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں ضمرہ بن ربیعہ نے بیان کیا، وہ ابن شوذب سے، وہ مطر الوراق سے اور وہ زہدم الجرمی سے بیان کرتے ہیں کہ ہم ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس تھے۔ انھوں نے کہا: میں تمھیں ایک ایسی روایت بیان کرنے لگا ہوں جو راز کی بات ہے اور نہ اعلانیہ کرنے والی بات ... اللہ کی قسم! معاویہ رضی اللہ عنہ تم پر غالب آ جائیں گے اور وہ اس لیے کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا ﴾ [بني إسرائيل: ٣٣]

''اور جو شخص مظلوم قتل کیا گیا ہو تو ہم نے اس کے ولی کو (قصاص کا) اختیار دیا ہے۔''[1]

صحیح حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مجتہد درج ذیل حالتوں میں سے کسی ایک حالت میں ہوتا ہے:

1. یا تو وہ اپنے اجتہاد میں درستی کو پہنچ جاتا ہے تو اسے دوہرا اجر ملتا ہے۔
2. یا اسے ایک اجر ملتا ہے اور اس کی خطا کو معاف کر دیا جاتا ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب وہ اپنے اجتہاد میں درستی کو نہ پہنچ سکے۔

مذکور کلام کی بنیاد پر لائق یہ ہے کہ تمام لوگوں سے راضی رہا جائے۔ سب کے لیے بخشش کی دعا کی جائے اور ان کے آپس کے ان معاملات سے خاموشی اختیار کی جائے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ ان دو گروہوں میں سے کسی پر طعن نہ کیا جائے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۖ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۖ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴾ [البقرة: ١٣٤]

امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور بعض کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اہلِ شام کی تکفیر سے منع کرنا اور ان کے ایمان و اسلام کا حکم لگانا:

---

[1] تفسیر القرآن العظیم (٩/٧-٨) عنقریب تخریج و تبصرے کے ساتھ [رقم: ٢٠-٢١] پر اس کا بیان ہوگا۔ (فواز)

امام محمد بن نصر مروزی رحمہ اللہ نے کہا: ہمیں محمد بن یحییٰ نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ ہمیں احمد بن خالد نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ ہمیں محمد بن راشد نے بیان کیا اور انھوں نے مکحول سے روایت کیا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے ان سے معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں سے متعلق دریافت کیا تو علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا تھا کہ وہ سب مومن ہیں۔[1]

امام مروزی رحمہ اللہ ہی نے کہا: ہمیں محمد بن یحییٰ نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ ہمیں احمد بن خالد نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ ہمیں عبدالعزیز بن عبداللہ بن ابی سلمہ نے بیان کیا، انھوں نے عبدالواحد بن ابی عون سے روایت کیا اور کہا: علی رضی اللہ عنہ اشتر کے سہارے صفین کے مقتولین پر سے گزرے۔ ناگہاں حابس الیمانی بھی وہاں قتل ہوا پڑا تھا۔ اشتر نے کہا: إنا لله وإنا إليه راجعون. اے امیر المومنین! حابس الیمانی بھی ان (معاویہ رضی اللہ عنہ) کے ساتھ تھا، اس پر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کی نشانی و علامت تھی۔ اللہ کی قسم! جب میں اسے آخری دفعہ ملا تو وہ مومن تھا۔ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ اب بھی مومن ہی ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ حابس اہلِ یمن میں سے تھا اور وہ بہت زیادہ عبادت گزار تھا۔[2]

اسی طرح امام مروزی رحمہ اللہ ہی کا بیان ہے: ہمیں محمد بن یحییٰ نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ ہمیں محمد بن عبید نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ ہمیں حسن بن حکم نخعی نے بیان کیا، انھوں نے ریاح بن حارث سے روایت کیا کہ انھوں نے کہا: بلاشبہہ ہم وادی ظبي میں تھے، میرا گھٹنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے گھٹنے کو چھونے کے قریب تھا، پھر ایک آدمی آیا اور یوں گویا ہوا: اللہ کی قسم! شام والے کافر ہو گئے ہیں۔ عمار رضی اللہ عنہ نے کہا: ایسا مت کہو، ہمارا قبلہ ایک ہے اور ہمارا نبی ایک ہے۔ لیکن وہ لوگ فتنے میں مبتلا ہو گئے ہیں، تو ہم پر یہ لازم ہے کہ ہم ان سے جنگ کریں حتی کہ وہ حق کی طرف واپس پلٹ آئیں۔[3]

امام مروزی رحمہ اللہ ہی نے کہا ہے: ہمیں محمد بن یحییٰ نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ ہمیں قبیصہ نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ ہمیں سفیان نے بیان کیا، انھوں نے حسن بن حکم سے روایت کیا، انھوں نے ریاح بن حارث سے اور انھوں نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ انھوں نے فرمایا: ہمارا دین ایک

---

[1] تعظيم قدر الصلاة (٥٩٥)

[2] تعظيم قدر الصلاة (٥٩٦) ابن عساکر (۳۵۳/۱۱) نے اسے عبدالعزیز کے طریق سے اس سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

[3] تعظيم قدر الصلاة (٥٩٨) یہ اپنی تخریج کے ساتھ [رقم: ۳۱۹] عنقریب آئے گی۔ (فواز)

ہے، ہمارا قبلہ ایک ہے، ہماری دعوت ایک ہے، لیکن وہ (اہلِ شام) ایسے لوگ ہیں کہ انھوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے، تو پھر ہم نے ان کے ساتھ جنگ کی ہے۔[1]

امام مروزی رحمہ اللہ نے کہا: ہمیں محمد بن یحییٰ نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ ہمیں یعلیٰ نے بیان کیا، انھوں نے کہا ہمیں مسعر نے بیان کیا، انھوں نے عبداللہ بن (رباح)[2] سے اور انھوں نے ریاح بن حارث سے روایت کیا، انھوں نے کہا کہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مت کہو کہ اہلِ شام نے کفر کیا ہے، بلکہ کہو: انھوں نے فسق و نافرمانی کی ہے۔ اور کہو: انھوں نے ظلم کیا ہے۔[3]

امام مروزی رحمہ اللہ ہی نے کہا ہے: ہمیں ہارون بن عبداللہ نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ ہمیں محمد بن عبید نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ ہمیں مسعر نے بیان کیا، انھوں نے ثابت بن ابی ہذیل سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا: میں نے ابوجعفر سے اصحابِ جمل کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا: وہ مومن ہیں۔ یا یوں کہا: وہ ہرگز کافر نہیں ہیں۔[4]

امام مروزی رحمہ اللہ ہی نے کہا: ہمیں ہارون نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ ہمیں یعلیٰ نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ ہمیں مسعر نے بیان کیا، انھوں نے ثابت بن ابی ہذیل سے اور انھوں نے ابوجعفر سے یوں ہی روایت کیا ہے۔[5]

امام مروزی رحمہ اللہ ہی نے کہا: ہمیں محمد بن یحییٰ نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ ہمیں یعلیٰ نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ ہمیں مسعر نے بیان کیا، انھوں نے ثابت بن ابی ہذیل سے روایت کیا، انھوں نے کہا: میں نے ابوجعفر سے اصحابِ جمل سے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے کہا: وہ مومن ہیں، وہ ہرگز کافر نہیں ہیں۔[6]

---

[1] تعظیم قدر الصلاۃ (۵۹۹)

[2] مطبوع نسخے میں یہ لفظ ''ریاح'' ہے۔ خطیب بغدادی کی تلخیص المتشابہ (۱/۱۹۷) سے اس کی تصحیح کی گئی ہے۔ آئندہ [رقم: ۳۲۰] اس کی تصحیف پر کلام ہوگا۔ (فواز)

[3] تعظیم قدر الصلاۃ (۶۰۰)

[4] تعظیم قدر الصلاۃ (۶۰۱) ابوجعفر سے مراد: محمد الباقر بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب ہیں۔ (فواز)

[5] تعظیم قدر الصلاۃ (۶۰۲)

[6] تعظیم قدر الصلاۃ (۶۰۳)

میں (عبداللہ بن عبدالرحمٰن السعد) کہتا ہوں کہ اہلِ شام کا حکم اہلِ جمل والا حکم ہی ہے۔

موقعۂ صفین کے اس مسئلے پر جن لوگوں نے بحث و تحقیق کی اور اس پر روشی ڈالی ان میں سے ایک استاذ فواز بن فرحان الشمری حفظہ اللہ کا بھی نام آتا ہے۔ انھوں نے خوب عمدہ طریقے سے شائقینِ علم کو فائدہ پہنچایا ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے! انھیں برکت سے نوازے! ان کی اس تحریری کاوش کو اللہ تعالیٰ نفع مند بنائے! وباللّٰہ تعالیٰ التوفیق.

عبداللہ بن عبدالرحمٰن السعد

تقدیم

(جناب سعادت مآب پروفیسر ڈاکٹر خالد بن محمد الغیث)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ، وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلَی نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَسَلَّمَ، وَبَعْدُ:

تاریخ سے میری وابستگی کا آغاز ابتدائی مرحلے ہی سے ہو گیا تھا، جب والدِ محترم رحمہ اللہ کبھی کبھار ہمیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فضائل سنایا کرتے تھے۔ اس طرح ہمارے نصابِ تعلیم میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت اور تعظیم کا اہتمام موجود تھا۔ لیکن مجھے ایک دن اسکول میں ایسا تجربہ ہوا جو میرے لیے غیر معمولی دکھ اور اذیت کا سبب بنا۔ میں نے پہلی بار دو ایسے نام سنے جنھوں نے میرے دل میں ایک ایسا درد پیدا کیا جو پہلے کبھی محسوس نہ ہوا تھا۔ یہ دونوں نام ''الجمل'' اور ''صفین'' تھے۔

اگرچہ ہماری درسی کتاب میں ان دونوں کے بارے میں بہت اختصار کے ساتھ ذکر تھا، تاہم اس مختصر تذکرے نے بھی میرے دل میں گہرا دکھ پیدا کر دیا، جو میرے ساتھ باقی رہا یہاں تک کہ میرے والد نے مجھے امام ابن العربی اندلسی کی کتاب "العواصم من القواصم" تحفے میں دی۔ اس کتاب نے میرے درد کو کچھ کم کر دیا لیکن کچھ باقی رہا۔

پھر وقت گزرتا رہا اور سال بیتتے گئے، یہاں تک کہ میں جامعہ کی سطح تک پہنچا۔ تب اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ الہام فرمایا کہ میں اس دشوار گزار راہ میں قدم رکھوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی طرف سے دفاع اور جھوٹ کے اس پورے نظام کو بے نقاب کرنے میں اپنا حصہ ڈالوں، جس نے ان کے سیرت کو آلودہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ میں تاریخ کے شعبے میں داخل ہوا، بڑے جوش وخروش اور خوشی کے ساتھ۔ لیکن پھر مجھے حیرت ہوئی کہ معاملہ اتنا آسان نہیں تھا!

تاریخی مصادر محض خام مواد ہیں:

جب میں نے شعبہ تاریخ میں داخلہ لیا تو مجھے یہ حقیقت معلوم ہوئی کہ تاریخی مصادر کے ساتھ معاملہ

کرنا ایک سخت علمی منہج کا تقاضا کرتا ہے۔ میں تاریخی مصادر کو تیل کے اس کنویں سے تشبیہ دیتا ہوں جہاں سے خام تیل نکالا جاتا ہے۔ جو ماہر، تجربہ کار انجینئر کے بغیر صاف، قابلِ استعمال اور مفید نہیں ہو سکتا۔ بالکل اسی طرح تاریخی مصادر کی روایات کا معاملہ ہے؛ ان سے بغیر تنقیح اور تحقیق کے استفادہ درست نہیں۔ ان کے ساتھ صحیح طور پر معاملہ کرنے اور ان کو چھاننے کی صلاحیت صرف ان اہلِ اختصاص کو حاصل ہوتی ہے جو تاریخی علمی منہج اور محدثین کے طریقۂ کار میں مہارت رکھتے ہوں۔

مصطلح تاریخ:

جب میں اس رکاوٹ پر پہنچا کہ محض تاریخی معلومات پر اعتماد کافی نہیں، تو ضروری ہوا کہ ایک ایسا منہج تلاش کیا جائے جو اس پیچیدگی کو مدِ نظر رکھے اور اس کے ساتھ درست طریقے سے معاملہ کرے۔ بالخصوص جب کہ صدرِ اسلام کے دور سے متعلق بیشتر تاریخی خبریں اسناد کے ساتھ مروی ہیں۔ اس کا مطلب سادہ الفاظ میں یہ ہے کہ محض منہج تحقیق تاریخ کافی نہیں، اور اسی طرح صرف محدثین کا منہج بھی مکمل کفایت نہیں کرتا۔ چنانچہ دونوں مناہج کا جمع کرنا ناگزیر ہو گیا، اور یہی بذاتِ خود ایک نئی مشکل تھی!

انھی دنوں میں جامعہ اُم القریٰ (مکہ مکرمہ) میں شعبہ تاریخی وتہذیبی مطالعات کے تحت ماسٹرز کا نصابی سال مکمل کر چکا تھا کہ مورخ جید اور بھائی مکرم ڈاکٹر محمد بن صامل السلمی نے مجھے بتایا کہ مدینہ منورہ میں جامعہ اسلامیہ کے اندر ڈاکٹر اکرم بن ضیاء العمری نے اپنے طلبہ کے ساتھ مسند تاریخی روایات سے معاملے میں ایک قابلِ لحاظ پیش رفت کی ہے۔

چنانچہ میں نے رُخ مدینہ منورہ کی جانب کیا لیکن ڈاکٹر اکرم العمری سفر پر تھے، اس لیے ان سے ملاقات نہ ہو سکی۔ تاہم ان کے چند تلامذہ سے ملاقات ہوئی جنھوں نے اس میدان میں تجربہ حاصل کیا تھا: محترم ڈاکٹر یحییٰ بن ابراہیم یحییٰ، ڈاکٹر محمد بن عبداللہ الغبان، اور ڈاکٹر عبدالعزیز ولی۔ میں نے ان کے تجربات سے استفادہ کیا، اور اس کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر اکرم العمری کی ان تحریروں سے بھی فائدہ اٹھایا جن میں انھوں نے بعض کتابوں میں محدثین کے منہج کو تاریخی روایات پر منطبق کرنے کی مثالیں دی تھیں۔

لیکن کیا اس علمی سفر اور ان تحریروں کے مطالعے سے منہج کی مشکل ختم ہو گئی؟

جواب: نہیں!

اس کی وجہ یہ ہے کہ مسند تاریخی روایات سے درست طور پر معاملہ کرنے کے لیے محض ایک منبع کافی

نہیں۔ دوسرے لفظوں میں مورخین کے تنقیدی و تحلیلی منہج اور محدثین کے سند و متن کے منہج، دونوں کا امتزاج ناگزیر ہے۔ اور یہی وہ ضرورت ہے جس کے نتیجے میں بعض اہلِ علم نے ایک نئے منہج کی بنیاد رکھی، جسے انھوں نے ''مصطلح التاریخ'' کا نام دیا۔

مجھے مصطلح التاریخ میں اپنی مطلوبہ راہ مل گئی جو مجھے تاریخی روایات کے ساتھ درست طور پر معاملہ کرنے میں مدد دیتی ہے۔ میں نے اس منہج کو ماسٹرز کے مرحلے میں اپنی تحقیق کے موضوع پر لاگو کرنے کی بھرپور کوشش کی، جس کا عنوان تھا: ''استشهاد عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ وموقعة الجمل من خلال مرويات سيف بن عمر في تاريخ الطبري، دراسة نقدية'' ''عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت اور واقعۂ جمل، تاریخ طبری میں سیف بن عمر کی روایات کی روشنی میں، ایک تنقیدی مطالعہ'' اس تحقیق کی نگرانی دو معزز اساتذہ کرام نے فرمائی: جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد الحبیب الہیلہ اور جناب پروفیسر ڈاکٹر منصور العبدلی رحمہ اللہ۔

اسی طرح ڈاکٹریٹ کے مرحلے میں بھی میں نے اس منہج کو اختیار کیا اور اپنی تحقیق کا موضوع رکھا: ''مرويات خلافة معاوية رضی اللہ عنہ في تاريخ الطبري، دراسة نقدية مقارنة'' ''طبری کی تاریخ میں خلافتِ معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق روایات، ایک تقابلی تنقیدی مطالعہ'' اس تحقیقی کام کی نگرانی بھی دو معزز اساتذہ نے فرمائی: پروفیسر ڈاکٹر جمیل المصری رحمہ اللہ اور پروفیسر ڈاکٹر منصور العبدلی رحمہ اللہ۔

محدثین اور مورخین کے مناہج کو جمع کرنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان مصادر کی بنیاد وسیع ہوگئی جن کی طرف محقق رجوع کرتا ہے۔ چنانچہ اس میں شامل ہوگئیں: عقیدے کی کتابیں، فرقوں پر لکھی گئی کتابیں، سنت کی کتابیں، تفاسیر، طبقات کی کتب، جرح و تعدیل کے مصادر، اور اس کے علاوہ تاریخی کتابیں، ادبیات، سفرنامے، انساب اور تراجم کی کتابیں۔ یوں ہمارے سامنے مسند روایات سے تعامل کے لیے ایک منفرد منہج وجود میں آ گیا۔

تاہم تاریخی روایات کے مطالعے کا یہ سفر رکاوٹوں سے خالی نہیں رہا۔ ان میں سب سے نمایاں رکاوٹ یہ تھی کہ بعض لوگوں کو یہ خدشہ لاحق ہوا کہ نئے منہج کے اطلاق کے نتیجے میں ہمارے پاس ایسا تاریخ کا سرمایہ باقی نہیں رہے گا جس پر انحصار کیا جا سکے۔

لیکن ان محققین کی جانب سے، جنھوں نے تاریخی مصادر میں شعوبیوں کے ذریعے اہلِ کتاب کی طرف سے داخل کردہ جعل و فریب کو دور کرنے کی اہمیت کو سمجھا، جب اس منہج کو عملی طور پر اختیار کیا گیا، تو

اس کے مثبت نتائج سامنے آنے لگے۔ یہی وہ تہہ در تہہ جھوٹ کا انبار تھا جس کے خلاف محدث علامہ احمد شاکر نے اپنی مشہور پکار بلند کی: ''ہماری تاریخ روافض نے لکھی ہے!!''

اصحاب الجحیم: عسکری تصادم سے خفیہ فریب تک:

اہلِ کتاب کی سازشوں کی جڑیں عہدِ نبوت بلکہ اس سے بھی پہلے کی ہیں۔ انھوں نے اسلام کی تصویر کو مسخ کرنے اور لوگوں کو اس سے دور رکھنے کے لیے ارتداد کو ایک ہتھیار کے طور پر ایجاد کیا۔ اس کی طرف اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یوں اشارہ فرمایا:

﴿وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ [آل عمران: ٧٢]

''اہلِ کتاب کی ایک جماعت نے کہا: دن کے ابتدائی حصے میں ان پر نازل ہونے والی چیز (یعنی قرآن) پر ایمان لاؤ اور دن کے آخر میں اس کا انکار کر دو، شاید وہ (مسلمان) رجوع کر آئیں۔''

یہ ان کی ایک چال تھی تاکہ وہ مسلمانوں کو شک و شبہہ میں مبتلا کریں اور اسلام کے حق کو مشکوک بنا کر پیش کریں۔ وحی اس وقت اہلِ کتاب کی سازشوں کو بے نقاب کرنے کے لیے کافی تھی، لیکن جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوگئی تو اہلِ کتاب نے گویا سکون کا سانس لیا۔ اسی سلسلے میں ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو یہودیت اور نصرانیت نے سر اٹھانا شروع کر دیا۔[1]

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ خلافتِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں بالواسطہ جنگ (Proxy War) کا آغاز ہوا۔ فارس و روم نے مرتدین کی پشت پناہی کی، ان کی حوصلہ افزائی کی سہولتیں فراہم کیں اور ان کی مدد کی، تاکہ جزیرۂ عرب میں اسلام کا چراغ گل کر دیا جائے۔

---

[1] یہ حدیث صحیح ہے۔ ابن اسحاق نے کہا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں ...، پھر اس روایت کو ذکر کیا۔ السيرة النبوية لابن هشام (٢/٦٦٥) [مطبوعة مصطفى البابي الحلبي تحقيق: السقا] یہ روایت ابن کثیر نے بھی اپنی کتاب البداية والنهاية (٥/٣٠٠)، [(٨/١٧٢، دار هجر) میں ذکر کی ہے۔ طبعہ احیاء التراث میں اس روایت میں سقط واقع ہوا ہے جس پر اعتما درست نہیں۔ اسے امام احمد بن حنبل نے اپنی کتاب فضائل الصحابة (ح: ٦٨) میں روایت کیا ہے، ہم سے یزید بن ہارون نے بیان کیا، انھوں نے کہا: ہمیں عبدالعزیز بن عبداللہ بن ابی سلمہ نے خبر دی، انھوں نے عبدالواحد بن ابی عون سے، انھوں نے قاسم بن محمد سے اور انھوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے، اسی مفہوم کی روایت نقل کی۔ یہ سند صحیح ہے۔ اس کی تخریج المطالب العالية (ح: ٣٨٨٠) اور ذیل میزان الاعتدال (ص: ١٩٨، ترجمہ: ٧٠٩) ملاحظہ کریں۔ [فواز]

مگر جب مرتدین اپنے اتحادیوں کے مقاصد پورے نہ کر سکے، تو فارس اور روم مسلمانوں کے خلاف براہِ راست میدان میں اترنے پر مجبور ہو گئے۔ اس کے نتیجے میں بڑی تباہی آئی، رومی سلطنت کمزور پڑ گئی اور فارسی سلطنت مکمل طور پر زمین بوس ہو گئی، خصوصاً فتح الفتوح یعنی معرکۂ نہاوند (۲۱ھ) کے بعد۔ لیکن دشمنوں کا انتقام بہت جلد سامنے آیا، ۲۳ھ میں امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو ایک فارسی نصرانی سازش کے تحت قتل کر دیا گیا، جسے مجوسی خودکش حملہ آور ابولؤلؤ نے انجام دیا۔

مسلمانوں نے اس سنگین سانحے سے خود کو سنبھالا اور سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کیا، جنھوں نے اسلامی ریاست کے مشرقی علاقوں میں بھڑکنے والی بغاوتوں اور فتنوں کو کامیابی سے کچل دیا، جنھیں باقیات دشمن کی طرف سے بھڑکایا جا رہا تھا۔

فارس کی سلطنت، جو امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے خلاف سازشِ قتل کے ساتھ ہی وجود میں آنے والی ایک بڑی قوت تھی، نے جب یہ جرم انجام دیا تو اس کے بعد مسلمان دعوت و جہاد کے راستے پر براً و بحراً مسلسل آگے بڑھتے گئے۔ چنانچہ جب امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے امیرِ شام معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے پر زور اصرار پر بحریہ اسلامیہ کے قیام (۲۵ھ) کی منظوری دے دی، تو اس کے نتیجے میں مسلمانوں نے وہ معرکہ سر کر لیا جو اہلِ روم کے لیے سخت تباہ کن ثابت ہوا۔

چنانچہ ۲۵ھ ہی میں رومیوں کی جانب سے اسکندریہ پر قبضے کی ناکام کوشش کے بعد جب ان کا بحری بیڑا پسپا ہوا، اور ۲۷ھ میں جزیرۂ قبرص فتح ہوا، تو مسلمانوں نے بحرِ ایجہ میں واقع رومی اڈوں، خصوصاً جزیرۂ روڈس اور جزیرۂ کریٹ پر حملے کا پختہ عزم کر لیا، تاکہ قسطنطنیہ کی جانب سمندری راستہ محفوظ ہو سکے۔ رومیوں کو اس وقت یقین ہو گیا کہ ان کی سلطنت کا زوال محض وقت کی بات ہے اور ان کا یہ یقین اس وقت مزید پختہ ہو گیا جب ان کا عظیم الشان بحری بیڑا جو قریباً ایک ہزار جہازوں پر مشتمل تھا، ۳۱ھ میں معرکہ ذات الصواری میں تباہ کر دیا گیا۔ یہ معرکہ عرب مورخین کے نزدیک یرموکِ بحری کے نام سے مشہور ہے، جس کی شدت اور نتائج کی اہمیت زمینی یرموک سے کسی طرح کم نہ تھی۔ یہ معرکہ موجودہ ترکی کے صوبہ انطالیہ کے علاقے لیکیا (یا لیسیا) کے ساحلوں پر پیش آیا۔

اسلام نے سابقہ دشمنوں یہود، نصاریٰ اور مجوس کو یکجا کر دیا، جنھوں نے اس وقت جب عسکری محاذ پر شکست کو یقینی پایا، مسلمانوں کے خلاف اپنا وہ خفیہ ہتھیار استعمال کرنا شروع کیا جو صفوں اور معاشروں میں تفرقہ ڈالنے والا تھا: ''نفاق''۔ چنانچہ یہودی منافق عبداللہ بن سبا اور اس کے پیروکاروں نے عثمان بن

عفان رضی اللہ عنہ اور ان کے گورنروں کے خلاف جھوٹی خبریں پھیلانے اور جعلی خطوط بنانے کے ذریعے مسلمانوں کے اندر ایک اجتماعی فتنہ برپا کیا۔[1] اس فتنے کے ساتھ ساتھ ایک مخصوص نعرہ، یعنی ''مظلومیت'' کی آواز بلند کی گئی۔ اس کے بعد ''وصی'' کا عقیدہ گھڑا گیا، جسے ابن سبا نے اپنے نانا شاؤل (پولس) سے اخذ کیا تھا، جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں غلو کر کے عیسائیت کا عقیدہ بگاڑا۔ ابن سبا اور اس کے ساتھیوں نے یہی روش سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کی ذریت کے ساتھ اپنائی، ان میں غلو کیا اور انھیں بارہ امام بنا دیا، جیسے بنی اسرائیل میں بارہ اسباط تھے!

بہرحال، اہلِ کتاب کی قیادت میں ان منافقین نے مسلمان معاشرے میں فتنہ بھڑکانے میں کامیابی حاصل کی، جس کے نتیجے میں کئی سانحات پیش آئے:

- امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کا شہید ہونا۔
- واقعۂ جمل۔
- واقعۂ صفین۔
- خوارج اور روافض کا کھل کر ظاہر ہونا۔
- امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا شہید ہونا۔
- امیر المومنین، سید شباب اہلِ جنت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو قتل کرنے کی کوششیں۔
- سید شباب اہلِ جنت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کا کربلا میں شہید ہونا۔

گویا اہلِ بیت کے خون کو فتنے کی آگ کو بھڑکانے کا علامتی پیغام اور خفیہ کوڈ بنا لیا گیا تھا۔

فارسی فکری یلغار اور اسلامی تاریخ پر اس کا اثر:

جب فارس عسکری اور سیاسی میدان میں شکست کھا گیا، تو اس کے باوجود اس نے عقائد اور ثقافت کے میدان میں اپنی موجودگی کو برقرار رکھا، اور انھوں نے یہود و نصاریٰ کے ساتھ اتحاد کر لیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام پر شدید فکری یلغار برپا ہوئی۔ اس یلغار کے نتیجے میں سبئیہ فرقہ منظرِ عام پر آیا، اور خوارج کی صفوں میں رخنہ اندازی کی گئی۔ اسی فکری و ثقافتی یلغار کے مختلف پہلوؤں میں سے ایک پہلو ایسا تھا جس نے اسلامی تاریخی ورثے کو چھیننے اور اس میں بگاڑ پیدا کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے

---

[1] تفصیل ملاحظہ کیجیے: رسالہ ''استشهاد عثمان رضی اللہ عنہ ووقعة الجمل'' از ڈاکٹر خالد الغیث الجزائری (مصنف سطور حاضرہ)

ضروری تھا کہ وہ کچھ ایسے ذرائع حاصل کریں جو ان کی اس راہ میں مددگار ہوں اور وہ ذرائع اس زمانے کے اشاعتی ادارے تھے، یعنی کتب نقل کرنے والے ناسخین ، جیسے: محمد بن اسحاق ابن الندیم۔

اس کے ذریعے وہ اس بات پر قادر ہو گئے کہ روافض میں سے بعض فارسی مولفین کی تصانیف کو اہلِ سنت کے علماء کی طرف جھوٹ اور بہتان کے ساتھ منسوب کریں۔ مثلاً:

❁ منسوب کتاب ''الأخبار الطوال'' جو ظلم کے ساتھ ابو حنیفہ دینوری کی طرف منسوب کی جاتی ہے، حالانکہ سب سے پہلے اسے ان کی طرف منسوب کرنے والا ابن ندیم نامی شعوبی شیعہ فارسی تھا۔

❁ کتاب ''الإمامة والسياسة'' جو ابن قتیبہ دینوری کی طرف منسوب کی جاتی ہے، حالانکہ یہ نسبت سراسر ظلم ہے۔

یہ سوال قابلِ غور ہے کہ اہلِ سنت کی وہ بیشتر کتابیں کہاں چلی گئیں جو خاص طور پر فتنوں کی تاریخ سے متعلق تھیں؟ جیسے: امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف سازش اور پھر ان کی شہادت، اس کے بعد کے واقعات: جمل، صفین، تحکیم، نہروان، اور حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی طرف سے معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت ان تمام موضوعات پر اہلِ سنت کی جو کتابیں تھیں، ان میں سے کوئی قابلِ ذکر کتاب آج ہم تک نہیں پہنچی۔

حالانکہ یہ بات ثابت ہے کہ بہت سی اہلِ سنت کی تاریخی کتابیں ابن عساکر (متوفی ۵۷۱ھ) کے دور میں موجود تھیں، یہاں تک کہ انھوں نے اپنی کتاب ''تاريخ دمشق'' میں ان میں سے متعدد سے اقتباسات بھی نقل کیے ہیں۔

اس کا سبب یہ ہے کہ آج کے روافض، کل کے روافض کا تسلسل ہیں۔ آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ روافض اپنے پیروکاروں کو ان اہلِ سنت کی کتابوں سے بچانے کی کوشش کرتے ہیں جو ان کے جھوٹے دعووں کا پردہ چاک کرتی ہیں۔ اس مقصد کے لیے وہ اہلِ سنت کے مورخین کی کتابوں کی اشاعت کو روکنے کے لیے مختلف طریقے اپناتے ہیں، مثلاً:

ان کتابوں کی تمام دستیاب نقلیں خرید لینا، ناشرین کو مالی لالچ دے کر شائع کرنے سے روکنا، یا پھر براہِ راست دھمکیاں دینا جیسا کہ حزب اللات لبنان میں ناشرین کے ساتھ کرتا ہے۔ خاص طور پر وہ کتابیں ان کے ہدف پر ہوتی ہیں جو تاریخی حقائق کو واضح کرتی ہیں اور ان کی مظلومی کی جھوٹی داستان کو منہدم کرتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آج کے روافض نے یہ طریقہ کل کے روافض سے وراثت میں

پایا ہے۔ یہی بات اہلِ سنت کی ان بیشتر کتابوں کے غائب ہونے کی توجیہہ بھی بنتی ہے جو مظلومیت کے جھوٹے بیانیے کو ردّ کرتی تھیں۔

تاریخی تنقیدی مطالعے اور کامیابی کے ساتھی:

یہ شعلہ جسے سعادت مند ڈاکٹر اکرم بن ضیاء العمری نے روشن کیا، اب پک کر تیار ہو چکا ہے اور اس کی تپش (گرمی) کئی محققین تک پھیل چکی ہے۔ اس کے نتیجے میں مدینہ منورہ کی اسلامی یونیورسٹی اور مکہ مکرمہ کی جامعہ اُم القریٰ میں کئی علمی مقالات (تحقیقی تھیسز) مرتب کیے گئے۔ ان مقالات میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

1. ڈاکٹر یحییٰ الیحیی: "مرويات أبي مخنف في تاريخ الطبري عن عصر الخلافة الراشدة، دراسة نقدية" یہ جامعہ اسلامیہ (مدینہ منورہ) سے ایم۔اے کا تحقیقی مقالہ ہے۔
2. ڈاکٹر عبدالعزیز المقبل: "خلافة أبي بكر الصديق رضي الله عنه من خلال كتب السنة والتاريخ، دراسة نقدية للروايات" یہ بھی جامعہ اسلامیہ سے ایم۔اے کی تحقیق ہے۔
3. ڈاکٹر عبدالسلام آلِ عیسیٰ: "المرويات الواردة في شخصية عمر رضي الله عنه وسياسة الإرادية، دراسة نقدية للروايات" یہ جامعہ اسلامیہ سے ڈاکٹریٹ کا مقالہ ہے۔
4. ڈاکٹر محمد الغربان الصحی: "فتنة مقتل عثمان بن عفان رضي الله عنه" یہ جامعہ اسلامیہ سے ایم۔اے کا تحقیقی مقالہ ہے۔
5. ڈاکٹر محمد العواجی: "خلافة عثمان رضي الله عنه (باستثناء الفتنة) من خلال كتب السنة والتاريخ، دراسة نقدية" یہ جامعہ اسلامیہ سے ایم۔اے کا مقالہ ہے۔
6. ڈاکٹر عبدالحمید فقیہی: "خلافة علي بن أبي طالب رضي الله عنه، دراسة نقدية للروايات" یہ جامعہ اسلامیہ سے ایم۔اے کا تحقیقی مقالہ ہے۔
7. ڈاکٹر محمد بن عبدالہادی الشیبانی: "مواقف المعارضة من خلافة يزيد بن معاوية، دراسة نقدية للروايات" یہ جامعہ اسلامیہ سے ایم۔اے کا مقالہ ہے۔
8. ڈاکٹر عبدالعزیز ولی: "أثر التشيع على الروايات التاريخية في القرن الأول الهجري" یہ جامعہ اسلامیہ سے ڈاکٹریٹ کا تحقیقی مقالہ ہے۔

(9) ڈاکٹر خالد یمانی: ”مرويات عمر بن شبة في تاريخ الطبري عن عصر الخلافة الراشدة، دراسة نقدية“ یہ جامعہ اُم القریٰ (مکہ مکرمہ) سے ڈاکٹریٹ کا مقالہ ہے۔

(10) ڈاکٹر عبداللہ حیدر: ”مرويات ابن إسحاق في تاريخ الطبري عن عصر الخلافة الراشدة، دراسة نقدية“ یہ جامعہ اُم القریٰ سے ایم۔اے کا تحقیقی مقالہ ہے۔

(11) ڈاکٹر خالد الغیث: ”استشهاد عثمان ﷛ ووقعة الجمل في مرويات سيف بن عمر في تاريخ الطبري، دراسة نقدية“ یہ جامعہ اُم القریٰ سے ایم۔اے کا مقالہ ہے۔

(12) ڈاکٹر خالد الغیث: ”مرويات خلافة معاوية ﷛ في تاريخ الطبري، دراسة نقدية مقارنة“ یہ جامعہ اُم القریٰ سے ڈاکٹریٹ کا مقالہ ہے۔

(13) ڈاکٹر عبداللہ بن فراج الشہری: ”مرويات خلافة عبد الملك بن مروان في تاريخ الطبري، دراسة نقدية مقارنة“ یہ جامعہ اُم القریٰ سے ڈاکٹریٹ کا مقالہ ہے۔

اور بھی متعدد تحقیقی مقالات ہیں جن کا اس مختصر مقام میں احاطہ ممکن نہیں۔ اس موقع پر یہ ذکر کرنا بھی اہم ہے کہ ان تنقیدی مطالعات کے بعد ایک نہایت اہم اور اسی طرح میں اس موقع پر یہ بات ذکر کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ان تنقیدی مطالعات کے تسلسل میں ایک نہایت اہم اور موخر منصوبہ بھی سامنے آیا ہے، اور وہ ہے:

”المشروع العلمي لنقد الروايات المؤثرة في التاريخ الإسلامي“ یعنی اسلامی تاریخ پر اثر انداز ہونے والی روایتوں کا تنقیدی جائزہ لینے کا علمی منصوبہ۔ (یہ منصوبہ ان تمام علمی کوششوں کی توسیع اور تکمیل ہے جن کا مقصد تاریخی روایتوں کو تحقیق وتنقید کی کسوٹی پر پرکھنا ہے، تاکہ باطل افکار ونظریات کی آمیزش سے محفوظ، خالص اور قابلِ اعتماد تاریخی ورثہ امت کو مہیا کیا جا سکے۔ یہ عظیم اور محنت طلب منصوبہ ہے، جس کا بیڑا ایک باوقار مجاہدِ علم، ایک جری محقق اور بے تکان محنت کرنے والے فاضل نے اٹھایا۔ وہ میرے محترم بھائی جناب ڈاکٹر محمد بن طاہر البرزنجی ہیں۔ اس منصوبے کا عنوان ہے: ”صحيح وضعيف تاريخ الطبري“ انھوں نے اس کے ذریعے تنقیدی تاریخی مطالعات کے منصوبے میں ایک نہایت اہم خلا کو پر کیا ہے، اور امت کو ایک ایسا علمی خزانہ فراہم کیا ہے جو تاریخ طبری جیسے معتبر اور بنیادی ماخذ کی روایات کو درایت وتحقیق کی روشنی میں پرکھتا ہے اور صحیح وسقیم کو الگ الگ واضح کرتا ہے۔

یہ علمی کارنامہ:

اب ہم اس مردِ میدان کا ذکر کرتے ہیں جس نے اس گراں قدر علمی کارنامے کو انجام دیا۔ اور جس پر مجھے فخر حاصل ہوا کہ میں اس کی نگرانی اور اس کے لیے پیش لفظ لکھنے کی سعادت پا سکا۔ وہ محقق ہیں: فواز بن فرحان شمری۔ اگر چہ ان کی تخصیص کا میدان عقیدہ ہے، مگر تاریخ سے ان کی محبت نے انھیں ایک نہایت اہم تاریخی واقعے کی طرف متوجہ کیا جو اسلامی امت کی تاریخ میں ایک فیصلہ کن موڑ کی حیثیت رکھتا ہے اور وہ ہے: معرکۂ صفین۔

محقق نے اس واقعے کا از سرِ نو جائزہ لیا اور اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرمائے! اس کے لیے ایسی جامع تگ و دو کی جو تھکن اور سستی سے بالاتر تھی۔ انھوں نے اس واقعے سے متعلق تمام تر مآخذ کو چھان مارا، اور ایسی کئی روایات پائیں جو ان کے اختیار کردہ علمی و تنقیدی منہج کے مطابق صحیح قرار پائیں۔ یہ روایات اس معرکہ کی خفیہ پرتوں کو اُجاگر کرتی ہیں اور اس کے تلخ اثرات کو بہتر طور پر سمجھنے کا موقع فراہم کرتی ہیں۔ نیز یہ واقعے کے تجزیے کے لیے نئے اُفق کھولتی ہیں۔ مجھے مبالغہ آمیزی کا شبہ بھی نہیں، اگر میں اس علمی کاوش کو "موسوعة صحيح أخبار صفين والنهروان وعام الجماعة" کا نام دوں۔

محقق نے اپنی تحقیق میں وہ تمام خبریں جمع کر دی ہیں جو ان کے موضوع سے متعلق ہیں اور ان کے منہج کے مطابق صحیح ثابت ہوئیں۔ اس نے موضوعات کو وسعت بخشی جو اگر چہ ایک مفید علمی امر ہے، لیکن اس کی وجہ سے کتاب کا حجم بہت بڑھ گیا اور یہ بعض قارئین کے لیے دشوار ہو گیا۔ چنانچہ میں نے محقق کو مشورہ دیا کہ وہ کتاب کا ایک اختصار تیار کریں، جس میں صرف جامع ترین اور مستند روایات، اہم شواہد، اور مرکزی موضوعات باقی رکھیں، جبکہ ضمنی موضوعات کو حذف کر دیں، تاکہ کتاب عام قارئین کے لیے بھی قابلِ استفادہ ہو جائے۔ چنانچہ انھوں نے یہ کام مکمل کیا۔ اللہ ان کو جزائے خیر دے اور یہ مختصر نسخہ اس مفصل سفر کے بعد جلد ہی شائع ہوگا۔ إن شاء الله.

"صحیح صفین" اور اس کے اختصار کے بعد، محقق نے کئی مفید ضمنی تحقیقات بھی تحریر کیں، تاکہ اپنے بڑے تحقیقی منصوبے کو مکمل کر سکیں، اور ان تمام تحقیقات کو انھوں نے "سلسلۂ اخبارِ صفین"[1] کا عنوان دیا۔ مجھے بھی اس سلسلے کی نگرانی کا شرف حاصل ہوا، اور ان شاء اللہ یہ سلسلہ بتدریج شائع ہوتا رہے گا۔

---

[1] سلسلہ کی مختصر تفصیل صفحہ (۱۴۰) پر ملاحظہ ہو۔

چونکہ مختلف آراء کا اختلاف محبت وتعلق کو خراب نہیں کرتا، اس لیے محقق نے اپنی اس کتاب ”صحيح أخبار صفين والنهروان وعام الجماعة“ میں وہ تمام نتائج درج کیے جن پر وہ اپنے غور وفکر کے بعد مطمئن ہوئے۔ میں نے ان میں سے چند امور سے اختلاف کیا ہے جن کے بارے میں میرا خیال ہے کہ وہ مزید تحقیق، تدبر اور مطالعے کے مستحق ہیں۔ ان آراء کی وضاحت میں نے کتاب کے آخر میں اپنے نقطۂ نظر کے مطابق کر دی ہے۔

اور بہرحال یہ کتاب اپنے موضوع پر نہایت نافع ہے، بلکہ معاصر تحقیقات میں یہ اس باب کی سب سے جید تصنیف ہے، کیونکہ اس میں علمی تحقیق کی پختگی، دقیق اور بھرپور جمع و ترتیب، اور تجزیہ واستنباط سب یکجا ہو گئے ہیں۔ اسی طرح محقق نے اپنی تحقیق کے آغاز میں اپنے اس منہج کو واضح طور پر درج کیا ہے جس پر وہ چلا ہے، اور جو اس نے محدثین اور مورخین کے تحقیقی طریقوں سے اخذ کیا، پھر اس میں بعض مفید اضافے بھی کیے، جنھیں وہ روایتوں پر مبنی تاریخی تحقیق کی روش کو مضبوط کرنے کے لیے ضروری سمجھتا تھا۔

﴿ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ﴾ [يوسف: ٧٠]:

ہم اس دور میں بعض ایسے لکھنے والوں کے وبال میں مبتلا ہو چکے ہیں جو دوسروں کی لکھی ہوئی قیمتی تاریخی تحقیقات کو دوبارہ گھما پھرا کر پیش کرنے میں مہارت رکھتے ہیں اور انھیں اپنی طرف منسوب کر لیتے ہیں!

نقادانہ تاریخی تحقیقات کے میدان میں جن سنجیدہ نتائج تک بعض محققین پہنچے، انھوں نے بعض معاصرین کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ ان سے بغیر حوالہ یا نسبت کے استفادہ کریں، سوائے محض قسم پوری کرنے کے درجے کے۔ اس پر انھیں یہ بات مزید دلیر بناتی ہے کہ بعض تحقیقات کی اشاعت میں تاخیر ہوگئی یا بعض صرف مقامی سطح پر شائع ہوئیں۔

پس میں اسی منبر سے ان لوگوں کو، جن سے خطاب ہو رہا ہے، اللہ کا خوف اختیار کرنے اور اگلی طباعتوں میں امانتیں ان کے اہل تک پہنچانے کی نصیحت کرتا ہوں۔

اور قلم رکھے جانے سے پہلے:

میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے ہر مشکل کام کو آسان بنایا اور اس قیمتی کتاب کے نظرِ ثانی کے مرحلے کو مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔

پھر میں اپنے عزیز بھائی محقق ”فواز بن فرحان الشمری“ کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے میری

سختیوں پر صبر کیا اور تحقیق کے تمام مراحل میں پیش آنے والی رکاوٹوں کے باوجود طویل حوصلہ اور استقامت کا مظاہرہ کیا، بلکہ وہ تو ایسی خوشبودار لکڑی کی مانند ثابت ہوئے جسے جلایا جائے تو اَور بھی مہکنے لگتی ہے۔

اور بہر حال یہ ایک انسانی کوشش ہے اور ہر تحقیق قاری کی ملحوظات (وملاحظات) سے بے نیاز نہیں ہو سکتی۔ اور تمام تر تعریف اللہ ہی کے لیے ہے، ابتدا میں بھی اور انتہا میں بھی۔ اور درود وسلام ہو ہمارے نبی محمد ﷺ، آپ ﷺ کی آل اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر۔

ڈاکٹر خالد بن محمد الغیث
سابق صدر شعبہ تاریخ، جامعہ اُم القریٰ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

(از مولف)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى مُحَمَّدِنِ النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ، وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِيْنَ، وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلَى يَوْمِ الدِّيْنِ أَمَّا بَعْدُ:

بے شک اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے نبی ﷺ کی پیروی اوران کی اقتدا کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ۖ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ۚ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾ [النور: ٥٤]

''کہہ دیجیے: اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو، پھر اگر وہ منہ موڑ لیں تو رسول کے ذمے وہی ہے جو اس پر لازم کیا گیا، اور تمھارے ذمے وہ ہے جو تم پر لازم کیا گیا، اور اگر تم اس کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے، اور رسول پر صرف کھلا پیغام پہنچا دینا ہی ہے۔''

نبی کریم ﷺ نے اپنی پوری زندگی عبادت، دعوت، اصلاح اور جہاد سے بھر دی تھی، تا کہ ''لا إله إلا اللّٰه'' کا بول بالا ہو، اور تا کہ بندوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر ربِ بندگان کی بندگی کی طرف لایا جائے۔ اس راہ میں آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کی زندگی ہی میں آپ کا بھر پور ساتھ دیا اور آپ کی وفات کے بعد بھی آپ کے راستے پر گامزن رہے۔ انھوں نے اسلام کا پرچم اٹھایا اور اس عظیم دین کو پھیلایا، یہاں تک کہ اسلام نے اپنی جڑیں جما لیں۔ ان کے ہاتھوں عراق، شام، بیت المقدس، بلادِ فارس، مصر، افریقہ، بلادِ سندھ، قبرص اور دیگر علاقے فتح ہوئے۔ اور یہ سب اللہ کے حکم سے خلفائے راشدین اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے دورِ خلافت میں ہوا۔ پس اللہ تعالیٰ ان سب کو اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے بہترین جزا دے۔

اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے اور ان کے بارے میں جو فیصلہ ہوا وہ یہ تھا کہ ہم سب انسان

ہیں، جن میں انسانی صفات پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ انسان خواہ کتنا ہی فضل، علم اور تقویٰ حاصل کر لے وہ اپنی اس انسانی حیثیت سے باہر نہیں نکل سکتا جس پر اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا فرمایا ہے۔ بلکہ اسی انسانی حیثیت میں رہتے ہوئے جب وہ اپنے خالق کی بندگی اختیار کرتا ہے تو درحقیقت وہی اس کا شرف و امتیاز بنتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تقویٰ، صلاح، دعوت اور جہاد کے حامل تھے، اور ساتھ ہی وہ انسان بھی تھے جو درست بھی کرتے تھے اور غلطی بھی کر بیٹھتے تھے، توبہ کرتے تھے اور استغفار کرتے تھے، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار ہوتے تھے، جو توبہ قبول فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ کمال کسی اَور کے لیے ہو، کمال تو صرف اس کے لیے ہے، وہی پاک ہے اور برتر۔

اور جب امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ شہید کیے گئے تو اہلِ مدینہ نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی خلافت کے لیے بیعت کی۔ لوگوں نے اور دیگر شہروں کے باشندوں نے بھی آپ کی بیعت کر لی، سوائے اہلِ شام کے، جنھوں نے بیعت سے پہلے عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے قصاص کا مطالبہ کیا لیکن امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے اس پر اصرار کیا کہ پہلے بیعت ہو، پھر معاملات طے ہوں۔ چنانچہ دونوں کے درمیان اتفاق نہ ہو سکا اور ان کے درمیان صفین [1] نامی ایک جگہ میں جنگ واقع ہوئی۔

فتنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت سے بھڑک اٹھا اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی صلح کے ساتھ ختم ہوا، لیکن اہلِ بدعت واہواء کا فتنہ اس دور میں جھوٹ، تحریف اور حقائق کو اُلٹ دینے کے ذریعے ختم نہ ہوا۔ چنانچہ ان کے خائن ہاتھ اسلام کے ان جلیل القدر علم برداروں تک جا پہنچے جنھوں نے نبیِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کی اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسلام کو روئے زمین میں پھیلایا اور انھوں نے ان کی سیرتوں اور ان کے حالات کو مسخ کرنے کی منظّم اور منصوبہ بند مہم کا نشانہ بنایا، جو نہ خود رو تھی اور نہ انفرادی، بلکہ وہ اسلامی تاریخ کی اساس ہی کو ہدف بنائے ہوئے تھی۔ لہٰذا حقائق کا واضح کیا جانا نہایت ضروری ہے۔

اے معزز قاری! آپ کے سامنے یہ کتاب ہے جو صفین کی جنگ، اس سے متعلقہ واقعات اور ان نتائج پر مشتمل ہے جو اس سے پیدا ہوئے، مثلاً:

- صفین میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مواقف۔
- حکمین کا باہمی اجتماع۔
- خوارج کی صفین سے واپسی کے بعد نہروان سے پہلے تک کی نقل و حرکت۔

---

[1] ارضِ صفین اور اس کے جغرافیائی وصف سے متعلق مستقل کلام اسی کتاب کا صفحہ (۵۰۰) دیکھیے۔

- جنگِ نہروان۔
- سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے کی جانے والی غارات (مہمیں)۔
- سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت۔

میں نے اس کتاب کا مواد ان اصل مصادر سے حاصل کیا ہے جو ہم تک پہنچے ہیں، اور ان مفقود مصادر سے بھی جن سے ابن عساکر اور دیگر متاخرین نے استفادہ کیا ہے۔

میں نے شرط لگائی ہے کہ صرف صحیح روایات پر اعتماد کروں گا، اور میں نے صحیح تاریخی روایات کو پہچاننے کے لیے ایک مخصوص منہج اپنایا ہے، جسے میں نے تاریخی و منہجی مقدمہ میں بیان کیا ہے یہ ایک علمی طریقہ کار ہے جو تاریخی روایتوں کے ساتھ تعامل کا طریقہ متعین کرتا ہے، اور ان کو قبول یا ردّ کرنے کا معیار فراہم کرتا ہے، تا کہ ہمیں اپنی درخشندہ اسلامی تاریخ کی ایک روشن اور پاکیزہ تصویر میسر آ سکے۔

صفین کی جنگ پر گفتگو دراصل اسلامی تاریخ کے ایک نہایت نازک مرحلے پر گفتگو ہے، ایسا مرحلہ جو ایک نہایت باریک معیار کا محتاج ہے جس کے ذریعے حق کو باطل آمیز جھوٹ سے ممتاز کیا جا سکے۔ اسی لیے میں نے اس کتاب کا آغاز ایک منہجی مقدمہ سے کیا، جو ان اصولوں پر مشتمل ہے جو نرمی اور سختی دونوں میں توازن رکھتے ہیں اور جن کے ذریعے صحیح تاریخی روایات کو پرکھا جا سکتا ہے۔

میں امید رکھتا ہوں کہ یہ کتاب تاریخی روایات سے تعامل کے ایک منضبط اور علمی منہج کی طرف ایک پیش رفت ثابت ہوگی جو تعصب اور جانب داری سے پاک ہو۔ اور توفیق کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

یہ کتاب اللہ تعالیٰ کے فضل سے مکمل ہوئی:

بروز بدھ۔ ۹ر جمادی الآخر ۱۴۳۸ھ

مطابق: ۸ر مارچ ۲۰۱۷ء

فلاڈیلفیا، پنسلوانیا، امریکہ

تاریخی ومنہجی مقدمہ
سند کے ساتھ منقول تاریخی روایات کے مطالعے کے منہج میں

ایک منہجی قاعدہ ہے جسے معاصر ماہرینِ تاریخ مختلف تعبیرات کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کی تعبیرات اسی دائرے میں گھومتی ہیں، مثلا وہ کہتے ہیں: (تاریخی روایات پر محدثین کے منہج کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا) ، یا کہتے ہیں: (تاریخی روایات پر محدثین کے منہج کو سختی سے لاگو کرنا مناسب نہیں)، یا کہتے ہیں: (تاریخی روایات، احادیثِ نبویہ کی طرح سند کے اعتبار سے قوی نہیں ہوتیں) ، یا کہتے ہیں: (محدثین کا منہج اگر لاگو کیا جائے تو ایک تاریخی خلا یا گہری کھائی پیدا ہو جاتی ہے) ، وغیرہ وغیرہ۔

پھر میں نے استقراء کے بعد اس قاعدے کے لیے سب سے موزوں تعبیر یہ پائی کہ: (محدثین کا منہج اور ان کی اصطلاحات، تاریخی روایات کے درجات کے ساتھ مکمل طور پر ہم آہنگ نہیں، اور ان کی اصطلاحات تمام تاریخی روایات کی اقسام کا احاطہ نہیں کرتیں)۔

غالباً اس عدم ہم آہنگی اور عدمِ احاطہ کے دو بڑے اسباب ہیں:

- **موضوع اور مواد سے متعلق سبب:** حدیث کا موضوع تشریعی احکام ہیں، جبکہ تاریخ کا موضوع انسانوں کے حالات و افعال ہیں۔ چنانچہ تشریعی احکام کے ثبوت کے درجات، انسانوں کے افعال و واقعات کے ثبوت کے درجات سے مختلف ہوتے ہیں۔
- **کتابت کے اسلوب سے متعلق سبب:** تاریخ کی کتابت کا انحصار زیادہ سے زیادہ جمع پر ہوتا ہے، جبکہ حدیث کی کتابت میں احتیاط، تنقیح اور بعض خاص اقسام (جیسے معاجم وغیرہ) میں وسعت جمع کا لحاظ کیا جاتا ہے۔

اسی اختلاف کی بنیاد پر: محدثین کا منہج تاریخی روایات کی تمام اقسام کا احاطہ نہیں کرتا، اور اگر اسے

مکمل طور پر لاگو کر دیا جائے تو اس کے نتیجے میں تاریخی روایات کا ایک بہت بڑا مفید ذخیرہ[1] حدیثی اصطلاح میں ضعیف کے تحت آ جاتا ہے، اور ابتدائی نظر میں ہی وہ سب ردّ کر دیا جاتا ہے! یہ ردّ تاریخی خلا پیدا کرتا ہے۔

پھر یہ خلا تین برے نتائج کا باعث بنتا ہے:

⊙ صحیح روایات کے بارے میں واضح یا درست تصور پیدا نہیں ہو پاتا، (لہٰذا فہم ناقص رہتا ہے)۔

⊙ یا بعض اوقات کسی صحیح روایت کو اس کی اصل مراد سے ہٹ کر سمجھا جاتا ہے۔

⊙ یا پھر اس کو بالکل ہی نہ سمجھ پانا۔

جب یہ روایات حدیثی اصطلاح میں ضعیف کے دائرے میں داخل ہو گئیں تو ایک منہجی خلل نمایاں ہوا، جس پر معاصر دور کے تاریخ کے ماہرین نے توجہ دی، کیونکہ یہ چیز انھیں تاریخی روایات کے ساتھ تعامل میں سخت تنگی اور مشقت میں ڈال رہی تھی، لیکن وہ اس سے نکلنے کی راہ نہ پا سکے، چنانچہ کہنے لگے: (تاریخی روایات میں سختی سے کام نہیں لینا چاہیے ...) اور اس طرح کی دیگر عبارات کہنے لگے جن کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

اس سلسلے میں ایک حدیثِ نبوی بھی ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ تاریخی روایات کی اقسام، از روئے قبول اور ردّ احادیثِ نبویہ کی اقسام کی مانند نہیں ہوتیں۔ یہ حدیث ان روایات سے متعلق ہے جنھیں علماء ''اسرائیلیات'' کہتے ہیں اور یہ تاریخی روایات کی اقسام میں سے ہیں، بشرطیکہ ان کا تعلق انبیاء سے نہ ہو۔ تو نبی ﷺ نے اس بارے میں ہمیں بتایا کہ ہم ان کے ساتھ کس طرح معاملہ کریں۔

آپ ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ جو نہ ہماری شریعت کے موافق ہیں اور نہ ان کی مخالف:

«لَا تُصَدِّقُوْا أَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَذِّبُوْهُمْ»[2]

''اہلِ کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ ان کی تکذیب کرو۔''

پس یہ روایات مسکوت عنہا ہیں، کیونکہ نہ وہ ہماری شریعت کے موافق ہیں اور نہ اس کے مخالف،

---

[1] یہ تین اقسام کی روایات پر مشتمل ہوتا ہے: ۱۔ مقبول خبریں، ۲۔ وہ خبریں جن پر سکوت کیا گیا ہو، ۳۔ وہ خبریں جن میں حق اور باطل دونوں اکٹھے ہوں۔ یہ سب اپنی جگہ تفصیل سے آئیں گی، بشرطیکہ یہ بھی یاد رہے کہ جن خبروں پر سکوت کیا گیا ہے، ان میں سے بعض تاریخ کے کسی واقعے کی تصویر مکمل کرنے میں مفید ہو سکتی ہیں لیکن سب نہیں۔

[2] صحيح البخاري (٤٢١٥، ٦٩٢٨)

یعنی نہ ان کی کوئی صحیح بنیاد ہے اور نہ ان میں انکار کی کوئی وجہ، اس لیے نہ انھیں قبول کیا جاتا ہے اور نہ ردّ۔

اور ان کا بیان کرنا جائز ہے، اس قولِ نبی ﷺ کی وجہ سے:

«حَدِّثُوا عَنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَا حَرَجَ»[1]

''بنی اسرائیل سے روایت کرو، اس میں کوئی حرج نہیں۔''

اور اگر وہ ہماری شریعت کے موافق ہوں تو وہ اس وقت قابلِ قبول اور تصدیق کے لائق ہوں گی، کیونکہ ان کی اصل صحیح پائی گئی، تو وہ اسرائیلیات میں سے مقبول روایات بن جائیں گی۔

اور اس کے مقابلے میں اگر ان پر محدثین کا منہج لاگو کیا جائے تو وہ گر جائیں گی اور ردّ کر دی جائیں گی؟ کیونکہ ان کی اسناد یہود و نصاریٰ کی کتابوں میں موجود نہیں ہوتیں، اور محدثین کا منہج انھیں ''ضعیف'' قرار دے گا، حالانکہ نبی ﷺ نے انھیں ''مسکوت عنہا'' قرار دیا ہے اور یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ تاریخی روایات کی بعض اقسام ایسی ہیں جنھیں محدثین کی اصطلاحات محیط نہیں۔

جو محقق تاریخی روایات پر محدثین کا منہج لاگو کرنے کی کوشش کرتا ہے:

اگر اس دور کا کوئی محقق تاریخی روایات پر محدثین کا منہج لاگو کرنے کا ارادہ کرے، تو وہ اپنے آپ کو تاریخی اسناد کے ساتھ کشمکش میں پائے گا، اور یہ کشمکش اسے اصل تحقیق سے ہٹا کر ذیلی شاخوں میں الجھا دے گی، اور یہ شاخیں اس کی محنت اور وقت کو کھا جائیں گی، یہاں تک کہ آخر میں وہ ایک ناقص تاریخی تصویر کے ساتھ سامنے آئے گا جو پیاس بجھانے والی نہ ہوگی۔ اور یقیناً وہ محدثین کے منہج کو مکمل طور پر نافذ نہ کر سکے گا، اور اسے محدثین کے منہج کے مطابق ضعیف اسناد والی روایات کی طرف لوٹنا پڑے گا اور معاملہ اس فقہی قاعدے کے موافق ہوگا: جب معاملہ تنگ ہو جائے تو اس میں وسعت آ جاتی ہے۔

دو تاریخی منہجی مقدمہ ایک تجویز کردہ حل:

اللہ کے فضل سے میں نے اس منہجی مقدمہ میں ایک منہجی حل پیش کیا ہے جسے میں نے محدثین کے منہج سے اخذ کیا ہے۔ یہ حل بیک وقت لچک اور مضبوطی کا حامل ہے جس کے ذریعے صحیح تاریخی روایات کو دیگر سے ممیّز کیا جا سکتا ہے۔ یہ ایک ایسا منہج ہے جو پیاس بجھاتا ہے، گہرائی میں اترتا ہے اور تاریخی روایات سے تعامل کو آسان بناتا ہے۔

---

[1] صحيح البخاري (٣٢٧٤)

تاریخی منہجی مقدمہ کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے: یہ ایک علمی منہج ہے جو تاریخی مرویات کے ساتھ تعامل کا طریقہ متعین کرتا ہے اور ان کو قبول یا رڈ کرنے کے اعتبار سے پرکھتا ہے۔

تاریخی منہجی مقدمہ میں میرا کام:

حدیث اور تاریخ کے علوم کے درمیان پختہ تعلق پوشیدہ نہیں ہے اور علمِ حدیث کی بعض عمیق اصطلاحات ایسی ہیں کہ ان کو غیر متخصص کے لیے سمجھنا اور ان کا احاطہ کرنا مشکل ہوتا ہے۔ اس لیے میں نے تاریخی منہجی مقدمہ اس طرح لکھا کہ درج ذیل امور کو ملحوظ رکھا:

1. میں نے محدثین کے منہج کو ایک مضبوط اساس کے طور پر اختیار کیا۔
2. تاریخی تحقیق کے منہج کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔
3. بعض اوقات محدثین کی مخصوص اصطلاحات کی سختی سے پابندی کرنے کے بجائے، ان کے مفہوم کو ایک مختلف انداز سے بیان کیا، تاکہ حدیث میں غیر متخصص حضرات بھی ان کا مفہوم سمجھ سکیں، اور ان مفاہیم کو تحقیقی منہجی اصولوں کی شکل دی جا سکے۔ ساتھ ہی محدثین کی اصطلاحات اور منہج کا تعارف جہاں تک ممکن ہو پیش کیا۔
4. میں نے ان تاریخی روایات کو نمایاں کیا جن کی سند تو صحیح نہیں، لیکن ان کا ایک صحیح اصل موجود ہے۔
5. تاریخی تحقیق کی تدوین کے مراحل پر گفتگو کی۔
6. اس کے بعد میں نے عمومی تاریخی قواعد پر بات کی جن کا لحاظ رکھنا ہر تاریخ کے قاری اور محقق کے لیے ناگزیر ہے۔

اس طرح تاریخی منہجی مقدمہ (محدثین کے منہج) اور (مورخین کے منہج) کے درمیان ایک جامع امتزاج ہے۔ بعض حدیث کے ماہرین شاید مجھ سے یہ کہیں: اے محقق! تم نے جو کچھ کیا ہے، یہ محدثین کے منہج میں تخلیط اور تحریف شمار ہوتا ہے اور تمھارا منہج خرافات پر ایمان لانے کے دروازے کھول دیتا ہے!!

تو اس کا جواب یہ ہے:

اوّلاً: یہ منہج رسول اللہ ﷺ کی احادیث پر لاگو نہیں کیا جا سکتا اور نہ جائز ہے، بلکہ یہ تاریخ اور عام انسانوں کے افعال و سیرت پر لاگو ہوتا ہے۔

ثانیًا: میں نے اس میں بے قیدی نہیں برتی، بلکہ اس منہج کے ساتھ میں نے قیود، شرائط اور ضوابط

رکھے ہیں جو ہمارے تاریخی ورثے کو تحریف سے بچاتے ہیں۔ اس میں داخل کی گئی چیزوں سے اسے پاک کرتے ہیں اور ہمیں اس سے فائدہ اٹھانے کے قابل بناتے ہیں۔ پس اگر کوئی شخص میرے اس تجویز کردہ منہج کے ساتھ غلط رویہ اپناتا ہے تو وہ اس کی اپنی زیادتی ہے، بالکل اسی طرح جیسے کوئی شخص محدثین کے منہج کے ساتھ بدسلوکی کرے، تاکہ اپنے گمراہ کن مقاصد کو حاصل کرے۔

اور حق یہ ہے کہ تاریخی مرویات کی اپنی ایک مخصوص فطرت اور امتیازی خصوصیات ہوتی ہیں، جن کی حقیقت صرف وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو ان کے ساتھ طویل عرصے تک واسطہ رکھے۔

تاریخی منہجی مقدمہ سے متوقع فوائد اور اہداف:

میں تاریخی منہجی مقدمہ میں ایک ایسا تاریخی منہج ذکر کروں گا جو محدثین کے منہج سے ماخوذ ہے، جس کے ذریعے چار منہجی فوائد اور دو بڑے اہداف حاصل کیے جا سکتے ہیں۔

منہجی فوائد یہ ہیں:

أ: تاریخی روایات کی تمام اقسام کو ان سے استدلال کرنے یا نہ کرنے کے اعتبار سے، واضح کرنا اور سمجھنا۔

ب: تاریخی مرویات سے زیادہ سے زیادہ ممکنہ فائدہ حاصل کرنا۔

ج: محدثین کا منہج، تاریخی مرویات پر شدت یا نرمی کے بغیر، متوازن انداز میں لاگو کرنا۔

د: تاریخی مرویات سے نظم وضبط کے ساتھ معاملہ کرنا۔

اور دونوں اہداف یہ ہیں:

1. صحیح اور خالص تاریخی نتائج تک پہنچنا۔
2. جہاں تک ممکن ہو ایک مکمل اور واضح تاریخی تصویر حاصل کرنا۔

اہم نکات کی وضاحت:

⊙ میں تیرہ (۱۳) نکات پر گفتگو کروں گا، اور وہ یہ ہیں:

1. نکارۃ۔
2. صحیح اصل۔
3. مقبول خبر۔
4. مسکوت عنہ خبر۔
5. احتجاج، ردّ اور سکوت کے اعتبار سے متونِ تاریخی کی اقسام۔
6. قوت کے لحاظ سے متونِ تاریخی کی مراتب۔
7. تاریخی تحقیق کی تدوین۔

8 ایسے مورخین کی روایات جن پر جھوٹ کا الزام ہے۔

9 واقعات کے معاصر مورخین اور راویوں کی مرویات۔

10 قدیم مورخین کی وہ مرویات جو ان سے پہلے کے مورخین سے معلق ہیں۔

11 تاریخی مرویات کی اسانید پر حکم لگانے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا منہج۔

12 عربوں میں تاریخ کی تدوین اور ان کا راتوں سے تاریخ دینا۔

13 خطیب اور ابن عساکر کا اپنی اپنی تاریخ میں منہج۔

نوٹ: جب میں کہوں: ''تاریخی اصطلاح'' تو اس سے میری مراد وہ علمی منہج ہوتا ہے جس پر میں نے یہاں عمل کیا ہے اور میں نے اسے (تاریخی منہجی مقدمہ) کا نام دیا ہے۔

اللہ عزوجل کی مدد سے مذکورہ بالا نکات کی وضاحت آغاز کرتے ہیں...

1- تاریخی متون میں نکارت[1]

اس کا مطلب ومفہوم: یہ اس علتِ قادحہ کی صفت ہے جو اس تاریخی متن میں داخل ہو جاتی ہے جو صحت کے شرائط[2] پر پورا نہ اترتا ہو۔

تاریخی متون میں نکارت (یعنی علتِ قادحہ) کی چار قسمیں[3] ہیں:

① تشریع ② طعن ③ مخالفت ④ مجازفت یا میلان۔

اس کی تفصیل یہ ہے:

1 تاریخی متن میں ایسے عقائد یا احکام کی تشریع پائی جائے جو شریعت کے مخالف ہوں[4] اور یہ تصور سیرتِ نبویہ، پھر صحابہ اور اولیاء کی سیرت میں ممکن ہے، اس کے سوا نہیں۔

---

[1] منکر حدیث محدثین کی اصطلاح میں کئی اقسام رکھتی ہے، ان میں سے ایک وہ ہے جو ضعیف راوی ثقہ راوی کے خلاف روایت کرے (جیسا کہ ابن حجر نے بیان کیا)، اور یہاں میرا مقصود محدثین کی وہ اقسام نہیں بلکہ ایک الگ بات ہے جسے میں نے بیان کیا۔

[2] یعنی محدثین کے منہج کے مطابق صحت کے شرائط۔

[3] یہ چاروں اقسام اپنی اصل میں محدثین کے ہاں موجود ہیں مگر مختلف اصطلاحات کے ساتھ۔ میں نے یہاں انھیں ایسے اسلوب میں ذکر کیا ہے جو متخصص مورخین کی زبان سے قریب ہو اور علمِ تاریخ کے طلبہ کے لیے آسان ہو۔

[4] اگر تاریخی اخبار میں اقوام کے اچھے یا برے اقوال وافعال کی حکایت ہو تو کوئی حرج نہیں، کیونکہ تاریخ لوگوں کے افعال واقوال کی حکایت کرتی ہے۔ اس کی مثال: سبئیہ کا حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو الٰہ قرار دینا۔ ←

2 انبیاء، صحابہ، اہلِ علم وفضل، امراء یا قضاۃ پر طعن پایا جائے۔[1]

3 وہ صحیح روایات کے خلاف ہو۔

4 اس میں مبالغہ آرائیاں پائی جائیں، یا کسی دور کے رائج رجحان کی طرف میلان پایا جائے کسی دوسرے رجحان کے مقابلے میں، یا اس کے برعکس۔

پس مبالغے، مجازفت یا میلان کے تحت آتے ہیں بلکہ اکثر دونوں کے تحت بیک وقت آتے ہیں۔

محض خبر کا ضعیف ہونا: اس کی نکارت پر دلالت نہیں کرتا، جب تک ان چار علتوں میں سے کوئی علت اس پر داخل نہ ہو۔

اور جب متن میں ان علل کی زیادتی ہو تو نکارت بھی بڑھ جاتی ہے، چاہے وہ زیادتی ایک ہی نوع کی ہو یا مختلف انواع کی۔ پس وہ خبر جس میں صرف ایک گالی ہو، اس جیسی نہیں جس میں گالیاں بھری ہوں، کیونکہ یہ نکارت کی اقسام میں سے ایک ہی قسم کی نکارت سے پر ہے۔

نکارت کا حکم:

جب نکارت کسی تاریخی خبر میں داخل ہو جائے تو وہ دو حالتوں سے خالی نہیں ہوتی:

پہلی حالت یہ کہ خبر صحت کے شرائط پر پوری نہ اترتی ہو[2]: تو ایسی خبر مردود ہوتی ہے، اس سے استدلال جائز نہیں، کیونکہ نکارت ایک علتِ قادحہ ہے جو ضعف کا موجب بنتی ہے۔

دوسری حالت یہ کہ خبر صحت کے شرائط پر پوری اترتی ہو: تو ایسی خبر کے متن میں نکارت پائی ہی نہیں جا سکتی، کیونکہ نکارت علتِ قادحہ ہے جو ضعف کا موجب بنتی ہے۔

البتہ کبھی کبھی بظاہر ایسے متن میں جس کی صحت ثابت ہو، نکارت کی کوئی علامت ظاہر ہو سکتی ہے تو یہ نکارت نہیں ہوتی، اور ایسی خبر کو اس کے باعث ردّ نہیں کیا جائے گا،[3] بلکہ اس کے ساتھ دو مرتبہ اقدامات کرنے چاہئیں، تا کہ اشکال دور ہو جائے:

← اس قسم کی نکارت کی ایک مثال اس کتاب میں [رقم: ۴۸۴] پر آئے گی جس میں آیا ہے: ''پس اس نے کسی ہرن یا زمین کے کیڑے کو آن لیا۔''

[1] فتنۂ جمل وصفین سے متعلق وارد ضعیف روایات میں نکارت کی اقسام میں سے سب سے زیادہ یہ نوع پائی جاتی ہے۔

[2] یعنی منہجِ محدثین کی شرائط کے مطابق۔

[3] اس کی ایک مثال حسن بصری رحمہ اللہ کا یہ قول ہے: ''ابو موسیٰ اور عمرو بن العاص حکمین تھے، ان میں سے ایک دنیا چاہتا تھا اور دوسرا آخرت۔'' یہ قول [رقم: ۴۱۶] پر تخریج وشرح کے ساتھ آئے گا اور اس کے لیے مستقل بحث رکھی گئی ہے۔

اوّلاً: خبر کے تمام طرق اور الفاظ کو جمع کرنا لازم ہے، پھر اس کا ان دیگر صحیح روایات سے تقابل کیا جائے جو اس مفہوم پر دلالت کرتی ہوں، تاکہ اس خبر کا مفہوم واضح ہو جائے جس میں بظاہر نکارت محسوس ہوئی تھی اور یوں اشکال ختم ہو جائے۔

ثانیًا: اگر جمع و تقابل کے بعد بھی اشکال دور نہ ہو تو اس خبر کی اہلِ سنت و جماعت کے منہج کے مطابق صحیح تاویل کی جائے اور تاویل حالت کے مطابق ہوگی:

- اگر اس کا ظاہر صحابہ رضی اللہ عنہم پر طعن یا تنقیص ہو تو اس سے مراد عصمت نہ ہونا ہے اور یہ اس پر محمول ہوگا کہ اس کا فاعل تائب ہو چکا ہو یا وہ مجتہد ہو جس کی خطا معاف ہو۔

- اور اگر اس کا ظاہر دیگر صحیح روایات کے مخالف ہو تو ان کے درمیان جمع و تطبیق ممکن ہے۔

- اور اگر اس کا ظاہر مجازفت یا میلان پر دلالت کرتا ہو تو اس کی تاویل حالت کے مطابق کی جائے گی، علماء کی شروحات و تعلیقات کی روشنی میں۔[1]

---

[1] مجھے صحیح خبر کی ایک مثال یاد آتی ہے جس کے ظاہر میں مجازفت کا گمان ہوتا ہے، وہ ہے خالد بن ولید مخزومی رضی اللہ عنہ کا زہر پینا جب انھوں نے عراق میں حیرہ فتح کیا۔

ابن سعد نے الطبقات [(٤٠/٥)، طبعة: الخانجي] میں روایت کیا، عبداللہ بن الزبیر الحمیدی نے کہا: ہمیں سفیان بن عیینہ نے خبر دی، وہ اسماعیل بن ابی خالد سے، وہ قیس بن ابی حازم سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا: میں نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ان کے پاس زہر لایا گیا، انھوں نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا: زہر۔ تو انھوں نے کہا: ''بسم اللہ'' اور اسے پی لیا۔ سفیان نے اپنے ہاتھ سے منہ کی طرف اشارہ کیا۔ عبداللہ بن زبیر نے کہا: یہ حیرہ میں ہوا۔

اس کی سند صحیح ہے، بخاری کی شرط پر ہے، اس کے راوی ثقہ اور شیخین کے رجال میں سے ہیں۔ ابن حجر نے اس واقعے کی تفسیر کرتے ہوئے کہا: ''ابن ابی شیبہ وغیرہ نے روایت کیا کہ جب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ حیرہ میں داخل ہوئے تو انھیں کہا گیا: زہر سے بچو، کہیں عجمی تمھیں نہ پلا دیں۔ تو انھوں نے کہا: زہر لاؤ، وہ لایا گیا تو انھوں نے اپنے ہاتھ سے اسے لیا اور کہا: ''بسم اللہ''، پھر اسے نگل گئے اور وہ انھیں کوئی نقصان نہ دے سکا۔ پس مصنف (ابن حجر) کا اشارہ غالبًا اس طرف ہے کہ اس سے محفوظ رہنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے لیے کرامت کے طور پر واقع ہوا، لہٰذا اس کی اقتداء نہ کی جائے تاکہ یہ کسی کے اپنے آپ کو ہلاک کرنے کا سبب نہ بنے ... اور غالبًا خالد کے پاس اس بارے میں کوئی عہد تھا جس پر وہ عمل کر رہے تھے۔ فتح الباري (٢٤٨/١٠)

یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی ایسا عہد کہ اہلِ حیرہ اسے زہر پلائیں گے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا کہ وہ ''بسم اللہ'' کہہ کر اسے پی لیں تو وہ ان کو نقصان نہ دے گا۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے زہر پینے کے واقعے کی تخریج: اسے احمد نے فضائل الصحابة (١٤٨١) میں سفیان کے طریق ←

2- تاریخی متون میں صحیح اصل

اس کا مطلب ومفہوم: یہ ایک ایسا وصف ہے جو صحیح واقعہ پر بولا جاتا ہے جو کسی ایسے تاریخی متن میں بطور اساسی واقعہ ذکر ہوا ہو جو متن صحت کے شرائط پر پورا نہ اترتا ہو۔

یا یوں کہہ لیجیے: یہ ایک اساسی واقعہ ہے جس کا ایک صحیح شاہد موجود ہو۔ یا یوں بھی کہہ سکتے ہیں: ''یہ ایک اساسی اور صحیح واقعہ ہے۔''

محدثین صحیح اصل کو ''شاہد'' کہتے ہیں اور یوں کہتے ہیں: "له شاهد صحيح"، "له شواهد"، "لبعضه شواهد"، وغیرہ۔ اور حادثہ سے مراد اقوال وافعال دونوں ہیں۔

''صحیح اصل'' اور ''شاہد'' کے درمیان تاریخی اصطلاح میں فرق:

یہ دونوں کبھی معنی کے اعتبار سے ایک جیسے ہوتے ہیں، چنانچہ ایک کو دوسرے کا نام دیا جاتا ہے۔ زیادہ رائج یہی ہے اور عام طور پر اس کے اطلاق سے یہی مراد لیا جاتا ہے۔ اور کبھی ان میں فرق بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ ''اصل'' سے مراد ہوتا ہے کہ ایک اساسی واقعہ جس کا صحیح شاہد ہو۔ اور ''شاہد'' سے مراد ہوتا ہے کہ وہ واقعہ جس کی بنیاد ایک صحیح اصل پر ہو، خواہ وہ واقعہ اساسی ہو یا ثانوی وحاشیہ کا۔

اس بنا پر جب دونوں میں فرق کیا جائے تو ''شاہد'' کا دائرہ صحیح اصل سے زیادہ عام ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر کچھ آگے (معاویہ رضی اللہ عنہ کے رونے)[1] کے بارے میں ذکر ہوگا، اس کے کئی صحیح شواہد ہیں مگر وہ سب ثانوی ہیں، اس لیے وہ صرف شواہد ہیں، صحیح اصل نہیں۔

← سے روایت کیا اور اس کے الفاظ ہیں: خالد رضی اللہ عنہ نے کہا: غزوۂ موتہ کے دن میری تلوار کے نو قبضے ٹوٹ گئے اور میرے ہاتھ میں چوڑی دھار والی یمن کی ساختہ صرف ایک تلوار رہ گئی اور انھیں زہر دیا گیا تو انھوں نے کہا: یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا: زہر۔ تو انھوں نے کہا: ''بسم اللہ'' اور اسے پی لیا۔ اور اسے بخاری (۴۰۱۷) نے بھی سفیان کے طریق سے روایت کیا ہے مگر زہر کا ذکر نہیں کیا۔

یہ روایت انہی الفاظ کے ساتھ (غزوۂ موتہ کے ذکر کے ساتھ، بغیر زہر کے ذکر کے) ابن المبارک کی الجهاد (۲۱۸)، فضائل الصحابة لأحمد (۱٤۷۵)، مسند أبي يعلى (۷۱۸۷)، المعجم الكبير (۳۸۰۲)، معرفة الصحابة لأبي نعيم (۹۲۷/۲، ح: ۲۳۹۱) میں بھی موجود ہے، اور ان تمام میں یہی الفاظ ہیں: ''میں نے خالد بن ولید کو سنا، وہ حیرہ میں لوگوں کو یہ واقعہ سنا رہے تھے ...''، یہ احمد کے الفاظ ہیں۔

اور زہر والے قصے کی تخریج کے لیے دیکھیے: المطالب العالية (٤۰۱۱)

[1] ملاحظہ ہو: صفحہ: (۴۳)

''شاہد'' کی اصطلاح تاریخی مفہوم میں صرف اس وقت استعمال کی جائے گی جب وہ صحیح ہو، تب ہی اسے ''شاہد'' کہا جائے گا۔

''شاہد'' محدثین کے نزدیک:

حدیثی اصطلاح میں شاہد کبھی صحیح ہوتا ہے اور کبھی ضعیف۔ محدثین جب کسی ضعیف حدیث کے لیے شواہد ذکر کرتے ہیں تو ان کا مقصد دو میں سے ایک نتیجہ واضح کرنا ہوتا ہے:

اگر وہ شواہد صحیح ہوں یا ضعیف ہوں، مگر شدید ضعف سے خالی ہوں تو ان کا مقصود ہوتا ہے کہ یہ حدیث ان شواہد کی بنیاد پر حسن یا صحیح کے درجے تک پہنچ سکتی ہے۔

اور اگر وہ شواہد شدید ضعیف ہوں تو ان کا مطلب ہوتا ہے کہ یہ حدیث ان شواہد سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتی اور کسی حال میں بھی صحیح نہیں ہو سکتی۔

محدثین کے شواہد ذکر کرنے سے دیگر مقاصد بھی ہوتے ہیں، چاہے وہ (شواہد صحیح ہوں یا ضعیف) لیکن ہم یہاں ان باتوں پر اکتفا کریں گے جو ہمارے موضوع سے متعلق ہیں۔

پس ہم نتیجہ نکالتے ہیں کہ ''شاہد'' کے معاملے میں حدیثی اصطلاح اور تاریخی اصطلاح کے درمیان فرق یہ ہے:

⊙ شاہد محدثین کی اصطلاح میں کبھی صحیح ہوتا ہے اور کبھی ضعیف۔

⊙ لیکن تاریخی اصطلاح شاہد میں صرف صحیح چیز کو ہی ''شاہد'' کہا جاتا ہے۔ اگر وہ صحیح نہ ہو تو اسے شاہد نہیں کہا جائے گا۔

صحیح اصل کی شرائط:

ہم تعریف سے یہ اخذ کرتے ہیں کہ کسی واقعے کو کسی متن میں صحیح اصل تب ہی کہا جائے گا جب اس میں دو شرطیں پائی جائیں:

1. واقعہ کسی صحیح یا حسن سند سے ثابت ہو (محدثین کے منہج کے مطابق)۔
2. وہ صحیح واقعہ اس ضعیف متن میں اساسی واقعہ ہو۔

تاریخی متن میں جو واقعات ثانوی یا حاشیے کے طور پر آئے ہوں، وہ صحیح اصل نہیں کہلاتے اور ان کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا، چاہے وہ صحیح ہی کیوں نہ ہوں۔ اسی طرح وہ اساسی واقعات جو صحیح سند سے ثابت نہ ہوں، ان کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہوتا اور ضعیف تاریخی متن کو ان سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

صحیح اصل کو پہچاننے کے لیے راہنما نکات:

صحیح اصل کو کسی ضعیف تاریخی متن میں پہچاننے کے لیے درج ذیل تین مراحل کا لحاظ رکھا جاتا ہے:

پہلا مرحلہ: اس ضعیف متن میں اساسی واقعات کو الگ کرنا۔

دوسرا مرحلہ: ان اساسی واقعات کے لیے صحیح شواہد تلاش کرنا۔

تیسرا مرحلہ: جن اساسی واقعات کے لیے صحیح شواہد مل جائیں وہی صحیح اصول ہوں گے۔

مثال: مغیرہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر اس وقت ملی جب وہ اپنی بیوی فاختہ بنت قرظہ کے ساتھ قیلولہ کر رہے تھے تو وہ بیٹھ گئے، رونے لگے اور "إنا لله وإنا إليه راجعون" پڑھا۔ فاختہ نے کہا: کل تک تو آپ ان پر طعن کر رہے تھے اور آج ان پر رو رہے ہیں؟! تو انھوں نے کہا: افسوس! میں اس لیے روتا ہوں کہ لوگوں نے ان کے حلم اور علم کو کھو دیا۔[1]

اس روایت میں صرف ایک ہی اساسی واقعہ آیا ہے، وہ ہے: معاویہ رضی اللہ عنہ کا علی رضی اللہ عنہ کے لیے رونا، لیکن اس کے لیے کوئی صحیح شاہد نہیں ملتا، اس لیے اس واقعے کی کوئی صحیح اصل نہیں۔

جبکہ اس روایت میں کچھ ثانوی واقعات بھی ہیں:

- سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا شہید ہونا۔
- سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا دوپہر کو سونا۔
- سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیوی کا نام فاختہ بنت قرظہ ہونا۔
- سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے درمیان اختلاف ہونا۔
- سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا علم اور حلم سے متصف ہونا۔

یہ ثانوی واقعات کے صحیح ہونے میں کوئی شبہہ نہیں، لیکن یہ اساسی واقعات نہیں، اس لیے ان کا کوئی اعتبار نہیں اور نہ ہی یہ صحیح اصل کہلا سکتے ہیں۔

ایک اور مثال:

شامی خطباء کا ایلیاء (بیت المقدس) میں اجتماع۔[2]

---

[1] تفصیل آگے [رقم: ۵۴۲] میں آئے گی۔

[2] ایلیاء: بیت المقدس کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ معجم البلدان لیاقوت الحموي (۱/۲۹۳) ←

نصر بن مزاحم نے کہا کہ صالح بن صدقہ ابن اسحاق سے، وہ خالد خزاعی اور دیگر ثقہ افراد سے، وہ ان سے جن پر کوئی تہمت نہیں، روایت کرتے ہیں: جب عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے اور علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام کی گورنری سے معزول کرنے کا خط آیا تو معاویہ رضی اللہ عنہ نکلے یہاں تک کہ منبر پر چڑھے، پھر لوگوں میں اعلان کروایا کہ سب حاضر ہوں، لوگ مسجد میں جمع ہوئے تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں خطبہ دیا۔ اللہ کی حمد وثنا کی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا، پھر فرمایا: اے اہلِ شام! تم جانتے ہو کہ میں امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا جانشین [1] ہوں اور عثمان رضی اللہ عنہ کا بھی جانشین ہوں اور وہ مظلوم قتل کیے گئے، اور تم جانتے ہو کہ میں ان کا ولی ہوں، اور اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے:

﴿ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا ﴾ [بني إسرائيل: ۳۳]

''اور جو شخص مظلوم قتل کیا گیا ہو تو ہم نے اس کے ولی کو (قصاص کا) اختیار دیا ہے۔''

اور میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے بتاؤ کہ تمھارے دلوں میں عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے بارے میں کیا ہے۔ راوی کہتے ہیں: تو کعب بن مرہ سلمی کھڑے ہوئے، اس وقت مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تقریباً چار سو صحابہ موجود تھے، انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! میں یہ بات جانتے ہوئے کھڑا ہوا ہوں کہ تم میں سے بعض کی صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مجھ سے زیادہ پرانی ہے، لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک موقع پر جو بات سنی ہے، شاید تم میں سے بہت سے لوگوں نے وہ موقع نہ پایا ہو۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دوپہر کے وقت ایک سخت گرمی والے دن میں تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عن قریب ایک فتنہ ظاہر ہوگا''، اتنے میں ایک نقاب پوش شخص گزرا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ شخص اس دن ہدایت پر ہوگا۔'' راوی کہتے ہیں: میں اٹھا اور اس کے دونوں کندھوں کو پکڑا اور اس کے سر سے نقاب ہٹایا تو وہ عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔ میں ان کا چہرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لے گیا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا یہی ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جی ہاں۔''

← صحیح مسلم (۱۳٦/٤) میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تین مساجد کے سوا کسی مسجد کی طرف خاص طور پر (عبادت کے لیے) سفر نہ کیا جائے: کعبہ، میری یہ مسجد (نبوی) اور مسجد ایلیاء (بیت المقدس)۔''

[1] یعنی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور میں شام کے گورنر تھے اور ان کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی۔ ابن حجر نے فرمایا: ''معاویہ نے اہلِ شام میں قیام کیا، وہ عثمان اور ان سے پہلے عمر کے زمانے میں شام کے گورنر تھے تو انھوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا مطالبہ کرنے کی دعوت دی۔'' الإصابة (٥٦٦/٤)

پس اہلِ شام معاویہ رضی اللہ عنہ پر جمع ہو گئے اور ان سے بیعت کر لی کہ وہ عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا مطالبہ کرنے کے لیے امیر ہوں گے، نہ کہ خلافت کے طلبگار، اور پھر معاملہ مشورے کے سپرد ہو گا۔[1]

⦿ اب ہم پہلے مرحلے سے شروع کرتے ہیں، یعنی روایت میں موجود اساسی واقعات کا احاطہ: یہ تین ہیں:

ا: معاویہ رضی اللہ عنہ کا خطبہ دینا۔

ب: کعب بن مرہ رضی اللہ عنہ کا خطبہ دینا اور حدیث شریف کا ذکر کرنا۔

ج: اہلِ شام کا معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کرنا کہ وہ صرف امیر ہوں گے نہ کہ خلیفہ۔

⦿ دوسرا مرحلہ: ان اساسی واقعات کے لیے صحیح شواہد کی تلاش تو ہمیں ان تینوں کے لیے صحیح شواہد[2] مل گئے۔

⦿ تیسرا مرحلہ: یہ ثابت ہوا کہ یہ تینوں واقعات صحیح اصول شمار ہوتے ہیں، کیونکہ یہ تمام اساسی واقعات ہیں اور ان کے لیے صحیح شواہد موجود ہیں۔

تاریخی روایات میں شواہد تلاش کرنے کا طریقہ:

شواہد کی تلاش اعتبار کے ذریعے ہوتی ہے۔ یہ علمِ حدیث کی اصطلاح ہے جس کا مطلب ہے: روایت کے طرق کا تتبع کرنا[3] اور اس کی متابعات اور شواہد تلاش کرنا۔

اور ''اعتبار'' کا یہ طریقۂ کار ''تخریج''[4] بھی کہلاتا ہے۔ وسیع مطالعے کے ذریعے اصل ماخذ میں مطلوبہ چیز حاصل ہو جاتی ہے۔

---

[1] تفصیل آگے [رقم: ۱۱] میں آئے گی۔

[2] تفصیل آگے [رقم: ۱۱] کے حواشی میں آئے گی۔

[3] ''تتبع'': کا مطلب ہے طرق (روایت کی سندیں) کو جمع کرنا۔

[4] تخریج کی ایک مثال وہ ہے جو تخریج مسند احمد کے محققین، مثلاً شعیب ارناؤط اور دیگر نے کی ہے، ان کی طرز یہ ہوتی ہے کہ وہ حدیث پر صحت یا ضعف کا حکم لگاتے ہیں، پھر راویوں کا تعارف کراتے ہیں اور ان کی حالت بیان کرتے ہیں، پھر حدیث کی تخریج کرتے ہیں، مثلاً کہتے ہیں: (اسے ابن ماجہ، ابن حبان، طبرانی کبیر اور حاکم نے فلان بن فلان کے طریق سے اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے ...) اور دیگر مصادر کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ یہ محدثین کا عمومی طریقہ ہے۔ پس تخریج وہ طریقہ ہے جو علتیں واضح کرتا ہے، حدیث کے تمام الفاظ کو جمع کرتا ہے اور متابعات وشواہد کو معلوم کرنے میں مدد دیتا ہے۔ اور ایسی متعدد مثالیں موجود ہیں جن میں تخریج (الاعتبار) کے ذریعے علل کو واضح کیا گیا ہے، جیسا کہ اس کتاب میں درج ذیل مقامات پر ملاحظہ کی جا سکتی ہیں: [رقم: ۱۳۸، ۱۵۰، ۱۵۹، ۲۴۸، ۳۱۲، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۴۸، ۴۰۱، ۴۲۱، ۴۲۸، ۴۹۹، ۵۹۶]

←

وہ اقسامِ روایات جو شاہد بننے کے قابل ہوتی ہیں:

صرف دو ہی قسم کی روایات شاہد بننے کے لائق ہوتی ہیں:

① صحیح خبر ② حسن خبر

رہی بات خبرِ مقبول کی تو وہ بھی اس وقت تک شاہد نہیں بن سکتی جب تک وہ اپنے شواہد کی بنا پر حسن یا صحیح کے درجے تک نہ پہنچ جائے، تب ہی وہ شاہد بننے کے قابل ہو گی۔

یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ ''قرائن کے ذریعے مقبول قرار دی گئی خبر'' (یعنی وہ خبر جو صحیح اصل سے منسلک ہونے کی بنا پر مقبول قرار پاتی ہے)[1] کبھی بھی حسن یا صحیح کے درجے تک نہیں پہنچتی، لہٰذا وہ شاہد نہیں بن سکتی۔

تاریخی روایات میں ''صحیح اصل'' کا فائدہ:

اگر ایسی روایات میں ''صحیح اصل'' موجود ہو جو صحت کی تمام شرائط پر پوری نہیں اترتیں تو اس کے دو فائدے ہوتے ہیں:

ایک: تاریخی استدلال کے اعتبار سے، **دوسرا:** تاریخی قدر و قیمت کے لحاظ سے۔

اور وہ دونوں فائدے یہ ہیں:

1. یہ کہ صحیح اصل اس واقعے کو جس سے وہ متعلق ہو ایک قوت عطا کرتا ہے، چنانچہ وہ پورا واقعہ ''قبولیت'' کے درجے تک بلند ہو جاتا ہے۔ (یہ تاریخی استدلال سے متعلق فائدہ ہے)
2. یہ کہ وہ (صحیح اصل) اس صحیح واقعے کی مناسبت کو واضح کرتا ہے اور اس کو زیادہ روشن انداز میں سمجھنے کا تصور فراہم کرتا ہے۔ (یہ تاریخی قدر و قیمت سے متعلق فائدہ ہے)

← اور حاشیہ [رقم: ۳۵۴] میں امام نسائی کی ''السنن الکبریٰ'' میں، اور حاشیہ [رقم: ۳۵۸] میں امام حاکم کی روایت، معتمر کے واسطے سے، اپنے والد سے، وہ مجاہد سے، وہ عبداللہ بن عمرو سے، اور حاشیہ [رقم: ۵۱۲] میں ابن سعد کی روایت، علی رضی اللہ عنہ سے: میں اسے ہدیہ وعطیہ دینا چاہتا ہوں اور وہ مجھے قتل کرنا چاہتا ہے....

جب کہ کتاب ''خطبة الحسن ومعاوية رضی اللہ عنہما عند البيعة'' میں ملاحظہ کریں: [رقم: ۲۰، ۲۴، ۳۸ تا ۴۳، اور حاشیہ [رقم: ۲۳] میں امام طبرانی کی ''المعجم الأوسط'' میں روایت، مردان کے واسطے سے، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن رضی اللہ عنہ کو بوسہ دینا۔

[1] اصل صحیح کے ساتھ ملحق کیے جانے کے بارے میں گفتگو تھوڑا آگے چل کر آئے گی۔

تاریخی متن میں ''صحیح اصل'' کے ذریعے جس قدر تقویت حاصل ہوتی ہے:

بے شک صحیح اصل (بطور شاہد) اس کا اثر حدیثِ نبوی اور خبرِ تاریخی میں مختلف ہوتا ہے۔

چنانچہ حدیث کے معاملے میں محدثین صرف اسی حصے کو شواہد کی بنیاد پر صحیح قرار دیتے ہیں ''جس کے لیے بالفعل شواہد موجود ہوں'' اس کے علاوہ کسی اور حصے کو نہیں۔

رہا معاملہ تاریخی خبر کا تو اس میں وہ پورا واقعہ تقویت پا جاتا ہے جس سے صحیح اصل متعلق ہو۔

نوٹ: تقویت صرف پورے واقعے کو حاصل ہوتی ہے، نہ کہ پورے قصے یا مکمل متن کو۔ اس لیے کہ ایک خبر میں کئی واقعات شامل ہو سکتے ہیں، مگر ان میں سے صرف وہی واقعہ بلندی پاتا ہے جو شاہد (یعنی صحیح اصل) سے متعلق ہو۔

چنانچہ اگر ہم فرض کریں کہ ہمارے سامنے ایک تاریخی متن ہے جس میں تین واقعات شامل ہیں، لیکن صحیح اصل ان میں سے صرف دوسرے واقعے سے متعلق ہے تو صرف دوسرا واقعہ ہی تقویت حاصل کرے گا، کیونکہ دوسرا واقعہ مکمل طور پر صحیح اصل سے وابستہ ہے، لہٰذا ہم اس دوسرے پر ''خبر مقبول''[1] کا حکم لگائیں گے۔ رہی بات پہلے اور تیسرے واقعے کی، اگر ان دونوں میں کوئی نکارت نہ ہو تو ان کے بارے میں سکوت اختیار کیا جائے گا[2] (یعنی نہ قبول، نہ ردّ)، اور اگر ان میں نکارت پائی جائے تو وہ دونوں ردّ کر دیے جائیں گے۔

اور ہم ان خبروں کے ساتھ برتاؤ کا طریقہ بھی ذکر کریں گے جن میں درست اور غلط باتیں خلط ملط ہوگئی ہوں،[3] کیونکہ ایسی روایات کو نہ تو بالکل ردّ کیا جاتا ہے اور نہ ہی مکمل طور پر قبول، بلکہ ان کی تحقیق و تنقیح کی جاتی ہے مگر شرائط کے ساتھ۔

اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی تاریخی متن میں کبھی صحیح اصل کی تعداد زیادہ ہوتی ہے اور کبھی کم۔ پس جتنا زیادہ صحیح اصل موجود ہوگا، اتنی ہی خبر کی قوت بڑھتی جائے گی، یہاں تک کہ وہ خبر شواہد کی بنا پر ''مقبول'' کے درجے سے بلند ہو کر حسن بہ شواہد یا صحیح بہ شواہد کے درجے تک پہنچ جاتی ہے۔[4]

---

[1] ''خبر مقبول'' کی وضاحت تھوڑا آگے چل کر پیش کی جائے گی۔

[2] ''المسکوت عنہ'' کی وضاحت تھوڑا آگے چل کر آئے گی۔

[3] ہم ان شرائط کا ذکر ''تاریخی روایات ثابتہ کو جمع کرنے کے مراحل'' کے تیسرے مرحلہ میں کریں گے۔

[4] جو کچھ ہم تھوڑا آگے چل کر ''خبر مقبول کا حکم'' کے عنوان کے تحت ذکر کریں گے، اسے ملاحظہ فرمائیں۔

اصل صحیح کی ایک مثال:

ایک مثال آگے آئے گی[1] جب ہم شام کے خطباء کے ایلیاء میں جمع ہونے کے واقعے پر گفتگو کریں گے، تو یہ واقعہ امام احمد اور دیگر محدثین نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے جس میں یہ الفاظ ہیں:
''ایلیاء میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت کے زمانے میں خطباء کھڑے ہوئے اور خطبے دیے، اور سب سے آخر میں مرہ بن کعب رضی اللہ عنہ نے بات کی۔''

مرہ بن کعب (یا اختلاف کے مطابق: کعب بن مرہ) نے عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بیان کی۔

اس واقعے کو نصر بن مزاحم (جو کہ متروک اور متہم بالکذب ہے) نے بھی روایت کیا، مگر اس نے اپنے سیاق میں کچھ زیادتیوں کا اضافہ کر دیا جن سے واقعے کی مناسبت، وقت اور نتائج واضح ہو گئے۔ اس نے کہا: [جب عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے اور علی رضی اللہ عنہ کا معاویہ رضی اللہ عنہ کی معزولی کا خط ان کے پاس پہنچا، تو معاویہ رضی اللہ عنہ باہر نکلے اور منبر پر چڑھے ... پھر کہا: اے اہلِ شام! تم جانتے ہو کہ میں امیر المومنین عمر بن خطاب اور عثمان رضی اللہ عنہما کا جانشین ہوں، اور عثمان رضی اللہ عنہ مظلومانہ طور پر قتل کیے گئے اور تم جانتے ہو کہ میں ان کا ولی ہوں ...... اور میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے اپنے دلوں کی بات بتاؤ جو تمھارے اندر عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے بارے میں ہے تو کعب بن مرہ سلمی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے ...... (اور عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کی) پھر اہلِ شام نے اتفاق رائے سے معاویہ رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا اور ان سے عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا مطالبہ کرنے پر بیعت کی۔ اس شرط پر کہ وہ خلافت کے امیدوار نہ ہوں اور پھر بعد کا معاملہ شوری سے طے ہوگا][2]

تو نصر بن مزاحم کی روایت میں جو بنیادی واقعات بیان ہوئے ہیں، وہ یہ ہیں: خطباء کا قیام (یعنی ان کا اجتماع اور خطبے دینا)، اور کعب بن مرہ رضی اللہ عنہ کا کھڑا ہونا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرنا۔ یہ دونوں واقعات درست ہیں اور یہ امام احمد اور دیگر محدثین رحمہم اللہ کی روایات میں صحیح سند کے ساتھ موجود ہیں۔ پھر نصر نے اپنی روایت کے سیاق میں کچھ فائدہ مند زیادات شامل کیں جو درج ذیل ہیں:

1 یہ وضاحت کہ یہ واقعہ عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد پیش آیا۔

---

⑤ دیکھیے [رقم: ۷] اور اس کے بعد کی روایات میں۔
⑥ دیکھیے: [رقم: ۱۱]

2 یہ کہ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب علی رضی اللہ عنہ کا خط، جس میں انھوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام کی گورنری سے معزول کیا تھا، معاویہ رضی اللہ عنہ تک پہنچ چکا تھا۔

3 یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے نہ صرف شام کے خطباء کے اس اجتماع میں شرکت کی بلکہ نصر بن مزاحم کی روایت سے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اجتماع خود معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے بلایا گیا تھا۔

4 یہ کہ معاویہ رضی اللہ عنہ ہی اس اجتماع میں سب سے پہلے خطبہ دینے والے تھے۔

5 نصر بن مزاحم کی روایت میں یہ بات بھی مذکور ہے کہ اس اجتماع کے نتیجے میں اہلِ شام نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا مطالبہ کرنے پر بطور امیر بیعت کی، نہ کہ خلافت کے امیدوار کے طور پر، اور یہ طے ہوا کہ آئندہ کا معاملہ شوریٰ کے ذریعے طے کیا جائے گا۔

چنانچہ نصر بن مزاحم کی روایت میں صحیح اصل اس قدر کثرت سے موجود ہے کہ اس نے اکثر واقعاتی مواد کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے، اسی لیے یہ روایت اپنے شواہد کے ساتھ ''صحیح بہ شواہد'' کے درجے تک بلند ہو جاتی ہے۔

اور ایک دوسری مثال یہ ہے جو روایت سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے صحیح ثابت ہے کہ انھوں نے اہلِ عراق سے فرمایا: ''اہلِ شام کو گالی نہ دو، کیونکہ ان میں ابدال (اللہ کے خاص بندے) ہیں، ہاں ان کے ظالموں کو گالی دو۔''[1]، اس پر نصر بن مزاحم نے بھی ایک قول روایت کیا[2] جس میں علی رضی اللہ عنہ کے قول کا مفہوم تفصیل سے واضح کیا گیا ہے اور اس کی مناسبت بھی ذکر کی گئی ہے جو ان کے مقصود کو واضح کرتی ہے۔ چونکہ اس روایت میں صحیح اصل تھوڑا ہے، لہٰذا یہ خبر ''مقبول'' کے درجے پر ہے اور اسی تھوڑی سی صحیح بنیاد کے سبب پوری روایت تقویت پا گئی۔

صحیح اصل سے ملحق:

صحیح اصل سے ملحق تین قسم کی تاریخی خبریں ہیں:

1 وہ واقعات جن کے وجود پر مورخین کا اتفاق ہو، یعنی تاریخ کے بڑے بڑے واقعات کی سرخیاں (عناوین)۔ جیسے: صفین کی جنگ، نہروان کی جنگ، مصر کا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے زیرِ اثر آنا، حسن رضی اللہ عنہ کا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنا، امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی بیٹی

---

[1] دیکھیے: [رقم: ۳۱۴] [2] یہ بات [رقم: ۳۱۵] پر آئے گی۔

ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے نکاح، عبداللہ بن سبا کا امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں غلو، فتنے میں ابنِ سبا کا کردار اور علی رضی اللہ عنہ کا سبئیہ کو جلانا۔

اور بعض تاریخی واقعات کا اصل وجود تواتر کے درجے تک پہنچ جاتا ہے، جیسے کہ صفین اور نہروان کی جنگ، حسن رضی اللہ عنہ کی معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت اور حجاج بن یوسف ثقفی کی عراق پر ولایت۔

2 وہ واقعات جن کا ذکر مورخین کی تصانیف میں کثرت سے ملتا ہے، بشرطیکہ ان میں نکارت نہ پائی جائے۔

اس کی مثال: لشکرِ خمیس کی موجودگی اور قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کا اس لشکر کی قیادت کرنا، نیز قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کا صفین میں حاضر ہونا۔

اور یہ دونوں قسمیں کسی خبر کو ''قبول'' کے درجے تک نہیں پہنچا تیں مگر صرف معتبر قرائن کی موجودگی میں۔ ان دونوں قسموں کے درمیان فرق یہ ہے کہ پہلی قسم دوسری کے مقابلے میں ثبوت کے اعتبار سے بلند درجے کی ہے، اگرچہ مورخین کے نزدیک دونوں ہی ثابت شمار ہوتی ہیں۔

بعض محققین کا یہ خیال ہوسکتا ہے کہ اس واقعے کے اصل وجود پر اتفاق نہیں، بلکہ یہ محض مستفیض ہے، یا وہ اس کے برعکس رائے رکھتے ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ یہ دونوں اقسام مورخین کے نزدیک ثابت شمار ہوتی ہیں اور انھیں صحیح اصل کے ضمن میں معتبر قرائن کے ساتھ ملحق کر کے استعمال کرنا ایک ہی نتیجے تک لے جاتا ہے۔

3 وہ خبر جس کی سند کسی ایسے چشم دید گواہ تک صحیح یا حسن ہو جو متہم نہ ہو، بشرطیکہ اس میں نکارت نہ ہو اور وہ واقعہ جس کی وہ تفصیلات بیان کر رہا ہو مورخین کے نزدیک اس کے اصل وجود پر اتفاق ہو یا وہ ان کے نزدیک مستفیض ہو۔

پس تیسری قسم کی خبر کے لیے چار شرائط (یا یوں کہیے ''قرائن'') کا پایا جانا ضروری ہے، وہ یہ ہیں:

- سند کسی چشم دید گواہ تک صحیح ہو۔
- چشم دید گواہ متہم نہ ہو۔
- وہ واقعہ جس کی وہ تفصیلات بیان کر رہا ہو مورخین کے نزدیک اپنے اصل وجود کے اعتبار سے متفق علیہ ہو یا ان کے ہاں مستفیض ہو۔

اور تیسری قسم کی یہ خبر اکثر اوقات قرائن کی بنا پر قبول بالقرائن سے بلند ہو کر قبول بالشواہد کے درجے تک پہنچ جاتی ہے، کیونکہ اس کا اصل صحیح طور پر ثابت ہوتا ہے۔

صحیح اصل کے اور ان واقعات، جن کے اصل وجود پر مورخین کے درمیان اتفاق ہے، کے درمیان ثبوت کے طریقے اور تاریخ میں عموم وخصوص کے اعتبار سے فرق یہ ہے کہ صحیح اصل دو خصوصیات سے ممتاز ہوتا ہے:

ا۔ یہ خبر حسن یا صحیح کے ذریعے محدثین کے منہج کے مطابق ثابت ہوتا ہے۔

ب۔ یہ کسی مخصوص اور معین واقعے سے متعلق ہوتا ہے، یعنی یہ جزئیات پر مشتمل ہوتا ہے یا دوسرے لفظوں میں تفصیلات بیان کرتا ہے۔

رہے وہ حوادث جن کے اصل وجود پر مورخین کے درمیان اتفاق ہے تو وہ بھی دو خصوصیات سے ممتاز ہوتے ہیں:

(1) حقیقت میں یہ تاریخ کے بڑے بڑے واقعات کے لیے عناوین کی حیثیت رکھتے ہیں جن کے اصل وجود پر اختلاف نہیں ہوتا۔

(2) اور اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ عمومی نوعیت کے ہوتے ہیں، ان میں بیان کردہ جزئیات پر موقوف نہیں ہوتیں۔

اس فرق کی مثال یہ ہے کہ صفین کے زمانے میں علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے اہلِ شام پر سب ولعن کرنے سے منع کرنا۔[1]

پس جنگِ صفین ایک ایسا واقعہ ہے جس کے اصل وجود پر اتفاق ہے اور یہ تاریخ کے ایک بڑے واقعے کا عنوان ہے۔ رہا سب ولعن سے منع کرنا تو یہ جنگِ صفین کی تفصیلات اور جزئیات میں سے ہے اور اس منع کیے جانے کا ثبوت صحیح سند کے ساتھ موجود ہے۔

صحیح اصل کے ضمن میں شامل کی جانے والی خبر کی مثال:

ابوبکر ابن ابی خیثمہ نے روایت نقل کی کہ ہمیں احمد بن یونس نے روایت بیان کی، انھوں نے کہا: ہمیں ابوالاحوص نے روایت بیان کی، انھوں نے کہا: ہمیں ابواسحاق نے ابوالعلاء (یعنی ریم) سے روایت کی، انھوں نے کہا: علی رضی اللہ عنہ صفین کی طرف روانہ ہوئے اور ہم پر قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کو حاکم مقرر فرمایا۔[2]

یہ سند ابوالعلاء ریم تک صحیح ہے اور وہ ایک چشم دید گواہ ہے مگر میں نے اس کی توثیق نہیں پائی۔

دوسرا: قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کا اس (جنگ) میں شریک ہونا مورخین کے ہاں مستفیض ہے۔

پس یہ خبر اپنے قرائن کی بنا پر مقبول ہے۔

---

(1) دیکھیے: [رقم: ۳۱۳ تا ۳۱۷]
(2) دیکھیے: [رقم: ۱۰۵]

ایک اَور مثال: ایک اور خبر[1] بھی ابو العلاء یریم ہی سے مروی ہے جس میں لشکرِ خمیس کا وصف بیان ہوا ہے اور یریم خود اس لشکر کے افراد میں سے ایک تھا۔ پس یریم تک سند صحیح ہے اور اس لشکرِ خمیس کی قیادت قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کے سپرد ہونا مورخین کے ہاں مستفیض ہے۔

ایک اَور مثال: ابو فاختہ سعید بن علاقہ نے کہا: مجھے میرے ایک پڑوسی نے حدیث بیان کی، اس نے کہا: میں صفین کے دن ایک قیدی کو لے کر علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو قیدی نے کہا: مجھے باندھ کر قتل نہ کرنا۔ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تمھیں باندھ کر قتل نہیں کروں گا، میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ کیا تم بیعت کرو گے؟ کیا تم میں کوئی خیر ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ تو علی رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے جو قیدی کو لایا تھا فرمایا: اس کا اسلحہ لے لو۔[2]

پس یہ سند ابو فاختہ کے پڑوسی تک صحیح ہے، اگرچہ وہ مجہول ہے اور صفین کی جنگ کا وقوع مورخین کے نزدیک متفق علیہ ہے، لیکن یہ خبر اپنے قرائن کی بنا پر مقبول بالقرائن سے بلند ہو کر مقبول بالشواہد کے درجے تک پہنچ گئی ہے؛ کیونکہ علی رضی اللہ عنہ سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ وہ نہ قیدیوں کو قتل کرتے تھے اور نہ مقتولین کو لوٹتے تھے، لہٰذا اس واقعے کی ایک صحیح اصل موجود ہے اور ہم نے اس کے شواہد اپنے مقام پر ذکر کیے ہیں۔

ایک اَور مثال: حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جریر رضی اللہ عنہ کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجنا، اور اشتر کا اس پر اعتراض[3] کرنا، یہ واقعہ مورخین کے ہاں مستفیض ہے، اس میں کوئی نکارت نہیں اور اس کے لیے کئی قرائن موجود ہیں، وہ یہ ہیں:

- جنابِ علی رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس قاصد بھیجا کرتے تھے، اور اس میں کوئی مانع نہیں کہ جریر رضی اللہ عنہ انھی میں سے ایک ہوں۔
- اشتر ایک سخت مزاج اور بدخلق تند خو شخص تھا۔
- جنابِ جریر رضی اللہ عنہ کی یہ سفارتی کوشش کامیاب نہ ہو سکی اور یہ بھی ان مراسلات میں شمار ہوتی ہے جو کامیاب نہیں ہوئیں۔
- جنابِ جریر رضی اللہ عنہ کے معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچنے کے واقعے میں بعض صحیح واقعات کا ذکر بھی آیا ہے، جیسے

---

[1] التاریخ الکبیر از ابن ابی خیثمہ (۴۳/۳، ۳۷۴۸) اور آگے دیکھیے: [رقم: ۱۰۵]
[2] دیکھیے [رقم: ۳۲۲]
[3] دیکھیے: [رقم: ۲۸۷، ۲۸۸]

کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کا خطبہ، اہلِ شام کا ان سے بیعت کرنا کہ وہ عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا مطالبہ کریں گے اور قمیص عثمان رضی اللہ عنہ کا واقعہ۔

پس یہ خبر اس استفاضہ اور قرائن کی بنا پر ''مقبول بالقرائن''[1] کے درجے تک بلند ہو گئی ہے۔ اور صحیح اصل کے ضمن میں ملحق ہونے کی بنا پر کوئی خبر صرف ''مقبول'' کے درجے تک ہی پہنچتی ہے، اس سے کبھی بھی حسن بشواہد یا صحیح بشواہد کا درجہ حاصل نہیں ہوتا، چاہے استفاضہ یا قرائن کتنے ہی بڑھ جائیں۔ اور وہ خبر جو صحیح اصل کے ضمن میں ملحق ہونے کی وجہ سے درجۂ قبول کو پہنچے اسے ''خبر مقبول بقرائن'' کہا جاتا ہے۔

لہٰذا اس بنیاد پر ''اصل صحیح کے ضمن میں ملحق'' خبر کی تین صفات ہوتی ہیں:

① یہ صحیح اصل کے مقابلے میں کمزور تر ہوتا ہے۔

② یہ صحیح اصل کا کام صرف اسی صورت میں انجام دیتا ہے جب معتبر قرائن موجود ہوں۔

③ خبر اس کے ذریعے صرف مقبول کے درجے تک پہنچتی ہے، حسن یا صحیح کے درجے تک کبھی نہیں پہنچتی۔ اور چونکہ یہ حسن یا صحیح کے درجے تک نہیں پہنچتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کبھی بھی شاہد، یعنی صحیح اصل نہیں بن سکتا۔

ایک ہی خبر میں بنیادی واقعات کی کثرت اور تنوع:

تاریخی متن میں کبھی کبھی متعدد بنیادی واقعات شامل ہوتے ہیں اور یہ مختلف النوع بھی ہو سکتے ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ تاریخی متن میں چار بنیادی واقعات شامل ہوں:

پہلا واقعہ: ایک صحیح شاہد کے ذریعے ثابت ہے۔

دوسرا واقعہ: ایک حسن شاہد کے ذریعے ثابت ہے۔

تیسرا واقعہ: صحیح اصل کے ضمن میں ملحق کے ذریعے ثابت ہے۔

چوتھا واقعہ: اس کے لیے کوئی صحیح شاہد موجود نہیں۔

تو ہم اس پر اس کے حال کے مطابق (مقبول بشواہد، حسن بشواہد یا صحیح بشواہد) کا حکم لگائیں گے، لیکن اس حکم کے بعد ہمیں یہ تعقیب ضرور کرنی چاہیے: سوائے فلاں فلاں (واقعات) کے، کیونکہ وہ مقبول بالقرائن ہیں[1] اور سوائے فلاں فلاں (واقعات) کے، کیونکہ ان پر سکوت اختیار کیا گیا ہے۔

---

[1] اس نکتے کی وضاحت کچھ ہی آگے (خبرِ مقبول کی اقسام) کے تحت آئے گی۔

کیونکہ وہ خبر جو صحیح اصل کے ضمن میں ملحق ہونے کی بنیاد پر درجہ حاصل کرتی ہے، وہ کبھی بھی مقبول کے مرتبے سے آگے نہیں بڑھتی۔

ایک مثال موجود ہے اور وہ ہے قمیصِ عثمان رضی اللہ عنہ [1] کا قصہ، اس کا کچھ حصہ صحیح بشواہد ہے، کیونکہ اس کی اصل ایک صحیح طریق سے ثابت ہے۔ اور کچھ حصہ مقبول بقرائن ہے، اس لیے کہ وہ ایک واسطے سے ثابت ہے (صحیح اصل کے ساتھ ملحق ہے)۔

3- تاریخی اصطلاح میں مقبول خبر

اس کی اصطلاحی نام گزاری: محدثین کے ہاں کچھ اصطلاحات پائی جاتی ہیں جنھیں وہ احادیث کی صحت اور ضعف کے لحاظ سے استعمال کرتے ہیں، جیسے: صحیح، حسن، ضعیف وغیرہ، اور ان کا مفہوم معروف ہے۔ یہ حدیثی اصطلاحات علمِ تاریخ میں بھی استعمال ہوتی ہیں اور یہ اللہ کا شکر ہے۔

لیکن تاریخی خبروں کی ایک قسم باوجود اس کی اہمیت کے، ایسی ہے کہ مجھے جامعات اور علمی تحقیقات میں اس کے لیے کوئی معروف اور متفقہ اصطلاح اکیڈمک طور پر نہیں ملی اور نہ ہی اس کو نمایاں کیا گیا یا اس سے معاملہ کرتے وقت اسے الگ حیثیت دی گئی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ قسم پسِ منظر میں دب کر رہ گئی، حالانکہ وہ ایک معتبر اور قابلِ حجت قسم ہے، جیسے کہ صحیح اور حسن روایات قابلِ حجت ہوتی ہیں۔

یہی نہیں بلکہ اہلِ علم و تحقیق (اکیڈمک دنیا) کا عمومی رویہ یہ رہا ہے کہ وہ اس قسم کی خبر پر ایسا جملہ لگا دیتے ہیں جو اس کے مقام و مرتبے کے لائق نہیں، یعنی محدثین کی اصطلاح: (اس کی اسناد ضعیف ہے)۔ اور اس جملے کے ساتھ ہی وہ خبر بالکل قابلِ حجت ہونے سے ساقط کر دی جاتی ہے، حالانکہ حقیقت میں وہ اصل کے اعتبار سے قابلِ حجت ہوتی ہے۔

اسی طرح جب محدثین کا طریقہ اور ان کی اصطلاحات تاریخی روایات پر اسی انداز میں لاگو کی جاتی ہیں، تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ تحقیق کے میدان میں بہت سی روایات احتجاج سے ساقط ہو جاتی ہیں، حالانکہ محدثین کی اصطلاحات بہت سی تاریخی روایات کے ساتھ مکمل طور پر مطابقت نہیں رکھتیں۔

پس اس قسم کی روایت پر محدثین کی اصطلاح (ضعیف الاسناد) کا حکم لگانا، تاریخی و اکیڈمک تحقیقات میں منہجی (اصولی) غلطی شمار ہوتا ہے، اس کی وجوہات درج ذیل ہیں:

---

[1] دیکھیے: [رقم: ۱۱۶]

⦿ کیونکہ یہ قسم تو بنیادی طور پر ہمیشہ ضعیف الاسناد ہی ہوتی ہے اور محدثین کا جملہ (ضعیف الاسناد)[1] نہ تو اس کی درجہ بندی کو واضح کرتا ہے، نہ ہی اس کی خصوصیات یا اس میں موجود حق کو ظاہر کرتا ہے، بلکہ اُلٹا اس کے نقصان کا باعث بنتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ایسی اصطلاح تلاش کی جائے جو اس خبر کا فائدہ بھی دے، اور اس کے تمام پہلوؤں کو واضح بھی کرے۔

⦿ کیونکہ اس قسم کی خبر پر محدثین کی اصطلاح کے مطابق حکم لگا دینا، مثلاً: ضعیف الاسناد، تحقیق کرنے والے اور عام قاری دونوں کے نزدیک اسے پہلی نظر میں ہی نا قابلِ قبول بنا دیتا ہے، حالانکہ یہ اصطلاح اس خبر کے مزاج کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتی۔

⦿ جہاں تک اس روایت کو دیکھنے کے انداز و کیفیت کا تعلق ہے: تو یہ قسم وہ ہوتی ہے جس کا متن (مضمون) صحیح ہوتا ہے لیکن متخصص مورخین اپنے فیصلوں میں متن پر خاطر خواہ توجہ نہیں دیتے، کیونکہ وہ عموماً تخریج (یعنی روایت کو دوسرے طرق سے پرکھنے) کا کام نہیں کرتے، اور یہی ایک منہجی خلل ہے۔ مورخین عموماً صرف ظاہری سند کو دیکھ کر فیصلہ کرتے ہیں اور ایسا وہ اپنی تخصصی حدود کے باعث کرتے ہیں، کیونکہ وہ علمِ حدیث اور اس کی فنی باریکیوں کے ماہر نہیں ہوتے، لہٰذا ان کا حکم اس قسم کی روایت پر ادھورا اور خشک ہوتا ہے۔ جبکہ متن پر عموماً وہی لوگ نظر کرتے ہیں جو حدیث اور اس کے علوم کے ماہر ہوتے ہیں، کیونکہ وہ اعتبار (دوسرے شواہد وطرق سے تقابل) کا عمل کرتے ہیں جس سے انھیں متن کی حقیقی حیثیت، علت، شذوذ اور شواہد سب کچھ واضح ہو جاتا ہے۔

اور اس التباس اور خلطِ مبحث سے نکلنے اور معاملات کو ان کے صحیح مقام پر واپس لانے کے لیے، میں یہ تجویز پیش کرتا ہوں کہ اس قسم کی روایت کو نمایاں کیا جائے اور اسے ایک مخصوص اصطلاح سے ممتاز کیا جائے، یعنی اسے (علمی و جامعاتی سطح پر) ''خبرِ مقبول'' کے نام سے موسوم کیا جائے، یعنی تاریخی لحاظ سے قابلِ احتجاج خبر۔

کیونکہ یہ اصطلاح اس اُلجھن کو دور کر دیتی ہے اور خبر کے درجے کو نمایاں کرتی ہے، کیوں کہ یہ حکم متن پر ہوتا ہے، نہ کہ صرف سند پر۔ اور ہم اس کے بارے میں یہ نہیں کہتے کہ اس کی سند مقبول ہے، بلکہ یہ کہتے ہیں کہ یہ خبر مقبول ہے، کیونکہ قبولیت کا یہ حکم تاریخی متن پر ہوتا ہے نہ کہ سند پر۔

---

[1] چاہے ضعف کی وجہ کچھ بھی ہو جیسے سند کا منقطع ہونا، یا راوی کا کمزور ہونا، یا تدلیس، یا تعلیق (یعنی پوری سند یا اس کے کسی حصے کو گرا دینا) یا دیگر علل۔

یوں بہت سی تاریخی روایات میں ایک بار پھر روح واپس آ جاتی ہے جنھیں محض اس وجہ سے ساقط کر دیا گیا تھا کہ ان پر ایسے الفاظ کا اطلاق کیا گیا جو ان کے درجے کے مناسب نہ تھے، یعنی محدثین کی بعض مخصوص اصطلاحات۔

اور کچھ تاریخ کے ماہرین ایسے بھی ہیں جنھیں علمِ مصطلح الحدیث سے بھی دلچسپی ہے: وہ خبرِ مقبول سے اپنی تحقیقات میں استدلال کرتے ہیں، لیکن یہ کام وہ اپنے تاریخی ملکے کے تحت کرتے ہیں اور اس خبر کو اسی اصطلاح یعنی (خبرِ مقبول) سے موسوم نہیں کرتے، نہ ہی اس کی قواعد وضوابط کی صراحت کرتے ہیں، یعنی وہ اس کے لیے کوئی باقاعدہ نظریاتی بنیاد بیان نہیں کرتے سوائے اس کے کہ اتنا کہہ دیتے ہیں: اصل واقعہ ثابت ہے، اور جن حضرات نے اپنی تحقیقات میں اس ملکہ کو اپنایا ہے، ان میں میرے استاذ فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر خالد الغیث حفظہ اللہ شامل ہیں۔

خبرِ مقبول سے مراد:

وہ تاریخی متن جو صحت کی تمام شرائط پر پورا نہ اترے لیکن اس میں کوئی نکارت (یعنی انکار یا شدید خلافِ قیاس بات) نہ ہو اور اس کی بنیاد (اصل) کسی صحیح روایت پر ہو۔

خبرِ مقبول کی شرائط:

ہم اس کی تعریف سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اس میں تین شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے:

1. محدثین کے منہج کے مطابق صحت کی شرائط کا پورا نہ ہونا، یعنی نہ وہ حدیث صحیح ہے اور نہ حسن۔
2. اس میں ''نکارت'' (قابلِ انکار یا عجیب وشاذ بات) کا نہ پایا جانا۔
3. اس کا کوئی صحیح اصل موجود ہونا۔

مقبول خبر کی اقسام:

خبرِ مقبول، اس کے قبول تک پہنچنے کے ذریعے کے اعتبار سے دو قسموں میں تقسیم ہوتی ہے:

خبرِ مقبول بشواہدہ: یہ وہ خبر ہے جو صحیح اصل کے ذریعے بلند ہو کر قبولیت کے درجے تک پہنچی ہو، اور یہی مراد ہوتی ہے جب خبرِ مقبول کی اصطلاح کو مطلق طور پر استعمال کیا جائے۔

خبرِ مقبول بقرائنہ: یہ وہ خبر ہے جو ''ملحق بالاصل الصحیح''، یعنی اصل صحیح سے منسلک روایت کے ذریعے قبولیت کے درجے تک پہنچی ہو۔

اس تفریق کا فائدہ:

''خبرِ مقبول بشواہدہ'' حسن یا صحیح کے درجے تک بھی پہنچ سکتی ہے، اور جب وہ ان میں سے کسی درجے تک پہنچ جائے تو اس وقت وہ ''صحیح اصل'' بننے کے لائق ہوتی ہے۔

رہی ''خبرِ مقبول بقرائنہ'' تو وہ صرف ایک ہی درجے تک محدود رہتی ہے، یعنی ''مقبول'' اور وہ کبھی بھی اس درجے سے آگے حسن یا صحیح تک نہیں پہنچتی۔ لہٰذا، وہ کبھی بھی صحیح اصل بننے کے قابل نہیں ہوتی۔

خبرِ مقبول کا حکم:

ہم یہ ذکر کر چکے ہیں کہ وہ تاریخی واقعہ جس سے صحیح اصل متعلق ہو، وہ خود بھی ایک وزن اور قوت حاصل کر لیتا ہے، چنانچہ پورا واقعہ اس بنیاد پر درجۂ قبول اور تاریخی استناد تک بلند ہو جاتا ہے۔

پس خبرِ مقبول: تاریخی اعتبار سے قابلِ حجت ہوتی ہے، یعنی صحیح خبر اور حسن خبر کی طرح اس سے استدلال کیا جا سکتا ہے، البتہ یہ دونوں کے مقابلے میں کم درجے کی قوت رکھتی ہے۔

اور خبرِ مقبول کا حال ان اسرائیلیات جیسا ہوتا ہے جو ہماری شرع کے موافق ہوں (جن کی تائید ہماری شریعت کی کسی صحیح اصل سے ہو)[1] تو ہم ایسی اسرائیلیات کو قبول کرتے ہیں اور ان کی تصدیق کرتے ہیں۔

اور بعض اوقات صحیح اصل کم مقدار میں ہوتا ہے، تو خبر درجۂ مقبول تک پہنچتی ہے اور بعض اوقات وہ زیادہ ہو جاتا ہے یہاں تک کہ خبر حسن بشواہد یا صحیح بشواہد کے درجے تک پہنچ جاتی ہے۔

اور ملحق بالاصل الصحیح کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ وہ قرائن کے ساتھ صحیح اصل کا کام دیتی ہے۔

اور جب کوئی محقق کسی خبر پر ''خبرِ مقبول'' ہونے کا حکم لگائے تو اس پر لازم ہے کہ صحیح اصل کی وضاحت بھی کرے، تاکہ قاری یہ جان سکے کہ یہ خبر قبول کے درجے تک کیسے پہنچی ہے اور معاملہ مبہم نہ رہ جائے، کیونکہ اکثر اوقات صحیح اصل پوشیدہ یا غیر واضح ہوتا ہے۔

''حسن لغیرہ'' اور ''خبرِ مقبول'' کے درمیان فرق:

❁ مختصراً بات یہ ہے کہ ارتقاء (بلندی پانے) کے طریقے کے لحاظ سے:

حسن لغیرہ: وہ ضعیف اسانید کے ذریعے بلند ہوتی ہے جن میں بعض بعض کو تقویت دیتی ہیں۔

خبرِ مقبول: وہ شواہد (صحیح اصل روایات) کے ذریعے بلند ہوتی ہے، نہ کہ اسانید کے ذریعے، اور ممکن ہے کہ وہ اپنے شواہد کے ساتھ حسن یا صحیح کے درجے تک پہنچ جائے۔

---

[1] براہِ کرم ہمارے مقدمۂ منہجی کے آغاز میں اسرائیلیات کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے اسے ضرور ملاحظہ کریں: (ص: ۳۴)

❁ البتہ قوت کے لحاظ سے حسن لغیرہ، خبرِ مقبول سے زیادہ قوی ہوتی ہے۔

البتہ اس کی تفصیل کچھ یوں ہے: ''حسن لغیرہ''[1] وہ روایت ہے جس کی اسانید ضعیف ہوتی ہیں، مگر ان میں ضعف شدید درجے کا نہیں ہوتا، جیسے راوی کا متروک یا کذاب ہونا، بلکہ ضعف کی وجہ راوی کا مجہول ہونا، یا اس کا سوئے حفظ، یا سند کا منقطع ہونا ہوتا ہے۔ تو جب ایسی ضعیف اسانید ایک دوسرے کو تقویت دیتی ہیں تو وہ روایت ''حسن لغیرہ'' کے درجے تک پہنچ جاتی ہے۔

جہاں تک ''خبرِ مقبول'' کا تعلق ہے تو اس کا حال سند کے اعتبار سے تین صورتوں سے خالی نہیں ہوتا:

⊙ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ اس کی سند ضعیف ہو، جیسے راوی کا مجہول ہونا، یا اس کا حافظہ کمزور ہونا، یا کوئی اور سبب (ضعف شدید نہ ہو)، تو یہ خبر درجۂ قبول تک پہنچ سکتی ہے لیکن یاد رہے کہ اس کا ارتقاء ''حسن لغیرہ'' کی طرف نہیں ہوتا، بلکہ اس کے ارتقاء کی صورت مختلف ہوتی ہے۔

پس ''حسن لغیرہ'' ان ضعیف اسانید کے باہم تقویت پانے سے درجۂ حسن تک پہنچتی ہے جن میں بعض اسانید بعض دیگر کو مضبوط کرتی ہیں۔ رہی بات ''خبر مقبول'' کی تو وہ شواہد، یعنی صحیح اصولوں کے ذریعے بلند ہوتی ہے، اسانید کے ذریعے نہیں۔

⊙ کہ اس کی سند انتہائی ضعیف ہو، جیسے اس میں کوئی متروک راوی ہو، مثلاً: واقدی۔ یا سند بالکل خراب ہو، جیسے اس میں کوئی کذاب یا متہم بالکذب ہو، جیسے: ابومخنف اور نصر بن مزاحم۔ تو یہ دونوں قسمیں متابعات کے قابل نہیں ہوتیں، اس لیے ''حسن لغیرہ'' کے درجے تک متابعات کے ذریعے نہیں پہنچ سکتیں۔ ہم نے پچھلی حالت میں، یعنی جب ضعف شدید نہ ہو، اس کے ارتقاء کی صورت بیان کی ہے اور یہ کہ شواہد کی بنیاد پر یہ بھی کبھی حسن یا صحیح بشواہد کے درجے تک بھی جاسکتی ہے۔

⊙ اگر کسی خبر کی سند ہی موجود نہ ہو تو وہ حسن لغیرہ نہیں ہوسکتی، کیونکہ حسن لغیرہ کے لیے ضروری ہے کہ اس کی کوئی سند موجود ہو۔

جہاں تک قوت (درجے) کا تعلق ہے تو حسن لغیرہ، خبر مقبول سے زیادہ قوی ہوتی ہے۔[2]

پس ''خبر مقبول'' ضعیف سے ایک درجہ بلند ہوتی ہے اور حسن سے کمتر درجے پر ہوتی ہے۔ اور یہ حالت بعض محدثین کے ایک اصطلاحی استعمال سے مشابہ ہے، یعنی: ''إسناده قوي'' یا ''إسناده جيد''

---

[1] تيسير مصطلح الحديث لمحمود الطحان (ص: ٦٦)

[2] ''تاریخی متون کی درجہ بندی از روئے قوت'' تھوڑا آگے آئے گی۔

اور یہ دونوں تعبیرات ایک ہی مفہوم میں استعمال ہوتی ہیں۔ ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ حدیث کا سندی درجہ حسن سے اوپر ہے، لیکن ابھی صحیح کے درجے تک نہیں پہنچا۔ عام طور پر یہ اصطلاح اس سند پر اطلاق کی جاتی ہے جس میں کوئی ایسا راوی ہو جو صدوق ہو اور جس سے شیخین (یعنی امام بخاری وامام مسلم) یا ان میں سے کسی ایک نے روایت لی ہو۔

اور حسن لغیرہ اور خبرِ مقبول کے درمیان فرق کرنے میں ایک اہم فائدہ یہ ہے جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ حسن لغیرہ خود شاہد، یعنی صحیح اصل بننے کے قابل ہوتی ہے، جبکہ خبرِ مقبول صرف اسی وقت شاہد یا صحیح اصل بننے کے قابل ہوتی ہے جب وہ شواہد کی بنیاد پر حسن یا صحیح کے درجے تک پہنچ جائے۔

❁ تاریخی خبر کا ایک ہی متن بعض اوقات کچھ حصہ قابلِ قبول ہوتا ہے، کچھ حصہ وہ ہوتا ہے جس پر سکوت اختیار کیا گیا ہو اور کچھ حصہ مردود ہوتا ہے:

بعض اوقات خبر کا قابلِ قبول حصہ ایسے حصے کے ساتھ جمع ہو جاتا ہے جو محلِ سکوت ہو یا مردود ہو، یا دونوں کے ساتھ ایک ہی متن میں یا ایک ہی سیاق میں۔

ہم نے جو کچھ ''متن تاریخی کو صحیح اصل سے جس قدر تقویت ملتی ہے'' کے باب میں لکھا ہے، اس کی مراجعت کریں۔

4- تاریخی خبریں (جن پر سکوت اختیار کیا گیا ہو)

خبرِ مسکوت عنہ کی مراد: یہ وہ تاریخی خبر ہے جس میں صحت کی تمام شرائط پوری نہیں ہوتیں لیکن اس میں کوئی منکر بات بھی نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کی کوئی صحیح اصل معروف ہوتی ہے۔

خبرِ مسکوت عنہ کی شرائط:

ہم اس کی تعریف سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اس میں تین شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:

- ❀ محدثین کے منہج کے مطابق صحت کی شرائط پوری نہ ہونا (نہ یہ صحیح ہے اور نہ حسن)۔
- ❀ اس میں نکارت کا نہ پایا جانا۔
- ❀ اس کی کوئی صحیح اصل دستیاب نہیں ہوتی۔

اس کی مثال یہ ہے: بعض تاریخی خبریں جو طبری نے اپنی تاریخ میں ہارون الرشید وغیرہ کے زمانے سے روایت کی ہیں تو وہ اپنی سند کے ضعف کے باوجود نہ منکر ہیں اور نہ ہی ان کی کوئی صحیح اصل معروف

ہے۔ اور اسی طرح جیسا کہ خلیفہ بن خیاط اپنی ''التاریخ'' میں بغیر سند کے ذکر کرتے ہیں، جیسے لشکروں کے قائدین، قاضیوں، گورنروں اور اسی طرح کی دیگر چیزوں کے نام۔[1]

مسکوت عنہ خبر کا حکم:

مسکوت عنہ خبر کے بارے میں نہ یہ حکم لگایا جاتا ہے کہ وہ مقبول ہے اور نہ ہی یہ کہ وہ مردود ہے، اور اگر اسے بطور شہادت ذکر کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اس کا حال ان اسرائیلیات جیسا ہے جو نہ ہماری شرع کے موافق ہوں نہ مخالف تو ان کا روایت کرنا جائز ہے، جیسا کہ نبی ﷺ نے خبر دی، کیونکہ ان میں نکارت موجود نہیں ہوتی۔[2]

اور بعض مسکوت عنہ خبریں تاریخی واقعے کی تصویر کو سمجھنے میں مدد دیتی ہیں۔

اور کبھی تحقیق کے بعد مسکوت عنہ خبر کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے، پس اگر اس کی کوئی صحیح اصل مل جائے تو وہ قبول کے درجے تک پہنچ جاتی ہے اور اگر اس میں کوئی نکارت (جیسے صحیح کے خلاف ہونا، مبالغہ آرائی یا جانبداری) پائی جائے تو اس کے ردّ کا حکم دیا جاتا ہے۔

اور متن کے الفاظ کی خوبصورتی اور اس کا سیاق اسے مقبول نہیں بناتا، جب تک کہ اس کی کوئی صحیح اصل نہ پائی جائے۔

اور خوبصورت مگر مسکوت عنہ متن کی مثال علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے: ''اللہ کی قسم! وہی منزل جہاں سعد بن مالک[3] اترے اور عبد اللہ بن عمر بھی۔ اللہ کی قسم! اگر یہ (عمل) گناہ تھا تو بے شک یہ چھوٹا اور بخشا ہوا تھا اور اگر نیکی تھی تو بے شک یہ عظیم اور قابلِ شکر ہے۔''[4]

---

[1] مسکوت عنہ کی مثالیں آپ کو ''صحیح وضعیف تاریخ طبری'' میں نویں جلد سے لے کر تیرہویں جلد تک ملیں گی۔

[2] اس کی تفصیل پہلے مقدمہ منہجی کی ابتداء میں گزر چکی ہے، لہٰذا اسے ضرور دوبارہ ملاحظہ کریں۔

[3] یہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے، ان کے لیے (یہ کلمات کہے گئے)۔

[4] اسے طبرانی نے المعجم الکبیر (۳۱۹) میں روایت کیا ہے، ہم سے بیان کیا حسن بن علی طوسی نے، انھوں نے کہا: ہم سے بیان کیا زبیر بن بکار نے، انھوں نے کہا: مجھ سے بیان کیا یحییٰ بن محمد بن ضحاک الحزامی نے، اپنے والد سے، وہ کہتے ہیں: علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے ... پھر خبر کو ذکر کیا۔
یہ سند ضعیف ہے بلکہ منقطع بھی ہے۔ یحییٰ: ان کا کوئی تعارف نہیں ملا اور ان کے والد کے متعلق بخاری اور ابن ابی حاتم نے سکوت اختیار کیا ہے، جبکہ ابن حبان نے انھیں الثقات میں ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ کریں: التاریخ الکبیر (۱۱۹/۱) الجرح والتعدیل (۲۹۰/۷) الثقات (۵۹/۹)

امام ذہبی نے اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا: کیا ہی خوبصورت روایت ہے، اگر چہ اس کی سند منقطع نہ ہوتی ![1]

پس علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول تو مجھے اس کی کوئی صحیح اصل نہیں ملی، یعنی مجھے علی رضی اللہ عنہ کی طرف صحیح سند سے ایسا کوئی قول نہیں ملا جس میں وہ ان دونوں سے کنارہ کش ہونے پر ان کی تعریف کریں اور نہ ہی کوئی ایسا قول ملا جو اس قول سے مشابہ ہو، اور خبر کا یہ حصہ نکارت سے خالی ہے، لہٰذا یہ مسکوت عنہ کے درجے میں ہے۔

اور ایک اَور مثال خوبصورت متن کی یہ ہے: جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر پہنچی تو وہ رو پڑے۔ (یہ واقعہ آگے آئے گا)[2]

جھوٹ بولنے کے الزام سے متہم راوی کا مسکوت عنہ خبر کو اکیلے روایت کرنا:

بے شک جھوٹ بولنے کے الزام سے متہم راوی کا ''مسکوت عنہ'' روایت کو اکیلے بیان کرنا، اس خبر کے درجے کو گرا دیتا ہے، لہٰذا اس وقت احتیاط برتنی چاہیے اور ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ وہ خبر جھوٹ ہے مگر جب ایسے قرائن موجود ہوں جو اس کے جھوٹ ہونے کی طرف اشارہ کریں اور ان قرائن میں سے ایک قرینہ نکارت کا پایا جانا ہے۔

5- تاریخی متون کی اقسام، از روئے حجت، ردّ اور سکوت

تاریخی متون کو حجت اور ردّ کے اعتبار سے احادیثِ نبویہ کی طرح نہیں برتا جاتا۔ پس حدیثِ نبوی قبول اور ردّ کے اعتبار سے[3] صرف دو قسموں میں تقسیم ہوتی ہے جن کی کوئی تیسری قسم نہیں:

حدیثِ مقبول: وہ حدیث جو صحت کی تمام شرائط پر پوری اترتی ہو اور وہ صحیح اور حسن حدیث کو شامل ہے۔[4]

حدیثِ مردود: وہ حدیث جو ضعیف ہو، اپنی تمام اقسام سمیت[5] اور موضوع حدیث بھی اس میں شامل ہے۔

رہی بات تاریخی خبروں کے متون کی تو ان کا حال پانچ اقسام سے خالی نہیں ہوتا:

---

[1] الخلفاء الراشدون للذهبي (ص: ٢٧٤)، اور یہ خبر تاریخ الإسلام (٢٢٠/٤) اور سير أعلام النبلاء (١٢٠/١) میں ہے۔

[2] دیکھیے: [رقم ٥٤٢] اور یہ صفحہ (٤٣) پر گزر چکا ہے۔

[3] مزید استفادے کے لیے: تيسير مصطلح الحديث لمحمود الطحان (ص: ٤٣) اور اس کے بعد کے صفحات ملاحظہ کریں۔

[4] اور صحیح دو قسم کی ہوتی ہیں: صحیح لذاتہ اور صحیح لغیرہ۔ اسی طرح حسن بھی دو قسم کی ہوتی ہے: حسن لذاتہ اور حسن لغیرہ۔

[5] جیسے: ضعیف، مرسل، معضل، مدلس، منکر، شاذ، مدرج، مقلوب، مضطرب اور دیگر اقسام۔

پہلی قسم (صحیح متون): یہ وہ ہیں جو محدثین کے منہج کے مطابق صحت کی تمام شرائط پر پورے اترتے ہیں۔

دوسری قسم (مقبول متون): یہ وہ ہیں جو صحت کی شرائط پر پورے نہیں اترتے، لیکن ان میں نکارت نہیں ہوتی اور ان کی کوئی صحیح اصل موجود ہوتی ہے۔

تیسری قسم (مسکوت عنہ متون): یہ وہ متون ہوتے ہیں جو صحت کی شرائط پر پورے نہیں اترتے، ان میں نکارت بھی نہیں ہوتی اور ان کی کوئی صحیح اصل بھی معلوم نہیں ہوتی۔

چوتھی قسم (مردود متون): یہ وہ متون ہوتے ہیں جو صحت کی شرائط پر پورے نہیں اترتے اور ان میں نکارت[1] پائی جاتی ہے۔

پانچویں قسم: ایسے متون جن میں درست بات کو غلطی کے ساتھ ملا دیا گیا ہو اور یہ وہ متون ہوتے ہیں جن کے سیاق میں مقبول اور مردود دونوں جمع ہو گئے ہوں، یعنی دوسری اور چوتھی قسم۔

اور ان متون میں کبھی مسکوت عنہ (تیسری قسم) بھی شامل ہو سکتی ہے۔

اسی بنیاد پر تاریخی متون حجت، ردّ اور سکوت کے اعتبار سے تین اقسام میں تقسیم ہوتے ہیں:

1 حجت بنائے جانے والے تاریخی متون:

اور یہ دو قسم کے ہوتے ہیں:

① وہ متون جو محدثین کے منہج کے مطابق صحت کی تمام شرائط پر پورے اترتے ہیں، یعنی صحیح اور حسن روایات۔

② مقبول روایات۔[2]

2 مردود تاریخی متون: یہ وہ متون ہوتے ہیں جو صحت کی شرائط پر پورے نہیں اترتے اور ان میں نکارت پائی جاتی ہے۔

3 مسکوت عنہ تاریخی متون: یہ وہ متون ہوتے ہیں جو صحت کی شرائط پر پورے نہیں اترتے، ان میں نکارت نہیں ہوتی اور ان کی کوئی صحیح اصل معلوم نہیں ہوتی۔

---

[1] اور یہ قسم ایسی ہوتی ہے جس کی کوئی صحیح اصل نہیں ہوتی لیکن اگر اس کے بعض حصے میں کوئی صحیح اصل پائی جائے تو وہ پانچویں قسم میں شمار ہو گا۔

[2] ہم ''خبرِ مقبول'' کی تعریف پہلے ذکر کر چکے ہیں اور وہ یہ ہے: ''ایسی خبر جو صحت کی شرائط پر پوری نہ اترتی ہو لیکن اس میں نکارت نہ ہو، اور اس کی کوئی صحیح اصل موجود ہو۔''

6- تاریخی متون کے طاقت کے اعتبار سے درجات

محدثین کے نزدیک حدیث کی قوت کے اعتبار سے مراتب معروف ہیں اور وہ یہ ہیں: صحیح، پھر حسن، پھر ضعیف اور اس کے بعد موضوع۔

رہی بات تاریخی روایات کی قوت کے اعتبار سے مراتب کی تو وہ ترتیب وار پانچ درجے ہیں:

(1) **صحیح**[1] وہ روایت ہے جسے عادل، ضابط راوی نے متصل سند کے ساتھ روایت کیا ہو اور اس میں علت یا شذوذ نہ ہو۔

(2) **حسن**[2] وہ روایت ہے جسے عادل راوی نے بیان کیا ہو جس کا ضبط کچھ کمزور ہو اور سند متصل ہو، نیز اس میں علت اور شذوذ نہ پایا جائے۔

(3) **مقبول**[3] وہ روایت جو صحت کی شرائط پر پوری نہ اترے اور جس میں نکارت نہ ہو، اور اس کی کوئی صحیح اصل موجود ہو۔

(4) **المسکوت عنہ:** وہ روایت جو صحت کی شرائط پر پوری نہ اترتی ہو اور جس میں نکارت نہ ہو اور جس کی کوئی صحیح اصل معروف یا معلوم نہ ہو۔

(5) **المردود:** وہ روایت جو صحت کی شرائط پر پوری نہ اترتی ہو اور جس میں نکارت پائی جاتی ہو۔

7- تاریخی تحقیق کو تحریر کرنا

تاریخی تحقیق کی تحریر دو بنیادی ستونوں پر قائم ہوتی ہے:

پہلا رکن: ثابت تاریخی روایات کو جمع کرنا، یعنی وہ روایات جو منہجی مقدمہ کے مطابق صحیح ثابت ہوں۔

دوسرا رکن: روایات کی تشریح کرنا، ان سے استدلال لینا، ان سے استنباط کرنا اور تاریخی واقعات کی تفسیر وتوضیح کرنا۔

اگر تاریخی تحقیق لکھتے وقت یہ دونوں رکن فراہم ہوں تو محقق کو تاریخی واقعے کی مکمل تصویر (اگر ممکن ہو) حاصل ہو جاتی ہے، وہ درست نتائج تک پہنچتا ہے اور اسے واقعات و حادثات کا صحیح فہم اور درست تجزیہ حاصل ہوتا ہے۔ اور ان دونوں کی تفصیل درج ذیل ہے:

---

(1) یعنی صحیح دونوں اقسام پر مشتمل ہوتی ہے: صحیح لذاتہ اور صحیح لغیرہ۔

(2) یعنی حسن روایت کی دونوں اقسام مراد ہیں: حسن لذاتہ اور حسن لغیرہ۔

(3) یعنی مقبول روایت کی دو اقسام ہوتی ہیں: مقبول بشواہد اور مقبول بقرائن۔

پہلا رکن: ثابت تاریخی روایات کو جمع کرنا:

بلاشبہ جمعِ روایت وہ بنیادی قاعدہ ہے جس پر تاریخی تحقیق کے تمام مراحل قائم ہوتے ہیں اور اگر اس میں خلل واقع ہو جائے تو اس سے نہ صرف منہجی غلطیاں جنم لیتی ہیں، بلکہ تاریخی واقعے کی تصویر نامکمل رہ جاتی ہے اور نتائج یا تو ناقص، یا غلط، یا صحیح روایات سے متصادم ہو جاتے ہیں۔

اور میں نے یہ بات پائی ہے کہ مورخین سے اکثر غلطیاں روایات جمع کرنے کے مرحلے میں خلل کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور جب تاریخی روایات کو جمع کیا جائے تو چار مرحلوں میں بتدریج یہ کام انجام دینا لازم ہے اور ان کا ترتیب وار لحاظ رکھنا ضروری ہے: پہلا مرحلہ، پھر دوسرا مرحلہ، پھر تیسرا اور چوتھا مرحلہ۔

پس اس ترتیب میں خلل واقع ہونا، ان تمام غلطیوں کا سبب بنتا ہے جن کا ہم تھوڑی دیر پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ اور ان مراحل کی ترتیب یوں ہے:

پہلا مرحلہ: وہ مرحلہ ہے جس میں ان روایات کی تلاش کی جاتی ہے جن کی اسانید صحیح یا حسن ہوں، محدثین کے منہج کے مطابق اور پھر ان کا مکمل احاطہ کر کے انھیں جمع کیا جاتا ہے۔

اس مرحلے میں دو قاعدے ہیں:

پہلا قاعدہ: ہمیشہ صحیح روایات پر اعتماد کرنا چاہیے اور انھیں ہر حال میں دوسری روایات پر مقدم رکھنا چاہیے۔

دوسرا قاعدہ: جب کسی صحیح روایت کے متن میں بظاہر نکارت نظر آئے تو اسے ردّ نہیں کیا جاتا، بلکہ اسے اہل السنہ والجماعۃ کے منہج کے مطابق محمول اور مؤول کیا جاتا ہے۔ اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔[1]

اور جب صحیح روایات کی تلاش کی جائے تو درج ذیل امور کا لحاظ رکھا جائے:

- محقق کے لیے ضروری ہے کہ وہ علمِ تاریخ اور علمِ حدیث کے اصولوں سے واقف ہو، یہ ایک بنیادی قاعدہ ہے ہر اس شخص کے لیے جو تاریخی تحقیقات[2] میں قدم رکھنا چاہتا ہے۔ اور اگر ان میں سے کسی میں کمی ہو تو تحقیق شروع کرنے سے پہلے اس کی تحصیل لازم ہے۔

---

[1] دیکھیے: (ص: ۳۹)

[2] پس جو شخص علمِ حدیث کا ماہر ہوتا ہے، وہ تاریخی کتابوں میں سے صرف مشہور کتابوں کو جانتا ہے اور ممکن ہے کہ ان مشہور کتابوں کے مندرجات اور ان کے مولفین کے منہج سے بھی وہ پوری طرح واقف نہ ہو، لہٰذا وہ عمومی طور پر تاریخ کی کتابوں سے صحیح طور پر معاملہ نہیں کر پاتا اور نہ ہی تاریخی روایات سے درست انداز میں معاملہ کرنے پر قادر ہوتا ہے۔
جبکہ تاریخ کا ماہر: وہ اصل ماخذ سے درج ذیل کو پہچانتا ہے: ←

⊙ محقق کو چاہیے کہ اس مرحلے میں صحیح روایات تلاش کرنے اور انھیں جمع کرنے میں اپنی پوری محنت صرف کرے، اور یہ کام اس سے کافی وقت طلب کرے گا۔

⊙ اس مرحلے میں محقق کو صحیح روایتوں کی تلاش اور ان کے جمع کرنے میں اپنی پوری کوشش صرف کرنی چاہیے اور یہ کام اس سے طویل وقت لے گا۔

⊙ محقق کو چاہیے کہ وہ صرف مشہور کتابوں (جیسے صحاح ستہ اور بڑی تاریخی کتب) پر اکتفا نہ کرے بلکہ تاریخ، حدیث، معاجم الشیوخ، تاریخ دمشق وبغداد، بغیۃ الطلب، ابن ابی دنیا کی تصانیف، کتب جرح وتعدیل، علل، طبقات، انساب اور دیگر مصادر کی طرف بھی رجوع کرے۔[1]

⊙ کسی خبر پر صرف سند کو ایک نظر دیکھ کر حکم نہیں لگایا جاتا، کیونکہ ممکن ہے کہ یہ خبر اس سند کے ساتھ ضعیف ہو لیکن کسی دوسرے مصدر میں صحیح سند کے ساتھ وارد ہوئی ہو۔ یا یہ سند بظاہر صحیح معلوم ہو مگر اس میں کوئی پوشیدہ علت ہو جو اس کو ضعیف بنادے اور وہ علت صرف طرق کو جمع کرنے یا ناقدینِ حدیث

← ۱۔ کتبِ تاریخ، جیسے: تاریخ طبری، تاریخ خلیفہ، اور دیگر۔

۲۔ کتبِ تراجم، جیسے: طبقات ابن سعد، تاریخ بغداد اور تاریخ دمشق، (البتہ مورخ کی ان دو آخری کتابوں سے استفادے کی مہارت پر تحفظ رہے گا)۔

۳۔ کتبِ حدیثِ نبوی شریف، جیسے: صحاح ستہ، مسند احمد، معاجم طبرانی اور مستدرک حاکم۔

۴۔ کتبِ آثار، جیسے: مصنف عبدالرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ۔

۵۔ کتبِ انساب، جیسے: أنساب الاشراف للبلاذري، جس میں انھوں نے قبائلِ مضر کے انساب اور ان کے حالات و واقعات ذکر کیے ہیں۔

۶۔ کتبِ جرح و تعدیل محقق (جو علمِ حدیث کا متخصص نہ ہو) عموماً "تقریب التهذیب" از ابن حجر پر اعتماد کرتا ہے اور بعض اوقات "الجرح والتعدیل" از ابن ابی حاتم اور "الثقات" از ابن حبان سے بھی رجوع کرتا ہے لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بعض رواۃ کے تراجم تک نہیں پہنچ پاتا، خاص طور پر جب ان کے اسماء میں تصحیف واقع ہوئی ہو۔

رہی وہ گہری اور تخصصی کتب جیسے: الأمالي، العلل، غریب الحدیث، بعض کتب جرح وتعدیل وتراجم، نیز المتفق والمفترق، المؤتلف والمختلف، الأفراد، کتب ابن ابی الدنیا، اور وہ کتابیں جو اخلاق، زہد یا رقائق کے کسی خاص پہلو سے متعلق ہوں جیسے: الزیادات في الجود والسخا للطبراني، تو تاریخ کا مخصص عام طور پر انھیں اپنا مرجع نہیں بناتا، کیونکہ یہ اس کے تخصص سے باہر ہوتی ہیں، حالانکہ ان میں بعض اوقات اہم تاریخی روایات بھی موجود ہوتی ہیں۔

اور اس کا مطلب یہ ہے کہ تاریخ کے محقق کو ان دونوں علوم (تاریخ اور حدیث) کے اصولوں سے واقف ہونا چاہیے۔

[1] اور کمپیوٹر پروگرامز نے اس کام کو آسان بنادیا ہے۔ والحمد لله.

کے اقوال کی طرف رجوع کرنے ہی سے واضح ہوتی ہے، یا محقق اس پر اعتبار، یعنی تخریج کے ذریعے مطلع ہوسکتا ہے۔[1]

علمِ حدیث کا ایک اصولی قاعدہ یہ ہے: کسی حدیث یا خبر پر حکم لگانا اس کے اعتبار (یعنی طرق کا تتبع) سے پہلے درست نہیں ہوتا، یعنی جب تک روایت کے تمام طرق اور شواہد ومتابعات سامنے نہ آ جائیں، اس وقت تک اسے صحیح یا ضعیف کہنا قبل از وقت ہوگا۔ اور اگر محقق ''اعتبار'' کو نہیں جانتا، کیونکہ وہ حدیث اور اس کے علوم میں تخصص نہیں رکھتا تو اس پر لازم ہے کہ وہ اسے سیکھے اور اسے سیکھنا نہایت دلچسپ اور آسان ہے۔[2]

⊙ صحیح روایات کو جمع کرنے کے بعد محقق یہ محسوس کرے گا کہ ان کے درمیان تاریخی خلا موجود ہے تو اس خلا کو جہاں تک ممکن ہو، درج ذیل مراحل کے ذریعے پر کیا جاتا ہے:

محقق کو اس مرحلے میں پوری احتیاط برتنی چاہیے، کیونکہ یہی مرحلہ تحقیق کی بنیاد اور وہ میزان ہے جس پر بعد کے تمام مراحل کو تولا جاتا ہے۔ اگر اس مرحلے میں کوتاہی ہو جائے تو وہ تاریخی تحقیق میں نقص اور ان تمام اگلے مراحل میں غلطیوں کا باعث بنتی ہے جو اس کے بعد آتے ہیں۔

دوسرا مرحلہ: اگر محقق کو صحیح روایات نہ ملیں تو وہ مقبول مسند روایات[3] کی تلاش کی طرف منتقل ہوتا ہے، تاکہ تاریخی واقعے کی تصویر کو مکمل کیا جا سکے اور موجود خلا کو پر کیا جا سکے۔

تیسرا مرحلہ: اگر محقق کو ایسی ضعیف مسند روایات کی ضرورت پیش آئے جن میں درست اور غلط باتیں ملی جلی ہوں تو وہ انھیں جانچنے اور ان میں داخل شدہ غیر معتبر اجزاء کو چھانٹنے کا کام انجام دے سکتا ہے، پھر جو حصہ درست ثابت ہو، اس سے استدلال کر سکتا ہے[4] لیکن یہ سب کچھ مخصوص شرائط کے ساتھ ہی جائز ہے۔

---

[1] پہلے اعتبار (یعنی تخریج) کا ذکر گزر چکا ہے اور اس سے مراد ہے: روایت کے مختلف طرق کا تتبع کرنا اور اس کی متابعات وشواہد کو تلاش کرنا۔

[2] کمپیوٹر سافٹ ویئر احادیث و آثار کے تخریج کے کام میں معاونت کرتے ہیں، نیز تلاش و تحقیق میں سہولت فراہم کرتے ہیں۔ اسی طرح انٹرنیٹ پر سرچ انجنز جیسے گوگل سے بھی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، تاہم ان پر انحصار نہیں کیا جاتا، بلکہ یہ صرف معاون ذرائع ہیں اور اس سارے نظام کی وضاحت کے لیے تربیتی کورسز بھی دستیاب ہیں۔

[3] ہم ''خبرِ مقبول'' کی تعریف بیان کر چکے ہیں اور وہ یہ ہے: ایسی تاریخی خبر جو صحت کی شرائط پر پوری نہیں اترتی لیکن اس میں نکارت نہیں ہوتی اور اس کی کوئی صحیح اصل موجود ہوتی ہے۔

[4] اس مرحلے پر عمل کی کچھ تطبیقی مثالیں موجود ہیں جن میں سب سے زیادہ واضح مثال ہے: [رقم: ۲۸۷]، ←

اور اس کی شرائط درج ذیل ہیں:

1. اس مرحلے پر آنے سے پہلے وہ پہلے دونوں مرحلوں میں بھر پور محنت اور کوشش کر چکا ہو۔
2. یہ خبر بعض ایسے واقعات پر مشتمل ہو جن کی کوئی صحیح اصل موجود ہو، لیکن ان میں نکارت شامل کر دی گئی ہو، تو محقق ان میں سے نکارت کو حذف کرے، پھر باقی ماندہ خبر سے تاریخی واقعے کی تصویر مکمل کرنے کے لیے استدلال کرے۔
3. خبر کی اصل اور اس کا سیاق نکارت پر مبنی نہ ہو، جیسے خالص طعن وتشویہ پر، کیونکہ ایسی خبر نہ چھانی جا سکتی ہے اور نہ ہی اسے صاف کیا جا سکتا ہے، کیونکہ وہ سرے سے ساقط اور مردود ہوتی ہے۔ اگر محقق اسے صاف کرے یا اس کا کچھ حصہ کاٹ دے تو یوں وہ ایک نیا واقعہ یا نیا موقف خود سے گھڑ لے گا۔

یقیناً محقق کی خواہش ہوتی ہے کہ اسے خالص (نقی) متون حاصل ہوں، لیکن اس بات کی تنبیہ ضروری ہے کہ احادیثِ نبویہ کے متون، تاریخی متون کی نسبت کہیں زیادہ خالص ہوتے ہیں۔ صحیحین، سنن اربعہ اور دیگر کتبِ حدیث میں یہ خالص متون بہت آسانی سے اور بکثرت دستیاب ہیں۔ البتہ وہ تاریخی متون جو صحت کی شرائط پر پورے نہیں اترتے ان میں اکثر اوقات کچھ نکارات کی آمیزش پائی جاتی ہے اور مکمل خالص مواد کم ہی ملتا ہے، لہٰذا ان متون کی تہذیب وتنقیح ناگزیر ہے تاکہ ان میں جو حق موجود ہے اسے نکالا جا سکے۔

چوتھا مرحلہ: اگر محقق کو ایسی خبروں کی ضرورت پیش آئے جو غیر مسند ہوں، یعنی ان کی سند معلوم نہ ہو اور جن کا ماخذ بھی معلوم نہ ہو،[1] تو اسے اجازت ہے کہ وہ ان خبروں سے تاریخی واقعے کی تصویر مکمل کرنے کے لیے استدلال کرے۔

← لہٰذا میری نصیحت ہے کہ تحقیق کرنے والا سب سے پہلے اس مثال کو غور سے دیکھے، پھر اس کے بعد درج ذیل باقی مثالوں پر نظر ڈالے: [رقم: ۱۱۷، ۱۲۱، ۱۳۳، ۲۹۶، ۲۹۷، ۳۰۳، ۳۳۳، ۴۶۵، ۴۹۰، ۴۹۱، ۵۳۱، ۵۶۴]

[1] یعنی وہ خبریں جنھیں مصنفین بغیر سند کے ذکر کرتے ہیں اور یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ انھوں نے انھیں کہاں سے اخذ کیا ہے۔ ان کی مثالیں وہ غیر مسند خبریں ہیں جو مسعودی نے ''مروج الذہب'' میں، ابو حنیفہ دینوری نے ''الأخبار الطوال'' میں، بلاذری نے ''أنساب الأشراف'' میں، ابن عبدالبر نے ''الاستیعاب'' میں، ابن کثیر نے اپنی ''التاریخ'' میں، اور سیوطی نے ''تاریخ الخلفاء'' میں ذکر کی ہیں۔ یہ سب خبریں بغیر کسی سند کے آتی ہیں۔
قاری کو کبھی کبھی ابن عبدالبر یا ابن کثیر کے ہاں لمبی غیر مسند خبریں ملتی ہیں، لیکن جب وہ تاریخ طبری کی طرف رجوع کرتا ہے تو پتا چلتا ہے کہ انھوں نے وہ خبریں طبری سے لی ہیں تو اس صورت میں ماخذ معلوم ہوتا ہے۔ ←

اور یہ مرحلہ یعنی غیر مسند خبروں کا اگر ممکن ہو تو دوسرے مرحلے کی طرح برتا جائے گا، ورنہ تیسرے مرحلے[1] کی طرح۔ چونکہ ان غیر مسند خبروں کے ساتھ اسی طرح کا برتا کیا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مرحلہ چہارم (غیر مسند خبریں) بعض اوقات مرحلہ سوم (ضعیف مسند خبریں) سے افضل ہو سکتی ہیں، یا ان کے برابر ہو سکتی ہیں، چنانچہ ترجیح کا معیار یہ ہوگا کہ خبر نکارت سے کتنی پاک ہے اور صحیح اصل کتنا قوی ہے۔

غیر مسند خبروں کے ساتھ دو مزید شرطیں شامل کی جائیں گی:

1 ان خبروں پر آغاز ہی سے اعتماد نہ کیا جائے، بلکہ لازم ہے کہ ان کے اصل مصادر و مراجع کی تلاش کی جائے جہاں سے انھیں نقل کیا گیا ہے، تاکہ ان خبروں اور ان کے راویوں کا حال معلوم ہو سکے۔ پس اگر وہ مصادر مل جائیں تو ان خبروں کے ساتھ اسی درجے (مرحلے) کا معاملہ کیا جائے جس سے وہ تعلق رکھتی ہوں۔

2 ضروری ہے کہ ان کا ماخذ معلوم نہ ہو۔

دوسرا رکن: روایات کی شرح کرنا، ان سے استدلال لینا، ان سے نتائج اخذ کرنا اور تاریخی واقعات کی تفسیر کرنا:

جب محقق کو ان تاریخی روایات کے ثبوت کا یقین حاصل ہو جائے جو اس نے جمع کی ہیں تو اس کے

← یہ جاننا بھی اہم ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سوانح پر مبنی کتب میں بعض اوقات ان سے ایسی کہانیاں یا واقعات منسوب کر دیے جاتے ہیں جن میں نکارت ہوتی ہے، حالانکہ حقیقت میں وہ ان سے ثابت نہیں ہوتے۔ لہٰذا ان مصنفین کے اصل مصادر کی طرف رجوع ضروری ہے، تاکہ ان کی بیان کردہ خبروں کا حال معلوم ہو سکے۔ یہ نکارتیں خصوصاً ابن عبدالبر کی کتاب ''الاستیعاب'' میں بکثرت ہیں، پھر جو لوگ ابن عبدالبر کے بعد آئے انھوں نے انھی نکارتوں کو کبھی لفظاً اور کبھی معناً نقل کیا، چاہے ابن عبدالبر کا حوالہ دیا ہو یا نہ دیا ہو۔ لہٰذا محض اس بنیاد پر دھوکا نہیں کھانا چاہیے کہ ان نکارتوں کو بہت سی کتب نے ذکر کیا ہے، کیونکہ ان سب کا اصل ماخذ ''الاستیعاب'' ہی ہوتا ہے۔ ان نکارتوں کی ایک مثال ابوالغادیہ الجہنی رضی اللہ عنہ کے تعارف میں آئے گی جو اس کتاب میں [رقم: ۳۶۵] سے پہلے مذکور ہوگی۔

[1] یعنی اگر یہ غیر مسند خبریں نکارت سے خالی ہوں اور ان کا کوئی صحیح اصل موجود ہو تو انھیں دوسرے درجے کے طور پر برتا جائے گا، اور ان سے تاریخی واقعے کی تصویر مکمل کرنے کے لیے استدلال کیا جائے گا۔ اس کی مثالیں آگے آئیں گی: [رقم: ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۲۷] اور اگر ان میں نکارت پائی جاتی ہو لیکن بعض الفاظ یا اجزاء کا کوئی صحیح اصل موجود ہو تو انھیں تیسرے درجے کے طور پر برتا جائے گا۔ اس صورت میں محقق کو حق حاصل ہوگا کہ وہ اس خبر کی نکارت کو چھانٹ کر الگ کر دے اور باقی صحیح حصے سے استدلال کرے۔ اس کی مثال آگے آئے گی، یعنی ابن کثیر کی روایت: [رقم: ۳۳۳]

بعد اس پر لازم ہے کہ وہ اس بات کا بھی اطمینان کرے کہ جو معنی اور تفسیر اس نے ان روایات سے اخذ کی ہے، وہ بھی صحیح ہے۔

اور محقق پر لازم ہے کہ تاریخی روایات کو اچھی طرح سمجھ لے، تا کہ وہ واقعات و حادثات کی درست اور صحیح تعبیر کر سکے اور جس قدر محقق کی تاریخی روایت کو سمجھنے اور اس پر عبور حاصل کرنے کی صلاحیت ہو گی، اسی قدر وہ استنباط اور استدلال میں ماہر ہو گا۔

اور صحیح معنی و فہم اور تعبیر تک پہنچنے کے لیے دو مرحلوں سے گزرنا ضروری ہوتا ہے:

⊙ **پہلا مرحلہ:** اجنبی الفاظ اور مبہم جملوں کی وضاحت کرنا۔[1]

یقیناً، اجنبی لفظ کا معاملہ آسان ہوتا ہے؟ اس کا ابہام اس وقت دور ہو جاتا ہے جب اس کے معنی معلوم ہو جائیں، جیسے: لفظ ''سرادق'' جس کا مطلب ہے: خیمہ۔[2]

رہی بات مبہم جملے کی تو وہ محقق سے توقف اور غور وفکر کا تقاضا کرتی ہے۔ بعض اوقات مطبوعہ یا مخطوطہ نسخے میں تصحیف (کتابت کی غلطی) یا سقط (کچھ الفاظ کا ساقط ہو جانا) پایا جاتا ہے، لہٰذا محقق کو چوکنا رہنا چاہیے۔ محقق اس مسئلے پر قابو پا سکتا ہے: یا تو مختلف طرق اور الفاظ کو جمع کر کے، یا کتاب کے کسی دوسرے مطبوعہ نسخے سے مراجعت کر کے، یا خود اصل مخطوطے کا مراجعہ کر کے، یا سیاق و سباق کی مدد سے عبارت کا مفہوم سمجھ کر۔

تصحیف کی مثال: جندب البجلی نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے کہا:

''فَأَنْشُدُكَ اللّٰهَ إِنْ وُلِّيتَ شَيْئًا مِنْ أَمْرِهِمْ أَنْ[3] تَشُقَّ عَصَاهُمْ''[4]

یہاں لفظ ''أن'' بعض نسخوں میں ''أو'' کے ساتھ آیا ہے جو تصحیف (کتابت کی غلطی) ہے۔ اس تصحیف کا انکشاف سیاق و سباق سے ہوتا ہے، کیونکہ عربی زبان میں یوں کہا جاتا ہے: ''أنشدك الله أن تفعل كذا'' یعنی ''میں تمھیں اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ تم ایسا نہ کرو۔'' جبکہ ''أنشدك الله أو تفعل كذا'' کہنا درست عربی نہیں ہے۔

---

[1] مفردہ سے مراد ایک کلمہ (لفظ) ہے، اور جملہ اس مجموعے کو کہا جاتا ہے جو کئی الفاظ پر مشتمل ہو۔

[2] تاج العروس (٢٥/٤٤١) مادة: سردق؛ (٣/٢٤٧)، مادة: ضرب.

[3] مطبوعہ نسخے میں (أو) درج ہے، جو تصحیف (کتابت کی غلطی) ہے اور اس کا مفہوم درست نہیں بنتا۔

[4] دیکھیے: [رقم: ٢٠٥]

جملے میں ابہام (غموض) پیدا ہونے کے اسباب:

جملے کے غموض اور اس کے مفہوم کے عدمِ فہم کے کئی اسباب ہوتے ہیں جن میں سے سب سے مشہور درج ذیل ہیں:

پہلا سبب: جملہ مختصر ہو: ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی جملہ کسی طویل سیاق کے دوران بطورِ ضمنی بیان آجاتا ہے جس کی بنا پر وہ مبہم محسوس ہوتا ہے، لیکن وہی جملہ کسی دوسری روایت میں واضح مفصل اور مکمل صورت میں موجود ہوتا ہے۔

مثال: صفین کے دن سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا: "فَمَا بَالُكَ مَعَنَا؟" "تو تم ہمارے ساتھ کیوں ہو؟" انھوں نے جواب دیا: بے شک میرے والد نے میری شکایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اپنے والد کی اطاعت کرتے رہو جب تک وہ زندہ ہیں اور ان کی نافرمانی نہ کرنا، لہٰذا میں تم لوگوں کے ساتھ ہوں مگر لڑائی نہیں کر رہا۔[1]

جملہ: "إِنَّ أَبِيْ شَكَانِيْ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ" انتہائی اختصار کے ساتھ بیان ہوا ہے اور وہ بھی حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قتل کے واقعے کے ضمن میں آیا ہے، چنانچہ محقق کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے: آخر وہ کون سا معاملہ تھا جس کی وجہ سے ان کے والد نے ان کی شکایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کی؟

اس سوال کا جواب دیگر احادیث میں موجود ہے اور وہ یہ کہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما چونکہ عبادت کے شوقین اور اس میں بہت مجتہد تھے، یہاں تک کہ اس کا اثر ان کی ازدواجی زندگی پر پڑا اور وہ اپنی بیوی کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی کرنے لگے، چنانچہ ان کی بیوی نے ان کی شکایت ان کے والد عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے کی۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے انھیں نفل عبادت میں کمی کرنے کا حکم دیا تاکہ وہ اپنی بیوی کے حقوق ادا کر سکیں لیکن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس حکم کو قبول نہ کیا، کیونکہ انھیں اپنی عبادت پر بہت اعتماد تھا اور وہ اپنے آپ کو اس کے قابل سمجھتے تھے۔ تب حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے ان کی شکایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کی۔[2]

ایک اور مثال: ابن ابی شیبہ نے ایک طویل روایت نقل کی ہے جس میں معرکۂ نہروان کی کیفیت بیان ہوئی ہے۔ اس میں ایک جملہ یوں وارد ہوا ہے: "فَجَعَلَتْ خَيْلُ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ لَا تَقُوْمُ لَهُمْ"[3]

---

[1] دیکھیے: [رقم: ۳۷۵]
[2] دیکھیے: [رقم: ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۵۰]
[3] دیکھیے: [رقم: ۴۹۶]

یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گھڑ سوار فوج خوارج کے سامنے جم نہ سکی۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ سواروں میں سستی آ گئی تھی اور وہ خوارج پر پوری شدت کے ساتھ حملہ آور نہ ہو سکے۔ یہ جملہ دو دیگر روایتوں میں پوری وضاحت کے ساتھ آیا ہے جن میں بیان ہوا ہے کہ ''خوارج نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر پر ایک ہی بار زبردست حملہ کیا۔''[1] جس کی تاب نہ لاتے ہوئے مسلمانوں کے سوار دستے پیچھے ہٹ گئے اور دو دستوں میں بٹ گئے: ایک دائیں جانب چلا گیا اور دوسرا بائیں طرف[2] اس تفرق کا نتیجہ یہ نکلا کہ پیادہ فوج (رجالہ) دشمن کے سامنے بے پردہ اور کمزور ہو گئی۔

تیسری مثال: حسن بصری رحمہ اللہ کا قول: ''یہاں تک کہ انھوں نے اسے کئی بار واپس کر دیا۔''[3]

احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ''الفضائل'' میں عوف بن ابی جمیلہ اعرابی سے روایت کیا، وہ کہتے ہیں: میں حسن بصری رحمہ اللہ کے پاس موجود تھا، اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ہو رہا تھا تو ابن جوشن غطفانی نے کہا: اے ابوسعید![4] میں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ پر اسی بات عیب لگاتا ہوں کہ انھوں نے علی رضی اللہ عنہ کی پیروی کی۔ یہ سن کر حسن بصری رحمہ اللہ غضبناک ہو گئے، یہاں تک کہ ان کے چہرے سے غصہ ظاہر ہونے لگا، پھر فرمایا: تو پھر کس کی پیروی کی جائے؟ امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ مظلومانہ طور پر قتل کر دیے گئے تو لوگوں نے ان میں سب سے بہتر شخص کی طرف رجوع کیا اور ان سے بیعت کر لی۔ تو پھر کس کی پیروی کی جائے؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کی بیعت کو بار بار ردّ کر دیا۔[5]

پس یہ جملہ ''حتی ردَّھا مِرارًا'' اس خبر کے سیاق کے آخر میں عارضی طور پر آیا ہے، جہاں حسن بصری رحمہ اللہ نے اس کے مفہوم کو ایک طویل واقعے کو مختصراً بیان کیا ہے۔ یہ رہا وہ واقعہ:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ''فضائل الصحابة'' میں محمد بن حنفیہ سے روایت نقل کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا، جبکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ محصور تھے۔ اس دوران میں ایک شخص آیا اور کہنے لگا: امیر المومنین (عثمان رضی اللہ عنہ) قتل کر دیے گئے ہیں۔[6] پھر دوسرا شخص آیا اور کہا: ابھی ابھی

---

[1] دیکھیے: [رقم: ۴۹۷]
[2] دیکھیے: [رقم: ۴۹۸]
[3] دیکھیے: [رقم: ۴۱۷]
[4] ابوسعید سے مراد حسن بصری رحمہ اللہ ہیں۔
[5] فضائل الصحابة (۹۷۶) اس کی سند صحیح ہے اور اس کی مزید تفصیل آگے [رقم: ۴۱۷] پر آئے گی۔
[6] یعنی ان (فتنہ پروروں) کا مطلب یہ تھا کہ وہ عنقریب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ضرور قتل کر دیں گے، لہٰذا (اے علی!) ہمیں اجازت دیجیے کہ ہم ابھی سے آپ کی بیعت کر لیں، تاکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت میں کوئی خلا یا فتنہ پیدا نہ ہو۔

امیر المومنین قتل ہو گئے ہیں۔ محمد بن حنفیہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ سن کر فوراً کھڑے ہو گئے[1] تو میں نے ان کے جسم کے وسط کو پکڑ لیا کہ کہیں انھیں کوئی نقصان نہ پہنچے۔[2] حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: چھوڑ دے! تیری ماں تجھے روئے! پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اس مکان پر پہنچے جہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا تھا تو دیکھا کہ وہ واقعی شہید ہو چکے ہیں۔ پھر وہ اپنے گھر واپس لوٹے اور دروازہ بند کر کے اندر چلے گئے۔ اس کے بعد لوگ ان کے پاس آئے، دروازہ کھٹکھٹایا اور اندر داخل ہو کر کہنے لگے: عثمان قتل ہو چکے ہیں اور لوگوں کو خلیفہ کی ضرورت ہے اور ہم کسی کو بھی آپ سے زیادہ خلافت کا حق دار نہیں پاتے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تم مجھے نہ چاہو، میں تمھارے لیے وزیر بن کر زیادہ بہتر ہوں بہ نسبت اس کے کہ تمھارا امیر بنوں۔'' مگر لوگوں نے اصرار کیا اور کہا: اللہ کی قسم! ہم کسی کو بھی آپ سے زیادہ خلافت کا اہل نہیں جانتے۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تم اصرار ہی کرتے ہو تو جان لو کہ میری بیعت چھپ کر نہیں ہو سکتی، میں مسجد میں نکلوں گا، پھر جو چاہے مجھ سے بیعت کرے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لائے اور لوگوں نے ان کی بیعت کر لی۔[3]

چوتھی مثال: ابن ابی شیبہ نے روایت بیان کی ہے، وہ کہتے ہیں: ہمیں معاویہ بن ہشام نے حدیث سنائی، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابن ابی ذئب نے حدیث سنائی، انھوں نے کسی ایسے شخص سے روایت کی جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب میں نے معاویہ سے قتال کیا تو وہ مجھ سے پہلے پانی پر قابض ہو گیا تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: ''انھیں چھوڑ دو، کیونکہ پانی سے کسی کو روکا نہیں جاتا۔''[4]

---

[1] یعنی لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس یکے بعد دیگرے آتے رہے اور انھیں بیعت قبول کرنے کی دعوت دیتے رہے، جبکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس وقت محصور تھے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ ان سے بیعت قبول نہیں کرتے تھے۔ وہ لوگ مسلسل اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان سے تنگ آ گئے تو اپنی جگہ سے اٹھے، اپنے گھر چلے گئے اور دروازہ بند کر لیا، تاکہ لوگ انھیں نہ پا سکیں۔

[2] یعنی محمد بن حنفیہ کو یہ خوف لاحق ہوا کہ اگر ان کے والد (حضرت علی رضی اللہ عنہ) نے بیعت قبول کر لی تو کہیں ان کے ساتھ بھی وہی کچھ نہ ہو جائے جو امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آیا۔

[3] فضائل الصحابة (٩٦٩) اس کی سند صحیح ہے۔ اس میں بیان کیا گیا ہے کہ اسحاق بن یوسف، جو الازرق کے لقب سے معروف ہیں، وہ اس روایت کے راوی ہیں۔ اس روایت پر مزید تشریح [رقم: ۴۱۷] کی تعلیق میں آئے گی۔

[4] یہ خبر اپنے تسلسل کے ساتھ اس موضوع سے متعلق دیگر روایات کے ساتھ آئندہ [رقم: ۳۰۲] پر آئے گی۔

یہ خبر اپنے مفہوم کے اعتبار سے غیر واضح ہے، لیکن اس کا مطلب ان دیگر خبروں کے ساتھ موازنہ کرنے سے واضح ہو جاتا ہے جو اسی موضوع پر وارد ہوئی ہیں، یعنی صفین کے مقام پر دونوں لشکروں کے سب سے پہلے پڑاؤ کے وقت پانی پر قبضے کے لیے ہونے والی کشمکش۔ اس کا مفہوم یہ ہے: ایک چشم دید گواہ نے بیان کیا کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے قتال کیا، تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان سے پہلے پانی پر قابض ہو گئے، پھر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ پانی پر تسلط حاصل کر چکے تو انھوں نے فرمایا: ''انھیں پانی سے مت روکو، کیونکہ پانی کو روکا نہیں جاتا۔''

دوسرا سبب: کلام میں کسی تقدیر کا ہونا، یا متصل و منفصل ضمیروں کا پایا جانا ہے۔ جب محقق کسی اَور روایت کی طرف رجوع کرتا ہے تو اس سے مراد واضح ہو جاتی ہے، یا وہ پوری عبارت وہاں مفصل شکل میں ملتی ہے تو بات واضح ہو جاتی ہے۔ اور کلام میں جو تقدیر ہے وہ بھی محقق کے اسلوب بلاغی کو سمجھنے سے ظاہر ہو جاتی ہے۔

اس میں ''ایجازِ حذف'' بھی داخل ہے جو عربوں کے کلام کا ایک بلاغی اسلوب ہے اور اس میں محذوف (لفظ یا جملہ) مقدر مانا جاتا ہے۔ پس اگر کوئی محقق کسی جملے میں بلاغی اسلوب کو سمجھنے سے قاصر ہو تو اسے ناگزیر طور پر عربی زبان اور اس کے علوم کے ماہرین سے رجوع کرنا چاہیے، کیونکہ بعض بلاغی اسالیب ایسے ہوتے ہیں کہ وہ عربی زبان اور اس کے علوم میں مہارت نہ رکھنے والوں کے لیے جملے کو مبہم بنا دیتے ہیں۔

تقدیر کی ایک مثال، جو کسی دوسری روایت یا عبارت کی طرف رجوع کرنے سے واضح ہو جاتی ہے اور جو بلاغی اسلوب کے فہم سے بھی روشن ہوتی ہے، وہ امام شعبی رحمہ اللہ کا یہ قول ہے: ''جس نے تم سے یہ کہا کہ جنگِ جمل میں اصحابِ بدر میں سے چار کے سوا کوئی اَور شریک تھا،[1] یا اگر وہ پانچواں[2] بھی پیش کریں تو (یاد رکھو کہ) سیدنا علی اور عمار رضی اللہ عنہما ایک طرف تھے اور سیدنا طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما دوسری طرف۔''[3]

اور یہ ''ایجازِ حذف'' کی مثال ہے جہاں محذوف چیز شرط کا جواب ہے۔

ضمائر کی مثال: حسن بصری رحمہ اللہ کا قول: "حتی ردّھا مِرارًا'' تو یہاں مراد یہ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے بیعت کو کئی بار لوٹایا (قبول نہ کیا)، اور اس کی وضاحت کچھ پہلے گزر چکی ہے۔[4]

---

① جس نے تجھ سے یہ کہا کہ جنگِ جمل میں بدری صحابہ چار سے زیادہ شریک تھے تو اسے جھٹلا دے۔ وضاحت ابن عبد ربہ کی روایت میں دیکھیے: [رقم: ۴۲]

② تقدیر کلام یہ ہے: ''اور اگر وہ پانچواں (صحابی) لے آئیں تو میں جھوٹا ہوں۔'' دیکھیے: [رقم: ۳۷ تا ۴۰]

③ دیکھیے: [رقم: ۴۱] ④ دیکھیے: (ص: ۷۱)

تیسرا سبب: یہ کہ جملہ عربوں میں رائج کسی ضرب المثل (محاورہ) کے طور پر ہو۔ جیسے ان کا یہ قول:

"إِنَّ الضَّجُوْرَ قَدْ تَحْلُبُ الْعُلْبَةَ"

یہ ایک ضرب المثل ہے جو ایسے آدمی پر بولا جاتا ہے جو نہایت بخیل ہو مگر پھر بھی اس سے کچھ نہ کچھ حاصل کر لیا جائے۔[1]

چوتھا سبب: یہ کہ جملہ کسی چیز کا نام ہو۔

مثال کے طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول: "دِبِّيْ حَجَلٌ" یہ دراصل بادیہ نشین عربوں کا ایک کھیل ہے۔ "حجل" اس کو کہتے ہیں کہ ایک پاؤں اٹھایا جائے اور دوسرے پر اچھلا جائے اور کبھی دونوں پاؤں سے بھی یہ قفز (چھلانگ مارنا) کیا جاتا ہے لیکن عمومی طور پر یہ اچھلنے کودنے کا نام ہے۔[2]

اور محقق کے لیے ان تمام اسباب سے نکلنے میں مددگار ہے: ان کتب کی طرف رجوع کرنا جو اس پہلو سے خاص دلچسپی رکھتی ہیں، جیسے:

- لغوی معاجم، مثلاً: "لسان العرب"
- اور غریب الحدیث کی کتب، جیسے: "النهاية في غريب الحديث والأثر"۔
- اور شروح حدیث، جیسے: "فتح الباري لابن حجر، شرح النووي على صحيح مسلم، عون المعبود للعظيم آبادي، اور حاشية مسند أحمد للسندي"۔
- اور بعض اوقات: ادب کی کتابیں بھی، جیسے: "جمهرة الأمثال" از ابی ہلال عسکری۔

⊙ **دوسرا مرحلہ** یہ ہے کہ روایات کے الفاظ کو آپس میں ملایا جائے، ایک کو دوسرے سے مکمل کیا جائے، اور ان کے درمیان ربط قائم کیا جائے۔

ہماری نظر سے (الاعتبار) گزر چکا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ روایت کی مختلف اسناد کا پیچھا کیا جائے، اور اس کے متابعات اور شواہد کی تلاش کی جائے۔

اور گذشتہ رکن میں ہمارا الاعتبار کا استعمال اس لیے تھا، تاکہ صحیح تاریخی روایات کو تلاش کیا جا سکے اور انھیں جمع کیا جا سکے، چنانچہ اس مقام پر سارا زور صحیح تاریخی مواد کو جمع کرنے پر تھا۔

---

[1] دیکھیں: [رقم: ۴۱۲] اور ایک اور مثال بھی ہے، وہ وہی ہے جو عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ جب عثمان رضی اللہ عنہ شہید کیے گئے تو انھوں نے کہا: "لَا يَنْتَطِحُ فِيْ قَتْلِهِ عَنْزَانِ" یعنی ان کے قتل پر دو بکریاں بھی ایک دوسرے سے نہیں ٹکرائیں گی۔ اس مثال کی شرح کتاب "صفين" لابن ديزيل [رقم: ۱۵] میں موجود ہے۔

[2] [رقم: ۴۷۱] کی طرف رجوع کریں۔

تو یہاں رکنِ دوم میں سارا زور ان متون کے تقابل پر ہے جنھیں پہلے جمع کیا جا چکا ہے اور ان میں سے بعض کو بعض کے ساتھ موازنہ کرنے، بعض سے بعض کی تکمیل کرنے اور بعض کو بعض سے مربوط کرنے پر ہے۔ پس جب محقق یہ سب کچھ کر لے تو:

⦿ تو وہ تاریخی واقعات کے مواقع، ان کے اسباب، محرکات اور تفصیلات کو پہچان لیتا ہے۔

⦿ اور وہ تاریخی واقعات اور حالات کی تفسیر و تجزیہ کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

⦿ اور وہ تاریخی واقعے کی اس تصویر کو جمع کرنے کے قابل ہو جاتا ہے جو مختلف مصادر میں بکھری ہوئی ہوتی ہے۔

اور متون کے درمیان روابط: کبھی قریب بھی ہو سکتے ہیں اور کبھی بعید بھی۔

8- ان مورخین کی روایتیں جن پر جھوٹ بولنے کی تہمت ہو

جھوٹ بولنے کے الزام میں مشہور مورخین کے درجے مختلف ہیں: ان میں سب سے بدترین حال ابومخنف کی روایتوں کا ہے، اس کے بعد ہشام بن محمد بن سائب کلبی، پھر نصر بن مزاحم، اور اسی طرح دیگر مورخین ان مراتب میں آتے ہیں۔ پس یہ مرویات اگر ممکن ہو تو دوسرے درجے کے مطابق برتی جائیں، ورنہ تیسرے درجے کے مطابق۔[1]

یہ کہنا درست نہیں کہ جھوٹ کا الزام رکھنے والے اخباریوں کی تمام روایات مطلقاً مردود ہیں، کیونکہ یہ غلو ہے۔ ان میں سے بعض لوگ تاریخ، روایات، انساب اور مقامات کے جغرافیہ کے ماہر ہوتے تھے لیکن ان کی خواہشِ نفس اور بدعت نے انھیں جھوٹ اور تحریف پر آمادہ کر دیا۔ لہٰذا اگر ان کی روایات کو دوسرے یا تیسرے درجے کے مطابق برتا جائے تو ان کی خبروں میں جو کچھ حق موجود ہے، اس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

پس یہ مورخین جن پر کذب کا الزام ہے، انھیں (علم) کی طرف نسبت دی جاتی ہے، نہ کہ (صدق) کی طرف۔ اور ان کا اسلام اور اہلِ اسلام کے خلاف ایک بڑا مکر یہ ہے کہ وہ اپنی روایتوں میں اکثر حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط کر دیتے ہیں، تاکہ ان کی باتوں کو قبولیت حاصل ہو، کیونکہ محض جھوٹ بہت جلد ظاہر ہو جاتا ہے اور اسے قبولیت حاصل نہیں ہوتی سوائے ابومخنف کے، کیونکہ وہ محض جھوٹ بہت زیادہ بولتا ہے اور وہ فتنہ کے واقعات میں گفتگو کرنے والا سب سے بدتر شخص ہے۔

---

[1] یعنی اگر ان روایات میں نکارت نہ ہو اور ان کی کوئی صحیح اصل موجود ہو تو انھیں پہلے رکن کے دوسرے درجے کے مطابق برتا جائے گا اور اگر ایسا نہ ہو تو تیسرے درجے کے مطابق۔ دیکھیے: (ص:٦٦)

اور ہم یہ بات ذکر کر چکے ہیں کہ اگر کسی متہم بالکذب راوی نے ایسے شخص کی روایت تنہا بیان کی ہو جس کے بارے میں سکوت اختیار کیا گیا ہو تو یہ بات اس ''مسکوت عنہ''، یعنی جس کے بارے میں نہ تو جرح ہے نہ تعدیل، کی روایت کے درجے کو گرا دیتی ہے۔ لہٰذا اس وقت احتیاط برتنا لازم ہے اور ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ (یہ روایت جھوٹ ہے) جب تک اس پر قرائن موجود نہ ہوں۔

9- ان مورخین اور راویوں کی روایات جو واقعات کے عینی شاہد یا ہم عصر تھے۔

نبی اکرم ﷺ کی احادیثِ شریفہ کی صحت کے لیے سند کا متصل ہونا ایک شرط ہے اور محدثین سند کے اتصال کے حکم کے لیے معاصرت (یعنی راویوں کا ایک دوسرے کے ہم عصر ہونا) اور ملاقات کے امکان کی شرط لگاتے ہیں اور یہی طریقہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی ''صحیح'' میں اختیار کیا ہے۔ جبکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی ''صحیح'' میں ملاقات کا ثبوت (یعنی واقعی ملاقات ہوئی ہو) کی شرط لگائی ہے۔

بہرحال یہ شرط خاص طور پر احادیثِ نبویہ شریفہ کے لیے ہے اور اسے تاریخی روایات پر لاگو کرنا درست نہیں، کیونکہ جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں: لوگوں کے اقوال وافعال وحیِ الٰہی کے مانند نہیں ہوتے۔

اور اگر یہ شرط تاریخی روایات پر لاگو کر دی جائے تو تاریخ کا ایک بڑا حصہ ضائع ہو جائے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ مورخین اور ان راویوں کی وہ روایات جو تاریخی واقعات کے ہم عصر ہوں، ان کا حکم تاریخی منہج کے مطابق متصل ہی کا ہوتا ہے، یعنی اصل یہ ہے کہ وہ متصل سمجھی جائیں لیکن اس شرط کے ساتھ کہ ان میں نکارت نہ ہو۔ پس اگر نکارت پائی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ علت انقطاع ہے اور ایسی صورت میں خبر ضعیف شمار ہوگی، کیونکہ اس جیسے معاملے میں انقطاع ہی سب سے نمایاں علت ہوتی ہے۔

اور یہ خبر اس وقت مزید قوی ہو جاتی ہے جب وہ واقعہ اسی شہر میں پیش آیا ہو جہاں راوی مقیم تھا، پھر اگر وہ واقعہ اس شہر کے آس پاس کے علاقے میں ہوا ہو تو بھی یہی حکم ہوگا اور اسی طرح تدریجاً۔

اس کی مثال امام عامر بن شراحیل شعبی کی وہ روایات ہیں جو ان تاریخی واقعات کے بارے میں ہیں جن کے وہ خود ہم عصر تھے، جیسے: واقعۂ جمل، صفین، نہروان، اور حسن رضی اللہ عنہ کا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا۔

پس ان (شعبی) کی ایسی روایات کا حکم متصل ہی کا ہوگا، چنانچہ جب صحت کی دیگر شرائط بھی پوری ہوں تو ہم کہیں گے: ''اس کی سند تاریخی منہج[1] کے مطابق صحیح اور متصل ہے، یا اس کی سند تاریخی منہج[2] کے

---

[1] اس کی ایک مثال آگے [رقم: ۳۰۵] پر آئے گی۔

[2] اس کی ایک مثال آگے [رقم: ۳۰۶] پر آئے گی۔

مطابق حسن اور متصل ہے۔'' لہٰذا یہ قید حکم کے بعد ضرور شامل کی جانی چاہیے، تاکہ محدثین کے منہج کے ساتھ اشتباہ دور ہو جائے۔

عجلی نے کہا: شعبی کی مرسل روایت صحیح ہوتی ہے، وہ بمشکل ہی صحیح کے علاوہ کوئی روایت مرسل بیان کرتے ہیں۔[1]

شیخ عبداللہ بن یوسف جدیع نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا: ''یہ بات ان مرسل روایات کی اپنی ذات میں قابلِ اعتبار ہونے کے لیے مفید ہے لیکن یہ بات درست نہیں کہ ان کی ہر مرسل روایت کو بغیر کسی شاہد کے صحیح قرار دے دیا جائے۔ اور بظاہر عبارت کا مطلب یہ ہے کہ عجلی نے شعبی کی مرسل روایات کا تتبع کیا تو ان میں سے اکثر کو دوسری اسناد سے صحیح پایا۔ پس ان کی صحت مرسل کے علاوہ کسی خارجی امر سے معلوم ہوئی۔ اسی لیے انھوں نے کہا: بمشکل ہی (یعنی: لا یکادُ) ، جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جن روایات کی صحت پر کوئی شاہد موجود نہ ہو، وہ بدستور ضعیف ہی رہیں گی۔''[2]

یعنی شعبی مراسیل کی روایت میں بڑی احتیاط برتنے والے تھے، اور ان کی اکثر مرسل روایات دیگر صحیح طرق سے بھی مروی ہیں، نہ کہ ان کی مرسل روایات اپنی ذات میں صحیح ہوتی ہیں۔ یا دوسرے لفظوں میں شعبی کی اکثر مرسل روایات اپنی ذات میں نہیں بلکہ شواہد کی بنا پر صحیح ہوتی ہیں۔

اور ایک بات کی طرف متوجہ رہنا ضروری ہے:

امام دارقطنی رحمہ اللہ کے اس قول: ''شعبی نے علی سے صرف ایک حرف[3] سنا ہے''[4] سے مراد یہ ہے کہ انھوں نے علی رضی اللہ عنہ سے صرف ایک (نبوی حدیث) سنی اور وہ رجم کی حدیث ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ[5] نے روایت کیا ہے:

---

[1] الثقات للعجلي (٢٣٢١)
[2] تحرير علوم الحديث (٩٣٦/٢)
[3] حرف سے مراد حدیث ہے۔
[4] یہ قول امام دارقطنی کا ہے جیسا کہ علل الدارقطني (٩٧/٤، ٤٤٩) میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ دو اَور اقوال بھی ہیں: سماع کی مطلق نفی، یہ امام حاکم کا قول ہے جبکہ امام علائی نے مطلق طور پر سماع کو ثابت کیا ہے۔ اس بنیاد پر کہ بخاری نے وہ حدیث روایت کی ہے جس میں علی رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کو رجم کیا اور وہ حدیث الشعبی کے واسطے سے علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ امام علائی نے کہا: بخاری صرف ملاقات کے امکان پر اکتفا نہیں کرتے۔ دیکھیے: معرفة علوم الحديث (ص: ١١١) جامع تحصيل (ص: ٢٠٤)
[5] صحيح البخاري (٦٤٢٧)

اس کی وجہ یہ ہے کہ شعبی نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کئی احادیثِ نبویہ روایت کی ہیں، لیکن ان میں سے صرف ایک حدیث کو ہی انھوں نے علی رضی اللہ عنہ سے براہِ راست سنا تھا۔

اور اس کا مطلب یہ نہیں کہ انھوں (شعبی) نے علی رضی اللہ عنہ کو کبھی سرگوشی کرتے ہوئے بھی نہیں سنا، بلکہ شعبی نے علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا تھا اور دونوں کوفہ میں رہتے تھے۔ پس جب انھوں نے انھیں دیکھا تو ظاہر ہے کہ ان کی گفتگو سنی ہوگی، اور ان کی حرکات وسکنات بھی دیکھی ہوں گی۔ اس پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جسے ابن ابی الدنیا نے نقل کیا ہے، انھوں نے کہا کہ مجھے ابو ہریرہ صیرفی نے حدیث سنائی، انھوں نے کہا کہ ہمیں یزید بن ہارون نے حدیث سنائی، انھوں نے کہا کہ ہمیں اسماعیل بن ابی خالد[1] نے خبر دی، وہ شعبی سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا: میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو لوگوں سے خطاب کرتے دیکھا، ان کا سر اور داڑھی سفید تھی، پیٹ بڑا تھا، ان کی داڑھی دونوں کندھوں کے درمیان تک پھیلی ہوئی تھی، سر کے بال جھڑ چکے تھے اور سر پر ہلکے ہلکے بال باقی تھے۔[2]

اور اس بنیاد پر ضروری ہے کہ شعبی نے علی رضی اللہ عنہ سے جو احادیثِ نبویہ براہِ راست سنی ہوں، ان کا ان روایات سے فرق کیا جائے جو انھوں نے بلا سماع نقل کی ہوں۔

رہی وہ روایات جو فتنے کے واقعات سے متعلق ہیں اور جنھیں محمد بن سیرین اور ان کے بھائی انس بن سیرین روایت کرتے ہیں تو وہ منقطع ہیں، کیونکہ اگرچہ انھوں نے واقعۂ جمل، صفین اور حسن رضی اللہ عنہ کی معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کا زمانہ پایا لیکن اس وقت وہ دونوں چھوٹے بچے تھے۔

---

[1] کتاب کے محقق نے کہا: اصل نسخے میں ''بن ابی سالم'' ہے، پھر متن میں ''سالم'' کو برقرار رکھا گیا: حالانکہ دونوں تصحیف (یعنی کتابت کی غلطی) ہیں اور درست صورت "تاریخ دمشق" اور دیگر مراجع تخریج سے معلوم ہوتی ہے۔

[2] ابن ابی الدنیا کی کتاب مقتل علي رضی اللہ عنہ (ص: ٦٩) میں مذکور روایت کی سند صحیح ہے، اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور وہ شیخین (بخاری ومسلم) کے رجال میں سے ہیں، سوائے ابو ہریرہ الصیرفی کے، جن کا اصل نام محمد بن فراس الضبعی ہے۔ ابن ابی الدنیا اور امام ذہبی نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے، جبکہ امام ابو حاتم اور ابن حجر نے صدوق کہا ہے، اور "تحریر التقریب" میں ہے: بلکہ ثقہ ہیں۔

محمد بن فراس کے تعارف کے لیے ملاحظہ کریں: تهذيب الكمال (٢٧٢/٢٦)، الكاشف (٥١١٠)، التقريب (٦٢١٨)

تخریج: اس روایت کو ابن عساکر نے تاريخ دمشق (٢٠/٤٢) میں ابن ابی الدنیا کے طریق سے، اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اور اسے ابن ابی شیبہ (٢٥٥٦٢) نے، ابن ابی عاصم نے الآحاد والمثاني (١٥٤) میں، طبرانی نے المعجم الكبير (١٥٧)، اور ابو نعیم نے معرفة الصحابة (٧٨/١، رقم: ٢٩٦)، (٧٩/١، رقم: ٣٠٣)، ان سب نے تین طرق سے اسماعیل کے واسطے سے، اس کے قریب الفاظ میں روایت کیا ہے۔

ابن سعد نے اپنی روایت میں ذکر کیا ہے کہ خالد بن خداش نے ہمیں خبر دی، انھوں نے کہا کہ حماد بن زید نے ہمیں بیان کیا، جو انس بن سیرین سے روایت کرتے ہیں۔ انس بن سیرین کہتے ہیں: ''محمد بن سیرین خلافتِ عثمان کے ختم ہونے سے دو سال قبل پیدا ہوئے، اور میں خود ایک سال قبل پیدا ہوا۔''[3]

چنانچہ جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے سنہ ۴۰ھ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی تو اس وقت محمد بن سیرین رحمہ اللہ کی عمر سات سال تھی اور ان کے بھائی انس کی عمر چھے سال۔

رہے حسن بصری تو انھوں نے ''یوم الدار'' یعنی امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کے محاصرے کا دن دیکھا، اور اس وقت وہ بالغ ہو چکے تھے یا بلوغت کے قریب تھے۔ فتنے کے زمانے میں وہ برابر مدینہ نبویہ ہی میں اپنے گھر پر مقیم رہے اور اسی بنا پر ان سے فتنے کے بارے میں استشہاد کیا جاتا ہے۔

رہی ان کی (حسن بصری رحمہ اللہ) کی جمل اور صفین کے بارے میں روایات تو ان میں اکثر اوقات نکارت پائی جاتی ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ روایات منقطع ہوتی ہیں۔ اس پر مزید یہ بھی ہے کہ وہ کثرت سے ہر ایک سے مرسل روایت کرتے تھے، جیسا کہ ابن حجر نے ذکر کیا ہے۔[4] اور اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ روایت لینے میں احتیاط نہیں کرتے تھے، ساتھ ہی وہ تدلیس بھی کرتے تھے۔

امام ذہبی نے حسن بصری کی سوانح میں کہا: حسن بصری رحمہ اللہ باوجود اپنی جلالت و عظمت کے مدلس تھے، اور ان کی مرسل روایات زیادہ قابلِ اعتبار نہیں، اور انھوں نے بچپن میں حدیث طلب نہیں کی تھی۔''[5]

10- ان قدیم مورخین کی روایات جو انھوں نے اپنے سے پہلے مورخین سے معلق (یعنی بلا سند) نقل کی ہیں

بے شک قدیم مورخین - جیسے عمر بن شبہ (وفات: ۲۶۲ھ)، بلاذری (وفات: ۲۷۹ھ) اور طبری (وفات: ۳۱۰ھ) کبھی کبھار اپنے سے پہلے اصحابِ مصنفات مورخین سے روایات معلقاً (یعنی بلا سند) نقل کرتے ہیں، ان مورخین میں سے جن سے قدیم مصنفین معلق روایات نقل کرتے ہیں، چند معروف نام یہ ہیں: محمد بن اسحاق بن یسار (وفات: ۱۵۰ھ)، ابو مخنف (تقریباً ۱۵۵ھ)، ہشام کلبی (وفات: ۲۰۴ھ)، واقدی (وفات: ۲۰۷ھ)، اور ابو الحسن المدائنی (وفات: ۲۲۴ھ)۔

---

[1] الطبقات الکبریٰ (۱۹۳/۷) میں یہ روایت حسن الاسناد کے ساتھ مروی ہے اور اس کی تخریج کتاب ''خطبة الحسن ومعاوية رضی اللہ عنہما عند البيعة'' میں آگے [رقم: ۱۰] پر آئے گی۔

[2] طبقات المدلسين (۴۰) [3] سير أعلام النبلاء (۵۶۳/۴)

اور استقراء، یعنی مجموعی جائزے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ روایات ان کی کتابوں سے نقل کی گئی ہیں جو ہمارے زمانے میں مفقود، یعنی نایاب یا ناپید کتب میں شمار ہوتی ہیں۔

ان مورخین سے معلق روایت کی اقسام:

1 جزم کے صیغے کے ساتھ تعلیق، یعنی مورخ ان سے روایت کو قطعیت کے ساتھ نقل کرتا ہے۔

جیسے: (قال) ''اس نے کہا''، (حکی) ''اس نے بیان کیا''، (روی) ''اس نے روایت کیا''، (ذکر) ''اس نے ذکر کیا''، یا (فیما ذکر) ''جیسا کہ اس نے ذکر کیا۔''

جیسے ان کا یہ قول: (قال محمد بن إسحاق: ...) ''محمد بن اسحاق نے کہا: ...۔''

اور اسی طرح طبری کا یہ قول: (قال الواقدي ...) ''واقدی نے کہا ...۔''، (وزعم الواقدي)[1] ''واقدی نے گمان کیا ...۔'' اور (قال أبو مخنف ...) ''ابومخنف نے کہا ...۔''

اور اسی طرح بلاذری کا یہ قول: (قال الواقدي ...) ''واقدی نے کہا ...۔'' اور (قال هشام ابن الكلبي ...) ''ہشام ابن کلبی نے کہا ...۔''

2 صرف مصنف کا نام ذکر کر کے تعلیق کرنا۔

جیسے بلاذری کا یہ قول: (المدائني، عن فلان ...) تو اس نے المدائنی سے پہلے (قال) یا کوئی اور لفظ ذکر نہیں کیا۔

اور خلیفہ بن خیاط کا قول: (بشر بن المفضل، قال: نا ...)[2] بھی اس کی مثال ہے۔

بلاذری اور ان کی المدائنی سے روایت:

بلاذری، مدائنی سے کبھی تحدیث یعنی باقاعدہ سند کے ساتھ ''حدثنا'' وغیرہ کے ذریعے اور کبھی تعلیق، یعنی بلا سند کے انداز میں روایت کرتے ہیں۔۔۔ چنانچہ جب وہ تحدیث کے صیغے سے روایت کرتے ہیں، مثلاً: (حدثني المدائني ...) تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انھوں نے یہ روایت مدائنی سے براہِ راست سن کر لی ہے۔

---

[1] ''زعم'': (اس نے گمان کیا) یہ صیغہ اگرچہ روایت کے منقطع ہونے پر دلالت نہیں کرتا لیکن طبری اسے بالعموم اعتراض یا ضعف کے اشارے کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ یعنی جب وہ کسی روایت پر اعتماد نہیں کرتے تو اسے ''زعم فلان'' (فلاں نے گمان کیا) جیسے الفاظ سے بیان کرتے ہیں۔

[2] یہ آگے [رقم: ۴۱] پر آئے گی۔

اور جب وہ تعلیق کے انداز میں روایت کرتے ہیں، مثلاً: (المدائني، عن فلان ...) تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ مدائنی کی کسی کتاب سے نقل کر رہے ہیں، نہ کہ انھوں نے یہ بات براہِ راست سن کر لی ہو اور نہ ہی انھیں اس روایت کی اجازت حاصل ہو۔

ان کی معلق روایات کا حکم:

محدثین کے نزدیک معلق احادیث کے بارے اصل یہ ہے کہ وہ ضعیف شمار ہوتی ہیں، کیونکہ ان کی سند منقطع ہوتی ہے۔[1]

جہاں تک قدیم مورخین کی ان روایات کا تعلق ہے جو انھوں نے اپنے سے پہلے مورخین سے تعلیقاً نقل کی ہیں تو تاریخی منہج کے لحاظ سے ان کا حکم متصل روایت کا ہوتا ہے، کیونکہ یہ دراصل کتاب سے نقل کردہ روایت ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر طبری کے پاس ابن اسحاق، واقدی، ابو مخنف اور دیگر مورخین کی کتابیں موجود تھیں اور اسی طرح بلاذری کے پاس مدائنی کی کتابیں موجود تھیں۔ پس اسی بنیاد پر یہ سلسلہ چلتا رہا۔

البتہ تاریخی منہج کے مطابق کسی معلق تاریخی خبر کو انقطاع کی بنیاد پر معلول (یعنی ناقابلِ قبول) قرار دینا مناسب نہیں۔ لہٰذا یہ نہیں کہا جائے گا کہ بلاذری نے مدائنی سے سماع کی صراحت نہیں کی، اور نہ ہی یہ کہا جائے گا کہ طبری اور واقدی کے درمیان سند منقطع ہے، کیونکہ تاریخی روایات کو بیان کرنے کا طریقہ کار، حدیثِ نبوی کے بیان کے طریقے جیسا نہیں ہوتا۔ اور مصنفین کے مآخذ، یعنی ان کے علمی مصادر پر نظر ڈالنے سے وہ بات مزید واضح ہو جاتی ہے جس کا ہم اس وقت تذکرہ کر رہے ہیں۔

اور اگر ان روایات پر ابتدا ہی سے محدثین کے اصولوں کے مطابق (انقطاع) کا حکم لگا دیا جائے تو اس کا نتیجہ یہ نکل سکتا ہے کہ بہت سی مفید تاریخی روایات ضائع ہو جائیں، جیسا کہ وہ روایات جو بلاذری مدائنی سے تعلیقاً نقل کرتے ہیں۔

اگر کوئی محقق سند کا مطالعہ کرنا چاہے تو اسے چاہیے کہ وہ معلق روایت میں جس شخصیت سے نقل کی گئی ہے، اس سے آگے کی سند کا جائزہ لے، مثلاً اگر کہا جائے: (المدائني، عن أبي مخنف، عن...)

---

[1] بعض محدثین کا تعلیق کے بارے میں خاص منہج (طریقہ کار) ہوتا ہے، جیسے امام بخاری کا صحیح بخاری میں ہے۔ اگر وہ جزم کے صیغے سے تعلیق کریں، مثلاً: "قال، روی، حکی" تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ اس روایت کو صحیح سمجھتے ہیں۔ اور اگر وہ تمریض کے صیغے (یعنی مجہول الفاعل کے ساتھ) استعمال کریں، جیسے: (روي) ''روایت کی گئی''، (یروی عن، قیل) کہا گیا... تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ وہ اس روایت کو ضعیف سمجھتے ہیں۔

تو محقق کو چاہیے کہ وہ المدائنی اور اس کے شیوخ (اساتذہ) کی جانچ کرے۔ لیکن یہ کہنا کہ مصنف (جیسے بلاذری) اور المدائنی کے درمیان انقطاع ہے، یہ طریقہ تاریخی منہج کے لائق نہیں، اگرچہ یہ بات علمِ حدیث کے اصولوں کے لحاظ سے درست اور موزوں ہے۔

اور اگر کوئی راوی یا روایت کو ضعیف قرار دینا چاہے تو اسے چاہیے کہ کمزوری کی علت واضح طور پر بیان کرے، لیکن صرف اس بنا پر کہ روایت معلق ہے، اسے تنقید کا نشانہ نہ بنائے، کیونکہ محض تعلیق بذاتِ خود، تاریخی منہج کے مطابق کوئی قادح (یعنی مضر) علت نہیں مانی جاتی۔

اور اگر متن میں نکارت (یعنی مضمون میں خلافِ معروف یا غیر قابلِ قبول بات) موجود ہو اور سند میں کوئی اور علت (کمزوری) نہ ملے، سوائے تعلیق کے تو ایسی صورت میں تعلیق کو علت، یعنی ضعف کی وجہ قرار دیا جا سکتا ہے، لیکن یہ اصل (اصولِ حدیث) کی طرف رجوع کرتے ہوئے ہوگا۔ البتہ مصنف کہتا ہے: مجھے اس حالت کی کوئی مثال نہیں ملی۔

پس مقصود یہ ہے کہ اس تاریخی خبر کو جو نکارت سے خالی ہو، زندہ کیا جائے، یعنی جہاں تک ممکن ہو، اسے پھر سے قابلِ توجہ بنایا جائے۔ اور اسے ضعف کے دائرے سے نکال کر محفوظ کیا جائے، کیونکہ تاریخ ایسی اسانید کے ساتھ روایت کی جاتی ہے جو حدیث شریف کی اسانید کے مقابلے میں کمزور درجے کی ہوتی ہیں۔

ملاحظات:

اس قاعدے کا اطلاق، جو ہم نے تاریخی معلق روایات کے بارے میں بیان کیا ہے، صرف قدیم مولفین پر ہوتا ہے۔ جہاں تک متاخرین کا تعلق ہے، جیسے ابن عبدالبر (۴۶۳ھ)، ابن الاثیر (۶۳۰ھ)، امام ذہبی (۷۴۸ھ) اور ان کے ہم عصر دیگر اہلِ علم، تو یہ قاعدہ ان پر لاگو نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ متاخرین مولفین جب کسی تاریخی خبر کو معلق انداز میں نقل کرتے ہیں تو وہ عمداً اس کی اسانید کو اختصار کی وجہ سے حذف کر دیتے ہیں؟ یا تو پورا سندی سلسلہ نکال دیتے ہیں، یا ابتدا کے کچھ حصے حذف کرتے ہیں۔ بلکہ بعض اوقات ان میں سے کوئی دوسرے متاخر مولف سے کوئی بات نصاً یا بالمعنی نقل کرتا ہے، بغیر اس کی نسبت کے۔ حالانکہ ان متاخرین کے پاس ان قدیم کتب کے نسخے سننے یا حاصل کرنے کی اسانید موجود ہوتی تھیں۔ مگر بعض وجوہات کی بنا پر وہ براہِ راست ان کتب سے نقل نہیں کرتے بلکہ کسی دوسرے متاخر سے نقل کر لیتے ہیں اور مسئلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب وہ دوسرا متاخر مولف خود اس روایت کو نصاً نقل نہیں کرتا بلکہ اختصار سے یا بالمعنی نقل کرتا ہے۔ پھر جب بعد کا کوئی مولف اس مختصر یا تصرف شدہ روایت کو

نقل کرتا ہے تو اسے اصل قدیم مولف کی طرف منسوب کر دیتا ہے، نہ کہ اس متاخر کی طرف جس سے وہ براہِ راست لی گئی تھی۔ جیسے کوئی کہے: اور یہ روایت یعقوب بن سفیان نے اپنی تاریخ میں نکالی ... حالانکہ وہ روایت یعقوب بن سفیان کی تاریخ سے نہیں، بلکہ کسی چھٹی صدی ہجری کے مولف کے ذریعے نقل کی گئی ہوتی ہے!! اور اس طرح کا اختصار یا سیاق میں تصرف بعض اوقات ایک ناکافی یا مبہم تاریخی تصویر دینے کا باعث بن جاتا ہے۔

اور ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ تعلیق کے بعد جو اسناد ذکر کی گئی ہو اس کے تمام راوی ثقہ ہوں لیکن جب ہم اس کا اصل ماخذ تلاش کریں تو ممکن ہے کہ سند کے ابتدائی حصے میں کوئی ضعیف راوی یا ایک سے زیادہ ضعیف راوی موجود ہوں، جنھیں مورخ متاخر نے حذف کر دیا ہو۔

اور یہاں ہماری مراد اسناد کی ابتدا "عن" کے ساتھ ہونے سے نہیں ہے، جیسے کہ قدیم مولفین کہتے ہیں: (عن محمد بن إسحاق قال ...) ، اور نہ ہی ہماری مراد تحدیث کی ابتدا تمریض کے صیغے سے ہے، یعنی مجہول صیغہ، جیسے کہ قدیم مورخین کہتے ہیں: (حدثت عن شعبة ...) یا (قیل) ، یا (فیما قیل) یا (فیما ذکر)۔ پس یہ دونوں صیغے یعنی "عن" کے ساتھ روایت عنعنہ اور مجہول صیغۂ تمریض، سند کے متصل ہونے کے حکم میں داخل نہیں ہوتے۔

اور صیغۂ تمریض (یعنی مجہول اندازِ بیان) بعض اوقات انقطاعِ سند کے بیان کے لیے نہیں بلکہ قول کی کمزوری یا اس کے غلط ہونے کی طرف اشارے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ طبری نے حضرت علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان صلح (ہدنہ) کے بارے میں بیان کرتے ہوئے (فِیما ذُکِر) کے الفاظ استعمال کیے، جس سے مراد یہی ہے کہ یہ بات ضعیف یا مشکوک ہے۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی،[1] ان شاء اللہ۔

اگر متاخرین جیسے: امام ذہبی، ابن کثیر، ابن حجر اور دیگر کسی قدیم کتاب کی طرف نسبت کریں اور اس کے مصنف کی سند مکمل طور پر بیان کریں تو یہ تعلیق (معلق روایت) نہیں کہلاتی، بلکہ یہ مکمل متصل روایت ہوتی ہے۔ ایسی روایت قابلِ حجت ہے، بشرطیکہ وہ صحت کے تمام شرائط پر پوری اترتی ہو۔ تاہم اگر وہ ماخذ نایاب یا مفقود نہ ہو تو اصل مصدر کی طرف رجوع کرنا ضروری ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر اگر کوئی متاخر مولف یوں کہے: یعقوب بن سفیان نے اپنی تاریخ میں روایت بیان

---

[1] دیکھیے: [رقم: ۴۵۲] اور اس کے بعد والی تعلیق۔ یہاں طبری کا مقصود قول کی کمزوری کو بیان کرنا ہے، نہ کہ سند کی کمزوری کو، لہٰذا اس فرق کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔

کی ... یا یعقوب بن شیبہ نے اپنی مسند میں روایت ذکر کی ... یا ابن ابی شیبہ نے اپنی مسند میں روایت نقل کی ... اور اس کے بعد مصنف (یعنی: اصل کتاب کے مولف) کی مکمل سند بھی بیان کر دے تو یہ روایت معلق نہیں کہلائے گی بلکہ متصل شمار ہوگی۔ لیکن اگر وہ کسی قدیم کتاب کی طرف نسبت کرے مگر اسناد کو مکمل یا جزوی طور پر حذف کر دے تو یہ صورت بعینہٖ تعلیق کہلائے گی اور یہ متصل روایت کے حکم میں شامل نہیں ہوگی۔

مثال کے طور پر اگر کوئی متاخر مولف یوں کہے: یعقوب بن سفیان نے اپنی تاریخ میں شعبہ کے طریق سے ''عن'' کے لفظ سے روایت بیان کی تو اس میں اس نے شعبہ سے پہلے کا سندی حصہ حذف کر دیا ہے، یعنی یہ واضح نہیں کیا کہ شعبہ سے روایت کس نے کی۔ پس یہ روایت معلق شمار ہوگی اور متصل روایت کے حکم میں داخل نہیں ہوگی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اپنی کتابوں ''الإصابة'' اور ''فتح الباري'' میں اس بات سے امتیاز حاصل کیا ہے کہ وہ مفقود اور غیر مفقود دونوں طرح کی کتابوں سے نقل کرتے ہیں اور ان کے نام بھی صراحت سے ذکر کرتے ہیں۔ بعض اوقات وہ روایت پر صحت یا ضعف کا حکم بھی بیان کرتے ہیں۔

11- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا تاریخی روایات کی اسانید پر احکام لگانے کا منہج

⦿ ابتداءً ایک بدیہی بات کی طرف تنبیہ ضروری ہے اور وہ یہ کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ جیسے امامِ فن پر سند میں پائے جانے والے واضح اور نمایاں علل مخفی نہیں رہ سکتے، جیسے کہ سند کا ظاہر و واضح انقطاع، راوی کا مجہول ہونا، یا دیگر ایسی علل جو عام طور پر حدیث یا روایت کی صحت کو متاثر کرتی ہیں۔

پس جب یہ عمل کسی ایسے شخص سے بھی مخفی نہیں ہوتیں جو علمِ حدیث کا ماہر نہ ہو تو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ جیسے محدثِ کبیر پر کیسے مخفی رہ سکتی ہیں؟

⦿ استقراء سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا تاریخی روایات کی اسناد کے ساتھ ایک مخصوص انداز ہے جو وہ بعض اوقات اختیار کرتے ہیں، اور وہ یہ کہ اگر کسی سند کے ابتدائی حصے کو وہ صحیح پائیں لیکن اس کے بعد والا حصہ صحیح نہ ہو تو وہ صرف اس ابتدائی حصے کی تصحیح کرتے ہیں، یعنی پوری سند کو مکمل طور پر صحیح قرار نہیں دیتے۔

⦿ ان احکام سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ روایت فلاں راوی تک صحیح ہے۔[1]

---

[1] پھر جب میں اس ''گیارھویں'' مضمون کی تحریر سے فارغ ہوا تو میں نے اس مسئلے کے بارے میں محدث شیخ علامہ عبداللہ السعد حفظہ اللہ سے سوال کیا، تو انھوں نے فرمایا: جی ہاں، ابن حجر کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ یہ سند فلاں راوی تک صحیح ہے اور وہ پوری سند کی صحت کا ارادہ نہیں کرتے۔

⊙ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے طرزِ عمل کی واضح مثالوں میں سے ایک مثال یہ ہے کہ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: امام حاکم ابو احمد نے صحیح سند کے ساتھ شعبی سے روایت کیا ہے کہ زینب بنت رسول اللہ ﷺ ابو العاص بن ربیع کے نکاح میں تھیں .... پھر ایک قصہ ذکر کیا، پھر کہا: یہ روایت، باوجود اس کے کہ اس کی سند شعبی تک صحیح ہے، مرسل ہے اور یہ شاذ بھی ہے، کیونکہ اس کے خلاف وہ روایت ہے جو اس سے زیادہ مضبوط ہے۔[1]

ابن حجر رحمہ اللہ کے اس قول: (بسند صحيح عن الشعبي) سے ان کی مراد واضح ہے، جیسا کہ انھوں نے خود تصریح کی: (صح سنده إلى الشعبي) ، یعنی ان کا مقصد یہ نہیں کہ پوری سند صحیح ہے، بلکہ صرف اتنا کہ شعبی تک سند صحیح ہے۔ لہٰذا شعبی کے بعد کا حصہ اس صحت کے حکم میں شامل نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ابن حجر نے شعبی سے اوپر کی سند پر دو طرح کی علتوں سے جرح کی: پہلی علت سند سے متعلق ہے کہ یہ روایت مرسل ہے، اور دوسری علت متن سے متعلق ہے کہ یہ روایت شاذ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن حجر رحمہ اللہ روایت کے کسی ایک حصے کو صحیح قرار دے کر بقیہ حصے کو ضعف سے خالی نہیں سمجھتے، بلکہ علاحدہ سے اس پر حکم لگاتے ہیں۔

⊙ ابن حجر رحمہ اللہ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ سند کے اس حصے کو جو صحیح ہو، حذف کر دیتے ہیں اور اس کی جگہ یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں: "بسند صحيح ، بإسناد صحيح ، بسند جيد ، بسند حسن" ... وغیرہ، پھر اس کے بعد سند کا باقی ماندہ حصہ نقل کرتے ہیں جو قابلِ اعتماد نہیں ہوتا، یعنی سند کا وہ بالائی حصہ جس میں ضعف پایا جاتا ہے۔

⊙ وہ اس طرزِ بیان سے دو باتوں کا ارادہ رکھتے ہیں:

اوّل: اختصار یعنی مکمل سند ذکر کرنے کے بجائے مختصر طور پر اس حصے کو بیان کرنا جو صحیح ہے۔

دوم: تنبیہ بر محلِ علت، یعنی یہ واضح کرنا کہ سند میں جو خرابی یا ضعف ہے، وہ کس حصے میں واقع ہوا ہے۔

⊙ ابن حجر رحمہ اللہ کے اس منہج پر توجہ نہ دینا محقق و طالب علم کو الجھن میں ڈال دیتا ہے اور اسے غلطیوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔

اور ذیل میں ابن حجر رحمہ اللہ کی جانب سے بعض اسناد کی جزوی تصحیح کی چند دیگر مثالیں ہیں:

پہلی مثال:

ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: ''اور یعقوب بن سفیان نے امام زہری تک سند کے ساتھ ایک صحیح روایت

---

[1] الإصابة (٧/٢٤٩)

نقل کی ہے جس میں یہ ہے کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا اور اپنی طرف سے چند شرائط پیش کیں ...۔'' پھر انھوں نے پوری روایت بیان کی۔[1]

سند کا حکم: اس کی سند ضعیف ہے، کیونکہ یہ مرسل ہے۔ لیکن یہ خبر اپنے شواہد (تائیدی روایات) کی بنا پر صحیح ہے، جیسا کہ آگے آئے گا۔

سند کا بقیہ حصہ: "قال يعقوب بن سفيان: حدثنا الحجاج، حدّثنِي جدِّي، عن الزهرِي ..." به. اور یعقوب سے زہری تک سند متصل ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور ابن حجر نے صراحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے کہ ان کا حکم صرف سند کے پہلے حصے پر ہی لاگو ہوتا ہے، اس لیے انھوں نے کہا: (بسند صحيح إلى الزهري) رہا معاملہ زہری سے اوپر کا، تو وہ مرسل ہے۔

دوسری مثال:

ابن حجر نے کہا: ''اور ابوبکر بن ابی خیثمہ نے جویریہ بن اسماء تک صحیح سند کے ساتھ روایت نقل کی ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے اہلِ مدینہ کے بعض شیوخ کو یہ بات کرتے ہوئے سنا کہ جب معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انھوں نے یزید کو بلایا[2] اور اس سے فرمایا۔۔۔''

سند کا حکم: اس کی سند ضعیف ہے، کیونکہ جویریہ کے شیوخ مجہول ہیں اور اس کے متن میں نکارت ہے۔

سند کا بقیہ حصہ: ہم نے اسے حاشیے میں ذکر کیا ہے، اور ابن ابی خیثمہ سے جویریہ تک سند متصل ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

تیسری مثال:

ابن حجر نے کہا: ''طبری نے عبداللہ بن الحارث سے، وہ بنونضر کے ایک آدمی سے، انھوں نے علی رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت بیان کی ہے۔''

---

[1] فتح الباري (٦٥/١٣) ملاحظہ ہو: [رقم: ١٣٣] اور اس کا حاشیہ۔

[2] فتح الباري (٧٠/١٣) میں ہے۔ ابوبکر بن ابی خیثمہ کا نام: احمد بن زہیر بن حرب بن شداد الحرشی ہے۔

تخریج: اس روایت کو ابوبکر بن ابی خیثمہ نے اپنی کتاب "تاريخ ابن أبي خيثمة" میں روایت کیا ہے جیسا کہ تاریخ دمشق (١٠٤/٥٨۔ ١٠٥) میں موجود ہے، انھوں نے کہا کہ ہمیں میرے والد نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ ہمیں وہب بن جریر نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ ہمیں جویریہ بن اسماء نے (یہ روایت) بیان کی۔ اور ملاحظہ کریں: موارد ابن عساكر (١٣٥/١)۔ اور اسے طبری نے اپنی التاريخ (٣٥٩/٣) میں روایت کیا، مجھ سے احمد بن زہیر نے یہ روایت بیان کی، (پھر یہی سند ذکر کی)۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خوارج کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ''اگر وہ کسی عادل امام کی مخالفت کریں تو ان سے قتال کرو، اور اگر کسی جابر امام کی مخالفت کریں تو ان سے قتال نہ کرو، کیونکہ ان کے پاس اپنی بات کا ایک موقف ہے۔''[1]

سند کا حکم: اس کی سند ضعیف ہے اور علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے راوی کی جہالت مخفی نہیں۔

سند کا بقیہ حصہ: میں نے طبری کی جن تصنیفات پر نظر ڈالی، ان میں یہ روایت نہیں ملی۔ میں نے تخریج میں ابن ابی شیبہ اور بندار کی روایت کو ذکر کیا ہے اور ان دونوں سے ابن الحارث تک سند متصل ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

چوتھی مثال:

ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: ''یعقوب بن سفیان نے الزہری سے جید سند کے ساتھ روایت نقل کی ہے، انھوں نے کہا: معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی ....'' الخبر[2]

سند کا حکم: اس کی سند ضعیف ہے، کیونکہ یہ مرسل ہے، تاہم یہ خبر شواہد کی بنا پر صحیح ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔

سند کا بقیہ حصہ: یعقوب بن سفیان نے یہ روایت حجاج بن ابی منیع کے واسطے سے بیان کی، انھوں نے کہا: مجھ سے میرے دادا نے بیان کیا اور انھوں نے زہری سے روایت کی۔ یعقوب سے لے کر زہری تک سند متصل ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

---

[1] فتح الباري (۱۲/۳۰۱) میں آیا ہے کہ عبد اللہ بن الحارث زبیدی نجرانی کوفی، المکتب ثقہ راوی ہیں، ان کی روایت بخاری، مسلم اور دیگر چار کتبِ حدیث میں موجود ہے (التقریب: ۳۲۶۸)
اس روایت کو ابن ابی شیبہ (۳۹۰۷۱) نے وکیع، اعمش، عمرو بن مرہ، عبد اللہ بن الحارث، اور بنی نصر بن معاویہ کے ایک شخص کے واسطے سے بیان کیا ہے، وہ کہتا ہے: ہم علی رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھے، اہلِ نہر (خوارج) کا ذکر آیا تو ایک شخص نے ان کو گالی دی، اس پر علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''انھیں گالی نہ دو بلکہ اگر وہ کسی عادل امام کے خلاف خروج کریں تو ان سے قتال کرو، اور اگر وہ کسی جابر امام کے خلاف خروج کریں تو ان سے قتال نہ کرو، کیونکہ ان کے پاس اس (خروج) کے لیے ایک موقف ہوتا ہے۔'' اسی روایت کو محمد بن بشار بندار نے اپنے شیوخ کے طریق سے روایت کیا ہے، جیسا کہ ابو یعلیٰ الموصلی کی روایت (ص: ۱۱۷، ح: ۳۵) میں مذکور ہے، جو مجلّہ الاحمدیہ (شمارہ: ۱۸) میں شائع ہوئی: ''قال: حدثنا سهل بن يوسف وأبو داود قالا: حدثنا شعبة، عن عمرِو بنِ مرة ، به'' عبد اللہ بن حارث اور ایک شخص جو بنو نضرہ سے تھا، کا ذکر ہے۔

[2] فتح الباري (۱۳/۸۵) ملاحظہ کریں، نیز [رقم: ۱۱۵] اور اس کا حاشیہ بھی دیکھیں۔

پانچویں مثال:

طبری نے یونس بن یزید سے، وہ زہری سے صحیح سند کے ساتھ روایت بیان کی ہے کہ: ''علی رضی اللہ عنہ نے اہلِ عراق کے مقدمۂ جیش پر قیس بن سعد بن عبادہ کو مقرر کیا...'' پھر پوری روایت ذکر کی گئی ہے۔

سند کا حکم: اس کی سند ضعیف ہے، کیونکہ یہ مرسل ہے، لیکن یہ خبر شواہد کی بنا پر صحیح ہے، جیسا کہ آگے آئے گا۔

سند کا بقیہ حصہ: یہ روایت آگے [رقم: ۵۶۴] پر آئے گی اور طبری سے یونس تک سند متصل ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

چھٹی مثال:

ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: ''طبری نے صحیح سند کے ساتھ حصین بن عبدالرحمٰن سے، وہ عمرو بن جاوان سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا کہ میں نے ان سے پوچھا: آپ کے خیال میں احنف کا علاحدگی اختیار کرنا کس سبب سے تھا؟...[2] پھر پوری روایت ذکر کی گئی ہے۔

سند کا حکم: اس کی سند ضعیف ہے، کیونکہ ابن جاوان مجہول ہیں۔

سند کا بقیہ حصہ: طبری ی نے کہا: مجھ سے یعقوب بن ابراہیم نے بیان کیا، انھوں نے کہا: ہم سے ابن ادریس نے بیان کیا، انھوں نے کہا: میں نے حصین کو سنا...[3] پھر پوری روایت ذکر کی گئی ہے۔

اگر ہم طبری سے حصین تک کی سند کو دیکھیں تو وہ متصل ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

لیکن اگر ابن حجر رحمہ اللہ کی مراد پوری سند پر صحت کا حکم لگانا ہو تو اس کے لیے ان کے چند طریقے ہیں جن میں سب سے اہم دو طریقے ہیں:

1. وہ سابقہ صورت کی طرح کریں، لیکن اس صورت میں سند کا دوسرا حصہ بھی علت سے سالم ہو، یعنی متصل ہو اور اس کے راوی ثقہ ہوں۔ اس کی مثالیں:

ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: ''ابن ابی شیبہ نے عبدالرحمٰن بن ابزی سے جید سند کے ساتھ روایت بیان کی

---

1. فتح الباري (۱۳/۶۳) ملاحظہ کریں، نیز [رقم: ۵۶۴] اور اس کا حاشیہ بھی دیکھیں۔
2. فتح الباري (۱۳/۳٤) ملاحظہ کریں، نیز [رقم: ۲۶۳] ملاحظہ کیجیے اور میں نے اس کے حاشیے میں تضعیف کی وجہ بیان کی ہے۔
3. تاریخ الطبري (۳/۳٤) میں مذکور ہے: یعقوب بن ابراہیم: یہ ابن کثیر العبدی القیسی، ان کا مولیٰ، ابو یوسف الدورقی ہیں اور ابن ادریس: یہ ابو محمد عبداللہ الاودی الکوفی ہیں۔

ہے، وہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن بدیل بن ورقاء خزاعی جمل کے دن عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے جبکہ وہ ہودج میں تھیں ....۔"[1]

نیز ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: ""طبری نے ابو یزید مدینی سے صحیح سند کے ساتھ روایت بیان کی ہے، وہ کہتے ہیں: جب جنگِ جمل ختم ہوگئی تو عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا...۔"[2]

نیز ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: "عبدالرزاق نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیح سند کے ساتھ روایت بیان کی ہے، وہ کہتے ہیں: میں ایک دن ابن صیاد سے ملا، اوراس کے ساتھ ایک یہودی شخص تھا، تو میں نے دیکھا کہ اس کی ایک آنکھ بجھ چکی تھی ...۔"[3]

2 یا یہ کہ وہ (ابن حجر) روایت کو مکمل بیان کرنے کے بعد اس کا حکم ذکر کرتے ہیں۔ اس کی مثالیں:

ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: فاکہی نے حسن بن مکرم کے واسطے سے، وہ عبداللہ بن بکر سہمی سے، اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا: میں نے مکہ مکرمہ میں قیام کیا تو بیت اللہ کے ستونوں میں سے ایک ستون خراب ہوگیا، اسے نکال دیا گیا اور اس کی جگہ دوسرا ستون لایا گیا ...اور یہ سند قوی ہے، اس کے راوی ثقہ ہیں۔[4]

12- عربوں کے ہاں تاریخ کو بیان کرنے کا اسلوب، اور ان کا راتوں کے ذریعے واقعات کی تاریخ متعین کرنا

اختصار: چودہ راتیں یا اس سے کم ہوں: تو (خلت) "گزریں" یا (مضت) "گزر گئیں" جیسے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں اور تاریخ مہینے کے گزرے ہوئے حصے پر مبنی ہوتی ہے۔

پندرہویں رات: اس میں دونوں الفاظ (خلت) اور (بقیت) کا استعمال جائز ہے۔

سترہ راتیں یا اس سے زیادہ ہوں: تو (بقیت) "باقی رہ گئیں" استعمال کیا جاتا ہے اور تاریخ مہینے کے باقی حصے پر مبنی ہوتی ہے۔

---

[1] فتح الباري (۵۷/۱۳) ملاحظہ کریں اور میں نے یہ روایت پوری تفصیل کے ساتھ [رقم:۲۶۳] کے حاشیے میں مذکور ہے۔

[2] فتح الباري (۵۸/۱۳) ملاحظہ کریں، اور یہ روایت مکمل تفصیل کے ساتھ آگے [رقم:۶۱۲] پر آئے گی۔

[3] فتح الباري (۳۲۵/۱۳)

[4] فتح الباري (۴۴۹/۳)

تفصیل: ہم تمہید کے طور پر دو پہلوؤں پر گفتگو کریں گے:

① دن کی ابتدا اور اس کا اختتام۔ ② تقاویم کی اقسام۔

ان تمہیدی مباحث کے بعد ہم اصل اور مرکزی نکتہ یعنی تاریخ نویسی کے اسلوب پر تفصیل سے بات کریں گے۔

دن کا آغاز کب ہوتا ہے؟ اور اس کا اختتام کب ہوتا ہے؟:

دن کی ابتداء اور اس کا اختتام لوگوں کے عرف اور مختلف مواقع کے لحاظ سے مختلف ہوسکتا ہے۔ چنانچہ آج کے دور میں دنیا کی حکومتوں کے نظام میں نیا دن۔ رات بارہ بجے شروع ہوتا ہے اور یہ طریقہ مغربی ثقافت سے ماخوذ ہے۔

اور مسلمانوں کے عرف میں دن کا آغاز فجر کی اذان سے ہوتا ہے اور اگلے دن کی فجر کی اذان پر اس کا اختتام ہوتا ہے۔ اور ان فلکیاتی تقاویم میں جو سورج کی منزلوں پر مبنی ہوتی ہیں، دن کا آغاز دن کے وقت (روشنی) سے ہوتا ہے، چنانچہ ایک دن دو حصوں پر مشتمل ہوتا ہے: پہلے دن، پھر رات۔

جبکہ قمری تقویم میں دن کا آغاز رات سے ہوتا ہے، یعنی غروب آفتاب سے، چنانچہ ایک دن دو حصوں پر مشتمل ہوتا ہے: پہلے رات، پھر دن۔

تقاویم کی اقسام[1]:

- **شمسی تقویم**: جیسے گریگورین[2] تقویم، اور یہ ایک سال بارہ مہینوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ سریانی تقویم بھی اسی کی طرح ہے، دونوں میں فرق صرف مہینوں کے ناموں کا ہے۔
- **قمری تقویم**: جیسے تقویم ہجری اسلامی اور چینی تقویم اور دونوں میں سال کے بارہ مہینے ہوتے ہیں۔
- **قمری شمسی تقویم**: یہ وہ تقویم ہے جو سورج اور چاند دونوں پر بنیاد رکھتی ہے، جیسے: یہودی عبرانی تقویم اور بابلی تقویم۔ قمری شمسی تقویم ایک سال میں بارہ مہینوں پر مشتمل ہوتی ہے، لیکن بعض سالوں میں یہ تیرہ مہینوں تک ہو جاتی ہے، اس لیے کہ قمری سال شمسی سال سے تقریباً گیارہ دن کم ہوتا ہے۔

---

[1] ملاحظہ کریں: الموسوعة العربية العالمية (۷/۷۸- ۹۱)، طبعہ دوم۔

[2] یہ تقویم اپنے بانی پاپا گریگوری سیزدہم (وفات: ۱۵۸۵م) کی نسبت سے گریگورین تقویم کہلاتی ہے، اور یہی تقویم میلادی تقویم کے نام سے معروف ہے۔ اس کا آغاز جنوری سے اور اختتام دسمبر پر ہوتا ہے۔ دنیا کی اکثر حکومتیں اور کمپنیاں موجودہ دور میں اسی تقویم کو استعمال کرتی ہیں۔

لہٰذا ہر دو یا تین سال بعد قمری سال میں ایک اضافی مہینہ شامل کیا جاتا ہے، تاکہ قمری سال شمسی سال سے ہم آہنگ ہو جائے۔

ابن العربی نے کہا: سورج کا حساب دنیاوی فوائد کے لیے ہے اور چاند کا حساب عبادات و مناسک کے لیے۔[1]

تاریخ نویسی کا اسلوب:[2]

جدید عرف میں تاریخ کو دن کے اعتبار سے (دن کے وقت سے) بیان کیا جاتا ہے، جیسے کہ ''تقویم اُم القریٰ'' اور دیگر تقاویم میں ہوتا ہے۔ چنانچہ یوں کہا جاتا ہے: ''سات شعبان'' یا ''لسبع من شعبان''، اور لکھنے میں اسے اس طرح ظاہر کیا جاتا ہے: ''۷/شعبان''۔

لیکن قدیم عرب اور ابتدائی مسلم مصنفین کا تاریخ لکھنے کا طریقہ مختلف تھا۔ میں اس اسلوب کو ان کے عرف کے مطابق ذکر کروں گا اور ساتھ ساتھ اسے جدید عرف میں درجہ بندی کے طور پر واضح کروں گا۔ وضاحت کے لیے جدید عرف کی مثالیں اعداد کے ساتھ دوں گا، جیسے: ۳۰/شعبان۔

عرب راتوں کے ذریعے تاریخ کا تعین کرتے تھے، کیونکہ مہینوں کی ابتداء راتوں سے ہوتی ہے اور چاند کا حساب بھی رات کے اعتبار سے کیا جاتا ہے، جبکہ دن اس کے تابع ہوتے ہیں۔ عربوں کے ہاں دن غروب آفتاب سے شروع ہوتا تھا۔ اس لیے وہ کہتے ہیں: ''ليلة الجمعة'' یعنی وہ رات جس کے بعد جمعہ کا دن آتا ہے، یعنی جس کی صبح جمعہ ہوتی ہے۔ اسی طرح وہ کہتے ہیں: ''ليلة السبت'' یعنی وہ رات جس کے بعد ہفتہ کا دن آتا ہے۔

چنانچہ قمری مہینہ رات سے شروع ہوتا ہے اور دن کے اختتام پر ختم ہوتا ہے۔

جب عرب راتوں کے ذریعے تاریخ بیان کرتے تھے تو کبھی وہ لفظِ رات ''ليلة'' کو صراحت سے ذکر کرتے تھے اور کبھی اسے حذف کر دیتے تھے۔ مثلاً وہ کہتے: ''شوال کی تیرہ راتیں گزر چکی تھیں'' اور کبھی یوں بھی کہتے: ''شوال کی تیرہ گزر چکی تھیں۔'' اس صورت میں ''ليلة'' کا لفظ نہیں آتا لیکن مراد رات ہی ہوتی ہے۔

---

[1] تفسیر القرطبی (۲۷۷/۷)، [الأعراف: ۱٤۲]

[2] ملاحظہ کریں: المنهج الفائق والمنهل الرائق (۲۵۵/۲، ۲۵۹)، النحو الوافي (٥٦٥/٤)

عرب عموماً کم عدد سے تاریخ بیان کرتے تھے، تاکہ الفاظ مختصر اور قریب المعنی ہوں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں: (محرم کی چودہ گزر گئیں) یعنی ۱۴ر محرم، اور کہتے: (شعبان سے آٹھ باقی ہیں) یعنی ۲۲ر شعبان۔

چنانچہ اگر تاریخ چودھویں رات یا اس سے کم ہو تو وہ "خلت، خلون، مضت" جیسے الفاظ استعمال کرتے ہیں، یعنی وہ مہینے کے گزرے ہوئے حصے پر بنیاد رکھتے ہیں۔

پہلی رات: وہ رات جس میں نیا چاند دیکھا جاتا ہے یا جب مہینہ تیس دن مکمل ہو جاتا ہے، جیسے رمضان کی پہلی رات۔ اسی لیے اسی رات سے تراویح کی نماز شروع ہوتی ہے۔ جدید تقویم میں یہ رات ماہِ شعبان سے منسوب ہوتی ہے، جیسے: (۳۰ر شعبان) بشرطیکہ یہ رات، رات ۱۲ بجے سے پہلے ہو۔

عرب اس رات کی تاریخ یوں بیان کرتے تھے: "لأوّل ليلة من رمضان" "رمضان کی پہلی رات"، یا "لأوّل رمضان"، یا "لغرته" "رمضان کی چاند رات"، یا "لِمهله" "چاند کے ظاہر ہونے کے وقت"، یا "لِمستهله" "مہینے کے آغاز پر"۔ اسی طرح وہ لام کو حذف کر کے بھی اور ظرف زمان کے طور پر منصوب حالت میں کہتے: "أولَ، غرةَ، مهلَّ، یامستهلَّ"۔

پس جب فجر طلوع ہو جاتی تو وہ کہتے: "خلت" یعنی "ليلة خلت من رمضان" "رمضان کی ایک رات گزر چکی" اس کا مطلب ہوتا: ۱ر رمضان۔

اور جب دوسرے دن کی فجر طلوع ہو جاتی تو وہ کہتے: "خلتا" یعنی "لِليلتَينِ خلتا من رمضان" "رمضان کی دو راتیں گزر چکی ہیں"، اور اس کا مطلب ہوتا: ۲ر رمضان، اور اسی طرح کا اسلوب باقی مہینوں میں بھی اختیار کیا جاتا تھا۔

جب راتوں کی تعداد تین سے دس تک ہوتی تو عرب "خلون" کا لفظ استعمال کرتے، مثلاً کہتے: "لِثلاث خلون مِن محرم" یعنی ۳ر محرم، اور "لِعشرِ خلون مِن محرم" یعنی ۱۰ر محرم۔

جب راتوں کی تعداد گیارہ (۱۱) سے چودہ (۱۴) تک ہوتی تو عرب "خلت" کا لفظ استعمال کرتے تھے، مثلاً کہتے: "أربع عشرة خلت مِن محرم" "چودہ راتیں محرم سے گزر چکی تھیں" یعنی ۱۴ر محرم۔

رہی بات مہینے کے درمیانی دن یعنی پندرھویں رات کی تو اس میں دونوں اسلوب جائز ہیں: کہا جا سکتا ہے: "لِخمس عشرة خلت مِن رجب" "رجب کی پندرہ راتیں گزر چکی تھیں"، یا: "لِخمس عشرة بقِيت من رجب" "رجب کی پندرہ راتیں باقی تھیں"، تاہم سب سے فصیح اور بہتر اسلوب یہ ہے کہ کہا جائے: "للنصف من رجب"، یا "لِمنتصفِ رجب"، یا "لانتصاف رجب" یعنی رجب کا وسط یا درمیان۔

اور جب سولھویں رات یا اس سے زیادہ ہو، تو وہ "بقِيت" یا "بقِين" کا لفظ استعمال کرتے ہیں، اور حساب مہینے کے باقی دنوں پر کیا جاتا ہے، نہ کہ گزرے ہوئے دنوں پر۔ اور ان کے ہاں یہی انداز زیادہ رائج تھا۔

اور اس میں یہ بھی جائز ہے کہ "خلت" یا "مضت" کہا جائے، یعنی گزرے ہوئے دنوں پر بنیاد رکھی جائے۔ چنانچہ ہم یوں کہیں گے: "ثلاث عشر بقِيت مِن صفر" "تیرہ راتیں صفر سے باقی تھیں"، یعنی ۱۷/صفر۔ یا یوں کہا جا سکتا ہے: "سبع عشر خلت مِن صفر" "صفر کی سترہ راتیں گزر چکی تھیں"، یعنی: ۱۷/صفر۔

جب راتوں کی تعداد سولہ (۱۶) سے انیس (۱۹) تک ہو تو عرب "بقيت" کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ مثلاً وہ کہتے: "أربع عشرة بقيت من صفر" "چودہ راتیں صفر سے باقی تھیں" یعنی ۱۶/صفر۔ "ثلاث عشر بقِيت منه" "تیرہ راتیں اس (صفر کے) مہینے سے باقی تھیں" یعنی ۱۷/صفر۔ "اثنتا عشرة بقِيت منه" "بارہ راتیں اس (صفر کے) مہینے سے باقی تھیں" یعنی ۱۸/صفر، اور "لإحدى عشرة ليلة بقيت من صفر" "گیارہ راتیں صفر سے باقی تھیں" یعنی ۱۹/صفر۔ اس طرح وہ مہینے کے باقی دنوں کے لحاظ سے تاریخ بیان کرتے تھے۔

جب مہینے کی تاریخ بیس (۲۰) سے شروع ہو کر آخری دو راتوں سے پہلے تک ہو تو عرب "بقِين" کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ مثال کے طور پر وہ کہتے: "العشر بقِين من شعبان" "دس راتیں شعبان سے باقی تھیں" یعنی ۲۰/شعبان، "التسع بقين منه" یعنی ۲۱/شعبان، "الثمان بقين منه" یعنی ۲۲/شعبان، "الخمس بقِين منه" یعنی ۲۵/شعبان اور "الثلاث بقِين منه" یعنی ۲۷/شعبان۔ اس طرح وہ دنوں کا شمار مہینے کے آخر سے کرتے اور تاریخ بیان کرتے تھے۔

اگر دو راتیں باقی ہوں تو عرب کہتے: "بقِيتا"، جیسے: "لِليلتَينِ بقِيتا مِن رجب" "دو راتیں رجب سے باقی تھیں"، یعنی ۲۸/رجب۔

اگر ایک رات باقی ہو تو کہا جاتا ہے: "ليلة بقِيت مِن رجب" "رجب کی ایک رات باقی تھی"، یا کہا جاتا ہے: "لسرار رجب" یا "سرر رجب"، یعنی مہینے کی آخری رات، اور یہ بھی جائز ہے کہ کہا جائے: "لِسلخِ رجب" یا "لانسلاخ رجب" "رجب کے ختم ہونے کا وقت"۔

اگر مہینے کی آخری رات گزر چکی ہو اور صرف دن باقی ہو تو عرب یوں تاریخ بیان کرتے تھے:

"لآخِرِ يوم من شعبان" یعنی شعبان کا آخری دن، یا "لسلخ شعبان" ''شعبان کے ختم ہونے کے وقت کے لیے''، یا "لانسلاخ شعبان" ''شعبان کے اختتام کے موقع پر''۔ اور اگر ''لام'' کو حذف کر دیا جائے اور ظرف کے طور پر نصب دیا جائے تو الفاظ یوں ہوتے: "آخِرَ یومٍ من شعبان" ''شعبان کا آخری دن''، "سلخَ شعبان" ''شعبان کا اختتامی دن''، یا "انسلاخ شعبان" ''شعبان کے ختم ہونے کا دن''۔

13- خطیب اور ابن عساکر کا اپنی اپنی تاریخ میں اختیار کردہ منہج

"تاریخ دمشق" اور "تاریخ بغداد" دو ایسے نایاب تاریخی انسائیکلوپیڈیاز ہیں جن کے سمندر میں غوطہ لگانا آسان نہیں اور اس کی دو بنیادی وجوہات ہیں[1]:

اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ خطیب بغدادی اور ابن عساکر نے اپنی کتابیں ایک خاص منہج کے مطابق تصنیف کیں، چنانچہ جو شخص ان دونوں مورخین کے طریقۂ کار سے واقف نہ ہو اس کے لیے ان کتابوں سے کامل فائدہ اٹھانا انتہائی مشکل ہوتا ہے۔

اسی طرح ان دونوں مورخین کی کتب کا مطالعہ کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ تاریخی مصادر اور علمِ حدیث کی معرفت رکھتا ہو، تاکہ وہ ان کی کتب کو صحیح طور پر سمجھ سکے اور ان سے درست طریقے سے استفادہ کر سکے۔

یہ دونوں امور (یعنی مولفین کا خاص منہج اور علومِ حدیث و مصادرِ تاریخ کی معرفت کی ضرورت) کئی معاصر اہلِ علم سے بہت سی مفید روایات کے فوت ہو جانے کا سبب بنے، حالانکہ وہ راہِ حق اور رسولِ کریم ﷺ کی سنت کے متبعین تھے۔ اسی طرح ان دونوں عوامل نے ان لوگوں کے شبہات میں اضافہ بھی کیا جن کے دلوں میں بیماری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عافیت عطا فرمائے۔ کیونکہ یہ دونوں کتابیں (تاریخ بغداد اور تاریخ دمشق) درست و معتبر مواد کے ساتھ ساتھ غیر معتبر باتوں کو بھی اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔

اور میں نے بعض ایسی اہم خبریں دیکھی ہیں جنھیں خطیب بغدادی اور ابن عساکر نے ان کتابوں سے نقل کیا ہے جو ہمارے زمانے میں مفقود شمار ہوتی ہیں۔

---

[1] اس باب کے تحت ہر وہ کتاب شامل ہے جو خطیب بغدادی اور ابن عساکر کے منہج پر ان کی تاریخوں میں تصنیف کی گئی ہو، جیسے ابن العدیم کی "بغیة الطالب في تاریخ حلب"۔ اسی طرح وہ کتب بھی اس میں داخل ہوں گی جن میں کبھی کبھار ساعات کی اسانید کا ذکر آ جاتا ہے، جیسے: السنن الکبری للبیهقي، المنتظم لابن الجوزي، الاستیعاب لابن عبد البر، امام ذہبی کی مختلف تصنیفات اور اس نوع کی دیگر کتابیں۔

چنانچہ میں ان مفقود کتابوں میں سے جن سے خطیب بغدادی اور ابن عساکر نقل کرتے ہیں۔ نہایت مفید اور اہم دلالتوں پر مشتمل خبریں نکالنے میں کامیاب ہوا اور ان سے میں نے اپنی کتاب کو علمی طور پر مالا مال کیا۔ نیز ''تاریخ دمشق'' کا ہمارے موضوعِ تحقیق سے متعلق تاریخی مواد ''تاریخ بغداد'' کے مقابلے میں کہیں زیادہ وافر ہے۔

اور متاخرین علماء (جیسے کہ بیہقی، ابن عساکر، خطیب بغدادی، ابن العدیم، ذہبی اور ابن حجر عسقلانی) کے پاس متقدمین کی ایسی کتب موجود تھیں۔ جیسے: صحیح بخاری، سنن ابن ماجہ، المعرفۃ والتاریخ، ابن دیزیل کی کتاب صفین، ابن ابی خیثمہ کی التاریخ الکبیر، اور دیگر کتب۔ اور یہ کتب ان تک اجازت (اجازہ) کے ذریعے پہنچی تھیں اور جب وہ ان سے نقل کرنا چاہتے تو وہ دو طریقے اختیار کرتے تھے:

① وہ سب سے پہلے اس کتاب تک اپنی اجازت (اجازہ) کی سند بیان کرتے تھے۔

② پھر وہ دوسرے مرحلے میں اس کتاب سے اصل متن نقل کرتے تھے۔

مثال: امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی ''الصحیح'' کی محمد بن یوسف الفربری اور دیگر حضرات کو اجازت دی، پھر فربری نے کشمیہنی کو اجازت دی، پھر کشمیہنی نے ابوسہل حفصی کو، پھر حفصی نے ابوعبداللہ الفراوی کو اور پھر فراوی نے ابن عساکر کو اس کی اجازت دی۔[1]

پس اگر ابن عساکر صحیح بخاری سے کوئی حدیث نقل کرنا چاہتے تو وہ یہ نہیں کہتے تھے کہ ''بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے ...'' بلکہ وہ پہلے صحیح بخاری کی طرف اپنی اجازت کی سند بیان کرتے، پھر حدیث ذکر کرتے تھے۔ چنانچہ ابن عساکر یوں کہتے: ''ہمیں خبر دی ابوعبداللہ الفراوی نے، انھیں خبر دی ابوسہل حفصی نے، انھیں خبر دی کشمیہنی نے، انھیں خبر دی فربری نے، انھیں خبر دی امام بخاری نے، انھوں نے بیان کیا...'' پھر وہ حدیث ذکر کرتے۔

اور ممکن ہے کہ ابن عساکر یا دیگر متاخرین کے پاس کسی ایک کتاب کے سماع کی متعدد اجازات ہوں تو وہ ان تمام کو اس کتاب تک اپنی سند میں جمع کر دیتے ہیں۔

اور ہر وہ کتاب جس سے خطیب، ابن عساکر اور دیگر محدثین نقل کرتے ہیں، ان کے پاس اس کتاب تک مخصوص اسناد ہوتی ہیں جو بار بار آتی ہیں اور جنھیں پہچانا جا سکتا ہے۔ مثلاً: ابن عساکر کی ''تاریخ خلیفہ'' تک سند ''طبقات خلیفہ'' تک اس کی سند سے مختلف ہوتی ہے۔

---

[1] دیکھیے: موارد ابن عساکر في تاریخ دمشق (١/٥٢٧)

اس موضوع کی مزید تفصیل کے لیے ''موارد ابن عساکر في تاریخ دمشق'' ملاحظہ کیجیے۔

ہم خلاصہ کر کے یہ کہہ سکتے ہیں کہ خطیب اور ابن عساکر اپنی تواریخ میں جو کچھ نقل کرتے ہیں، وہ تین اقسام پر مشتمل ہوتا ہے:

پہلی قسم: یہ قدیم کتب سے نقل ہے اور اس صورت میں وہ دونوں (خطیب اور ابن عساکر) ان مولفین تک اپنے نسخے کی سماعت کی اسناد ذکر کرتے ہیں، پھر ان کتابوں میں جو کچھ کہا جاتا ہے اسے مولفین نے اپنی کتابوں میں جو کچھ کہا ہوتا ہے وہ نقل کرتے ہیں۔

اور یہی قسم خطیب اور ابن عساکر کی تاریخوں کے سب سے زیادہ مواد پر مشتمل حصہ ہے۔

مثال: ابن عساکر نے کہا: ہمیں ابو الغنائم ابن النرسی نے خبر دی، پھر ہمیں ابو الفضل نے حدیث سنائی، وہ کہتے ہیں: ہمیں ابو الفضل، ابو الحسین، اور ابو الغنائم (اور الفاظ ابو الغنائم کے ہیں) نے کہا: ہمیں ابو احمد (ابو الفضل نے مزید کہا: اور محمد بن حسن) نے خبر دی، انھوں نے کہا: ہمیں احمد بن عبدان نے خبر دی، انھوں نے کہا: ہمیں محمد بن سہل نے خبر دی، انھوں نے کہا: ہمیں امام بخاری نے خبر دی، انھوں نے کہا: معاویہ بن حدیج خولانی زہری نے ان کا نسب بیان کیا ہے، ان کی صحابیت ثابت ہے، وہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے پہلے فوت ہوئے، وہ مصری صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔[1]

یہ طویل سند دراصل ''التاریخ الکبیر'' کے نسخے کی وہ سند ہے جس نسخے کے مالک ابن عساکر تھے اور وہ اس کتاب کو اپنے شیوخ سے مولفِ کتاب یعنی امام بخاری رحمہ اللہ تک سماعات کے ذریعے روایت کرتے ہیں۔

دوسری قسم: وہ روایات ہیں جو ان (یعنی خطیب اور ابن عساکر) کے شیوخ نے ان پر املاء کی ہوتی تھیں۔

اس کی مثال: وہ روایت ہے جسے ابن عساکر نے بیان کیا: ہمیں خبر دی ابو القاسم ابن سمرقندی نے، انھوں نے بیان کیا عبدالعزیز بن ابی طاہر سے، انھوں نے بیان کیا صدقہ بن محمد بن مروان سے، انھوں نے بیان کیا عثمان بن محمد ذہبی سے، انھوں نے بیان کیا اسحاق بن حسن بن میمون سے، انھوں نے بیان کیا محمد بن عبدالوہاب ریاحی سے، انھوں نے بیان کیا معتمر بن سلیمان سے، انھوں نے قرہ بن خالد سے، انھوں نے حسن سے، انھوں نے انس رضی اللہ عنہ[2] سے کہ انھوں نے کہا: میری آنکھوں نے، یا میری دونوں آنکھوں نے

---

[1] تاريخ دمشق (١٩/٥٩)، التاريخ الكبير للبخاري (٣٢٨/٧)

[2] مطبوعہ نسخے سے یہ لفظ ساقط ہو گیا تھا، چنانچہ اسے ابن منظور کی ''مختصر تاریخ دمشق'' سے مکمل کیا گیا ہے۔

ایسا دن کبھی نہیں دیکھا جیسا اس دن دیکھا جب حسین رضی اللہ عنہ کا سر طشت میں ابن زیاد کے پاس لایا گیا، تو وہ ان کے منہ پر چھڑی مارنے لگا اور کہنے لگا: یقیناً وہ حسین رضی اللہ عنہ نہایت خوبصورت تھے اور واقعی انھوں نے خضاب بھی کیا ہوا تھا۔[1]

یہ روایت ابن عساکر نے اپنے شیخ ابن سمرقندی سے املاء کے طور پر حاصل کی تھی، نہ کہ کسی پرانے کتابی ماخذ جیسے صحیح بخاری وغیرہ سے۔

تیسری قسم: یہ ہے کہ خطیب اور ابن عساکر کبھی کبھار ایسی کتابوں سے بھی نقل کرتے ہیں جو ان سے بالکل پہلے کے مصنفین کی ہوں اور یہ نقل بغیر سند کے ہوتی ہے۔

مثلاً: ان میں سے کوئی کہے: "ذكر الطبري في تاريخه..." مگر اپنی نقل کی سند کو ذکر نہ کرے جو تاریخ طبری تک پہنچتی ہو۔ یہ طرزِ نقل بہت کم پایا جاتا ہے۔ لہٰذا جب ایسا ہو تو یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ اسناد دراصل ان کتابوں پر ختم ہو رہی ہیں۔ پس اگر ان کتابوں کی پہچان ہو جائے تو ان اسناد میں وقت صرف کرنا اور ان کا تحقیقی جائزہ لینا فضول مشقت ہوگی، لیکن اگر ان کتابوں کی معرفت نہ ہو تو پھر پوری سند پر تحقیق واجب ہو جاتی ہے۔

اور محقق جب ابن عساکر کا منہج نہ جانتا ہو اور کسی مشہور کتاب کی طرف ابن عساکر کی سند کا مطالعہ کرے تو وہ اس سند میں کسی ضعیف راوی کو پا سکتا ہے، پھر یہ گمان کر لیتا ہے کہ یہ خبر ضعیف ہے، چنانچہ وہ اس کو ترک کر دیتا ہے۔ جیسا کہ بعض محققین کے ساتھ پیش آیا، جب انھوں نے ابن عساکر کی وہ سند دیکھی جس میں وہ کہتا ہے: ابو غالب ماوردی نے ہمیں خبر دی، انھوں نے کہا کہ ہمیں ابو الحسن محمد بن علی سیرافی نے خبر دی، انھوں نے کہا کہ ہمیں احمد بن اسحاق نے خبر دی، انھوں نے کہا کہ ہمیں احمد بن عمران نے خبر دی، انھوں نے کہا کہ ہمیں موسیٰ بن زکریا نے خبر دی، انھوں نے کہا کہ ہمیں خلیفہ بن خیاط نے خبر دی، انھوں نے کہا: ہمیں ابو داود اور دیگر نے ابو خلدہ سے، اور انھوں نے ابو العالیہ سے روایت کی، وہ کہتے ہیں کہ جب علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ تھا تو میں ان کے پاس آیا، دیکھا کہ دو لشکر آمنے سامنے صف آراء تھے جن کا کوئی کنارہ نظر نہ آتا تھا۔ جب ایک طرف کے لوگ تکبیر کہتے تو دوسری طرف کے بھی تکبیر کہتے اور

---

[1] تاريخ دمشق (۲۳۶/۱۴) میں یہ خبر مذکور ہے اور اس خبر، اس کے رجال اور اس پر گفتگو کتاب "خطبة حسن ومعاوية رضی اللہ عنہما عند البيعة" میں تفصیل سے بیان کی جائے گی۔ خاص طور پر [رقم: ۲۸] کے حاشیہ کے تحت۔ مزید برآں یہ خبر مختصر تاريخ دمشق (۱۵۲/۷) میں بھی ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

جب یہ ''اللہ اکبر'' کہتے تو وہ بھی کہتے۔ میں نے (حیرت سے) کہا: تم کس گروہ کو کافر سمجھتے ہو؟ اور کس کو مومن؟ پس شام ہونے سے پہلے ہی میں واپس لوٹ آیا۔[1]

بعض محققین جب اس سند میں موسیٰ بن زکریا کو دیکھتے ہیں اور وہ ابو عمران التستری ہے تو وہ فوراً اس پر ضعف کا حکم لگا دیتے ہیں اور اپنی تحقیقات میں اس روایت کو قبول نہیں کرتے، کیونکہ دارقطنی نے اس کے بارے میں کہا ہے: وہ متروک ہے۔[2] لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ سند روایتِ حدیث کی سند نہیں بلکہ نسخے کے سماع کی سند ہے، یعنی یہ سند اس نسخے (کتاب) کے سماع کی گواہی ہے جس سے ابن عساکر نے ''تاریخ خلیفہ'' سے نقل کیا ہے۔ اور جہاں تک ابو عمران التستری کے اس نسخے سے سماع کا تعلق ہے تو یہ سماع صحیح ثابت ہے اور اس کی بنیاد پر کسی حدیث یا خبر کو ضعیف قرار دینا درست نہیں۔

''تاریخ خلیفہ'' (تاریخ خلیفہ بن خیاط) کی دو روایتیں (سندیں، روایاتِ سماع) ہیں:

پہلی روایت بقی بن مخلد الاندلسی کی روایت ہے اور یہی وہ روایت ہے جو ہمارے سامنے ڈاکٹر اکرم بن ضیاء العمری کی تحقیق کے ساتھ دستیاب ہے۔

دوسری روایت ابو عمران موسیٰ بن زکریا تستری کی ہے۔ یہ روایت ان مفقود کتابوں میں سے ہے جو اب ہمارے پاس موجود نہیں، تاہم ابن عساکر نے اپنی ''تاریخ دمشق''[3] میں اسی روایت پر اعتماد کیا ہے۔

---

[1] تاریخ دمشق (۱۸/۱۸۲) میں یہ روایت موجود ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ یہ روایت ان شاء اللہ آگے [رقم: ۴۷۹] کے تحت مکمل آئے گی۔

[2] سؤالات الحاكم للدارقطني (۲۲۷)

[3] ابن عساکر کے پاس ''تاریخ خلیفہ'' کی موسیٰ بن زکریا التستری کی روایت پر مشتمل ایک نقل موجود تھی جس سے انھوں نے اپنی کتاب ''تاريخ دمشق'' (۱۴۸۷) میں مقامات پر اقتباس کیا۔ وہ اسے اپنے شیخ ابو غالب محمد بن الحسن الماوردی کے توسط سے یوں روایت کرتے ہیں: ''أخبرنا أبو غالب محمد بن الحسن الماوردي، نا أبو الحسن محمد بن علي السيرافي، نا أبو عبد الله أحمد بن إسحاق النهاوندي، نا أحمد بن عمران بن موسى الأشناني، نا موسى بن زكريا التستري، نا خليفة بن خياط'' یہ سند درحقیقت اس نقل کی سماع کا تسلسل ہے جس پر ابن عساکر کو اجازت حاصل تھی۔ تستری اور بقی بن مخلد کی روایتوں میں بعض اختلافات پائے جاتے ہیں اور تستری کی روایت میں کچھ ایسی زیادتیں بھی ملتی ہیں جو باقی کی روایت میں موجود نہیں۔ ان دونوں روایتوں میں تقابل کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تستری کی روایت زیادہ مکمل اور زیادہ مضبوط ہے۔ اسی تستری کی روایت کو امام حاکم نے ''المستدرك'' میں، ابن العدیم نے ''بغية الطلب'' میں، اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی اسی سند کے ذریعے روایت کیا۔ ←

اسی طرح علماء نے "تاریخ خلیفة" میں التستری کی روایت پر اعتماد کیا اور اسے قبول کیا، کیونکہ خلیفہ بن خیاط نے اپنی یہ کتاب خود املاء کروائی تھی اور التستری کو اس کی اجازت دی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ التستری اس کتاب کو ٹھیک طرح سے یاد رکھنے والے اور اس پر مضبوط ضبط رکھنے والے تھے اور ان کی جانب سے اس کتاب کا سماع درست اور معتبر ہے۔

لیکن علماء نے التستری کی اپنی سندوں سے منقول روایات کو، جو وہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتا ہے، قابلِ اعتماد نہیں سمجھا، جیسے کہ:

ابو بکر ابن مقری نے روایت نقل کی: ہمیں ابو ایوب سلیمان بن احمد بن یحییٰ بن عمر بن ابی صلایہ ملطی نے بیان کیا، انھوں نے موسیٰ بن زکریا التستری سے، انھوں نے (عمرو بن حصین) سے،[1] انھوں نے یحییٰ بن علاء سے، انھوں نے عبداللہ بن دینار سے، اور انھوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ولاء (قرابت یا غلامی کی نسبت) کی خرید وفروخت اور اس کے ہبہ (تحفے) سے منع فرمایا۔[2]

← حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا سندی سلسلہ یہ ہے: "أخبرنا الشيخ أبو إسحاق التنوخي إجازة مشافهة، عن أبي نصر بن الشيرازي، عن جده، عن الحافظ أبي القاسم ابن عساكر، أنبأنا أبو غالب الماوردي، أنبأنا أبو الحسن السيرافي، أنبأنا أحمد بن إسحاق بن خربان النهاوندي، حدثنا أحمد بن عمران الوشاء، حدثنا موسى بن زكريا التستري، حدثنا خليفة بن خياط به" اس موضوع پر تفصیل کے لیے موارد ابن عساكر في تاريخ دمشق (۱۱۹/۱) المعجم المفهرس لابن حجر (۶۵۸)، دکتور اکرم ضیاء العمری کی مقدمہ تاریخ خلیفة (ص: ۳۵-۳۶)، نیز دکتور حسین عاصی کی کتاب خليفة بن خياط في تاريخه وطبقاته (ص: ۴۱) ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

[1] جو عبارت بریکٹوں کے درمیان ہے، وہ "تاريخ دمشق" سے ساقط ہے۔

[2] یہ روایت المعجم لابن المقرئ (ص: ۲۷۳) اور اس کے واسطے سے ابن عساکر (تاریخ دمشق: ۱۹/۵۹) میں آئی ہے، اور یہ حدیث صحیح ہے لیکن اس کا اسناد باطل ہے۔ ملاحظہ ہو: موارد ابن عساكر في تاريخ دمشق (۱۵۵۲/۲)

ابو ایوب سلیمان بن احمد بن یحییٰ بن عمر بن ابی صلایا الملطی مضری الحافظ کے بارے میں سمعانی نے "عمر" کی جگہ "عثمان" ذکر کیا ہے اور یاقوت کے نزدیک ان کا نام "سلیمان" ہے۔ حمزہ السہمی کہتے ہیں: میں نے وزیر ابو الفضل بن حنزابہ، ابو الحسن دارقطنی اور دیگر علماء کو کہتے سنا کہ سلیمان بن احمد الملطی ضعیف ہے۔ ذہبی نے "المیزان" میں کہا: اس کو دارقطنی نے جھوٹا قرار دیا ہے۔ ابن حجر نے "اللسان" میں لکھا: خطیب نے کہا کہ وہ کذاب تھا۔ ابن ماکولا نے کہا: وہ کذب کے ساتھ متہم ہے، اس کی روایت پر اعتماد نہیں کیا جاتا۔ ذہبی نے "الدیوان" میں کہا: یہ ثقہ نہیں ہے۔ سبط ابن العجمی نے نقل کیا: یہ متہم اور کذاب ہے، اور یہ قول ذہبی کا ہے۔ جب کہ ابن جمیع الصیداوی نے ان کا ذکر کیا تو کہا: سلیمان بن احمد نے مجھ سے حدیث بیان کی۔ لیکن میں اس کی ذمہ داری سے بری ہوں۔ حلب میں۔" ←

پس یہ روایت موسیٰ بن زکریا التستری کی اپنی سند سے مروی خبری روایت ہے، لہٰذا اس کی ایسی روایات قابلِ قبول نہیں، لیکن ''تاریخ خلیفہ'' کی جو نقل اس نے روایت کی ہے وہ معتبر اور صحیح ہے اور کوئی انصاف پسند شخص یہ نہیں کہتا کہ ''تاریخ خلیفہ'' کو ردّ کر دیا جائے یا ابن عساکر اور دوسرے ان جلیل القدر علماء کو خطا پر قرار دیا جائے جنھوں نے موسیٰ بن زکریا کی ''تاریخ خلیفہ'' کی روایت پر اعتماد کیا ہے۔

منہجی مقدمہ یہاں ختم ہوتا ہے اور اب اس کا عملی اطلاق باقی ہے جو آپ کے سامنے یہ تحقیقی بحث حاضر ہے۔ والحمد للّٰہ رب العالمین.

← اس کی سوانح درج ذیل کتب میں ملتی ہے: معجم الشیوخ لابن جمیع الصیداوي (ص: ٢٤١)، سؤالات حمزة للدارقطني (ص: ٢٩٩)، الإكمال لابن ماكولا (٢٤٣/٧)، الأنساب للسمعاني (٤٢٣/١٢)، تاريخ دمشق (١٧٦/٢٢) معجم البلدان (١٩٣/٥)، إكمال الإكمال لابن نقطة (٦٠٠/٣) ديوان الضعفاء (رقم: ١٧٢٤)، المغني في الضعفاء (رقم: ٢٥٥٦، ٢٦٠٠)، ميزان الاعتدال (١٩٥/٢)، الكشف الحثيث (ص: ١٣٠)، توضيح المشتبه (٤٤٣/٥) (١٨٢/٨)، لسان الميزان (٧٢/٣) تبصير المنتبه (١٣٦٨/٤)، تنزيه الشريعة لابن عراق (٦٤/١– ٦٥)

جہاں تک عمرو بن الحصین اور موسیٰ بن زکریا کا تعلق ہے تو دونوں متروک الحدیث ہیں، اور یحییٰ بن العلاء (جو ابو سلمہ بجلی ہے) پر حدیثیں گھڑنے (وضع) کا الزام ہے۔ نیز ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سند میں اس کے اور ابن دینار کے درمیان انقطاع ہے۔

تخریج: اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی الصحیح (٢٣٩٨) میں روایت کیا ہے، جہاں انھوں نے کہا: ہم سے ابو الولید نے حدیث بیان کی، انھوں نے شعبہ سے، انھوں نے کہا: مجھے عبداللہ بن دینار نے خبر دی ۔۔۔ اور اس روایت کو عبداللہ بن دینار کے طریق سے متعدد محدثین نے بھی روایت کیا ہے۔

تحقیقی مقالہ لکھنے کا سبب

مجھے اس تحقیق کی تحریر پر آمادہ کرنے والے سات بنیادی اسباب ہیں جن کے تحت بعض تفصیلات اور ملاحظات آتے ہیں:

پہلا سبب:

تاریخی روایات سے تعامل یا ان پر محدثین کے منہج کے اطلاق میں (واضح علمی منہج) کا فقدان جس کے نتیجے میں درج ذیل امور پیدا ہوئے:

- ⊙ محدثین کے منہج کے اطلاق میں افراط وتفریط کا شکار ہونا۔
- ⊙ یا ضعیف روایات سے تعامل میں توازن کا فقدان۔
- ⊙ یا ان صحیح روایات سے تعامل میں توازن کا فقدان جن کا ظاہر بظاہر نکارت پر مبنی محسوس ہوتا ہے اور اسی قسم کی دیگر منہجی لغزشیں۔

یہ واقعہ اس وقت شروع ہوا جب تاریخ کے استاذ، فضیلۃ الشیخ پروفیسر ڈاکٹر اکرم بن ضیاء عمری نے سیرتِ نبویہ اور خلافتِ راشدہ کی تدوین میں حدِ امکان محدثین کے منہج کو اپنانے کی اہمیت کی طرف توجہ دلائی، تاکہ تاریخی حقیقت کو نمایاں کیا جا سکے اور تاریخ کو ان چیزوں سے پاک کیا جا سکے جو اس میں داخل کر دی گئی ہیں، خاص طور پر اس فتنے کے بارے میں جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان واقع ہوا۔ شیخ العمری نے اس بات کی طرف بھی تنبیہ کی کہ ضعیف روایات اکثر نبوی اور راشدی دور کی مسخ شدہ تصویر پیش کرتی ہیں۔

انھوں نے خود بھی سیرتِ نبویہ اور خلافتِ راشدہ کے بارے میں تصنیف کی اور اپنے قول کو عمل سے ثابت کیا، اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر دے۔ ان کی اس دعوت کو بعض اکادمیین اور تاریخ کے شعبے میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ نے قبول کیا، انھوں نے مفید اور قابلِ قدر تحقیقات لکھیں اور اپنی بھر پور کوششیں صرف کیں، حالانکہ یہ وہ زمانہ تھا جب بعض کتابیں ابھی تک مخطوطات کی صورت میں تھیں اور شائع نہیں ہوئی تھیں۔[1]

---

[1] ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری کی "مرويات السيرة النبوية بين قواعد المحدثين وروايات الأخباريين" (ص: ۱۱)

اس علمی تحریک نے اپنا پھل دے دیا اور لوگوں نے لکھی گئی تحقیقات سے فائدہ اٹھایا اور یہ پروفیسر ڈاکٹر اکرم العمری کی جانب سے ایک عمدہ پیش قدمی تھی۔ البتہ اس پر یہ ملاحظہ کیا جا سکتا ہے کہ اس کے لیے کوئی واضح راستہ یا منہج متعین نہیں کیا گیا، نہ ہی کوئی ایسی کتاب تصنیف کی گئی جو ایک علمی منہج کی تعیین کرے، یا ان محققین کے لیے ابتدائی تربیتی راہنمائی فراہم کرے جو اس طرح کی تحقیقات کا ارادہ رکھتے ہوں۔ اور مجھے علم نہیں کہ ان کے لیے کوئی تربیتی کورسز منعقد کیے گئے یا نہیں۔ نیز تاریخ کے شعبوں اور کتاب وسنت (یعنی حدیث وعلومِ حدیث) کے شعبوں کے مابین کسی مشترکہ تحقیقی منصوبے کا بھی انعقاد نہیں ہوا۔ چنانچہ واضح منہج کے نہ ہونے کے نتیجے میں دو باتیں سامنے آئیں:

پہلی بات: وہ ہے جس کا ہم یہاں (پہلے سبب) میں ذکر کر چکے ہیں۔[1]

دوسری بات: اس کا ذکر ہم تحقیق لکھنے کے اسباب میں دوسرے سبب کے تحت کریں گے۔

چنانچہ میں نے "المقدمة المنهجية التاريخية" تحریر کی، تاکہ منہج واضح طور پر متعین ہو جس کی پیروی محققین کر سکیں، پھر میں نے اس منہج کو اپنی اس کتاب میں نافذ کیا تاکہ میری یہ کتاب اس تجویز کردہ منہج کا عملی نمونہ بن جائے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے توفیق اور اخلاص کی دعا کرتے ہیں۔

دوسرا سبب:

ان لوگوں کا فتنۂ صفین کے بارے میں قلم اٹھانا جو حدیث اور اس کے علوم سے واقف نہیں، نیز ان معاصر مصنفین اور محققین کا ضرورت سے زیادہ جوش و جذبے کے ساتھ اہلِ اہواء و اہلِ بدعت کا ردّ کرنا۔ اس کے نتیجے میں متعدد غلطیاں سرزد ہوئیں۔

✓ تو حدیث اور علومِ حدیث سے ناواقف لوگوں کے اس میدان میں قدم رکھنے کے نتیجے میں دو منہجی غلطیاں سامنے آئیں:

⦿ ضعیف روایات کو صحیح قرار دینا اور صحیح روایات کو ضعیف سمجھ لینا۔

⦿ فتنۂ صفین کے بعض واقعات کی حقیقت کے خلاف تعبیر کرنا۔ اور اس کی وجہ یا تو مصادر و مراجع کی کمی ہے جو معلومات کے فوت ہونے اور تاریخی واقعے کی تصویر کے مکمل نہ ہونے کا باعث بنتی ہے، یا پھر شروحِ حدیث کی کتب کی طرف رجوع نہ کرنا، یا یہ گمان کرنا کہ اس طرح کی تاویلات صحابہ کی عدالت کو ملحوظ رکھتی ہیں۔

---

[1] افراط وتفریط اور توازن کا فقدان۔

اس کی مثال امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا وہ خطبہ ہے جس میں انھوں نے فرمایا: اما بعد! جو بھی اس معاملے میں بولنے والا ہے تو وہ مجھے اپنا سر نکال کر دکھائے، قسم بخدا! اس میں کوئی اپنا سر نہیں نکالے گا مگر میں اس سے اور اس کے باپ سے زیادہ اس کا حق دار ہوں۔[1] بعض لوگوں نے کہا کہ یہ خطبہ سنہ ۴۰ھ میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کے وقت دیا گیا تھا، جبکہ درست بات یہ ہے کہ یہ خطبہ سنہ ۳۷ھ میں حکمین کے اجتماع کے موقع پر دیا گیا تھا۔

اور بظاہر بعض لوگوں کا ضعیف روایت کو صحیح قرار دینا تاریخی روایات میں نرمی برتنے کی وجہ سے ہے، لیکن یہ کوئی منضبط (مربوط ومعتبر) منہج نہیں۔

رہی بات بعض لوگوں کی جانب سے صحیح روایت کو ضعیف قرار دینے کی تو میں نے دیکھا کہ اس کی وجہ تخریج (اعتبار)[2] سے عدمِ دلچسپی اور علوم کے اصلی مصادر پر عدمِ اطلاع ہے۔

تاریخ کے ماہر کی حدیث کی اصل کتابوں سے واقفیت اس درجہ کی نہیں ہوتی جس درجہ کی واقفیت حدیث کے ماہر کو حاصل ہوتی ہے اور یہ بات تخصص کے تقاضے کے تحت ایک فطری امر ہے۔

✓ اس دوسرے گروہ، یعنی ضرورت سے زیادہ جوش وجذبے سے بھرے ہوئے افراد کے میدان میں اترنے کے نتیجے میں تین منہجی غلطیاں پیدا ہوئیں: پہلی یہ کہ ایک ایسے نظریے کو اختیار کر لینا جس کے نتیجے میں افراط پیدا ہوتا ہے۔ دوسری یہ کہ صحیح روایات کو جان بوجھ کر نظر انداز کرنا۔ تیسری یہ کہ عمومی باتیں بے احتیاطی اور بغیر کسی تمیز کے بیان کر دینا۔

ان تین منہجی غلطیوں کی تفصیل درج ذیل ہے:

⊙ پہلی منہجی غلطی یہ ہے کہ محقق یا لکھنے والا اس فکر کو اختیار کر لیتا ہے کہ میں وہی کہوں گا جو مبتدعین کے برعکس ہو، یا دوسرے الفاظ میں مبتدعین جو کچھ کہتے ہیں، وہ سب غلط ہے۔ پھر وہ اپنی پوری تحقیق کو اسی تصور کی بنیاد پر تعمیر کرتا ہے جس کے نتیجے میں وہ روایات کے رد میں افراط کا شکار ہو جاتا ہے، اور اس کا کام تعمیر وتوضیح کے بجائے منہدم کرنے اور توڑنے کا بن جاتا ہے۔ چنانچہ وہ ہر اس تاریخی روایت کو گرانے کی کوشش کرتا ہے جس کے گرد اہلِ بدعت شبہات پیدا کرتے ہیں، مگر اس کی کوشش میں یہ پہلو مفقود ہوتا ہے کہ وہ تعمیری تحقیق کرے یا حقائق کی وضاحت پیش کرے، اس کی علمی

---

[1] یہ بات آگے [رقم: ۴۳۲] آئے گی۔

[2] تخریج: یہ اعتبار ہی ہے، یعنی طرق کی تلاش، متابعات وشواہد کی جستجو اور ان کا پیچھا کرنا۔

کمزوری کی وجہ سے۔ اس فکر کو اختیار کرنے کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ محقق دو مزید منہجی لغزشوں میں مبتلا ہو جاتا ہے، جو دراصل دو بڑی خطرناک جسارتیں (یعنی اگلی دو منہجی غلطیاں) ہیں۔

اور آخر وہ کون ہے جس نے یہ کہا کہ شبہات محض باطل پر مبنی ہوتے ہیں؟! محض باطل تو شبہہ نہیں کہلاتا، کیونکہ وہ تو واضح طور پر باطل ہوتا ہے۔ شبہہ درحقیقت وہ بات ہوتی ہے جس میں حق کی آمیزش ہو، مگر اس میں باطل بھی ملا ہوا ہو۔ لہٰذا شبہہ کا ردّ یہ تقاضا کرتا ہے کہ حق کو باطل سے الگ کیا جائے، نہ یہ کہ شبہے کے تمام مضمون، اس کے حق اور باطل سمیت، کو مکمل طور پر ردّ کر دیا جائے، کیونکہ یہ تو افراط ہے۔

اور شبہات کے ردّ سے پہلے ایک نہایت اہم اور بنیادی قدم ہوتا ہے اور وہ ہے: ''حق کی وضاحت''۔ انبیاء علیہم السلام نے بھی اپنی دعوت کا آغاز حق کی توضیح سے کیا، پھر جب ضرورت پیش آتی تو وہ شبہات کا ردّ فرمایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت، توحید، ارکانِ اسلام، ارکانِ ایمان، اور دین کی دیگر بنیادی تعلیمات، ان سب کی وضاحت کے لیے بے شمار کتب لکھی گئی ہیں جو ان حقائق کو بہترین انداز میں واضح کرتی ہیں۔ والحمد للہ- لہٰذا اس وضاحت کے بعد ان شبہات کا ردّ ممکن ہوتا ہے جو ان امور کے گرد اٹھائے جاتے ہیں۔

اور ان لوگوں سے، جو صفین کے واقعے کے گرد اٹھائے گئے شبہات کے ردّ میں غرق ہو چکے ہیں، سوال ہے: وہ کتابیں کہاں ہیں جن میں خود صفین میں پیش آنے والے واقعات کو واضح کیا گیا ہے، تاکہ آپ ان شبہات کے ردّ پر آگے بڑھیں؟

کیا حق کو پہلے واضح کرنا زیادہ مناسب اور اولیٰ نہیں؟

یا پھر جو شخص حقائق کی گہرائی سے واقف ہی نہیں، وہ شبہات کے ردّ میں خود کو کیسے قائل اور موثر بنا سکتا ہے؟

اور اگر ہم مثال کے طور پر ان میں سے کسی پُر جوش شخص سے جو شبہات کے ردّ میں مصروف ہے، یہ سوال کریں کہ حکمین کے درمیان درحقیقت کیا ہوا تھا؟ تو ہمیں معلوم ہو گا کہ اسے اس کی کوئی خبر ہی نہیں۔ تو پھر جس کی حالت یہ ہو، وہ کس بنیاد پر صفین کے واقعے کے گرد اٹھنے والے شبہات کے ردّ میں خود کو غرق کر دیتا ہے؟!!

چنانچہ وہ پرجوش شخص نہ تو حقائق کی وضاحت کے میدان میں کچھ کام کر سکا اور نہ ہی اس کے شبہات کے جوابات سے کوئی فائدہ حاصل ہوا؟ کیونکہ اس کے جوابات علمی و منہجی بنیادوں پر مبنی نہیں ہوتے۔

⦿ دوسری منہجی غلطی: ان صحیح روایات کو جان بوجھ کر نظر انداز کرنا جن کا ظاہر بظاہر نکارت پر مشتمل محسوس ہوتا ہے اور انھیں تحقیق میں ذکر نہ کرنا یا تو اس لیے کہ محقق اس کے درست معنی سے جاہل ہوتا ہے، یا اس نیت سے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم پر طعن کا دروازہ بند ہو جائے، یا پھر نفس کی خواہش اور اہلِ بدعت پر غالب آنے کی محبت کی بنا پر۔ اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ ان روایات کو ذکر تو کر دیتا ہے مگر ان کے معنی کی وضاحت اور تعلیل میں حد سے تجاوز کرتا ہے۔

یاد رکھنا چاہیے حقیقت کو محض خوبصورت بنانے کی نیت سے چھپا دینا، دراصل حقیقت کو بگاڑنے کا سبب بن جاتا ہے۔

⦿ تیسری منہجی غلطی: یہ ہے کہ مخصوص تاریخی واقعات کے بارے میں بے احتیاطی کے ساتھ عمومی باتیں کہہ دی جاتی ہیں، جیسے بعض محققین کا یہ کہنا کہ صفین کی جنگ کے حالات و واقعات کے بیان میں کوئی صحیح روایت موجود نہیں، یا ہم تک حکمین کے درمیان جو کچھ پیش آیا، اس کی صحیح خبریں نہیں پہنچی۔ ایسے دعوے دراصل اہلِ بدعت کو خاموش کرانے اور ان پر دروازہ بند کرنے کی نیت سے کیے جاتے ہیں۔

حالانکہ علمی تحقیق کے آداب کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کسی محقق کو کوئی روایت نہ ملے تو وہ کہے: مجھے نہیں ملی، اور یہ بات بھی وہ اسی وقت کہنے کا حق رکھتا ہے جب وہ اس موضوع پر گہرا مطالعہ اور وسیع تحقیق کر چکا ہو۔ لیکن افسوس، یہ علمی دیانت اور محتاط طرزِ تحقیق کہاں نظر آتی ہے؟

محض جوش و جذبہ اہداف کو حاصل نہیں کر سکتا اور فتنۂ جمل و صفین جیسے نازک مسائل پر شبہات کا ردّ اور گفتگو وہی شخص کرے جو علمی طور پر پختہ اور ماہر ہو، کیونکہ جو شخص صرف جوش میں آ کر اہلِ بدعت کے ردّ میں لکھتا ہے وہ اکثر اپنی علمی کمزوری کے سبب محض منہدم کرنے کا راستہ اختیار کرتا ہے اور مخالف کی بات کو مکمل طور پر باطل قرار دینے کی کوشش کرتا ہے، جس کے نتیجے میں وہ بعض ایسے حقائق کا بھی انکار کر بیٹھتا ہے جو مخالف کی بات میں موجود ہوتے ہیں۔

میں نے پر جوش افراد کی بعض تحریروں کا مطالعہ کیا ہے، خواہ وہ ان کی تحقیقات میں ہوں یا انٹرنیٹ فورمز پر اہلِ بدعت کے ساتھ مناظروں کے دوران۔ میں نے دیکھا کہ صفین کے واقعات سے متعلق ان کے بہت سے جوابات صرف منفی انداز، یعنی ردّ و تنقید اور ان روایات کو ضعیف قرار دینے کی کوششوں پر مبنی ہوتے ہیں۔ وہ ان روایات کے مضامین کا انکار کرتے ہیں اور ان میں جو کچھ ہے اسے یکسر مسترد کر دیتے ہیں۔ اب اگر کسی قاری کے ذہن میں ان روایات کے رد کی بنیاد پر کوئی مخصوص تصویر بن جائے اور بعد میں

کوئی مبتدع (اہلِ بدعت میں سے) ایک صحیح روایت پیش کرے جو اس ساری تصویر کو جڑ سے اکھاڑ دے تو اس وقت شبہے کی شدت اور اثر کا اندازہ کیجیے کہ وہ شبہہ کس قدر گہرا اور خطرناک ہوگا؟!

یہی صورت حال ماضی میں بھی پیش آئی: معتزلہ اور اشاعرہ گمراہی کا شکار ہو گئے۔ جب انھوں نے فلاسفہ کے ساتھ مناظرے کیے اور ان کے شبہات کا ردّ کرنے کی کوشش کی۔ انھوں نے فلسفیانہ شبہات میں قدم رکھا، حالانکہ ان کے پاس نہ صحیح عقیدے کا علم تھا، نہ حدیث اور اس کے علوم کی معرفت۔ ان کے پاس صرف دین کی نصرت کا ایک غیر منضبط اور جذباتی جوش تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ تعطیل میں مبتلا ہو گئے، یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات کا انکار کرنے لگے اور صحیح احادیث کو ردّ کر دیا۔ مجھے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں سخت اندیشہ ہے اور میں انھیں نصیحت کرتا ہوں کہ وہ شبہات اور ان کے جوابات میں اُلجھنے کے بجائے علم حاصل کرنے کی طرف متوجہ ہوں، کیونکہ شبہات کے پیچھے جانا اور ان کا ردّ تلاش کرنا علم حاصل کرنے کا درست طریقہ نہیں بلکہ ایک خطرناک راستہ ہے جس سے علماء نے سختی سے خبردار کیا ہے۔

شبہات کا جواب دینا بعض اوقات عام لوگوں کے بس میں بھی ہوتا ہے، لیکن حق کی وضاحت صرف وہی شخص کرسکتا ہے جو علم میں راسخ ہو، کیونکہ تعمیر کا کام صرف ماہر کاریگر اور انجینئر ہی اچھی طرح انجام دے سکتے ہیں جبکہ توڑ پھوڑ تو ممکن ہے کوئی بھی کرلے۔ اور حق کی وضاحت ہی دعوت، ہدایت اور رُشد و ہدایت کے راستے کی بنیاد ہے اور اس کا لوگوں پر اثر شبہات کے ردّ کے مقابلے میں کہیں زیادہ گہرا اور موثر ہوتا ہے۔

تیسرا سبب:

یہ ہے کہ فتنۂ صفین کے زمانے کے بعض واقعات اور حالات ایسے ہیں جو مزید تحقیق اور جستجو کے محتاج ہیں۔ اگرچہ بعض محققین نے اپنی تحقیقات میں ان میں سے کچھ پہلوؤں کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے، مگر یہ موضوعات اب بھی مزید توجہ اور علمی و متوازن منہج کے مطابق گہری تحقیق کے متقاضی ہیں۔

چوتھا سبب:

یہ ہے کہ مجھے فتنۂ صفین اور اس دوران میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے مواقف سے متعلق کثیر صحیح روایات پر مطالعہ کا موقع ملا جو مختلف اور متنوع مصادر سے منقول تھیں۔ اس میں میری مدد تخریج کے اہتمام نے کی، جس کے نتیجے میں بعض روایات کا درجہ قبول، حسن یا صحیح تک جا پہنچا۔ یہ دراصل بعض ایسی اہم معلومات پر واقفیت تھی جو ان خیالات میں تبدیلی لاسکتی ہیں جو معاصرین کے ہاں بعض واقعات و مواقف کے بارے میں رائج تھے اور یہی کچھ حقیقت میں واقع بھی ہوا، جیسا کہ آپ ان شاء اللہ عزوجل اس کتاب میں ملاحظہ کریں گے۔

پانچواں سبب:

یہ ہے کہ مجھے کوئی ایسی کتاب نہ ملی جو صفین سے متعلق تمام صحیح احادیث و روایات کو جمع اور مکمل طور پر استقصا کرے، پھر اس کا مولف ان سے کسی تاریخی واقعے کی درست تصویر اخذ کرے۔ لہٰذا میں نے اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے اس کتاب کو تالیف کرنے کا ارادہ کیا، کیونکہ ضعیف، جھوٹے اور اہلِ خواہشات کی روایات بعض تاریخی واقعات کی بگڑی ہوئی اور مسخ شدہ تصویر پیش کرتی ہیں،[1] خاص طور پر فتنۂ صفین کے معاملے میں۔

چھٹا سبب:

میں نے ملاحظہ کیا کہ متاخر مصنفات کے ساتھ معاملہ کرنے میں بہت سے محققین کے ہاں بہت بڑا خلا موجود ہے، جن تصنیفات کے مولفین اپنے سماعات کی اسانید قدیم مصنفات تک ذکر کرتے ہیں اور یہ مصنفات دو قسم کی ہیں:

پہلی قسم: وہ تصنیفات جن کے مولفین نے قدیم مصادر تک اپنے سماع کی سندوں کو ذکر کرنے کا منہج اختیار کیا، جیسے: "تاريخ دمشق" (جو سب سے نمایاں ہے)، "تاريخ بغداد" اور "بغية الطلب في تاريخ حلب"۔

دوسری قسم: وہ تصنیفات جن کے مولفین نے یہ منہج (یعنی قدیم مصادر تک اپنے سماع کی سندوں کا ذکر) مستقل طور پر اختیار نہیں کیا، لیکن بعض اوقات وہ ایسا کبھی کبھار کرتے ہیں۔ مثلاً: "الاستيعاب" لابن عبد البر، "المنتظم" لابن الجوزي اور امام ذہبی کی مختلف تصنیفات۔[2]

ان مصادر کے ماخذ (یعنی جن کتابوں سے یہ اخذ کرتے ہیں) کو جاننا محقق کے لیے اس بات کا موقع فراہم کرتا ہے کہ وہ ایسی روایات اور طرق تک رسائی حاصل کرے جو ہمارے دور میں نایاب یا مفقود شمار ہوتے ہیں۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ بہت سے محققین ان تصنیفات کی پہلی قسم (جیسے تاریخ دمشق) سے درست طور

---

[1] ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری کی کتاب "مرويات السيرة النبوية بين قواعد المحدثين وروايات الأخباريين" (ص: ۱۱)

[2] ابن حجر عسقلانی بلا واسطہ قدیم مصادر سے اقتباس نہیں کرتے، یعنی اس کتاب تک اپنے سماع کی اسناد ذکر نہیں کرتے، مثلاً وہ کہتے ہیں: "أخرج يعقوب بن سفيان في تاريخه ..." چنانچہ "فتح الباري" اور "الإصابة" میں ان کا اکثر طریقہ کار یہی ہے۔

پر استفادہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ چنانچہ ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ یا تو وہ ایسی کتابوں کی طرف رجوع ہی نہیں کرتے، یا اگر رجوع کرتے بھی ہیں، تو ابتدا سے انتہا تک سند کا مطالعہ کرتے ہوئے شدید مشقت میں مبتلا ہو جاتے ہیں، یا پھر وہ کسی غلط نتیجے پر پہنچتے ہیں، جس کے نتیجے میں وہ صحیح خبروں کو بھی ضعیف قرار دے دیتے ہیں صرف اس وجہ سے کہ انھیں سند میں کسی راوی کی سوانح میسر نہیں آتی، یا اس لیے کہ اس راوی پر کچھ جرح وارد ہوئی ہوتی ہے۔ اور اس کی ایک مثال درج ذیل ہے:

مثال کے طور پر: ''تاریخ خلیفہ'' کی روایت ابو عمران موسیٰ بن زکریا تستری کے واسطے سے، تو بعض لوگ یہ گمان کر لیتے ہیں کہ جو خبر تستری خلیفہ بن خیاط سے روایت کرتا ہے وہ ضعیف ہے، لہٰذا وہ اس روایت سے احتجاج کو ترک کر دیتے ہیں حالانکہ اس مسئلے کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔[1]

اسی طرح میں نے محسوس کیا کہ یہاں ایک بڑا خلا موجود ہے جس کی وجہ سے بہت سی صحیح روایات سے استفادے میں مشکلات پیدا ہوئیں۔ چنانچہ میں نے کثرت سے متاخرین مصنفین کے مراجع کی طرف رجوع کیا، اس امید پر کہ ان کے کئی فوائد کے ساتھ ساتھ میں دو مقاصد تک پہنچ سکوں:

- میری کتاب متاخرین مصنفین کے مراجع کی طرف رجوع کرنے میں عملی نمونہ بن جائے، تا کہ تاریخ کا محقق اس سے فائدہ اٹھائے اور یہ مہارت حاصل کر لے۔
- یہ کہ مصنفین کے مراجع کی طرف رجوع کرنے کا ذوق و شعور محققین کے درمیان عام ہو جائے، جب وہ اس کتاب میں اس کے فوائد کو عملاً دیکھیں۔

ساتواں سبب:

یہ ہے کہ مجھے علماء کے مصادر و مراجع کی پہچان کی مہارت حاصل ہوئی، خصوصاً ''تاریخ دمشق'' کے باب میں اور یہ مہارت مجھے طویل مطالعے اور مسلسل مشق کے ذریعے حاصل ہوئی۔ اس کے نتیجے میں، میں نے ایسی بہت سی روایات اور اطلاعات تک رسائی حاصل کی جو ان مصادر سے ماخوذ تھیں جو آج کے دور میں مفقود شمار ہوتی ہیں، جیسے: کتاب ''صفین'' از ابن دیزیل، مسند یعقوب بن شیبہ اور ''المعرفة والتاريخ'' از یعقوب بن سفیان کا وہ حصہ جو اب ناپید ہے اور اس طرح کی بہت سی دیگر کتب ہیں۔ ان پر واقفیت نے مجھے درج ذیل امور میں مفید نتائج تک پہنچایا:

- مجھے روایات کی متعدد اسانید، متابعات اور شواہد میسر آئے جس کے نتیجے میں مجھے بعض خبروں کی صحت

---

[1] یہ وضاحت ''المقدمة المنهجية'' میں گزر چکی ہے۔ دیکھیں: (ص: ۹۸)

معلوم ہوئی اور بعض دیگر کے ضعف کا بھی انکشاف ہوا، اسی طرح بعض راویوں کی علتیں اور اوہام بھی میرے سامنے واضح ہو گئیں اور ان میں سے بعض روایات جن کی صحت میرے لیے واضح ہوئی وہ ایسی تھیں جن کے بارے میں گمان کیا جاتا تھا کہ وہ ضعیف ہیں۔

⊙ میرے لیے بعض اسناد اور متون میں تصحیفات (لفظی تحریفات) بھی واضح ہو گئیں، جیسے:

مثال کے طور پر بلاذری نے "أنساب الأشراف" میں ایک روایت ذکر کی ہے جس کا سلسلۂ اسناد یہ ہے: احمد بن ابراہیم دورقی، وہب بن جریر، جویریہ، یحییٰ بن سعید، پھر اس کے چچا سے روایت ہے کہ ہم صفین میں ایک دوسرے کے مقابل اترے اور کئی دن تک لڑائی ہوئی، بہت سے لوگ قتل ہوئے اور گھوڑے زخمی ہو گئے ....[1]

لیکن مطبوعہ نسخے میں لفظ "عمه" (اس کے چچا) تحریف ہو کر "عتبة" چھپ گیا اور یہی تصحیف بعد میں آنے والے تاریخ کے ماہرین کے درمیان مشہور ہو گئی۔ چنانچہ وہ اس راوی کو پہچان نہ سکے، جبکہ میں نے اس راوی کا تعارف کیا۔ والحمد لله.

⊙ میرے لیے واقعات کی صورت، ان کا تسلسل اور مختلف واقعات واقوال کا آپس میں تعلق، نیز یہ کہ وہ اقوال کس نے کہے اور ان کے پیچھے اسباب و محرکات کیا تھے یہ سب واضح ہو گیا، جیسے: ابن دیزیل نے اپنی کتاب "صفین" میں روایت کیا: "...ایک شیخ نے مجھے حدیث بیان کی جو قبیلۂ اسلم سے تھا اور یومِ صفین میں شریک ہوا، اس نے کہا..."[1] پھر اس نے ایک واقعہ ذکر کیا۔ بعد ازاں، میں نے اسی شیخ کا تعارف ایک دوسرے طریق سے پایا، جسے ابن سعد نے "الطبقات" میں روایت کیا ہے، اور وہ ہے: ابو مروان الاسلمی۔

میں اپنے استاد، فاضل مورخ، شیخ ڈاکٹر خالد بن محمد الغیث (چیئرمین، شعبہ تاریخ، جامعہ اُم القریٰ، مکہ مکرمہ) کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے میری راہنمائی فرمائی۔ وہی ہیں جنھوں نے مجھے علم معرفة الموارد سے متعارف کرایا، اس سے پہلے میں اس علم سے ناآشنا تھا۔ انھوں نے مجھ سے صرف ایک جملہ کہا: "تمھیں ضرور کتاب "موارد ابن عساكر في تاريخ دمشق" کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔" چنانچہ میں نے ایسا کیا اور مجھے بے شمار فوائد حاصل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

---

[1] یہ روایت پوری تفصیل کے ساتھ آگے [رقم: ۳۳۶] پر آئے گی۔

[1] دیکھیں: [رقم: ۳۵۵، ۳۵۶]

سابقہ تصنیفات

ہم پہلے قدیم تصنیفات کا ذکر کریں گے، پھر معاصر (جدید) تصنیفات کو بیان کریں گے۔

قدیم تصنیفات:

قدیم مورخین نے جنگِ جمل اور صفین پر مخصوص کتابیں تصنیف کیں، مگر ان میں سے اکثر زمانے کی نذر ہوگئیں اور آج ہمارے پاس موجود نہیں۔ صفین پر لکھی گئی کتب میں سے بقدرِ علم صرف ایک کتاب محفوظ رہی ہے، اور وہ ہے "وقعة صفين" [1] از ابو الفضل نصر بن مزاحم منقری عطار کوفی (وفات: ۲۱۲ھ) جس کی تحقیق عبدالسلام ہارون نے کی ہے، تاہم یہ کتاب منکرات اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن و تشنیع سے بھری ہوئی ہے۔ امام ذہبی رحمہ اللہ نے اس کتاب کے مولف نصر بن مزاحم کے بارے میں فرمایا کہ وہ سخت رافضی تھا اور محدثین نے اسے ترک کر دیا۔ ابوخیثمہ نے اسے کذاب قرار دیا اور ابن العدیم نے بھی اسے وضّاع (حدیثیں گھڑنے والا) بتایا ہے۔ [2] اور ان کتابوں میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

1 "كتاب صفين" از جابر بن یزید جعفی کوفی (وفات: ۱۲۷ھ)۔ ابن حجر نے اس کے بارے میں کہا ہے: یہ ضعیف رافضی ہے۔ [3]

---

[1] الفهرست لابن النديم (ص: ۱۲۲)

[2] ابن العدیم نے نصر بن مزاحم کے ذریعے دو روایات نقل کی ہیں جن میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ربیعہ، مذحج اور ہمدان کی عورتوں کو قید کرنے اور ان کے مال کو مباح کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ پھر ابن العدیم نے ان خبروں پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: [معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں سوائے خیر کے اور کچھ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ وہ مسلمانوں کی عورتوں کو قید کرے یا ان کو مباح سمجھے، یہ روایت نصر بن مزاحم کی گھڑی ہوئی ہے، واللہ اعلم] بغية الطلب في تاريخ حلب (۳۱۱۴/۷- ۳۱۱۵) اس کے تعارف کے لیے ملاحظہ ہو: التاريخ الكبير (۱۰۵/۸)، الجرح والتعدِيل (٤٦٨/٨)، الضعفاء للعقيلي (۱۹۰/٦)، الكامل في الضعفاء (۳۷/۷)، الضعفاء والمتروكين لابن الجوزي (١٦٠/٣)، تاريخ الإسلام (٤٢٦/١٥- ٤٢٧) ، ميزان الاعتدال (٢٥٣/٤- ٢٥٤)، المغني في الضعفاء (٦٦٢١)

[3] هدية العارفين أسماء المؤلفين وآثار المصنفين للباباني (٢٤٩/١) اور جابر بن یزید الجعفی کا تعارف دیکھیں: التقريب (٨٧٨)

2 "کتاب صفین" از ابوسعد ابان بن تغلب ربعی کوفی (وفات: ۱۴۰ھ)۔ ابن حجر نے اس کے بارے میں کہا: ثقہ ہے، لیکن اس پر تشیع کی وجہ سے کلام کیا گیا ہے۔[1]

3 "کتاب صفین" از ابومخنف لوط بن یحییٰ ازدی کوفی (وفات: ۱۵۷ھ)۔ ابن عدی نے اس کے بارے میں کہا: اس نے سلف صالحین سے منقول خبروں کو روایت کیا ہے اور یہ بات بعید نہیں کہ وہ ان (سلف) کو بھی نشانہ بنائے، وہ ایک شیعی محترق، یعنی شدت پسند شیعہ تھا، اور انہی کی روایات کا حامل تھا۔ میں نے اس کا تعارف اس لیے پیش کیا ہے کہ میں اس کی حدیث کا ذکر کرنے سے بے نیاز رہوں،[2] کیونکہ مجھے اس کی کوئی مسند روایت معلوم نہیں جو میں ذکر کرسکوں اور اس کے پاس صرف وہی خبریں ہیں جو ناپسندیدہ ہیں جن کا ذکر کرنا میں پسند نہیں کرتا۔[3]

امام ذہبی نے کہا: یہ ایک ناقابلِ اعتماد، ضعیف الاخبار راوی ہے جس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا اور ابن حجر نے اس کے بارے میں کہا: ہلاک شدہ (یعنی سخت ضعیف اور ناقابلِ قبول) ہے۔

میں نے ایک نہایت قیمتی عبارت پڑھی جو دو محققین نے لکھی ہے جس میں انھوں نے ابومخنف کی روایات کو طویل جانچ پڑتال کے بعد بیان کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے: لوط بن یحییٰ، ابومخنف کوفی کی روایات کو امام طبری[4] نے (۱۰۰) سے زائد مقامات پر نقل کیا ہے، ...اور ان کی روایات کی گہری چھان بین اور طبری کی روایات کے تخریج کے دوران ہم نے پایا کہ یہ شخص حقائق کو جوڑنے، گھڑنے اور صحابہ کرام کی عدالت پر طعن کرنے اور ان کی سیرت کو مسخ کرنے میں مہارت رکھتا ہے۔[5]

---

1. رجال النجاشي (ص:۱۱)، معجم المؤلفين (۱/۱)، اور اس کا تعارف دیکھیں: التقريب (۱۳۶)
2. لفظ "لأستغني" مطبع دار الفكر میں بری طرح تصحیف کا شکار ہوا ہے۔ درست قراءت شیخ مازن سرساوی کی طباعت (۹/۱۵) مکتبہ الرشد سے لی گئی ہے۔ اسی طرح مقریزی کی کتاب مختصر الكامل في الضعفاء (ص: ٦٤٥) مكتبة السنة، قاہرہ میں بھی درست شکل موجود ہے۔
3. اس کی کتاب کا ذکر ابن الندیم نے الفهرست (ص: ۱۲۲) میں کیا ہے۔
اس کا تعارف: الضعفاء الكبير (۱۸۳/۵)، الجرح والتعديل (۱۸۲/۷)، الكامل في الضعفاء (۹۳/٦)، الضعفاء والمتروكين للدارقطني (۱۲۸/۳)، الضعفاء والمتروكين لابن الجوزي (۲۸/۳) تاريخ الإسلام (۵۸۱/۹)، سير أعلام النبلاء (۱۰۳/۷)، ميزان الاعتدال (٤۱۹/۳) ، المغني في الضعفاء (۵۱۲۱)، لسان الميزان (٤۲۹/٤) (۱۰٤/۷)
4. یعنی اپنی کتاب "تاريخ الطبري" میں۔
5. صحيح وضعيف تاريخ الطبري (۱٤/۱- ۱۵) المقدمة.

4 "خبر صفین": قاضی القضاۃ، ابوالبختری وہب بن وہب بن کثیر بن عبداللہ بن زمعہ بن اسود بن مطلب بن اسد القرشی الاسدی المدنی (وفات: ۲۰۰ھ)، انھوں نے امام ابو یوسف کے بعد قضاء القضاۃ (چیف جسٹس) کا منصب سنبھالا۔ امام احمد بن حنبل اور امام یحییٰ بن معین نے ان کو کذاب (جھوٹا) قرار دیا۔①

5 "صفین": ابوحذیفہ اسحاق بن بشر بن محمد بن عبداللہ بن سالم الہاشمی جوان (بنی ہاشم) کے مولیٰ تھے، بخاری (۲۰۶ھ)، شیخ، عالم، قصہ گو، مگر ضعیف اور ناقابلِ اعتبار تھے۔ انھوں نے کتاب (المبتدا) تصنیف کی، جس میں بہت سی مصیبت خیز اور موضوع (من گھڑت) روایات بیان کیں۔ امام دارقطنی نے ان کے بارے میں کہا: کذاب، متروک الحدیث (یعنی جھوٹا اور ناقابلِ اعتبار)۔②

6 "صفین": ابوجعفر محمد بن خالد بن امۃ الہاشمی الدمشقی، امام ابوحاتم نے اس کے بارے میں فرمایا: یہ جھوٹ بولتا ہے۔③

7 "صفین": ابوعبداللہ محمد بن عمر بن واقد الاسلمی، ان کے آزاد کردہ غلام، الواقدی المدینی القاضی (وفات: ۲۰۷ھ) علم کی وسعت کے باوجود متروک ہیں۔④

8 "صفین": ابوالحسن علی بن محمد بن عبداللہ بن ابی سیف المدائنی، الاخباری (۲۲۴ھ)۔

---

① ابن العدیم نے ان سے بغية الطلب (٦/٢٩٩٣) میں اقتباس کرتے ہوئے کہا: "حكى أبو البختري وهب بن وهب في خبر صفين: عن جعفر بن محمد، عن أبيه ..." اسی صفحے پر اس کو "کتاب صفین" کے نام سے بھی ذکر کیا ہے۔ مزید ملاحظہ ہو: (۵/۲۱۸۸)، (۵/۲۱۹۸)، (۵/۲۲۰۱) اس کا تعارف دیکھیے: تاريخ بغداد (١٣/٤٥٦)

② اس کا ذکر ابن الندیم نے اپنی کتاب الفهرست (ص: ۱۲۳) میں کیا ہے۔
اس کی سوانح و جرح: الضعفاء والمتروكون للدار قطني (١/٢٥٧)، سير أعلام النبلاء (٩/٤٧٧)

③ ابن العدیم نے "بغية الطلب" میں اس سے اقتباس نقل کیا: "کہا کہ میں نے کتاب "صفین" تالیف: ابوجعفر محمد بن خالد ہاشمی المعروف ابن امۃ میں کہا: ..." (۱/۲۸۱) - نیز دیکھیے: (۱/۲۹۰)، (۱/۳۰۳)، (۱/۳۱۰)، (۵/۲۱۴۰) اور اسے (۱۰/۴۷۱۶) پر "أخبار صفين" کے نام سے ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے تعارف کے لیے ملاحظہ کریں: الجرح والتعديل (٧/٢٤٤) اور محمد بن خالد کے حوالے سے ایک من گھڑت روایت بھی ہے جو بیان کرتی ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے جمعہ کی نماز چاشت کے وقت پڑھی تھی۔ یہ روایت کتاب "خطبة حسن و معاوية رضی اللہ عنہما عند البيعة" میں [رقم: ۳۷] کے تحت آئے گی۔

④ اس کی کتاب کا ذکر ابن الندیم نے الفهرست (ص: ۱۲۸) میں کیا ہے۔ واقدی کا تعارف ملاحظہ کیجیے: التقريب (٦١٧٥)

امام ذہبی نے "المغني" میں فرمایا: یہ صدوق ہیں۔ اور "سیر أعلام النبلاء" میں فرمایا: العلامہ، الحافظ، الصادق، بغداد میں مقیم تھے۔ کئی کتب تصانیف کیں۔ سیر، مغازی، انساب اور ایام العرب کے علم میں تعجب خیز درجے پر فائز تھے، جو کچھ نقل کرتے تھے اس میں قابلِ اعتماد تھے اور ان کی اسناد بلند ہوتی تھیں۔ ابوجعفر طبری نے کہا: حارث بن ابی اسامہ کا قول ہے: وہ ایامِ ناس، عرب کے واقعات و روایات اور انساب کے بہت بڑے عالم تھے۔ فتوحات و مغازی اور اشعار کی روایت کے ماہر تھے اور ان تمام چیزوں میں صدوق تھے۔ یحییٰ بن معین نے کہا: ثقہ، ثقہ، ثقہ۔ ابن عدی نے کہا: حدیث میں قوی نہیں ہیں لیکن یہ صاحبِ اخبار ہیں اور ان کی مسند روایات بہت کم ہیں۔[1]

9 "صفین": ابو اسحاق اسماعیل بن عیسیٰ عطار بغدادی (۲۳۲ھ)، انھوں نے ابو حذیفہ اسحاق بن بشر بخاری سے کتاب "المبتدأ والفتوح" روایت کی۔ خطیب بغدادی نے کہا: ثقہ (قابلِ اعتماد) ہیں۔[2]

10 "صفین": ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان بن خواستی العبسی، ان کے مولا کوفی تھے اور (۲۳۵ھ) میں وفات پائی۔ یہ وہی مشہور محدث ہیں جو "مصنف ابن ابی شیبہ" کے مصنف ہیں۔ ثقہ حافظ (قابلِ اعتماد اور حدیث کے حافظ) تھے۔[3]

11 "کتاب صفین": یحییٰ بن سلیمان بن یحییٰ بن سعید بن مسلم بن عبید، ابوسعید الجعفی الکوفی (۲۳۷ھ) تھے۔ یہ صدوق (سچے) تھے مگر ان سے خطا بھی ہو جاتی تھی۔ یہ امام بخاری رحمہ اللہ کے شیوخ میں سے ایک تھے۔[4]

---

[1] ابن العدیم نے ان سے بغية الطلب (۴۰۱۳/۹) میں اقتباس نقل کیا، اس میں انھوں نے کہا: "المدائنی نے اپنی کتاب "صفین" میں ذکر کیا...." ان کی سوانح درج ذیل کتابوں میں آئی ہے: الكامل في الضعفاء (۲۱۳/۵)، تاريخ بغداد (۵۴/۱۲)، المغني في الضعفاء (۴۳۲۶)، سير أعلام النبلاء (۴۰۰/۱۰)

[2] ان کا ذکر ابن الندیم نے اپنی کتاب الفهرست (ص: ۱۳۹) میں پر کیا ہے، جبکہ ان کی تفصیلی سوانح "تاريخ بغداد" (۲۵۹/۶) میں موجود ہے۔

[3] الفهرست لابن النديم (ص: ۲۸۱)

[4] امام ذہبی نے فرمایا: "کتاب صفین یحییٰ بن سلیمان الجعفی کی ہے جس میں انھوں نے اپنی سند کے ساتھ روایت نقل کی ہے...اور حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: "یحییٰ بن سلیمان، یعنی جو امام بخاری رحمہ اللہ کے شیوخ میں سے ہیں، نے اپنی تالیف کتاب "صفین" میں ایک جید سند کے ساتھ ابومسلم خولانی سے روایت کی ہے کہ انھوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا آپ علی رضی اللہ عنہ سے خلافت میں نزاع کرتے ہیں؟ یا آپ ان جیسے ہیں؟ ..." سير أعلام النبلاء (۱۴۰/۳)، فتح الباري (۸۶/۱۳)، موارد ابن عساكر في تاريخ دمشق (۳۹۹/۱)، اس کا تعارف: تقريب التهذيب (۷۵٦۴) ←

12 "صفین": امام ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن احمد بن محمد بن حنبل بن ہلال الشیبانی (۲۴۱ھ) ثقہ، حافظ محدث تھے۔[1]

← اور جب میں نے یحییٰ جعفی کی کتاب "صفین" کی روایات کو تتبع کے ساتھ دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ اپنے شیخ نصر بن مزاحم (مصنف وقعة صفين) سے اکثر روایات بیان کرتے ہیں۔
بعض روایات کتاب "وقعة صفين" میں بعینہ انہی اسناد کے ساتھ موجود ہیں، البتہ متون میں معمولی سا اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض روایات اسی کتاب میں موجود تو ہیں لیکن مختلف اسناد کے ساتھ، یعنی نصر کے شیوخ مختلف ہیں یا متون میں کافی فرق پایا جاتا ہے۔
اگلی سطور میں ابن دیزیل کی کتاب "صفین" پر گفتگو میں مزید وضاحت آئے گی۔

[1] امام مزی نے اپنی کتاب تهذيب الكمال (۲۹۲/۳) میں ان سے اقتباس کیا ہے اور اشعث بن قیس کے تعارف میں ان کا نام صراحت سے ذکر کیا ہے۔ ان کی سوانح سير أعلام النبلاء (۵۱۶/۱۳) میں بھی موجود ہے۔
عبداللہ بن احمد کی ایک کتاب "الجمل" بھی ہے جس کا ذکر تھوڑا آگے آئے گا، اور اس میں یہ بات ہے کہ اس کتاب "الجمل" کو ان سے روایت کرنے والے ابوصالح قاسم بن سالم الاخباری ہیں۔ یہ بات خطیب بغدادی نے کہی ہے۔
اور جو بات میرے سامنے ظاہر ہوئی ہے، وہ یہ کہ یہ قاسم، کتاب صفین بھی انہی (عبداللہ بن احمد) سے روایت کرتے ہیں، اس لیے کہ اشعث اور معاویہ کے درمیان پانی کے مسئلے پر جو قصہ ہے، اسے عبداللہ بن احمد نے اپنی کتاب صفین میں نقل کیا ہے، جیسا کہ "تهذيب الكمال" میں موجود ہے اور اسی قصے کو ابن عساکر (۹/۱۳۷) نے اپنی سند کے ساتھ یوں روایت کیا ہے: "قاسم بن سالم، عن عبد الله بن أحمد، به" اس کا مطلب یہ ہے کہ قاسم نے کتاب صفین کو عبداللہ بن احمد سے روایت کیا ہے۔
اور ابن عساکر اپنی "تاریخ" میں کتاب "الجمل" کو عبداللہ بن احمد سے ایک مختلف سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں جو کتاب "صفین" سے الگ ہے۔ چنانچہ کتاب "الجمل" کو وہ اس سند سے روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوعبداللہ الحسن بن محمد بلخی نے خبر دی، ہمیں عبدالواحد بن علی العلاف نے خبر دی، ہمیں ابوالحسن علی بن احمد الحمامی المقری نے خبر دی، ہمیں ابوصالح القاسم بن سالم بن عبداللہ الاخباری نے خبر دی، ہمیں عبداللہ بن احمد بن حنبل نے خبر دی۔" (۱۲/۲۱۲)، (۱۲/۲۱۳)، (۱۲/۲۱۴)، (۱۲/۲۲۱)، (۱۲/۲۲۲)، (۱۲/۲۲۳)، (۱۲/۲۲۶)، (۱۲/۲۲۷)، (۱۲/۲۲۸)، (۱۹/۱۷۱)، (۱۹/۲۰۲)، (۳۳/۲۹)، (۳۳/۳۷۴)، (۴۲/۳۶۶)، (۵۹/۲۹)، (۶۵/۱۰۶) یہ تمام مقامات حجر بن عدی کے مقتل کے واقعات سے متعلق ہیں۔ جبکہ (۲۵/۱۱۶) اور (۵۳/۳۱۹) مقام پر جمل کے واقعے کا ذکر ہے۔
رہی بات کتاب "صفین" کی تو اسے ابن عساکر اس سند سے روایت کرتے ہیں: "ہمیں ابوالقاسم بن سمرقندی نے خبر دی عن ابی القاسم یوسف بن محمد بن مہروانی، ہمیں ابوالحسن علی بن احمد الحمامی المقری نے یہ روایت کی۔" (۹/۱۳۷)، (۱۱/۳۵۲) میں صفین کے معرکہ کا ذکر ہے، اور (۲۶/۱۹۹) پر عبادہ بن صامت اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان خلافت کے زمانے میں پیش آنے والے قصے کا ذکر ہے۔ مزید دیکھیے: موارد ابن عساكر في تاريخ دمشق (۴۰۱/۱)

13 "صفین": ابو اسحاق ابراہیم بن حسین بن علی ہمدانی کسائی، جنھیں ابن دیزیل کے نام سے جانا جاتا ہے (وفات: ۲۸۱ھ) حاکم نے کہا ہے: ثقہ اور امانت دار ہیں۔[1]

14 "صفین": ابو اسحاق ابراہیم بن محمد بن سعید بن ہلال بن عاصم بن سعید بن مسعود الثقفی الکوفی (وفاتِ: ۲۸۳ھ)۔ امام ذہبی نے ان کے بارے میں کہا ہے: یہ شیعہ کے بڑے سرداروں میں سے تھے۔ اور ابونعیم اصفہانی نے فرمایا: یہ رفض میں غلو کرنے والے تھے، چنانچہ ان کی حدیث کو ترک کر دیا گیا۔[2] میں کہتا ہوں: یہ ثقفی، کتاب "الغارات" کا مولف ہے۔

---

[1] ابن کثیر نے سنہ ۲۸۱ھ کے واقعات کے ضمن میں ذکر کیا ہے: اس سال جن مشاہیر کی وفات ہوئی ان میں سے ایک ابراہیم بن حسین بن دیزیل الحافظ ہیں، جو کئی تصانیف کے مولف تھے، ان میں صفین کے معرکہ پر ایک ضخیم مجلد بھی شامل ہے۔ البداية والنهاية (۸۱/۱۱) دیکھیں: موارد ابن عساكر في تاريخ دمشق (۳۹۸/۱) اور ان کی سوانح: سير أعلام النبلاء (۱۸٤/۱۳)

ابن دیزیل کی کتاب "صفین" کا نسخہ: ابن عساکر اپنی "تاريخ دمشق" میں اور ابن العدیم اپنی کتاب "بغية الطلب" میں اس کتاب کو اپنی سندوں کے ساتھ یوں روایت کرتے ہیں: "أبو علي الحسن بن أحمد بن إبراهيم بن شاذان البغدادي عن أبي الحسن أحمد بن إسحاق بن نيخاب الطيبي عن ابن ديزيل"۔ دیکھیں: موارد ابن عساكر في تاريخ دمشق (۳۹۹/۱)، اور اس کا حاشیہ (۴۰۰/۱)

بعض اوقات ابن العدیم اسے ابن عساکر کے واسطے سے بھی روایت کرتے ہیں۔ دیکھیں: بغية الطلب (٤١٥٣/٩)

ابن العدیم نے ایک مقام پر کہا: ابراہیم بن الحسین نے (جیسا کہ ہمیں ان تک سند کے ساتھ اجازت ملی) روایت کیا کہ.... بغية الطلب (۳۰۱/۱)

میں کہتا ہوں: ابن دیزیل کی کتاب "صفین" ہمارے زمانے میں مفقود شمار ہوتی ہے لیکن میں نے ابن عساکر اور دیگر حضرات کے حوالوں سے اس کتاب کی متعدد روایات کا تتبع کیا تو معلوم ہوا کہ انھوں نے یحییٰ بن سلیمان جعفی کی کتاب "صفین" [جو خود بھی مفقود ہے] اور نصر بن مزاحم منقری کی کتاب "وقعة صفين" سے بڑی مقدار میں مواد لیا ہے۔ جب میں نے نصر کی روایات کو ان کی مطبوعہ کتاب "وقعة صفين" سے تقابل کیا تو بعض روایات میں اختلاف بھی پایا۔ مزید میں یہ بھی کہتا ہوں: میں نے ابن دیزیل کی کتاب "صفین" کی روایات کو مختلف مصادر سے جمع کیا۔ والحمد لله.

[2] یاقوت حموی نے کہا: "ان کی کئی تصانیف ہیں، جن میں سے بعض یہ ہیں: کتاب الجمل، کتاب صفین، کتاب الحکمین" اسی طرح ابوجعفر طوسی نے بھی یہی بات کہی ہے۔ اور بعض اہلِ علم نے ان کتابوں کو آپس میں ضم کر دیا ہے؛ چنانچہ امام ذہبی نے کہا: جمل، صفین اور حکمین (ایک ساتھ ذکر کیے)۔ اور ابن حجر نے صرف دو کا ذکر کیا: "صفین اور حکمین"۔

ان کی سوانح درج ذیل کتابوں میں موجود ہے: الفهرست للطوسي (ص: ۳۷)، تاريخ أصفهان (۲۲۸/۱) معجم الأدباء (۱۰۵/۱)، تاريخ الإسلام (۱۱۲/۲۱) لسان الميزان (۱۰۲/۱)، الأعلام (٦۰/۱)

15 "تاریخ صفین": ابوجعفر محمد بن عبداللہ بن سلیمان حضرمی، جنھیں مطین کے لقب سے جانا جاتا ہے (وفات: ۲۹۷ھ)۔ دارقطنی نے ان کے بارے میں فرمایا: یہ ثقہ، پہاڑ جیسے (انتہائی مضبوط اور معتبر) راوی تھے۔[1]

16 "وقعة صفين": ابوجعفر محمد بن زکریا بن دینار غلابی بصری (وفات: ۲۹۸ھ)۔ دارقطنی نے ان کے بارے میں کہا: یہ حدیثیں گھڑتا تھا۔ اور ذہبی نے اس پر کذب (جھوٹ گھڑنے) کا الزام لگایا ہے۔[2]

17 "أخبار صفين": محمد بن عثمان کلبی۔ بروکلمان نے ان کا ذکر کیا اور کہا ہے: ان کی زندگی کے حالات سے متعلق کوئی معلومات ہم تک نہیں پہنچی۔[3]

18 "الجمل وصفين": ابوعبیدہ معمر بن مثنیٰ تیمی، جو ان (بنوتیم) کے آزاد کردہ غلام تھے، بصری اور نحوی تھے۔ (وفات: ۲۰۸ھ) یہ سچ بولنے والے، اخبار وآثار کے ماہر شخص تھے، لیکن ان پر خوارج کے نظریے کی طرف مائل ہونے کا الزام لگایا گیا ہے۔[4]

19 "صفين والجمل"[5]: خلف بن سالم مخرمی، ابومحمد مہلبی، جو ان (بنومخرمہ) کے آزاد کردہ غلام تھے،

---

[1] ان کی سوانح درج ذیل کتب میں موجود ہے: هدية العارفين أسماء المولفين وآثار المصنفين، للباباني (۲/۲۳) مطین کی سوانح کے لیے ملاحظہ ہو: سؤالات حمزه للدارقطني (۲)، سير أعلام النبلاء (۱۴/۴۱)

[2] ان کا ذکر الفهرست لابن النديم (ص: ۱۳۸) اور الأعلام (۶/۱۳۰) میں موجود ہے، جبکہ ان کی سوانح درج ذیل کتب میں تفصیل سے بیان کی گئی ہے: ميزان الاعتدال (۳/۵۵۰)، الضعفاء والمتروكون للدارقطني (۳/۱۳۱)، سؤالات الحاكم (۲۰۶)

[3] تاريخ الأدب العربي (۳/۳۸)

[4] ان کا ذکر الفهرست (ص: ۷۷) میں آیا ہے جبکہ ان کی سوانح تقريب التهذيب (۶۸۱۲) میں موجود ہے۔

[5] یہ کتاب "صفين والجمل" ردی درجے کی کتاب ہے، اس کے مولف پر تشیع کا الزام لگایا گیا ہے اور اس کتاب میں ساقط ضعیف روایات کو جمع کیا گیا ہے جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن و ملامت پائی جاتی ہے۔ اسی وجہ سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اس کتاب کو سننے سے منع کرتے تھے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب بہت ابتدائی زمانے ہی میں ناپید ہوگئی۔
عبدالخالق بن منصور کہتے ہیں: میں نے یحییٰ بن معین سے خلف مخرمی کے بارے میں پوچھا، تو فرمایا: یہ صدوق ہے۔ میں نے کہا: اے ابوزکریا! وہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کی برائیاں بیان کرتا ہے! تو یحییٰ نے جواب دیا: وہ صرف ان روایات کو جمع کرتا تھا لیکن انھیں بیان نہیں کرتا تھا۔ تاريخ بغداد (۸/۳۲۴)
جہاں تک ائمہ کرام کی جانب سے خلف بن سالم کی کتاب "صفين والجمل" سے روایت کرنے کا تعلق ہے تو وہ منتخب (چنیدہ) روایات کو لیتے تھے اور وہی چنیدہ مواد ان کی کتابوں میں محفوظ رہ گیا۔ ←

○ ابوبکر الخلال نے اپنی کتاب السنة (٧٢٣) میں روایت کیا، عصمہ بن عصام نے کہا: حنبل (بن اسحاق) نے بیان کیا کہ میں کتاب "صفین والجمل"، کو خلف بن سالم سے نقل کرنا چاہتا تھا تو میں امام احمد بن حنبل کے پاس گیا اور ان سے اس بارے میں بات کی۔ امام احمد نے فرمایا: اس کتاب کا کیا کرو گے؟ اس میں نہ حلال ہے نہ حرام، میں نے خود خلف کے ساتھ بیٹھ کر وہ کتاب لکھی ہے، میں نے صرف اسناد لکھی تھیں اور باتوں (روایات) کو چھوڑ دیا تھا، خلف نے اسے مکمل لکھا تھا۔ میں غندر کے پاس بھی حاضر ہوا، ہم وہاں جمع ہوئے تو میں نے شعبہ کی حدیث کی اسناد لکھیں اور خلف نے بھی وہی کی۔ میں نے امام احمد سے پوچھا: آپ نے صرف اسناد لکھیں اور باتیں چھوڑ دیں، ایسا کیوں کیا؟ فرمایا: میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ شعبہ نے ان میں سے کیا روایت کیا ہے۔ حنبل کہتے ہیں: میں پھر خلف کے پاس گیا اور وہ کتاب نقل کی، تو یہ بات امام احمد تک پہنچی تو انھوں نے میرے والد سے فرمایا: اس کتاب کو لے لو اور اسے اس سے روک دو، اسے دیکھنے نہ دو!

عصمہ بن عصام کے بارے میں خطیب بغدادی نے سکوت اختیار کیا ہے۔ تاریخ بغداد: (٢٨٤/١٢) اور یہ روایت طبقات الحنابلة (٢٤٦/١) میں بھی موجود ہے۔ اور حنبل بن اسحاق، امام احمد بن حنبل کے چچا زاد بھائی اور ان کے خاص شاگرد تھے۔

○ امام خلال نے ایک اور جگہ (٨١١) روایت کیا: حمزہ بن قاسم نے کہا: ہمیں حنبل نے بیان کیا، انھوں نے کہا: میں نے امام احمد بن حنبل کو یہ کہتے سنا: غندر (محمد بن جعفر) نے شعبہ سے جو کچھ روایت کیا، اسے لکھا، ہم نے بھی اس سے نقل کیا، میں نے اور خلف بن سالم دونوں نے۔ ان احادیث میں وہ احادیث بھی تھیں (جن میں کچھ قابلِ اعتراض چیزیں تھیں)، تو میں نے انھیں نقل نہ کیا لیکن خلف نے انھیں مکمل لکھ لیا۔ امام احمد نے فرمایا: میں صرف اسناد لکھتا تھا اَور باتوں کو چھوڑ دیتا تھا۔ میں نے امام احمد سے پوچھا: ایسا کیوں؟ تو فرمایا: تاکہ یہ جان سکوں کہ شعبہ نے کیا روایت کیا۔ پھر امام احمد نے فرمایا: میں پسند نہیں کرتا کہ کوئی ان احادیث کو لکھے جن میں ان (معترضہ امور) کا ذکر ہو۔ یہ (روایات) اصحابِ نبی ﷺ کے بارے میں ہیں، نہ ان میں کوئی حلال ہے، نہ حرام، نہ سنت! میں نے امام احمد سے پوچھا: تو کیا میں ان کو لکھوں؟ فرمایا: انھیں دیکھنا بھی نہیں، ان میں علم کی کیا چیز ہے؟ تم سنت، فقہ اور ان چیزوں کی طرف متوجہ ہو جو تمھیں نفع دیں۔

حمزہ بن قاسم: ان کا پورا نام ابو عمر ہاشمی بغدادی ہے۔ خطیب بغدادی نے ان کے بارے میں کہا: یہ ثقہ اور ثبت (مضبوط حافظے والے اور قابلِ اعتماد) راوی تھے۔ (تاریخ بغداد ١٧٨/٨) اور ان کا ذکر الدليل المغني لشيوخ الدارقطني (١٨٩) میں بھی آیا ہے۔

امام احمد کا قول: "اور ان روایات میں وہ احادیث بھی تھیں" یعنی وہ خبریں جن میں مثالب (عیوب) اور صحابہ رضی اللہ عنہم پر طعن موجود تھا۔

ان کا قول: "تو میں نے تو انھیں نہیں لکھا اور خلف نے ان سب کو مکمل طور پر لکھ لیا" اس کی تفسیر اگلے جملے سے ہوتی

←ہے: ''میں صرف اسناد لکھتا تھا اور کلام (متنِ حدیث) چھوڑ دیتا تھا۔'' یعنی امام احمد بن حنبل ان خبروں کی صرف اسناد لکھا کرتے تھے جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن ہوتا تھا اور ان کے متون نہیں لکھتے تھے۔ وہ صرف اسناد لکھتے، تاکہ انھیں معلوم ہو سکے کہ شعبہ نے ان میں سے کیا کچھ روایت کیا ہے۔ جبکہ خلف بن سالم ان روایات کو مکمل طور پر لکھ لیا کرتے تھے، یعنی اسناد کے ساتھ ساتھ ان کے متون بھی۔

⊙ **شرح القصہ:** امام احمد، خلف بن سالم اور کتاب ''صفین والجمل'' کی روایت:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے یہ بات بیان کی ہے کہ انھوں نے خلف بن سالم مخرمی کے ساتھ مل کر کتاب ''صفین والجمل'' کی روایات لکھی تھیں۔ یعنی وہ تمام روایات جو خلف بن سالم نے اپنی کتاب میں جمع کیں، امام احمد نے بھی انھیں اس کے ساتھ مل کر جمع کیا۔ وہ دونوں بزرگ مشترکہ طور پر شیوخِ حدیث، جیسے: غندر، عبد الرزاق اور دیگر کے پاس جاتے اور ان سے یہ روایات سنتے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ امام احمد کو خلف بن سالم کی کتاب پر مکمل اطلاع اور نظر حاصل تھی، تاہم ان دونوں کے درمیان ایک واضح فرق تھا:

پس امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ان روایات کی صرف اسناد لکھا کرتے تھے اور ان کے متون نہیں لکھتے تھے، کیونکہ ان متون میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن و ملامت پائی جاتی تھی۔ امام احمد نے یہ اسناد اس لیے نقل کی تھیں، تاکہ انھیں ان اسناد، ان کے رواۃ، ان کے علل اور شیوخ شعبہ وغیرہ پر مکمل بصیرت حاصل ہو۔ اس طرح وہ اسناد امام احمد کے لیے راویوں کی روایات کی مقدار، ان کی مرویات کی نوعیت، ان کے اسماء، کنیتیں، سیرتیں، مشاہدات، وفاتیں، علاقوں اور جرح وتعدیل کے لحاظ سے ان کا درجہ جاننے کے لیے نافع تھیں۔ یہ سب امور علمِ حدیث سے متعلق ہیں، اور امام احمد رحمہ اللہ حدیث، اس کے علل، جرح و تعدیل اور رجال کے علوم میں اپنے دور کے امام فن تھے۔ پس یہ روایات اور ان کی اسناد امام احمد کو حدیث کے فن میں ان کی مہارت کے لیے مدد دیتی تھیں۔

حنبل نے اپنے چچا امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے سوال کیا: (آپ نے صرف اسناد کیوں لکھیں اور کلام، یعنی متون کو کیوں چھوڑ دیا؟ یعنی آپ نے متون کو کیوں نہیں لکھا؟ تو امام احمد رحمہ اللہ نے جواب دیا کہ وہ صرف ان باتوں کو جاننا چاہتے تھے جو علمِ حدیث سے تعلق رکھتی ہیں، جیسے کہ شعبہ کی روایات، ان کے شیوخ، ان کے اسماء کنیتیں وغیرہ۔ امام احمد نے فرمایا: (میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ شعبہ نے ان روایات میں سے کیا کچھ روایت کیا ہے)۔

رہی بات خلف بن سالم مخرمی کی تو وہ ان روایات کو اسناد اور متون سمیت مکمل طور پر لکھتا تھا۔ جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں۔ یہ روایات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن و ملامت اور ان کی کردار کشی پر مشتمل ہوتی تھیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جمل اور صفین کی فتنہ انگیز روایات کے اکثر راوی مجہول، ضعیف یا کذاب ہوتے تھے۔ ابن حجر کے بیان کے مطابق خلف بن سالم شیعہ مسلک رکھتا تھا اور وہ ایسی باطل اور گھٹیا روایات کی تلاش میں رہتا تھا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن و اعتراض سے بھری ہوتیں۔ اور انھیں اپنی کتاب ''صفین والجمل'' میں شامل کر لیتا تھا، حالانکہ یہ غلط اور غیر معتبر روایات تھیں۔ اس لیے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اس طرزِ عمل پر اسے تنبیہ کی اور اس کتاب کو سننے سے منع فرمایا۔ ←

اور اس واقعے کی مزید تفصیلات بھی ہیں جو دیگر روایات میں وارد ہوئی ہیں، جنھیں امام خلال نے اپنی کتاب "السنة" میں ذکر کیا ہے، باب کے عنوان کے تحت: [ان لوگوں پر سخت وعید جو ایسی احادیث لکھتے ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ پر طعن ہو]، ان میں وارد روایات درج ذیل ہیں:

○ امام خلال نے "السنة" (۸۰۳) میں روایت کیا ہے: مجھے عباس بن محمد بن ابراہیم نے خبر دی، کہا: میں نے جعفر طیالسی کو یہ کہتے ہوئے سنا: میں نے یحییٰ بن معین کو کہتے سنا: عبدالرزاق کے پاس تین افراد موجود تھے: احمد بن حنبل، خلف بن سالم، اور ایک اَور شخص۔ جب مجلس میں وہ احادیث آئیں جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مثالب (عیوب) وطعن تھے، تو احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنی دونوں انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیں اور کافی دیر تک یوں ہی رکھیں حتی کہ وہ احادیث گزر گئیں، پھر انھوں نے انگلیاں نکال دیں۔ پھر کچھ اَور احادیث آئیں تو انھوں نے دوبارہ انگلیاں کانوں میں ڈال لیں۔ یہاں تک کہ ساری احادیث ختم ہوگئیں، یا جیسا کہ راوی نے کہا۔

اس روایت میں اس تفصیل کا ذکر ہے جو حنبل کی سابقہ روایت میں بھی آئی تھی۔ یعنی خلف بن سالم اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ دونوں عبدالرزاق صنعانی سے وہ روایات سنا کرتے تھے جن میں سے بعض روایات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن و ملامت موجود تھی۔ ان دونوں کا طرزِ عمل مختلف تھا: خلف بن سالم ان روایات کو مکمل طور پر سنتا اور محفوظ کرتا تھا۔ جبکہ امام احمد رحمہ اللہ ان روایات کی صرف اسناد سنتے تھے اور جب طعن ومثالب پر مشتمل متون آتے تو اپنے دونوں کان بند کر لیتے تاکہ وہ ان کا متن نہ سنیں۔

○ امام خلال نے اپنی کتاب "السنة" (۸۰۱) میں یہ روایت نقل کی: مجھے عباس بن محمد الدوری نے خبر دی، کہا: ہمیں ابراہیم (جو ابان بن صالح کے بھائی تھے) نے بیان کیا: انھوں نے کہا کہ میں عبدالرزاق کے ہاں امام احمد بن حنبل کا ہم نشین تھا۔ ہم دونوں احادیث سن رہے تھے، جب وہ روایات آئیں جن میں بعض ایسی باتیں تھیں، تو امام احمد بن حنبل اٹھ کر ایک طرف ہو گئے اور فرمایا: (میں ان سے کیا کروں؟ پھر جب وہ احادیث ختم ہو گئیں تو وہ واپس آ گئے اور دوبارہ سماعت شروع کردی۔ عبارت "التي فِيها بعض ما فِيها" کا مطلب یہ ہے: ایسی احادیث جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن اور ان کی کردار کشی موجود تھی۔ یہ روایت بھی جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے امام خلال نے اس باب میں ذکر کی ہے: [ان پر سخت وعید جو ایسی احادیث لکھتے ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ پر طعن ہو]۔ اس سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ اخبار ردیہ سے مراد وہی روایات ہیں جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تنقیص اور عیب جوئی کی گئی ہو۔

اور امام احمد کا یہ قول: (میں ان سے کیا کروں؟) "ما أصنع بهذه؟" اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ یہ منکر اور باطل روایات ہیں جو درست نہیں اور ان میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن موجود ہے۔ اہلِ حدیث اور ائمۂ جرح وتعدیل کا طریقہ یہ تھا کہ وہ ایسی کمزور، منکر اور ساقط روایات کو لکھنے سے منع کرتے تھے، نیز ایسی شاذ اور عجیب احادیث کے پیچھے پڑنے سے روکتے تھے، اور اگر کوئی ان کو صرف اس غرض سے جمع کرے کہ ان کا حال معلوم کرے اور دوسروں پر واضح کرے کہ یہ باطل ہیں، تو اس کی اجازت دی جاتی تھی۔

○ امام خلال نے اپنی کتاب "السنة" (۸۰۵) میں روایت کیا ہے: ہمیں ابوبکر مروزی نے خبر دی، کہا: میں نے ابوعبداللہ (امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ) سے خلف بن سالم مخرمی کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے فرمایا: وہ میرے ساتھ طرسوس کی طرف نکلا، اس کی کتابیں اس کے گلے میں لٹکی ہوئی تھیں، ہم دونوں پیدل سفر کر رہے تھے۔ ابھی ہم رحبہ طوق بھی نہ پہنچے تھے کہ اس نے مجھے پریشان کر دیا (یعنی تھکا دیا) پھر فرمایا: ''ہم طرسوس کے راستے میں لقاط کے مقام پر نکلے، اور میں اسے صرف پیٹ اور شرمگاہ کے اعتبار سے پاکیزہ جانتا تھا (یعنی ظاہر میں پاک دامن تھا)۔ پھر امام احمد کہتے ہیں: کچھ عرصہ بعد میں اپنے چچا کے گھر گیا، جو مخرم کے علاقے میں تھا تو میں نے خلف کو وہاں دیکھا، لیکن میں نے اس سے رخ پھیر لیا (یعنی بات نہیں کی)۔ پھر امام احمد نے فرمایا: ''آخر لوگوں نے خلف پر کون سی چیز کو ناپسند کیا؟ صرف یہی اخبار ردیہ (وہ احادیث جو ضعیف، ساقط اور صحابہ پر طعن والی تھیں)۔ پھر فرمایا: غندر کے پاس ایک ورق یا پرچی تھی، پس خلف اور یحییٰ (غالباً یحییٰ بن معین) نے تنہائی میں جا کر وہ (احادیث) سنی تھیں۔ جب یہ بات یحییٰ القطان تک پہنچی تو انھوں نے اس پر سخت کلام کیا۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے واضح کیا کہ اہلِ حدیث نے خلف بن سالم پر جو سب سے بڑا انکار کیا، وہ یہ تھا کہ وہ منکر اور ضعیف روایات کو تلاش کر کے جمع کرتا تھا، یعنی وہ روایات جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن و ملامت موجود تھی۔ یہی "الأحاديث الردية" کہلاتی ہیں۔

غندر کے پاس ایک ورق تھا جسے وہ شعبہ سے روایت کرتا تھا، اس میں بعض ساقط اور غیر صحیح خبریں تھیں جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تنقیص موجود تھی۔ یہ ورق خلف بن سالم مخرمی اور یحییٰ بن معین نے سنا تو یحییٰ بن سعید القطان نے ان دونوں پر اس بات کا انکار کیا۔ اور خلف بن سالم جیسا کہ ابن حجر نے ذکر کیا ہے، شیعہ تھا، وہ ان ردی اور باطل خبروں کو جمع کرتا اور اپنی کتاب "صفين والجمل" میں داخل کرتا تھا۔ اس وجہ سے امام احمد اس کتاب کے سننے سے منع کرتے تھے اور اس کے اس عمل کی مذمت کرتے تھے۔

○ امام خلال نے (۸۰۶) روایت کیا: ہمیں محمد بن علی نے خبر دی، انھوں نے کہا: ہم سے مہنی نے بیان کیا، انھوں نے کہا: میں نے امام احمد سے خلف بن سالم کے بارے میں پوچھا، تو امام احمد نے اس کی تعریف نہیں کی اور یہ مناسب نہ سمجھا کہ اس سے روایت لکھی جائے۔ یعنی ان ردی اور باطل خبروں کو (جو صحابہ پر طعن پر مشتمل تھیں)۔ پس امام احمد نے خلف بن سالم سے ان کی روایت لکھنے سے منع فرمایا، کیونکہ وہ ان خبروں کو تلاش کر کے جمع کرتا تھا۔

اور امام احمد نے اپنے بھتیجے حنبل بن اسحاق کو بھی خلف بن سالم مخرمی کی مرتب کردہ اس ردی کتاب "صفين والجمل" کو لکھنے سے روکا اور اسے نفع بخش علم کی طرف متوجہ کیا، یعنی احادیثِ حلال وحرام، احادیثِ احکام وعقائد کی طرف۔

○ امام خلال نے (۸۱۵) روایت کیا: ہمیں عبد الملک میمونی نے خبر دی، وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اعمش کی حدیث کے بارے میں گفتگو کی، اور اس میں جو غلطیاں ہوتی ہیں اور ان چیزوں کے بارے میں بھی جو مبہم اور اندھیری ہیں تو میں نے کہا: اے ابوعبداللہ (امام احمد)! ان باتوں کے باوجود بھی؟ تو انھوں نے مجھے جواب دیا: ہاں، یعنی وہ ثابت

← ہوتی ہیں، پھر امام احمد نے مجھ سے فرمایا: تمھیں ان احادیث کو سننا مناسب نہیں، یحییٰ بن سعید (القطان) تک یہ بات پہنچی کہ غندر نے شعبہ سے اس قصے میں کوئی چیز روایت کی ہے تو ہمارے بعض ساتھی اس کے پاس گئے لیکن میں خود نہیں گیا، تو یحییٰ نے کہا: اس نے یہ حدیث بیان کرنے کی جرأت کیوں کی؟ ممکن ہے کسی شخص نے کسی چیز میں غلطی کی ہو اور وہی بات اس نے آگے بیان کر دی تو کیا وہ اس شخص سے اسے روایت کرے گا؟

ان کے قول: "وما یری مِن تِلك الأشیاءِ المظلِمةِ" (اور ان اندھیری چیزوں کو جو وہ دیکھتا ہے) سے مراد ہے: اعمش کی وہ روایتیں جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن و مثالب (عیب جوئی) پائی جاتی ہے، نعوذ باللہ۔ اور یہ بات آنے والی تین روایتوں میں وضاحت کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔

○ امام خلال نے (۸۱۸) روایت کیا: ہمیں موسیٰ بن حمدون نے خبر دی، انھوں نے کہا: ہم سے حنبل نے بیان کیا، انھوں نے کہا: میں نے ابوعبداللہ (امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ) کو فرماتے سنا: سلام بن ابی مطیع نے ابوعوانہ کی اس کتاب کو لے لیا تھا جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر تھا تو اس نے اعمش کی وہ احادیث جلا دی تھیں جو اس کتاب میں موجود تھیں۔

ابوعوانہ: ان کا اصل نام وضاح بن عبداللہ الیشکری الواسطی ہے۔ وہ ثقہ، ثبت (قابلِ اعتماد اور مضبوط حافظہ والے راوی) تھے۔ ان کے بارے میں علامت ع ہے، جو اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ ان سے اصحابِ کتبِ ستہ (صحاح ستہ) نے روایت کی ہے۔ تقریب التهذیب (۷۴۰۷)

○ امام خلال نے "السنة" (۸۲۰) میں روایت کیا: عبداللہ بن احمد بن حنبل نے کہا: میں نے اپنے والد (امام احمد بن حنبل) کو یہ کہتے سنا کہ سلام بن ابی مطیع، ایوب (سختیانی) کے اصحاب میں سے تھے اور ان کے نزدیک قابلِ اعتماد اشخاص میں شمار ہوتے تھے اور وہ ایک صالح (نیک) انسان تھے۔ ان سے عبدالرحمٰن بن مہدی نے روایت کی۔ پھر میرے والد نے (امام احمد نے) کہا: ابوعوانہ نے ایک کتاب تصنیف کی تھی جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عیوب کا ذکر تھا، اور اس میں بہت سی ناروا باتیں بھی درج تھیں۔ چنانچہ سلام بن ابی مطیع ان کے پاس گئے اور کہا: اے ابوعوانہ! وہ کتاب مجھے دے دیجیے۔ ابوعوانہ نے وہ کتاب دے دی تو سلام بن ابی مطیع نے وہ کتاب لے کر جلا دی۔ یہ خبر العلل ومعرفة الرجال (۳۵۷) میں بھی مروی ہے۔

اور عبداللہ بن احمد بن حنبل نے "العلل ومعرفة الرجال" میں اپنی زیادات (اضافی روایات) (۴۳۲۹) کے ضمن میں روایت میں نقل کیا: میں نے احمد بن الدورقی کو یہ کہتے سنا: ہم سے عبدالرحمٰن بن مہدی نے حدیث بیان کی، انھوں نے کہا: میں ابوعوانہ کی کتاب کو دیکھ رہا تھا اور میں استغفار کر رہا تھا۔ (یعنی ابوعوانہ کی اس کتاب میں جو کچھ درج تھا، وہ ایسا تھا کہ پڑھتے ہوئے عبدالرحمٰن بن مہدی کو استغفار کرنا پڑا، کیونکہ اس میں غالباً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ناروا باتیں درج تھیں)۔

گزشتہ چار روایات اور اس کے بعد آنے والی دو روایات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ابوعوانہ، جن کا پورا نام وضاح بن عبداللہ یشکری الواسطی ہے، نے اپنے شیخ اعمش سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مثالب (عیوب اور طعن پر مشتمل روایات) سنی تھیں اور انھوں نے ان کو ایک کتاب میں جمع کر دیا تھا۔ پھر عبدالرحمٰن بن مہدی نے اس کتاب کو دیکھا تو اس ←

میں جو مصیبت خیز باتیں موجود تھیں، ان پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے رہے۔ ان روایات میں ان باتوں کو بلایا، یعنی آزمائشیں، مہلک خرابیاں کہا گیا ہے، کیونکہ یہ سب من گھڑت، ساقط، اور ناقابلِ اعتماد روایات تھیں جو کسی طور بھی درست نہیں تھیں۔

- امام خلال نے السنة (۸۲۱) میں روایت کیا: ابوبکر مروزی کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے عرض کی: میں نے ایک صاحب حدیث سے ایک کتاب عاریتاً لی ہے جس میں احادیث ردیہ (خراب، جھوٹی یا طعن آمیز روایات) موجود ہیں، کیا آپ مناسب سمجھتے ہیں کہ میں اسے جلا دوں یا پھاڑ دوں؟ امام احمد نے جواب دیا: ہاں بالکل۔ سلام بن ابی مطیع نے بھی ابوعوانہ سے ایک کتاب مستعار لی تھی جس میں اسی قسم کی احادیث تھیں تو اس نے وہ کتاب جلا دی تھی۔ میں نے پوچھا: تو میں بھی اسے جلا دوں؟ فرمایا: ہاں، جلا دو۔
- امام خلال نے السنة (۸۲۲) میں روایت کیا: حسن بن عبدالوہاب نے بیان کیا کہ ہمیں فضل بن زیاد نے حدیث سنائی، وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل کو سنا، ایک شخص نے ان کے سامنے ایک کتاب رکھی جس میں ایسی احادیث جمع تھیں جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر نکیر کی گئی تھی اور ان جیسے دوسرے امور درج تھے۔ امام احمد نے اس کتاب کو دیکھا پھر فرمایا: ایسی چیزیں صرف کوئی برا آدمی ہی جمع کرسکتا ہے! پھر میں نے امام احمد کو یہ کہتے سنا: مجھے یہ بات پہنچی کہ سلام بن ابی مطیع، ابوعوانہ کے پاس آیا اور اس سے ایک کتاب عاریتاً لی جو اس کے پاس تھی، اس میں بعض ایسی بلاخیز باتیں تھیں جو اس نے اعمش سے روایت کی تھیں۔ سلام نے وہ کتاب لے کر اسے جلا دیا۔ تو ایک شخص نے امام احمد سے کہا: مجھے امید ہے کہ سلام پر اس (جلانے) کا کوئی گناہ نہیں ہوگا، ان شاء اللہ؟ امام احمد نے فرمایا: گناہ؟ بلکہ اگر اللہ نے چاہا تو اسے اس پر ثواب ملے گا!
- امام خلال نے السنة (۸۱۶) میں روایت کیا، محمد بن علی نے ہمیں خبر دی، کہا: ہمیں محمد بن سعد زہری نے حدیث سنائی، وہ کہتے ہیں: میں نے امام احمد بن حنبل کو سنا، جب ان سے ابوعبدالرزاق (الصنعانی) کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: وہ جب وہب بن منبہ سے روایت کرتا تھا تو اس کی حدیث صالح (درست) ہوتی تھی۔ پوچھا گیا: حدیثِ میناء کے بارے میں کیا خیال ہے؟ امام احمد نے فرمایا: کون میناء؟ میں نے عبدالرزاق کی ان احادیث کی تحقیق نہیں کی جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر عیب لگاتی ہیں۔ پھر امام احمد نے فرمایا: کیا تم سمجھتے ہو کہ امام مالک بن انس رحمہ اللہ نے لوگوں سے سلامتی صرف ان احادیث کو ترک کر کے حاصل نہیں کی تھی؟ یہ احادیث دل میں کینہ پیدا کر دیتی ہیں؟

میناء: یہ ابن ابی میناء ہے، جو عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ یہ تابعی، دوسرے درجے کے راوی ہیں، مگر متروک قرار دیے گئے ہیں۔ ابوحاتم رازی نے انھیں کذاب (جھوٹا) کہا ہے۔ التقریب (۷۰۹۵)۔ عبدالرزاق بن ہمام صنعانی بعض اوقات اپنی روایات میں یوں کہتا تھا: "حدثنا أبي، عن ميناء ..."

امام احمد بن حنبل کے قول: "ترى مالك بن أنس" کا مطلب یہ ہے کہ کیا تم نہیں دیکھتے کہ امام مالک بن انس رحمہ اللہ نے ان احادیث کو ترک کر دیا تھا جن میں صحابہ رضی اللہ عنہم پر طعن تھا اور اسی وجہ سے وہ لوگوں کی زبانوں سے محفوظ رہے

بغدادی، سندی (وفات: ۲۳۱ھ)، ابن حجر نے فرمایا: یہ ثقہ، حافظ تھے، انھوں نے مسند تصنیف کی۔ ان پر تشیع (شیعہ رجحان) اور قاضی کے بعض معاملات میں شامل ہونے کا الزام گزرتا ہے۔[1]

20 "الجمل وصِفين": ابوعبداللہ محمد بن عائذ القرشی (وفات: ۲۳۳ھ)، وہ صدوق تھے، لیکن کبھی کبھار وہم یا خطا کر جانے والے راویوں میں شمار ہوتے ہیں۔[2]

واقعۂ جمل پر مستقل کتب:

1 "الجمل": ابومخنف لوط بن یحییٰ الازدی الکوفی (۱۵۷ھ)۔ اس پر پہلے گفتگو گزر چکی ہے۔

2 "الجمل ومسير عائشه وعلي"[3] سیف بن عمر تمیمی اسیدی کوفی (وفات: ۱۷۰ھ کے بعد) ابن حجر نے کہا ہے: حدیث میں ضعیف ہے مگر تاریخ میں اس پر اعتماد کیا جاتا ہے۔

3 "الجمل": ابو حذیفہ اسحاق بن بشر بن محمد بن عبد اللہ بن سالم الہاشمی مولاہم، البخاری (۲۰۶ھ) اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

4 "الجمل": ابوعبداللہ محمد بن عمر بن واقد الاسلمی مولاہم، الواقدی، المدینی، القاضی (۲۰۷ھ)۔ اس کا ذکر بھی پہلے گزر چکا ہے۔

← اور ان پر کسی نے جرح نہ کی؟ یعنی امام مالک رحمہ اللہ کی حکمت یہ تھی کہ وہ فتنہ خیز اور صحابہ پر طعن والی روایات سے دور رہتے تھے، اس لیے وہ بدگمانی اور کلامِ ناروا سے محفوظ رہے۔

آئندہ مواضع پر خلف بن سالم کی واقعہ صفین سے متعلق روایات آئیں گی، ان کی طرف درج ذیل مقامات پر اشارہ کیا گیا ہے: [رقم: ۳۳۵، ۳۵۷، ۳۸۰، ۶۰۵] اور حاشیہ [رقم: ۵۶۹]۔ یہ تمام مقامات اس بات کی شہادت دیں گے کہ خلف بن سالم نے صفین کی روایات کو جمع کیا اور روایت کیا، جس سے اس کے میلانات اور حدیثی رجحانات بھی ظاہر ہوں گے۔

اور ابن ابی الدنیا کے ہاں بھی خلف بن سالم کی اس باب (باب فتنة صفين والجمل) میں کئی روایتیں موجود ہیں، جیسا کہ درج ذیل مقامات پر دیکھا جا سکتا ہے: "مقتل علي رضی اللہ عنہ" کے اندراجات: (۳۶، ۳۷، ۵۴)۔

اسی طرح بلاذری کی معروف تاریخی کتاب "أنساب الأشراف" میں بھی خلف بن سالم کی واقعہ جمل اور صفین سے متعلق متعدد روایتیں منقول ہیں۔ یہ سب اس بات کا ثبوت ہیں کہ خلف بن سالم ان فتنہ انگیز موضوعات میں روایات جمع کرتا اور ان کی روایت بھی کرتا تھا اور یہ اسی طرزِ عمل کی کڑیاں ہیں جس پر ائمۂ حدیث نے اس سے انکار اور احتراز کیا۔

[1] تقريب التهذيب (۱۷۳۲)

[2] موارد ابن عساكر في تاريخ دمشق (۳۹۲/۱) اس کا تعارف: تقريب التهذيب (۵۹۸۹) کے تحت آئی ہے۔

[3] الفهرست لابن النديم (ص: ۱۲۳)، سیف بن عمر کا تعارف: تقريب التهذيب (۲۷۲٤) میں موجود ہے۔

5 "الجمل": ابوالفضل نصر بن مزاحم منقری، عطار، کوفی (۲۱۲ھ)، اس کا ذکر بھی پہلے گزر چکا ہے۔

6 "الجمل": ابوالحسن علی بن محمد بن عبداللہ بن ابی سیف مدائنی (۲۲۴ھ)۔[1] اس کا ذکر بھی پہلے گزر چکا ہے۔

7 "الجمل": ابواسحاق اسماعیل بن عیسیٰ عطار بغدادی (۲۳۲ھ)، اس کا ذکر بھی پہلے گزر چکا ہے۔

8 "الجمل": ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ، ابراہیم بن عثمان بن خواستی عبسی، ان کا مولیٰ، کوفی (۲۳۵ھ)، اس کا ذکر گزر چکا ہے۔

9 "الجمل": عبداللہ بن احمد بن محمد بن حنبل شیبانی (۲۴۱ھ)[2]، اس کا ذکر گزر چکا۔

10 "الجمل": ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن سعید بن ہلال بن عاصم بن سعید بن مسعود ثقفی کوفی (۲۸۳ھ)، اس کا بھی ذکر گزر چکا اور وہاں اس کی کتاب "صفین" پر تعلیق ملاحظہ ہو۔

11 "الجمل": ابوجعفر محمد بن زکریا بن دینار غلابی بصری (۲۹۸ھ)، اس کا ذکر گزر چکا۔



---

1. الفهرست لابن النديم (ص: ۱۳۲)

2. خطیب بغدادی نے کہا: [القاسم بن سالم بن عبداللہ بن عمر، ابو صالح الاخباری: اس نے عبد اللہ بن احمد بن حنبل سے کتاب "الجمل" روایت کی ہے] تاريخ بغداد (۴۴۵/۱۲)۔ دیکھیے: تاريخ الإسلام (۴۰۳/۲۵)، موارد الخطيب في تاريخ بغداد (ص: ۳۴۴)، موارد ابن عساكر في تاريخ دمشق (۴۰۱/۱)

عصری تصنیفات

عصرِ حاضر میں کئی تصنیفات لکھی گئیں جنھوں نے واقعۂ صفین اور عمومی طور پر فتنہ کے واقعات کو موضوع بنایا۔ ان کے مولفین نے تصنیف میں دو بنیادی طریقے اختیار کیے:

ایک گروہ نے ان میں قصہ گو طرزِ اسلوب کو اختیار کیا۔ ان کی تحریریں ان لوگوں کے لیے لکھی گئیں جو اہلِ سنت و جماعت کے منہج کے مطابق اس واقعے کی حقیقت جاننا چاہتے تھے۔ یہ ایک جید کام ہے مگر یہ نہ تو علمی تحقیق ہے اور نہ ہی ان روایات کا تنقیدی مطالعہ جو اس فتنے سے متعلق وارد ہوئی ہیں۔ اور مولفین کا ایک دوسرا گروہ بھی ہے جنھوں نے اپنے اپنے ابواب میں علمی اور تخصصی مطالعات انجام دیے۔

اور میں ان معاصر تصنیفات کا ذکر کروں گا جن پر میرا مطالعہ ہوا ہے:

1. "عصر الخلافة الراشدة": ڈاکٹر اکرم بن ضیاء العمری نے اس میں خلفائے راشدین کے دور کا تاریخی، سیاسی، اقتصادی، سماجی اور عسکری پہلوؤں سے مطالعہ کیا ہے، نیز نظامِ قضاء، عطا اور فتوحات کا بھی جائزہ لیا ہے۔ انھوں نے جہاں ممکن ہوا تاریخی روایات پر محدثین کے قواعد کا اطلاق کیا اور فتنۂ جمل وصفین کا بھی ذکر کیا، لیکن انھوں نے اس فتنے اور اس سے متعلق روایات کا مفصل مطالعہ نہیں کیا، کیونکہ ان کی کتاب اس موضوع کے لیے خاص نہیں تھی۔

اور بعض مقامات پر وہ خبر کا اصل متن نقل نہیں کرتے بلکہ اس کا وہ مفہوم بیان کرتے ہیں جو ان کی سمجھ میں آیا۔ اللہ ان کو جزائے خیر دے۔ البتہ یہ طریقہ وہم کا باعث بن سکتا ہے، کیونکہ کسی خبر کی درست دلالت بعض اوقات اس ابتدائی فہم کے خلاف ہوتی ہے جو پہلی نظر میں ذہن میں آتا ہے۔

اور مجھے شیخ کے ہاں ایک مثال ملی، وہ ان کا یہ قول ہے: ''نئے خلیفہ کے سامنے سب سے سنگین مسئلہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کا محاسبہ اور ان پر قصاص نافذ کرنا تھا، اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے علی رضی اللہ عنہ کو خلافت سنبھالنے سے قبل ہی اس نازک صورتِ حال کی طرف متوجہ کر دیا تھا کہ لوگ تم سے عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا مطالبہ کریں گے۔''[1]

---

[1] عصر الخلافة الراشدة (ص: ٤٤٣)

اور یہ عبارت ”إن الناس سيلزموك دم عثمان“ (لوگ آپ سے خونِ عثمان کا مطالبہ کریں گے)، شیخ نے اس مفہوم کے ساتھ بیان کی ہے جو ان کی فہم میں آیا، جبکہ اصل نص یہ ہے:

”وإنه لما وثب على عثمان فقُتِل، قلت لابن أبي طالب: اجتنب هذا الأمر، فستكفاه، فعصانِي، وما أراه يظفر“[1]

یعنی جب عثمان رضی اللہ عنہ پر حملہ ہوا اور وہ قتل کر دیے گئے تو میں نے ابن ابی طالب سے کہا: اس معاملے سے دور رہو، اللہ تمھیں اس سے کفایت کرے گا لیکن انھوں نے میری بات نہ مانی اور میں نہیں سمجھتا کہ وہ اس میں کامیاب ہوں گے۔ یعنی اصل روایت میں ”لوگ تم سے عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا مطالبہ کریں گے۔“ جیسی صراحت نہیں بلکہ اس کی دلالت صرف فہم وتفسیر پر مبنی ہے۔

اور اس کا مطلب یہ ہے کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اس بات سے روک دیا کہ وہ مختلف شہروں سے بیعت طلب کریں اور خاص طور پر ان لوگوں سے بیعت طلب کرنے سے بھی روکا جو اس سے انکار کر رہے تھے، یعنی اہلِ شام، کیونکہ تمام شہر خود ان کے پاس بیعت کے لیے آ جائیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کو ان لوگوں سے بیعت بزورِ بازو طلب کرنے کی مشقت سے کفایت کرے گا جو ابتدائی طور پر اس سے انکاری ہیں۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مقصود یہ نہیں تھا کہ خلافت سنبھالنے سے پہلے ہی اس سے اجتناب کیا جائے، کیونکہ اہلِ مدینہ تو ان کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے اور عبارت: ”وما أراه يظفر“ اس پر دلالت کرتی ہے کہ ان کا منع کرنا بیعت کے حصول کے لیے طاقت کے استعمال سے متعلق تھا، نہ کہ خود خلافت کے قبول کرنے سے۔ اور میں نے اس کی وضاحت اپنے مقام پر کر دی ہے۔

اور اسی سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کسی بھی محقق کے لیے اصل نص کو مکمل طور پر، بغیر کسی اقتباس یا حذف کے نقل کرنا کتنا اہم ہے، تاکہ صحیح مفہوم سامنے آ سکے اور قاری کو یہ آزادی حاصل رہے کہ وہ محقق کی بیان کردہ تعبیر وتشریح کو قبول کرے یا نہ کرے۔

2 ”مرويات أبي مخنف في تاريخ الطبري، عصر الخلافة الراشدة، دراسة نقدية“:

یہ ڈاکٹر یحییٰ بن ابراہیم بن علی یحییٰ کا ماسٹر ڈگری کا تحقیقی مقالہ ہے جو پروفیسر ڈاکٹر اکرم بن ضیاء العمری کی نگرانی میں مکمل ہوا۔ اس میں انھوں نے ابو مخنف کی ان روایات کا جائزہ لیا ہے جو جنگِ جمل

---

[1] دیکھیے: [رقم: ۲۱، ۲۲] اور ان کے بعد موجود تعلیقات۔

اور صفین سے متعلق ہیں اور ان کا مطالعہ خاص طور پر ایک ہی دائرے میں محدود ہے، یعنی ابومخنف کی روایتیں جو ''تاریخ طبری'' میں وارد ہوئی ہیں۔

3 ''استشهاد عثمان رضی اللہ عنہ ووقعة الجمل في مرويات سيف بن عمر في تاريخ طبري، دراسة نقدية'': یہ ڈاکٹر خالد بن محمد الغیث کا ماسٹر ڈگری کا تحقیقی مقالہ ہے، جو پروفیسر ڈاکٹر محمد حبیب الہیلہ اور پروفیسر ڈاکٹر منصور العبدلی رحمہ اللہ کی نگرانی میں مکمل ہوا۔ مولف نے اس میں عثمان رضی اللہ عنہ کے استشہاد اور فتنۂ جمل کا مطالعہ سیف بن عمر الضبی تمیمی کی مرویات کی روشنی میں کیا ہے۔ انھوں نے سیف کی روایتوں پر تنقید و تجزیہ کیا اور ان روایات کی تائید یا مخالفت کرنے والی دیگر خبریں (طبری کے علاوہ) اور مورخین کا کلام بھی ذکر کیا اور روایات اور ان کی اسانید کو محدثین کی نظر سے پرکھا۔ البتہ یہ تحقیق اپنے دائرۂ کار میں محدود ہے، یعنی صرف ان واقعات پر مشتمل ہے جو سیف بن عمر کی روایتوں میں تاریخ طبری میں وارد ہوئے ہوں۔ خصوصاً عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے شہادت اور واقعۂ جمل سے متعلق۔ اس تحقیق میں واقعۂ صفین اور حسن و معاویہ رضی اللہ عنہما کی بیعتوں پر کوئی گفتگو نہیں، کیونکہ یہ ان کی تحقیق کے دائرے سے باہر تھا۔

اور اس کا منہج تاریخی واقعے کی تصویر مکمل کرنے میں ان خبروں سے استفادہ کرنا ہے جو محدثین کے منہج کے مطابق صحت کی تمام شرائط پر پوری نہیں اترتیں۔ اجمالاً، یہ منہج بڑی حد تک اس چیز سے مشابہ ہے جسے میں نے مقدمہ منہجی میں (خبر مقبول) کے تعلق سے ذکر کیا ہے۔ وہ ان مقبول خبروں کے ساتھ اپنی تاریخی بصیرت اور مہارت کے مطابق معاملہ کرتا ہے۔

اور محقق نے اپنے موضوعِ تحقیق سے متعلق جو خبریں ''تاریخ بغداد''، ''تاریخ دمشق'' اور ''بغية الطلب'' میں وارد ہوئی ہیں، ان سے ویسا استفادہ نہیں کیا جیسا کہ کرنا چاہیے تھا، حالانکہ ان میں بعض خبریں ایسی بھی ہیں جو ثابت شدہ ہیں۔

4 ''مرويات خلافة معاوية رضی اللہ عنہ في تاريخ الطبري، دراسة نقدية'': یہ ڈاکٹر خالد الغیث کا پی۔ایچ۔ڈی کا تحقیقی مقالہ ہے، جس میں انھوں نے اپنے سابقہ کام ''استشهاد عثمان رضی اللہ عنہ ووقعة الجمل'' کے منہج سے بڑی حد تک مشابہ منہج اختیار کیا ہے۔ البتہ اس بار انھوں نے اپنی تحقیق کو کسی خاص راوی تک محدود نہیں رکھا، بلکہ تحقیق کا اصل محور تاریخ طبری کو بنایا۔ انھوں نے ان شبہات کا جواب بھی دیا ہے جو وہ لوگ اٹھاتے ہیں جن کے دلوں میں بیماری ہے۔ تاہم انھوں نے

اپنی کتاب کا آغاز بیعتِ معاویہ رضی اللہ عنہ سے کیا، لہٰذا انھوں نے واقعۂ جمل اور صفین کو زیرِ بحث نہیں بنایا، کیونکہ یہ دونوں واقعات ان کی خلافت سے پہلے پیش آئے تھے۔

اور جیسا کہ ان کی پچھلی کتاب میں بھی دیکھا گیا، یہاں بھی یہ بات قابلِ توجہ ہے۔

5 "حقبة من التاريخ": یہ کتاب فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر عثمان بن محمد الخمیس کی تصنیف ہے۔ ایک مختصر مگر جامع کتاب ہے جس میں خلافتِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے لے کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے استشہاد تک، جو یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں پیش آیا، کے درمیانی تاریخی دور کو اختصار کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ یہ کتاب اس پورے دور کے اہم ترین تاریخی واقعات ایک عمومی تصور فراہم کرتی ہے۔ کتاب کا آغاز ایک فصل سے ہوتا ہے جس میں مولف نے تاریخ کے ساتھ تعامل کے طریقے اور اس پر آنے والی تحریف وتشویہ پر روشنی ڈالی ہے۔ کتاب کے آخر میں دو ضمیمے شامل کیے گئے ہیں جن میں اہلِ بدعت کی طرف سے اٹھائے جانے والے اہم شبہات کا رد کیا گیا ہے اور مجموعی طور پر کتاب پر اہلِ بدعت کے ردّ کا اسلوب غالب ہے۔

نیز مولف نے محدثین کے منہج کو اپنانے کا خاص اہتمام کیا ہے اور انھوں نے فتنۂ جمل اور صفین کا ذکر نہایت اختصار کے ساتھ کیا ہے۔

6 "موسوعة د. علي الصلابي التاريخية": انھوں نے اس کا آغاز سیرتِ نبویہ شریفہ سے کیا اور پھر خلافتِ عثمانیہ اور مجاہدِ وقت شیخ عمر المختار تک پہنچے۔ اللہ تعالیٰ انھیں علمی رفعت عطا فرمائے! انھوں نے فتنۂ جمل اور صفین کے واقعات کا بھی ذکر کیا اور ان واقعات و حالات کا تجزیاتی انداز میں جائزہ لینے کی کوشش کی۔ ان کی کتاب ان نتائج و تجزیات کا مجموعہ ہے جو ان سے پہلے محققین کے ہاں پایا گیا اور انھوں نے اسے یکجا کر کے پیش کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے محدثین کے منہج کے مطابق احادیث و روایات کی صحت وضعف کی وضاحت بھی کئی مواقع پر کی، نیز ان عقائدی و تاریخی مسائل کی نشاندہی بھی کی جو عقیدہ، صحابہ رضی اللہ عنہم اور اہلِ فضل کی حرمت سے متعلق ہیں۔ انھوں نے اہلِ بدعت کے شبہات کا ردّ بھی کیا ہے۔

اور ان کی تصنیف میں سابق محققین کے نتائج کو جمع کرنے کا پہلو غالب آ گیا، چنانچہ انھوں نے اس بات کی تحقیق یا یقین دہانی نہیں کی کہ ان محققین کے نتائج فی الواقع درست بھی ہیں یا نہیں۔ حالانکہ ان میں سے بعض نتائج میں غلطیاں یا کوتاہیاں موجود تھیں۔ یہ غیر محقق اندازِ جمع، ان غلطیوں کو قارئین کے

سامنے بطورِ مسلمہ پیش کرنے کا سبب بنا، یہاں تک کہ وہ باوجود اپنی غلطیوں کے، پڑھنے والوں کے درمیان گویا مسلمہ حقائق بن گئے اور بعض اوقات ان سے نقول کو ان کے اصل مصادر کی طرف منسوب کرنا بھی چھوٹ جاتا تھا۔

7 "صحيح وضعيف تاريخ الطبري": یہ تاریخ طبری پر ایک چھانٹی کا تعلیقاتی کام ہے جسے شیخ محمد بن طاہر برزنجی نے انجام دیا اور اس کی نگرانی ونظرِ ثانی شیخ محقق محمد صبحی حسن حلاق نے کی۔

اور اس کام میں بعض مقامات پر چند جلیل القدر اساتذہ کی محدود علمی شراکتیں بھی شامل تھیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

① "صحيح الخلافة الراشدة" (ج: ٣) اس پر ڈاکٹر یحییٰ بن ابراہیم الیحییٰ نے عمومی نگرانی کی۔

② "صحيح الخلافة في عهد الأمويين" (ج: ٤) اس کی بعض فصلوں کی نظرِ ثانی اور تنقیدی جائزہ پروفیسر ڈاکٹر اکرم بن ضیاء العمری اور پروفیسر ڈاکٹر عماد الدین بن خلیل - دونوں نے پیش کیا۔

③ "صحيح الخلافة في عهد العباسيين" (ج: ٥) اس جلد کی بعض فصلوں کا مطالعہ اور ان پر موافقت ڈاکٹر علی بن محمد الصلابی اور ڈاکٹر ابراہیم الجاف دونوں نے کی، جبکہ بعض رواۃ کے تراجم کی نظرِ ثانی شیخ عقیل مقطری نے کی۔

برزنجی نے محدثین کے قواعد کو لاگو کرتے ہوئے صحیح اور ضعیف روایات کے درمیان فرق کرنے کی کوشش کی، چنانچہ انھوں نے کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا: صحیح تاریخ الطبری، ضعیف تاریخ الطبری، البتہ آخری دو جلدوں (جلد ۱۲ اور ۱۳) میں انھوں نے صحیح، ضعیف اور جن پر سکوت کیا گیا ہے، تینوں اقسام کی روایات کو جمع کر دیا اور اس کی وجوہات انھوں نے جلد ۱۲ کے آغاز میں بیان کر دی ہیں۔

اور جب برزنجی کسی موضوع کو مکمل کرتے ہیں تو اس کے بعد ایک مختصر مطالعہ پیش کرتے ہیں جس میں وہ اس تاریخی واقعے پر گفتگو کرتے ہیں اور ''تاریخ طبری'' کے علاوہ دیگر مصادر سے جو احادیث و روایات ان کے علم میں آئی ہوں، ان میں سے جو صحیح ہوں انھیں ذکر کرتے ہیں۔ وہ معاصر محققین کی جدید تصانیف اور جامعاتی مقالات کا مطالعہ کرنے کا بھی اہتمام کرتے ہیں، ان کی بعض تحقیقات کے نتائج ذکر کرتے ہیں اور ان پر بحث وتنقید بھی کرتے ہیں۔ نیز اہلِ بدعت اور مستشرقین کے شبہات پر بھی گفتگو کرتے ہیں اور ان کا ردّ کرتے ہیں۔ انھوں نے فتنۂ جمل اور صفین کے واقعات کا مختصر تجزیاتی مطالعہ پیش کیا ہے، البتہ ان سے بہت سی صحیح روایات اور وہ طرق چھوٹ گئے جن کے ذریعے کوئی خبر حسن یا صحیح کے

درجے تک پہنچ سکتی تھی۔ جہاں تک ان کے اس منہج کا تعلق ہے جس پر وہ مرویات کے چھانٹنے میں چلے تو انھوں نے کتاب کے آغاز میں اسے تفصیل سے بیان کیا ہے، اور خلاصہ یہ ہے کہ وہی منہج اختیار کیا گیا ہے جو اس وقت کے اکادمیین محققین[1] کے درمیان رائج ومعروف تھا۔

8 "فتنة مقتل عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ": یہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں پیش کی گئی ایم۔اے کی ڈگری کا ایک تحقیقاتی رسالہ ہے، (سنہ ۱۴۱۱ھ)، جسے ڈاکٹر محمد بن عبداللہ بن عبدالقادر غبان صحی نے پروفیسر ڈاکٹر اکرم بن ضیاء العمری کی نگرانی میں مکمل کیا۔ محقق نے اپنی کتاب کو دو بنیادی حصوں میں تقسیم کیا:

پہلا حصہ: مکمل قصہ مقتلِ عثمان رضی اللہ عنہ یہاں تک کہ ان کی تدفین کا ذکر بھی شامل ہے۔

دوسرا حصہ: مقتل سے متعلق روایات مع اسانید۔ اور ان روایات کو بھی دو بنیادی اقسام میں تقسیم کیا: صحیح روایات، ضعیف روایات۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد عبداللہ صحی نے اپنی تالیف کے سبب کے بارے میں فرمایا: میں کسی ایسی کتاب تک نہیں پہنچ سکا جو اس فتنے کی مرویات کو جمع کرے، ان کی اسانید کا جائزہ لے، صحیح اور ضعیف کو الگ کرے، پھر صحیح روایات کی بنیاد پر اس واقعے کی ایک صحیح اور حقیقی تصویر قائم کرے، چنانچہ میں نے اپنی استطاعت اور کوشش کے مطابق یہ کام اس کتاب میں انجام دیا۔[2]

9 "تحقيق مواقف الصحابة في الفتنة من مرويات الإمام الطبري والمحدثين": یہ پروفیسر ڈاکٹر محمد امحزون کی تصنیف ہے۔ اس میں ان کی بعض تعلیقات اور استنتاجات ایسی ہیں جن سے میں نے اپنی اس کتاب میں فائدہ اٹھایا ہے، البتہ ان کی کتاب میں اختیار کردہ منہج کو میں سمجھ نہ سکا۔

10 "الصحابة المعتزلون للفتنة الكبرى، مواقفهم منها، ودورهم في الحد منها": یہ کتاب ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہے جنھوں نے بڑے فتنے (فتنۂ جمل، صفین اور اس جیسے دیگر واقعات) سے کنارہ کشی اختیار کی۔ کتاب میں ان کے موقف، فتنے سے اجتناب کی وجوہات، اور فتنے کے پھیلاؤ کو روکنے میں ان کے کردار کو بیان کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر خالد کبیر علال نے ان معلومات کو جمع کیا اور انھیں منظم انداز میں مرتب کیا اور جہاں ڈاکٹر صاحب

---

[1] صحیح تاریخ الطبري (۱/۴۳- ۵۹)

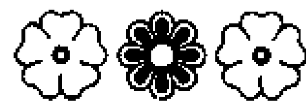
[2] فتنة مقتل عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ (۱/۱۱)

نے صحابہ کے موقف پر اپنی تحقیق ختم کی، وہیں سے میں نے اپنی کتاب میں آغاز کیا۔ لہٰذا تخلیق اور فکری ابتکار میں انھیں سبقت حاصل ہے۔

11 "الإنصاف فيما وقع في العصر الراشدي من الخلاف": تالیف، ڈاکٹر حامد محمد خلیفہ۔
انھوں نے اپنی کتاب کا آغاز سقیفہ میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت سے کیا، اور بیان کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تک پہنچایا۔ ان کا منہج تاریخی ہے اور اسلوب خوبصورت قصصی انداز کا ہے۔

اور ان کی کتاب نہ تو کوئی علمی تحقیق ہے، نہ محقق مطالعہ اور نہ تنقیدی جائزہ، بلکہ محض ایک قصصی بیان ہے۔ انھوں نے بدرجہ اوّل کتبِ تاریخ پر اعتماد کیا: مسند تاریخوں میں جیسے ''تاریخ طبری'' اور غیر سند تاریخوں میں جیسے مسعودی کی کتب۔ رہی بات احادیث کی کتابوں کی تو موضوع کی وسعت اور کتاب کے حجم کے مقابلے میں ان کا استعمال بہت ہی کم ہے۔

مزید یہ کہ مولف کے ہاں کوئی واضح منہج موجود نہیں جس کی روشنی میں تاریخی روایات کا وزن کیا جاسکے۔ اور اگر معاملہ ایسا ہی ہو تو تحقیق کے نتائج لازماً غیر دقیق ہوں گے۔



تحقیق کی مشکلات

1 بے شک تاریخی روایات مختلف کتابوں میں بہت بکھری ہوئی ہیں، جیسے تاریخ، تراجم، حدیث، علل، اخلاق، زہد اور دیگر کتب میں۔

2 متاخر راویوں کی موجودگی: چنانچہ جتنا راوی کی وفات کا زمانہ بعد کا ہو، اس کے حال کو جاننا اتنا ہی زیادہ مشکل ہوتا ہے، خصوصاً چوتھی صدی ہجری (۳۰۰ھ-۳۹۹ھ) کے راویوں کا۔

3 بعض تاریخی راویوں کی عدمِ شہرت: چنانچہ بسا اوقات کوئی مورخ معروف ہوتا ہے، اس کی تصنیفات بھی موجود ہوتی ہیں، لیکن اس کا ترجمہ دستیاب نہیں ہوتا، جیسے: ابو اسماعیل محمد بن عبداللہ ازدی بصری، مولف فتوح الشام،[1] اور اسی طرح بعض طبری کے شیوخ اور دیگر اخباری راوی وعینی شاہدین۔ پس حدیث کے راوی، تاریخ کے راویوں سے زیادہ معروف ہوتے ہیں اور اس کی وجہ نبوت اور شریعت کی اہمیت ہے، چنانچہ حدیث شریف کو علماء کی طرف سے بہت زیادہ توجہ حاصل ہوئی۔

4 راویوں کے ناموں میں تصحیف (یعنی تحریری یا تلفظی تبدیلی) کا پایا جانا: جو اسناد کے مطالعے میں الجھن پیدا کرتا ہے۔ مجھے یہ مسئلہ ابو حامد بن جبلہ[2] کے تعارف میں پیش آیا، جس سے ابونعیم اصفہانی نے بہت روایت کی ہے۔ اس کا نام "تاریخ الإسلام" از ذہبی (تحقیق: ڈاکٹر عمر بن عبد السلام تدمری) میں تصحیف کا شکار ہو گیا تھا جس کی وجہ سے اس کی شناخت ممکن نہ رہی۔

5 اسی طرح "تاریخ دمشق" (جو دار الفکر اور دار التراث العربی سے طبع ہوئی ہے) میں بھی بے شمار تصحیفات (تحریری غلطیاں) موجود ہیں۔

اور "تاریخ دمشق" کا ایک علمی اور باریک بین تحقیقی نسخہ بھی موجود ہے لیکن وہ ابھی مکمل نہیں ہوا، جس پر مجمع اللغة العربية بدمشق کام کر رہا ہے۔

6 میری ایم۔اے کی تعلیم میں عقیدہ کے تخصص میں مصروفیت نے کتاب کی تکمیل میں مجھے بہت زیادہ تاخیر کا شکار کر دیا۔

---

[1] اس کے حالات [رقم: ۱۴۰] پر آئیں گے۔ [2] دیکھیے: [رقم: ۲۷۸]

البتہ جن چیزوں نے مجھے قدیم و متاخر رواۃ کے تراجم تلاش کرنے میں سہولت دی، ان میں وہ معاصر کتب شامل ہیں جو اسی موضوع پر تصنیف کی گئی ہیں اور وہ درج ذیل ہیں:

1. "موسوعة أقوال الإمام أحمد بن حنبل في رجال الحديث وعلله" السید ابو المعاطی اور دیگر علماء۔
2. "موسوعة أقوال أبي الحسن الدارقطني في رجال الحديث وعلله": مختلف مولفین کی مشترکہ کاوش۔
3. "موارد الخطيب البغدادي في تاريخ بغداد": یہ کتاب پروفیسر اکرم ضیاء العمری کی علمی تحقیق ہے۔
4. "موارد ابن عساكر في تاريخ دمشق": طلال سعود الدعجانی۔
5. "رجال تفسير الطبري جرحا وتعديلا": محمد صبحی بن حسن حلاق۔
6. "معجم شيوخ الطبري الذين روى عنهم في كتبه المسندة المطبوعة": اکرم بن محمد زیاد الفالوجی الاثری۔ یہ معجم ایک جامع فہرست ہے۔ ان شیوخ (اساتذہ و راویوں) کی جن سے امام محمد بن جریر الطبری نے اپنی مسانید (روایت پر مشتمل مطبوعہ کتب) میں روایت کی ہے۔
7. "المعجم الصغير لرواة الإمام ابن جرير الطبري": اکرم بن محمد زیاد الفالوجی الاثری۔
8. "المعجم الكبير لرواة الطبري ابن جرير": یہ کتاب اکرم بن محمد زیاد الفالوجی الاثری کا غیر مطبوعہ یا کم معروف علمی کام ہے، جس کا ذکر انھوں نے اپنی مطبوعہ کتاب "المعجم الصغير لرواة الإمام ابن جرير الطبري" کے آخر میں بطور حوالہ یا وعدہ کیا ہے۔ مجھے اس بارے میں معلوم نہیں ہے، نہ ہی میں یہ جانتا ہوں کہ یہ طبع ہوئی ہے یا نہیں، محض فائدے کے لیے میں نے اسے یہاں ذکر کر دیا ہے۔
9. "زوائد رجال صحيح ابن حبان على الكتب الستة جمعا ودراسة" دراصل یحییٰ بن عبداللہ شہری کی ایک جامعہ کی سطح کا تحقیقی رسالہ (رسالہ جامعیہ) ہے، جو رجال الحدیث کے باب میں ایک اہم علمی خدمت شمار ہوتی ہے۔
10. "إرشاد القاصي والداني إلى تراجم شيوخ الطبراني": ابو الطیب نایف بن صلاح بن علی منصوری۔ اس میں مذکور راویوں کے احکام کی ابو الحسن سلیمانی نے تلخیص کی ہے۔

11 "رجال الحاكم في المستدرك": (یہ کتاب شیخ محدث مقبل بن ہادی الوادعی رحمہ اللہ کی علمی کاوش ہے، جس میں انھوں نے امام حاکم نیشاپوری کی کتاب "المستدرك على الصحيحين" میں وارد رواۃ الحدیث (راویوں) پر تفصیلی تحقیق پیش کی ہے۔

12 "الروض الباسم في تراجم شيوخ الحاكم": الشیخ نایف بن صلاح بن علی منصوری۔ اس میں مذکور راویوں کے احکام کی ابوالحسن سلیمانی نے تلخیص کی ہے۔

13 "تراجم رجال الدارقطني في سننه الذين لم يترجم لهم في التقريب ولا في رجال الحاكم": علامہ مقبل بن ہادی الوادعی۔

14 "الدليل المغني لشيوخ الإمام أبي الحسن الدارقطني": نایف منصوری۔ تلخیصِ احکام: ابوالحسن سلیمانی۔

15 "معجم الجرح والتعديل لِرِجالِ السِننِ الكبرى، مع دراسة إضافية لمنهج البيهقي في نقد الرواة في ضوء السنن الكبرى": نجم عبدالرحمٰن خلف۔

16 "السلسبِيل النقِي في تراجم شيوخ البيهقي": نایف منصوری۔ اس میں مذکور راویوں کے احکام کی ابوالحسن سلیمانی نے تلخیص کی ہے۔

17 "إتحاف المرتقي بتراجم شيوخ البيهقي": محمود بن عبدالفتاح النخال۔

18 "التنكيل بما في تأنيب الكوثري من الأباطيل": علامہ عبدالرحمٰن اعظمی الیمانی۔

19 "النكت الجياد المنتخبة من كلام شيخ النقاد ذهبي العصر العلامة عبد الرحمن بن يحيى المعلمي اليماني": ابوانس ابراہیم بن سعید صبیحی۔

20 "التذييل على كتب الجرح والتعديل": طارق بن محمد آل بن ناجی۔

21 "الفرائد على مجمع الزوائد «ترجمة الرواة الذين لم يعرفهم الحافظ الهيثمي»": خلیل بن محمد المطیر ی العربی۔

22 "مصباح الأريب في تقريب الرواة الذين ليسوا في تقريب التهذيب": ابوعبداللہ محمد بن احمد المصنعی العنسی۔

حال ہی میں ابن قطلوبغا (وفات: ۸۷۹ھ) کی کتاب "الثقات ممن لم يقع في الكتب الستة" شائع ہوئی ہے، جو فنِ رجال میں ایک اہم اضافہ ہے۔ اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ

یہ ان راویوں کے تراجم پر مشتمل ہے جو کتبِ ستہ میں وارد نہیں ہوئے ، بالخصوص متاخرین راوی جن کا ذکر عام طور پر مروّجہ کتبِ رجال میں نہیں ملتا ۔ اس کتاب میں ابن حبان کی ''الثقات'' اور ابن ابی حاتم کی ''الجرح والتعدیل'' میں وارد بعض تصحیفات کی اصلاح بھی کی گئی ہے اور ان کتب میں جو اسقاط رہ گئی تھیں ان کی تلافی بھی کی گئی ہے۔

مزید برآں اس کتاب میں ایسی توثیقات بھی شامل ہیں جو کسی اور معروف کتاب میں موجود نہیں ملتیں، کیونکہ مولف نے انھیں ایسی کتب سے نقل کیا ہے جو اب مفقود شمار ہوتی ہیں۔ اس لحاظ سے یہ کتاب محققین اور محدثین کے لیے نہایت قیمتی مرجع کی حیثیت رکھتی ہے، خاص طور پر ان کے لیے جو کتبِ ستہ سے باہر کے رواۃ پر تحقیق کرتے ہیں۔[1]



[1] دیکھیں: ثقات ابن قطلو بغا کا مقدمہ (۱/۵۰)

تحقیق کا منہج

1 میں نے اس تحقیق میں صفین کی جنگ اور اس کے نتائج پر گفتگو کی ہے۔

جیسے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے موقف، خوارج کا ظہور اور ان کا معاملہ صفین کے بعد، حکمین کا اجتماع، نہروان کی جنگ، معاویہ رضی اللہ عنہ علی رضی اللہ عنہ کے علاقوں پر حملے، علی رضی اللہ عنہ کا شہید ہونا، اور حسن رضی اللہ عنہ کی معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت۔ کیونکہ صفین سے پیدا ہونے والا ہر واقعہ اسی کا ایک جزو ہے اور صفین کے واقعات کی مکمل تصویر انہی اجزاء کے ذریعے واضح ہوتی ہے اس لیے میں نے ان سب کا ذکر کیا ہے۔

2 میں نے اس تحقیق میں اس تجویز کردہ منہج پر عمل کیا ہے جسے میں نے "المقدمة المنهجية" کا نام دیا ہے۔

3 میں نے اپنی استطاعت کے مطابق ان تمام روایات کو جمع کرنے کا اہتمام کیا ہے جن میں دو شرطیں پائی گئی ہیں:

پہلی شرط یہ کہ روایت تحقیق کے موضوع سے متعلق ہو۔

دوسری شرط یہ کہ وہ میری کتاب کی شرط پر پوری اترتی ہو اور وہ شرط ہے: "المقدمة المنهجية التاريخية"

4 میں نے تاریخی روایات کی شرح، ان کی وضاحت اور ان سے حاصل ہونے والے معانی وفوائد کو نمایاں کرنے کا اہتمام کیا اور میں نے تاریخی واقعات کی تفسیر کا بھی اہتمام کیا مگر میں یہ سب کچھ دو اقدامات کے بعد ہی کرتا ہوں:

پہلا قدم: روایات کے تمام طرق اور ان کے الفاظ کو جمع کرنا۔

دوسرا قدم: ان روایات کا ان دوسری ثابت روایات سے موازنہ کرنا جو کسی نہ کسی پہلو سے، قریب یا بعید طور پر، ان سے متعلق ہوں۔

5 تاریخی روایات کی وضاحت اور واقعات کی تفسیر پر حرص کی وجہ سے بعض واقعات کی کہانی کے تسلسل

میں انقطاع پیدا ہوا، مگر میں نے بعض مقامات کی طرف حوالہ دیا ہے اور قصے کے دوسرے حصے کی بابت اس کی نشاندہی بھی کی ہے کہ وہ فلاں نمبر پر موجود ہے۔

6 میں نے بعض مقامات پر گہرے تجزیے اور استنباط کا خاص اہتمام نہیں کیا، کیونکہ ان روایات کا مفہوم خود واضح تھا، اور اس کتاب میں میرا اعلیٰ ترین مقصد یہی تھا کہ تاریخی روایات کے ساتھ تعامل کا ایک علمی منہج مرتب کیا جائے۔ اگر میں صرف اسی کو پیش کرنے میں کامیاب رہا ہوں، تو یہ بذاتِ خود کافی ہے۔ اور جہاں میں نے تحلیل و استنباط کو چھوڑ دیا، وہ ان کے لیے چھوڑا ہے جو میرے بعد آئیں گے، کیونکہ اصل بنیاد منہج کی وضاحت ہے۔

7 میں احادیث اور تاریخی روایات میں وارد ہونے والے غامض مبہم معانی کی وضاحت کرتا ہوں۔

8 میں احادیث اور تاریخی روایات کو ان کے اسانید کے ساتھ ذکر کرتا ہوں اور کتاب کے آغاز سے اختتام تک ان کا مسلسل نمبر بھی دیتا ہوں۔ میں نے اسانید کا ذکر اس لیے کیا ہے، تاکہ ان روایات اور ان کے راویوں کے حالات کو واضح کیا جا سکے، تاکہ حدیث کے علم میں تخصص نہ رکھنے والے بھی ان جمع کردہ روایات کی طرف رجوع کر سکیں۔ نیز اس مجموعے میں جو فوائد شامل ہیں، جیسے راویوں کے حالات اور علتوں کی وضاحت، وہ بھی ان کے لیے قابلِ استفادہ ہوں۔

9 خبر نقل کرنے کے بعد میں حاشیے میں اس کا ماخذ ذکر کرتا ہوں، پھر اس کی روایت کی کیفیت کے مطابق اس پر حکم لگاتا ہوں۔ اگر روایت مقبول ہو تو حاشیے میں اس کی ضعف کی وجہ بیان کرتا ہوں، لیکن وہ بھی محدثین کے منہج کے مطابق۔ پھر اس کے قبول کیے جانے کی وجہ، جیسے: شواہد یا قرائن، ذکر کرتا ہوں اور اگر اس روایت کو علامہ البانی، شیخ شعیب الارناؤط یا دیگر محققین نے اپنی کتابوں یا تحقیقات میں تخریج نہ کیا ہو تو میں خود اس کی تخریج کرتا ہوں، کیونکہ میں دوبارہ وہی محنت نہیں دہرانا چاہتا۔ میں اس روایت کی اسانید اور متون کا مطالعہ کرتا ہوں اور اگر مجھے اہلِ علم کے احکام مل جائیں تو ان کا ذکر بھی کرتا ہوں۔ البتہ اگر روایت صحیحین یا سننِ اربعہ میں ہو، تو اس کی تخریج نہیں کرتا، کیونکہ وہ مشہور ہیں۔

10 جب میں کہتا ہوں: "إسناده جيد" (اس کی سند جید ہے) تو میرا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کی سند حسن سے بلند ہے، لیکن صحیح کے درجے تک نہیں پہنچی۔ یعنی ایسی سند جس میں کوئی راوی صدوق ہو، جسے امام بخاری و مسلم یا ان میں سے کسی ایک نے حجت کے طور پر قبول کیا ہو۔

⑪ جب میں کہتا ہوں: "إسناده صحيح على شرطِ الشيخينِ" یا "على شرطِ أحدِهما" تو میرا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ سند اسی ترتیب پر آئی ہے جس پر صحیح بخاری اور صحیح مسلم یا ان میں سے کسی ایک میں آئی ہو۔ اور "نسقه" (اس کی ترتیب) سے میری مراد ہے: سند میں راویوں کا وہی ترتیب وار سلسلہ جو صحابی تک پہنچتا ہے۔

⑫ میں ایسی خبر کو اس کے تمام الفاظ کے ساتھ ذکر کرتا ہوں جسے مختلف الفاظ میں روایت کیا گیا ہو، مثلاً: امام احمد، امام حاکم اور امام ابو یعلیٰ اسے روایت کریں اور ان کی روایات میں اختلافات یا زیادات ہوں تو میں ان سب کو پے در پے ذکر کرتا ہوں، پھر ان پر تبصرہ کرتا ہوں، ان کی وضاحت کرتا ہوں اور ان کا باہمی تقابل کرتا ہوں اور بعض اوقات اس سے پہلے بھی تبصرہ کر دیتا ہوں۔

⑬ کبھی ایک ہی خبر مختلف الفاظ کے ساتھ روایت ہوتی ہے اور بعض الفاظ میں زیادات بھی ہوتی ہیں تو میں بعض اوقات ان سب کو ایک ہی سیاق میں جمع کر دیتا ہوں، تاکہ بعض الفاظ بعض دوسرے الفاظ کی تکمیل کر سکیں۔ میں ایک معین لفظ کو بنیاد بناتا ہوں، پھر اس میں وہ زیادات قوسین میں داخل کر دیتا ہوں، تاکہ ان کی پہچان ہو سکے لیکن میں نے یہ طریقہ صرف چند ہی مقامات پر اختیار کیا ہے،[1] کیونکہ یہ اصول کے خلاف ہے مگر میں نے سیاق کو واضح کرنے کی ضرورت کے تحت ایسا کیا۔

اور میں نے اس طریقہ کے بارے میں شیخ علامہ محدث عبداللہ السعد سے سوال کیا تو انھوں نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں اگر محقق (یا محقق خبر) اس بات کو واضح کر دے، مثلاً یہ کہ وہ زیادات کو قوسین میں رکھے۔

⑭ میں بعض اوقات ایک خبر کو ایک سے زائد مقامات پر دہرا دیتا ہوں، کیونکہ وہ کئی موضوعات سے متعلق ہوتی ہے۔

⑮ میں نے کوشش کی ہے کہ جب کسی ایک موضوع سے متعلق احادیث و روایات بیان کروں تو انھیں حتی الامکان زمانی ترتیب کے ساتھ مرتب کروں۔

⑯ جب میں مصادر و مراجع کی طرف حوالہ دیتا ہوں تو صرف کتاب کا نام، جزء اور صفحہ نمبر یا حدیث، خبر یا ترجمہ کا نمبر ذکر کرتا ہوں۔ جہاں تک کتاب سے متعلق باقی تفصیلی معلومات کا تعلق ہے، وہ میں نے فہرست مراجع میں درج کر دی ہیں۔

---

[1] مثال کے طور پر ملاحظہ فرمائیں: [رقم: ۶۱، ۴۸۹، ۶۰۴]

17 میں ان ضعیف روایات کا ذکر ان کے موقع پر کرتا ہوں جو شہرت پا چکی ہوں، تا کہ ان کی حقیقت واضح کی جا سکے اور ان کے درجے کی وضاحت ہو جائے۔

18 میں صرف ان واقعات اور حادثات کا ذکر کرتا ہوں جن کا ہمارے تحقیق کے موضوع سے تعلق ہے، تا کہ موضوع اِدھر اُدھر نہ پھیل جائے۔ اسی وجہ سے میں نے عبداللہ بن سبا اور سبئیہ کے بارے میں گفتگو کرنے سے گریز کیا، کیونکہ میں نے پایا کہ یہ ایک ایسا موضوع ہے جو اپنے لیے خاص تصنیف کا محتاج ہے۔ اور عبداللہ بن سبا اور سبئیہ کے بارے میں بہت سی روایات میرے متعین کردہ "المقدمة المنهجية" کے مطابق صحیح ثابت ہوئی ہیں۔

19 جب خوارج اور واقعۂ نہروان کے بارے میں گفتگو کی گئی تو میں نے صرف ان احادیث و روایات کے ذکر پر اکتفا کیا جو صفین اور اس کے بعد کے واقعات سے متعلق ہیں۔ چنانچہ صفین سے پہلے خوارج کے ظہور کی ابتدائی علامات جیسے: ذو الخویصرہ تمیمی[1] کی حدیث، اور خلافت امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں خوارج کے ظہور کی تمہیدی علامات کا ذکر نہیں کیا، کیونکہ وہ اس تحقیق کی زمانی حدود سے باہر ہیں۔

20 جب میں "المحققان" کہتا ہوں تو میری مراد محقق محمد طاہر برزنجی اور تحقیق کے نگران محمد صبحی حسن حلاق ہوتے ہیں۔ اللہ ان دونوں کو جزائے خیر دے۔ جن کی کتاب ہے: صحیح وضعیف تاریخ طبری۔

21 میں شیخین شعیب الارناؤط اور بشار بن عواد بن معروف کی بات "تحرير تقريب التهذيب" سے صرف اس وقت نقل کرتا ہوں جب میں ان دونوں سے متفق ہوتا ہوں۔

22 میں "تاريخ دمشق" اور دیگر کتب سے ایسے نصوص نقل کرتا ہوں جو ان کتابوں سے ماخوذ ہوتے ہیں جو ہمارے زمانے میں مفقودات شمار ہوتی ہیں۔ پس جب میں ان مفقود کتابوں سے کوئی نص نقل کرتا ہوں تو میں صرف مولف اور اس کی مفقود کتاب کا نام ذکر کرتا ہوں، پھر مولف کے بعد کی سند بیان کر دیتا ہوں لیکن ابن عساکر کی اس کتاب مفقود تک پہنچنے والی سند ذکر نہیں کرتا۔ چنانچہ میں یوں کہتا ہوں۔ مثال کے طور پر: [ابن دیزل نے اپنی کتاب "صفین" میں روایت کیا۔ جیسا کہ "تاریخ دمشق" میں ہے۔ کہا: ہمیں بیان کیا ...]

---

[1] میں نے ذوالخویصرہ کا حدیث ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے موقف میں [رقم: ۲۱۶، ۲۱۷] پر ذکر کیا ہے اور امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے موقف میں [رقم: ٦٧] پر بھی، لیکن وہاں ذوالخویصرہ کے معاملے پر کوئی تبصرہ نہیں کیا، صرف ملحق میں اس کا تعارف پیش کیا ہے۔ دیکھیے: [رقم: ٦٢٨] اور اس کے بعد۔

(23) میں کتاب کے بعض حواشی اور اصل متن میں علومِ حدیث اور علل سے متعلق مباحث میں کچھ وسعت اختیار کرتا ہوں، اور اس تحقیق میں اس کے عملی اطلاقات کی طرف بھی حوالہ دیتا ہوں، تاکہ غیر ماہرین بھی حدیثی معلومات تک رسائی حاصل کر سکیں اور ان کو علمِ تاریخ کے میدان میں درکار علومِ حدیث سے اجمالاً روشناس کروایا جا سکے۔

اور میں امید رکھتا ہوں کہ حدیث اور اس کے علوم میں ماہر معزز قاری کشادہ ظرفی سے کام لیں گے، کیونکہ یہ تفصیل ان کے لیے نہیں ہے، ان کے لیے کسی اصطلاح یا اشارہ حدیثی ہی سے مقصد واضح ہو جاتا ہے، کیونکہ وہ اپنے تخصص کی بنا پر مطلب سمجھنے کے لیے اس پر اکتفا کر لیتے ہیں۔

(24) میں نے مقدمۂ منہجیہ کتاب کے آغاز میں اس لیے رکھا ہے تاکہ اس سے فائدہ اٹھایا جا سکے اور میں نے اس کے لیے اسی اپنی کتاب سے عملی مثالیں بھی دی ہیں، جن کی طرف اعداد (نمبرات) کے ذریعے حوالہ دیا ہے۔

(25) کتاب میں، میں نے چھ ضمیمے مختلف مقامات پر شامل کیے ہیں، ان میں سے ایک ضمیمہ ان صحابہ رضی اللہ عنہم کے اسماء پر مشتمل ہے جن کے بارے میں میرے لیے ان کی شرکت (یعنی کسی واقعے میں حاضری) کا معاملہ واضح نہیں ہو سکا۔

- ایک ضمیمہ بعض تابعین کے مشہور واقعات پر مشتمل ہے۔
- ایک ضمیمہ بشر بن غالب الاسدی کا تعارف ہے۔
- ایک ضمیمہ ان ثابت شدہ روایات پر مشتمل ہے جو بعد میں شامل کی گئیں۔
- ایک ضمیمہ ذوالخویصرہ تمیمی کا تعارف ہے۔
- ایک ضمیمہ فضیلۃ الشیخ، علامہ محدث عبداللہ بن عبدالرحمٰن السعد کے مقدمے کا دوسرا حصہ ہے۔

(26) فائدہ مکمل کرنے کے لیے بعض ایسے موضوعات ہیں جو ہماری اس بحث سے تعلق رکھتے ہیں، میں نے انھیں علاحدہ مستقل کتب کی صورت میں پیش کرنے کا فیصلہ کیا، تاکہ وہ ہماری بحث کے مرکزی پہلوؤں کو منقطع نہ کریں۔ میں نے ان کا نام سلسلۂ اخبار صفین رکھا ہے، اور وہ یہ ہیں:

[1] ابوالفرج اصفہانی، مولفِ کتاب "الأغاني" اور "مقاتل الطالبيين" کا تعارف۔

[2] وہ خطبہ جو حسن رضی اللہ عنہ نے بیعت کے موقعے پر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے ارشاد فرمایا۔

[3] وہ خطبہ جو معاویہ رضی اللہ عنہ نے بیعت کے موقعے پر ارشاد فرمایا۔ اور ان تینوں کو میں نے ایک ہی

کتاب میں جمع کیا ہے جس کا عنوان ہے : "خطبة الحسن ومعاويه ﷺ عند البيعة" دراسة نقدية"۔

4 کتاب "تسمية من شهد مع علي بن أبي طالب ﷺ الجمل وصفين والنهروان من أصحاب رسول الله ﷺ" از: عبید اللہ بن ابی رافع الہاشمی (متوفی پہلی صدی ہجری) اس کتاب کا جمع وترتیب اور مطالعہ۔

5 ابن عقدہ کی وہ روایات جو اجلح کے واسطے سے ان صحابہ کے بارے میں حکم پر منقول ہیں جنھوں نے علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگوں میں شرکت کی، ان کا جمع و مطالعہ اور ان دونوں کو میں نے ایک ہی کتاب میں جمع کیا ہے۔

6 کتاب "صفين" از ابن دیزیل۔ میں نے اس کے وہ تمام نصوص جمع کیے ہیں جن پر میرا مطالعہ ہوا۔

7 کتاب "صفين" از یحییٰ بن سلیمان جعفی۔ میں نے اس کے وہ تمام نصوص جمع کیے ہیں جن پر میرا مطالعہ ہوا۔ اور ان دونوں کو بھی میں نے ایک ہی کتاب میں جمع کر دیا ہے۔

اور یہ سلسلہ ان شاء اللہ یکے بعد دیگرے شائع کیا جائے گا۔ اس سلسلے کی پہلی کتاب وہ ہے جو آپ کے ہاتھ میں ہے: "صحيح أخبار صفين، نهروان وعام الجماعة"، اور دوسری کتاب ہے: "مختصر صحيح أخبار صفين، نهروان وعام الجماعة"، پھر اس کے بعد مذکورہ بالا باقی کتب اس سلسلے میں شامل ہوں گی۔



پہلی فصل:

جنابِ علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان اختلافات کی اصل بنیادیں

اس کتاب میں ہمارا اسلوب سوالاً جواباً ہوگا؛

✦ شامی لشکر کس طرح سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی مخالفت پہ آمادہ ہوا؟

اس سوال کا جواب سارے پسِ منظر کو واضح کرتا ہے جو اختلاف ونزاع کی بنیاد ہے، یہ اختلاف کس طرح برپا ہوا اور اس سے کیا کیا اثرات منتج ہوئے؟

اس سوال کا جواب بنیادی طور پر دو بحثوں پہ مشتمل ہوگا:

پہلی بحث: خلیفۂ ثالث سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کے لیے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا ولی بننا۔

دوسری بحث: ان اسباب کی اصل تک پہنچنا جن کے سبب امیرِ شام معاویہ رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کے انکار پر مجبور ہوئے حالانکہ وہ اس وقت واجب تھی۔

پھر ہم ایک تیسری بحث پہ اس کا اختتام کریں گے جس کا موضوع، فتنہ صفین میں اہل السنہ والجماعہ کا موقف ہوگا۔

پہلی بحث:

خلیفۂ ثالث جناب عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کے لیے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا والی بننا

تمام بنو امیہ میں سے قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لینے اور ان کے ولی کے طور پہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام ہی واضح نظر آتا ہے۔ اس بات سے کسی طرف سے کوئی انکار سامنے نہیں آیا۔ بنو امیہ، اولادِ عثمان رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ، یا کسی اور صحابی کی طرف سے کسی قسم کا انکار نہیں ہوا، بلکہ ان میں سے ایک جماعت کا تو واضح طور پر اقرار تھا کہ امیرِ شام کا قصاصِ عثمان رضی اللہ عنہ کا مطالبہ کرنا اور ان کا ولی بننا شرعاً جائز تھا۔ جن میں ابو مسلم خولانی اور ان کے اصحاب، امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، آلِ عثمان و بنو اُمیہ، حضرت نائلہ بنت الفرافصہ رضی اللہ عنہا، ام المومنین ام حبیبہ رملہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہما شامل ہیں۔

مطالبۂ قصاصِ عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ولی بننے کے معاملے میں ابو مسلم الخولانی، ان کی جماعت اور جنابِ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا موقف اگلی روایت سے واضح ہو رہا ہے۔

[1] ابن دیزیل[1] نے اپنی کتاب "صفین" میں اس روایت کو بیان کیا ہے جیسا کہ "تاریخ دمشق" میں ہے، فرماتے ہیں کہ ہمیں یحییٰ نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یعلیٰ بن عبید حنفی نے بیان

---

[1] امام، حافظ، ثقہ، عابد، ابو اسحاق ابراہیم بن حسین بن علی ہمذانی کسائی۔ ابن دیزیل کی کنیت سے مشہور ہیں اور انھیں سوارِیِ عفان کے لقب سے بھی پکارا جاتا تھا، کیونکہ یہ ان کی صحبت میں کثرت سے رہا کرتے تھے اور اسی طرح انھیں صرف "سِیفَنّة" کے لقب سے بھی پکارا جاتا تھا اور "سِیفَنّة"، مصر کے شہروں میں ایک پرندے کا نام ہے جو جس کسی بھی درخت پر بیٹھ جائے تو اس کے پتے گراتا رہتا ہے حتی کہ اسے بالکل ننگا کر دیتا ہے۔ اسی طرح یہ ابراہیم تھے کہ جب وہ اپنے کسی شیخ کی صحبت اختیار کرتے تو جب تک اس کا سارا علم سمیٹ نہ لیتے اس سے الگ نہیں ہوتے تھے۔ امام حاکم کہتے ہیں کہ وہ ثقہ اور مامون راوی ہیں اور امام ذہبی کا کہنا ہے کہ ان پر حافظے کی انتہا ہے۔ ۲۸۱ھ میں فوت ہوئے بحوالہ: سیر أعلام النبلاء (۱۳/۱۳۴)

میں نے پچھلے صفحات میں ان کی کتاب "صفین" کے بارے میں گفتگو کی ہے۔ ملاحظہ ہو: (ص: ۱۱۴)

کیا، وہ کہتے ہیں کہ مجھے میرے باپ نے بیان کیا کہ ابو مسلم خولانی اور ان کے ساتھی جنابِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ علی رضی اللہ عنہ سے جھگڑا کرتے ہیں، کیا آپ ان کے برابر ہو گئے ہیں؟ فرمایا: نہیں اللہ کی قسم! ایسی بات نہیں ہے۔ مجھے پتا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ مجھ سے افضل ہیں اور وہ مجھ سے زیادہ خلافت کے مستحق ہیں لیکن کیا تم نہیں جانتے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مظلوماً شہید کر دیا گیا، جب کہ میں ان کے چچا کا بیٹا ہوں اور میں صرف ان کے لیے قصاص کا مطالبہ کرتا ہوں، تم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور ان سے کہہ دو کہ قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ کو میرے حوالے کر دیں تو میں ان کی بیعت کر لوں گا۔ پھر یہ جماعت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس گئی اور ان سے اس مسئلے میں بات کی، لیکن علی رضی اللہ عنہ نے قاتلین کو ان کے حوالے نہیں کیا۔[2]

---

[2] تاریخ دمشق (۱۳۲/۵۹) کتاب "صفین" از ابن دیزیل [رقم: ۳۳]، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس روایت کی سند کو صحیح کہا ہے۔ آئندہ روایت ملاحظہ ہو۔ یحییٰ سے مراد: ابن سلیمان جعفی ہیں جو بخاری کے رواۃ میں سے ہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تاریخ دمشق لابن عساکر (۳۹۸/۱)

مزید اس روایت کو یحییٰ بن سلیمان الجعفی نے بھی اپنی کتاب "صفین" میں [رقم: ۱۴] کے تحت بیان کیا ہے اور انہی سے ابن دیزیل نے اس روایت کو بیان کیا۔

تخریج: حافظ ذہبی نے اس روایت کو یحییٰ بن سلیمان الجعفی کی کتاب "صفین" سے اسی سند کے ساتھ اپنی کتب تاریخ الإسلام (۵۴۰/۳) اور الخلفاء الرشدین (ص: ۲٦۲) اور سیر أعلام النبلاء (۱۴۰/۳) میں بھی نقل کیا ہے۔ اسی طرح "البدایة والنهایة" (۱۳۸/۸) میں یہی روایت ابو مسلم الخولانی سے بھی نقل ہوئی ہے۔

اور ابن دیزیل نے اپنی کتاب "صفین" [رقم: ٣٤] پر اس روایت کو نقل کیا ہے جیسا کہ یہی روایت تاریخ دمشق (۱۳۲/۵۹) میں بھی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یحییٰ بن سلیمان جعفی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں احمد بن بشیر نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ مجھے اہلِ شام میں سے ایک شیخ نے خبر کی۔ دوسری سند کچھ یوں ہے: یحییٰ بن سلیمان جعفی کہتے ہیں کہ مجھے ہمارے ایک شیخ نے بیان کیا، وہ کلبی سے بیان کرتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابو مسلم خولانی کو بلایا، ان کا شمار اہلِ شام کے بڑے قراء اور عبادت گزاروں میں ہوتا تھا، پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابو مسلم خولانی کے ساتھ مل کر علی کی طرف ایک خط لکھا، اس کے بعد یہی روایت ذکر کی اور اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد کلبی کی سند سے ایک لمبے قصے کا بھی اضافہ کیا ہوا ہے۔

احمد بن بشیر: ان کا نام ابو بکر مخزومی الکوفی ہے۔ آپ مولیٰ عمرو بن حریث مخزومی ہیں۔ صحیح بخاری کے رواۃ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ ان سے ابن حجر رحمہ اللہ نے روایات نقل کی ہیں اور ان کے بارے میں فرمایا کہ صدوق راوی ہیں۔ (التقریب: ۱۳)

اسی طرح ابن عساکر نے "تاریخ دمشق" میں اس روایت کو تکرار کے ساتھ (۳۸۳/۱۴)، (۳۴۴/۱۵) کے تحت ابن دیزیل کی سند سے انتہائی اختصار کے ساتھ روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ابن دیزیل نے کہا: ہمیں ابو سعید یحییٰ بن سلیمان الجوفی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ہمارے ایک شیخ نے کلبی سے بیان کیا، پھر یہ روایت ذکر کی۔

[2] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "فتح الباري" میں اس روایت کو ذکر کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ یحییٰ بن سلیمان الجعفی جن کا شمار امام بخاری رحمہ اللہ کے اساتذہ میں ہوتا ہے، انھوں نے اپنی کتاب "صفین" میں اعلیٰ سند کے ساتھ اس روایت کو ابو مسلم خولانی سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے جنابِ معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا آپ خلافت کے معاملے میں علی رضی اللہ عنہ سے جھگڑا کرتے ہیں یا آپ ان کے برابر ہو گئے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ نہیں، ایسی بات نہیں ہے اور میں اچھی طرح سے جانتا ہوں کہ وہ مجھ سے افضل ہیں اور وہ اس امرِ خلافت کے زیادہ حقدار ہیں، لیکن کیا تمھیں پتا نہیں ہے کہ جنابِ عثمان رضی اللہ عنہ کو مظلوماً شہید کر دیا گیا اور میں ان کے چچا کا بیٹا ہوں اور ولی ہوں۔ میں ان کے خون کا مطالبہ کرتا ہوں، تم علی رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ کو ہمارے سپرد کر دیں۔ پھر وہ ان کے پاس چلے گئے اور اس سلسلے میں ان سے بات کی تو جنابِ علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ پہلے بیعت میں داخل ہوں اور ان کا معاملہ میرے سپرد کریں لیکن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس چیز کو تسلیم نہیں کیا تو علی رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے ساتھ عراق سے چلے، یہاں تک کہ وہ صفین نامی علاقے میں پہنچ گئے اور معاویہ رضی اللہ عنہ بھی شام سے چلے حتی کہ وہ بھی مقامِ صفین تک پہنچ گئے۔ یہ ذی الحجہ ۳۶ھ کا واقعہ ہے، پھر دونوں نے ایک دوسرے سے خط کتابت کی لیکن کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکے اور پھر قتال کا آغاز ہوا۔[1]

ابن دیزیل کی روایت کے الفاظ کچھ یوں ہیں: ''ابو مسلم خولانی اور ان کے ساتھ کچھ اَور لوگ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے گفتگو کی۔ ...لمبی روایت ہے۔'' جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے سوال وجواب کیے تو وہ ان کے موقف کے قائل ہو گئے، تب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تمھیں پتا نہیں ہے کہ جنابِ عثمان رضی اللہ عنہ کو مظلوماً شہید کر دیا گیا ہے، میں ان کے چچا کا بیٹا اور ولی ہوں اور میں ان کے قصاص کا مطالبہ کرتا ہوں۔

جب ابو مسلم خولانی اور ان کے متبعین نے معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ موقف جنابِ علی رضی اللہ عنہ تک پہنچایا تو انھوں

---

[1] فتح الباري (۸٦/۱۳) ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے اور یہی روایت میری تحقیق کے مطابق یحییٰ بن سلیمان الجعفی کی کتاب "صفین" میں [رقم:۱۴۰] کے تحت بھی مذکور ہے۔

تخریج: امام زرقانی نے المواهب اللدنية (۱۴۴/۱۰) کے تحت اس روایت کو ذکر کیا ہے اور فرمایا کہ یحییٰ بن سلیمان الجعفی نے امام بخاری رحمہ اللہ کے شیوخ میں سے کسی شیخ سے اس روایت کو اپنی تالیف "صفین" میں صحیح سند کے ساتھ ابو مسلم خولانی سے ذکر کیا ہے۔

نے کہا کہ وہ بیعت میں داخل ہو جائیں اور ان کا مقدمہ میرے سپرد کر دیں۔ یہ الفاظ جنابِ علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے امیرِ شام رضی اللہ عنہ کے اس دعوے کی تائید کرتے ہیں، جو انھوں نے قصاصِ عثمان رضی اللہ عنہ کے سلسلے میں کیا تھا اور یہ اس بات پر بھی دلالت کناں ہیں کہ امیرِ شام نے جو جنابِ عثمان رضی اللہ عنہ کے ولی ہونے کا دعویٰ کیا تھا اس کو بھی علی رضی اللہ عنہ جائز سمجھتے تھے، اسی لیے انھوں نے کہا کہ وہ یہ مسئلہ میری عدالت میں لے آئیں۔

لیکن جنابِ علی رضی اللہ عنہ نے اس مطالبے کو موخر کیا اور بیعت کے مسئلے کو مقدم رکھا، البتہ انھوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نہ تو اس مطالبے کا ردّ کیا اور نہ ہی انھوں نے جرم کرنے والوں کا اور قاتلین سے قصاص کے مطالبے کو ردّ کیا ان کے پیشِ نظر بس بیعت کی تاخیر کا مسئلہ تھا۔

⦿ حِبر الامہ، ترجمان القران سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے قصاص کے معاملے میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ولایت کو صحیح قرار دیا تھا۔

[3] معمر نے اپنی "الجامع" میں اس روایت کو نقل کیا ہے۔ وہ ایوب سے بیان کرتے ہیں، وہ ابوقلابہ سے اور وہ زہدم سے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: ایک دن ہم عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس تھے تو انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! میں تمھیں ایک ایسی بات بیان کرنے لگا ہوں جو راز کی بات ہے اور نہ ہی اعلانیہ، اور وہ ایسا بھی کوئی راز نہیں ہے کہ میں اسے تم سے چھپا کر رکھوں اور نہ ہی وہ کوئی ایسی اعلانیہ بات ہے کہ میں برسرِ منبر اس کو بیان کر دوں۔ بات یہ ہے کہ جب جنابِ عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا گیا تو میں نے علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ اس چیز سے رُک جائیں، یہ رکنا آپ کو کافی ہو جائے گا لیکن انھوں نے میری بات نہیں مانی۔ اور میرا ان کے بارے میں خیال یہی تھا کہ وہ کامیاب نہیں ہوں گے اور اللہ کی قسم! تم پر ابن ابی سفیان غالب آکر رہے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

﴿ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا ﴾ [بني إسرائيل: ٣٣]

"اور جو شخص مظلوم ہونے کی صورت میں مار ڈالا جائے ہم نے اس کے وارث کو طاقت دے رکھی ہے۔"

اور اللہ کی قسم! خلافت کے معاملے میں قریش تم پر فارس اور روم کی طرح ہی ہوں گے[1] تو میں نے کہا کہ پھر آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں، اگر ہم ایسی صورتحال کا سامنا کر لیں؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ

---

[1] اس سے موروثی بادشاہت مراد ہے، یعنی خلافتِ راشدہ عنقریب ختم ہو جائے گی اور قریش عرب پر فارس و روم کی طرح موروثی بادشاہت قائم کریں گے۔

جو کوئی تم میں سے اس کے مقاصد کو پہچانتے ہوئے اس کو پکڑ لے گا تو وہ نجات پا جائے گا اور جو کوئی اس کی ذمہ داریوں کو جانتے بوجھتے حق نہیں ادا کرے گا تو وہ گزری ہوئی بعض قوموں کی طرح ہلاک ہو جائے گا۔[1]

⦿ البتہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ کہنا: ''اللہ کی قسم! تم پر ابن ابی سفیان غالب آجائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول: ﴿ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطٰنًا ﴾ [بني إسرائيل: ٣٣] ''اور جو شخص مظلوم ہونے کی صورت میں مار ڈالا جائے ہم نے اس کے وارث کو طاقت دے رکھی ہے۔'' اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کے معاملے میں جنابِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ولی بننا ان کے ہاں شرعاً جائز تھا۔

اس آیت کی تفسیر میں امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حبر الامہ، جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیتِ کریمہ: ﴿ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطٰنًا... ﴾ [بني إسرائيل: ٣٣] ''اور جو شخص مظلوم ہونے کی صورت میں مار ڈالا جائے ہم نے اس کے وارث کو طاقت دے رکھی ہے۔'' کی عمومیت سے جناب امیرِ معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا استدلال کیا ہے اور یہ کہ عنقریب وہ اس معاملے میں غالب آجائیں گے،[2] کیوں کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ولی ہیں اور انھیں مظلوماً شہید کر دیا گیا اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مطالبہ بھی یہی تھا کہ قاتلین کو ان کے سپرد کر دیا جائے، کیونکہ وہ اموی ہیں لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس معاملے میں تاخیر فرما رہے تھے، یہاں تک کہ خلافت کے معاملے میں وہ اقتدار حاصل کر لیں اور اس کام کو کر گزریں۔ جب کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ان کا مطالبہ بھی یہی تھا کہ علاقۂ شام ان کے سپرد کر دیں لیکن انھوں نے اس بات پہ انکار کر دیا حتی کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ قاتلین کو ان کے سپرد کر دیں۔ اور ایسے ہی انھوں نے علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے بھی انکار کر دیا، پھر اہلِ شام بھی منکر ہو گئے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ طاقت جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آگئی اور خلافت ان کے سپرد ہو گئی۔[3] جس طرح کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت سے استدلال کیا تھا۔ یہ ایک عجیب معاملہ ہوا۔[4]

---

[1] جامع معمر بن راشد (٢٠٩٦٩)، اس کی سند صحیح ہے، اس کے رواۃ ثقہ ہیں اور شیخین کے رواۃ ہیں۔
ایوب: ابن ابی تمیمہ، کیسان سختیانی۔ ابو قلابہ: عبداللہ بن زید الجرمی۔ زھدم: ابن مضرب الجرمی، ابو مسلم بصری۔

[2] یعنی معاویہ رضی اللہ عنہ خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کے مسئلے میں ولی ہیں، عنقریب وہ مسلمانوں کے خلیفہ اور بادشاہ بن جائیں گے۔

[3] مراد یہ ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے خلیفہ بن گئے۔

[4] تفسير القرآن العظيم (٧/٩)

⦿ جہاں تک جنابِ عثمان رضی اللہ عنہ کی اولاد، ان کی بیوی نائلہ بنت فرافصہ رضی اللہ عنہا، ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اور آلِ بنو امیہ کا تعلق ہے تو:

[4] ابو القاسم البغوی نے "معجم الصحابة" میں اس روایت کو نقل کیا ہے، جیسا کہ "تاریخ دمشق" میں ہے۔ فرماتے ہیں: مجھے ابو الحارث سریج بن یونس نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسماعیل بن مجالد بن سعید نے اپنے باپ سے بیان کیا، وہ شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا تو ام حبیبہ رملہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ کپڑے جن میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا، وہ میری طرف بھیج دیں تو انھوں نے وہ قمیص جو خون میں لت پت تھی، وہ بھیج دی اور ایسے ہی وہ بال جو ان کی داڑھی سے کھینچے گئے تھے، ان بالوں کو قمیص کی بٹن والی جگہ میں باندھ دیا، پھر نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کو بلایا اور وہ لباس اور بال دے کر جنابِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف بھیج دیا تو ان کا خط اور قمیص امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تک پہنچ گئے، جس پر سیدنا معاویہ منبر پر چڑھے، لوگوں کو جمع کیا اور ان کی قمیص کو لوگوں کے سامنے ظاہر کر دیا اور جو کچھ ان کے ساتھ بیتا تھا وہ سب کچھ انھیں بیان کیا، انھیں قصاص کی دعوت دی تو اہلِ شام کھڑے ہو گئے اور انھوں نے کہا کہ وہ آپ کے چچا کے بیٹے تھے، آپ ہی ان کے ولی ہیں اور ہم آپ کے ساتھ ہی ان کے قصاص کا مطالبہ کرتے ہیں، پھر اہلِ شام نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔[1]

[5] ابن سعد کہتے ہیں کہ محمد بن عمر نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ابن ابی سبرہ[2] نے بیان کیا کہ مجھے عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم[3] نے خبر دی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام پر گورنر مقرر کیا جس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا تو ان کی زوجہ نائلہ بنت فرافصہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا اور اس میں وہ ساری چیزیں تفصیل سے بیان کیں کہ کس طرح باغی گروہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہوا اور کیسے انھیں قتل کیا گیا اور وہ قمیص بھی ساتھ ہی بھیج دی جس میں ان کو قتل کیا گیا تھا اور

---

[1] تاریخ دمشق (۱۲۲/۵۹) شواہد کی بنیاد پہ اس روایت کے بعض حصے صحیح ہیں اور بعض قرائن کی بنا پہ مقبول ہیں۔ [رقم: ۱۱۶] پر یہ روایت اپنے شواہد، تخریج اور علماء کے تبصرے کے ساتھ آئے گی۔

[2] ابوبکر بن عبداللہ بن محمد بن ابی سبرہ القرشی۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ یہ بندہ احادیث وضع کیا کرتا تھا اور امام نسائی کہتے ہیں کہ یہ متروک الحدیث ہے۔ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس پر وضعِ حدیث کی بنیاد پہ طعن کیا۔ مصعب زبیری کا کہنا ہے کہ یہ عالم تھا۔ ملاحظہ ہو: الضعفاء والمتروكين للنسائي (ص: ۲۶۲)، ميزان الاعتدال (۵۹۶/۳)، التقريب (۷۹۷۳)

[3] ثقہ راوی ہیں۔ ۱۳۵ھ میں ۷۰ سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ تقريب التهذيب (۳۲۳۹)

اس میں ان کا خون لگا ہوا تھا تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے وہ خط پہلے اہلِ شام کے سامنے پڑھ کر سنایا اور ان کی قمیص کو شام کے لشکروں میں پھرایا گیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بارے میں بتایا گیا اور انھیں بتایا گیا کہ جو کچھ ان کے ساتھ کیا گیا اور جو ان کی حرمت کو حلال سمجھا گیا۔ پھر انھیں عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص پر شوق دلایا تو انھوں نے قصاصِ عثمان کے معاملے میں جنابِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔[1]

امام بغوی کی روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جنابِ عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر والے یعنی ان کی اولاد، بیویاں اور ان کی بیٹیوں نے ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی اس پکار پر لبیک کہا جب انھوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کا وہ قمیص مانگا، تا کہ اس قمیص کو اپنے خط کے ساتھ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف بھیج سکیں، مزید یہ کہ قصاصِ عثمان رضی اللہ عنہ کے معاملے میں وہ ایک اہم کردار ادا کر سکیں یا پھر سادہ الفاظ میں ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کو اشارہ کیا تھا کہ وہ قصاصِ عثمان رضی اللہ عنہ کا معاملہ امیرِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیں، کیونکہ وہ طاقت اور فیصلے میں دوسروں سے بڑھ کر ہیں تو عثمان رضی اللہ عنہ کے اہل و عیال نے اس بات کو قبول کیا اور اس چیز پر اتفاق کیا کہ وہ اپنا معاملہ امیرِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کرتے ہیں۔ پھر عثمان رضی اللہ عنہ کی بیوی نائلہ رضی اللہ عنہا نے امیرِ معاویہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا اور کہا کہ اے معاویہ! بے شک عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر والے آپ سے

---

[1] الجزء المتمم للطبقات الكبرى - الطبقة الرابعة (ص: ۱۳۳ تا ۱۴۰) تحقيق السلومي۔ یہ روایت اپنے شواہد کی بنیاد پہ حسن درجے کی ہے۔ بغوی کی سابقہ روایت اس کی شاہد ہے۔ اس روایت میں سقم اور انقطاع ہے۔ محمد بن عمر سے مراد: واقدی ہے جو متروک ہے۔ یہی روایت [رقم: ۱۱۷] پر اپنے شواہد، تخریج اور تبصرے کے ساتھ آ رہی ہے۔

جنابِ عثمان رضی اللہ عنہ کی قمیص اور حضرت نائلہ کے خط لکھنے کے قصے کی تخریج:

اس قصے کو ابو الفرج الاصبہانی نے "الأغاني" (۱۶/۲۲۲) میں ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ مجھے احمد بن عبدالعزیز جوھری نے (حدثني عمر بن شبه، حدثنا علي بن محمد أبو الحسن المدائني، عن أبي مخنف، عن نمير بن وعله، عن شعبي۔ أبو مخنف عن مسلمة بن محارب، عن حرب بن خالد بن يزيد بن معاوية) کی سند سے بیان کیا اور نائلہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ سے لکھے ہوئے خط کی نص بھی تھی، مگر اس روایت میں شدید سقم ہے۔

نمیر بن وعلہ کا تعارف [رقم: ۲۸۷] کے تحت آئے گا۔

مسلمہ بن محارب: امام بخاری اور ابن ابی حاتم نے اس پر سکوت کیا ہے۔ ابن حبان نے ان کا ذکر ثقات میں کیا ہے۔ التاريخ الكبير (۳۸۷/۷)، الجرح والتعديل (۲۶۶/۸) الثقات (۴۹۰/۷)

ابن عساکر نے اپنی کتاب "الأغاني" (۲۸۲/۳۴) میں اس قصے کو ابو الفرج الاصبہانی سے نقل کیا ہے۔ ابن عبد ربہ نے اس قصے کو ابو الحسن المدائنی عن ابی مخنف عن نمیر بن وعلہ عن الشعبی کی سند سے "العقد الفريد" (۵۰/۵) میں روایت کیا ہے۔ اور سیف بن عمر نے جنابِ عثمان رضی اللہ عنہ کے قمیص اور ان کی انگلیوں کا قصہ ذکر کیا ہے جو آگے آ رہا ہے۔

اس بات کا مطالبہ رکھتے ہیں کہ آپ قصاص کے معاملے میں ان کے وکیل بن جائیں۔ ان کی قمیص اور داڑھی کے بالوں کو خط کے ساتھ ہی روانہ کر دیا، تا کہ وہ اس معاملے میں اپنا غم ان پر واضح کر سکیں، ساتھ ساتھ قاتلین اور ان کے فعل کی شناعت اور خباثت کو بھی واضح کر سکیں اور اُم المومنین رملہ رضی اللہ عنہا نے یہ چیزیں اپنے بھائی معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجنے کا حکم دیا تا کہ درمیان میں قرابت بھی ایک واسطہ بن سکے۔

ابن سعد کی روایت امام بغوی کی روایت کی تفصیل بیان کرتی ہے۔

بغوی کہتے ہیں: ''ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کی طرف پیغام بھیجا ...تو انھوں نے وہ قمیص ان کی طرف بھیج دی۔'' اور ابن سعد کی روایت میں آتا ہے کہ حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا ہی وہ تھی کہ جنھوں نے قمیص اور خط کو نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کی طرف بھیجا تھا اور دونوں روایت کو جمع کریں تو معنی یہ بنتا ہے کہ نائلہ رضی اللہ عنہا نے وہ قمیص اور خط ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی طرف بھیجا، پھر یہی دونوں چیزیں ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کو دیں، تا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس معاملے میں اپنا موقف قائم کر سکیں۔

اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ حضرت نائلہ اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہما دونوں نے ہی وہ قمیص اور خط نعمان رضی اللہ عنہ کو دیا ہو اور انھوں نے ان دونوں سے ہی لیا اور آلِ عثمان اور بنو امیہ میں سے کسی ایک سے بھی اس معاملے میں کوئی اعتراض منقول نہیں ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا مطالبہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کریں اور اس معاملے کو خود دیکھیں۔

اور آلِ بنی امیہ کے بعض لوگوں کی طرف سے یہ بھی وارد ہے کہ وہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو قصاص کے معاملے میں شوق اور رغبت دلایا کرتے تھے اور اس معاملے میں وہ قتال کا بھی کہا کرتے تھے جیسا کہ وہ روایت جو ولید بن عقبہ بن ابی معیط بن ابی عمرو بن امیہ الاموی سے منقول ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ماں کی طرف سے بھائی تھے اور اس معاملے میں ان سے بہت سارے قصیدے[1] بھی منقول ہیں لیکن جو کچھ بھی اس سلسلے میں ان سے منقول ہے اس کی اسناد ٹھیک نہیں ہے۔

---

[1] وقعة صفين لنصر بن مزاحم (ص: ٥٢) عن محمد بن عبيد الله عن الجرجاني، ابن دیزیل نے یہ قصہ اپنی کتاب "صفين" [رقم: ٣٦] -بجمعي وعنايتي- میں، مزید یہ قصہ تاريخ دمشق (١٢٧/٥٩ - ١٣١) میں بھی موجود ہے۔ یہ قصہ البداية والنهاية (١٣٨/٨) میں (حدثنا أبو سعيد يحيى بن سليمان الجعفي، نا نصر بن مزاحم، نا عمر بن سعد الأسدي، عن نمير بن وعلة عن عامر الشعبي) کی سند سے نقل ہوا ہے۔
یہ قصہ ابن دیزیل نے اپنی کتاب "صفين" میں [رقم: ٣٥] (نا عبدالله بن عمر، نا عمرو قال: سمعت الوليد البجلي، قال: قال الوليد بن عقبة: ...) کی سند سے نقل کیا ہے۔ ایسے ہی یہ تاريخ دمشق (٢٣٣/٦٥) میں بھی موجود ہے۔

سیف بن عمر نے ایک قصہ نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں: امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید بن شجعہ حمیری[1] کو ایک ہزار شاہ سواروں کے ساتھ جنابِ عثمان رضی اللہ عنہ کی مدد اور حمایت کے لیے بھیجا۔ یزید بن شجعہ ان سواروں کو لے کر شام سے مدینہ کی طرف چل نکلے، پھر ان کے پیچھے جنابِ معاویہ رضی اللہ عنہ نے حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ جب یزید بن شجعہ خیبر اور سقیا[2] کے درمیانی علاقہ میں پہنچے تو انھیں پتا چلا کہ جنابِ عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا، پھر انھیں نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما ملے اور ان کے پاس عثمان رضی اللہ عنہ کی قمیص اور نائلہ رضی اللہ عنہا کی انگلیاں بھی تھیں، پھر یزید بن شجعہ حبیب بن مسلمہ کی طرف واپس چلے گئے اور ان کے ساتھ ہی نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ یزید نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کو معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا اور خود حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے علاقے میں انتظار کرتے رہے تا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے کا انتظار کر لیں، پھر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے ان کے پاس پہنچی کہ وہ شام میں واپس آ جائیں۔ حبیب رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے ساتھ دمشق واپس چلے گئے۔[3]

---

[1] ابن عساکر نے ان کا تعارف لکھا ہے، کہتے ہیں کہ یزید بن شجعہ الحمیری اہلِ دمشق میں شامل ہیں، یہ اس لشکر میں شامل تھے جو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں جناب عثمان رضی اللہ عنہ کی مدد کے لیے بھیجا تھا۔ تاریخ دمشق (٢٣٣/٦٥)

[2] سقیا: یہ مقام میری تحقیق میں واضح نہیں ہو سکا۔ یاقوت حموی نے اس نام کے تحت بہت سے علاقوں کا نام ذکر کیا ہے، امام ابو داود نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت نقل کی ہے: ''ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے میٹھا پانی سقیا کے گھروں سے لایا جاتا تھا۔'' قتیبہ کہتے ہیں: سقیا ایک چشمے کا نام تھا جو مدینے سے دو دن کی مسافت پر تھا۔ مسند کے محققین نے اس روایت پہ کلام کیا ہے۔ جبکہ امام البانی رحمہ اللہ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ شعیب الارناؤط کہتے ہیں: اس کی اسناد جید ہے۔ تفصیل دیکھیے: مسند أحمد (٢٤٦٩٣) سنن أبي داود (٣٧٣٥) معجم البلدان (٢٢٧/٣) مشكاة المصابيح (٤٢٨٤)

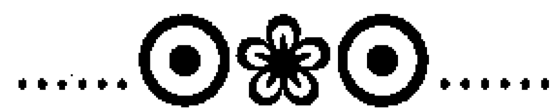
[3] تاريخ الطبري (٧٠/٣) میں "عن سري بن يحيى، عن شعيب بن إبراهيم، عن سيف بن عمر، عن محمد وطلحة" کی سند سے اس کو بیان کیا اور اس پہ سکوت کیا ہے، جبکہ اس کی سند ضعیف ہے۔
ابو طاہر المخلص نے "المخلصيات" میں اس روایت کو ابو الحسین، ابن نقور سے نقل کیا ہے۔ یہ روایت تاريخ دمشق (٣٧٨/٣٩- ٣٧٩)، (٢٣٤/٦٥)، المنتظم (٧٧/٥) میں "نا أبو بكر بن سيف، أنا السري بن يحيى، أنا شعيب ابن إبراهيم، أنا سيف بن عمر، عن أبي حارثة وأبي عثمان قالا: ..." کی سند سے طبری کی روایت کی مثل نقل کی ہے۔ ابن عساکر نے ایک اور جگہ پر اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔ دیکھیے: تاريخ دمشق (١٢١٠/٢)

یہ روایت میرے منہج اور معیارِ تحقیق پر تو پوری نہیں اترتی لیکن میں نے صرف معلومات اور تعارف کی غرض سے اس کو نقل کر دیا ہے۔

میں یہ کہتا ہوں کہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا گیا تو جنابِ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ دمشق میں تھے اور جب ان کی قمیص ان کے پاس پہنچی تب بھی وہ دمشق میں تھے۔

عنقریب میں ذکر کروں گا[1] کہ جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی قمیص کو لشکروں میں لہرایا اور پھرایا تھا تب وہ مقامِ ایلیاء[2] پر تھے اور وہ خطباء کے اجتماع کا وقت بھی تھا۔ اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دمشق سے ایلیاء چلے گئے تھے اور جب یہ خبر انھیں ملی تھی تو وہ ایلیاء میں موضع جمل نامی علاقے میں موجود تھے۔

یہ وہ کیفیت تھی جس میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ولی ہونے کا دعویٰ کیا اور اس کے بعد صحابہ کرام اور دیگر حضرات نے اس معاملے میں ان کی حمایت کی۔



---

① دیکھیے: [رقم: ۱۱۶]

② ''بیت المقدس'' کے شہروں میں سے ایک شہر کا نام ''ایلیاء'' ہے۔ معجم البلدان لیاقوت الحموي (۱/۲۹۳)
امام مسلم نے اپنی صحیح میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''صرف تین مساجد کی طرف سفر کیا جا سکتا ہے: بیت اللہ، مسجدِ نبوی اور مسجدِ ایلیاء۔''

دوسری بحث:

وہ اسباب جن کے سبب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کو موخر کیا، حالانکہ اس وقت وہ واجب تھی

ہم شروع میں فقط ان اسباب کا ذکر کریں گے پھر ان کے دلائل اور ان دلائل پر علماء کی تعلیقات کا ذکر کریں گے۔

اسباب:

1 سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے بیعت سے پہلے ہی قصاص کا مطالبہ کر دیا تھا جس پر علی رضی اللہ عنہ نے انکار کیا، پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کو ساتھ لے کر علاقۂ شام میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف چل پڑے۔

2 امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث سنی تھی جس میں ایک گروہ کا ذکر ہے کہ وہ ہمیشہ حق پر رہے گا اور انھیں رسوا کرنے والا رسوا نہیں کر سکے گا تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ اس گروہ سے مراد اہلِ شام ہیں جو امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا مطالبہ کر رہے ہیں۔

3 ذخیرۂ احادیث میں بہت ساری احادیث ایسی ہیں جس میں جنابِ عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے پیروکاروں کی صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ حق اور ہدایت پر کھڑے ہوں گے اور کچھ احادیث میں عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ مضبوطی سے کھڑے ہونے کا اور ان کی حمایت کرنے کا بھی حکم دیا گیا ہے تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ان کے خون کا مطالبہ کرنے والے اور ان کے پیروکار یہی لوگ احادیث سے مقصود ہیں اور ان کے قصاص کا مطالبہ کرنا یہی حق بات اور درست بات ہے۔

4 کچھ اَور بھی احادیث ہیں جن میں ذکر ہے کہ جنابِ عثمان رضی اللہ عنہ کو ظلماً شہید کر دیا جائے گا اور ان کو قتل کرنے والے ظالم اور منافق ہوں گے، پھر وہ سارے قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ جنابِ علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شریک ہو گئے تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہلِ شام کی رائے کے مطابق وہ لشکر جس میں قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ

ملے ہوئے تھے وہ حق سے کوسوں دور تھا، باوجودیکہ ان میں کچھ ایسے بھی لوگ تھے کہ جن کے ساتھ حق اور ہدایت کا وعدہ کیا گیا تھا۔[1]

5 جس وقت فتنے بے بہا ہو جائیں تو نبی ﷺ نے شام اور شامی لشکر کے ساتھ ملنے کی وصیت کی تھی حالانکہ اس وقت عراق، شام اور یمن کے لشکر بھی ہوں گے۔

6 آخری اور سب سے اہم سبب شام کے خطباء کا ایلیاء شہر (بیت المقدس) کی ایک مسجد میں قمیصِ عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس اجتماع کرنا ہے۔ اس بات کا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہلِ شام پر بڑا اثر یہ ہوا کہ خطباء کے اس اجتماع میں وہ راوی موجود تھے جنھوں نے مذکورہ روایات بیان کی تھیں۔ تو ہم تک بعض صحیح خبریں ایسی بھی پہنچی ہیں ان میں سے بعض راویوں نے ان لوگوں کے سامنے جنھیں یہ واقعہ معلوم نہیں تھا ساری روایات بیان کر دیں، تو یہ ایک بدیہی چیز تھی کہ اس کا بہت بڑا اثر ہوتا۔

ان خطباء کا اجتماع ہی وہ بنیادی رکن ہے کہ جس کی وجہ سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس بات پر مزید پختہ ہو گئے اور اس چیز پر وہ مزید سختی سے جم گئے کہ ان کا اور اہلِ شام کا موقف ہی اصل حق ہے تو اس وجہ سے جو اختلافات ہوئے سو ہوئے۔

یہ بات ذہن میں رہے کہ چھٹے سبب میں موجود روایات تیسرے سبب میں بھی ذکر کی جا چکی ہیں۔

دلائل

پہلا سبب:

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا بیعت سے پہلے قصاص کا مطالبہ کرنا:

جناب امیرِ شام نے بیعت سے قبل امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین سے قصاص کا مطالبہ کیا، یا پھر یہ کہ ان کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا جائے تاکہ وہ خود ان سے قصاص لے لیں۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ تھی کہ قصاص سے قبل بیعت واجب نہیں ہے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ اگر انھوں نے قصاص لینے سے پہلے ہی جنابِ علی رضی اللہ عنہ کی بیعت

---

[1] تنبیہ: یہ صرف ایک شخصی رائے نہیں ہے بلکہ اس فتنے میں جناب امیرِ شام اور اہلِ شام کے موقف کی مزید وضاحت ہے۔ اہل السنہ والجماعہ کا موقف یہ ہے کہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ اس مسئلے میں اقرب الی الحق تھے۔ ان اختلافات پر چپ رہنا ہی سب سے بہتر ہے لیکن حق کا بھی ایک مناسب موقع و محل ہوتا ہے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے کا جواب بھی آگے آئے گا۔ ان شاء اللہ۔

کر لی تو قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ ، جو علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل تھے، آسانی سے شام پر قبضہ کر لیں گے اور امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کا خون ضائع رائے گاں جائے گا۔ اور وہ اس کا مطالبہ کرنے سے بھی عاجز آ جائیں گے اور پھر کئی بار انھوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے پیروکاروں سے قتال بھی کیا تا کہ وہ قصاص کا مطالبہ کرنے والوں سے نجات حاصل کر سکیں[1] تو اس لیے اہلِ شام اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان مجرموں سے نجات حاصل کرنے سے پہلے بیعت کا انکار کر دیا، تا کہ ان کا شر اور فساد شام تک نہ پھیل جائے۔ اور جب لوگوں نے مدینہ میں علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تو اس کے بعد انھوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا جس میں شام کی امارت چھوڑنے کا کہا گیا تھا۔

نصر بن مزاحم نے اس روایت کو نقل کیا ہے کہ جب عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا گیا اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا خط پہنچا جس میں شام کی امارت کو چھوڑنے کا ذکر تھا...۔[2]

لیکن علی رضی اللہ عنہ نے قصاص میں جلدی کرنے کے معاملے کا انکار کر دیا، ان کی رائے یہ تھی کہ جب تک حکومتِ اسلامیہ استقرار نہ پکڑ جائے اور معاملات درست نہ ہو جائیں اور لوگوں کا کلمہ ایک نہ ہو جائے قصاص کو اس وقت تک موخر رکھا جائے۔[3]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا تاخیر کرنا دو اسباب کی وجہ سے تھا:

- پہلا سبب یہ کہ تاخیر کر کے فتنوں کی سرکوبی کرنا مقصود تھا۔
- دوسرا یہ کہ وہ اچھی طرح سے عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو نہیں جانتے تھے، اس لیے انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! مجھے یہ پسند ہے کہ اگر بنو امیہ اس بات پر راضی ہو جائیں تو میں بنی ہاشم سے ۵۰ آدمی پیش کر سکتا ہوں جو اس چیز پر قسم اٹھا سکتے ہیں کہ نہ ہم نے عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا اور نہ ہی ان کے قاتلین کو جانتے تھے۔[4]

دوسرا سبب:

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ روایت سنی تھی جس میں ایک گروہ کا ذکر ہے کہ جو ہمیشہ حق پر

---

[1] ”سيرة أمير المومنين علي بن أبي طالب رضی اللہ عنہ“ از دکتور علی محمد صلابی (ص: ۴۶۷)

[2] ملاحظہ ہو: [رقم: ۱۱] یہ روایت اپنے شواہد کے سبب صحیح ہے۔

[3] ملاحظہ ہو: [رقم: ۱،۲] أحكام القرآن لابن العربي (۱۵۰/٤)، فتح الباري لابن حجر (۲۸٤/۱۲) ”أسمى المطالب في سيرة أمير المومنين علي بن أبي طالب رضی اللہ عنہ“ (۵۱۳/۱) از دکتور علی محمد صلابی، مکتبہ صحابہ، شارقہ۔

[4] سنن سعيد بن منصور (۲۹٤۲) اس کی سند صحیح ہے۔ مزید دیکھیے: عصر الخلافة الراشدة (ص: ٤٤٤)

قائم و دائم رہے گا اور انھیں نقصان پہنچانے والا ذرہ بھر بھی ان کا نقصان نہ کر سکے گا، تو انھوں نے سمجھا کہ اس گروہ سے مراد اہلِ شام ہیں جو امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا مطالبہ کرتے ہیں۔

[6] امام احمد رحمہ اللہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے۔ عمیر بن ہانی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو اس منبر پر سنا، وہ فرما رہے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: میری امت میں سے ایک گروہ[1] ہمیشہ اللہ کے امر (دین) کے ساتھ کھڑا رہے گا اور انھیں بے یار و مددگار چھوڑنے والا، یا ان کی مخالفت کرنے والا انھیں ذرہ بھر بھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا، یہاں تک کہ اللہ کا امر (دین غالب) آ جائے گا اور وہ لوگوں پر غالب ہوں گے۔ اس پر مالک بن یخامر السکسکی کھڑے ہو کر کہنے لگے: امیر المومنین! میں نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ اس گروہ سے مراد اہلِ شام ہے، تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بآوازِ بلند کہا: یہ دیکھو! مالک بن یخامر یہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے خود معاذ رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ اس گروہ سے مراد اہلِ شام ہیں۔[2]

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ خطبہ ان کی خلافت کے زمانے میں دمشق میں ہوا تھا، یعنی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ان کی بیعت کر لینے کے بعد، کیوں کہ مالک بن یخامر نے اس کے دوران میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو یا امیر المومنین کہہ کر مخاطب کیا ہے۔ ابن عساکر نے مالک بن یخامر کے تعارف میں لکھا ہے کہ وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس خطبے میں حاضر تھے۔[3]

---

[1] امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس گروہ کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ وہ اہلِ علم ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا فرمان ہے: اگر اس سے مراد اہلِ حدیث نہیں ہیں تو پھر میں نہیں جانتا کہ کون ہیں؟ قاضی عیاض رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ اہلِ حدیث سے امام احمد رحمہ اللہ کی مراد اہل السنہ والجماعۃ ہیں اور جو کوئی محدثین کے منہج پر ہیں وہ مراد ہیں۔ میں (نووی) یہ کہتا ہوں کہ یہاں اس بات کا بھی احتمال موجود ہے کہ یہ طائفہ مومنین کے مختلف گروہوں میں پھیلا ہوا ہے۔ اس میں جہاد کرنے والے بہادر لوگ، فقہائے کرام، محدثینِ عظام، زھاد، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے اور اہلِ خیر کے دوسرے گروہ شامل ہیں۔ اس حدیث سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ یہ سارے کے سارے اکٹھے ہوں گے بلکہ یہ زمین کے مختلف حصوں میں پھیلے ہوئے ہوں گے۔ المنهاج شرح صحيح مسلم (٦٦/١٣- ٦٧)

[2] مسند أحمد (١٦٩٣٢) شعیب ارناؤط رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے اور امام البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھیے: السلسلة الصحيحة (١٩٥٨)

تخریج: صحيح البخاري (٣٤٤٢)، (٧٠٢٢)، مسند أبي يعلى (٧٣٨٣)، مسند أبي عوانة (٧٥٠٢)، مسند الشاميين للطبراني (٥٥٤)، شرح أصول الاعتقاد للالكائي (١٦٥، ١٦٦)، حلية الاولياء لأبي نعيم (١٥٨/٥) **عبدالرحمان بن یزید بن جابر** کے واسطے سے معاذ رضی اللہ عنہ کے قول کے ذکر کے ساتھ، اور اس کی مکمل تخریج "المسند" میں ملاحظہ ہو۔

[3] تاريخ دمشق (٥١٨/٥٦)

اس حدیث سے ہماری دلیل یہ ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اور جب اس حدیث کے ساتھ دوسری احادیث شامل ہوگئیں جو اگلے اسباب میں ذکر کی جائیں گی تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مضبوط رائے یہی تھی کہ اس حدیث سے اہلِ شام مراد ہیں، جو خلافتِ علی رضی اللہ عنہ میں پہلے عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا مطالبہ کر رہے ہیں اور بیعت کو موخر کر رہے ہیں۔

اس دلیل کی بنیاد پر سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے منبر پر بآوازِ بلند جنابِ معاذ رضی اللہ عنہ کا یہ قول سنایا تو حدیث کے اس فہم نے جنابِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے موقف کو مزید مضبوط کر دیا کہ خلافتِ علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بیعت سے پہلے قصاص کا مطالبہ کرنا ہی درست ہے اور اس خبر سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ مالک بن یخامر بھی اس حدیث کا وہی مطلب سمجھتے تھے جو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سمجھا تھا۔ اس حدیث سے ایک اَور بھی اضافی فائدہ حاصل ہو رہا ہے جو ان شاء اللہ اپنے مناسب موقع ومحل پر ذکر کروں گا۔[1]

تیسرا سبب:

وہ احادیث جن میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے متبعین کو حق اور ہدایت پر گامزن قرار دیا گیا ہے اور کچھ دوسری احادیث جن میں جنابِ عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے موقف کو مضبوطی سے پکڑنے کا حکم دیا گیا ہے اور ان کے دست و بازو بننے کا حکم ہے۔

اور اس سبب میں وہ چھٹا سبب بھی داخل ہے: شام کے علاقے میں خطباء کا اجتماع ہونا اور ایلیاء میں ایک مسجد میں جنابِ عثمان رضی اللہ عنہ کی قمیص پر خطیب لوگوں کا اکٹھا ہونا، اس بات کا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہلِ شام پر ایک گہرا اثر ہوا۔

[7] امام احمد رحمہ اللہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے، ابو الاشعث بیان کرتے ہیں کہ خطباء لوگ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت وخلافت[2] میں ایلیاء کے مقام پر جمع ہوئے[3] اور انھوں نے اپنے اپنے خیالات کا

---

[1] ملاحظہ ہو: [رقم: ۱۴۱]

[2] یعنی جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ شام پر امیر تھے۔ یہ اجتماع شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد کا واقعہ ہے، جیسا کہ اس پر آئندہ چار احادیث دلالت کر رہی ہیں۔ حتمی بات یہ ہے کہ یہ اجتماع واقعۂ جمل کے بعد کا ہے جیسا کہ ان روایات سے واضح ہے: [رقم: ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۵]

[3] ابن ابی عاصم کی روایت میں ذکر ہے کہ اجتماع ''مرج صالوجا'' کے مقام پہ ہوا تھا لیکن اس جگہ کا ذکر کتبِ بلدان میں کہیں بھی نہیں ہے، یہ ایک خطا ہے۔ صحیح روایات میں ایلیاء کا ذکر ہی ملتا ہے۔ ملاحظہ ہو: الأحاد والمثاني لابن أبي عاصم (۱۳۸۱) اس روایت کے آخر میں آتا ہے کہ جب مرہ بن کعب نے لوگوں کے سامنے یہ حدیث بیان کی تو ←

اظہار کیا اور سب سے آخر میں مرہ بن کعب [1] نے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور کہا کہ ایک حدیث اگر میں نے رسول اللہ ﷺ سے نہ سنی ہوتی تو میں کبھی بھی کھڑا نہ ہوتا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، وہ ایک فتنے اور اس کے قریب ہونے کا ذکر کر رہے تھے،[2] اس دوران میں ایک آدمی سر ڈھانپے ہوئے گزرا، نبی ﷺ نے فرمایا کہ یہ بندہ اور اس کے ساتھی اس دن حق اور ہدایت پر ہوں گے۔ تو میں نے کہا: یا رسول اللہ یہ شخص؟ -اور ساتھ ہی اس کا چہرہ جنابِ رسول اللہ ﷺ کی طرف موڑ دیا- تو میں نے دیکھا کہ وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔[3]

[8] ابو قلابہ بیان کرتے ہیں کہ جب عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا تو خطباء لوگ ایلیاء میں جمع ہوئے اور ان میں سب سے آخر میں نبی ﷺ کے صحابہ میں سے ایک آدمی جسے مرہ بن کعب کہا جاتا تھا وہ کھڑا ہوا اور اس نے کہا کہ اگر میں نے اس حدیث کو نہ سنا ہوتا، جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے، تو میں کبھی بھی کھڑا نہ ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک فتنے کا ذکر کیا، (میرا گمان ہے انھوں نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ فتنہ انتہائی قریب ہے۔ اسماعیل راوی نے اس میں شک کا اظہار کیا) پھر ایک آدمی جو چادر اوڑھے ہوئے تھا اس کا گزر وہاں سے ہوا، نبی ﷺ نے کہا کہ یہ بندہ اور اس کے ساتھی اس دن حق پر ہوں گے تو میں ان کے پیچھے چلا اور ان کو کندھے سے پکڑ لیا، جب میں نے ان کا چہرہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے کیا تو میں نے کہا: یا رسول اللہ! یہ آدمی؟ فرمایا: ہاں، یہی بندہ ہے۔ تو وہ جنابِ عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔[4]

← سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی خوش ہوئے، لوگ بھی بہت زیادہ خوش ہوئے۔ عبداللہ بن صالح کاتب اللیث کے سبب یہ روایت ضعیف ہے، اس کا تعارف کتاب "خطبة الحسن ومعاوية رضي الله عنهما عند البيعة" میں [رقم: ۳۵] پر آئے گا۔ السنة لابن أبي عاصم (۱۲۹۵) میں یہ روایت اختصار کے ساتھ ذکر ہوئی ہے۔

[1] ان کے نام میں کعب بن مرہ بولا جاتا ہے۔

[2] یعنی اس فتنے کا ظہور قریب ہی ہے، اسلامی تاریخ میں سب سے پہلا فتنہ جنابِ عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا ہے۔

[3] مسند أحمد (۱۸۰۶۸)، ابو الاشعث سے مراد شراحیل بن آدہ الصنعانی ہے، اس روایت کو شعیب ارناؤط اور امام البانی نے صحیح قرار دیا ہے۔ (السلسلة الصحيحة: ۳۱۱۹)
امام حاکم نے اس روایت کو (۴۵۵۲) عفان بن مسلم عن وہیب بن خالد کی سند سے ان الفاظ سے بیان کیا ہے: "یہ آدمی اس دن ہدایت پر ہوگا" اور کہا کہ یہ حدیث شیخین کی شروط پہ صحیح ہے، لیکن انھوں نے اس کو روایت نہیں کیا۔ امام ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

[4] مسند أحمد (۱۸۰۶۰)، شعیب ارناؤط نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

[9] ابوبکر القطیعی نے "الفضائل" نامی کتاب میں اپنی زیادات میں اس روایت کو نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابراہیم نے بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سلیمان بن حرب نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں حماد بن زید نے بیان کیا، وہ ایوب سے اور وہ ابو قلابہ سے بیان کرتے ہیں اور ابو قلابہ ابو اشعث سے بیان کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میں نے فتنوں کے وقت شام میں خطباء کو سنا تو ایک بندہ ان میں کھڑا ہوا جسے مرہ بن کعب کہا جاتا تھا یا ابن کعیب کہا جاتا تھا تو اس نے کہا کہ اگر میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث نہ سنی ہوتی تو میں کھڑا نہ ہوتا۔ بے شک میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا کہ آپ ﷺ ایک فتنے کا ذکر کر رہے تھے، پھر ایک آدمی چادر اوڑھے وہاں سے گزرا تو نبی ﷺ نے کہا کہ یہ بندہ اور اس کے ساتھی اس دن ہدایت پر ہوں گے تو وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے۔[1]

[10] امام احمد رحمہ اللہ نے اس روایت کو بیان کیا ہے، کہتے ہیں کہ ہمیں عبدالرحمٰن بن مہدی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں معاویہ نے بیان کیا، وہ سلیم بن عامر سے اور وہ جبیر بن نفیر سے بیان کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ہم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد امیرِ شام سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں تھے تو کعب بن مرہ بہزی کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ ایک چیز جسے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ اگر میں نے اسے نہ سنا ہوتا تو میں اس جگہ پر کھڑا نہ ہوتا، جب انھوں نے[2] رسول اللہ ﷺ کا ذکر سنا تو لوگوں کو بٹھا دیا۔ پھر انھوں نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے، اسی دوران میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ چادر لپیٹے ہوئے وہاں سے گزرے، بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے ان دونوں قدموں کے نیچے سے فتنے نکلیں گے، یا فرمایا کہ میری دونوں ٹانگوں کے نیچے سے فتنے نکلیں گے تو یہ شخص اور اس کے پیروکار اس وقت ہدایت پر ہوں گے۔ پھر فرمایا کہ ابن حوالہ ازدی نے منبر کے قریب ہی کھڑے ہو کر کہا کہ آپ ہی اس کے ساتھی ہیں؟ انھوں نے کہا: بالکل ہوں، کہا اللہ کی قسم! میں (بھی) اس مجلس میں حاضر تھا اور اگر مجھے علم ہوتا کہ اس لشکر میں کوئی میری تصدیق کرنے والا ہے تو میں سب سے پہلے اس پر گفتگو کرتا۔[3]

---

[1] زيادات القطيعي على فضائل الصحابة لأحمد بن حنبل (٨٢٥)
ابراہیم سے مراد: ابومسلم ابراہیم بن عبداللہ بصری الکجی ہیں۔

[2] یعنی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سنا، جیسا کہ المعجم الكبير للطبراني (٢٠/٣١٦) اور مسند الشاميين (١٩٧٣) میں اس کی صراحت موجود ہے۔

[3] مسند أحمد (١٨٠٦٧) اس کی سند صحیح اور رواۃ ثقہ ہیں۔ امام البانی رحمہ اللہ نے السلسلة الصحيحة (٣١٩/٧) میں اس کو امام مسلم کی شروط پہ صحیح کہا ہے۔

[11] نصر بن مزاحم کہتے ہیں کہ ہمیں صالح بن صدقہ نے بیان کیا، وہ ابن اسحاق سے وہ خالد الخزاعی اور دوسرے راویوں سے بیان کرتے ہیں جن پر کوئی تہمت نہیں ہے۔ کہ جب عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا گیا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا خط امیرِ شام سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا جس میں شام کی امارت کو چھوڑنے کا ذکر تھا تو معاویہ رضی اللہ عنہ باہر نکلے اور مسجد کے منبر پر چڑھ گئے، پھر لوگوں کو جمع کرنے کے لیے اعلان کیا گیا۔ جب لوگ مسجد میں آگئے تو انھوں نے لوگوں سے خطاب کیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر درود پاک کا ہدیہ پیش کیا، پھر کہا: اہلِ شام تم جانتے ہو کہ میں امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا خلیفہ [1] ہوں اور عثمان رضی اللہ عنہ کا خلیفہ ہوں، جب کہ انھیں ظلماً شہید کر دیا گیا ہے اور تم جانتے ہو کہ میں ان کا ولی ہوں۔ اور اللہ رب العزت اپنی کتاب میں فرماتے ہیں:

﴿ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا ﴾ [بني إسرائيل: ٣٣]

''اور جو شخص مظلوم ہونے کی صورت میں مار ڈالا جائے ہم نے اس کے وارث کو طاقت دے رکھی ہے۔''

اور مجھے یہ بات پسند ہے کہ قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو رائے تم رکھتے ہو وہ بھی میرے علم میں آ جائے، پھر کعب بن مرہ سلمی کھڑے ہوئے، اور اس وقت مسجد میں چار سو کے لگ بھگ اصحابِ رسول بھی موجود تھے اور کہا: اللہ کی قسم! میں اپنی اس جگہ پر کھڑا ہوں اور مجھے یہ بھی پتا ہے کہ تم میں سے بہت سارے ایسے ہیں جو مجھ سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت رکھتے ہیں لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ایسی چیز سن رکھی ہے، میں ایک ایسی مجلس میں حاضر تھا جس میں تم حاضر نہیں تھے اور ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس زوال کے وقت میں شدید گرمی میں حاضر تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عنقریب ایک فتنہ پیدا ہوگا'' تو اسی دوران میں ایک آدمی اپنے سر کو ڈھانپے ہوئے گزرا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ بندہ اس دن ہدایت پر ہوگا۔'' میں کھڑا ہوا تو میں نے اس بندے کا کندھا پکڑا اور اس کے سر کو موڑا تو وہ جنابِ عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔ میں نے ان کا چہرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کر دیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! یہ بندہ؟ فرمایا کہ ہاں بالکل یہی بندہ ہے۔ اس بات پر اہلِ شام نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اتفاق کر لیا اور خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کے

← تخریج: عمر بن شبہ نے تاریخ المدینة (٣/١١٠٣) میں اس روایت کو معاویہ بن صالح کی اسناد سے روایت کیا ہے، اس میں آتا ہے کہ جب معاویہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سنا تو لوگوں کو بٹھا دیا۔

[1] یعنی عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما کی طرف سے شام کے گورنر تھے۔

قصاص کے معاملے میں ان کی بیعت کر لی، جبکہ وہ خلافت کی تمنا بھی نہیں رکھتے تھے، پھر یہ معاملہ باہمی مشورے سے طے پایا۔[1]

[1] وقعة صفین (ص: ۸۱- ۸۲)، یہ حدیث اپنے شواہد کی بنیاد پر صحیح ہے، سوائے اس میں جو ۴۰۰ صحابیوں کا ذکر ہے اس عدد کا کوئی شاہد مجھے نہیں ملا۔ اس سند میں تھوڑی بہت کمزوری ہے اور اس سند کے راویوں میں سے میں کسی کو بھی نہیں جانتا۔ یہ حدیث تکرار کے ساتھ [رقم: ۱۱۱] پر بھی آئے گی۔ اس روایت میں اس تاریخی حادثے کی تفصیل سے وضاحت ہے اور کعب بن مرہ رضی اللہ عنہ کے کھڑے ہونے اور ان کے خطبے کی بھی وضاحت ہے۔

سب سے عجیب بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ نصر بن مزاحم نے اس روایت کو کامل تنقیح کے ساتھ نقل کر دیا ہے اور اس میں کسی بھی طرح ملاوٹ، کوئی اضافہ یا صحابہ پر جرح نہیں کی۔ اس بات پر اللہ رب العزت کا بے حد شکر ہے جس نے حق اس کی زبان پہ جاری کر دیا۔

شواہد: جمل کے حادثہ کے بعد خطباء لوگوں کے جمع ہونے اور کعب بن مرہ رضی اللہ عنہ کے خطبہ دینے پر ایک مرفوع روایت ہے، سابقہ گزری ہوئی چار احادیث اس کی شاہد ہیں اور یہ چاروں کی چاروں صحیح ہیں۔

رہا عثمان رضی اللہ عنہ کے معاملے میں امیر شام کا یہ کہنا کہ ان کو ظلماً شہید کر دیا گیا اور تم جانتے ہو کہ میں ان کا ولی ہوں اور اللہ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا ﴾ [بني إسرائیل: ۳۳] "اور جو شخص مظلوم ہونے کی صورت میں مار ڈالا جائے ہم نے اس کے وارث کو طاقت دے رکھی ہے۔" اس کی شاہد معمر کی وہ روایت ہے جو انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے۔ جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا گیا تو میں نے علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ اس چیز سے رک جائیں، یہ رکنا آپ کو کافی ہو جائے گا لیکن انھوں نے میری بات نہیں مانی اور میرا ان کے بارے میں خیال یہی تھا کہ وہ کامیاب نہیں ہوں گے اور اللہ کی قسم! تم پر ابن ابی سفیان غالب آ کر رہے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ﴿ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا ﴾ [بني إسرائیل: ۳۳] "اور جو شخص مظلوم ہونے کی صورت میں مار ڈالا جائے ہم نے اس کے وارث کو طاقت دے رکھی ہے۔" اور اس کی سند صحیح ہے۔

یحییٰ بن سلیمان جعفی نے اپنی کتاب "صفین" میں عمدہ سند کے ساتھ اس روایت کو ابو مسلم خولانی سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے جنابِ معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا آپ خلافت کے معاملے میں علی رضی اللہ عنہ سے جھگڑا کرتے ہیں یا آپ ان کے برابر ہو گئے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ نہیں ایسی بات نہیں ہے اور میں اچھی طرح سے جانتا ہوں کہ وہ مجھ سے افضل ہیں اور وہ اس امرِ خلافت کے زیادہ حقدار ہیں لیکن کیا تمھیں پتا نہیں ہے کہ جنابِ عثمان رضی اللہ عنہ کو مظلوماً شہید کر دیا گیا اور میں ان کے چچا کا بیٹا ہوں اور ولی ہوں۔ میں ان کے خون کا مطالبہ کرتا ہوں، تم علی رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ کو ہمارے سپرد کر دیں، پھر وہ ان کے پاس چلے گئے اور اس سلسلے میں ان سے بات کی تو جنابِ علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ پہلے بیعت میں داخل ہوں اور ان کا معاملہ میرے سپرد کریں لیکن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس چیز کو تسلیم نہیں کیا۔

ابو القاسم بغوی نے اس روایت کو بیان کیا ہے: اہلِ شام کھڑے ہوئے اور کہا کہ وہ آپ کے چچا کے بیٹے تھے، ←

تو یہ صحابی کعب بن مرہ رضی اللہ عنہ لوگوں کے درمیان گفتگو کر رہے تھے اور انھیں عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے متبعین کے معاملے میں وہ روایت سنا رہے تھے جو انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سن رکھی تھی کہ ''یہ شخص (عثمان رضی اللہ عنہ) اور ان کے ساتھی اس دن حق اور ہدایت والے منہج پر ہوں گے۔'' پھر ایک اَور صحابی کھڑے ہوئے جن کا نام عبداللہ بن حوالہ ازدی تھا، انھوں نے بھی اس بات کی گواہی دی کہ میں نے بھی یہ روایت ایسے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی ہے۔

نصر بن مزاحم کی روایت میں مزید ان الفاظ کا اضافہ بھی ہے کہ اس دن مسجد میں چار سو یا اس کے لگ بھگ اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی موجود تھے۔ چنانچہ نصر بن مزاحم نے یہ تعداد چار سو ہی بیان کی ہے جب کہ اس میں مبالغہ لگتا ہے۔ اور اگر ہم فرض کر لیں کہ خطباء کے اجتماع میں بیس یا تیس صحابی تھے اور وہ اس پر چپ رہے اور انھوں نے کعب بن مرہ اور ابن حوالہ پر کوئی اعتراض نہیں کیا تو اس سے بھی گوہرِ مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔

← آپ ان کے ولی ہیں، ہم آپ کے ساتھ مل کر ان کے خون کا مطالبہ کرتے ہیں، پھر ان سب نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی، یہ روایت بھی شواہد کی بنیاد پہ درست ہے۔

قول: ''اہلِ شام کا امیرِ شام کے ساتھ اتفاق کر لینا، خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کے معاملے میں ایسے امیر کی بیعت کرنا ہے جو خلافت کا لالچ نہیں رکھتا اور معاملات کو شوریٰ پر چلانا چاہتا ہے۔'' اس کی شاہد بلاذری کی روایت ہے جو انھوں نے صالح بن کیسان کی سند سے نقل کی ہے۔ جب اہلِ شام اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو زبیر وطلحہ رضی اللہ عنہما کے قتل ہونے کی خبر پہنچی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ان علاقوں پہ غالب آنے کا پتا چلا تو انھوں نے شوریٰ کے ذریعے اہلِ شام کو قتال کی دعوت دی اور خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کا مطالبہ کر دیا، اہلِ شام نے ایک ایسے امیر کی بیعت کی جو خلیفہ نہیں تھا، یہ بھی شواہد کے سبب صحیح ہے۔ اس کو یعقوب بن سفیان نے عمدہ سند کے ساتھ زہری سے روایت کیا اور یہ بھی بلاذری کی روایت جیسی ہے، [رقم: ١١٥] پر اس کا ذکر آئے گا۔ اس کو ابن دیزیل نے اپنی کتاب ''صفین'' میں زہری کی سند سے نقل کیا ہے۔ [رقم: ١١٣، ١١٤] پر ذکر ہوگی۔

ابو القاسم بغوی نے خلافت پر نہیں بلکہ امارتِ جنگ پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کا قصہ ذکر کیا ہے، [رقم: ١١٦] روایت پہ اس کا ذکر ہے، یہ بھی شواہد کی بنا پہ ٹھیک ہے۔

ابن ابی خیثمہ نے اپنی کتاب تاریخ میں سعید بن عبدالعزیز التنوخی کی سند سے اس روایت کو بیان کیا ہے، فرماتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ کو عراق میں امیر المومنین کہا جاتا تھا اور معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام میں امیر کہا جاتا تھا۔ جب علی رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو معاویہ رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین کہا جانے لگا۔ [رقم: ١٠٦] روایت کے تحت اس کا ذکر ہوگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ روایت اپنے شواہد کی بنیاد پہ صحیح ہے۔

اور اس بات کا زیادہ امکان اور احتمال ہے کہ تابعین کی ایک کثیر جماعت اس وقت موجود تھی اور کچھ صحابہ بھی وہاں پر حاضر تھے۔ ان سارے صحابہ نے کعب بن مرہ اور ابن حوالہ سے کوئی اختلاف نہیں کیا۔ جب صحابہ شام کے معاملے میں اس حدیث پر چپ رہے اور اس کو مستند سمجھا تو اہلِ شام میں سے تابعین لوگوں نے لامحالہ ان کی تصدیق کر دی۔

تو راویِ حدیث کعب بن مرہ اور ابن حوالہ نے اس روایت سے یہی سمجھا اور انھوں نے یہ بات لوگوں کو بتا دی کہ اس سے مراد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مدد کرنا اور ان کے قاتلین سے قصاص لینا ہے۔ اس حدیث کی تشریح ان دونوں کے نزدیک یہی تھی، سو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہلِ شام نے اس تفسیر کو قبول کیا اور یہ ان کی طرف سے ایک اجتہاد تھا۔[1]

اور عبداللہ بن حوالہ ازدی جو خطباء کے اجتماع میں شریک تھے، انھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کے لشکر کو لازم پکڑنے کی وصیت کی تھی۔ خاص طور پر جب فتنے لہروں کی طرح موجیں مارنے لگیں جیسا کہ آگے ذکر بھی ہو رہا ہے۔[2] تو اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ جس وقت خطباء کا اجتماع ہوا تھا تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہلِ شام کو عبداللہ بن حوالہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وصیت کی خبر کی جس کی وجہ سے امیرِ شام اور اہلِ شام کا موقف اس معاملے میں مزید مضبوط ہو گیا اور وہ اس پر ڈٹ گئے۔

اس پر مزید کچھ اضافہ یوں بھی کر لیجیے کہ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما ہی وہ صحابی ہیں جن کے ذمے عثمان رضی اللہ عنہ کی قمیص کو معاویہ رضی اللہ عنہ تک پہنچانا تھا، جیسا کہ پہلے روایات گزر چکی ہیں۔[3]

---

[1] اتباعِ عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب سے مراد ان کی حینِ حیات ان کا ساتھ دینے والے لوگ ہیں کہ جب باغیوں نے ان پر چڑھائی کی، انھیں خلافت چھوڑنے کا کہا، یہاں تک کہ قتل کر دیا، نہ کہ خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کا مطالبہ کرنے والے لوگ مراد ہیں۔ یہ حدیث ان واقعات سے متعلق ہے جو خلیفۂ ثالث عثمان رضی اللہ عنہ کی زندگی میں پیش آنے والے تھے نہ کہ اس واقعہ سے متعلق جو ان کی شہادت کے بعد پیش آئے گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنابِ عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا تھا: ''عثمان! عنقریب اللہ تمھیں ایک قمیص پہنائے گا، اگر منافق لوگ تم سے اس قمیص کو اتارنے کا مطالبہ کریں تو اسے مت اتارنا، یہاں تک کہ مجھ سے تمھاری ملاقات ہو جائے۔'' حدیث ملاحظہ ہو: [رقم: ۲۳] اس حدیث میں عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کھڑا ہونے اور ان کے خلاف خروج نہ کرنے کا حکم ہے تو یہ ان کی زندگی میں کرنے کا کام تھا۔

[2] دیکھیے: [رقم: ۲۴ تا ۲۷]

[3] دیکھیے: [رقم: ۴] اور [رقم: ۱۱۶] پر اس کا تکرار ہو گا۔

جنابِ نعمان رضی اللہ عنہ نے شام میں خطباء کے اجتماع میں شرکت کی اور وہ اپنی ذات میں اعلیٰ پائے کے خطیب تھے اور انھوں نے اُم المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک مرفوع حدیث سن رکھی تھی کہ جس میں قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ کو منافقین کہا گیا ہے، انھوں نے یہ حدیث بھی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے گوش گزار کی۔[1] تو اہلِ شام کے اذہان میں یہ بات مزید پکی ہوگئی کہ عراقی لشکر منافقین کا گڑھ ہے۔

[12] ابن سعد نے روایت کیا ہے، سماک بن حرب بیان کرتے ہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کو کوفہ پر گورنر مقرر کیا تھا اور وہ، اللہ کی قسم! اپنے زمانے کے خطیبوں میں سے سب سے بڑے خطیب تھے۔[2]

عثمان رضی اللہ عنہ کی قمیص کے معاملے میں یہ بات گزر چکی ہے[3] کہ امیرِ شام نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کو اس کام کے لیے مقرر کیا تھا، پھر انھوں نے لوگوں کو بلایا اور ان سے گفتگو کی۔ اس کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھ گئے اور لوگوں کو جمع کیا اور قمیص کو ان کے سامنے پھیلا دیا اور وہ ساری چیزیں جو عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آئیں ان کو ذکر کیا، پھر ان کے خون کا مطالبہ کیا تو اس سب کچھ کے بعد اہلِ شام کھڑے ہوئے۔ انھوں نے کہا کہ وہ آپ کے چچا کے بیٹے تھے، بے شک آپ ان کے ولی ہیں اور ہم آپ کے ساتھ ہی ان کے خون کا مطالبہ کرتے ہیں۔ پھر اہلِ شام نے ان کے لیے بیعت کی، یعنی قصاصِ عثمان رضی اللہ عنہ کے معاملے میں ان سے بیعت کی اور یہی وہ خطباء کا اجتماع تھا جس کے بارے میں بات ہو رہی تھی اور اس پر دو چیزیں دلالت کرتی ہیں:

پہلی بات یہ ہے کہ نصر بن مزاحم[4] کی روایت میں آتا ہے کہ خطباء کے اجتماع میں سب سے پہلے امیرِ شام معاویہ رضی اللہ عنہ نے گفتگو کی، پھر اس کے بعد دوسرے خطباء اپنا موقف بیان کرتے رہے حتی کہ ان میں سب سے آخر پر کعب بن مرہ یا مرہ بن کعب رضی اللہ عنہ تھے۔

دوسری بات یہ کہ قمیص والے واقعے کے آخر[5] میں یہ الفاظ ہیں کہ اہلِ شام نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ

---

① دیکھیے: [رقم:۲۳]

② الطبقات الکبریٰ (٥٤/٦) اس کی سند عمدہ ہے۔

تخریج: ابن عساکر (١٢٣/٦٢) ابن سعد کے واسطے سے، تهذيب الكمال للمزي (٤١٤/٢٩) ابن سعد کے واسطے سے، تاريخ الإسلام (٢٦٢/٥) سير أعلام النبلاء (٤١٢/٣) الإصابة (٤٤٠/٦)

③ دیکھیے: [رقم:۴] اور [رقم:۱۱۶] پر اس کا تکرار ہوگا۔

④ دیکھیے: [رقم:۱۱] ⑤ دیکھیے: [رقم:۴]

پر بیعت کی اور اہلِ شام کا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مطالبۂ قصاص کے حوالے سے تھا۔ نیز یہ بات خطباء کے اجتماع کے وقت کی معلوم ہوتی ہے اور عثمان رضی اللہ عنہ کی قمیص کو نشر کرنا بھی اسی خطباء کے اجتماع میں ہوا تھا۔

اس سے یہ بات بھی پتا چلتی ہے کہ یہ خطاب جنابِ عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد واقع ہوئے اور اس معاملے میں بعض روایات بہت اٹل، مضبوط اور پیچیدہ قسم کی ہیں۔

اور ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خطباء کا اجتماع جنگِ جمل کے بعد ہوا تھا، اس کی تفصیل مناسب موقع پر آجائے گی۔ ان شاء اللہ۔[1]

اور یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ خطباء کے اجتماع کا اہلِ شام پر اس قدر اثر ہوا کہ انھوں نے اجتماع کے آخر پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے پر اتفاق کر لیا کہ پہلے قصاص اور بعد میں بیعت ہوگی اور انھوں نے اس بات کا پکا وعدہ کر لیا، تاکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ قصاصِ عثمان رضی اللہ عنہ کے معاملے کو لے کر کھڑے ہو جائیں، سو اس بات پر ان کی بیعت ہوئی تھی، ان کی بیعت خلافت پر نہیں تھی۔

اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک اَور طویل خطبہ بھی ہے[2] جس میں ذکر ہے کہ جنابِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کے معاملے میں اہلِ شام سے مشورہ کیا تو اہلِ شام نے ان کے خون کا قصاص طلب کیا اور اس معاملے میں قاتلین سے قصاص لینے کے لیے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور اس بیعت کا منعقد ہونا جنگِ جمل کے بعد کا واقعہ ہے، جب امیر شام کے پاس علی رضی اللہ عنہ کا قاصد آیا تھا جو سیدنا جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ تھے، اس قاصد کے پاس ایک خط تھا جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انھیں بیعت کرنے کی دعوت دی تھی۔ یہ ایک دوسرا خطبہ ہے جو خطباء کے اجتماع کے بعد ہوا تھا، اس سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقصود کچھ اَور تھا عنقریب ہم اس کا بھی ذکر کریں گے۔

[13] ابن دیزیل نے اس خطبے کو اپنی کتاب ''صفین'' میں ایک طویل قصے کے تحت ذکر کیا ہے۔ اس میں یہ آتا ہے کہ جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے خطاب کیا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بیعت کی دعوت دی۔ جب ان کی بات پوری ہوگئی تو جنابِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں دیکھوں گا اور انتظار کروں گا۔ پہلے میں اہلِ شام کی رائے کو جانچ پرکھ لوں۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک اعلان کروایا کہ نماز جمع کرنے والی ہے۔

---

① ملاحظہ ہو: [رقم: ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۵]

② [رقم: ۲۳۷، ۲۸۷] کے تحت آئے گی۔

جب لوگ جمع ہو گئے تو وہ منبر پر چڑھ گئے اور ان سے خطاب کیا اور کہا ... پھر آگے ایک طویل خطبے کا ذکر ہے یہاں تک کہ بات یہاں تک پہنچی: اے لوگو! تم جانتے ہو کہ میں امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا گورنر رہا ہوں اور میں امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کا بھی گورنر رہا ہوں اور میں نے تم پر کوئی ایسا آدمی مقرر نہیں کیا جو فقط رسوائی کا سبب بنا ہو۔ میں عثمان رضی اللہ عنہ کا ولی ہوں اور ان کے چچا کا بیٹا ہوں اور اللہ نے اپنی کتابِ مقدس میں کہا ہے:

﴿ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا ﴾ [بني إسرائيل: ٣٣]

''اور جو شخص مظلوم ہونے کی صورت میں مار ڈالا جائے تو ہم نے اس کے وارث کو طاقت دے رکھی ہے۔''

اور تمھیں یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ انھیں (عثمان رضی اللہ عنہ کو) ظلماً شہید کر دیا گیا اور میں قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ کے معاملے میں تمھاری رائے جاننا چاہتا ہوں تو اہلِ شام نے اکٹھے ہو کر کہا کہ ہم ان کے خون کے بدلے میں قصاص کا مطالبہ کرتے ہیں اور پھر ان کی بیعت تسلیم کر لی اور ان سے یہ پختہ عہد کر لیا کہ اس معاملے میں وہ اپنے آپ کو اور اپنے مالوں کو کھپا ڈالیں گے، یا پھر ہم ان کے خون کا بدلہ لے لیں گے، یا اللہ ان کی روحوں کو اس معاملے کو پورا ہونے سے پہلے پہلے فنا کر ڈالے گا۔[1]

جنابِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا سیدنا جریر رضی اللہ عنہ سے یہ کہنا: ''میں دیکھوں گا اور انتظار کروں گا اور اہلِ شام کی رائے کو پرکھوں گا۔'' یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اہلِ شام کی قوت کا اور ان کے بیعت سے پہلے قصاص والے مطالبے پر اصرار کا اظہار کرنا چاہتے تھے، تا کہ وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے قاصد کو یہ بات دکھا سکیں اور اسے یہ بات سنا سکیں اور وہ اس خبر کو لے کر علی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ جائے۔ پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جمع کیا اور ان سے خطاب کیا اور دوبارہ پھر سے ان سے سوال کیا تو وہ بیعت پر کاربند رہے اور وہ اس بات پر بھی کاربند تھے کہ وہ قصاصِ عثمان رضی اللہ عنہ کے معاملے میں قتال سے بھی نہیں رکیں گے اور جریر رضی اللہ عنہ اس سارے معاملے کو دیکھ سن رہے تھے۔

[**14**] امام احمد رحمہ اللہ نے اس کو روایت کیا ہے: وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یحییٰ بن اسحاق نے بیان کیا، وہ یحییٰ بن ایوب سے بیان کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ مجھے یزید بن ابی حبیب نے بیان کیا اور وہ ربیعہ بن لقیط سے اور وہ عبداللہ بن حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو تین چیزوں

[1] یہ قصہ تفصیل کے ساتھ [رقم: ۲۸۷] کے تحت آئے گا، طوالت کے سبب یہاں ذکر نہیں کیا۔

سے نجات پا گیا تو وہ نجات پا گیا، آپ ﷺ نے یہ جملہ تین مرتبہ فرمایا، وہ تین چیزیں درج ذیل ہیں: میری موت، فتنۂ دجال اور اس خلیفہ کا قتل کہ جسے معاملۂ خلافت حق کے ساتھ سونپ دیا گیا تھا اور وہ اس پر صبر کرنے والا تھا۔[1]

[15] ''مسند احمد'' میں روایت ہے کہ موسیٰ بن عقبہ نے بیان کیا کہ مجھے میرے نانا ابو حبیبہ نے بیان کیا کہ وہ اس گھر میں داخل ہوئے اس حال میں کہ عثمان رضی اللہ عنہ اس میں محصور تھے اور انھوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو سنا کہ وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے گفتگو کی اجازت طلب کر رہے تھے، جب انھوں نے اجازت دے دی۔ پھر وہ کھڑے ہوئے، اللہ کی حمد و ثنا بیان کی، پھر انھوں نے کہا: بے شک میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ میرے بعد تمھیں فتنے اور اختلاف کا سامنا ہوگا، یا کہا: اختلاف اور فتنے کا سامنا ہوگا۔ تو لوگوں میں سے ایک کہنے والے نے کہا: یا رسول اللہ! پھر اس زمانے میں ہمارے ذمہ کس کی اطاعت ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم پر ایک امین بندے اور اس کے اصحاب کی پیروی لازم ہے۔'' یعنی آپ ﷺ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی (خلافت کی) طرف اشارہ کر رہے تھے۔[2]

---

[1] مسند أحمد (١٦٩٧٣)

تخریج: اس روایت کو ابن ابی عاصم نے السنة (١١٧٧)، حاکم نے المستدرك (٤٥٤٨) میں لیث بن سعد عن یزید بن ابی حبیب کی سند سے بیان کیا ہے۔ امام حاکم کہتے ہیں کہ یہ روایت صحیح الاسناد ہے، جبکہ شیخین نے اس کو روایت نہیں کیا۔ امام ذہبی نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔ شعیب ارناؤط کہتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے، اور امام البانی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

[2] مسند أحمد (٨٥٤١) عفان سے مراد: ابن مسلم صفار ہیں۔ ابن وہیب سے مراد: ابن خالد الکرابیسی ہیں، ابو حبیبہ ولاء کے اعتبار سے اسدی ہیں، ان کا نام مشہور نہیں ہے۔ اس سے موسیٰ، ابراہیم اور محمد بنو عقبہ نے روایت کی ہیں۔ یہ ان کے نانا لگتے تھے۔ ابو الاسود سے مراد: محمد بن عبدالرحمان ہیں۔ ابن عجلی نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ ابن حبان نے ان کا ذکر ''الثقات'' میں کیا ہے۔ امام بخاری اور ابن ابی حاتم نے اس پر سکوت کیا ہے۔

ابو حبیبہ کا تعارف ملاحظہ کیجیے: التاريخ الكبير (٩/٢٤) الكنى والأسماء لمسلم بن الحجاج (١/٢٧١) ثقات العجلي (٢١١٧) الجرح والتعديل (٩/٣٩٥) الثقات لابن حبان (٥/٥٩١) فتح الباب في الكنى والألقاب لابن منده (٢٣٩٧)

امام حاکم نے اس کو المستدرك (٤٥٤١، ٨٣٣٥) میں ابو حبیبہ سے بیان کیا۔ امام حاکم کہتے ہیں کہ یہ روایت صحیح الاسناد ہے جب کہ شیخین نے اس کو روایت نہیں کیا، امام ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کی اسناد جید و حسن ہے، مگر محدثین نے اس کو اس سند سے بیان نہیں کیا۔ شعیب ارناؤط اور امام البانی نے اس کو حسن قرار دیا ہے، حافظ احمد شاکر نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو: البداية والنهاية (٧/٢٣٥) السلسلة الصحيحة (٣١٨٨) مسند أحمد (٨٥٢٢) طبع دار الحديث.

[16] امام احمد رحمہ اللہ سے روایت ہے، عبداللہ بن شقیق نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں حرمی بن حارث نے اور اسامہ بن خریم نے بیان کیا اور یہ دونوں اکٹھے ہی جنگ لڑا کرتے تھے، وہ کہتے ہیں کہ ان دونوں نے مجھے ایک حدیث بیان کی اور ان دونوں میں سے کسی کو بھی یہ معلوم نہیں تھا کہ اس کے ساتھی نے مجھے وہ روایت بیان کی ہے۔ حضرت مرہ بہزی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ ہم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مدینہ منورہ کے کسی راستے میں تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم اس وقت کیا کرو گے جب گائے کے سینگوں کی طرح اکنافِ عالم میں فتنے پھیل پڑیں گے؟!'' لوگوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! ہم اس وقت کیا کریں؟ (اسی دوران میں وہاں سے ایک نقاب پوش آدمی گزرا) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (اسے دیکھ کر) فرمایا: ''اس شخص اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ جڑے رہنا۔'' یا ''اس کا اور اس کے ساتھیوں کا اتباع کرنا۔'' میں جلدی سے اس کے پیچھے چلا گیا، اس کا کندھا پکڑا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس کا رُخ کر کے پوچھا: یہ آدمی؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! دیکھا تو وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تھے۔[1]

[17] عبداللہ بن شقیق نے ابن حوالہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، انھوں نے کہا کہ ایک مرتبہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک کاتب تھا جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ لکھوا رہے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابن حوالہ! کیا ہم تمھیں بھی نہ لکھ دیں؟ میں نے عرض کی کہ مجھے معلوم نہیں، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے کیا پسند فرمایا ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے اعراض فرما لیا اور دوبارہ کاتب کو املاء کرانے کے لیے جھک گئے۔ کچھ دیر بعد دوبارہ یہی سوال جواب ہوئے، اس کے بعد میں نے دیکھا تو اس تحریر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام لکھا ہوا تھا۔ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ عمر رضی اللہ عنہ کا نام خیر کے ہی کام میں لکھا جا سکتا ہے، چنانچہ تیسری مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب پوچھا کہ اے ابن حوالہ! کیا ہم تمھیں بھی نہ لکھ دیں؟ تو میں نے عرض کی: جی ہاں! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابن حوالہ! جب زمین کے اطراف واکناف میں فتنے اس طرح اُبل پڑیں گے جیسے گائے کے سینگ ہوتے ہیں تو تم کیا کرو گے؟ میں نے عرض کی کہ مجھے معلوم نہیں، اللہ اور اس کے رسول میرے لیے کیا پسند فرماتے ہیں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اگلا سوال پوچھا کہ اس کے بعد جب دوسرا فتنہ تھوڑی مدت کے لیے نمودار ہوگا تب کیا کرو گے؟ میں نے حسبِ سابق جواب دیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس شخص

---

[1] مسند أحمد (٢٠٣٧٢) (٢٠٣٥٣) شیخ شعیب ارناؤط اور امام البانی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ التعلیقات الحسان (٥١/١٠) اس باب میں ابن حوالہ کی روایت بھی موجود ہے، اگلی حدیث ملاحظہ ہو۔

کی پیروی کرنا'' اس وقت وہ آدمی پیٹھ پھیر کر جا رہا تھا، میں دوڑتا ہوا گیا اور اسے شانوں سے پکڑا اور نبی ﷺ کے پاس لے کر آیا اور عرض کی کہ یہی شخص ہے جس کے بارے ابھی آپ نے یہ حکم دیا ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ہاں! اور وہ شخص حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تھے۔[1]

چوتھا سبب:

وہ احادیث جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ جنابِ عثمان رضی اللہ عنہ کو ظلماً قتل کر دیا جائے گا اور ان کے قاتل ظالم اور منافق ہوں گے۔

[**18**] سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک فتنے کا ذکر کیا اور کہا کہ اس میں یہ بندہ، یعنی عثمان رضی اللہ عنہ مظلوماً قتل کر دیا جائے گا۔[2]

[**19**] عبداللہ بن عمرو[3] بیان کرتے ہیں: اس امت میں بارہ خلفاء ہوں گے، ایک ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں جن کا نام تم جانتے ہو، پھر عمر رضی اللہ عنہ ہیں جو لوہے کا ایک قلعہ ہے، ان کا بھی نام تم جانتے ہو۔ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ذوالنورین ہیں جنھیں اللہ کی رحمت سے دو حصے دیے گئے، انھیں مظلوماً شہید کر دیا جائے گا، ان کا بھی نام تم جانتے ہو۔[4]

---

① مسند أحمد (١٧٠٠٤) شعیب ارناؤط نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

② سنن الترمذي (٢٨١/٦، رقم: ٤٠٤١) امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی سند سے حسن اور غریب درجے کی ہے۔ شعیب ارناؤط کہتے ہیں کہ یہ روایت صحیح لغیرہ ہے۔ امام البانی فرماتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے۔ دیکھیں: صحیح الترمذي (٣٧٠٨) السلسلة الصحيحة (٣١٨/٧)

③ مطبوعہ نسخے میں یہاں پہ تصحیف ہوئی ہے، اصل لفظ ''عمر'' ہے، یہ تصحیح تمام مصادرِ تخریج سے نقل ہے۔

④ مصنف ابن أبي شيبة (٣٢٧١٦) اس کی سند صحیح ہے۔

تخریج: اس روایت کو ابن ابی عاصم نے الآحاد والمثاني (٩)، السنة (١١٥٤)، طبرانی نے المعجم الكبير (١٣٩)، ابونعیم نے معرفة الصحابة (٦٢/١، رقم: ٢٣٧) کے تحت ابن ابی شیبہ کی سند سے بیان کیا ہے۔

نعیم بن حماد نے الفتن (٢٦٣)، ابن ابی عاصم نے السنة (١١٥٣)، ابن عساکر نے اپنی تاريخ دمشق (٤٠٩/٦٥) میں اس روایت کو مختصر ومطول بیان کیا ہے۔ یہ سب راوی عبداللہ بن عون عن محمد بن سیرین کی سند سے بیان کرتے ہیں۔ ذہبی نے بھی اسی سے سير أعلام النبلاء (٣٨/٤) میں نقل کیا ہے۔ اسی روایت کو امام احمد نے فضائل الصحابة (٧٤) میں عبدالرزاق عن همام عن معمر بن راشد عن السختياني عن محمد بن سيرين کی سند سے تفصیلاً بیان کیا ہے۔ اس میں یہ اضافہ ہے کہ عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں کہ جس دن ہم نے غزوۂ یرموک میں جنگ کی، اس دن میں نے کسی کتاب میں دیکھا: ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام تم جانتے ہو....

←

ابن کثیر رحمہ اللہ نے تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ بے شک ابن عباس رضی اللہ عنہما، جو حبر الامۃ اور ترجمان القران ہیں، کی رائے یہ تھی کہ جنابِ عثمان رضی اللہ عنہ کو مظلوم شہید کیا گیا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے بھی استدلال کرتے تھے:

﴿ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا ﴾ [بني إسرائيل: ٣٣]

''اور جو شخص مظلوم ہونے کی صورت میں مار ڈالا جائے تو ہم نے اس کے وارث کو طاقت دے رکھی ہے۔''

یہ آیت ذکر کرنے کے بعد حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس کی تفسیر یوں بیان کی:

[20] اور حبر الامۃ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیتِ کریمہ کی عمومیت سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ولایت اور ان کی حکومت کے غلبے[1] پر استدلال کیا ہے، کیونکہ وہ جنابِ عثمان رضی اللہ عنہ کے ولی تھے اور عثمان رضی اللہ عنہ کو مظلوماً شہید کر دیا گیا تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جنابِ علی رضی اللہ عنہ سے یہ مطالبہ کرتے تھے کہ قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کے سپرد کر دیا جائے حتی کہ وہ ان سے قصاص لے لیں، کیونکہ وہ اموی ہیں اور جنابِ علی رضی اللہ عنہ اس معاملے کو موخر کر رہے تھے، یہاں تک کہ اقتدار ان کو حاصل ہو جائے اور پھر وہ اس معاملے کو کر گزریں۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ان کا مطالبہ تھا کہ وہ شام ان کے سپرد کر دیں تو اس پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا یہاں تک کہ قاتلین ان کے سپرد کر دیے جائیں اور انھوں نے علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے بھی انکار کر دیا اور اہلِ شام بھی انہی کی روش پر چلے۔ پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اقتدار جنابِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حاصل ہو گیا اور معاملہ ان کی طرف پلٹ گیا،[2] جس طرح کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا خیال تھا اور انھوں نے اس آیتِ کریمہ سے استدلال کیا تھا۔ یہ ایک عجیب ہی معاملہ ہے۔

امام طبرانی رحمہ اللہ نے اپنی ''المعجم'' میں اس حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

← یہاں سے پتا چلتا ہے کہ یہ موقوف روایت ہے اور اسرائیلیات میں سے ہے۔

مجمع الزوائد (١٤٥٣٨) میں ہیثمی کہتے ہیں کہ اس روایت کو طبرانی نے دو سندوں کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان میں سے ایک سند کے راوی صحیحین والے ہیں سوائے عقبہ بن اوس کے اور وہ ثقہ ہیں۔ مختصر روایت کو امام البانی نے صحیح کہا ہے۔ الازہری تهذيب اللغة (٢٩/٢) میں کہتے ہیں کہ حدیث عجیب ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

[1] یعنی خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کے مسئلے میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ہی ان کے ولی ہیں۔ عنقریب وہ مسلمانوں کے خلیفہ اور بادشاہ بن جائیں گے۔

[2] یعنی یہاں تک معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفۃ المسلمین بن گئے۔

[21] ہمیں یحییٰ بن عبدالباقی (الاذنی)[1] نے بیان کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں ابوعمیر ابن النحاس[2] نے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں ضمرۃ بن ربیعہ[3] نے بیان کیا، وہ ابن شوذب[4] سے اور وہ مطر الوراق[5] سے اور وہ زھدم الجرمی[6] سے بیان کرتے ہیں: وہ کہتے ہیں کہ ہم ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس تھے تو انھوں نے کہا کہ میں تمھیں ایک حدیث بیان کرنے لگا ہوں نا ہی وہ راز کی بات ہے اور نہ کوئی اعلانیہ کرنے والی بات ہے۔ بات یہ ہے کہ جب عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو کچھ پیش آیا تو میں نے علی رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ آپ اس معاملے میں یعنی خلافت میں اعراض کیجیے اور پس اگر آپ بل میں ہوئے تو آپ کو ڈھونڈ کر اس میں سے نکال لیا جائے گا۔ آپ نے میری بات نہ مانی اور اللہ کی قسم! تم پر معاویہ رضی اللہ عنہ غالب آ جائیں گے اور وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا﴾ [بني إسرائيل: ٣٣]

''اور جو شخص مظلوم ہونے کی صورت میں مار ڈالا جائے تو ہم نے اس کے وارث کو طاقت دے رکھی ہے، پس اسے چاہیے کہ مار ڈالنے میں زیادتی نہ کرے بے شک وہ مدد کیا گیا ہے۔''

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قریش تم پر فارس اور روم کی طرح حکمرانی کریں گے۔[7] نصاریٰ، یہود اور مجوس تم پر غالب ہونے کی خواہش کریں گے، تو تم میں سے جو بندہ اس معاملے کی اہمیت اور مقاصد کو سمجھتے ہوئے اس کو پکڑے گا تو وہ نجات پا جائے گا اور جو تم میں سے ان سب چیزوں کو سمجھتے ہوئے چھوڑ دے گا

---

[1] الأذني: یہ امام طبرانی کی زیادت ہے۔ آپ محدث ہیں اور ثقہ آدمی ہیں۔ تاریخ بغداد (٢٣٠/١٤)، تاريخ الإسلام (٣٢٢/٢٢) سير أعلام النبلاء (٤٥/١٤)، إرشاد القاصي والداني إلى تراجم شيوخ الطبراني (١١٢٦)

[2] ان کا نام عیسیٰ بن محمد بن اسحاق رملی ہے، ثقہ راوی ہیں۔ تقريب التهذيب (٥٣٢١)

[3] ابوعبداللہ الرملی فلسطینی: صدوق ہیں کبھی وہم کرتے تھے۔ التقريب (٢٩٨٨)

[4] عبداللہ بن شوذب الخراسانی، ابوعبدالرحمان۔ صدوق عابد۔ التقريب (٣٣٨٧)

[5] مطر بن طہمان الوراق، ابورجاء السلمی: صدوق بہت سی غلطیاں کرنے والے۔ التقريب (٦٦٩٩)، امام ذہبی کا کہنا ہے کہ مطر کا شمار امام مسلم کے رواۃ میں ہوتا ہے اور حسن الحدیث راوی ہیں۔ الميزان (١٢٧/٤)

[6] زھدم بن مضرب الجرمی، ابومسلم بصری، ثقہ۔ التقريب (٢٠٣٩)

[7] مراد موروثی بادشاہت ہے، یعنی خلافتِ راشدہ ختم ہو جائے گی۔ قریش عرب پر فارس و روم کی مثل موروثی حکومت کریں گے۔

(جب کہ تم بھی چھوڑنے والے ہو) تو تم اس زمانے کے لوگوں کی طرح کے لوگ ہو گے کہ جو ان میں سے ہلاک ہو گیا سو ہو گیا۔[1] ابن کثیر رحمہ اللہ کا کلام یہاں پر مکمل ہوتا ہے۔

---

[1] تفسير القرآن العظيم (۹/۷- ۸) المعجم الكبير (۱۰۶۱۳) یہ روایت صحیح ہے سوائے ان الفاظ کے (نصاریٰ، یہود اور مجوس وہ تم پر غالب ہونے کی خواہش کریں گے) یہ مطر الوراق کی زیادت ہے، اس زیادت کے ساتھ وہ منفرد ہیں۔ ہیثمی کہتے ہیں کہ اس روایت کو طبرانی نے بیان کیا ہے، اس میں ان رواۃ سے بیان ہے جن کے بارے امام صاحب نے کہا ہے کہ جنھیں میں نہیں جانتا۔ مجمع الزوائد (۱۲۰۳۳)، الفرائد على مجمع الزوائد (۴۲۰- ۴۲۱)

تخریج: اس روایت کو ابن عساکر نے طبرانی کی سند سے (۵۹/ ۱۲۵) اسی طرح بیان کیا ہے اور یہ مختصر طور پر تاریخ دمشق (۲۶/۲۵) میں بھی ہے۔ امام ذہبی نے اس روایت کو سير أعلام النبلاء (۱۳۹/۳) ابن شوذب عن مطر الوراق عن زهدم الجرمی کی سند سے مختصر طور پر اللہ تعالیٰ کے اس قول: ﴿وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا﴾ [بني إسرائيل: ۳۳] تک بیان کیا ہے۔ اور تاريخ دمشق (۴۷۷/۳۹) اور تاريخ الإسلام (۴۸۰/۳) میں ضمرة عن عبدالله بن شوذب عن زهدم الجرمي کی سند سے مختصر ذکر کیا ہے۔ اس سند میں مطر الوراق کا تذکرہ نہیں ہے۔

اسی روایت کو عمر بن شبہ نے تاريخ المدينة (۱۲۵۵/٤) میں بھی روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں موسیٰ بن اسماعیل منقری تبوذکی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں صعق بن حسن نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے قتادہ بن دعامہ سدوسی کو سنا، وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں زہدم جرمی نے بیان کیا۔ اس روایت کی سند حسن ہے۔ سارے رواۃ ثقات ہیں اور شیخین کے راوی ہیں، سوائے صعق کے، وہ صرف امام مسلم کے راوی ہیں۔ صدوق آدمی ہیں کبھی کبھی وہم کر جاتے تھے۔

اس روایت کو ابن شبہ نے بھی نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں حماد بن زید نے ابو التیاح یزید بن حمید الضبعی سے بیان کیا، وہ غالب بن عبداللہ بن سعد سے روایت کرتے ہیں اور وہ زہدم سے روایت کرتے ہیں۔ اس کی سند صحیح ہے، رجال سارے کے سارے ثقہ ہیں اور شیخین کے راوی ہیں سوائے غالب کے وہ بصری، ثقہ ہیں۔ یہ بات امام عجلی نے "الثقات" (۲۰۲/۲) میں لکھی ہے۔

اسی روایت کو ابن بطہ نے الإبانة الكبرى (۳۰۷/۸) میں دو سندوں سے نقل کیا ہے۔ پہلی سند (عن عارم بن فضل عن حماد بن زيد) اس میں یہ روایت مختصر ہے۔ اسی روایت کو ابن ابی عاصم نے الآحاد والمثاني (۵۲۳) میں بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابو شرحبیل عیسیٰ بن خالد الحمصی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابو الیمان نے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں اسماعیل بن عیاش نے محمد بن اسحاق سے بیان کیا، وہ ابن شوذب سے، وہ ابو التیاح سے اور وہ زہدم جرمی سے بیان کرتے ہیں۔ یہ روایت بھی آیت: ﴿وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا...﴾ [بني إسرائيل: ۳۳] تک ہی منقول ہے اور مختصر ہے۔

ابو شرحبیل کا نام عیسیٰ بن خالد بن نافع حمصی ہے۔ المعلم کے لقب سے مشہور ہیں اور وہ ابو یمان حکم بن نافع بھرانی کے بھائی کے بیٹے ہیں، ابن مندہ نے ان کا تعارف بھی لکھا ہوا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ابو یمان نے بیان کیا اور ان سے ←

گذشتہ روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو کہا: ''اعتزل'' تو یہ ''اعتزل'' یہاں پر اجتناب کرنے اور رک جانے کے معنی میں ہے،[1] یعنی آپ دوسرے شہروں سے اپنی بیعت لینے سے رک جائیں اور خاص طور پر اہلِ شام سے، جو خود اس چیز کے منکر ہیں، اسے بزورِ بازو طلب نہ کریں۔ بے شک سارے شہروں کے لوگ خود آپ کی طرف بیعت کے لیے آئیں گے، بجائے اس کے کہ آپ ان سے بیعت طلب کرتے پھریں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس سے یہ مراد نہیں تھی کہ خلافت ثابت ہونے کے بعد اسے چھوڑ دینا، یا ثبوت سے قبل ہی اس سے رک جانا، کیونکہ اہلِ مدینہ تو پہلے ہی علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر چکے تھے۔ خلافت تو پہلے ہی ان کے لیے ثابت ہو چکی تھی، ان کے روکنے کا مفہوم وہی تھا جو پہلے بیان ہو چکا ہے۔

اور جنابِ حسن رضی اللہ عنہ نے بھی علی رضی اللہ عنہ کو اسی چیز سے منع کیا تھا جس سے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے منع کیا تھا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے والد سے کہا: پھر میں نے آپ کو کہا تھا کہ جب عثمان رضی اللہ عنہ کو مظلوماً شہید کیا گیا کہ آپ اپنے گھر کو لازم پکڑیں، یہاں تک کہ عرب کی عقل مندی واپس آ جائے، پس اگر آپ گوہ کی بل میں ہوئے تو وہ آپ کو اونٹ کے پہلوؤں (شانے کی ہڈیوں) سے مارتے ہوئے آپ کو اس بل سے نکالیں گے، مگر آپ نے میری بات نہ مانی۔[2]

← عبداللہ بن احمد بن حنبل اور ابن صدقہ وغیرہ روایت لیتے ہیں۔ مجھے کوئی ایسا محدث نہیں ملا جس نے اس کو ثقہ قرار دیا ہو۔ دیکھیے: فتح الباب في الكنى والألقاب (٣٧٥٢) تراجم رجال الدارقطني في سننه (٨٣٠)

لیکن امام صاحب نے اس حدیث: ''سحری کرو، بے شک سحری میں برکت ہے۔'' کی سند میں بھی خطا کی ہے۔ ملاحظہ ہو: العلل الدارقطني (١١٩/١٢) الكامل في الضعفاء (٢٨/٤)

میں کہتا ہوں: ایسے ہی انھوں نے ہماری بحث سے متعلقہ حدیث میں بھی غلطی کی ہے۔ ایک سند کو دوسری سند میں داخل کر دیا، انھوں نے ضمرہ کی سند کو ابو التیاح کی سند میں داخل کر دیا۔ درست سند یہ ہے: ''ضمرة بن ربيعة عن ابن شوذب عن مطر الوراق عن زهدم'' کیونکہ اسی سند سے یہ متن مختصر طور پر نقل ہوا ہے جس طرح کہ ہم نے تخریج کے شروع میں ذکر کیا۔

ابو ہاشم عبدالغافر بن سلامہ بن احمد حضرمی حمصی کہتے ہیں کہ ہم ابو شرحبیل عیسیٰ بن خالد بن نافع جو ابو یمان حکم بن نافع کے بھتیجے ہیں، ان سے مسجد جامع یعنی حمص کی جامع مسجد میں حدیث سنا کرتے تھے اور وہ لوگوں کو قرآن بھی پڑھاتے تھے۔ میں ان پر حدیث پڑھا کرتا تھا۔ تاريخ بغداد (١٣٩/١١) تاريخ دمشق (٣٨٣/٣٦) تعارف ابو ہاشم۔

ان کا مشہور لقب معلم ہے، اس کے بارے میں تفصیل سے دیکھنے کے لیے: معجم ابن مقرئ (ص: ٦٥)، الأنساب للسمعاني (٣٠١/١٢) اور آئندہ روایت ملاحظہ ہو۔

[1] تاج العروس (١٨٨/٢) مادة: جنب.

[2] روایت ملاحظہ ہو [رقم: ٨٨] اس میں غریب الفاظ کی شرح ہے۔

اس کا مطلب یہی بنتا ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہما کے موقف کا مطلب تھا اور وہ یہ ہے کہ دوسرے شہروں سے اپنی بیعت طلب نہ کریں، کیونکہ دوسرے شہروں والے لوگ خود بخود ہی آپ کو ڈھونڈ کر آپ کی بیعت کے لیے آجائیں گے بجائے اس کے کہ آپ نرمی یا سختی سے ان سے بیعت کا مطالبہ کریں۔

نیز اس روایت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جب انھوں نے چھوڑنے کا مشورہ دیا تھا تو اس سے مراد بیعت طلب کرنے کو چھوڑنا تھا نہ کہ خلافت کو کلیتاً چھوڑ دینا ہی مقصود تھا۔

[**22**] امام معمر نے اس روایت کو اپنی "الجامع" میں بیان کیا ہے۔ معمر ایوب سے، وہ ابو قلابہ سے، وہ زہدم سے بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس تھے تو انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! میں تمھیں ایک ایسی بات بتاؤں گا جو نہ کوئی راز کی بات ہے اور نہ ہی کوئی عام سی بات، وہ ایسا راز بھی نہیں ہے کہ میں اسے چھپا کر رکھوں اور نہ ایسی عام سی بات ہے کہ برسرِ منبر بیان کر دوں۔ بات یہ ہے کہ جب عثمان رضی اللہ عنہ پر حملہ کر کے انھیں قتل کر دیا گیا تو میں نے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ آپ خلافت والے معاملے سے پیچھے رہیں، یہ خود ہی آپ کو کفایت کر جائے گا، انھوں نے میری بات نہ مانی۔ میرا خیال یہی تھا کہ وہ کامیاب نہ ہوں گے، اللہ کی قسم! سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ آپ پر غالب آ جائیں گے، کیونکہ اللہ پاک کا فرمان ہے:

﴿ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا ﴾ [بني إسرائيل: ٣٣]

"اور جو کوئی انسان ناحق قتل کر دیا جائے تو ہم نے اس کے اولیاء کے لیے (بدلے) کی طاقت رکھی ہے۔"

اللہ کی قسم! قریش تم پر فارس و روم کے نہج پر حکمرانی کریں گے۔ ہم نے کہا: اگر ہم اس زمانے کو پا لیں تو ہمارے لیے کیا حکم ہے؟ فرمایا: جو کوئی شخص اس کے مقاصد کو سمجھتے ہوئے حکمرانی کرے گا تو نجات پا جائے گا، اور جو کوئی اس کو جان بوجھ کے چھوڑ دے گا تو ان لوگوں کی مثل ہوگا جو ہلاک کر دیے گئے۔[1]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو "اجتنب هذا الأمر" کہنے سے مراد یہ ہے کہ دوسرے اہلِ بلاد سے طلبِ بیعت سے رک جائیں، کیونکہ دوسرے سارے شہروں کے لوگ بیعت کرنے کے لیے

---

[1] جامع معمر بن راشد (٢٠٩٦٩) اس کی سند صحیح ہے۔ رواۃ سارے ہی ثقہ ہیں اور شیخین کے رواۃ ہیں۔

اس روایت کے رواۃ: ایوب کا نام ابن ابی تمیمہ کیسان سختیانی ہے۔ ابو قلابہ کا نام عبداللہ بن زید الجرمی ہے، زہدم کا نام ابن مضرب الجرمی، ابومسلم البصری ہے۔

خود آپ کے پاس آ جائیں گے اور اللہ آپ کو اس بات سے محفوظ رکھے گا کہ آپ بزورِ قوت ان سے بیعت طلب کریں جنھوں نے اس کا انکار کر دیا ہو۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ کہنا: "وما أراہ یظفر" یعنی میرا گمان نہیں ہے کہ اگر انھوں نے دوسروں سے بیعت کا مطالبہ کر دیا تو ان کی مدد کی جائے گی۔ اس سے مراد اہلِ شام ہیں (مدد سے مراد غالب آنا ہے) یہ مشورہ اس بات پہ دلالت کرتا ہے کہ خلافت کے معاملے میں بزورِ بازو بیعت لینے سے منع کرنا مراد ہے، نہ کہ امرِ خلافت کو سرے سے چھوڑ دینا مقصود ہے۔

[**23**] سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا،[1] وہ آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف متوجہ ہو گئے، جب ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے کرتے دیکھا تو ہم نے بھی ایک دوسرے سے سر جوڑ لیے،[2] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گفتگو کے آخر میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: "عثمان! عنقریب اللہ تعالیٰ تمھیں ایک قمیص پہنائے گا، اگر منافقین اسے اتارنا چاہیں تو تم اسے نہ اتارنا یہاں تک کہ مجھ سے آ ملو۔" تین مرتبہ یہ جملہ دہرایا۔ حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے کہا: اے ام المومنین! اب تک یہ بات آپ نے کیوں ذکر نہیں فرمائی؟ انھوں نے فرمایا: بخدا میں یہ بات بھول گئی تھی، مجھے یاد ہی نہیں رہی تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ پھر میں نے یہ روایت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو سنائی لیکن وہ صرف میرے کہنے پر راضی نہیں ہوئے۔ بلکہ انھوں نے ام المومنین کو خط لکھا کہ مجھے یہ لکھ کر بھجوا دیجیے، چنانچہ انھوں نے وہ حدیث ایک خط میں لکھ کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھیج دی۔[3]

تو اس حدیث سے دو بنیادی چیزوں پر واضح دلالت معلوم ہو رہی ہے:

---

[1] یعنی اپنے مرض الموت میں، ملاحظہ ہو: مسند الحمیدي (٢٧٠) مسند أحمد (٢٤٤٦٦، ٢٥٧٩٧) السنة للخلال (٤١٩) صحیح ابن حبان (٦٩١٥)

[2] یعنی جب ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے سرگوشی کر رہے ہیں، تو ہم میں سے ایک دوسری سے پوچھنے لگی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو کیا کہہ رہے ہیں اور کیوں بلایا ہے؟!

[3] مسند أحمد (٢٤٥٦٦) اس کی سند صحیح ہے۔

اس کے رواۃ: ابو مغیرہ کا نام عبدالقدوس بن حجاج الخولانی ہے۔ ولید بن سلیمان سے مراد: ابن ابی السائب القرشی ہے۔ عبداللہ بن عامر سے مراد: ابن یزید یحصبی ہے۔ اس روایت کو امام البانی اور شعیب ارناؤط نے صحیح کہا ہے۔ ملاحظہ ہو: مشکاۃ المصابیح (٦٠٧٧)، العلل لابن أبي حاتم (٢٥٩٧)، العلل الدارقطني (٣٤٤٢)

اوّل: نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما نے جنابِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس حدیث کی خبر دی، تو وہ اس معاملے میں مزید ایقان اور تاکید چاہتے تھے تو انھوں نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف ایک قاصد بھیجا اور جب اس حدیث کے بارے انھیں علمِ یقینی حاصل ہوگیا تو اہلِ شام کو بیان کرنے میں انھیں کوئی تردّد نہ ہوا۔

دوم: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں جنابِ عثمان رضی اللہ عنہ کو بلایا تھا اور انھیں تین چیزوں کی خبر دی تھی:

① بے شک اللہ تعالیٰ انھیں خلافت سپرد کریں گے۔

② نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں تین دفعہ وصیت کی کہ اگر منافق اسے چھوڑنے کا مطالبہ کریں تو آپ نے اسے نہیں چھوڑنا حتی کہ آپ کو موت آجائے۔

③ وہ لوگ جو قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ میں شریک ہوں گے وہ منافق ہوں گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے یہی اوصاف بیان کیے۔

پانچواں سبب:

وہ احادیث جن میں شام اور اہلِ شام کے لشکر کو لازم پکڑنے کا حکم ہے۔ خاص طور پر جب فتنے موجوں کی طرح بکھر اور پھیل رہے ہوں اور جب عراق، شام اور یمن میں مختلف لشکر موجود ہوں۔

[**24**] عبداللہ بن شقیق بیان کرتے ہیں کہ ہمیں بنوعنزہ سے ایک آدمی نے بیان کیا جس کا نام زائدہ یا مزیدہ بن حوالہ تھا، وہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ لوگ ایک جگہ پر ٹھہرے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک درخت کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ انھوں نے مجھے دیکھا کہ میں ایک ضرورت کے لیے ان کی طرف آرہا ہوں، اس وقت وہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے کاتب کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے ابن حوالہ! کیا ہم تمھیں بھی نہ لکھ دیں؟ میں نے عرض کی کہ مجھے معلوم نہیں، اللہ اور اس کے رسول نے میرے لیے کیا پسند فرمایا ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے اعراض فرمالیا اور دوبارہ کاتب کو املاء کرانے کے لیے جھک گئے۔ کچھ دیر بعد دوبارہ یہی سوال جواب ہوئے، اس کے بعد میں نے دیکھا تو اس تحریر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام لکھا ہوا تھا، میں نے اپنے دل میں سوچا کہ عمر رضی اللہ عنہ کا نام خیر کے ہی کام میں لکھا جاسکتا ہے، چنانچہ تیسری مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب پوچھا کہ اے ابن حوالہ! کیا ہم تمھیں بھی نہ لکھ دیں؟ تو میں نے عرض کی: جی ہاں! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابن حوالہ! جب زمین کے اطراف واکناف میں فتنے اس طرح اُبل پڑیں گے جیسے گائے کے سینگ ہوتے ہیں تو تم کیا کروگے؟ میں نے عرض کی: یارسول اللہ! میں کیا کروں؟ فرمایا: تم شام کو لازم پکڑنا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اگلا سوال پوچھا کہ اس کے

بعد جب دوسرا فتنہ بھی فوراً ہی تھوڑی مدت کے لیے نمودار ہوگا تب کیا کرو گے؟ انھوں نے کہا: مجھے معلوم نہیں آپ ﷺ نے آخر پر کیا کہا، اگر میں یہ جان لیتا کہ آپ ﷺ نے آخر میں میرے لیے کیا بات کی ہے تو یہ میرے لیے فلاں فلاں چیز سے زیادہ محبوب ہے۔[1]

[25] امام حاکم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں ابوالعباس محمد بن یعقوب[2] نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں بحر بن نصر خولانی نے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں بشر بن بکر نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سعید بن عبدالعزیز نے خبر دی، وہ مکحول سے بیان کرتے ہیں کہ انھیں ابوادریس الخولانی نے بیان کیا اور وہ عبداللہ بن حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عنقریب تم مختلف لشکروں میں تقسیم ہو جاؤ گے، ایک لشکر شام کا ہوگا، ایک عراق کا اور ایک لشکر یمن کا ہوگا۔'' میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! پھر میرے لیے منتخب کر دیجیے کہ میں کس میں ہوں؟ فرمایا: تم شام کے لشکر کو لازم پکڑو اور جو اس سے انکار کرے تو وہ یمن والے لشکر میں شامل ہو جائے اور وہ اپنے تالاب سے پلائے، بے شک اللہ تعالیٰ نے شام اور اہلِ شام کی ذمہ داری لی ہے۔[3]

[26] ابن حوالہ سے روایت ہے کہ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''عنقریب معاملہ اتنا بڑھ جائے گا کہ بے شمار لشکر تیار ہو جائیں گے، چنانچہ ایک لشکر شام میں ہوگا، ایک یمن میں اور ایک عراق میں۔'' ابن حوالہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! اگر میں اس زمانے کو پاؤں تو میں کہاں جاؤں؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ''شام کو اپنے اوپر لازم کر لینا، کیونکہ وہ اللہ کی بہترین زمین ہے، جس کے لیے وہ اپنے منتخب

---

[1] مسند أحمد (٢٠٣٥٤) یزید کا نام ''ابن ہارون الواسطی'' ہے۔ شعیب ارناؤط کہتے ہیں: اس کی سند صحیح ہے۔

[2] امام، محدث، مسند العصر، رحلۃ الوقت، محمد بن یعقوب بن یوسف الاموی، ان کے مولی ہیں ابو العباس السنانی، معقلی، نیشاپوری، الاصم (امام ذہبی)۔ سمعانی اور ذہبی نے ''التذکرة'' میں ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ ٣٤٦ھ میں فوت ہوئے۔ الأنساب (٣٥٠/١٢) مادة: المعقلي، تذكرة الحفاظ (٥٢/٣) سير أعلام النبلاء (٤٥٢/١٥) الروض الباسم في تراجم شيوخ الحاكم (١١٠٢)

[3] المستدرك (٨٥٥٦) اس کی سند صحیح ہے اور راوی ثقہ ہیں۔ ان سب کا تعارف ''التقريب'' میں موجود ہے ما سوائے الاصم کے۔ مکحول سے مراد: شامی ہیں۔ ابو ادریس کا نام عائذ اللہ بن عبداللہ ہے۔ امام حاکم کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے لیکن شیخین نے اس کو روایت نہیں کیا۔

تخریج: امام ابن حبان نے اس روایت کو اپنی ''الصحيح'' (٧٣٠٦) میں سعید بن عبدالعزیز کی سند سے ایسے ہی بیان کیا ہے، امام البانی اور شعیب الارناؤط نے اس کو صحیح کہا ہے۔ تخریج أحاديث فضائل الشام ودمشق للألباني (ص: ١٠)

بندوں کو چنتا ہے۔ اگر یہ نہ کر سکو تو پھر یمن کو اپنے اوپر لازم کر لینا اور لوگوں کو اپنے حوضوں سے پانی پلاتے رہنا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے میرے لیے اہلِ شام اور ملکِ شام کی کفالت اپنے ذمے لے رکھی ہے۔''[1]

[27] ابو مسہر نے اپنی کتاب ''النسخۃ'' میں روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سعید بن عبدالعزیز نے ربیعہ بن یزید سے بیان کیا، وہ ابو ادریس الخولانی سے بیان کرتے ہیں، وہ عبداللہ بن حوالہ ازدی سے اور وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''عنقریب تم مختلف لشکروں میں تقسیم ہو جاؤ گے ایک لشکر شام کا ہو گا، ایک عراق کا اور ایک یمن کا۔'' تو حرانی کہنے لگے: یا رسول اللہ! پھر میرے لیے ان میں سے بہترین کا انتخاب کر دیں۔ فرمایا: ''تم شام کے لشکر کو لازم پکڑو اور جو اس سے انکار کر دے تو وہ یمن کے لشکر میں ضرور مل جائے، اسے چاہیے کہ اپنے تالاب سے پلائے، بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے لیے شام اور اہلِ شام کی ضمانت دی ہے۔'' ابو ادریس الخولانی نے جب اس حدیث کو بیان کیا تو انھوں نے ابن عامر کی طرف دیکھا تو انھوں نے کہا کہ جس کی کفالت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لیا ہو تو وہ ضائع نہیں ہو گا۔[2]

ابو ادریس خولانی، ابو مسلم خولانی کے علاوہ ہیں، موخر الذکر دوسرے آدمی ہیں جنھوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ آپ علی رضی اللہ عنہ سے جھگڑا کرتے ہیں، یا پھر آپ ان کے برابر ہیں۔ لیکن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ شرعی خلیفہ تھے، اپنی رعایا اور حکومت کے معاملے میں مسؤول تھے اور معاویہ رضی اللہ عنہ ان کی رعایا میں سے ایک فرد تھے کہ جن پر خلیفہ کی اطاعت ضروری اور واجب تھی۔ جنابِ عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص لینا خلیفہ کی شان تھی[3] اور خلیفہ کا معاملہ تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے اس سلسلے میں فقط مطالبۂ قصاص درست تھا اور جلد ہی جناب علی رضی اللہ عنہ اس مطالبۂ قصاص کے لیے عملی سطح پر قدم اٹھاتے، لیکن وہ قدم سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہلِ شام کی بیعت کے بعد تھا، کیونکہ بیعت سب سے اہم معاملہ تھا تو اگر خلافت کا معاملہ پرسکون طریقے سے منعقد ہو جاتا تو پھر دوسرے امور کو نپٹانا آسان ہوتا۔

---

[1] مسند أحمد (١٧٠٠٥) امام البانی اور شعیب ارناؤط نے اس کو صحیح کہا ہے۔

[2] نسخة أبي مسهر (٢) اس کی سند صحیح ہے اور راوی ثقہ ہیں۔ ابو ادریس خولانی کا نام عائذ اللہ بن عبداللہ بن عمرو العوذی ہے۔ انھیں العیذی الشامی بھی کہا جاتا ہے۔ دمشق کے قاضی اور شامی عالم تھے۔

تخریج: اس روایت کو ابو سعد سمعانی نے فضائل الشام (١) میں ابو مسہر کی سند سے بیان کیا ہے۔

[3] سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ بیعت میں داخل ہوں اور قصاص کا مسئلہ میری عدالت میں پیش کریں۔ ملاحظہ ہو: [رقم: ٢]

غیر درست روایات:

اس سلسلے میں کچھ روایات جو صحیح نہیں ہیں:

[28] زید بن وہب بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم حذیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، انھوں نے کہا کہ تم اس وقت کس کیفیت میں ہو گے جبکہ تمھارے نبی کے اہلِ بیت دو گروہوں میں تقسیم ہو چکے ہوں گے اور ان میں سے بعض دوسروں کے ساتھ تلوار کے ذریعے لڑائی کریں گے؟ ہم نے پوچھا: ابوعبداللہ! ایسا ہی ہونے والا ہے؟ انھوں نے کہا: اللہ کی قسم جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق چیز کے ساتھ بھیجا! بے شک ایسا ہونا ہے۔ پھر ان کے بعض ساتھیوں نے کہا: ابوعبداللہ! پھر ہم کیا طرزِ عمل اختیار کریں، اگر ہم اس زمانے کو پالیں؟ تو فرمایا کہ وہ گروہ تلاش کرو جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے معاملے کی طرف دعوت دے رہا ہو، اس کو لازم پکڑ لو، بے شک وہ ہدایت پر ہے۔[1] تو عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے قصاص کا مطالبہ کرنا یہ ایک شرعی اور جائز حق تھا، جیسا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا موقف ہے....

[29] امام طبرانی رحمہ اللہ نے اس کو روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں حسن بن معاذ العنبری[3] نے

---

[1] مسند البزار (٢٨١٠) امام ذہبی کہتے ہیں کہ عمرو مجہول راوی ہے اور یہ حدیث کذب ہے۔ میزان الاعتدال (٥٤٦/٤) ابن حجر نے ابن عدی سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے کہا: عمرو مجہول ہے۔ لسان المیزان: (٣٥٩/٤- ٣٦٠)

تخریج: عقیلی نے اس روایت کو "الضعفاء الکبیر" میں "أبو عبدالرحمن مسعودي عن عمرو بن حریث" کی سند سے بیان کیا ہے اور کہتے ہیں کہ اس کا کوئی تابع نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر نے "فتح الباري" میں اس کو نقل کیا اور کہا کہ اس روایت کو بزار نے جید سند کے ساتھ زید بن وہب سے بیان کیا اور اس میں یہ الفاظ ہیں کہ ہم حذیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھے، پھر مختصر روایت ذکر کی۔ اس سے جو بات ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ابن حجر رحمہ اللہ پر عمرو بن حریث کا التباس ہو گیا تھا تو انھوں نے اس کی سند کو جید قرار دیا اور انھوں نے خود "لسان المیزان" میں ابن عدی سے نقل کیا ہے کہ یہ مجہول راوی ہے۔ امام طبری نے اس کو اپنی تاریخ (٩٨/٣) میں اور حاکم (٥٦٧٦، ٢٦٥٢) نے اس کو "مسلم بن کیسان عن حبة بن جوین عرني عن حذیفة" سے اسی معنی کی روایت نقل کی ہے سوائے اس کے کہ انھوں نے کہا: ''وہ گروہ جس میں ابنِ سمیہ ہیں۔'' یعنی عمار بن یاسر اور ابن حجر نے المطالب العالیة (٤٤١٣) میں اس طریق سے ابویعلیٰ کی طرف نسبت کی ہے۔ یہ روایت بھی مختصر ہے۔ اس کی اسناد ضعیف ہے، مسلم اور حبہ راویوں کے ضعف کی وجہ سے اور اس کے باوجود امام حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے اور امام ذہبی نے اس کو پہلی دفعہ صحیح قرار دیا اور دوسری دفعہ کہا کہ مسلم بن کیسان کو امام احمد بن حنبل اور ابن معین نے چھوڑ دیا تھا۔

[3] حسن بن مثنیٰ بن معاذ بن معاذ، ابومحمد عنبری، البصری۔ خلیلی اور مسلمہ کہتے ہیں کہ یہ ثقہ راوی ہیں اور امام ذہبی نے "سیر أعلام النبلاء" میں ان کو بڑے ثقہ راویوں میں لکھا ہے۔

←

بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عارم ابونعمان نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں صعق بن حزن نے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں قتادہ نے، وہ زہدم الجرمی سے بیان کرتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خطبہ دیا اور کہا کہ اگر لوگ عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص طلب نہ کریں تو آسمان سے پتھروں کو گرا کر انھیں رجم کر دیا جائے۔[1]

یہاں پر امام ابوبکر ابن العربی اس مسئلے میں اس جہت سے اختلاف کی حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ درست بات یہ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کی بات ٹھیک ہے، کیونکہ قصاص کا مطالبہ کرنے والے کے لیے درست نہیں ہے کہ وہ فیصلہ کرے اور مدعی کے قاضی پر تہمت لگانے سے اس کے لیے یہ جائز نہیں ہو جاتا کہ وہ اس کے خلاف خروج کرے بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنا مقدمہ اور مطالبہ قاضی کی عدالت میں رکھے، اگر اس کے لیے فیصلہ ہو جائے تو اچھی بات ہے، نہیں تو وہ پرسکون رہے اور صبر کرے۔[2]

ملک کے سیاسی اور امن وامان کے امور کے فیصلے کرنا یہ خلیفہ کی شان کے سب سے زیادہ لائق ہے۔ مزید یہ کہ علی رضی اللہ عنہ کو قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے مددگاروں کا یقینی علم نہیں تھا اور یہاں تک کہ اگر وہ ان میں سے بعض کو پہچانتے بھی تھے تو وہ تعداد میں زیادہ تھے اور بہت سارے قبائل بھی تھے جو ان کا دفاع کر رہے تھے اور یہ بھی ممکن تھا کہ وہ قبائل سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیتے جس سے شر اور فتنہ اَور بھی زیادہ ہو جاتا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا مقصود یہ تھا کہ وہ امت کو جمع رکھیں اور سارے شہروں کے لوگ ان کی بیعت کو مان لیں۔ اسی لیے وہ سمجھتے تھے کہ قصاص کو موخر کرنا اور بیعت کو مقدم کرنا زیادہ افضل ہے اور معاملات کو

← ان کے حالات درج ذیل میں کتب ملاحظہ ہوں: الجرح والتعديل (٣٩/٣) سؤالات السلمي للدارقطني (٥١) الإرشاد للخليلي (٢٨٩/٢) تاريخ الإسلام (١٣١/٢٢) سير أعلام النبلاء (٥٢٦/١٣) الثقات ممن لم يقع في الكتب الستة (٣٨٧/٣) إرشاد القاصي والداني إلى تراجم شيوخ الطبراني (٣٨٣)

[1] المعجم الأوسط (٣٤٥٣) اس کی سند عمدہ ہے۔ صعق کو امام ابن معین، ابو زرعہ، ابو داود، نسائی اور عجلی نے ثقہ قرار دیا ہے۔ امام ابن حبان نے ''صحیح'' میں کہا کہ ان کا شمار بصرہ کے متقی اور قراء لوگوں میں ہوتا ہے۔ امام ذہبی نے ''الکاشف'' میں ان کو ثقہ اور عابد اور ''تاریخ'' میں ان کو شیخ بصری، صدوق لکھا ہے۔ اکیلے امام دارقطنی نے ان کو لکھا ہے: ''ليس بالقوي'' (وہ قوی نہیں ہے) ابن حجر کہتے ہیں کہ صدوق ہے، کبھی وہم کر جاتا تھا۔

''تحرير التقريب'' میں لکھتے ہیں کہ صدوق ہے، وہم نہیں کرتا تھا۔ یہی بات اقرب الی الصواب ہے، باقی سارے راوی ثقہ ہیں۔ عارم کا نام محمد بن فضل سدوسی ہے۔ قتادہ کا نام ابن دعامہ سدوسی ہے۔

صعق کے تعارف کے لیے ملاحظہ ہو: مشاهير علماء الأمصار (١٢٤٧) الكاشف (٢٣٩٦) تاريخ الإسلام (٢٧٨/١٠) مع حاشیہ، ميزان الاعتدال (٣١٥/٢) التقريب (٢٩٣١)

[2] العواصم من القواصم (ص: ١٦٨)

سلجھانے کے زیادہ لائق ہے۔ اور اس سب کے باوجود معاویہ رضی اللہ عنہ مجتہد بھی ہیں، معذور بھی ہیں اور اپنے اجتہاد کی بنیاد پر وہ اجر کے بھی مستحق ہیں۔

[30] سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب حاکم کوئی فیصلہ اپنے اجتہاد سے کرے اور فیصلہ صحیح ہو تو اسے دہرا ثواب ملتا ہے اور جب کسی فیصلے میں اجتہاد کرے اور غلطی کر جائے تو اسے اکہرا ثواب ملتا ہے۔''[1]

اور کچھ ایسے اسباب بھی تھے کہ جن کی وجہ سے لوگ معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کے ساتھ مل رہے تھے، وہ اسباب درجِ ذیل ہیں:

① وہ احادیثِ نبویہ جو امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے متبعین کے بارے میں آئی تھیں اور وہ حدیث جس میں شام اور اہلِ شام کے لشکر کو لازم پکڑنے کا حکم ملا ہوا ہے۔ ان میں سے بعض لوگوں نے یہ اجتہاد کیا اور ان نصوص کا وہ فہم مراد لیا جس کا احتمال تو تھا لیکن وہ فہم درست نہیں تھا۔ تو اس بنیاد پر زہیر بن قیس بلوی[2] نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں ایک حدیث سنی ہوئی تھی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے تو وہ عمرو رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل گئے اور ان کے ساتھ مصر کی فتح میں شریک ہو گئے اور جب یہ فتنہ برپا ہوا تو اس میں بھی وہ لازمی طور پر انھی کی طرف تھے اور وہ اس بنیاد پر تھے کہ وہ حق پر ہیں ایسے ہی زہیر رحمہ اللہ نے فہمِ حدیث میں اجتہاد کیا۔

[31] علقمہ بن رمثہ بلوی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو بحرین کی طرف حاکم بنا کر بھیجا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سریہ کے لیے نکلے اور ہم بھی ان کے ساتھ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوئے ہوئے تھے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم جاگے اور فرمایا: ''اللہ عمرو پر رحم کرے!'' تو ہم نے ہر اس

---

[1] صحیح البخاري (۶۹۱۹) یہ حدیث متواتر ہے۔ یہ بات امام کتانی نے نظم المتناثر (ص: ۱۶۲) میں کی ہے۔

[2] ابو شداد، زہیر بن قیس البلوی المصری، بہادر فاتحین کی ایک جماعت کے امیر تھے۔ کہا جاتا ہے کہ انھیں صحبتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میسر ہوئی ہے۔ مصر کی فتح میں شریک ہوئے اور وہیں سکونت اختیار کی۔ فتنوں کے وقت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو لازم پکڑا، ان کے ساتھ ہی دمشق میں داخل ہوئے۔ عبدالملک بن مروان کے دور میں افریقہ کے گورنر بنے۔ صاحبِ تیر و تفنگ اور صاحبِ زہد و احسان تھے۔ بربر اور رومیوں کے ساتھ جہاد میں ان کے کئی ایک قصے مشہور ہیں۔ انھوں نے بربر کے رہنما کسیلہ کو قتل کیا تھا۔ روم کے ساتھ ایک جنگ میں ان کی شہادت ہوئی۔ رومیوں نے ان کو مغربی شہر برقہ میں شہید کیا۔ اس وقت رومیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی جبکہ یہ صرف چالیس سواروں کے ساتھ تھے، یہ ثابت قدم رہے اور بہادری کے ساتھ لڑے، یہاں تک کہ اللہ نے ان کو شہادت سے سرفراز کر دیا۔ راجح قول کے مطابق یہ ۷۶ھ میں شہید ہوئے۔ تاریخ دمشق (۱۱۲/۱۹)، الکامل في التاریخ (۴۵۳/۳)، الأعلام (۵۲/۳)

انسان کا نام ذہن میں لایا جس کا نام عمرو تھا۔ پھر دوبارہ نبی ﷺ سو گئے۔ دوسری دفعہ پھر جاگے، پھر کہا: ''اللہ عمرو پر رحم کرے!'' پھر تیسری دفعہ سوئے، پھر جاگے اور کہا: ''اللہ عمرو پر رحم کرے!'' تو ہم نے کہا: یا رسول اللہ! کون عمرو؟ فرمایا: ''عمرو بن عاص۔'' تو لوگوں نے کہا: اس کا کیا معاملہ ہے؟ فرمایا: ''میں نے اس کو یاد کیا کہ بے شک جب میں نے لوگوں کو صدقے کی ترغیب دلائی تو وہ بہت زیادہ مال لے کر آیا۔ میں نے اس سے کہا کہ تمھارے پاس یہ کہاں سے آیا؟ اس نے کہا: اللہ کے ہاں سے اور عمرو رضی اللہ عنہ نے یہ بات سچ کہی تھی۔ بے شک عمرو کی نیکیاں بہت زیادہ ہیں۔'' زہیر کہتے ہیں کہ جب فتنہ[1] برپا ہوا تو میں نے کہا کہ میں اس شخص کی پیروی کروں گا جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے بہت سی خیر ہونے کی گواہی دی تھی تو پھر میں ان سے جدا نہیں ہوا۔[2]

---

[1] یعنی صفین و جمل کا فتنہ۔

[2] المستدرك على الصحيحين (٥٩١٦) امام حاکم کہتے ہیں کہ یہ روایت صحیح الاسناد ہے، لیکن شیخین نے اس کو روایت نہیں کیا۔ امام ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

میں کہتا ہوں: زہیر بن قیس بلوی کے سبب اس کی سند حسن ہے۔ پھر اگر وہ ثقہ راوی نہیں ہے (جیسا کہ "المعرفة والتاريخ" میں یعقوب بن سفیان کے ہاں ذکر ہے) تو اس کا کم از کم حکم یہ ہے کہ یہ صدوق اور حسن الحدیث ہے۔ سند کے باقی رواۃ ثقات ہیں۔

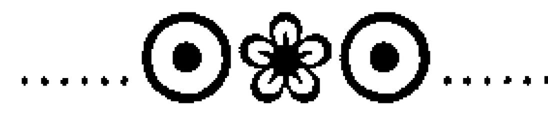
سعید بن ابی مریم کا نام ہے ابو محمد سعید بن حکم بن محمد بن سالم الجمحی، ان کے مصری مولیٰ ہیں۔ لیث کا نام ابن سعد بن عبدالرحمٰن فہمی ہے۔ فقیہ، امام اور حافظ ہیں۔ ابن لہیعہ کا نام عبداللہ بن لہیعہ بن عقبہ حضرمی ہے۔ ابن ابی حبیب کا نام یزید بن ابی حبیب سوید ازدی ہے، ان کے مصری مولیٰ ہیں۔

دکتور عبداللہ بن مراد سلفی کو یزید بن ابی حبیب کے معاملے میں وہم ہوا ہے۔ ان کی [تعليقات على ما صححه الحاكم في المستدرك، مطبع دار الفضيلة، الرياض، ط: ١٤١٨/١ھ] (ص: ٣١١) رقم: ١٠١٦۔ میں امام ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے اور آئندہ مصادر میں ان کے نام کی صراحت ہے۔

تخریج: امام احمد نے اس کو المسند (٥١٣/٣٩)، خلال نے السنة (٦٨٨)، ابن ابی عاصم نے الآحاد والمثاني (٧٩٧) (٢٦١٣) میں لیث بن سعد سے اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اس کی مکمل تخریج مسند میں ملاحظہ ہو۔ اس حدیث پر شعیب ارناؤط نے توقف کیا ہے۔

زہیر بن قیس بلوی کا تعارف: ان سے صرف یہی ایک حدیث مروی ہے۔ اپنے چچا علقمہ بن رمثہ سے روایت کرنے میں منفرد ہیں۔ ان سے صرف سوید بن قیس تجیبی ہی روایت کرتے ہیں، اس کے باوجود حاکم نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ امام ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ امام ہیثمی نے مجمع الزوائد (١٥٨٩١) میں کہا ہے کہ اس روایت کو امام احمد اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔ امام احمد کی سند کے رواۃ اور طبرانی کی ایک سند کے رواۃ ثقہ ہیں۔ ان دونوں کی توثیق ضمنی ہے۔ ←

④ بے شک اہلِ شام معاویہ رضی اللہ عنہ سے بے حد محبت رکھتے تھے، کیونکہ وہ ان کے لیے سخی بھی تھے اور ان کے ساتھ بردبار بھی تھے اور اہلِ شام پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بہت زیادہ احسانات بھی تھے اور خلافت سے قبل ۲۰ سال تک وہ شام پر امیر رہے ہیں۔ اسی وجہ سے اہلِ شام ان کے ساتھ سختیوں میں اور آسانیوں میں ڈٹ کر کھڑے رہے۔



← زہیر بن قیس کو یعقوب بن سفیان نے اہلِ مصر کے ثقات تابعین میں شمار کیا ہے۔ المعرفة والتاريخ (۵۱۲/۲) ابن حبان نے بھی ان کو الثقات (۳۳۷/٦) میں ذکر کیا ہے۔ ابن یونس نے اپنی تاریخ میں کہا ہے: (کہا جاتا ہے کہ یہ صحابی ہیں) اور ایسی ہی بات ابن ماکولا نے الإكمال (١٥٨/٤) میں کی ہے۔ لیکن ابن یونس نے تھوڑا سا اضافہ یہ کیا ہے کہ صحابی ہونے کے باوجود اس نے بعض تابعین سے روایت کی ہے اور پھر ہماری اس بحث سے متعلقہ حدیث ذکر کی اور کہا کہ اس حدیث کو علقمہ سے زہیر کے علاوہ کسی اَور نے روایت نہیں کیا اور یہ دونوں ہی صحابی ہیں۔ امام ابن عساکر نے کہا ہے: ابن مندہ نے ان کے تعارف میں لکھا ہے کہ علقمہ بن رمثہ بلوی: ان لوگوں میں شامل ہیں جنھوں نے بیعتِ رضوان میں شرکت کی تھی اور مصر کی فتح میں بھی شریک ہوئے اور ان سے زہیر بن قیس بلوی نے روایت لی ہے جو صحابہ میں آتے ہیں۔ تاريخ دمشق (۱۱۳/۱۹) اور امام صاحب کا یہ کہنا کہ یہ صحابہ میں شامل ہیں، یہ بات زہیر کی طرف جا رہی ہے، کیونکہ جب انھوں نے علقمہ سے حدیث بیان کی تو کہا کہ ان کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو بیعتِ رضوان میں شامل تھے، تو ایک شخص کے ایک وصف کو دو بار ذکر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اگر وہ صلح حدیبیہ والوں میں شامل ہی ہیں۔ امام ابن کثیر نے کہا ہے کہ وہ صحابی ہیں۔ البداية والنهاية (۲۲/۹)

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی التاريخ (۴۲۸/۳) میں، ابن ابی حاتم نے الجرح والتعديل (۵۸٦/۳) میں اس کا نام ذکر کیا اور اس کے متعلق سکوت اختیار کیا۔ امام بخاری (۴۰/۷) نے علقمہ بن رمثہ بلوی کے تعارف میں یہ حدیث ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ زہیر کا علقمہ سے سماع معروف نہیں ہے، باوجود اس کے کہ زہیر ایک بڑے راوی ہیں اور ان کا علقمہ سے سماع کرنا اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ خاص طور پر کہ جب وہ فتحِ مصر میں بھی شریک ہیں، اس لیے اس حدیث کے بعد انھوں نے زہیر کی عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ صحبت کا ذکر کیا۔ یہ بات شیخ شعیب الارناؤط نے ذکر کی ہے۔ شاید امام بخاری نے یہ بات اپنی اس معروف شرط کی وجہ سے کی ہے کہ جس میں سماع کے ثابت ہونے کی شرط ہے ہم عصر ہونا اور امکانِ ملاقات کافی نہیں ہے۔

امام ذہبی نے اپنی التاريخ (۴۰۴/۵) میں ان کو مجہول راوی قرار دیا ہے۔ ایسے ہی حسینی نے التذكرة (۵۲۰/۱) میں بھی ان کو مجہول لکھا ہے۔ ابن حجر رحمہ اللہ نے التعجيل (۵۵۴/۱) میں اس بات کا جواب یوں دیا کہ حسینی کہتے ہیں کہ یہ مجہول ہے اور میں کہتا ہوں کہ یہ معروف ہے۔ ابن یونس نے "تاريخ مصر" میں ان کا ذکر کیا اور کہا ہے: یہ صحابی ہیں اور ان کی کنیت ابو شداد ہے۔ فتحِ مصر میں شریک ہوئے اور برقہ کے مقام پر ٧٦ھ میں ان کو شہادت نصیب ہوئی۔ دیکھیے: التذييل على كتب الجرح والتعديل (۳۰۲) موسوعة رجال الكتب التسعة (۵۲۸/۱- ۵۲۹)

تیسری بحث:

فتنۂ صفین کے متعلق اہل السنہ والجماعۃ کا موقف

دونوں گروہوں کے درمیان لڑائی کے بارے میں اہل السنہ والجماعۃ کا موقف یہ ہے:

1 اس معاملے میں امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ اقرب إلی الحق موقف رکھتے تھے۔[1]

[32] حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات ایک حدیث میں روایت کی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قوم کا تذکرہ فرمایا جو (امت کے) مختلف گروہوں میں بٹنے کے وقت نکلے گی، ان کو دونوں گروہوں میں سے حق سے قریب تر گروہ قتل کرے گا۔[2]

2 دونوں طرف سے قتال کا فیصلہ ایک اجتہاد تھا۔ دونوں گروہ اس معاملے میں معذور ہیں اور عنداللہ ماجور ہیں۔

[33] سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب حاکم کوئی فیصلہ اپنے اجتہاد سے کرے اور فیصلہ صحیح ہو تو اسے دہرا ثواب ملتا ہے اور جب کسی فیصلے میں اجتہاد کرے اور غلطی کر جائے تو اسے اکہرا ثواب ملتا ہے۔''[3]

3 اہل السنہ والجماعۃ کے اجماعی اور متفقہ عقیدے کے مطابق صحابہ کرام طعن وتنقید سے بلند شخصیات ہیں۔[4]

[34] سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرے اصحاب کو برا بھلا مت کہو۔ اگر کوئی شخص اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا (اللہ کی راہ میں) خرچ کر ڈالے تو ان کے ایک مد غلہ کے برابر ہو سکتا ہے اور نہ ان کے آدھے مد کے برابر۔''[5]

---

1 ملاحظہ ہو: العواصم من القواصم لابن العربي (ص: ١٦٨)، فتح الباری لابن حجر (٦٧/١٣)

2 صحیح مسلم (١١٣/٣)

3 صحیح البخاري (٦٩١٩)

4 فتح الباري لابن حجر (٣٤/١٣)

5 صحیح البخاري (٣٤٧٠)

[35] ابن طاؤس اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب میرے صحابہ کا ذکر ہو تو اپنی زبانوں کو کنٹرول میں رکھو، جب عقیدۂ تقدیر کا ذکر ہو تب بھی خاموش ہو جاؤ اور جب ستاروں کا ذکر کیا جائے تو وہاں بھی سکوت اختیار کرو۔''[1]



[1] الأمالي في آثار الصحابة از امام عبدالرزاق (٥١)، امام البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔ السلسلة الصحيحة (٣٤)، صحيح الجامع (٥٤٥)

دوسری فصل:

فتنۂ صفین کے بارے میں مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا موقف

اس فصل میں تین بنیادی مباحث ہیں:

پہلی بحث: ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تذکرہ جو جنگِ صفین میں علی رضی اللہ عنہ کے حامی تھے۔

دوسری بحث: ان مبارک ہستیوں کا تذکرہ جو جنگِ صفین میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے طرفدار تھے۔

تیسری بحث: ان مقدس ہستیوں کا تذکرہ جو جنگِ صفین سے الگ تھلگ رہے۔

دوسری فصل:

جنگِ صفین کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مختلف موقف

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے موقف کا تذکرہ کرنے سے پہلے اس چیز کو سمجھنا اور ذہن میں رکھنا بے حد ضروری ہے کہ وہ صحابہ جو جنگِ جمل اور صفین میں شریک ہوئے ان کی تعداد کے بارے میں مختلف روایات میں بے حد مبالغہ کیا گیا ہے، خاص طور پر بدری صحابہ کے معاملے میں تو مبالغے کی انتہا ہے۔ اس مبالغے سے دو چیزیں مقصود ہیں:

1 تعداد کی کثرت کا شوق۔ 2 ایک گروہ کا دوسرے پر غلبے کو ظاہر کرنا۔

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حبہ بن جوین عرنی کوفی جو ایک غالی شیعہ ہے، وہ بیان کرتا ہے کہ جنگِ صفین میں علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ اَسی (۸۰) بدری صحابہ شریک تھے۔ جب کہ ایسا ہونا بالکل محال ہے۔[1]

ایسی ہی ایک روایت ابو الفرج ابن جوزی سے بھی منقول ہے، مگر انھوں نے تبصرہ یہ کیا ہے کہ یہ ایک جھوٹی بات ہے۔ اسی روایت پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے حاشیہ لکھا: ''بالکل یہ بات ایسے ہی ہے اگر اس کی سند حبہ تک ٹھیک ہو۔''[2] حفاظِ ثلاثہ نے ایسی مبالغہ آمیز تعداد پر مشتمل روایات کی استنادی حیثیت کے صحیح نہ ہونے پر اتفاق کیا ہے۔

بہت پہلے سے ہی امام ابو عبداللہ احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اس چیز پر خبردار کر دیا تھا کہ کوفہ کے کچھ لوگ جن میں بہت حد تک تشیع پھیل چکا ہے، اس معاملے میں بہت کچھ جھوٹ بولتے ہیں۔ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ بہت سے عظیم الشان لوگ جنگِ جمل اور صفین میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کھڑے تھے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ ان دونوں جنگوں میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک نہیں تھے۔

[36] اسحاق بن ابراہیم بن ہانی نیشاپوری کہتے ہیں کہ ابو عبداللہ نے مجھ سے کہا: مسروق اور مرہ

---

1 میزان الاعتدال (۱/۴۵۰)

2 تہذیب التہذیب (۲/۱۷۷)

نے جنگِ جمل میں شرکت نہیں کی، مرہ نے تو جنگِ دیلم[1] میں شرکت کی تھی جمل میں نہیں۔ پھر مزید کہا[2]: اگر اہلِ کوفہ کو اختیار دیا جائے کہ ہر شخص کے بارے جھوٹ گڑھ کر جنگِ صفین اور جمل میں شراکت دار کر دو،[3] تو یہ ایسا ضرور کریں گے۔[4] [5]

اس لیے کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ کے جنگِ جمل و صفین میں شریک ہونے کے مسئلے میں تحقیق کرنا اور محتاط رہنا ضروری ہے، کیونکہ ان کے ان دونوں جنگوں میں شرکت کے بارے عہدِ قدیم سے ہی سارا معاملہ جھوٹ اور افتراء پر کھڑا ہے۔

تراجم اور سیرِ رجال پر کام کرنے والے لوگ مختلف شخصیات کے بارے میں وہ سب کچھ جمع کر دیتے ہیں جو بھی انھیں ملتا ہے۔ اس معاملے میں وہ روایات کی صحت کا التزام نہیں کرتے، بلکہ ان میں سے بعض لوگ تو اس مسئلے میں کافی حد تک بے پروا ہیں، جیسا کہ "الاستیعاب" میں ابن عبدالبر رحمہ اللہ کا منہج ہے۔ وہ قطعی طور پہ غلط روایت نقل کر کے لوگوں کے تعارف میں ڈال دیتے ہیں۔

دو عوامل ایسے ہیں جن کے سبب جنگِ جمل و صفین میں شریک ہونے والے صحابہ کی تعداد کا متعین کرنا مشکل ہے:

1. صفین میں شریک ہونے والے صحابہ کرام کے ناموں میں بہت زیادہ اختلاط ہے۔
2. بہت سے لوگ جو صفین میں شریک ہوئے تھے، مگر ان کا صحابی ہونا یا نہ ہونا، ایک اختلافی معاملہ ہے اور ان کی صحبت عدمِ صحبت سے راجح نہیں ہے۔

اس اختلاط کی ایک مثال:

امام ذہبی نے خلیفہ بن خیاط سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں انھوں نے جنگِ صفین میں سیدنا

---

[1] دیلم: بنو عبس کے چشمے کا نام تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ارضِ یمامہ میں ایک چشمے کا نام تھا۔ معجم البلدان (٢/٥٤٤)

[2] یعنی احمد بن حنبل نے۔

[3] یعنی جنگِ جمل اور صفین میں ان کی حاضری کے بارے جھوٹا دعویٰ رکھتے ہیں۔

[4] امام خلال کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: اگر اہلِ کوفہ کو طاقت حاصل ہو تو یہ ہر شخص کا دامن جنگِ جمل و صفین کے خون سے آلودہ کر دیں تو وہ ایسا ضرور کر گزریں گے۔

[5] مسائل الإمام أحمد بن حنبل، بروایت اسحاق بن ابراہیم بن ہانی نیشاپوری (٢٠٢٩)۔ مسروق سے مراد: ابن الاجدع ہیں اور مرہ سے مراد: مرہ الطیب ہیں۔ روایت [رقم: ٢٧٥] کے تحت اس کا تکرار ہوگا۔

تخریج: اس روایت کو ابوبکر خلال نے السنۃ (٧٣١) میں اسحاق بن ابراہیم بن ہانی نیشاپوری کی سند سے روایت کیا ہے۔

علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک ہونے والے بدری صحابہ کے نام ذکر کیے جو درج ذیل ہیں: سہل بن حنیف، خوات بن جبیر،[1] ابو اسید الساعدی،[2] ابو الیسر،[3] ....

① جنگِ صفین میں ان کا شریک ہونا ثابت نہیں۔ خلیفہ نے ان کی شرکت کا ثبوت ابن ابی رافع کی کتاب سے دیا ہے لیکن ان کی کتاب معتمد علیہ نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو ابن ابی رافع کی کتاب: "تسمية من شهد مع علي رضی اللہ عنہ مشاهده" سے سولھویں نمبر پر ذکر ہونے والا تعارف۔

② ان کا نام مالک بن ربیعہ بن بدن ہے، کبار انصاری صحابہ میں ان کا شمار ہوتا ہے، جنگِ بدر اور صفین میں شریک ہوئے۔ ابن سعد اور خلیفہ کا کہنا ہے کہ یہ ۴۰ھ میں فوت ہوئے۔ ابو حفص کہتے ہیں ۳۰ھ میں فوت ہوئے۔ آخری عمر میں ان کی بصارت زائل ہوگئی تھی۔ سير أعلام النبلاء (٥٣٨/٢)
امام حاکم نے ایک روایت بیان کی ہے: ہمیں علی بن حمشاذ العدل نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عارم ابو نعمان نے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں حماد بن زید نے بیان کیا، وہ یزید بن حازم سے اور وہ سلیمان بن یسار سے بیان کرتے ہیں: قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ سے پہلے ہی بصرہ میں ابو اسید الساعدی کی بصارت زائل ہوگئی تھی، تب انھوں نے کہا تھا: تمام تر تعریفات اس ذات کے لیے ہیں جس نے اپنے نبی کے زمانے میں میرے لیے بصارت کو فائدہ مند بنایا اور جب اس نے اپنے بندوں میں فتنوں کا برپا ہونا مقدر کیا تو اس نے میری بصارت کو زائل کر دیا۔ (المستدرك: ٦١٨٩) اس کی سند صحیح ہے۔ سلیمان نے ابو اسید سے روایات لی ہیں۔ خلافت عثمان رضی اللہ عنہ میں پیدا ہوئے، دونوں ہی مدنی ہیں۔ ابن حمشاذ کا تعارف [رقم: ٥٦٨] کے تحت آئے گا۔ عارم کا نام محمد بن فَضل سدوسی ہے۔
اس سب کچھ کے بعد ایک نابینا آدمی کے لیے کیسے ممکن ہے کہ وہ جنگِ صفین میں شریک ہو جبکہ وہ تو خلافتِ عثمان رضی اللہ عنہ میں ہی نابینا ہو چکے تھے۔

③ امام ذہبی نے ابو الیسر کعب بن عمرو انصاری سلمی، جنھوں نے جنگِ بدر اور بعد کی جنگوں میں شرکت کی، کے تعارف میں لکھا ہے کہ یہ جنگِ صفین میں علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک ہوئے، مگر یہ بات درست نہیں۔ اس کی بنیاد ابو احمد حسن بن عبداللہ بن سعید بن اسماعیل عسکری (متوفی ۳۸۲ھ) پر ہے۔ ان کی کتب میں "المصون في الأدب" (مطبوع) اور "معرفة الصحابة" شامل ہیں۔ ابن حجر نے ان سے روایات نقل کی ہیں اور "معجم المفهرس" (٦٤١) میں ان کا ذکر بھی کیا ہے۔ ابن حجر رحمہ اللہ "تهذيب" میں فرماتے ہیں: عسکری نے کہا ہے کہ انھوں نے علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ صفین اور نہروان میں شرکت کی، وفات کے وقت ان کی عمر ۱۲۰ سال تھی، مگر یہ بات ٹھیک نہیں ہے۔ ابو الیسر نے بیس سال کی عمر میں جنگِ بدر میں شرکت کی، جیسا کہ ابن سعد نے کہا ہے۔ ۵۵ھ میں ان کی وفات ہوئی اور وفات کے وقت ان کی عمر تہتر (۷۳) سال بنتی ہے۔
خلیفہ اور عسکری کے سوا قدماء میں کوئی اَور مورخ نہیں ملتا جس نے یہ دعویٰ کیا ہو کہ موصوف جنگِ صفین میں شریک تھے، ان دونوں مورخین کا مستند ہونا ثابت نہیں۔ تاريخ الإسلام (٣٥٨/٤) تهذيب التهذيب (٤٣٧/٨) سير أعلام النبلاء (٥٣٧/٢)

...... رفاعہ بن رافع انصاری[1] اور اختلاف کے ساتھ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہم۔[2]

غیر بدری صحابہ جو صفین میں شریک ہوئے تھے ان میں انصاریوں میں سے خزیمہ بن ثابت، قیس بن سعد بن عبادہ، ابو مسعود عقبہ بن عمرو بدری،[3] ابو عیاش زرقی،[4] قرظہ بن کعب،[5] سہل بن سعد،[6] جابر بن عبداللہ،[7] ابو قتادہ[8] کے نام ہیں۔

اسی طرح عدی بن حاتم، اشعث بن قیس، سلیمان بن صرد، جندب بن عبداللہ، جاریہ بن قدامہ، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن جعفر، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کے نام ہیں۔

پھر خلیفہ نے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام ذکر کیے جو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے شریک تھے۔ ان

---

1. ابن حجر نے صفین میں ان کی شرکت کا انکار کیا اور تبصرہ کیا: ضرار بن صرد نے اس روایت کی سند کو عبیداللہ بن ابی رافع تک پہنچنے کے سبب یہ کہا ہے کہ موصوف صفین میں شریک تھے۔ ابن ابی رافع کی کتاب "تسمية من شهد مع علي رضي الله عنه مشاهده" میں (۱۱) نمبر تعارف پڑھ لیں۔
2. ان کے تعارف میں ہم نے یہ چیز لکھی ہے کہ وہ صفین میں شریک نہیں تھے اور ہم نے اس کے دلائل بھی ذکر کیے ہیں۔
3. یہ بات ٹھیک نہیں۔ ابو مسعود صفین میں شریک نہیں ہوئے، ان کے تعارف میں ہم نے یہ بات ذکر کی ہے۔
4. خلیفہ کی کتاب کے علاوہ تراجم اور تاریخ کی کسی کتاب میں ان کے صفین میں شرکت کا ذکر نہیں ملتا۔
5. جنگِ صفین میں ان کی شرکت کی بنیاد ابو البختری وہب بن وہب القاضی پر ہے۔ امام احمد، ابن معین، ابوزرعہ اور دوسرے محدثین نے اس پر جھوٹا ہونے کی جرح کی ہے۔ ابن عدی کے بقول اس کا شمار دجال اور کذاب لوگوں میں ہوتا ہے۔ یہ اپنی ہر بیان کردہ روایت کی سند میں جھوٹ بولتا ہے اور اس کی نسبت ثقہ لوگوں کی طرف کر دیتا تھا۔ "خبر صفین" کے نام سے اس کی ایک کتاب بھی ہے، قدیم کتابوں کے تذکرے میں ہم نے اس کا ذکر [رقم: ۴] کیا ہے۔
خطیب بغدادی کہتے ہیں کہ جب علی رضی اللہ عنہ مدائن سے صفین کی طرف نکلے، تب یہ ان سے ملے تھے اور انصار کے جھنڈے پر مقرر ہوئے۔ یہ بات ابو البختری نے جعفر بن محمد اور دوسرے شیوخ سے نقل کی ہے جن سے جنگِ صفین کی خبریں منقول ہیں۔ تاریخ بغداد (۱۹۷/۱) یہ موضوع روایت ہے۔
6. سیر اور رجال کی کتب میں خلیفہ کی کتاب کے علاوہ ان کے صفین میں شرکت کا کوئی اَور ثبوت نہیں ہے۔
7. جنگِ صفین میں ان کا شرکت کرنا ثابت نہیں ہوتا۔ شرکت کی روایت کی بنیاد ابن الکلبی کی ہے۔ ابن عبدالبر روایت کرتے ہیں کہ ابن کلبی نے کہا: یہ جنگِ اُحد اور جنگِ صفین میں علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے شریک ہوئے تھے۔ الاستیعاب (۲۲۰/۱)
8. ابو قتادہ بن ربعی انصاری: جنگِ اُحد اور بعد کی جنگوں میں شریک ہوئے، ابن حجر رحمہ اللہ نے "الإصابة" (۳۲۹/۷) میں کہا ہے کہ حسن بن عثمان فرماتے ہیں: یہ ۴۰ھ میں فوت ہوئے، علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے جنگوں میں شریک ہوئے۔
حسن بن عثمان سے ابو حسان الزیادی مراد ہیں۔ خطیب بغدادی نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ ان کی ایک کتاب "التاریخ" کے نام سے ملتی ہے۔ [رقم: ۵۳۵] کے تحت ان کا تعارف اور ان کی کتاب دونوں پر گفتگو ہوگی۔

میں عمرو بن عاص، عبداللہ بن عمرو، فضالہ بن عبید،[1] نعمان بن بشیر، مسلمہ بن مخلد،[2] بسر بن ابی ارطاۃ،[3] معاویہ بن حدیج کندی، حبیب بن مسلمہ فہری، ابو اعور سلمی،[4] ابو الغادیہ جہنی قاتلِ عمار رضی اللہ عنہ شامل ہیں۔[5]

ان شرکاء کا تذکرہ جن کا صحابی ہونا اختلافی معاملہ ہے اور ان کی صحبت راجح نہیں ہے:

شرحبیل بن سمط بن اسود بن جبلہ کندی:

بہادر فاتحین میں ان کا بڑا نام ہے۔ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں ایک لشکر کا امیر بنایا تھا، پھر انھوں نے مرتدین سے قتال کیا۔ جنگِ قادسیہ کے نامور شہسواروں میں ان کا ذکر ہوتا ہے۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اس دن ان کو میسرہ پر امیر مقرر کیا تھا، تب یہ جوانی میں تھے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ حکومت میں ۲۰ سال تک حمص کے گورنر رہے اور حمص انہی کی کوششوں سے فتح ہوا تھا۔

ابن حجر ''الإصابة'' میں لکھتے ہیں: معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کا صفین میں شریک ہونا ثابت ہے، البتہ ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔ ان کے بارے دونوں طرح کے اقوال ملتے ہیں۔

ابن سکن کہتے ہیں: انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث روایت کی ہے، اس کے علاوہ کوئی اَور ثبوت یا روایت نہیں ہے جو ان کی صحبت کا مدار بن سکے۔ وہ حدیث درجِ ذیل ہے:

''میری امت سے ایک مضبوط جماعت حق پر قائم رہے گی۔''

---

[1] درست بات یہی ہے کہ انھوں نے صفین میں شرکت نہیں کی، کیونکہ صفین کے لیے نکلتے وقت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو دمشق کا گورنر مقرر کیا تھا۔ سعید بن عبدالعزیز تنوخی فرماتے ہیں: جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ صفین کے لیے نکلے تو فضالہ بن عبید کو دمشق پر گورنر مقرر کیا۔ تاريخ أبو زرعة الدمشقي (ص: ۱۹۹)
یہ روایت قرائن کی بنیاد پر مقبول ہے۔ [رقم: ۶۲۷] کے تحت اس کی تخریج ذکر ہوگی۔

[2] ابن عساکر کہتے ہیں کہ یہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس قاصد بن کر آئے تھے، پھر ان کی طرف سے صفین میں شریک ہوئے۔ یہ لشکر کے میسرہ میں اہلِ فلسطین کے امیر تھے۔ ان کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ قاصد تھے اور نہ ہی صفین میں شریک ہوئے مگر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مصر پر غالب آ جانے کے بعد۔ تاريخ دمشق (۵۸/۵٤)

[3] صحیح بات یہ ہے کہ یہ تابعی ہیں۔

[4] صحیح بات یہ ہے کہ یہ تابعی ہیں۔

[5] العبر في خبر من غبر (۳۰/۱) ذہبی نے تاريخ الخلفاء میں موسیٰ بن زکریا تستری کی روایت سے اس کو نقل کیا ہے۔ ان کا نام مفقود لوگوں میں ہے۔

تاريخ خليفة مطبوع (ص: ۱۹٤) میں ان کا تھوڑا سا تعارف ہے۔ ذہبی نے ان کا کچھ تعارف الخلفاء الراشدين (ص: ٢٦٦) میں کیا ہے۔ ابن عساکر (۳۴۵/۱۵) نے تستری عن خلیفہ کی سند سے ان کا تھوڑا سا ذکر میں کیا ہے۔

اس روایت کو ابن مندہ نے نقل کیا اور کہا کہ یہ غریب ہے۔ ۴۰ھ میں ان کی وفات ہوئی، البتہ وفات کے بارے میں کچھ دوسرے اقوال بھی ملتے ہیں۔ حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی تھی۔ [1]

ان دو مثالوں کو سامنے رکھتے ہوئے آپ کو ایک اجمالی اندازہ ہوا ہوگا کہ صفین میں شریک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد کو متعین کرنا کس قدر مشکل کام ہے، ان کی تعداد کے بارے میں ایک مجموعی جائزہ [رقم: ۳۵] پر آ رہا ہے۔ البتہ وہ روایات جن کا مضمون یہ ہے کہ بہت کم تعداد میں صحابہ کرام صفین میں شریک ہوئے وہ درست ہیں۔

[37] شعبی کہتے ہیں کہ جنگِ جمل میں انصار اور مہاجرین میں سے جنابِ علی، عمار، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کے سوا کسی اَور نے شرکت نہیں کی۔ اگر مورخین کسی پانچویں کو لے کر آتے ہیں تو میں جھوٹا ہوں۔ [2]

[38] بلاذری کہتے ہیں کہ ہمیں شریح بن یونس نے اور عمرو بن محمد نے بیان کیا، یہ دونوں کہتے ہیں کہ ہمیں اسماعیل بن ابراہیم نے بیان کیا، وہ منصور بن عبدالرحمٰن سے روایت کرتے ہیں کہ شعبی نے کہا: مہاجرین و انصار میں سے جنابِ علی، عمار، طلحہ، زبیر رضی اللہ عنہم کے سوا کوئی اَور جنگِ جمل میں شریک نہیں ہوا، اگر کسی پانچویں کو لایا جاتا ہے تو میں کذاب ہوں۔ [3]

---

[1] تاریخ دمشق (۲۲/۴۵۵) تہذیب الکمال (۱۲/۴۱۸) الإصابة (۳/۳۲۹) تهذيب التهذيب (٤/۳۲۲)

[2] مصنف ابن أبي شيبه (۳۸۹۳۷)، اس کی سند منصور بن عبدالرحمٰن کی وجہ سے جید ہے، منصور سے مراد غدانی، بصری اشل ہے۔ محدثین کی ایک جماعت نے ان کی توثیق کی ہے، امام ابو حاتم نے کہا: وہ قوی نہیں ہے، اس سے حدیث لی جاسکتی ہے، مگر حجت نہیں بنایا جاسکتا۔ امام مسلم نے ان کو حجت بنایا ہے۔ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: صدوق ہیں وہم کا شکار ہو جاتے تھے۔ اس سند کے باقی سارے رواۃ ثقہ ہیں اور شیخین کے راوی ہیں۔ ابن علیہ کا نام ابو بشر اسماعیل بن ابراہیم اسدی ہے۔ السنۃ از خلال کے محقق منصور کے تعین میں وہم کا شکار ہوئے ہیں۔ انھوں نے اسے حجبی قرار دیا اور یہ ثقہ ہے۔ التقريب (٦٩٠٤)

تخریج: یعقوب بن شیبہ نے اس کو ابوبکر بن ابی شیبہ کی سند سے اپنی مسند میں بیان کیا ہے جیسا کہ تاريخ دمشق (٤٣/٤٦٠) میں اسی کی مثل ابوبکر بن ابی شیبہ سے مروی ہے۔ ملاحظہ ہو: موارد ابن عساكر في تاريخ دمشق (١/٥٩٠)

[3] أنساب الأشراف (٢/٢٦٧) شریح بن یونس: ابن سعد نے کہا: ان کی کنیت ابو الحارث ہے اور یہ بنت قریش مستملی کے خاوند تھے۔ انھوں نے کئی کتابیں لکھیں، روایات نقل کیں اور آگے بیان کیں۔ ثقہ آدمی تھے۔ الطبقات الكبرى (٧/٣٥٧) ابو عثمان بغدادی کا نام عمرو بن محمد بن بکیر الناقد ہے۔ ثقہ اور حافظ ہیں۔ حدیث میں اوہام کا شکار ہو گئے تھے۔ التقريب (٥١٠٦)

[39] شعبی بیان کرتے ہیں کہ اصحابِ نبی ﷺ میں سے جنگِ جمل میں علی، عمار، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کے سوا کوئی اَور شریک نہیں ہوا۔ اگر کسی پانچویں کا نام آئے تو میں کذاب ہوں۔[1]

[40] ابوبکر خلال نے اختلافِ سند سے روایت بیان کی ہے، عبداللہ بن احمد پر پڑھا گیا، کہتے ہیں کہ مجھے میرے باپ نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سفیان نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ منصور بن عبدالرحمٰن نے ہمیں بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ شعبی نے بیان کیا: نبی مکرم ﷺ کے صحابہ میں سے علی، عمار، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کے سوا کوئی اَور بدری صحابی جنگِ جمل میں شریک نہیں ہوا۔ اگر بیان کرنے والے اس تعداد سے تجاوز کرتے ہیں تو میں جھوٹا ہوں۔[2]

[41] شعبی بیان کرتے ہیں کہ جو شخص تمھیں یہ کہے کہ اہلِ بدر میں سے چار صحابہ کے علاوہ کسی نے شرکت کی ہے (تو میں جھوٹا ہوں) یا وہ کہیں کہ کسی پانچویں نے بھی جنگِ جمل میں شرکت کی ہے۔ (تو میں جھوٹا ہوں) اس جنگ میں علی اور عمار رضی اللہ عنہما ایک طرف تھے تو جنابِ طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما دوسری طرف۔[3]

[42] ابن عبد ربہ کہتے ہیں: شعبی کی حدیث میں یہ بھی شامل ہے: جو بندہ یہ سمجھے کہ بدری صحابہ میں سے چار کے سوا کسی اَور نے بھی جنگِ جمل میں شرکت کی ہے تو اسے جھوٹا سمجھو۔ اس جنگ میں جنابِ علی وعمار رضی اللہ عنہما ایک طرف تھے تو حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما دوسری جانب۔[4]

[43] شعبی سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا: اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں ہے! جنگِ جمل میں چھے بدری صحابہ کے سوا کسی ساتویں نے شرکت نہیں کی۔ میں نے کہا[5] کہ آپ دونوں کی روایت میں اختلاف ہے، جواب دیا[6]: اختلاف نہیں ہے۔ شعبی نے ابو ایوب کے بارے اختلاف کیا ہے کہ صفین کے بعد جب ام سلمہ نے انھیں علی رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا تو یہ اسی وقت نکلے تھے یا بعد میں؟ مگر یہ ضرور ہے کہ وہ ان کے پاس پہنچ گئے تھے جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نہروان میں تھے۔[7]

---

[1] العلل ومعرفة الرجال (٤٠٩٦) بروایت عبداللہ بن احمد۔

[2] السنة للخلال (٧٢٩) روایت جید ہے، خلال نے اس کی سند میں اختلاف کیا ہے۔

[3] تاریخ الخلیفة (ص: ١٨٦) روایت جید ہے، اس کی سند معلق ہے اور رواۃ ثقہ ہیں۔

[4] العقد الفرید (٧٥/٥) روایت اپنے شواہد کی بنا پہ درست ہے۔

[5] یہ بات کہنے والے سیف بن عمر ہیں اور وہ عمرو بن محمد سے سوال کر رہے ہیں۔

[6] صاحبِ کلام عمرو بن محمد ہیں۔

[7] تاریخ الطبري (٦/٣) روایت شواہد کے سبب مقبول ہے، البتہ سند ضعیف ہے۔ سابقہ روایات ملاحظہ ہوں۔

[44] شعبی سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا: اس ذات کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبودِ برحق نہیں ہے! فتنۂ جمل میں چھے بدری صحابہ کے سوا کوئی ساتواں شریک نہیں ہوا، یا سات کے سوا کوئی آٹھواں شریک نہیں ہوا۔[1]

روایات کے سارے الفاظ کو جمع کرنے کے بعد امام شعبی کا مقصود یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ان کے مطابق جنگِ جمل میں فقط چار بدری صحابہ شامل ہوئے تھے، جبکہ امام طبری کی بیان کردہ دو روایتیں عام ہیں جن میں جنگِ صفین اور جنگِ جمل دونوں میں شریک ہونے والوں کی تعداد کا ذکر ہے۔

تو جنگِ جمل اور جنگِ صفین میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مجموعی تعداد چھے بنتی ہے۔ ان میں سے چار نے جمل میں شرکت کی۔ اور جناب طلحہ[2] اور زبیر رضی اللہ عنہما نے جنگِ جمل میں شہادت پائی۔ تو جنگِ صفین میں شریک بدری صحابہ کی تعداد چار تھی۔ جن میں سیدنا علی، عمار اور سہل بن حنیف رضی اللہ عنہم کے نام تو معلوم ہیں، مگر چوتھے کا نام معلوم نہیں ہو سکا، شاید وہ خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ تھے مگر ان کے بدری ہونے میں اختلاف ہے۔[3]

[45] ہمیں یحییٰ بن سعید نے بیان کیا، وہ یحییٰ بن سعید سے، وہ سعید بن مسیّب سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: جب فتنے برپا ہوئے تو اہلِ بدر میں سے کوئی بھی باقی نہ رہا۔ یحییٰ[4] نے ایک اَور دفعہ

---

[1] تاریخ الطبري (٦/٣) شواہد کی بنا پہ روایت جید ہے، البتہ اس کی سند ضعیف ہے۔

[2] واقدی نے طلحہ رضی اللہ عنہ کا ذکر بنی تیم کے ان افراد میں کیا ہے جو بدر میں شریک تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اور سعید بن زید کو قریش کی نقل و حرکت پتا چلانے کے لیے بھیجا تھا۔ معرکۂ بدر ان کی غیر حاضری میں ہی برپا ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں غنیمت میں سے حصہ اور ان کے لیے اجر کا اعلان کیا تھا۔ اس اعتبار سے وہ بدری ہی ہیں۔ تاریخ دمشق (٦٨/٢٥) سیر أعلام النبلاء (١٣٦/١)

محمد بن اسحاق نے اس کو مغازی میں ذکر کیا ہے، یہ روایت تاریخ دمشق (٦٨/٢٥) میں بھی مذکور ہے۔ جنگِ بدر میں شرکت کرنے والے بنو تیم بن مرہ کے افراد میں طلحہ بن عبیداللہ کا ذکر ہے جو شام میں تھے۔ موارد ابن عساكر في تاريخ دمشق (٢٤٠/١)

[3] روایت نمبر [رقم: ١٠١] اور اس سے پہلے امام ذہبی کا قول ملاحظہ ہو۔

[4] یہاں یحییٰ بن سعید سے مراد القطان ہے جیسا کہ السنة للخلال (٧٢٤) میں ذکر ہے۔ بے شک امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے یہ روایت یحییٰ بن سعید سے دو دفعہ سنی، ایک دفعہ انھوں نے یوں کہا: مہاجرین میں سے کوئی باقی نہ رہا اور دوسری دفعہ یہ کہا کہ اہلِ بدر میں سے کوئی باقی نہ تھا۔ جس یحییٰ سے امام احمد نے سنا وہ یحییٰ القطان ہیں اور یحییٰ بن سعید انصاری ان سے پہلے کے ہیں، امام احمد رحمہ اللہ نے ان کا زمانہ نہیں پایا۔

کہا کہ مہاجرین میں سے کوئی باقی نہ رہا۔[1]

[46] سعید بن مسیّب سے روایت ہے: قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ کا فتنہ[2] برپا ہوا تو مہاجرین میں سے کوئی بھی باقی نہ رہا۔ واقعہ حرہ[3] ہوا تو اصحابِ حدیبیہ[4] میں سے کوئی باقی نہ رہا اور ایک تیسرے فتنے کا ذکر کیا۔[5]

تو اس فتنے کے رفع ہوتے ہی لوگوں سے سمجھ داری اور خیر و بھلائی مفقود ہوگئی۔[6]

[47] امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کو ''صحیح البخاری'' میں صیغۂ جزم کے ساتھ معلق روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ لیث نے کہا، وہ یحییٰ بن سعید سے، وہ سعید بن مسیّب سے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: پہلا فتنہ شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ برپا ہوا تو بدری صحابہ میں سے کوئی بھی باقی نہ رہا، پھر دوسرا فتنہ واقعۂ حرہ ہوا تو اصحاب بیعتِ رضوان میں سے کوئی بھی باقی نہ رہا، پھر تیسرا فتنہ ہوا تو وہ اس حال میں ختم ہوا کہ لوگوں میں کوئی بھی صاحبِ فکر ونظر باقی نہ رہا۔[7]

---

[1] العلل ومعرفة الرجال (٤٣٢١) بروایت عبداللہ۔ اس کی سند صحیح ہے۔ یحییٰ بن سعید جن کا پہلے ذکر ہوا ہے وہ قطان ہیں اور دوسرے یحییٰ بن سعید بن قیس انصاری ہیں۔ ابن مسیّب نے عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا زمانہ پایا ہے جبکہ ان کی عمر بیس برس سے زیادہ تھی۔ خلافتِ عمر رضی اللہ عنہ کے دوسرے سال ۱۵ھ میں ان کی ولادت ہوئی ہے۔

تخریج: خلال نے السنة (۷۲۵) کے تحت "عن عبد الله عن أحمد" کی سند سے بیان کیا ہے۔ مطبوعہ میں اس کی سند میں سقوط ہے۔ خلال نے اس کو (۷۲۴) کے تحت بھی روایت کیا ہے۔ مجھے حسین بن حسن نے خبر دی، وہ کہتے ہیں کہ انھیں محمد نے بیان کیا کہ ابوعبداللہ نے اس روایت کو بیان کرنے میں یحییٰ بن سعید کا نام لیا تھا لیکن اس کی سند میں بھی گذشتہ روایت کی طرح سقوط ہے۔ آئندہ چار روایات دیکھیں۔

[2] یہاں عثمان رضی اللہ عنہ کا شہید ہونا مراد ہے۔ ان کی شہادت ۱۲/ ذی الحجہ ۳۵ھ میں ہوئی۔ مسند أحمد (٥٤٦) شعیب ارناؤط نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ تهذيب الكمال (١٩/٤٥٤)

[3] واقعہ حرہ ۶۳ھ میں پیش آیا۔ البداية والنهاية (٨/٢٣٨، ٢٤٢) فتح الباري لابن حجر (١٣/٧١)

[4] صلح حدیبیہ ذوالقعدہ چھے ہجری میں ہوئی۔ فتح الباري (٧/٤٤٠)

[5] ابن عبدالحکیم فرماتے ہیں: یہ ابوحمزہ خارجی کے خروج کا واقعہ ہے۔ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ خروج مروان بن محمد بن مروان بن حکم کے زمانے میں ۱۳۰ھ میں ہوا۔ فتح الباري (٧/٣٢٥)

ابن التین کا کہنا ہے کہ شاید اس سے وہ دن مراد ہو جس میں ابوحمزہ خارجی نے مدینے میں خروج کیا تھا۔ محمد بن عبدالحکم نے بھی اسی موقف کو مضبوط قرار دیا ہے۔ عمدة القاري للعيني (١٧/١٢٠)

[6] العلل ومعرفة الرجال (٤٣٣١)، بروایت عبداللہ۔ اس کی سند گذشتہ سند کی طرح صحیح ہے۔

[7] صحيح البخاري (٣٨٠٠)

تخریج: ابن حجر نے اس روایت کو (تغليق التعليق: ٤/١٠٥) میں روایت کیا اور کہا کہ اس کو ابونعیم نے اپنی "مستخرج" ←

یہ الفاظ یحییٰ بن سعید القطان اور لیث بن سعد کے ہیں، وہ دونوں یحییٰ بن سعید بن قیس انصاری سے اور وہ ابن میبّب سے روایت کرتے ہیں، ان دونوں نے اپنی روایت میں صراحت کے ساتھ تیسرے فتنے کا ذکر کیا ہے۔ اس روایت کو معمر بن راشد، مالک، سلیمان بن بلال اور سفیان بن عیینہ ان چاروں نے یحییٰ انصاری سے تیسرے فتنے کو تعلیقاً "اگر تیسرا فتنہ برپا ہو" اور ان جیسے تعلیق کے الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔[1]

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دونوں روایات میں تطبیق ممکن ہے، یحییٰ بن سعید[2] نے یہ بات پہلے کہی ہو[3] اور پھر تیسرا فتنہ برپا ہوا تو وہ زندہ ہی تھے[4] تو انھوں نے وہی بات دوبارہ کہہ دی جو لیث بن سعد نے ان سے نقل کی تھی۔[5] [6]

تیسرا فتنہ ۱۳۰ھ میں برپا ہوا، جبکہ سعید بن میبّب رحمہ اللہ کی وفات ۹۴ھ میں ہوئی۔ امام ذہبی کے ہاں ان کی وفات کے بارے میں یہی تاریخ راجح ہے،[7] یعنی ابن المسیب رحمہ اللہ نے تیسرے فتنے کے برپا ہونے کا زمانہ نہیں پایا، انھوں نے اس کے وقوع سے لمبا عرصہ پہلے ہی اس پر تنبیہ کر دی تھی اور کہا کہ جب وہ برپا ہوگا تو کوئی بھی صحابی باقی نہیں ہوگا۔

ابن حجر رحمہ اللہ اس اثر کی شرح میں لکھتے ہیں:

پہلے فتنے سے مراد امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ہے، اس وقت بدری صحابہ میں سے کوئی بھی باقی نہ رہا، یعنی شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ سے لے کر واقعۂ حرہ کے درمیان سارے بدری صحابہ اس دنیا سے جا چکے تھے۔ ان میں سب سے آخر میں وفات پانے والے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ واقعۂ حرہ سے تین سے

← میں "أحمد بن حنبل عن يحيى بن سعيد القطان عن يحيى بن سعيد الأنصاري" کی سند سے روایت کیا ہے۔ سابقہ اور آئندہ کی دونوں روایات ملاحظہ ہوں۔

[1] ان کی روایات [رقم: ۴۸، ۴۹] کے تحت تخریج کے ساتھ آ رہی ہیں۔

[2] یحییٰ بن سعید بن قیس انصاری، سنہ ۱۴۴ھ یا اس کے بعد ان کی وفات ہوئی۔ التقریب (۷۵۵۹)

[3] یعنی صیغۂ تعلیق کے ساتھ "اگر تیسرا فتنہ ہوا تو"۔

[4] یعنی یحییٰ بن سعید بن قیس انصاری تب تک زندہ رہے۔

[5] یعنی واضح صیغے کے ساتھ "پھر تیسرا فتنہ برپا ہوا" لیث کی روایت پہلے والی ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

[6] فتح الباري (۳۲٥/۷)

[7] تاريخ الإسلام [(۱۱۰۷/۲) تحقيق: بشار عواد] سير أعلام النبلاء (٢٤٥/٤ – ٢٤٦)

نو سال کے درمیانی عرصے میں وفات پا چکے تھے تو جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کا قول غلط ہے تو اس کا مقدمہ اس بنیاد پہ کھڑا ہے کہ علی، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم اور دوسرے صحابہ تو عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد کئی سال تک زندہ رہے۔ اس کا یہ دعویٰ غلط ہے، کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ یہ سب شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ سے پہلے ہی گزر چکے تھے یہ مفہوم ہی غلط ہے اور یہ مراد نہیں ہے۔[1]

ابن حجر رحمہ اللہ کے قول کا مفہوم یہ ہے کہ شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ ۳۵ھ سے لے کر واقعۂ حرہ ۶۳ھ کے درمیانی عرصے میں سارے بدری صحابہ کی وفات ہو چکی تھی۔

اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ واقعۂ حرہ کے بعد والے سالوں میں بیعتِ رضوان میں شریک صحابہ بھی وفات پا چکے تھے۔[2] پھر سالوں گزرنے کے بعد باقی صحابہ کرام بھی وفات پا گئے تو تیسرا فتنہ جو ۱۳۰ھ میں برپا ہوا، تب تک روئے ارض پر کوئی بھی صحابی باقی نہ تھا۔ آخری صحابی جن کی وفات ہوئی وہ ابو طفیل عامر بن واثلہ لیثی ہیں جو ۱۱۰ھ میں فوت ہوئے۔[3]

پچھلے اثر میں منقول تینوں فتنے مدینہ میں برپا ہوئے تھے۔ ابن حجر رحمہ اللہ کا کہنا ہے: پتا یہ چلتا ہے کہ یحییٰ بن سعید[4] کی مراد وہ فتنے تھے جو مدینہ میں برپا ہوئے نہ کہ کسی اور دوسری جگہ میں۔[5]

[48] معمر نے اس روایت کو "جامع" میں یحییٰ بن سعید سے، وہ ابن مسیّب سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: فتنہ اولیٰ کا ظہور ہوا تو بدر کے شریک ہونے والوں میں سے کوئی بھی باقی نہ رہا،

---

[1] فتح الباري (۳۲۵/۷)

[2] ان میں جابر بن عبداللہ انصاری شامل ہیں۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ یہ ۷۴ھ میں فوت ہوئے۔ ان کی وفات کے بارے میں ایک روایت ۷۸ھ کی بھی ہے اور ایک ۷۷ھ کی بھی۔ الاستیعاب (۲۲۰/۱) اور ان کی وفات کے متعلق تهذيب الكمال (۴۵۳/۴) میں اَور بھی اقوال ہیں۔

ان میں عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی کا بھی نام ہے، انھوں نے جنگِ حدیبیہ اور خیبر میں شرکت کی۔ ۷۱ھ میں فوت ہوئے تب ان کی عمر ۸۱ سال تھی۔ تاريخ الإسلام (۴۳۲/۵)

ان میں عبداللہ بن یزید بن زید بن حصین خطمی کا نام بھی ہے۔ بیعتِ رضوان میں انھوں نے بھی بیعت کی تھی، تب ان کی عمر ۱۷ سال تھی۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے عہد میں کوفہ کے گورنر مقرر ہوئے۔ ۷۰ھ سے پہلے ہی ان کی وفات ہوئی۔ سير أعلام النبلاء (۱۹۷/۳) ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی خلافت واقعۂ حرہ کے بعد تھی۔

[3] سير أعلام النبلاء (۴۶۷/۳) (۴۶۷/۴)

[4] یحییٰ بن سعید بن قیس انصاری۔

[5] فتح الباري (۳۲۵/۷)

جب فتنہ ثانیہ برپا ہوا تو اہلِ حدیبیہ میں سے کوئی باقی نہ رہا۔ مزید یہ بھی کہا کہ میرا خیال ہے اگر تیسرا [1] بھی ہوا اور وہ ابھی ختم نہیں ہوگا اس حال میں کہ لوگوں میں کوئی خیر باقی رہے گی۔ [2]

[**49**] سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہوا تو اہلِ بدر میں سے کوئی بھی باقی نہ رہا۔ واقعۂ حرہ ہوا تو اصحابِ حدیبیہ میں سے کوئی باقی نہ رہا۔ اگر تیسرا واقعہ بھی ہوا تو لوگوں میں کوئی بھی صاحبِ فکر ونظر باقی نہ رہے گا۔ [3]

بدری صحابہ کے علاوہ کچھ اَور بھی صحابہ ہیں جو جنگِ جمل اور جنگِ صفین میں شریک ہوئے۔

[**50**] محمد بن سیرین بیان کرتے ہیں: جب فتنے برپا ہوئے تو اصحابِ رسول کی تعداد دس ہزار تھی، ان میں سے سو بھی صحابہ ایسے نہ تھے جو فتنوں کا شکار ہوئے ہوں بلکہ ان کی تعداد تیس تک بھی نہیں پہنچتی۔ [4]

---

[1] یہ الفاظ مستدرک میں ہیں: ''میرا گمان ہے کہ اگر تیسرا فتنہ برپا ہوا تو....''

[2] جامع معمر بن راشد (٢٠٧٣٩) اس کی سند صحیح ہے۔

تخریج: امام حاکم (٨٣٨٦) نے اس کو معمر کی سند سے بیان کیا ہے۔ سابقہ تین روایات اور آئندہ ایک روایت ملاحظہ ہو۔

[3] موطا إمام مالك برواية محمد بن حسن الشيباني (ص: ٣٤٣، رقم: ٩٩١) اس کی سند صحیح ہے۔

تخریج: ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباري (٣٢٥/٧) میں اس روایت کی نسبت امام دارقطنی کی طرف کی ہے کہ یہ امام مالک کی غرائب میں سے ہے اور اس سند کے ساتھ آخر میں یہ الفاظ ہیں: ''اگر تیسرا فتنہ بھی پیدا ہوا تو اس کے ختم ہونے تک کوئی خیر باقی نہ ہوگی۔''

عمر بن شبہ نے "تاريخ المدينة" میں اس روایت کو "سليمان بن بلال عن يحيى بن سعيد" کی سند سے روایت کیا ہے۔ اس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں: ''اور جونہی تیسرا فتنہ برپا ہوا تو اس کے ختم ہونے سے قبل لوگوں میں کوئی عقل وخیر باقی نہ ہوگی۔'' اس کی سند صحیح ہے۔

اور ابن ابی شبہ نے "تاريخ المدينة" اور ابن ابی خیثمہ نے التاريخ الكبير (١٢١/٢، رقم: ٢٠١٢) میں اس روایت کو "سفيان بن عيينة عن يحيى بن سعيد الأنصاري" کی سند سے ایسے ہی روایت کیا ہے، مگر اس کے شروع میں یہ الفاظ ہیں: ''اگر فتنہ برپا ہوا....'' اور آخر میں بھی یہی الفاظ ہیں: ''اگر پھر فتنہ پیدا ہوا تو وہ لوگوں میں خیر وقوت فنا کر کے ہی ختم ہوگا۔'' ابن ابی شبہ نے اختصار کے ساتھ فقط پہلے الفاظ ذکر کیے ہیں۔ اس کی سند صحیح ہے اور پچھلی چار روایات بھی ملاحظہ ہوں۔

[4] العلل ومعرفة الرجال (٤٧٨٧) بروایت عبداللہ۔ یہ روایت قرائن کی بنیاد پر مقبول ہے، البتہ مرسل ہونے کے سبب ضعیف ہے۔ اس کے راوی ثقہ ہیں اور شیخین کے راوی ہیں۔ امام ابن سیرین نے ان فتنوں کا سامنا نہیں کیا۔ اسماعیل کا نام ابن ابراہیم اسدی ہے اور ابن علیہ کی کنیت سے مشہور ہیں۔ ایوب کا نام ابن ابی تمیمہ سختیانی ہے۔

شواہد: یہ روایت محدثین کے ہاں بے حد مشہور ہے۔ اس باب میں ان کے نزدیک سب سے عمدہ روایت یہی ہے۔ اس ←

[51] ابوبکر الخلال کہتے ہیں کہ عبداللہ بن احمد پر یہ روایت پڑھی گئی، وہ کہتے ہیں: مجھے میرے باپ نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسماعیل نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ایوب نے بیان کیا، اور وہ محمد بن سیرین سے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: جب فتنوں کا ظہور ہوا تو رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں کی تعداد دس ہزار تھی تو ان فتنوں میں صرف سو کے لگ بھگ صحابی ملوث ہوئے بلکہ بمشکل ان کی تعداد تیس تک پہنچتی ہے۔ [1]

[52] معمر بن راشد اپنی "الجامع" میں "أیوب عن سیرین" کی سند سے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا جب فتنوں کا ظہور ہوا تو رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کی تعداد دس ہزار تھی تو ان میں سے صرف چالیس صحابہ فتنوں میں ملوث ہوئے۔ معمر اور دوسروں کا کہنا ہے کہ جنابِ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ۲۴۳ سے ۲۴۹ تک صحابہ شریک ہوئے تھے۔ ان میں ابو ایوب، سہل بن حنیف اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ [2]

معمر نے دو روایتوں کو الگ الگ کر دیا ہے تو یہ اشتباہ دور ہو گیا۔ پہلی روایت ابن سیرین سے مروی ہے اور دوسری کسی مجهول آدمی سے۔ پھر حاکم نے اس کو معمر کی سند سے بھی بیان کیا تو دونوں روایات کو یکجا کر دیا اور دونوں کو ہی ابن سیرین کی روایت قرار دیا۔

[53] ابن سیرین روایت کرتے ہیں: جب فتنے پیدا ہوئے تو اصحابِ رسول ﷺ دس ہزار کی گنتی میں تھے اور ان فتنوں میں چالیس صحابی بھی شریک نہیں ہوئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ۲۴۳ سے ۲۴۹ تک بدری صحابہ کھڑے ہوئے تھے۔ ان میں ابو ایوب، سہل بن حنیف اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ [3]

← روایت کے قرائن میں ایک تو وہ اعداد و شمار ہیں جو مختلف دوسری روایات میں ملتے ہیں۔ دوسرے نمبر پر ابن ابی رافع اور ابن عقدہ کی کتب ہیں جو انھوں نے علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک صحابہ کے ناموں کے سلسلے میں لکھی ہیں اور ان کا دراسہ اور تحقیق کی ہے۔ [رقم: ۵۳] پر امام حاکم کی روایت کے بعد ہم ان کتب کے اعداد و شمار پیش کریں گے۔

تخریج: ابن ابی شیبہ نے تاریخ المدینۃ (۱۲۷۱/٤) میں اس روایت کو نقل کیا، فرماتے ہیں کہ ہمیں محمد بن حاتم نے بیان کیا، انھیں ابن علیہ نے بیان کیا، پھر اسی کی مثل روایت نقل کی اور آخر پر کہا کہ ان کی تعداد تیس کی گنتی کو بھی نہیں پہنچتی۔

[1] السنۃ للخلال (۷۲۸) حسبِ سابق۔

[2] جامع معمر بن راشد (۲۰۷۳۵) امام ابن سیرین کا قول حسبِ سابق قرائن کے ساتھ مقبول ہے۔
اور مبہم آدمی کا قول: "وقال غیرہ" یہ موضوع ہے اور صرف افتراء ہے۔ اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ چند ایک کے سوا سارے اہلِ بدر صفین میں شریک تھے۔ بدر میں مسلمانوں کی تعداد تین سو تھی۔ جیسا کہ ابو ایوب نے صفین میں شرکت نہیں کی، ان کے تعارف میں یہ چیز ذکر کریں گے۔

[3] المستدرك (۸۳۵۸) اس سیاق کے ساتھ یہ غلط ہے۔ اس میں رجل مجہول کے قول کا ذکر نہیں ہے۔ میں سمجھتا ہوں ←

جنگِ جمل اور صفین میں شریک ہونے والے صحابہ کی تعداد پر ایک نظر:

دکتور خالد کبیر علال کی تحقیق میں ان کی تعداد ۳۵ ہے۔[1]

دکتور عثمان خمیس کے نزدیک ان کی تعداد ۲۵ ہے۔[2] ان میں ابو الہیثم مالک بن تیہان انصاری بدری رضی اللہ عنہ کا نام بھی ہے جبکہ درست بات یہ ہے کہ انھوں نے صفین میں شرکت نہیں کی۔ وہ صفین سے بہت پہلے ہی وفات پا گئے تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ۲۰ھ میں فوت ہوئے۔[3]

ابو جعفر محمد بن حبیب بن امیہ (م: ۲۴۵ھ) نے اپنی کتاب "المحبر"[4] میں جنگِ جمل اور صفین کے شرکاء کی تعداد جو علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے تیئس (۲۳) ذکر کی ہے۔ پھر ابن حبیب نے صفین میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ شرکاء صحابہ کی تعداد اٹھارہ (۱۸) ذکر کی ہے۔

تو مجموعی طور پر یہ تعداد اکتالیس (۴۱) بنتی ہے۔ اس تعداد میں اس چیز کو مدِنظر رکھا جائے گا کہ ان میں بعض وہ لوگ بھی ہیں جن کی صحبت ثابت نہیں ہوتی۔ مثال کے طور پر ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص[5] اور ان میں سے بعض تو جنگِ صفین میں حاضر بھی نہیں تھے۔ مثلاً: ابو ایوب انصاری، ابو مسعود بدری انصاری، ابو سعید خدری، خارجہ بن حذافہ عدوی، عصمہ بن قیس ہوزنی، حکم بن عمرو غفاری والیِ خراسان، سمرہ بن جندب بن ہلال فزاری اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم۔

← کہ یہ خطا امام حاکم کی ہے، یا کاتبوں کی۔ واللہ أعلم. محمد بن علی الصعانی اور اسحاق بن ابراہیم دونوں صدوق ہیں۔ [رقم: ۱۶۸] میں ان کا تعارف آئے گا۔

[1] الصحابة المعتزلون للفتنة الكبرى (ص: ۳۲) (سافٹ نسخہ)

[2] حقبة من التاريخ (ص: ۱۸۹)

[3] دیکھو: [رقم: ۱۰۲]

[4] المحبر (ص: ۲۸۹- ۲۹۶)

[5] خطیب بغدادی اور ابن عبدالبر نے ان کی صحبت کا اثبات کیا ہے۔ ابونعیم کا کہنا ہے کہ ان کی صحبت اختلافی مسئلہ ہے۔ ابن عساکر نے کہا: ان کے بارے صحابی ہونے کا قول موجود ہے، مگر یہ ثابت نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں پیدا ہوئے اور ان سے روایت کرتے ہیں۔ امام ذہبی نے تاریخ میں لکھا ہے کہ نبی ﷺ کی زندگی میں پیدا ضرور ہوئے، مگر ان کی صحابیت ثابت نہیں۔ "سير أعلام النبلاء" میں ان کا قول ہے کہ بعض محدثین نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے اس بنیاد پر کہ انھوں نے زمانۂ نبوت پایا ہے۔ معرفة الصحابة لأبي نعيم (۲۷٤٥/٥) تاريخ بغداد (۲۰۹/۱) تاريخ دمشق (۳۳۷/۷۳) الاستيعاب (١٥٤٦/٤) تاريخ الإسلام (٥٨٤/٣) سير أعلام النبلاء (٤٨٦/٣).

اس تعاقب کے بعد ابن حبیب کی مقرر تعداد میں سے بتیس (۳۲) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم باقی رہ جاتے ہیں۔ اسی (دوسری) فصل کی ابتدا میں خلیفہ بن خیاط کی جمع کردہ تعداد کا بھی ذکر ہے، مگر اس میں بہت حد تک اختلاف شامل ہے۔

راقم الحروف کے نزدیک اعداد وشمار:

⊙ اپنی کتاب کے طے شدہ منہج کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تراجم کو مدِ نظر رکھتے ہوئے میری تحقیق کے مطابق وہ صحابہ جو صفین میں شریک ہوئے ان کی تعداد تقریباً ۲۵ ہے، ان میں سے چار وہ بدری صحابہ جو عراقی لشکر میں تھے ان کے نام علی، عمار، سہل بن حنیف رضی اللہ عنہم ہے اور چوتھے کا نام مجھے پتا نہیں چلا۔[1]

⊙ ابن ابی رافع اور ابن عقدہ کی کتابیں جن میں جنگِ جمل اور صفین میں شریک صحابہ کے نام جمع ہیں ان میں صحابہ کی تعداد ۳۸ کے لگ بھگ ہے۔ باوجود کہ ان میں سے بعض کا صحابی ہونا مختلف فیہ ہے اور بعض کا شرکت کرنا اختلافی ہے۔

⊙ ان صحابہ کی تعداد جن کا تعارف میں نے "مواقف الصحابة" میں جنگِ صفین کے شرکاء کے ضمن میں کیا ہے، ان کی تعداد ۲۱ ہے۔ صحیح روایات سے ان کا صفین میں شریک ہونا ثابت ہے، ان میں چودہ عراقی لشکر میں تھے اور سات شامی لشکر میں۔

اس گنتی سے محمد بن سیرین رحمہ اللہ کے قول کی وضاحت ہوتی ہے کہ جس کے مطابق شرکاء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد تیس (۳۰) تک پہنچتی ہے۔[2]

غیر صحیح مرویات:

اس موضوع کی بعض ضعیف روایات ہیں:

جنگِ جمل اور صفین میں شریک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد کے بارے میں، میں نے ان روایات کو بھی جمع کر دیا ہے جو مبنی بر مبالغہ ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی درست منقول نہیں ہے۔ تمام روایات میں غرابت اور جانبداری ہے۔

[**54**] ابن دیزیل نے اس کو اپنی کتاب "صفین" میں نقل کیا ہے اور یہ روایت "تاریخ دمشق" اور "بغية الطلب" میں بھی موجود ہے:

---

[1] ان چار بدری صحابہ کے بارے میں روایت [رقم: ۴۴] کے تحت تفصیل آ چکی ہے۔

[2] ملاحظہ ہو: [رقم: ۵۰ تا ۵۳]

ہمیں عقبہ بن مکرم کوفی نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ ہمیں یونس نے بیان کیا، انھوں نے عمرو بن شمر سے، وہ جابر سے، وہ محمد بن علی اور محمد بن مطلب اور زید بن حسن سے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ میں ۷۰ بدری صحابہ شریک تھے اور بیعتِ رضوان کے صحابہ میں سے ۷۰۰ سے لے کر ان گنت تعداد شریک تھی اور تابعین میں سے تین لوگ شریک تھے۔ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ ان تینوں کو جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی تھی۔ ان کا نام اویس قرنی، زید بن صوحان اور جندب الخیر ہے۔ اویس قرنی صفین میں شہید ہوئے اور زید بن صوحان جنگِ جمل میں شہید ہوئے۔ [1]

---

[1] تاریخ دمشق (۱۹/۴۴۲) بغية الطلب في تاريخ حلب (۱/۳۱۲) كتاب صفين لابن ديزيل (رقم: ۱۴۵)، اس کی سند سخت ضعیف ہے اور یہ روایت مرسل ہے۔

- یونس: ابن بکیر بن واصل شعبانی، صدوق ہے اور خطائیں کرنے والا ہے۔ (التقريب: ۷۹۰۰)

- عمرو بن شمر: اس سے امام نسائی، دارقطنی اور دوسرے محدثین نے روایات لی ہیں۔ یہ متروک الحدیث تھا۔ ابوعبداللہ امام حاکم فرماتے ہیں: یہ بہت زیادہ موضوع روایات بیان کرتا تھا، یہ جابر جعفی سے بھی روایات لیتا تھا، مگر ان صریح موضوع روایات کو بیان نہیں کرتا تھا۔ لسان الميزان (۳٦٦/٤)

- جابر کا نام ابن یزید الجعفی ہے۔ ضعیف اور رافضی راوی ہے۔ التقريب (۸۷۸)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: موارد ابن عساكر في تاريخ دمشق (۱/۳۹۹)

تخریج: ابن العدیم بغية الطلب (۱/۳۱۱) میں فرماتے ہیں: ”میں نے بنو مقلہ کے وراق بنوسہ کے خط میں لکھی ہوئی تحریر کو پڑھا: ابوالحسن مدائنی سے مروی ہے کہ ابوالحسن ابن ابی نعیم فضل بن دکین نے کہا: ہمیں جریر بن حازم نے بیان کیا، وہ یونس بن خباب سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا: علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگِ صفین میں ۸۰ بدری صحابہ شامل تھے۔“ اس کی سند ضعیف ہے، موضوع روایت ہے۔ یونس اس واقعے میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ خباب کے نام میں تصحیف ہوگئی ہے اور حباب بن گیا ہے۔

- بنوسہ وراق بنی مقلہ کا تعارف مجھے نہیں ملا۔ ان سے ابن عدیم نے دو جگہ نقل کیا ہے۔ بلاذری کی ”فتوح البلدان“ میں آٹھ دفعہ ان کا ذکر ہے۔ دیکھیے۔ بغية الطلب (۱/ ۹۰، ۱۲۵، ۱۳۷، ۱۵۱، ۱٦۹، ۱۷۳، ۱۸۵، ۵۸٤) تقابل سے یہ ثابت ہے کہ آٹھوں جگہ یہ روایت اسی سے نقل ہوئی ہے۔ دوسری کتاب ابوالحسن المدینی کی ہے، اس میں دو جگہ پر ان سے چیزیں نقل ہوئی ہیں: (۱/ ۳۱۱)، (۱۰/ ۴۵۹٦)

- ابوالحسن ابن ابی نعیم۔ احمد بن میثم بن ابی نعیم الکوفی۔ امام ذہبی کہتے ہیں: ان کا شمار شیعہ کے نمایاں ترین افراد میں ہوتا ہے۔ شیعت کے موضوع پر ان کی کافی ساری کتب ہیں۔

ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ابوجعفر طوسی کا قول ہے: ”تشیع میں اس کی کافی ساری کتب موجود ہیں، یعنی اس کا شمار فقہائے شیعہ میں ہوتا ہے۔“ امام دارقطنی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ یہ علی بن قادم سے ←

[55] اس روایت کو ابن دیزیل نے اپنی کتاب "صفین" میں بیان کیا ہے، "بغية الطلب" میں بھی اس کا مزید ذکر ہے۔ حکم بن عتیبہ نے بیان کیا: جنگِ صفین میں علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ۸۰ بدری صحابہ تھے اور ساڑھے پانچ سو اہلِ حدیبیہ تھے۔ ①

← بکثرت منکر روایات اور ثقات سے مقلوب روایات بیان کرتا تھا۔ دیکھیں: المجروحين لابن حبان (١/١٤٨) تاريخ الإسلام (٩٠/٢١) ميزان الاعتدال (١/١٦٠) لسان الميزان (١/٣١٦)

- یونس بن خباب: اسیدی کوفی اور رافضی ہے۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ منکر الحدیث ہے۔ یحییٰ بن سعید نے اس پر کذب کی جرح کی ہے۔ ابن معین نے ایک جگہ اس کو ثقہ لکھا ہے اور دوسری جگہ ضعیف۔ امام ابو داود کہتے ہیں کہ شعبہ سے ان کی روایات درست ہیں، رافضہ کی مرویات ایسے نہیں ہوتیں۔ ابن حجر فرماتے ہیں کہ صدوق ہے اور خطائیں کرنے والا ہے لیکن رفض کی تہمت سے متہم ہے۔ "تحرير التقريب" میں یہ بھی ہے کہ یہ راوی سخت ضعیف ہے۔ دیکھیں: تهذيب الكمال (٣٢/٥٠٣) ميزان الاعتدال (٤/٤٧٩) التكميل في الجرح والتعديل لابن كثير (٢/٤٧٧) تهذيب التهذيب (١١/٤٣٧) تحرير التقريب (٤/١٣٩)

① بغية الطلب في تاريخ حلب (١/٣١١) "كتاب صفين" از ابن دیزیل (رقم: ١٤٦) منکر روایت ہے۔ اس کی سند ضعیف ہے، ساتھ میں مرسل بھی ہے۔ حکم بن عتبہ کا لقب کندی ہے۔ صغار تابعی ہیں۔ اس واقعے کے وقت موجود نہیں تھے۔ ثقہ راوی ہیں بلکہ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ انھوں نے ایک بدری صحابی کے علاوہ باقیوں کے صفین میں شریک ہونے کی نفی کی ہے۔ آئندہ روایت [رقم: ٥٦] دیکھیں۔

محمد بن عمیرہ نخعی کوفی راوی ہیں، ابو اسرائیل عبسی اور شریک بن عبداللہ نخعی سے روایت کرتے ہیں۔ یحییٰ بن سلیمان جعفی ان سے روایات لیتے ہیں، یہ بات خطیب نے کہی ہے۔ امام بخاری اور ابو حاتم نے ان کے بارے سکوت کیا ہے۔ ابن حبان نے "الثقات" میں ان کا ذکر کیا ہے۔ پھر ابن حجر رحمہ اللہ ذکر کرتے ہیں کہ محمد بن عمیرہ مصر میں قاضی ابوبکر بکری، ہاشم بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق کے کاتب تھے۔ دیکھیں: التاريخ الكبير ١/١٩٥) الجرح والتعديل (٨/٥٣) الثقات لابن حبان (٩/٦٥) تالي تلخيص المتشابه للخطيب بغدادي (٢/٥٠٣) رفع الإصر عن قضاة مصر لابن حجر (ص: ٤٥٧)

ابو اسرائیل کا نام اسماعیل بن خلیفہ عبسی ملائی کوفی ہے۔ محدثین کی ایک جماعت نے سوئے حفظ اور غلو فی الرفض اور شتم عثمان رضی اللہ عنہ کے سبب اس پر جرح کی ہے۔ بعض محدثین نے اسے چغل خور کہا ہے۔ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ صدوق راوی ہے، مگر "سيئ الحفظ" ہے اور اس پر تشیع میں غلو کا الزام بھی ہے۔ تهذيب الكمال (٣/٧٧) التقريب (٤٤٠)

حکم بن عتیبہ سے روایت پر بھی محدثین نے کلام کیا ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے "السنن" (١/٢٥٠، رقم: ١٩٦) میں "أبو إسرائيل عن الحكم عن عبدالرحمن ابن أبي ليلى عن بلال" کی سند سے روایت نقل کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "فجر کے سوا کسی بھی نماز میں تھویب نہ کرو۔" پھر فرماتے ہیں کہ ابو اسرائیل نے یہ حدیث حکم بنو عتیبہ سے نہیں سنی، بلکہ اس کو انھوں نے حسن بن عمارہ عن حکم بن عتیبہ سے روایت کیا ہے۔ ←

← اسی لیے محدثین نے ابو اسرائیل پر تدلیس کا الزام لگایا ہے۔ دیکھیں: المدلسين لأبي زرعة ابن العراقي (٧٧)
حسن بن عمارہ کا نام ابو محمد بجلی کوفی ہے، قاضی بغداد اور متروک تھے۔ التقريب (١٢٦٤)
اہلِ بدر اور اصحابِ حدیبیہ کی اس قدر بڑی تعداد کا جنگِ صفین میں شریک ہونا درست نہیں۔ یہ صرف مبالغہ آمیزی اور شیعہ کی طرف سے پھیلائی گئی مختلف روایات ہیں جو انھوں نے علی رضی اللہ عنہ کے موقف کی تائید میں عام کر رکھی ہیں، جبکہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو اپنے موقف کی تائید کے لیے اس طرح کی ردی چیزوں کی ضرورت نہیں۔ ان کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہی کافی ہے: ''مسلمانوں میں فتنے اور انتشار کے وقت تیزی سے نکلنے والا ایک گروہ نکلے گا اور دو جماعتوں میں سے وہ جماعت اسے قتل کرے گی جو حق کے زیادہ قریب ہوگی۔'' صحيح مسلم (١١٣/٣)
اور فرمایا: ''افسوس! عمار کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی، یہ انھیں جنت اور وہ (گروہ) انھیں دوزخ کی طرف دعوت دیتے ہوں گے۔'' صحيح البخاري (٤٣٦) مزید دیکھیں: موارد ابن عساكر في تاريخ دمشق (٣٩٩/١)
تخریج: خطیب بغدادی نے اس روایت کو تالي تلخيص المتشابه (٥٠٣/٢) میں ابن دیزیل سے ایسے ہی بیان کیا ہے۔
یہی روایت البداية والنهاية (٢٨٣/٧) میں ابن دیزیل سے مروی ہے۔ امام حاکم نے مستدرک (۴۵۵۹)، (۴۵۶۰) میں اس کو بیان کیا ہے۔ ابو القاسم رافعی نے اس روایت کو التدوين في أخبار قزوين (١٩٣/١) میں ابو اسرائیل کی سند سے بیان کیا ہے۔ ان دونوں روایتوں میں ۱۵۰ کے بجائے ۲۵۰ کی گنتی کا ذکر ہے۔
خلیفہ نے اپنی ''تاریخ'' میں (ص: ۱۸۴) پر نقل کی ہے: ''ہمیں ابو غسان نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ ہمیں یعقوب قمی نے بیان کیا، وہ جعفر بن ابی مغیرہ سے اور وہ سعید بن جبیر سے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: جنگِ جمل کے دن علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ انصاری اور بیعتِ رضوان والے صحابہ تھے۔'' اس کی سند ضعیف ہے اور یہ مرسل روایت ہے۔ سعید بن جبیر نے وہ زمانہ نہیں پایا، سعید بن جبیر سے روایت کرنے میں جعفر بن ابی مغیرہ قوی نہیں ہے، یہ بات ابن مندہ نے کہی ہے۔ تهذيب التهذيب (١٠٨/٢)
امام ذہبی نے الخلفاء الراشدين (ص: ٢٥٣) میں اس روایت کو جعفر کی سند سے ایسے ہی روایت کیا ہے۔
- ابو غسان: مالک بن اسماعیل بن درہم نہدی۔ ثقہ، ماہر، صحیح الکتاب ہیں۔ التقريب (٦٤٢٤)
- یعقوب: ابن عبداللہ بن سعد، ابو الحسن اشعری قمی: صدوق ہیں، وہم کا شکار تھے۔ التقريب (٧٨٢٢)
- جعفر بن ابی مغیرہ الخزاعی قمی: صدوق ہیں، وہم کا شکار تھے۔ التقريب (٩٦٠)
خلیفہ نے اپنی تاریخ میں (ص: ۱۹۳-۱۹۴) پر نقل کیا ہے: ''ہمیں ابو غسان نے بیان کیا، کہا: ہمیں عبدالسلام بن حرب نے یزید بن عبدالرحمٰن سے بیان کیا، وہ جعفر ابن ابی مغیرہ سے، وہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابزیٰ سے، وہ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: ہم بیعتِ رضوان والے صحابہ میں سے علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ آٹھ سو (۸۰۰) صحابہ شریک تھے۔ ہم نے بدھ، جمعرات، جمعہ اور ہفتہ کی رات قتال کیا، پھر قرآن پاک نیزوں پر اٹھا لیے گئے اور صلح کی دعوت دی گئی۔ جب دونوں لشکر الگ الگ ہوئے تو مقتولین ستر ہزار کی تعداد میں تھے۔ پینتالیس ہزار شامی لشکر سے اور پچیس ہزار عراق کے لشکر سے تھے۔ ایک روایت میں ساٹھ ہزار کے الفاظ بھی ہیں۔'' اس کی سند ضعیف ہے۔ ←

[56] عبدالرحمان بن ابی لیلیٰ بیان کرتے ہیں کہ جنگِ صفین میں اہلِ بدر میں سے ستر صحابہ شریک تھے، جواب دیا[1] : اللہ کی قسم! اس نے جھوٹ کہا ہے، ہم نے حکم سے اس کا مذاکرہ کیا اور گھر میں ان کی تعداد کا تذکرہ کیا تو اہلِ بدر سے خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی بھی صفین میں شریک نہیں ہوا۔[2]

شعبہ اور حکم کے اس قول کی توجیہ یہ ہے کہ ''مشہور صحابہ کے علاوہ اہلِ بدر میں سے خزیمہ رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی بھی صفین میں شامل نہیں ہوا۔''

← یزید بن عبدالرحمٰن، ابو خالد دالانی: محدثین نے ان کی عدالت میں اختلاف کیا ہے۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ یہ صدوق ہے البتہ غلطیاں بہت کرتا تھا اور تدلیس بھی کرتا تھا۔ التقریب (۸۰۷۲) سند میں راوی نے شک کا بھی اظہار کیا ہے، جعفر کے بارے راوی کا خیال ہے کہ اس سے مراد: ابن ابی مغیرہ ہے۔ اس وجہ سے بھی سند کمزور ہے۔ ابو خالد کو بنیاد بنانے میں بھی شک ہے۔ واللہ أعلم.

عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابزیٰ: مقبول راوی ہے۔ (التقریب: ۳۴۲۳) باقی رواۃ ثقہ ہیں۔

خلیفہ نے اپنی تاریخ (ص: ۱۹۶) میں اس روایت کو بیان کیا ہے: ''ہمیں ابوغسان نے بیان کیا، وہ یزید بن عبدالرحمٰن سے، وہ جعفر ابن ابی مغیرہ سے، وہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن ابزیٰ سے، وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم بیعتِ رضوان والے صحابہ میں سے علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ آٹھ سو (۸۰۰) صحابہ شریک تھے جن میں سے تریسٹھ لوگ مقتول ہوئے۔ ان میں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔'' اس کی سند ضعیف ہے۔

اسی خبر کو ذہبی نے الخلفاء الراشدین (ص: ۲۶۷) میں عبدالسلام کی سند سے روایت کیا ہے۔

امام ذہبی نے الخلفاء الراشدین (ص: ۲۶۵) میں ثویر بن ابی فاختہ سے روایت بیان کی اور کہا کہ جنگِ صفین میں علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے پچیس بدری صحابہ شہید ہوئے۔ اور ''ثویر'' متروک راوی ہے۔

امام ذہبی نے الخلفاء الراشدین (ص: ۲۵۳) میں کہا: ''مطلب بن زیاد سدی سے روایت کرتے ہیں کہ جنگِ جمل میں علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ۱۳۰ بدری صحابہ اور ۷۰۰ عام صحابہ شریک تھے اور دونوں لشکروں میں سے تیس ہزار (۳۰۰۰۰) لوگ جنگ میں کام آئے، اس سے زیادہ مقتول کسی اَور جنگ میں قتل نہیں ہوئے۔ یہ روایت مرسل ہونے کے سبب ضعیف ہے۔ سدی نے اس واقعے کو نہیں دیکھا۔

مطلب بن زیاد: ثقہ راوی ہے، کبھی کبھی وہم کر جاتا تھا۔ التقریب (۶۷۰۹)

السدی: اسماعیل بن عبدالرحمٰن ابن ابی کریمہ ابو محمد کوفی اعور۔ صدوق راوی ہے کبھی کبھی وہم کر جاتا تھا اور تشیع سے متہم ہے۔ دیکھیں: التقریب (٤٦٣)

[1] یہ بات کرنے والے شعبہ بن حجاج ہیں۔

[2] العلل ومعرفة الرجال (٤٦٢) "أبو شيبة عن الحكم بن عتيبة عن ابن أبي ليلى" اس روایت کے مطابق شرکائے صفین کی تعداد ستر ہے، مگر یہ روایت اعلیٰ درجے کی ضعیف اور موضوع ہے، کیونکہ ابو شیبہ متروک الحدیث ہے۔ شعبہ نے ان کی تکذیب کی ہے، [رقم: ۱۰۱] کے تحت یہ روایت تخریج کے ساتھ نقل ہوگی۔

ان دونوں نے جب بدری مشاہیر کو یاد کرنا شروع کیا تو جنابِ علی، عمار اور سہل بن حنیف رضی اللہ عنہم کا نام نہیں لیا، کیونکہ شرکائے بدر اور صفین میں وہ پہلے ہی شہرت رکھتے ہیں۔

ان تینوں کا صفین میں شریک ہونا صحیح روایات سے ثابت ہے، بلکہ بعض روایات تو شیخین کی بیان کردہ ہیں، اور بدر میں ان کی شرکت کے بارے کوئی اختلاف نہیں ہے۔

امام ذہبی نے حبہ بن جوین کوفی عرنی سے، انھوں نے علی (جو ایک غالی شیعہ تھا) سے نقل کیا ہے کہ جنگِ صفین میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ اَسی (۸۰) بدری صحابہ تھے۔ یہ ایک ناممکن بات ہے۔[1] ایسا ہی ایک قول ابوالفرج ابن الجوزی رحمہ اللہ سے بھی منقول ہے، مگر اس کے آخر میں یہ آتا ہے: ''یہ بات جھوٹ ہے۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس پر تبصرہ کیا: اللہ کی قسم! یہ بات ایسے ہی ہے اگر حبہ تک یہ سند ثابت ہو جائے[2] تو حفاظِ ثلاثہ نے اس مبالغہ آمیز گنتی والی روایات کی صحت پر اتفاق نہیں کیا۔

[**57**] ابن سیرین رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ جب فتنوں کا ظہور ہوا تو اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعداد دس ہزار کے لگ بھگ تھی، ان فتنوں میں چالیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی شریک نہیں ہوئے۔

معمر اور ایک اور شخص نے کہا: علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ۱۴۹ کے قریب صحابہ تھے۔ ان میں ابو ایوب، سہل بن حنیف اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم کا نام آتا ہے۔[3]



اب ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی گنتی کی طرف آتے ہیں، پھر دو شروط کی بنیاد پر اس تعداد میں مزید اختصار کریں گے:

1 اس صحابی کی صحبت ثابت ہو یا راجح ہو۔[4]

---

[1] میزان الاعتدال (۱/۴۵۰)　[2] تهذيب التهذيب (۲/۱۷۷)

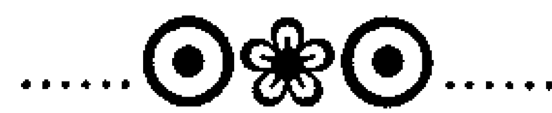
[3] جامع معمر بن راشد (۲۰۷۳۵) امام ابن سیرین کا قول شواہد کی بنیاد پر مقبول ہے۔
اور رجل مجہول کا قول موضوع ہے، یہ سراسر جھوٹ ہے جس کا مقصد صرف یہ ہے کہ چند ایک کے سوا سارے ہی اہلِ بدر ان فتنوں میں شریک تھے۔ بدر میں اسلامی لشکر کی تعداد تین سو تھی۔ ان میں سے کبار صحابہ رضی اللہ عنہم پہلے ہی فوت ہو چکے تھے، جیسا کہ ابو ایوب رضی اللہ عنہ صفین میں شریک نہیں ہوئے۔ مناسب حال موقعے پہ اس کا ذکر کریں گے۔
[رقم: ۵۲] روایت کے تحت یہ خبر نقل ہو چکی ہے، اس کی تخریج اور اس پہ کلام بھی گزر چکا ہے۔ یہاں صرف اس لیے ذکر کی ہے کہ اس کا دوسرا حصہ غلط گنتی پہ مشتمل ہے۔

[4] وہ اختلافی شرکاء جن کی صحبت راجح ہے ان میں حبیب بن مسلمہ فہری رضی اللہ عنہ کا بھی نام ہے۔ ←

2 اس کا جنگِ صفین میں شریک ہونا کسی صحیح، حسن یا مقبول درجے کی روایت سے ثابت ہو۔

جنگِ صفین میں شریک صحابہ کی تعداد کا معیار یہ دو شروط ہیں۔ وگرنہ تو تاریخ میں اَور بہت سے نام ہیں جن کی وفیات اور تعارف کی روایات میں یہ آتا ہے کہ وہ بھی جنگِ صفین میں شریک تھے، مگر ان کی شرکت پر کوئی صحیح یا مقبول درجے کی روایت نہیں ملتی، یا ان کی صحبت کا ثابت ہونا، یا راجح ہونا ثابت نہیں ہے۔[1]

عنقریب ان صحابہ کی تعداد میں مزید اختصار کروں گا کہ دوران کتاب جن کی گنتی کو الگ سے نقل کیا ہو گا اور ان کے بارے تفصیل کی طرف اشارہ دیا ہو گا۔



← ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کا صحابی ہونا ایک اختلافی معاملہ ہے۔ راجح یہی ہے کہ موصوف صحابی ہیں مگر یہ عمر میں چھوٹے تھے۔ التقریب (١١٠٦) دوسری فصل میں پانچواں تعارف انہی کا ہے۔

[1] اس فصل (دوسری فصل) کے آغاز میں ہم نے ایک مثال ذکر کی ہے جس میں اس بندے کا ذکر ہے، جس نے صفین میں شرکت تو کی ہے لیکن اس کا صحابی ہونا ثابت نہیں ہے۔ اس کا نام شرحبیل بن سمط کندی ہے۔

ایک اَور مثال جندب بن زہیر بن حارث غامدی کی بھی ہے، علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ صفین میں مقتول ہوا، مگر اس کا صحابی ہونا اختلافی معاملہ ہے۔ اس نے سری بن اسماعیل سے تفرد کے ساتھ ایک روایت بھی بیان کی ہے اور وہ ضعیف ہے۔

دیکھیں: تاریخ الإسلام (٣/٥٦٠) الإصابة (١/٥٠٧)

پہلی بحث:

وہ صحابہ جو جنگِ صفین میں علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں تھے

1- امیر المومنین علی بن ابی طالب ہاشمی قرشی رضی اللہ عنہ

آپ امیر المومنین ہیں۔ ابوالحسن آپ کی کنیت ہے۔ عشرہ مبشرہ میں آپ کا نام ہے۔ خلفائے راشدین میں چوتھے نمبر پر ہیں، اعلیٰ درجے کے صابر، زاہد اور بہادر ہیں۔

آپ کے کافی سارے موقف ہیں، چند ایک کا تذکرہ کرتے ہیں:

جنگِ صفین سے الگ رہنے والوں کے بارے ان کا موقف:

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ لوگوں کو اپنے ساتھ ملانے پر کوئی جبر نہیں کرتے تھے، لیکن بعض صحابہ کے بارے انھوں نے تنقید کی کہ تم میری مدد میں پیچھے کیوں رہے؟ جس طرح کہ سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ جو جنگِ جمل[1] میں ان کے ساتھ شامل نہیں ہوئے اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما۔[2]

اہلِ شام میں سے ان کے مقابل آنے والوں کے بارے ان کا موقف:

یہاں تین چیزوں پر زور دیا گیا ہے:

- علی رضی اللہ عنہ نے اہلِ شام سے پہلے قتال کیا اور انھیں خلیفۃ المسلمین کے باغی اور قتال کے مستحق سمجھا۔
- علی رضی اللہ عنہ صفین وجمل والوں سے قتال کرنے کو ایک فتنے کا قتال سمجھتے تھے۔
- حکمین کے اختلاف کے بعد علی رضی اللہ عنہ نے اہلِ شام پر دوبارہ چڑھائی کی اور انھیں عسکری مہم سے دبانے کی کوشش کی، مگر وہ خوارج کے ساتھ مصروف ہو گئے۔ پھر وہ اپنے لشکر کے عناد اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے حملوں میں مصروف ہو گئے، اس سبب وہ اہلِ شام سے دوبارہ جنگ نہ کر سکے۔

---

[1] دیکھیں: [رقم: ۸۶، ۸۷]

[2] دیکھیں: [رقم: ۲۰۸]

اب اس کی تفصیل ملاحظہ کیجیے:

امیر المومنین نے اہلِ شام کو بیعت کرنے اور اطاعت میں داخل ہونے کی دعوت دی جس کا انھوں نے انکار کر دیا، تب انھوں نے اہلِ شام کو باغی اور مستحقِ قتال سمجھا اور ان پر بغیر کسی شک و شبہہ کے چڑھائی کر دی۔[1]

اس کے باوجود علی رضی اللہ عنہ صفین کی لڑائی کو فتنہ ہی سمجھتے تھے۔ جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے حکمین والے دن یزید بن حر عبسی کو امیر المومنین کی طرف بھیجا، تاکہ وہ انھیں اپنے دومۃ الجندل میں آنے کی خبر دیں اور جس چیز پر ان کا اتفاق ہوا تھا (کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ تحکیم میں حاضر ہوں) اس کو پورا کریں۔

یزید بن حر کوفہ میں امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، انھیں تحکیم کی جگہ پر حاضر ہونے کی ترغیب دلائی اور کہا (اس مسئلے میں آپ کا حاضر ہونا جنگ کی آگ کو بجھانے، عداوت کو ختم کرنے اور امت کی اصلاح کا سبب ہوگا) امیر المومنین نے جواب دیا: میں ان کی[2] سانسوں کو مشکل کیے ہوئے ہوں، اگر میں ان سے غائب ہوا اور انھیں چھوڑا تو اس شہر میں اس سے بھی بڑا فتنہ اور خرابی کی صورتِ حال ہو جائے گی جو اس وقت ہمارے اور اہلِ شام[3] کے درمیان ہے۔ لیکن میں نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا ہے اور لوگ ان پر راضی بھی ہیں، مزید عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنا قائم مقام مقرر کیا ہے اور جہاں معاویہ رضی اللہ عنہ آئے ہیں میں اس سے غائب نہیں ہوں گا۔[4] [5]

جو چیز علی رضی اللہ عنہ کی تائید کرتی ہے کہ وہ اہلِ صفین سے قتال کو فتنے سے قتال سمجھتے تھے۔ وہ یہ روایت ہے:

[**58**] عمرو بن سفیان بیان کرتے ہیں کہ بصرہ کے دن[6] جب علی رضی اللہ عنہ غالب آئے تو ایک آدمی

---

1. [رقم: ۳۲۹ تا ۳۳۳] مابعد تعلیق کے ساتھ دیکھیں۔
2. یہاں ان لوگوں سے مراد خوارج ہیں، امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے ان کی نقل و حرکت کی مسلسل نگرانی کے سبب ان کی سانسیں تنگ کر رکھی تھیں۔
3. یہاں سے یہ بات پتا چلتی ہے کہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ صفین والوں سے جنگ کو فتنے سے نمٹنا ہی سمجھتے تھے، ان کا یہ قول کہ ''ہمارے اور اہلِ شام کے درمیان جنگ'' سے مراد صفین ہی ہے۔
4. یعنی تحکیم کے اجتماع میں جو کچھ بھی واقع ہوگا، اس سب کی خبریں مجھ تک پہنچ جائیں گی۔
5. [رقم: ۴۶۴] روایت ملاحظہ ہو۔ یہ مقبول روایت ہے۔
6. یوم البصرۃ: مراد جنگِ جمل کا دن ہے۔ امام بیہقی کی روایت میں الفاظ یوں ہیں: ''جنگِ جمل کے دن جب علی رضی اللہ عنہ کے سامنے آئے تو انھوں نے کہا: ....''

نے لوگوں سے خطاب کیا، اس پر امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ بڑا اعلیٰ پائے کا خطیب ہے، بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گزر گئے، ان کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ نے خیر و بھلائی کے اس سلسلے کی باگ ڈور سنبھالی، پھر جنابِ عمر رضی اللہ عنہ اسی روش پر چلے، پھر ہمیں فتنوں نے آ گھیرا، اللہ جو چاہے گا اس میں ہو گا۔[1]

[59] سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے گزر گئے، تو ان کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ نے خیر کا کام کیا۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ نے اس ذمے داری کو نبھایا، پھر ہمیں فتنوں نے آلیا، اب اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا معاف کرے گا۔[2]

[60] قیس خارفی بیان کرتے ہیں کہ میں نے علی رضی اللہ عنہ کو سنا، وہ فرما رہے تھے:[3] نبی صلی اللہ علیہ وسلم چلے گئے، پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ آئے، پھر جنابِ عمر رضی اللہ عنہ آئے، پھر ہمیں فتنوں نے پاگل کر دیا، یا گھیر لیا تو اللہ پاک جو چاہیں گے ہو گا۔[4] ابو عبدالرحمان[5] کہتے ہیں کہ میرے باپ نے کہا: جب علی رضی اللہ عنہ نے یہ کہا: ''پھر ہمیں فتنوں نے پاگل کر کے رکھ دیا'' اس سے مراد اس معاملے میں ان کی تواضع کا بیان مقصود ہے۔[6]

---

[1] مسند أحمد (١٢٥٦) شیخ شعیب ارناؤط کہتے ہیں کہ یہ روایت حسن لغیرہ ہے اور اس کی یہ سند ضعیف ہے۔ ابو نعیم: فضل بن دکین۔ شریک: ابن عبداللہ النخعی۔ عمرو بن سفیان: ثقفی، روایت مقبول ہے۔ التقریب (٥٠٣٨)
امام دارقطنی کہتے ہیں کہ عمرو بن سفیان کی علی رضی اللہ عنہ سے روایت مرسل شمار ہو گی۔ اس روایت کی صحت پر اختلاف میں امام دارقطنی نے کہا ہے: ''اس روایت کو مروان الفزاری نے مساور سے، انھوں نے عمرو بن سفیان کی سند سے علی رضی اللہ عنہ سے مرسل بیان کیا ہے۔ العلل (٨٦/٤، رقم: ٤٤٢)
یہی روایت ''عن عمرو بن سفیان، عن أبیه، عن علي رضی اللہ عنہ'' کی سند سے بھی روایت کی گئی ہے۔ تھذیب الکمال (٤٢٧/٢٧) مساور غیر منسوب کا ترجمہ ملاحظہ کریں۔
تخریج: امام بیہقی نے اس کو دلائل النبوۃ (٢٢٣/٧) میں ''سفیان ثوري عن الأسود'' کی سند سے ایسے ہی بیان کیا ہے، اس کی سند میں اختلاف ہے۔ علل الدارقطني (٤٤٢) موضح أوهام الجمع والتفریق (١٩٩/١)

[2] مسند أحمد (٨٩٥) شیخ شعیب ارناؤط نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

[3] مسند میں یہ الفاظ ہیں: ''میں نے علی رضی اللہ عنہ کو اس منبر پر سنا، وہ فرما رہے تھے۔''

[4] مسند میں یہ الفاظ ہیں: ''پھر وہ ہوا جو اللہ نے چاہا۔''

[5] اس سے مراد: عبداللہ بن احمد بن حنبل رحمہ اللہ ہیں۔

[6] مسند أحمد (١٠٢٠) شعیب ارناؤط کہتے ہیں: اس کی سند حسن ہے۔ عبدالرحمان سے مراد: ابن مہدی ہیں۔ سفیان سے مراد: سفیان ثوری ہیں۔
تخریج: امام احمد (١٢٠٩) نے، اور حاکم (٤٤٢٦) نے اس کو سفیان کی سند سے بیان کیا ہے۔ حاکم کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ شیخین نے اس کو روایت نہیں کیا۔ امام ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

امام آجری کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ بنتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ خیر و بھلائی کے ساتھ رخصت ہوئے، پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بھی یہی معاملہ رہا اور آخر کو عمر رضی اللہ عنہ بھی اسی تسلسل میں رخصت ہوئے۔[1]

علی رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا: ''پھر ہمیں فتنوں نے آگھیرا'' ظاہر کرتا ہے کہ جنگِ جمل کی لڑائی کو وہ فتنہ خیال کرتے تھے۔

راوی کا یہ کہنا: ''جنگِ جمل کے دن جب علی رضی اللہ عنہ غالب آئے تو ایک آدمی نے لوگوں سے خطاب کیا۔'' یعنی جنگ ہو جانے کے بعد، جنگِ جمل کے دن اس خطیب کا قصہ اور اس کے بعد ایک اَور خطبے کا ذکر طبری اور ابن عساکر نے کیا ہے۔[2]

---

[1] الشريعة للآجري (١٨٢١)

[2] اس کی تفصیل تین مختلف روایات میں آئی ہے:

پہلی روایت: امام طبری نے اپنی تاریخ (۳/۳۰- ۳۱) میں ایک طویل روایت بیان کی ہے: ''میں نے زیاد بن ایوب بن زیاد طوسی سے لکھا، کہتے ہیں کہ ہمیں مصعب بن سلام تمیمی نے بیان کیا، ہمیں محمد بن سوقہ نے عاصم بن کلیب جرمی سے، وہ اپنے باپ سے .... قیس شباب کی ایک قوم علی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچی تو ان کے خطیب نے خطاب کیا اور کہا: تمھارے امراء لوگ کہاں ہیں؟ خطیب نے کہا: وہ جمل کے مقدمۃ الجیش میں کام آگئے، پھر دوبارہ اس نے خطاب شروع کر دیا تو علی رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ بندہ بڑا ماہر اور اعلیٰ پائے کا خطیب ہے......''

اس روایت کے بعض حصے نا قابلِ اعتبار ہیں، اور یہ آفت مصعب بن سلام کی وجہ سے ہے۔ اس کو ابن المدینی نے ضعیف قرار دیا اور کہا: یہ شیعہ میں سے تھا۔ تهذيب الكمال (٢٨/٢٨)

اس روایت کو طوالت کے ساتھ ابن ابی شیبہ نے (۳۸۹۱۲) میں "حدثنا أبو أسامة، حدثني علاء بن منهال، حدثنا عاصم بن كليب ..." کی سند سے بیان کیا ہے، اس میں یہ منکر الفاظ نہیں ہیں اور سند حسن ہے۔ اس کا دوسرا حصہ [رقم: ۲۹۰] کے تحت آئے گا۔

دوسری روایت: اس کو سیف بن عمر تمیمی نے "الردة والفتوح" میں بیان کیا ہے اور یہ تاريخ دمشق (٨/٢٩) میں بھی موجود ہے: ''عبداللہ بن مغیرہ عبدی، بنوعبدالقیس کے ایک آدمی سے روایت کرتے ہیں کہ جب اس نے دیکھا کہ ابن سوداء، سبئیہ اور دوسرے لوگ علی رضی اللہ عنہ کی سیرت میں نقائص و عیوب نکالنے لگے تو وہ کھڑا ہوا اور اس نے کہا: جب غلط کاروں کی کثرت ہو جائے، سرکشوں کی بھرمار ہو اور وہ مسلمانوں کے گناہوں کو سرے سے نہ لکھنے کی کوشش کریں تو تم ہم سے دور ہو جاؤ، حکم تو وہ ہے جو اپنے فضل و علم کی بنیاد پر معروف ہے، تو اپنی زبان کو روک رکھو، ہم اس کی طرح نہیں ہیں جو گمراہی میں متردد ہو، اس پر علی رضی اللہ عنہ نے کہا: خطباء میں یہ بڑا اعلیٰ درجے کا خطیب ہے، ہمارا ان کے مال پہ کوئی حق نہیں ہے۔ اس پر عائشہ رضی اللہ عنہا کے اصحاب غالب آگئے ہیں۔ دیکھیں: موارد ابن عساكر في تاريخ دمشق (٢٤٤/١)

"تاريخ دمشق" مطبوعہ نسخے میں یہ روایت کچھ ایسے ہے: ''بنوعبدالقیس کے ایک آدمی سے مروی ہے کہ جب مجھے ←

جب امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک جمل کی لڑائی فتنہ ہے تو اہلِ صفین کی لڑائی بھی فتنہ ہی ہے۔ عن قریب آگے ذکر ہوگا کہ جنابِ عمار رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی، جنگِ صفین فتنہ ہی تھا۔[1]

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ اس بات پر مصر تھے کہ اہلِ شام کو زیر کیا جائے، انھوں نے یومِ تحکیم میں افتراق کے بعد اس سلسلے میں کوشش کی مگر انھیں خوارج نے مصروف کر دیا۔ امیر المومنین نے انھیں اطاعت کے دائرے میں شامل ہونے اور اہلِ شام کے خلاف جہاد پر تعاون کی دعوت دی، یعنی افتراقِ تحکیم کے بعد بھی انھوں نے اہلِ شام کے لیے تیاری کی ہے۔

امام بلاذری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ جب دونوں حکم الگ الگ ہو گئے تو امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے

← ابن السوداء اور سبئیہ نے دیکھا۔'' اس نام میں قطعاً تصحیف ہوئی ہے، یہ ناممکن ہے کہ علی رضی اللہ عنہ ابن سبا کی مدح کریں جس روایت کا ہم نے اثبات کیا، اس کا راوی ایک مجہول آدمی ہے۔ (بنو عبدالقیس کا ایک آدمی)

شاید کہ وہ طعن جو ابن سبا یا سبئیہ نے علی رضی اللہ عنہ پر کیا یہ تھا کہ انھوں نے جنگِ جمل کے دن مالِ غنیمت لیا نہ ان کو غلام بنایا۔ ابن أبي شيبة (۳۸۹۲۰) نے اس کو بیان کیا ہے: ''ہمیں عباد بن عوام نے بیان کیا، وہ صلت بن بھرام سے، وہ عبدالملک بن سلع سے، وہ عبد خیر سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: علی رضی اللہ عنہ نے جنگِ جمل کے دن نہ لوگوں کو غلام بنایا نہ ہی خمس وصول کیا، لوگوں نے کہا: امیر المومنین کیا آپ ان کے مالوں کو پانچ حصوں میں تقسیم نہیں کریں گے؟ فرمایا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے مشورہ کر لو، تو لوگوں نے انکار کر دیا اور منتشر ہو گئے۔'' اس کی سند عبدالملک کے سبب حسن ہے، یہ صدوق راوی ہے۔ باقی سارے رجال ثقات ہیں۔

سبئیہ نے بھی یہی سمجھا تھا کہ یہ لوگ اس چیز سے باز آ گئے ہیں لیکن صفین کے بعد وہ دوبارہ یہی باتیں پھر سے کرنے لگے اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مناظرہ کے دن کہا: انھوں (علی رضی اللہ عنہ) نے قتال تو کیا مگر مالِ غنیمت نہیں لیا۔ دیکھو: [رقم: ۴۸۲] سیف بن عمر کی روایت سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ خوارج کا تعلق سبئیہ سے تھا۔

تیسری روایت: اس کو ابو عمر قاسم بن جعفر بن عبدالواحد ہاشمی عباسی نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے، یہی روایت تاریخ دمشق (۲۹۳/۳۰) میں بھی مروی ہے: ہمیں ابو العباس محمد بن احمد اثرم نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ ہمیں ابو اسامہ نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ مجھے علاء بن منہال نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ مجھے ابراہیم بن عمرو بن مالک جشمی نے بیان کیا، وہ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں، کہا: ایک بوڑھا جس نے خضاب لگا رکھا تھا، (میں نے اسے ایک جوان آدمی سمجھا) وہ ان لوگوں میں شامل تھا جو جمل کے بعد علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، علی رضی اللہ عنہ نے ہماری طرف دیکھا تو انھیں بوڑھے ہی نظر آئے، تو پوچھا: تمھارے امراء کدھر ہیں؟ ایک بندے نے کہا: وہ کل اونٹ کے دائیں بائیں قتل ہو گئے، اس پر بنو نمیر سے ایک بندا کھڑا ہوا جس کا نام ابن الارت تھا، اس نے گفتگو کی، اس پر علی رضی اللہ عنہ نے کہا: بخدا! یہ تو بڑا خطیب آدمی ہے۔ ابراہیم اور اس کے باپ کا تعارف مجھے نہیں مل سکا۔

[1] صفحہ (۲۵۸)، [رقم: ۳۴۷] روایت اور اس کے بعد کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔

خوارج کو خط لکھا جب کہ وہ مقامِ نہروان پر جمع ہو رہے تھے۔ دونوں طرف کے حکم الگ الگ ہو گئے ہیں، تم اپنی سابقہ حالت پر واپس آ جاؤ اور جنگ کے لیے ہمارے ساتھ مل کر شام والوں کی طرف چلو، مگر انھوں نے انکار کر دیا اور کہا: تب تک ایسا نہیں ہو سکتا جب تک آپ اپنے کفر یہ کام کرنے کا اقرار نہ کر لیں اور توبہ نہ کریں، اس پر علی رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا۔[1]

خوارج نے اس طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے دشمنی اور عداوت کا اظہار کیا کہ جب علی رضی اللہ عنہ مقامِ نخیلہ پر اہلِ شام کے ساتھ لڑائی کے لیے اپنے آپ کو تیار کیے بیٹھے تھے، تب ان کے پاس خوارج کے جرائم اور خون بہانے کے واقعات کی خبریں آئیں، امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کے ساتھ مشورہ کیا کہ کیا اہلِ شام سے پہلے نمٹا جائے یا ان خوارج سے جو تمھارے پیچھے قتلِ مسلمین اور دوسرے جرائم کا ارتکاب کر رہے ہیں؟ اہلِ لشکر نے کہا: نہیں، پہلے ہم خوارج سے نمٹتے ہیں، پھر انھوں نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ کو بھیجا، وہ تین دن تک انھیں سمجھاتے رہے مگر وہ باز نہ آئے، تب علی رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے ساتھ آئے اور نہروان نامی جگہ پر ان سے قتال کیا۔

ابن ابی شیبہ کی روایت میں آیا ہے: ''ان میں سے ایک گروہ الگ ہو گیا اور عامۃ الناس کو قتل کی دھمکیاں دینے لگا، تو ان کے ساتھیوں نے ان سے کہا: تمھارے لیے ہلاکت و بربادی ہو! تم اس لیے علی رضی اللہ عنہ سے الگ ہوئے ہو!! اس پر علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا: تمھاری کیا رائے ہے؟ کیا تم شام کی طرف چلنا چاہتے ہو یا ان لوگوں کی طرف چلو گے جو تمھارے پیچھے تمھارے اہل و عیال کے وارث بن گئے ہیں؟ اہلِ لشکر نے کہا: نہیں، ہم ان خوارج کی طرف چلتے ہیں۔''[2]

خطیب کی روایت میں ہے: ''امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ کو اہلِ نہروان کی طرف بھیجا کہ وہ انھیں تین دن تک وعظ و نصیحت سے سمجھائیں، جب انھوں نے انکار کیا تو علی رضی اللہ عنہ اپنا لشکر لے کر ان کی طرف نکل گئے۔''[3]

جب امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ خوارج کے مسئلے سے فارغ ہوئے تو اپنے لشکر کو بلا کر اہلِ شام سے لڑائی

---

[1] دیکھیں: [رقم: ۳۴۷] یہ مقبول روایت ہے۔

[2] دیکھیے: [رقم: ۴۹۶]

[3] [رقم: ۴۹۲] کی مناسبت سے وہاں ہم نے اس کا ذکر کیا ہے، روایت صحیح لغیرہ ہے، اس کے بعد [رقم: ۲۴۵] کے تحت اس کے رواۃ کا تعارف بھی مذکور ہے، فتنوں کے متعلق براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا یہی موقف ہے۔

کے لیے نکلنے کا کہا، اس پر انھوں نے بوجھل پن کا اظہار کیا اور اس جنگ کو موخر کرنے کا مطالبہ کیا، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے ساتھ مقامِ نخیلہ پر آ گئے اور پھر سے انھیں اہلِ شام کے خلاف تیاری کا کہا۔ تو لشکر دائیں بائیں بکھر گیا، سوائے ایک قلیل تعداد کے سب کوفہ کی طرف کھسک گئے۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے جب یہ کیفیت دیکھی تو شام پر لشکر کشی کو آئندہ سال پر ملتوی کر دیا اور کوفہ چلے گئے۔ اس کیفیت میں کہ اللہ ہی ان کی اندرونی حالت سے واقف تھا۔ اس کے بعد پے در پے ایسے حالات و واقعات پیش آئے جو شام کی لشکر کشی میں رکاوٹ بنے رہے، یہاں تک کہ انھیں موت نے آ لیا۔[1]

جنگِ صفین، واقعۂ تحکیم اور جنگِ نہروان کے بعد مسلسل فتنوں نے اہلِ عراق کو خوف و ہراس میں مبتلا رکھا، وہ اس قدر ہلکے اور کمزور ہو گئے کہ ان کی مجالس عام راستوں اور گزر گاہوں پر ہونے لگیں جہاں وہ خبروں کی جستجو میں لگے رہتے۔ (اس زمانے کا عرف اور پہچان مساجد میں مجالس تھیں جنھیں ترک کر دیا گیا) ایسے فتنے سے ہم اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔

عاصم بن کلیب اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: جنگِ صفین اور تحکیم سے قبل لوگوں کی مجالس مساجد میں ہوا کرتی تھیں، ان واقعات کے بعد لوگ اس چیز سے بری ہو گئے، لوگ[2] فتنوں کا شکار ہوئے اور تنگ راستوں پر بیٹھ کے ایک دوسرے کی باتوں اور مخفی چیزوں کے بارے خبریں لینے لگ پڑے۔[3]

جنگِ نہروان جس میں لوگوں نے اپنے بیٹوں، رشتہ داروں اور قریبی قبائل کے لوگوں کو قتل کیا، تو ان میں سے بعض لوگ اس بنیاد پر علی رضی اللہ عنہ کو طعن وملامت کرنے لگے، اس پر علی رضی اللہ عنہ اندر ہی اندر اس معاملے میں پریشان رہنے لگے، لوگوں کے دل اس بات سے متنفر ہو گئے کہ وہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کے قتال کریں۔

جب علی رضی اللہ عنہ نے اہلِ شام پر لشکر کشی ملتوی کر دی تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں دبانے کے لیے مسلسل ان کے زیرِ اثر علاقوں پر چاروں طرف سے حملے جاری رکھے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ دوبارہ ان پہ چڑھائی کا ارادہ رکھتے ہیں، وہ ان حملوں کے بالمقابل دیرپا اقدامات اور کارروائیاں کرتے تھے۔

---

[1] [رقم: ۵۰۹، ۵۱۰] روایات دیکھو۔

[2] لوگوں سے مراد اہلِ عراق ہیں۔

[3] [رقم: ۴۸۰] روایت ملاحظہ ہو۔ اس کی سند جید ہے۔

ان حالات میں علی رضی اللہ عنہ اہلِ کوفہ کو ان حملوں کو روکنے اور ان کا جواب دینے کی ترغیب دلاتے رہے لیکن سارے اہلِ کوفہ نے سستی اور کاہلی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے رکھا، ان کی اس روش کے سبب امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے موت کی خواہش کی، اس کے بعد چند دن ہی گزرے تھے کہ انھیں شہید کر دیا گیا۔[1]

اس پہ اضافہ یہ کہ نہروان کے بعد مختلف فتنے اور چھوٹی جنگیں شام کی لڑائی سے روکنے میں غالب آ گئیں، جیسا کہ خریت بن راشد[2] اور امر ابن الحضرمی[3] کے ساتھ جنگوں کا ہونا، امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کو اہلِ شام کے لیے فراغت ہی نصیب نہ ہوئی تھی کہ انھیں شہید کر دیا گیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت اور اپنے اجتہاد کے درمیان جنگی راستے کا انتخاب:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ یا کسی اَور کو جمل وصفین کے لڑنے کا حکم نہیں دیا، ان کا حکم تو یہ تھا کہ جب یہ جنگیں اور فتنے برپا ہوں تو ان سے دور رہا جائے اور باہمی معاملات کی اصلاح کی جائے اور عظیم مصلح حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کے ہاتھ سے صلح کی بشارت بھی دی۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے محض اپنی رائے اور اجتہاد کی بنیاد پہ قتال کا فیصلہ کیا تھا، جیسا کہ واضح ہو چکا ہے۔

علی رضی اللہ عنہ جب مدینہ سے اپنا لشکر لے کر عراق کی طرف نکلے تو خروج کے بارے سوال ہوا، جواب دیا کہ یہ میرا اپنا اجتہاد ہے۔

جنگ کا فیصلہ لینے میں جنابِ حسن رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی مخالفت کرنا، اس سے بھی یہ واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ یہ ان کا اپنا اجتہادی فیصلہ تھا۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حبر الامۃ اور ترجمان القرآن ہیں، اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے علی رضی اللہ عنہ کے لیے قتال کا ایسا کوئی حکم موجود ہوتا تو ضرور ان کے علم میں ہوتا۔

[61] قیس بن عباد روایت کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ ہمیں اس سفر کے بارے بتائیں، کیا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی عہد پورا کرنے کے لیے ہے جو انھوں نے آپ سے لیا یا یہ آپ کا کوئی ذاتی اجتہاد ہے؟ جواب دیا: (تم اس سے کیا کرو گے؟ میں نے کہا: یہ ہمارا دین ہے، یہ ہمارا دین ہے) فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ایسا کوئی عہد نہیں لیا، یہ میری ایک رائے ہے جو اجتہاد کی بنیاد پر ہے۔[4]

---

[1] [رقم: ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶] روایات ملاحظہ ہوں۔

[2] [رقم: ۴۴۷ تا ۴۵۰] روایات ملاحظہ ہوں۔

[3] [رقم: ۴۵۱] اور اس سے پہلا حاشیہ ملاحظہ ہو۔

[4] سنن أبي داود (٤٦٦٦) بریکٹ میں موجود عبارت مسند کی زیادت ہے۔ ابن علیہ سے مراد: اسماعیل ہے۔ ←

یہی بات جنابِ عمار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، ان سے بھی لوگوں نے یہ سوال کیا تو انھوں نے ایسا ہی جواب دیا۔

[62] قیس بن عباد بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگوں نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ (سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی حمایت میں) اپنی جنگ کو کیسے دیکھتے ہیں؟ کیا یہ ایک رائے ہے جو آپ نے غور وفکر سے اختیار کی ہے؟ تو رائے غلط بھی ہوسکتی ہے اور صحیح بھی، یا کوئی ذمہ داری ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم لوگوں کے سپرد کی تھی؟ تو انھوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں کوئی ایسی (خصوصی) ذمہ داری نہیں دی تھی جو تمام لوگوں کے سپرد نہ کی ہو اور کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: بے شک میری امت میں ۔۔۔ شعبہ نے کہا: اور میں سمجھتا ہوں کہ انھوں نے کہا تھا: مجھے حذیفہ رضی اللہ عنہ نے (یہ) حدیث سنائی۔ اور غندر نے کہا: مجھے لگتا ہے کہ انھوں نے کہا: میری امت میں بارہ منافق ہیں، وہ جنت میں داخل نہ ہوں گے اور نہ اس کی خوشبو پائیں گے، جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل نہ ہو جائے۔ ان میں سے آٹھ ایسے ہیں (کہ ان کے شر سے بچاؤ کے لیے) تمھاری کفایت ایک ایسا پھوڑا کرے گا جو آگ کے جلتے ہوئے چراغ کی طرح (اوپر سے سرخ) ہوگا، ان کے کندھوں میں ظاہر ہوگا، یہاں تک کہ ان کے سینوں سے نکل آئے گا۔[1]

[63] قیس (بن عباد) بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا عمار رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ نے اپنے اس کام پر غور کیا جو آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے معاملے میں کیا ہے (ان کا بھرپور ساتھ دیا ہے اور ان کے مخالفین سے جنگ تک کی ہے) یہ آپ کے اپنے غور وفکر سے اختیار کی ہوئی آپ کی رائے تھی یا ایسی چیز تھی جس کی ذمے داری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ لوگوں کے سپرد کی تھی؟ انھوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ایسی ذمہ داری ہمارے سپرد نہیں کی جو انھوں نے تمام لوگوں کے سپرد نہ کی ہو، لیکن حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خبر دی، کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے صحابہ کے درمیان بارہ منافق ہیں، ان میں سے آٹھ ایسے ہیں جو جنت میں داخل نہیں ہوں گے، یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے (کبھی

← یونس سے مراد: ابن عبید بن دینار ہے، حسن سے مراد: بصری ہیں۔ یہ روایت مسند میں (۱۲۷۱) کے تحت عبداللہ عن اسماعیل کی زیادات میں مروی ہے۔

امام البانی، شعیب ارناؤط اور احمد شاکر نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔[مسند أحمد (۱۲۷۰)، مطبوعة دار الحديث]

اگلے چند اَوراق میں یہ روایت مزید شرح کے ساتھ آئے گی، موضوع: ''دونوں مسلمان گروہوں میں سے علی رضی اللہ عنہ کا گروہ اقرب الی الحق تھا'' ہے، (ص: ۱۳۶) اور اس کے بعد والے اَوراق دیکھو۔

[1] صحيح مسلم (۱۲۲/۸) ابونضرہ: منذر بن مالک عبدی ہے۔

جنت میں داخل نہیں ہوں گے)، ان میں آٹھ ایسے ہیں کہ (ان کے شر سے نجات کے لیے ان کے کندھوں کے درمیان ظاہر ہونے والا سرخ) پھوڑا تمھاری نجات کے لیے تمھیں کفایت کرے گا۔ اور چار۔ (آگے کا حصہ) مجھے (اسود بن عامر کو) یاد نہیں کہ شعبہ نے ان (چار) کے بارے میں کیا کہا تھا۔[1]

یہ جنابِ علی وعمار رضی اللہ عنہما ہیں جو خود اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ قتال کا فیصلہ ان کا اپنا اجتہاد تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی کوئی وصیت نہ تھی۔ میں اس پر کچھ مزید اضافہ یہ کرتا ہوں کہ وہ لوگ جو جنگِ صفین کو مزید چلانا چاہتے تھے، سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ یہ جنگ ایک اجتہاد کا نتیجہ ہے، (سو تم اپنی رائے کو الزام دو...) الحدیث۔[2]

انھوں نے جنگ کے انتخاب کو رائے اور اجتہاد کا نتیجہ کہا، نہ کہ کسی کی وصیت کا نام لیا۔

یہ تینوں شخصیات (علی، عمار اور سہل بن حنیف رضی اللہ عنہم) اعلانیہ اس چیز کا اقرار کیا کرتے تھے، یہی تین بدری صحابی ہیں جو بدر اور صفین دونوں[3] میں شریک ہوئے، تمھیں ان میں سے پہلا نام کافی ہے، (خلیفۃ المسلمین علی رضی اللہ عنہ)۔

بلاذری رحمہ اللہ کے ہاں یہ روایت بھی ہے کہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے قاصد سے کہا تھا: ''اے ابن الحر! میں ان کی[4] سانسوں کو روکے ہوئے ہوں، اگر میں نے ان کو چھوڑ دیا اور الگ ہو گیا تو اس شہر میں اس سے زیادہ حالات خراب ہو جائیں گے جتنے اس وقت ہمارے اور اہلِ شام[5] کے درمیان خراب ہیں۔''

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے اس قول سے یہ بات واضح ہے کہ ان کے نزدیک جنگِ صفین ایک فتنہ تھی، ان کا یہ کہنا: ''ان کے اور اہلِ شام کے درمیان جنگ'' یہ جنگِ صفین کی ہی بات چل رہی ہے، جب اس کا فتنہ ہونا طے ہے تو یہ نبوی وصیت کیسے ہو سکتی ہے۔

---

[1] حوالہ سابق۔

[2] یہاں حدیث کا مختصر ذکر ہے، مکمل حدیث تک مراجعت ناگزیر ہے، تا کہ مراد واضح ہو سکے۔ [رقم: ۳۷۸، ۳۷۹] روایات اور ان کے بعد کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔

[3] پہلے یہ حدیث گزر چکی ہے کہ عراقی لشکر میں چار بدری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شامل تھے، چوتھے کا نام نہیں مل سکا۔ [رقم: ۴۴] کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔

[4] یہاں مراد خوارج ہیں، کیونکہ علی رضی اللہ عنہ کے مسلسل تعاقب نے ان کا جینا دوبھر کر رکھا تھا۔

[5] [رقم: ۴۶۴] پر اس کا ذکر آئے گا، روایت مقبول ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا کہنا ہے: ''رہی جنگِ جمل وصفین تو ان کے بارے علی رضی اللہ عنہ کا واضح موقف ہے کہ یہ کسی نص کی بنیاد پر نہیں تھیں، یہ صرف ایک اجتہاد تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اکثریت نے اس مسئلے میں ان کی موافقت نہیں کی، بلکہ مہاجرین میں سے سابقون الأولون اور ان کے متبع باحسان لوگوں میں سے اکثر صحابہ نے تو کسی بھی جانب سے قتال نہیں کیا، نہ اِن کے ساتھ نہ اُن کے ساتھ، جیسا کہ سعد بن ابی وقاص، ابن عمر، اسامہ بن زید، محمد بن مسلمہ وغیرہ رضی اللہ عنہم، باوجودیکہ یہ سب علی رضی اللہ عنہ کی بے حد عزت بھی کرتے تھے۔ ان سے محبت و ولایت کا تعلق بھی رکھتے تھے اور انھیں ہر ایک سے بڑھ کے مقدم بھی رکھتے تھے۔ وہ تو یہ بھی سمجھتے تھے کہ علی رضی اللہ عنہ سے بڑھ کے کوئی اَور امامت کا حق دار بھی نہیں ہے، لیکن قتال والے معاملے میں ان سے اتفاق نہیں کیا، کیونکہ ان کے ذہنوں میں کچھ ایسی نصوص تھیں جو انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سن رکھی تھیں جن میں یہ حکم تھا کہ قتال ترک کرنا اور فتنے میں مبتلا ہونا لڑنے سے بہتر ہے۔ ان نصوص میں فتنوں سے دور رہنے کا حکم تھا۔ اس چیز کے دلائل بکثرت ہیں اور معروف ہیں۔''[1]

ایسے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ذریعے صلح کی بھی خوشخبری دی اور عظیم مصلح ہونے کے سبب ان کی تعریف بھی کی، لیکن جنگ کرنے اور فتنوں میں مبتلا ہونے پر کوئی تعریفی کلمات نہیں ملتے۔ بہت ساری احادیث میں ان چیزوں سے منع کیا گیا ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاح کرنے کے سبب حسن رضی اللہ عنہ کی تعریف کی اور دونوں لڑائی کرنے والے گروہوں کو مومن قرار دیا۔ یہاں سے پتا چلتا ہے کہ ان کے درمیان صلح کروانا اور معاملات کو بات چیت سے حل کروانا ہی عظیم نیکی اور کام ہے، اگر ان سے لڑنا واجب ہوتا یا کم از کم مستحب ہی ہوتا تو لڑائی چھوڑنے پر تعریف کیوں کی جاتی۔''[2]

غیر صحیح روایت:

اس مسئلے میں بعض روایات جو صحیح نہیں ہیں:

[**64**] علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا: مجھے تین گروہوں سے قتال کا حکم دیا گیا ہے، قاسطین، ناکثین اور مارقین۔ قاسطین سے مراد اہلِ شام ہیں، پھر ناکثین کا ذکر کیا،[3] مارقین سے مراد نہروان والے لوگ ہیں، یعنی حروریہ۔[4]

---

[1] منهاج السنة (٦/٣٣٣)
[2] منهاج السنة (٤/٤٥٠)
[3] اس سے مراد اہلِ جمل ہیں۔
[4] الأباطيل والمناكير (١/٣٩٤)

یہ روایت بہت سے الفاظ سے منقول ہے، یہ ابو ایوب رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ سے بھی مروی ہے۔ کثیر اہلِ علم نے اس پر ضعیف کا حکم لگایا ہے، ان میں جورقانی، ابن عساکر، ذہبی، ابن کثیر، ابن الجوزی، ابن عراق، ابن تیمیہ اور دوسرے بہت سے محدثین شامل ہیں۔[1]

علامہ البانی رحمہ اللہ نے "السلسلة الضعيفة"[2] میں اس روایت کے تمام طرق کو جمع کیا۔ ضعف کی علل کو واضح کیا اور اس کے باطل ہونے کو ثابت کر دیا ہے، ان کی اس تحقیق کو یہاں نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اللہ انھیں اس کام کا نفع دے، ان کے علم کو علمِ نافع بنائے، ہمیں ان کے ساتھ اپنی وسیع جنتوں میں جمع کرے۔ والحمد لله على نعمة الإسناد.

اس مسئلے میں صحیح روایات:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنوں سے اجتناب برتنے اور ان سے دور رہنے کی ترغیب دلائی ہے، اس موضوع کی بہت سی روایات ہیں۔

[**65**] ام مالک بہزیہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''فتنوں کے وقت لوگوں میں سب سے بہترین وہ ہوگا جو اپنے مال کے ساتھ لوگوں سے الگ تھلگ رہے، اپنے رب کی عبادت کرے، اپنے حقوق کی ادائیگی کرے اور وہ آدمی جو اپنے گھوڑے کی لگام تھامے اللہ کی راہ میں نکل جائے، وہ دشمنوں کو اور دشمن اس کو ڈراتے ہوں۔''[3]

[**66**] سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایسے فتنے برپا ہوں گے کہ ان میں بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہوگا اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا۔ اگر کوئی ان کی طرف سے دور سے بھی جھانک کر دیکھے گا تو وہ اسے بھی سمیٹ لیں گے۔ ایسے وقت جو کوئی ان سے کوئی پناہ کی جگہ پا لے اسے اس کی پناہ لے لینی چاہیے۔''[4]

---

[1] الأباطيل والمناكير (٣٩٤/١) تاريخ دمشق (٤٧٢/٤٢- ٤٧٣) ميزان الاعتدال (٢٧/٣) البداية والنهاية (٣٩٨/٧) الموضوعات لابن الجوزي (١٢/٢) تنزيه الشريعة (٣٨٧/١) منهاج السنة النبوية (١١١/٦)

[2] السلسلة الضعيفة (٤٩٠٧) اسی طرح عبدالقادر بن عبدالکریم گوندل نے بھی اس روایت کا تتبع کیا ہے۔ المطالب العالية (٤٣٩٨) انھوں نے امام البانی کی تخریج پہ کچھ اضافہ کیا ہے۔

[3] مسند أحمد (٢٧٣٥٣) امام البانی اور شعیب ارناؤط نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

[4] صحيح البخاري (٦٦٧١)

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس روایت میں فتنوں سے بچنے اور ان میں داخل ہونے سے رکنے کی ترغیب ہے، فتنوں کا شر اسی قدر ہوگا جس قدر اس سے تعلق ہوگا۔''[1]

✓ رہا خوارج سے لڑائی کا معاملہ تو اس کا امر ساری امتِ مسلمہ کے لیے ہے، فقط علی رضی اللہ عنہ کے لیے نہیں ہے۔

[**67**] سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس شخص کی نسل[2] سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو قرآن کے صرف لفظ پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، وہ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکاری جانور میں سے پار نکل جاتا ہے، وہ اہلِ اسلام کو (کافر کہہ کر) قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے اگر میں نے ان کا دور پایا تو انھیں قومِ عاد کی طرح نیست و نابود کر دوں گا۔''[3]

[**68**] سلمہ بن کہیل کہتے ہیں کہ مجھے زید بن وہب جہنی رحمہ اللہ نے حدیث سنائی کہ وہ اس لشکر میں شامل تھے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا (اور) خوارج کی طرف روانہ ہوا تھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: لوگو! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ''میری امت سے کچھ لوگ نکلیں گے وہ (اس طرح) قرآن پڑھیں گے کہ تمھاری قراءت ان کی قراءت کے مقابلے میں کچھ نہ ہوگی اور نہ تمھاری نمازوں کی ان کی نمازوں کے مقابلے میں کوئی حیثیت ہوگی اور نہ ہی تمھارے روزوں کی ان کے روزوں کے مقابلے میں کوئی حیثیت ہوگی۔ وہ قرآن پڑھیں گے اور خیال کریں گے وہ ان کے حق میں ہے حالانکہ وہ ان کے خلاف ہوگا، ان کی نماز ان کی ہنسلیوں سے آگے نہیں بڑھے گی، وہ اس طرح تیز رفتاری کے ساتھ اسلام سے نکل جائیں گے جس طرح تیر بہت تیزی سے شکار کے اندر سے نکل جاتا ہے۔'' اگر وہ لشکر جو ان کو جا لے گا جان لے کہ ان کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ان کے بارے میں کیا فیصلہ ہوا ہے تو وہ عمل سے (بے نیاز ہو کر صرف اسی عمل پر) بھروسا کر لیں۔[4]

اس حدیث میں خوارج سے قتال کے مسئلے میں شدید قسم کی ترغیب ہے، اللہ رب العزت نے خوارج سے قتال کرنے والوں کے لیے اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔ یہ اجرِ عظیم اس جماعت کے لیے بشارت ہے جو خوارج سے قتال کرے گی۔

---

[1] فتح الباري (٣١/١٣)

[2] مراد ذوالخویصرہ ہے۔

[3] صحیح البخاري (٦٩٩٥)

[4] صحیح مسلم (١١٥/٣)

عنقریب "خاصف النعل"[1] والی روایت آئے گی جس میں اس چیز کی صراحت ہے کہ نبی ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کو بشارت دی تھی کہ وہ خوارج سے قتال کریں گے۔ یہ نبی ﷺ کا معجزہ تھا کہ مستقبل میں ہونے والے واقعے کی آپ ﷺ نے پہلے سے خبر کر دی، نیز یہ نہروان کے خارجیوں سے لڑائی میں علی رضی اللہ عنہ کے لیے بشارت ہے۔

دو مسلمان گروہوں میں سے علی رضی اللہ عنہ کا گروہ اَقرب اِلی الحق تھا:

نبی ﷺ نے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی جماعت کی تعریف کی کہ وہ حق کے قریب ترین اور حق کے لائق ترین جماعت ہے۔ اس حدیث کو ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔

اسی طرح اس روایت کو علی رضی اللہ عنہ نے بھی بیان کیا ہے، اہلِ نہروان سے قتال کے واقعے میں آتا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور خوارج سے قتال کے لیے اپنے لشکر کو ترغیب دلانے کے سلسلے میں اپنا مشہورِ زمانہ خطبہ دیا۔ خوارج کی وہ صفات گنوائیں جو نبی ﷺ نے ذکر کی تھیں، ان میں سے ایک فضیلت یہ بھی بیان کی: ''انھیں وہ گروہ قتل کرے گا جو حق کے زیادہ قریب ہوگا۔''

ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے: ''علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور لوگوں سے خطاب کیا، تمھاری کیا رائے ہے، کیا تم شام کی طرف چلنا چاہو گے یا ان لوگوں کی طرف جو تمھارے پیچھے تمھاری نسلوں کے وارث بنے بیٹھے ہیں؟ لوگوں نے کہا: ہم تو ان لوگوں کی طرف نکلیں گے، پھر علی رضی اللہ عنہ نے ان کا معاملہ واضح کیا اور ان کے بارے نبی ﷺ کے احکامات سنائے، ان میں یہ بھی شامل تھا کہ اختلاف کے وقت ایک گروہ نکلے گا، اسے قتل کرنے والا گروہ دونوں جماعتوں میں سے حق کے زیادہ قریب ہوگا، ان کی علامت یہ ہے کہ ان میں ایک آدمی کا ہاتھ عورت کی چھاتی کے مثل ہوگا۔''[2]

تو تمھیں کیا مسئلہ ہے کہ جب امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ برسرِ منبر اعلانیہ لوگوں کے سامنے یہ حدیث بیان کر رہے ہیں، اس حدیث میں یہ بات معلوم ہے کہ وہ اور ان کی جماعت واضح طور پر حق کے زیادہ قریب ہیں، اور دوسری جماعت بھی حق کے قریب ہی ہے، اور کسی ایک بھی جماعت کے حصے میں کامل حق نہیں آیا۔ نبی ﷺ نے کہا تھا کہ اس گروہ کو دونوں جماعتوں میں سے حق کے قریب تر جماعت قتل کرے گی، اس

[1] یہ روایت [رقم: ۴۸۵] کے تحت مستقل آئے گی۔

[2] ملاحظہ ہو: [رقم: ۴۹۶]

پر مستزاد یہ کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس روایت کو دورانِ جنگ میں لوگوں کے سامنے بیان کر رہے ہیں، تاکہ یہ فضیلت لوگوں کو اس جماعت سے قتال پر رغبت دلائے۔

اللہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ پر رحم کرے! وہ کس قدر عادل اور انصاف پسند ہیں، تاریخِ انسانی میں اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عدل کی انتہا ہے حتی کہ سخت سے سخت اور شدید تر حالات میں بھی انھوں نے عدل کا دامن نہیں چھوڑا۔

پھر جس بندے نے جنگِ صفین کے مسئلے میں سوال کیا: کیا یہ جنگ منصوص علیہ ہے یا آپ کے اجتہاد کا نتیجہ؟ اس کو امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ جواب دے رہے ہیں کہ یہ میرا ذاتی اجتہاد ہے۔ امام ابو داود رحمہ اللہ نے اس روایت کو بیان کیا ہے: قیس بن عباد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے علی رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ ہمیں اس سفر کے بارے بتائیں کیا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی عہد پورا کرنے کے لیے ہے جو انھوں نے آپ سے لیا، یا یہ آپ کا کوئی ذاتی اجتہاد ہے؟ جواب دیا: تم اس سے کیا کرو گے؟ میں نے کہا: یہ ہمارا دین ہے، یہ ہمارا دین ہے۔ فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ایسا کوئی عہد نہیں لیا، یہ میری ایک رائے ہے جو اجتہاد کی بنیاد پر ہے۔[1]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس بات پر قادر تھے کہ لوگوں پر (جنگ چال بازی کا نام ہے) اس پالیسی کو استعمال کرتے، مگر یہ بات ان پر واضح تھی کہ یہ جنگ ایک فتنہ ہے اور لوگوں کو علم کی ضرورت ہے جس کی بنیاد پر وہ فتنوں سے محفوظ رہ سکیں تو انھوں نے آخری حد تک جا کے حق کو واضح کیا۔

[**69**] ہمیں محمد بن عبداللہ بن نمیر اور عبداللہ بن سعید الاشج نے اکٹھے وکیع سے بیان کیا، اشج کہتے ہیں کہ ہمیں وکیع نے حدیث بیان کی، کہا اعمش نے ہمیں خیثمہ سے حدیث بیان کی، انھوں نے سوید بن غفلہ سے روایت کی، انھوں نے کہا: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب میں تمھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث سناؤں تو یہ بات کہ میں آسمان سے گر پڑوں مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں آپ کی طرف کوئی ایسی بات منسوب کروں جو آپ نے نہیں فرمائی۔ اور جب میں تم سے اس معاملے میں بات کروں جو میرے اور تمھارے درمیان ہے (تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے استشہاد کر سکتا ہوں کہ) جنگ ایک چال ہے (لیکن) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (بصراحت یہ) فرماتے ہوئے سنا: عنقریب (خلافتِ راشدہ کے) آخری زمانے میں ایک قوم نکلے گی وہ لوگ کم عمر اور کم عقل ہوں گے (بظاہر) مخلوق کی سب سے بہترین

---

[1] ملاحظہ ہو: [رقم: ۶۱]

بات کہیں گے، قرآن پڑھیں گے جو ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، دین کے اندر سے اس طرح تیزی سے نکل جائیں گے جس طرح تیر تیزی سے شکار کے اندر سے نکل جاتا ہے۔ جب تمھارا ان سے سامنا ہو تو ان کو قتل کر دینا جس نے ان کو قتل کیا اس کے لیے یقیناً قیامت کے دن اللہ کے ہاں اجر ہے۔"[1]

[70] سوید بن غفلہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا: جب میں تم سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے کوئی حدیث بیان کروں تو میرے نزدیک آسمان سے گر جانا ان کی طرف جھوٹی نسبت کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہے، اور جب کسی اَور کے حوالے سے کوئی بات کروں تو میں جنگجو آدمی ہوں اور جنگ تو نام ہی تدبیر اور چال کا ہے۔ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے قریب ایسی اقوام نکلیں گی جن کی عمر تھوڑی ہو گی اور عقل کے اعتبار سے وہ بیوقوف ہوں گے، (بظاہر) مخلوق کی سب سے بہترین بات کہیں گے، لیکن ایمان ان کے گلے سے آگے نہیں جائے گا، تم انھیں جہاں بھی پاؤ قتل کر دو، کیونکہ ان کا قتل کرنا قیامت کے دن باعثِ ثواب ہوگا۔[2]

جب علی رضی اللہ عنہ نے سوال کرنے والے سے پوچھا کہ تمھارا مقصد کیا ہے؟ تو ان کا مقصود سببِ سوال کے بارے تاکید تھا، اگر تو سوال کسی جنگی مصلحت کے سبب سے ہے تو جنگ چال بازی کا نام ہے اور علی رضی اللہ عنہ کے لیے ممکن تھا کہ وہ اصل وجہ کو چھپاتے اور وہ جواب دیتے جس کا جنگی ماحول متقاضی تھا، لیکن قیس رضی اللہ عنہ نے کہا: ہمارا دین ہمارا ہی ہے، یعنی ہم دین کی بنیاد پر فتنوں سے نجات چاہتے ہیں، اسی لیے علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کوئی وعدہ نہیں لیا، یہ میرا اجتہادی فیصلہ ہے۔

ان حالات کی ایک اَور مثال بھی ہے جس میں علی رضی اللہ عنہ ایسے سوال کا جواب جنگ کی حکمتِ عملی کے تحت دیتے ہیں۔

[71] عبداللہ بن سلمہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے علی رضی اللہ عنہ کو سنا، وہ مسکن[1] نامی جگہ پر فرما رہے تھے: میں اپنے سر کو کسی دھونے والی چیز سے نہ دھوؤں گا، یہاں تک کہ بصرہ داخل ہو جاؤں، اسے جلا کے

---

[1] صحیح مسلم (۱۱۳/۳)

[2] مسند أحمد (٦١٦) شیخ شعیب ارناؤط کہتے ہیں: اس کی سند شیخین کی شروط پر صحیح ہے، خیثمہ سے مراد: ابن عبدالرحمان بن ابی سبرہ جعفی کوفی ہیں۔

[1] مسکن: یہ لفظ کاف کے کسرہ کے ساتھ ہے، یہ دیرِ جاثلیق کے قریب، نہرِ دجیل پر اوانا کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔ دیرِ جاثلیق بغداد کے قریب ہے۔ معجم البلدان (۱۲۷/۵) (۵۰۳/۲)

رکھ دوں اور اس کے باشندوں کو بزورِ طاقت مصر میں دھکیل دوں۔[1] راوی کہتے ہیں کہ میں ابومسعود بصری کے پاس آیا اور یہی باتیں ان سے کیں۔ انھوں نے جواب دیا: علی رضی اللہ عنہ تمام چیزوں کو ان کی مناسب جگہ پر رکھتے ہیں، تم ان کی قوتِ فیصلہ کو اچھی طرح نہیں سمجھتے ہو[2] نہ وہ اپنے سر کو دھوئیں گے، نہ بصرہ[3] داخل ہو کر اسے جلائیں گے اور نہ ہی لوگوں کو بزورِ بازو[4] مصر کی طرف نکالیں گے۔ ان کے سر پر بال نہیں ہیں، ان کا سر ایک بڑے گول برتن کی طرح ہے، ان کے سر پہ بالکل چھوٹے چھوٹے بال ہیں یا بہت تھوڑے بال ہیں۔[5]

---

(1) ابوبکر شافعی کی روایت میں یہاں "ثم أسوق"، ''پھر میں چلاؤں گا۔'' کے الفاظ ہیں۔

(2) ابوبکر شافعی کی روایت میں یہاں "ولا تحسنون أن تصدروها"، ''تم ان کی قوتِ فیصلہ کو اچھے سے نہیں سمجھتے۔'' کے الفاظ ہیں۔

(3) ابوبکر شافعی کی روایت میں یہاں: "ولا یأتي البصرة"، ''اور نہ وہ بصرہ آئیں گے۔'' کے الفاظ ہیں۔

(4) ابوبکر شافعی کی روایت میں یہاں "بعصاہ"، ''اپنی لاٹھی کے ساتھ۔'' کے الفاظ ہیں۔

(5) مشیخة یعقوب بن سفیان (۱۰۲) اس کی سند حسن ہے۔ عبداللہ بن سلمہ صدوق راوی ہے اس کا حافظہ بدل گیا تھا، لیکن اس باریکی سے روایت کرنا بتاتا ہے کہ اسے یہ روایت ازبر تھی۔ عمرو بن مرہ نے ان کے بارے کہا: عبداللہ بن سلمہ ہمیں حدیث بیان کیا کرتا تھا، اس کی بعض روایات ہم لے لیتے اور بعض کو ردّ کر دیتے، کیونکہ وہ کبرسنی کا شکار ہو گئے تھے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ یہ روایت پہلی قسم کی ہے، یعنی جو اس نے صحیح حافظے سے بیان کی ہیں۔

ابوعبداللہ غنوی: معاذ بن اسد بن ابی شجرہ مروزی، ثقہ راوی ہیں۔ دسویں طبقے سے ان کا تعلق ہے۔ دو سو تیئس سے دو سو انتیس ہجری (۲۲۳ھ تا ۲۲۹ھ) کے درمیان فوت ہوئے۔ اس روایت کو محمد بن فضل قسطانی نے بھی بیان کیا ہے لیکن انھوں نے سند میں دو راویوں کو بدل دیا ہے۔

تخریج: اس روایت کا خطیب نے تاریخ بغداد (۴٦۷/۹) میں یعقوب بن سفیان کی سند سے ایسے ہی بیان کیا ہے۔ اس کو ابوبکر محمد بن عبداللہ بن ابراہیم شافعی بغدادی (صاحبِ غیلانیات) نے فوائد میں بیان کیا ہے۔ تاریخ بغداد (۲۱۲/۱)

ہمیں محمد بن فضل قسطانی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن عبدالرحمان عنبری نے بیان کیا، کہتے ہیں کہ ہمیں امیہ بن خالد نے بیان کیا، کہتے ہیں: ہمیں ابومحصن نے بیان کیا، وہ شعبہ سے، وہ عمرو بن مرہ سے، وہ ابوطفیل سے بیان کرتے ہیں: میں نے علی رضی اللہ عنہ کو مسکن نامی جگہ پر سنا، پھر یہ روایت ذکر کی ...... موارد الخطیب في تاریخ بغداد (ص: ۵٦۳)

محمد بن فضل قسطانی: ان کی کنیت ابوبکر ہے۔ ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ میں نے اس سے حدیث لکھی ہے۔ صدوق راوی ہیں۔ الجرح والتعدیل (٦۰/۸) الأنساب للسمعاني (۴۱۸/۱۰)

محمد بن عبدالرحمان عنبری: ابوعبداللہ بصری، ثقہ ہیں، امام مزی نے ان کا ذکر اپنے اساتذہ میں کیا ہے، یعقوب بن سفیان ان سے روایت کرتے ہیں۔

ابوطفیل: ان کا نام عامر بن واثلہ لیثی ہے۔

←

یہ واقعہ نبی ﷺ سے بیان کردہ کوئی حدیث نہیں تھا، حدیث کے معاملے میں علی رضی اللہ عنہ کوئی چیز نہیں چھپاتے۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے اس روایت کو علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: جب میں تمھیں رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث بیان کروں تو آسمان سے گر جانا میرے لیے اس سے بہتر ہے کہ میں ان پر اَن کہی چیز کا الزام دوں۔[1] مسند احمد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: آسمان سے گرنا مجھے نبی ﷺ پر جھوٹ باندھنے سے زیادہ پسند ہے۔[2]

چونکہ یہ حدیث مبارکہ کا مسئلہ نہیں تھا بلکہ ایک جنگی معاملہ تھا، اس لیے علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد کی بنیاد پر اس میں توریہ کیا، کیونکہ جنگ چال بازی کا نام ہے۔ اس لیے علی رضی اللہ عنہ نے توریہ کیا اور کہا: جب میں تم سے کوئی آپ ﷺ کے علاوہ کسی کی بات کروں تو میں ایک جنگی کیفیت میں ہوں اور جنگ چال بازی کا نام ہے۔[3]

شرح روایتِ عبداللہ بن سلمہ:

عبداللہ بن سلمہ نے علی رضی اللہ عنہ کو سنا، وہ دھمکی دے رہے تھے، میں اپنے سر کو بیری یا خطمی بوٹی کے ساتھ نہیں دھوؤں گا یہاں تک کہ بصرہ میں موجود سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے اعوان وانصار کو جلا ڈالوں، ان کی زمینوں پر بزورِ طاقت قبضہ کرلوں اور عراق سے مصر تک کا علاقہ اپنی سلطنت میں شامل کرلوں۔

عبداللہ بن سلمہ کو اس پر بڑا تعجب ہوا، جب وہ صفین سے واپس آئے تو ایک زیرک اور دانا آدمی کے پاس گئے جن کا نام ابومسعود بدری تھا جو کوفہ کے والی بھی تھے۔ ان سے اس بارے پوچھا۔ انھوں نے جواب دیا کہ علی رضی اللہ عنہ کی بات اپنی جگہ پر بالکل ٹھیک ہے، ان کی گفتگو میں کسی طرح کا کوئی اشکال نہیں ہے، لیکن تم ان کی مراد کو نہیں پہنچ سکے، یہ دھمکی اصلاً مقصود نہیں ہے، کیونکہ ان کے سر پر کوئی بال نہیں ہیں جسے وہ بیری یا خطمی بوٹی سے دھوئیں۔

← یعقوب بن سفیان کی روایت راجح ہے، کیونکہ اس کی سند عالی ہے، وہ شیخ کو سب سے اچھی طرح جانتے ہیں، اس روایت کو انھوں نے اپنی "مشیخة" میں بیان کیا ہے۔

شواہد: امام شعبی کہتے ہیں: "میں نے علی رضی اللہ عنہ کو لوگوں کو خطبہ دیتے دیکھا، ان کے سر اور ڈاڑھی کے بال سفید تھے۔ پیٹ ذرا بڑھا ہوا، ان کی ڈاڑھی نے کندھے کا درمیانی حصہ گھیرا ہوا تھا۔ گنجے تھے مگر سر پہ تھوڑے تھوڑے بال تھے۔" اس کی سند صحیح ہے۔

[1] دیکھو: [رقم: ٦٩]
[2] دیکھو: [رقم: ٧٠]
[3] دیکھو: [رقم: ٧٠]

ان کے سر کے اطراف میں بہت تھوڑے چھوٹے چھوٹے بال ہیں، ان کو موجودگی میں ان کو کامل بغیر بالوں کے بھی نہیں کہا جا سکتا، تو نہ ہی وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے متبعین کو جلائیں گے، نہ ہی تلوار چلائیں گے اور نہ اپنی بادشاہت کو مضبوط کرنے کے لیے لوگوں کے ساتھ سختی سے نمٹیں گے۔

یہ الفاظ علی رضی اللہ عنہ نے صفین کے راستے میں ۳۶ھ کے آخر میں کہے تھے، جس کو خطیب نے ذکر کیا ہے، انھوں نے عبداللہ بن سلمہ مرادی کے تعارف میں لکھا ہے: جب علی رضی اللہ عنہ نے شام کی طرف نکلتے وقت مسکن نامی جگہ پہ پڑاؤ کیا تو عبداللہ بن سلمہ ان کی صحبت میں تھے[1] ...... پھر خطیب نے عبداللہ بن سلمہ کی روایت بیان کی۔[2] اس موقعے پر علی رضی اللہ عنہ نے دو اسباب کی وجہ سے توریہ کیا:

اوّل: بصرہ میں موجود سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے اعوان وانصار کو کسی حملے سے ڈرانا اور دھمکانا مقصود تھا۔ یہ حملہ اپنے وقت پر ہو کر رہا، بعد میں ابن حضرمی نے ۳۸ھ میں بصرہ پر حملہ کیا۔ یہ نہروان کے بعد کا واقعہ ہے،[3] امیر المومنین نے اس حملے کو روکنے کے لیے جاریہ بن قدامہ تمیمی سعدی کو بھیجا، ابن حضرمی اور اس کے متبعین نے بصرہ کے ایک گھر میں اپنے آپ کو محفوظ کر لیا، ان کی تعداد ستر تھی۔ جاریہ رضی اللہ عنہ نے اس گھر کو آگ لگا دی اور وہ جل کے مر گئے۔

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے انھیں جلانے کا حکم نہیں دیا تھا، کیونکہ جس وقت علی رضی اللہ عنہ نے انھیں بھیجا تھا تو وہ کسی گھر میں بند نہ تھے، جب انھوں نے جاریہ رضی اللہ عنہ کے آنے کا سنا تو ایک گھر میں پناہ پکڑ لی، جب جاریہ رضی اللہ عنہ نے انھیں اس حالت میں دیکھا تو گھر کو آگ لگا کر انھیں جلا دیا۔ علی رضی اللہ عنہ کے دور میں بصرہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے اعوان وانصار کی ایک بڑی جماعت کے طور پہ معروف تھا جن کی دلی وابستگیاں معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھیں، بخلاف کوفہ کے جو ولایتِ علی رضی اللہ عنہ کے طور پر مشہور تھا۔

[72] امام طبری رحمہ اللہ نے ایک طویل روایت نقل کی ہے کہ والیِ بصرہ زیاد بن ابیہ نے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کو خط لکھا: ''ابن الحضرمی شام سے آیا ہے اور بنی تمیم کے ایک گھر میں ٹھہرا ہوا ہے، اس نے عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر کر دی اور جنگ کی دعوت دے دی۔ بنو تمیم اور اہلِ بصرہ کے زعماء نے اس کی بیعت کر لی ہے، میرے حلقۂ اطاعت میں کوئی ایسا نہیں بچا جس کو میں منع کروں۔''[4]

---

[1] تاریخ بغداد (۹/۴۶۷)
[2] وہی روایت ہے جو [رقم: ۷۱] کے تحت گزر چکی ہے۔
[3] ابن حضرمی کے حملے کی تفصیل (ص: ۵۸۷) پر دیکھیں۔
[4] تاریخ الطبري (۳/۱۳۶) مجھے عمر بن شبہ نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: مجھے علی بن محمد مدائنی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں ←

دوم: اس توریے سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے لشکر کو مصر سے اس طرف آنے پر ڈرانے کی دھمکی دینے کا مقصد معلوم ہوتا ہے۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کو صفین سے پہلے مصر پر قبضے کے لیے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حملے کا خدشہ تھا، جنگِ نہروان کے بعد ۳۸ھ میں یہ عملی طور پر بھی وقوع پذیر ہو گیا۔

اسی طرح علی رضی اللہ عنہ نے (۳۶ھ کے آخر میں جنگِ صفین کے راستے میں) دو بڑے حادثوں[1] کو وقوع سے پہلے ہی اپنی فراست کی بنیاد پر سراغ لگا لیا، جنگِ نہروان کے بعد عملی طور پر یہ دونوں واقعات ۳۸ھ میں وقوع پذیر ہوئے۔

اب ہم حدیث کے ان الفاظ: ''أقرب الطائفتين إلى الحق ...'' پر گفتگو کرتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کہنا: ''اس جماعت کو وہ گروہ قتل کرے گا جو حق کے زیادہ قریب ہو گا۔'' دلالت کرتا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کامل طور پہ حق پر نہ تھے بلکہ اس کے زیادہ قریب تھے، اپنی بیعت کے مطالبے اور خوارج سے قتال کر کے انھوں نے اس حق کو حاصل کر لیا لیکن جمل وصفین میں قتال سے انھوں نے اس حق کی موافقت نہیں کی، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنوں میں لڑائی کرنے اور ان میں داخل ہونے سے منع کیا تھا۔[2] علی رضی اللہ عنہ اس مسئلے میں مجتہد تھے اور اپنے اجتہاد کی بنیاد پر مستحقِ اجر ہیں۔

یہ بھی پتا چلتا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت بھی حق پر تھی اگرچہ طائفہ اولیٰ کی نسبت حق سے دور تھے، اس بنیاد پر کہ انھوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں پہ اللہ کی ایک حدِ قصاص کو نافذ کرنے کا مطالبہ کیا تھا لیکن علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کر کے انھوں نے حق کی موافقت نہیں کی۔ تو مختصراً دونوں گروہ ہی حق پر تھے جیسا کی حدیث سے بات واضح ہے لیکن پہلا گروہ حق کے زیادہ قریب تھا۔

امام نووی رحمہ اللہ نے کہا: یہ روایات اس بات پر صریح ہیں کہ بے شک سیدنا علی رضی اللہ عنہ مبنی برحق ہیں اور

← کہ ہمیں ابو ذیال زہیر بن ہنید عدوی نے عمرو بن عیسیٰ بغدادی سے بیان کیا ...... پھر ابن حضرمی کو جلانے کا ایک طویل قصہ ذکر کیا، یہ روایت مقبول ہے، انقطاع کے سبب یہ سند ضعیف ہے۔ اس روایت کو طوالت کے ساتھ نقل کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی، اس لیے ذکر نہیں کیا۔ البتہ اس روایت کی اصل صحیح ہے، یہ وہی روایت ہے جس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے ابن حضرمی کو جلانے کے بارے روایت کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: [رقم: ۲۵۴، ۴۵۱]

[1] مراد ابن حضرمی کے حملے کا واقعہ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مصر پر غلبے کا واقعہ ہے۔

[2] عنقریب اُہبان بن صیفی اور محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہما کی حدیث آئے گی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنے میں قتال سے منع کیا تھا، [رقم: ۲۲۸، ۲۲۹] روایات ملاحظہ ہوں۔

دوسری جماعت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھی ایک تاویل کی بنیاد پر باغی ہیں، اس چیز کی بھی صراحت ہے کہ دونوں گروہ ہی مومن ہیں۔ اس لڑائی کی وجہ سے وہ دائرۂ ایمان سے باہر نہیں نکلے اور نہ ہی انھوں نے کوئی فسق کا کام کیا، یہی ہمارا موقف ہے۔[1]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا: اس حدیث سے یہ بات بالکل واضح معلوم ہوتی ہے کہ جناب علی ومعاویہ رضی اللہ عنہما اور ان کے ساتھی حق پر ہیں اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی نسبت حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب اقرب الی الحق ہیں۔[2]

ایک اور حدیث سے پتا چلتا ہے کہ دونوں جماعتوں کا دعویٰ ایک ہی ہوگا۔

[**73**] ہم سے حکم بن نافع نے بیان کیا، کہا: ہم سے شعیب نے بیان کیا، ان سے زہری نے بیان کیا، کہا: مجھے ابوسلمہ نے خبر دی اور ان سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک دو جماعتیں (مسلمانوں کی) آپس میں جنگ نہ کرلیں اور دونوں کا دعویٰ ایک ہوگا (کہ وہ حق پر ہیں)۔''[3]

[**74**] سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک دو جماعتیں آپس میں جنگ نہ کرلیں۔ دونوں میں بڑی بھاری جنگ ہوگی، حالانکہ دونوں کا دعویٰ ایک ہی ہوگا اور قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک تقریباً تیس جھوٹے دجال پیدا نہ ہولیں۔ ان میں ہر ایک کا یہی گمان ہوگا کہ وہ اللہ کا نبی ہے۔''[4]

امام ابن کثیر رحمہ اللہ کا کہنا ہے: ''یہاں دو گروہوں سے مراد جنگِ جمل اور جنگِ صفین والے اصحاب مراد ہیں، دونوں گروہ ہی اسلام کی طرف دعوت دے رہے تھے، ان کا جھگڑا تو صرف امورِ سلطنت میں تھا، مصالح کا خیال رکھنا اور اس چیز کا فائدہ امت اور رعایا کے لیے ہے، اس معاملے میں ترک، قتال کرنے کی نسبت اولیٰ ہے، اور یہی جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کا موقف تھا۔''[5]

---

[1] المنهاج شرح صحيح مسلم (١٦٨/٧)

[2] مجموع الفتاویٰ (٤٦٧/٤)

[3] صحيح البخاري (٣٤١٣)

[4] صحيح البخاري (٣٤١٣)

[5] البداية والنهاية (٢٣٩/٦)

امام ابن حجر رحمہ اللہ کا کہنا ہے: "دعواھما واحد" سے مراد یہی ہے کہ ان کا دین ایک ہی ہوگا، کیونکہ ان میں سے ہر ایک اسلام کا دعویٰ[1] رکھتا تھا۔

[75] سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر اس حال میں دیکھا کہ جنابِ حسن بن علی رضی اللہ عنہما ان کے پہلو میں تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور ایک دفعہ جنابِ حسن رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوتے اور کہتے: بے شک میرا یہ بیٹا سردار ہے، اللہ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کروائے گا، سفیان کہتے ہیں کہ ان کا یہ کہنا: ''مسلمانوں کے دو گروہوں میں (صلح کروائے گا)۔'' اس چیز نے ہمیں بہت خوش کیا۔[2]

امام بیہقی رحمہ اللہ کہتے ہیں: انھیں یہ بات خوش کرتی تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں گروہوں کو مسلمان ہونے کے ساتھ متصف کیا۔[3]

امام ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث میں خوارج کا ردّ ہے جو حضرت علی و معاویہ رضی اللہ عنہما اور ان کے اصحاب کی تکفیر کرتے تھے، اس گواہی کی بنیاد پر جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں جماعتوں کے بارے دی تھی کہ وہ مسلمانوں میں سے ہی ہوں گے۔ اسی بنا پر سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے اس حدیث کے آخری حصے پر اظہار تعجب کیا، (دونوں جماعتوں کا مسلمان ہونا) اس سے ہمیں بہت خوشی ہوتی تھی۔[4]

علامہ شیخ عبداللہ سعد فرماتے ہیں: اس حدیث میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے عظیم الشان وصف کا ذکر ہے، یہ کہ وہ سردار ہیں، ان کی سرداری کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ خلافت سے الگ ہو جائیں گے، اس

---

[1] فتح الباري (٦/٦١٦) اس پر امام ابن حجر رحمہ اللہ نے مزید اضافہ کیا: دونوں میں سے ہر ایک گروہ اس بات کا دعویٰ رکھے گا کہ وہ حق پر ہے۔
ابن حجر رحمہ اللہ کے اس کلام پر علامہ عبداللہ سعد نے تبصرہ کیا: یہ بہت دور کا مفہوم ہے، زمانۂ قدیم و جدید میں سے ہر دو لڑنے والی جماعتوں کا موقف یہی رہا ہے کہ وہ حق پر ہے۔ حدیث کی اس مراد کا کوئی فائدہ نہیں ہے، کیونکہ یہ چیز اپنی ذات میں ہی واضح ہے اس کو وضاحت کی ضرورت نہیں، درست بات وہی ہے جو امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے کی ہے۔ دیکھیے: فتح الواحد العلي في الدفاع عن صحابة النبي صلی اللہ علیہ وسلم۔ سافٹ نسخہ

[2] السنن الكبرى للبيهقي (١٦٧٠٩) یہ اسی روایت کے الفاظ ہیں۔ تاريخ دمشق (١٣/٢٣٣) اس کی سند بخاری کی شروط پر صحیح ہے، سارے رواۃ ہی شیخین کے راوی ہیں سوائے اسرائیل کے، یہ صرف بخاری کے راوی ہیں۔ حمیدی: ابو بکر عبداللہ بن زبیر۔ سفیان: ابن عیینہ۔ اس کی تخریج [رقم: ٥٩٩] کے تحت آئے گی۔

[3] الاعتقاد للبيهقي (ص: ٣٧٦)

[4] فتح الباري (١٣/٦٦) بتصرف يسير.

میں جنابِ حسن رضی اللہ عنہ کی جماعت کی بھی تعریف ہے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت کی بھی مدح ہے۔ اس روایت کے ضمن میں جناب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بھی مدح وتعریف ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت چھوڑ دینا اس بنیاد پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف کی۔ اگر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ خلافت کے اہل نہ ہوتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم حسن رضی اللہ عنہ کے چھوڑنے پر اس صلح کی کبھی تعریف نہ کرتے۔[1]

اب لوٹتے ہیں حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کی طرف:

⦿ پہلے الفاظ: ''أقرب إلى الحق''

[**76**] امام مسلم نے کہا کہ مجھے عبیداللہ قواریری نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن عبداللہ بن زبیر نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سفیان نے حبیب بن ابی ثابت سے بیان کیا، وہ ضحاک مشرقی سے، وہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے اور انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات ایک حدیث میں روایت کی جس میں آپ نے اس قوم کا تذکرہ فرمایا جو (امت کے) مختلف گروہوں میں بٹنے کے وقت نکلے گی، ان کو دونوں گروہوں میں سے حق سے قریب تر گروہ قتل کرے گا۔[2]

اہلِ نہروان سے لڑائی کے مسئلے میں علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ گزر چکے ہیں۔[3]

⦿ دوسرے الفاظ: ''أدنىٰ إلى الحق''

[**77**] سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کا تذکرہ فرمایا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ہوں گے، وہ لوگوں میں افتراق کے وقت نکلیں گے، ان کی نشانی سر منڈانا ہو گی۔[4] آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ مخلوق کے بدترین لوگ۔ یا مخلوق کے بدترین لوگوں میں سے ہوں گے، ان کو دو گروہوں میں سے وہ (گروہ) قتل کرے گا جو حق کے قریب تر ہو گا۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مثال بیان کی یا یہ بات ارشاد فرمائی: انسان شکار کو، یا فرمایا: نشانے کو تیر مارتا ہے، وہ پھل (تیر کا لوہے کا سرا) کو دیکھتا ہے تو اسے (خون کا) نشان نظر نہیں آتا[5] (جس سے بصیرت حاصل ہو جائے کہ شکار کو لگا ہے)،

---

[1] فتح الواحد العلي في الدفاع عن صحابة النبي ﷺ: (سافٹ نسخہ)

[2] صحیح مسلم (۱۱۳/۳)

[3] (ص: ۲۲۱) اس پہ تعلیق انتہائی اہم ہے، اسے ملاحظہ کریں۔

[4] ''سیماهم'': ان کی نشانی۔ ''التحالق'': سر کو منڈوانا۔

[5] یعنی اسے شکار کو تیر لگنے کی کوئی نشانی نظر نہیں آتی، نشانی تو خون ہوتا، وہ نظر نہیں آ رہا۔

پیکان اور پر کے درمیانی حصے کو دیکھتا ہے تو کوئی نشان نظر نہیں آتا، وہ سوفار (پچھلے حصے) کو دیکھتا ہے تو کوئی نشان نہیں دیکھتا۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اہلِ عراق! تم ہی نے ان کو (حضرت علی رضی اللہ عنہ کی معیت میں) قتل کیا ہے۔[1]

⦿ تیسرے الفاظ: "أولیٰ بالحق"

[78] سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مسلمانوں میں افتراق کے وقت تیزی سے (اپنے ہدف کے اندر سے) نکل جانے والا ایک گروہ نکلے گا، دو جماعتوں میں سے جو جماعت حق سے زیادہ تعلق رکھنے والی ہوگی، (وہی) اسے قتل کرے گی۔"[2]

[79] سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میری امت کے دو گروہ ہوں گے، ان دونوں کے درمیان سے، دین میں سے تیزی سے باہر ہو جانے والے نکلیں گے، انھیں وہ گروہ قتل کرے گا جو دونوں گروہوں میں سے زیادہ حق کے لائق ہوگا۔"[3]

[80] سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لوگوں میں گروہ بندی کے وقت دین میں سے تیزی سے نکل جانے والا ایک فرقہ تیزی سے نکلے گا۔ ان کے قتل کی ذمے داری دونوں جماعتوں میں سے حق سے زیادہ تعلق رکھنے والی جماعت پوری کرے گی۔"[4]

اہلِ شام پر قنوتِ نازلہ کے معاملے میں ان کا موقف:

صحیح روایت سے یہ بات ثابت ہے کہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے جنگِ صفین کے دوران میں شامی لشکر اور ان کے متبعین پر قنوتِ نازلہ کی تھی، پھر جنگ کے بعد قنوتِ نازلہ چھوڑ دی تھی۔[5]

اہلِ شام پر لعنت کرنے، برا بھلا کہنے، ان کی عیب جوئی کرنے میں ان کا موقف:

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ اپنے متبعین کو منع کیا کرتے تھے کہ وہ اہلِ شام پر لعنت کریں، نیز انھیں گالی دینے سے بھی منع کرتے تھے، البتہ ایسی گفتگو جس میں ان کی غلطیوں کو واضح کرنا اور حق بات کی تبیین

---

[1] صحیح مسلم (۳/۱۱۳)

[2] صحیح مسلم (۳/۱۱۳)

[3] صحیح مسلم (۳/۱۱۳)

[4] صحیح مسلم (۳/۱۱۳)

[5] [رقم: ۳۰۵ تا ۳۱۱] روایات اور ان کا حاشیہ دیکھو۔

وتشریح مقصود ہو، اس کی اجازت دیتے تھے (جاہل انسان کے سامنے حق کو واضح کرنا) اور (اہلِ شام کی غلطی اور بغاوت کو بیان کرنا)۔[1]

اہلِ حرب کی تکفیر کے معاملے میں ان کا موقف:

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کسی بھی جنگی مخالف (اہلِ جمل، اہلِ صفین، اہلِ نہروان) کی تکفیر نہیں کرتے تھے۔ اس کی دلیل ان کا یہ عمل ہے کہ انھوں نے جنگوں میں کسی کو بھی غلام نہیں بنایا، نہ ہی ان کے مال کو غنیمت کا مال سمجھا۔

[**81**] امام بیہقی رحمہ اللہ نے کہا کہ ہمیں ابو الحسن محمد بن ابی المعروف الاسفرایینی نے یہ خبر کی،[2] انھوں نے کہا کہ ہمیں بشر بن احمد[3] نے خبر کی، انھوں نے کہا کہ ہمیں احمد بن حسین بن نصر حذاء[4] نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ ہمیں علی بن عبداللہ نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ ہمیں حماد بن اسامہ نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ ہمیں صلت بن بھرام نے شقیق بن سلمہ سے بیان کیا کہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے جنگِ جمل اور نہروان کے دن کسی کو غلام نہ بنایا۔[5]

[**82**] شقیق بن سلمہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جنگِ جمل کے دن کسی کو غلام نہ بنایا اور نہ کسی زخمی کو قتل کیا۔[6] اور اہلِ شام کے لیے تو علی رضی اللہ عنہ کا ایک اضافی حسنِ سلوک ہے کہ علی رضی اللہ عنہ صفین کے

---

(1) [رقم: ۳۱۳ تا ۳۱۷] روایات دیکھو۔

(2) محمد بن محمد بن حم فقیہ اسفرائینی، ابو الحسن بن ابی المعروف، فاضل، ثقہ، مستور۔ ان کا یہ تعارف عبدالغفار فارسی نے ذکر کیا ہے۔ المنتخب من كتاب السياق لتاريخ نيسابور (٥٧)، نیز دیکھیے: السلسبيل النقي في تراجم شيوخ البيهقي (١٨٩)

(3) امام، محدث، ثقہ، مسندِ وقت، ابو سہل بشر بن احمد بن بشر بن محمود الاسفرائینی الدھقان، کبیر اسفرایین، بہادری وخود داری میں ایک بڑا نام۔ امام حاکم کہتے ہیں: میں نے ان کی احادیث سے انتخاب کیا، ایک عرصے تک انھوں نے صحیح اصولوں کی بنیاد پر احادیث لکھوائیں، شوال ۳۷۰ھ میں وفات پائی۔ عبدالغفار فارسی کہتے ہیں: معروف ثقہ ہے۔ المنتخب من كتاب السياق لتاريخ نيشابور (٤٢٨) سير أعلام النبلاء (٢٢٨/١٦) الروض الباسم في تراجم شيوخ الحاكم (٢٤٩)

(4) ابو جعفر عسکری، مولی ہمدان، امام دارقطنی نے ان کو ثقہ کہا ہے۔ متوفی ۲۹۹ھ۔ سؤالات حمزة (١٤٤) الثقات ممن لم يقع في الكتب الستة (٣٢٤/١) إرشاد القاصي والداني إلى تراجم شيوخ الطبراني (٩٣)

(5) السنن الكبرىٰ للبيهقي (١٦٧٥٠) اس کی سند صحیح ہے۔ علی بن عبداللہ: ابن مدینی۔

(6) مصنف ابن أبي شيبة (٣٨٩١٩) اس کی سند صحیح ہے۔

مقتولین کے لیے استغفار کرتے تھے۔ کفار، مرتد اور منافقین کے لیے تو استغفار کرنا جائز نہیں تو یہ بات طے ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ انھیں مومنین میں شمار کرتے تھے۔[1] بلکہ انھوں نے شامی مقتولین کے لیے جنت کی گواہی بھی دی ہے۔[2]

اہلِ نہروان:

[83] طارق بن شہاب روایت کرتے ہیں کہ جب علی رضی اللہ عنہ اہلِ نہروان کی لڑائی سے فارغ ہوئے تو ان سے کہا گیا: کیا یہ سب مشرک تھے؟ جواب دیا: شرک سے تو یہ بھاگ چکے تھے، پوچھا گیا: کیا منافق تھے؟ فرمایا: منافق اللہ کا ذکر بہت تھوڑی مقدار میں کرتے ہیں، کہا گیا: پھر ان کی کیا حیثیت ہے؟ فرمایا: ایک جماعت ہے جس نے ہمارے خلاف بغاوت کی تو ہم نے ان سے قتال کیا۔[3]

تنبیہ: یہ بات امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے خوارج کے بارے نہیں کی تھی: ''ہمارے بھائی ہی ہیں لیکن انھوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی۔''

یہ بات علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے کہ یہ بات انھوں نے اہلِ جمل[4] کے متعلق کی تھی، خوارج

---

[1] روایات دیکھو: [رقم: ۳۹۳، ۳۹۵] [2] دیکھو: [رقم: ۳۹۴]

[3] تعظیم قدر الصلاۃ (۵۹۱) اس کی سند صحیح ہے۔ اسحاق بن ابراہیم: ابن راھویہ۔ الشیبانی: ابو اسحاق سلیمان بن ابی سلیمان فیروز الکوفی۔

تخریج: امام ابن ابی شیبہ (۳۹۰۹۷) نے اس روایت کو یحییٰ بن آدم کی سند سے روایت کیا ہے، اس میں الفاظ کچھ یوں ہیں: میں علی رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھا تو ان سے اہلِ نہروان کے متعلق سوال کیا گیا۔

امام نصر نے اس کو تعظیم قدر الصلاۃ (۵۹۳) میں "حدثنا وكيع، ثنا إسماعيل بن أبي خالد، عن حكيم بن جابر، عن علي رضی اللہ عنہ" کی سند سے روایت کیا ہے، اس کی سند صحیح ہے۔

[4] اس روایت کو امام ابن ابی شیبہ (۳۸۹۱۸) نے اور اسی سند سے بیہقی نے السنن الکبری (۱۶۷۱۳) میں اور ابو العرب نے "المحن" میں "شريك عن أبي العنبس عن أبي البختري" کی سند سے اہلِ جمل کے بارے روایت کیا ہے۔ یہ روایت مرسل ہے۔

شیخ عبداللہ بن یوسف الجدیع نے ابو البختری کے علی رضی اللہ عنہ سے سماع کا اثبات کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ ابو البختری کا کہنا ہے (ہم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے سوال کیا...... الحدیث) اس حدیث میں ان کی علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ملاقات صریح ہے، جبکہ وہ کسی دوسرے علاقے سے علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایسے مسائل کے بارے پوچھنے آتے تھے، یا پھر ان کی موجودگی میں علی سے ایسے سوال کیے جاتے اور انھیں ان کا علم ہو جاتا، تب وہ عمر کے اس حصے میں تھے کہ ان چیزوں کو سمجھتے تھے، دیکھو: تحریر علوم الحدیث (۱/۱۰۱-۱۰۲) ←

کے متعلق نہیں۔ خوارج کی حقیقت کے متعلق امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ اس امت میں سب سے زیادہ علم رکھتے تھے، اس کے باوجود انھوں نے خوارج کی تکفیر نہیں کی۔[1]

اہلِ شام کی طرف سے کتاب اللہ کے مطابق تحکیم کی دعوت کے بارے ان کا موقف:

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے اہلِ شام کی تحکیم کی دعوت کو قبول کیا اور اس صلح کو انھوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فتح کا نام دیا۔[2]

واقعۂ صفین سے پہلے اور بعد میں ان کے چند نظریات:

بعض صحیح روایات سے ثابت ہے کہ جنگِ صفین کے بعد علی رضی اللہ عنہ کے کچھ نظریات بدل گئے تھے:

- دورانِ جنگ میں وہ معاویہ رضی اللہ عنہ اور شامی لیڈروں پر قنوتِ نازلہ کرتے تھے۔
- وہ سمجھتے تھے کہ صفین کے مقتولین کا خون باغی ہونے کے سبب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سر ہوگا۔
- انھوں نے بغیر کسی تردّد کے مکمل شرح صدر کے ساتھ جنگ میں شرکت کی۔

جنگ کے بعد انھوں نے شامی مقتولین کے لیے استغفار شروع کر دیا، مقتولینِ صفین کا ذمہ دار سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ خود کو بھی سمجھتے تھے۔ جنگ کے بعد ان سے ایسی روایات منقول ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ انھیں اپنے اس فعل پر ندامت محسوس ہوتی تھی، لیکن ان کی ندامت کا مفہوم یہ نہیں کہ وہ اہلِ شام کو جھکا نہ سکے اس لیے نادم تھے۔

2- سیدنا حسن بن علی بن ابی طالب ہاشمی قرشی رضی اللہ عنہما

سردار، امیر المومنین، بشارتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مظہر: میرا یہ بیٹا سردار ہے، امید ہے کہ اللہ پاک اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو عظیم الشان جماعتوں کے درمیان صلح کروائے گا۔[3]

← امام بیہقی نے اس روایت کو السنن الکبری (١٦٧٥٢) میں "أحمد بن عبدالجبار العطاردي، ثنا حفص بن غياث، عن عبدالملك بن سلع، عن عبد خير، عن علي رضي الله عنه" کی سند سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ عطاردی کے ضعیف ہونے کے سبب یہ روایت ضعیف ہے۔

[1] خوارج کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نظریات کیا تھے، اس موضوع پر سیر حاصل بحث کے لیے: دکتور ناصر العقل کی کتاب الخوارج أول الفرق في تاريخ الإسلام (ص: ٤٥) اور الموسوعة الفقهية الكويتية (١٣٠/٨) ملاحظہ ہوں۔

[2] ملاحظہ ہو: [رقم: ٣٧٧]

[3] ملاحظہ ہو: [رقم: ٥٦٦]

پانچویں خلیفۂ راشد[1]، جناب حسن رضی اللہ عنہ اعلیٰ پائے کے خطیب اور فصیح و بلیغ آدمی تھے۔[2]

جناب حسن رضی اللہ عنہ تو باہمی جنگوں کو ناپسند کرتے تھے، انھوں نے علی رضی اللہ عنہ کو بھی جنگِ جمل اور صفین سے منع کیا تھا، لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ علی رضی اللہ عنہ تو جنگ پر مصر ہیں تو ان کے ساتھ چل نکلے اور ہر جنگ میں شریک ہوئے، اگرچہ وہ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ متفق نہیں تھے، لیکن اس طرح کے مشکل حالات میں ان کے پاس پیچھے رہنے کا اختیار نہیں تھا۔

[**84**] امام ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اہلِ شام کے قتال کا پختہ ارادہ کر لیا تو (شام کا قصد کر کے)[3] مدینہ سے نکلے، تب ان کے بیٹے حضرت حسن رضی اللہ عنہ آئے اور کہا: ابا جان! آپ اس معاملے کو چھوڑ دیں، اس جنگ میں مسلمانوں کا ہی خون بہے گا اور ان کے باہمی اختلافات مزید گہرے ہوں گے، لیکن علی رضی اللہ عنہ نے اس بات کو تسلیم نہ کیا اور اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔''

[**85**] قیس بن عباد بیان کرتے ہیں کہ جنگِ جمل کے دن علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے حسن رضی اللہ عنہ سے کہا: حسن! کاش تمھارا باپ بیس سال پہلے دنیا سے چلا جاتا، جواب دیا: ابا جان! میں نے تو آپ کو اس چیز سے منع کیا تھا، فرمایا: مجھے توقع نہیں تھی کہ بات اس حد تک بگڑ جائے گی۔[4]

---

[1] بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ پانچویں خلیفۂ راشد جناب عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ ہیں جبکہ یہ بات ٹھیک نہیں، تو پھر جناب حسن رضی اللہ عنہ کا کیا مقام ہے؟ جبکہ وہ تو اپنے باپ کے بعد خلیفہ بنے تھے۔

[2] "خطبة الحسن ومعاوية رضي الله عنهما عند البيعة" (١٦) اور اس سے پہلے کا حاشیہ۔

[3] البداية والنهاية (٧/٢٥٧) ٣٦ھ کے واقعات، روایت صحیح ہے۔ بریکٹ والے الفاظ امام صاحب نے آخر میں ذکر کیے ہیں، میں نے شروع میں کر دیے تاکہ موضوع سے مناسبت ہو جائے۔

شواہد: آیندہ کی روایات اس کی شواہد ہیں، امام صاحب کا کلام یہاں مختصر ہے۔

[4] كتاب السنة (٢/٥٦٦) اس کی سند صحیح ہے۔ رواۃ سارے ہی ثقہ ہیں اور شیخین کے رواۃ ہیں۔ قتادہ: ابن دعامہ سدوسی۔ تاریخ دمشق (٤٢/٤٥٨) میں یہ روایت قواریری کی سند سے منقول ہے۔

تخریج: عبداللہ نے السنة (١٣٩٧) میں محمد بن ابی بکر مقدمی، خلال نے السنة (٧٤٨) میں "جعفر بن هشام عن المعلى ابن أسد العمي" کی سند سے، طبرانی نے المعجم الكبير (٢٠٣) میں "أبو خليفة فضل بن الحباب، عن عبدالرحمان بن المبارك" کی سند سے بیان کیا ہے، پھر یہ تینوں لوگ حماد بن زید سے بیان کرتے ہیں۔

جعفر بن ہشام کا تعارف نہیں ملا، باقی سارے رواۃ ثقہ ہیں۔ ہیثمی کہتے ہیں: اس کو طبرانی نے بھی بیان کیا ہے اور اس کی سند جید ہے۔ مجمع الزوائد (١٤٨٢٣)

عبداللہ نے السنة (١٢٩٤) میں تمیم بن سلمہ کی سند سے بیان کیا ہے۔

←

[86] سلیمان بن صرد روایت کرتے ہیں کہ میں جنگِ جمل کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، ان کے پاس حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور ان کے بعض ساتھی بھی تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب مجھے دیکھا تو فرمایا: اے ابن صرد! کمزور اور ڈھیلے پڑ گئے اور پیچھے ٹھہر گئے۔ اللہ تعالیٰ کے بارے تمھارا کیا خیال ہے کہ وہ تم سے کیا معاملہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے تم سے بے نیاز کر دیا۔ میں نے کہا: اے امیر المومنین! معاملہ بڑا سخت ہو گیا۔ معاملات ایسے ہو گئے ہیں کہ آپ کے دوست اور دشمن میں امتیاز مشکل ہو چکا۔ کہتے ہیں کہ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے تو میں نے ان سے عرض کی: آپ نے میری ذرا بھی حمایت نہیں کی اور نہ ہی میری طرف سے کوئی عذر اس شخص (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کے پاس کیا؟ حالانکہ میں اس بات کا متمنی تھا کہ ان کے پاس میری معذوری کی گواہی دیتے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: انھوں (حضرت علی رضی اللہ عنہ) نے جو ملامت آپ پر کرنی تھی سو وہ کی۔ حالانکہ مجھے جنگِ جمل کے دن فرمایا کہ لوگ ایک دوسرے کی طرف جا رہے ہیں، اے حسن! تیری ماں تجھے گم کرے! تیرا میرے اس معاملے کے بارے میں کیا خیال ہے۔ دونوں لشکر آمنے سامنے ہیں، اللہ کی قسم! میں اس کے بعد خیر نہیں دیکھتا۔ میں نے کہا: آپ خاموش ہو جائیے آپ کے ساتھی نہ سن لیں، اور کہنے لگیں کہ تو نے معاملہ مشکوک کر دیا اور آپ کو قتل کر دیں۔[1]

[87] ابو الضحیٰ روایت کرتے ہیں کہ سلیمان بن صرد خزاعی نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے کہا: امیر المومنین کے پاس حاضری کے وقت آپ میرے لیے عذر تلاش کرنا، انھوں نے جنگِ جمل کے دن مجھے فلاں فلاں کام سے منع کیا تھا، تو حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: جب جنگ کا بازار گرم ہوا تو میں نے ان کو دیکھا کہ وہ میری آڑ

← ابن ابی شیبہ (۳۸۹۵۱) نے اور حاکم نے المستدرك (۵۵۹۷) میں طلحہ بن مصرف کی سند سے بیان کیا ہے۔ یہ دونوں اس روایت کو حسن سے بیان کرتے ہیں، مگر یہ روایت مرسل ہے، اس کے باوجود ہیثمی نے کہا کہ اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند جید ہے۔ مجمع الزوائد (۱٤۸۲۳)

اس روایت کو طبرانی نے المعجم الکبیر (۲۰۲) میں طلحہ بن مصرف کی سند سے علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اس میں حسن رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں ہے۔ منهاج السنة لابن تيمية (۲۰۹/٦)

[1] مصنف ابن أبي شيبة (۳۸۹٦۷) اس کی سند صحیح ہے، سارے راوی ثقہ ہیں اور شیخین کے رواۃ ہیں سوائے عبید بن نضیلہ کے، یہ امام مسلم کے راوی ہیں۔ عفان: ابن مسلم۔ ابوعوانہ: وضاح بن عبداللہ یشکری۔ سلیمان بن صرد: یہ صحابی ہیں۔

تخریج: بلاذری نے اس کو أنساب الأشراف (۲۷۲/۲) میں عفان سے روایت کیا ہے۔ مزید امام بلاذری نے أنساب الأشراف (۲۷۱/۲) میں "يحيىٰ بن معين عن عبدالرحمان بن مهدي عن أبي عوانة" کی سند سے مختصر بیان کیا ہے۔

ابو ہلال عسکری نے جمهرة الأمثال (٥٥٤/١) میں "مدائني عن أبي عوانة" کی سند سے مختصر بیان کیا ہے۔

لیتے اور کہتے: اے حسن! میں خواہش رکھتا ہوں کہ بیس سال پہلے ہی وفات پا جاتا۔[1] سلیمان بن صرد کا حسن رضی اللہ عنہ کو جواب جو جنابِ حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سے شدید ڈانٹ اور ملامت پر راہنمائی کرتا ہے۔

[**88**] طارق بن شہاب روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر آئی اور میں اپنے آپ میں جوانی اور قوت کو پہچان رہا تھا اگر میں لڑائی کرتا۔ میں لوگوں کے ساتھ نکلا، جب ہم مقامِ ربذہ[2] پر پہنچے تو وہاں پر حضرت علی رضی اللہ عنہ موجود تھے، انھوں نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔ جب سلام پھیرا تو لوگوں کی طرف منہ کر کے اپنی نماز پڑھنے کی جگہ پر ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کھڑے ان سے روتے ہوئے بات کرنے لگے، انھوں نے فرمایا: بات کرو اور لڑکی کی طرح رونے نہ بیٹھ جاؤ۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے آپ سے کہا تھا جب لوگوں نے اس آدمی کا محاصرہ کیا تھا[3] کہ آپ مکہ جا کر وہاں اقامت اختیار کریں، آپ نے میری بات نہ مانی، پھر جب انھیں شہید کیا گیا، میں نے آپ سے کہا تھا کہ اپنے گھر میں رہیں، یہاں تک کہ عرب کی عقل مندی واپس آ جائے، پس اگر آپ گوہ کی بل میں بھی ہوئے تو وہ اونٹوں کو دوڑاتے آپ کے پاس پہنچتے، یہاں تک آپ کو اس بل[4] سے نکالتے۔ آپ نے میری بات نہ مانی اور میں آپ کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپ عراق نہ جائیں، کہیں بے توجہی کی حالت میں آپ کو قتل کر دیا جائے۔ راوی نے فرمایا: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: باقی رہی تمھاری بات کہ میں

---

[1] مصنف ابن أبي شیبة (۳۸۹۹۰) سند صحیح ہے۔ راوی ثقہ ہیں اور شیخین کے رواۃ ہیں۔ ابو اسامہ: حماد بن اسامہ۔ شعبہ: ابن الحجاج۔ ابوعون: محمد بن عبیداللہ کوفی اعور۔ ابوالضحیٰ: مسلم بن صبیح قرشی۔

مسدد نے اس روایت کو اپنی "مسند"، بلاذری نے أنساب الأشراف (۲۷۳/۲)، حارث نے اپنی "مسند"، مختلف سندوں کے ساتھ شعبہ سے روایت کیا ہے۔ بغیة الباحث عن زوائد مسند الحارث (۷۵۷)۔ یہ روایت إتحاف الخیرة المهرة (۷۳۸۷) المطالب العالیة (٤٤٠٥) میں بھی نقل ہے۔

بلاذری نے اس روایت کو "مدائني عن شعبة" کی سند سے روایت کیا، صفین میں عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت کے استشہاد میں اس روایت کو بیان کیا۔ جبکہ درست یہ ہے کہ اس اثر کی مناسبت جنگِ جمل سے ہے۔ اس کی مکمل تخریج "المطالب العالیة" میں دیکھیں۔

[2] الربذة: مدینہ سے تین دن کی مسافت پر ایک بستی کا نام ہے، مکہ کے راستے پر ذاتِ عرق سے قریب ہے۔ معجم البلدان (۲٤/۳) معجم المعالم الجغرافیة في السیرة النبویة (ص: ۱۳۵)

[3] مراد عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔

[4] یعنی آپ کو بیعت کرنے کے لیے اس بل سے نکال لیں۔

مکہ جاتا تو میں وہ آدمی نہیں بننا چاہتا تھا جس کے لیے مکہ کو قتال کے لیے حلال کیا جاتا اور تیری یہ بات کہ لوگوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا تو میرا کیا گناہ ہے اگر لوگوں نے ان کو قتل کر دیا ہے۔ اور رہی تمھاری بات کہ میں عراق نہ جاتا (مدینہ اگر رہتا تو) تو میں اس گوہ کی طرح ہوتا جو (بل میں رہ کر) آواز کو سنتی ہے۔[1]

حسن رضی اللہ عنہ کا یہ قول: ''میں نے آپ کو کہا تھا، ...... آپ مکہ جائیں۔'' اس میں خواہش کا اظہار ہے کہ آپ مدینہ سے نکل جائیں (جس وقت جنابِ عثمان رضی اللہ عنہ محاصرے میں تھے) فتنوں میں مبتلا ہونے کے اندیشے کے سبب، اس بات کا بھی اندیشہ تھا کہ ان کی اعانت سے جنابِ عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھ جائے۔ میں کہتا ہوں: فتنوں کے زمانے میں یہ جنابِ حسن رضی اللہ عنہ کی فتنوں سے بچنے کی شدتِ حرص کا اظہار ہے، بعد میں وہی ہوا جس چیز کا جنابِ حسن رضی اللہ عنہ کو خدشہ لاحق تھا۔ جب ابن سبا کے گروہ نے لوگوں میں قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نامناسب باتیں پھیلا دیں[2] جبکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے خونِ عثمان رضی اللہ عنہ سے براءت ثابت ہے۔[3]

---

1. مصنف ابن أبي شيبة (٣٨٥٢٦) اس کی سند صحیح ہے۔ سارے راوی شیخین والے ہیں سوائے ابو عاصم ثقفی کے، اس کا نام محمد بن ابی ایوب کوفی ہے۔ یہ امام مسلم کے راوی ہیں اور ثقہ ہیں۔ امام احمد، ابن معین، ابو زرعہ رازی اور یعقوب بن سفیان نے اس کو ثقہ کہا ہے۔ امام ابو حاتم نے صالح اور ابن حجر نے صدوق کہا ہے۔ "تحرير التقريب" میں ہے: بلکہ وہ ثقہ ہے۔ التقريب (٥٧٥٣)، وکیع سے مراد: ابن الجراح ہیں۔

تخریج: عمر بن شبہ نے تاريخ المدينة (١٢٥٦/٤) میں، بلاذری نے أنساب الأشراف (٢١٦/٢) میں "أبو نعيم فضل بن دكين عن أبي عاصم محمد بن أبي أيوب" کی سند سے روایت کیا ہے۔ اس روایت کو تاريخ بغداد (٣٨٠/٧) اور تاريخ دمشق (٤٥٦/٤٢) میں "سفيان الثوري عن قيس" کی سند سے مختصر بیان کیا ہے۔

ابن ابی شیبہ نے المصنف (٣٨٩٥٤) میں، ابن شبہ نے تاريخ المدينة (١٢٥٧/٤) میں "يحيىٰ بن آدم عن جعفر بن زياد عن أمي (ابن ربيعة) صيرفى عن صفوان بن قبيصة عن طارق بن شهاب" کی سند سے ایسے ہی روایت کیا ہے۔

امام حاکم (٤٥٩٧) نے اس کو "شريك بن عبدالله النخعي عن أمي الصيرفي" کی سند سے روایت کیا ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں: ''علی رضی اللہ عنہ حسن اور حسین رضی اللہ عنہما دونوں سے کہہ رہے تھے، تم دونوں کو کیا ہوا جو کسی لڑکی کی طرح رو رہے ہو۔'' شریک ضعیف ہے۔ اس روایت کی اور بھی کئی سندیں ہیں جو سخت ضعیف ہیں۔ دیکھیں: الطبقات لابن سعد (٢٧٤/١) طبقه خامسه۔ تحقيق السلمي، بہ سند واقدی، تاريخ الطبري (١٠/٣) المنتظم (٨٢/٥- ٨٣) بہ سند شعیب بن سیف، تاريخ الطبري (١١١/٣) بروایتِ اسماعیل بن موسیٰ فزاری۔

2. اس بارے [رقم: ٦١٣] میں، مَیں نے الگ سے تفصیل بیان کی ہے۔

3. [رقم: ٦١٣، ٦١٤، ٦١٥] روایات دیکھیں۔

ان کا یہ کہنا: ''جب عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل کیا گیا تو میں نے آپ کو کہا کہ گھر کو لازم پکڑ لیں ......لیکن آپ نے میری بات نہیں مانی۔'' اس کی شرح گزر چکی ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کا مفہوم بھی یہی بنتا ہے۔[1]

جب خلافت حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوئی تو وہ اس کو شدید ناپسند کرتے تھے، ان کا خیال تھا کہ اہلِ شام کی لڑائی بادشاہت کی بنیاد پر ہے، اس چیز نے ان کی کراہت میں مزید اضافہ کیا۔ انھوں نے کہا: مجھے یہ بات سخت ناپسند ہے کہ میں بادشاہت اور اقتدار کی خاطر ان سے جنگ کروں۔[2] مزید یہ کہا: کیا میں دنیاوی بادشاہت کے لیے دو جماعتوں کے درمیان لڑائی کرواؤں؟ مجھے اس کی چنداں ضرورت نہیں۔[3]

جو کچھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں پیش آیا، ان اسباب کی بنیاد پر جنابِ حسن رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے زمانے میں جنگ کو شدید ناپسند کرتے تھے۔

پھر جبکہ امیر المومنین حسن رضی اللہ عنہ کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم بشارت ہیں، عظیم ترین مصلح ہیں۔

ان کے علم میں یہ بات بھی تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہاتھ پر اس امت کی مجموعی اصلاح کی بشارت دی ہے، اس اصلاح کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے فضائل میں ذکر کیا ہے، حضرت حسن رضی اللہ عنہ اس بات پر حریص بھی تھے اور اس کے لیے کوشش و کاوش بھی کر رہے تھے کہ اس فضیلت کو حاصل کر لیں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ توفیق دے دی۔

اس صلح کی کوشش میں بھی جنابِ حسن رضی اللہ عنہ کو تکالیف کا سامنا ہوا، دو دفعہ ان پر حملہ کیا گیا۔ ایک دفعہ کوفہ اور ایک دفعہ مدائن میں۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا تعارف ملاحظہ ہو:

3- سیدنا حسین بن علی بن ابی طالب ہاشمی قرشی رضی اللہ عنہما

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کے ساتھ ساری جنگوں میں شرکت کی اور شہید ہوئے۔ آپ مضبوط، بہادر اور نڈر طبیعت کے مالک تھے، جبکہ ان کے بھائی جنابِ حسن رضی اللہ عنہ نرم دل انسان تھے۔

⊙ پہلے پہل جنابِ حسین رضی اللہ عنہ نے صلحِ حسن رضی اللہ عنہ کو پسند نہیں کیا تھا اور اسے قبول بھی تب ہی کیا جب حسن رضی اللہ عنہ ان پر غصہ ہوئے اور سخت گفتگو کی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میرے بھائی! میں اپنے اجتہاد سے ایک نتیجے پر پہنچا ہوں، چاہتا ہوں کہ تم بھی میرے ساتھ اتفاق کرو۔'' اس پر حسین رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ کیا

---

[1] [رقم: ۲۱، ۲۲] اور مابعد تعلیق ملاحظہ ہو۔

[2] دیکھیے: [رقم: ۶۰۴]

[3] دیکھیے: [رقم: ۵۹۵]

بات ہے؟ اس پر انھوں نے صلح اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کا قصہ بیان کیا۔ حسین رضی اللہ عنہ نے کہا: میں آپ کو اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں کہ تم علی رضی اللہ عنہ کو قبر میں جھوٹا کرو اور معاویہ رضی اللہ عنہ کو سچا کرو۔ اس پر حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے جب کسی معاملے کا فیصلہ کیا، آپ نے ہمیشہ میری مخالفت ہی کی ہے، اللہ کی قسم! میرا دل کرتا ہے کہ آپ کو ایک گھر میں پھینک دوں اور اس پر مٹی کا لیپ کر دوں، یہاں تک کہ اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنا لوں۔ جب حسین رضی اللہ عنہ نے غصے کا یہ عالم دیکھا تو کہا: تم علی رضی اللہ عنہ کے بڑے بیٹے ہو، ان کے خلیفہ ہو، میرا معاملہ تو آپ کی اطاعت والا ہے، جو آپ کو مناسب لگتا ہے کر گزرو۔[1]

پھر یہی صلح والا معاملہ آخر کو ان کی شہادت پر انجام پذیر ہوا۔

⊙ پھر جنابِ حسن رضی اللہ عنہ کو جنگِ جمل وصفین میں شرکت نا پسند تھی، اس مسئلے میں علی رضی اللہ عنہ کا جنگی خدمات لینا اور جنگ میں اپنی شرکت کے باوجود یہ فیصلہ پسند نہ تھا، پھر وہ اس بشارت کو پانے کے لیے کاوش کرنے لگے جو ان کے نانا صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زبان سے انھیں ملی تھی، (اس سے پہلے بنی اسرائیل کے بعض انبیاء کی زبان سے بھی ان کے لیے یہ بشارت موجود تھی)۔[2] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اصلاح کو ان کے لیے فضیلت کا مقام دیا تھا۔

[89] ہمیں سلیمان ابن ابی شیخ[3] نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ ہمیں خالد بن سعید بن عمرو بن سعید بن العاص نے بیان کیا، وہ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ حسن رضی اللہ عنہ حسین رضی اللہ عنہ سے کہا کرتے تھے: میرے بھائی! کاش میرا دل بھی تھوڑا سا آپ جیسا مضبوط ہوتا، جواباً جنابِ حسین رضی اللہ عنہ کہتے: کاش! آپ کی فصاحت وبلاغت میں سے کچھ حصہ مجھے بھی ملا ہوتا۔[4]

---

[1] دیکھیے: [رقم: ۵۷۲]

[2] [رقم: ۲۵۷] اور اس کے مابعد تعلیق ملاحظہ ہو۔

[3] سلیمان بن ابی شیخ منصور بن سلیمان، ابو ایوب واسطی۔ بغداد کے باشندے تھے۔ امام ابو داود سجستانی نے ان کو ثقہ کہا ہے۔ امام خطیب کہتے ہیں: علم الانساب، علم التاریخ اور اخبار الناس میں بہت ماہر تھے، صدوق آدمی ہیں۔ ابن حبان نے ان کا ذکر "الثقات" میں کیا ہے۔ متوفی: ۲۴۶ھ۔ دیکھیں: الثقات (۲۷٤/۸) تاریخ بغداد (۵۱/۹) تاریخ الإسلام (۲۸۸/۱۸) الثقات ممن لم یقع في الکتب الستة (۱۱٤/۵)

[4] تاریخ دمشق (۱۷۸/۱٤) اس کی سند صحیح ہے۔ مزید دیکھیں: موارد ابن عساکر في تاریخ دمشق (۱۷۱۲/۳)

تخریج: یہی روایت مختصر تاریخ دمشق (۱۲۸/۷)، تہذیب الکمال (٤۰٦/٦) اور سیر أعلام النبلاء (۲۷۸/۳) میں اختصار سے مذکور ہے۔

[**90**] میسّب بن نجبہ[1] نے بیان کیا کہ علی رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا میں تمھیں اپنے اور اپنے اہلِ بیت کے متعلق نہ بتاوں؟ رہا حسن تو وہ جود وسخا کا مالک جوان آدمی ہے، اگر چہ کوئی معاملہ اپنی انتہا کو ہی کیوں نہ پہنچ جائے۔ وہ تمھیں جنگ میں پرندے کو شکار کرنے والی رسی کے برابر بھی فائدہ نہیں دیتا، اور عبداللہ بن جعفر: وہ لہو ولعب اور مبتلائے باطل شخص ہے۔ عباس کے دونوں بیٹوں کے بارے تم کسی دھوکے میں نہ رہنا، رہا میں اور حسین تو ہم تم میں سے ہیں اور تم ہم سے، مجھے اس بات کا خدشہ ہے کہ یہ قوم اپنی زمینوں کی اصلاح، تمھاری زمینوں میں تمھارا فساد، ان کا امانتوں کی ادائیگی کرنا اور تمھارا خیانت کرنا، ان کی اتباع اور تمھارا سرکش ہونا، ان کا باطل پر اکٹھ کر لینا، اپنے حق پر تمھارا الگ الگ ہو جانا، ان بنیادوں پر تم پر غالب نہ آ جائیں، یہاں تک کہ ان کی حکومت پھیل جائے، اور اللہ کے کسی حرام کو حلال کیے بغیر نہیں چھوڑیں گے، کسی کچے اور پکے گھر کو چھوڑے بغیر اس میں ان کا ظلم داخل ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ تم میں سے کوئی ان کا تابع ہو جائے، تمھارا ان کی مدد کرنا غلام کی آقا کی مدد کرنے کی طرح ہو جائے، جب وہ حاضر ہو تو اس کی اطاعت کرے، جب غائب ہو تو اسے برا بھلا کہے، اور تم میں سے سب سے زیادہ اس فتنے سے بچنے والا تم سب سے زیادہ حسنِ ظن رکھنے والا بھی ہو جائے، اگر اللہ تمھارا یہ معاملہ عافیت والا کر دے تو اس کو قبول کرلو، اگر تم آزمائش میں ڈالے جاؤ تو صبر کرو، بے شک آخرت تو اہلِ تقویٰ کے لیے ہے۔[2]

---

[1] میسّب بن نجبہ بن ربیعہ فزاری، علی رضی اللہ عنہ کے ساتھی ہیں۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ عراق سے آئے تھے، دمشق کے محاصرے میں شریک تھے، جنگِ قادسیہ میں بھی حاضر ہوئے۔ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تمام جنگوں میں شریک رہے، توابین کے ساتھ جنگ میں عینِ وردہ کے دن شہید ہوئے۔ (۶۷ھ)

ان کا کبار تابعین میں شمار ہوتا تھا۔ امام بخاری اور ابن ابی حاتم نے اس پر سکوت کیا ہے۔ امام ابن حبان نے ان کا ذکر "الثقات" میں کیا ہے۔ "المشاهير" میں کہتے ہیں کہ ان کا شمار اہلِ کوفہ کے سرکردہ لوگوں میں ہوتا ہے۔ ابن حجر نے "التقريب" میں ان کو مخضرم، طبقہ ثانیہ اور مقبول شمار کیا ہے۔ ابن حجر "الإصابة" میں کہتے ہیں کہ اس کی اپنے شیخ سے ملاقات ثابت ہے۔ امام ہیثمی نے جب اس روایت کی سند پر بات کی تو ان کو ثقہ قرار دیا، سارے راوی ثقات ہیں۔ امام ذہبی نے "میزان" میں ان کا ذکر نہیں کیا، اس روایت کی سند کے بارے کہا کہ سند قوی ہے، امام ذہبی کے نزدیک یہ صدوق راوی ہے جس کی روایت درجۂ حسن سے نیچے نہیں گرتی۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: الطبقات الكبرىٰ (٦/٢١٦) التاريخ الكبير (٤٠٧/٧) الجرح والتعديل (٨/٢٩٣) الثقات (٥/٤٣٧) مشاهير علماء الأمصار (٨١٩)، تاريخ دمشق (٥٨/١٩٣) تاريخ الإسلام (٥/٢٤٨) سير أعلام النبلاء (٣/٢٨٧) مجمع الزوائد (١٥١٢٨) التقريب (٦٦٨٨) الإصابة (٦/٢٩٧).

[2] المعجم الكبير (٢٨٠١) امام ذہبی کہتے ہیں: اس کی سند قوی ہے۔ سير أعلام النبلاء (٣/٢٨٧) ←

[91] مسیّب بن نجبہ فزاری روایت کرتے ہیں کہ ہم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو

ہیثمی کہتے ہیں: اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے رواۃ ثقہ ہیں۔ مجمع الزوائد (۱۵۱۲۸)
میں یہ کہتا ہوں کہ حبیب بن ابی ثابت مدلس ہے، لیکن سلمہ بن کہیل نے اس کی متابعت کی ہے۔
الساجی: ابو یحییٰ الضبی البصری، حافظ، فقیہ۔ محمد بن مثنی: ابن عبید عنزی زمن۔ یحییٰ بن حماد: ابن ابی زیاد الشیبانی۔ ابوعوانہ کا داماد۔ ابوعوانہ: وضاح بن عبیداللہ یشکری۔ ابو ادریس: ہمدانی، مرہبی، کوفی، اس کا نام سوار تھا، یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا نام مساور تھا۔

تخریج: اس روایت کو ابن عساکر (۱۴/ ۱۷۸) نے طبرانی کی سند سے روایت کیا ہے۔ ابن سعد نے اس کو الطبقات الکبری (۱/۲۹۷- ۲۹۸) میں طبقہ خامسہ میں روایت کیا ہے، بتحقیق سلمی۔ اسی سند سے ابن عساکر (۱۴/ ۱۷۷) نے روایت کیا ہے۔ہمیں یحییٰ بن حماد نے خبر دی ......اورتم ہم سے ہو، یہاں تک مختصر روایت کی۔
قاسم سرقسطی نے اس کو الدلائل في غريب الحديث (۶۵۴/۲- ۶۵۵)، میں اعمش سے معلق بیان کیا ہے۔ ذہبی نے اس کو سير أعلام النبلاء (۲۸۷/۳) میں ابوعوانہ سے روایت کیا ہے۔ امام مزی نے اس کو تهذيب الكمال (۴۰۶/۶) میں حبیب بن ابی حبیب سے اسی سند کے ساتھ مختصر بیان کیا ہے۔ یہ سارے محدثین نے اس روایت کو (اورتم ہم میں سے ہو) یہاں تک ہی اختصار سے بیان کیا ہے۔ امام ذہبی کہتے ہیں کہ اس کی سند قوی ہے۔

شواہد: کچھ ہی آگے آنے والی روایت کی شرح ملاحظہ ہو۔
"والله لقد خشيت أن يدال عليكم ...... الخ" یہ الفاظ ایسے ہی صحیح سند سے نقل ہوئے ہیں۔ [رقم: ۵۱۴، ۵۱۶] روایات ملاحظہ ہوں۔

ابن دیزیل نے اپنی کتاب میں (۲۵) نمبر حدیث کا ایک حصہ یوں بیان کیا ہے: ''ہمیں یحییٰ بن سلیمان جعفی نے بیان کیا، مجھے عبدالرحمان بن زیاد نے بیان کیا، مجھے سری بن یحییٰ بصری نے بیان کیا، وہ بسطام بن سالم سے بیان کرتے ہیں: بے شک ایک دن علی رضی اللہ عنہ نے خطاب کیا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! بنوامیہ تم پر شدید قسم کی بادشاہت کریں گے، حتیٰ کہ ان کے خلاف تمھاری مدد کسی غلام کی مالک کے خلاف مدد کی طرح ہی ہوگی۔''
کتاب صفين از یحییٰ بن سلیمان جعفی (۱۸)، وہ روایت جس کی نصوص کو میں نے جمع کیا ہے اور اس کی سند میں واقع تصحیف کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔

اس باب میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے کہ میں نے ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ اس چیز سے رک جائیں یہ رکنا آپ کو کافی ہو جائے گا لیکن انھوں نے میری بات نہیں مانی اور میرا ان کے بارے میں خیال یہی تھا کہ وہ کامیاب نہیں ہوں گے اور اللہ کی قسم! تم پر ابن ابی سفیان غالب آکر رہے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ﴿وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا﴾ [بني إسرائيل: ۳۳] ''اور جو شخص مظلوم ہونے کی صورت میں مار ڈالا جائے ہم نے اس کے وارث کو طاقت دے رکھی ہے۔'' اور اللہ کی قسم! خلافت کے معاملے میں قریش تم پر فارس اور روم کی طرح ہی ہوں گے۔ اس کی سند صحیح ہے۔ [رقم: ۳] روایت ملاحظہ ہو۔

انھوں نے اپنے گھر والوں کا ذکر کیا، تو کہا: رہا حسن تو وہ جنگ میں تمھیں شکاری کے پھندے برابر بھی فائدہ نہیں دیتا، اور عبداللہ بن جعفر تو وہ صاحبِ دسترخوان وسخاوت والا آدمی ہے، اور حسین وہ تم میں سے ہے اور تم اس سے ہو۔ [1]

اس طویل روایت پر تبصرہ:

اگر اس روایت کے وقت پر بات کریں تو یہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے کی ہے، کیونکہ اس میں شدید سختی ہے اور یہ سختی وفات سے پہلے ان کے اصحاب کے لیے تھی۔ [2]

اس روایت کا بنیادی موضوع شامی باغیوں کی بغاوت ہے۔

اگر اس روایت کی تفصیلات پر بات کریں تو اس میں علی رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا ہے کہ ان کے متبعین تین اقسام پر مشتمل ہے:

1. وہ لوگ جو جنگی معاملات میں ان سے سو فیصد موافقت کرتے ہیں۔
2. وہ لوگ جو صرف رائے کی حد تک ان کے مخالف ہیں۔
3. وہ لوگ جو سو فیصد ان کے مخالف ہیں۔

پھر انھوں نے باغی گروہ سے نہ لڑنے کا انجام اور اس کے اثرات ذکر کیے کہ یہ گروہ عنقریب اہلِ کوفہ پر حکمرانی کریں گے اور ظلم کا راستہ اختیار کریں گے۔

---

[1] المعجم الكبير (٢٨٠٢) یہ روایت بھی سابقہ روایت کی طرح قوی ہے۔ اس کی سند کے رواۃ ثقات ہیں، سوائے حسین بن اسحاق کے۔ مجھے پتا نہیں چل سکا کہ یہ کون ہے؟ غالب گمان یہی ہے کہ وہی شخصیت ہے جس کا ذکر ابن قطلوبغا نے ثقات میں کیا ہے اور کہا: حسین بن اسحاق، مسلمہ کہتے ہیں کہ یہ ثقہ راوی ہے۔ عقیلی نے اس سے روایات لی ہیں۔

الثقات ممن لم يقع في الكتب الستة (٤٠٩/٣) التقريب (١٣٠٤) تهذيب الكمال (٣٥١/٦)

الحضرمی: مطین۔ ابو داود حفری: عمر بن سعد کوفی۔

تخریج: اس روایت کو عباد بن یعقوب رواجنی نے "كتاب المناقب" میں روایت کیا ہے۔ ہمیں عمر بن شبیب نے خبر دی، وہ محمد بن سلمہ بن کہیل سے، وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے سابقہ روایت کی طرح اس کو طوالت سے بیان کیا ہے، اس کے آخر میں کچھ اضافے ہیں جو انتہائی منکر ہیں۔ یہی روایت ترتيب الأمالي الخميسية للشجري (١٨١٢) میں عباد بن یعقوب کی سند سے مروی ہے۔ یہی روایت تاريخ دمشق (١٩٧/٥٨- ١٩٨) میں بھی موجود ہے۔

مزید دیکھیں: موارد ابن عساكر في تاريخ دمشق (١٨٤٢/٣) عمر بن شبیب اور محمد بن سلمہ دونوں ضعیف ہیں۔

[2] اس کی تفصیل (صفحہ: ۲۴۹) پر آئے گی۔

اس روایت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ جنگِ نہروان کے بعد بھی اہلِ کوفہ کو شامی باغی لشکر کی سرکوبی کے لیے ابھارتے تھے، مگر کوفہ والوں نے سستی و کاہلی والا رویہ اپنائے رکھا۔

ایک دوسری روایت[1] میں بھی اس طرف اشارہ ہے، زہیر بن اقمر نے اس کو علی رضی اللہ عنہ کے خطبے میں نقل کیا ہے جو انھوں نے سنا، اس میں بھی سابقہ روایت کی مثل لمبی تفصیلات ہیں جیسا کہ امام طبرانی نے اس کو روایت کیا ہے۔

اس سلسلے میں ایک تیسری روایت بھی ہے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے: اے اللہ! اس قوم نے مجھے اس حکم کو نافذ کرنے سے روک دیا ہے جو اس میں ہے، تو تم مجھے اس کے مطابق ہی ثواب دینا۔[2] یہاں اس کی ضمیر کتاب اللہ کی طرف عائد ہے۔ وہ حکم یہ ہے:

﴿ فَإِنْ بَغَتْ إِحْدٰىهُمَا عَلَى الْأُخْرٰى فَقٰتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ إِلٰٓى أَمْرِ اللّٰهِ ﴾

[الحجرات: ۹]

''اگر ان دو میں سے ایک گروہ دوسرے پر بغاوت کرے تو اس سے قتال کرو، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔''

وہ کام جس سے انھوں نے منع کیا تھا، وہ باغی گروہ سے قتال والا تھا۔

ان کا یہ کہنا: ''جنابِ حسن رضی اللہ عنہ تو صاحبِ جفنہ و دستر خوان ہیں۔'' مقصود ان کی جود وسخا کا بیان ہے۔

امام قتیبی[3] کہتے ہیں کہ روایت میں موجود لفظ ''فتی'' یہاں کسی الہڑ جوان یا نوجوان[4] کے معنی میں نہیں ہے بلکہ یہاں مقصود یہ ہے کہ جنابِ حسن رضی اللہ عنہ کامل طور پر ایک مردانہ شخصیت کے حامل ہیں۔

''الفتی'': سخی و کریم آدمی، کہا جاتا ہے: ''رجل کریم'' سخی آدمی۔[5]

امام زبیدہ کہتے ہیں: ''الفتوۃ''، کرم و سخاوت کے معنی میں ہے، شریعت کی نظر میں اس سے اچھے اخلاق اور اچھی عادات مراد ہوتی ہیں، ان اخلاقِ حسنہ کے حامل انسان کو صاحب الفتوہ کہا جاتا ہے۔ اس معنی میں یہ جملہ ہے: ''لا فتی إلا علي رضی اللہ عنہ''[6]

---

[1] دیکھو: [رقم: ۵۱۴ تا ۵۱۶] [2] دیکھو: [رقم: ۵۱۸]

[3] ابو محمد، عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری، کاتب، صاحبِ تصنیف ہے۔

[4] یعنی لفظ کے ذاتی معانی ہونے کے باوجود، دوسرے معانی سے خالی نہیں ہے۔

[5] لسان العرب (۱۵/۱۴۷) مادۃ: فتا.

[6] تاج العروس (۳۹/۲۱۳) مادۃ: فتی، اختصار کے ساتھ۔

''الفتی'': طاقتور جوان کے بارے بھی بولا جاتا ہے۔[1]

یہ سارے ذکر کردہ معانی اس سیاق کے لائق ہیں۔

قولہ: ''اگر چہ معاملہ جس قدر مرضی شدت اختیار کر جائے، یہ تمھیں شکاری پرندے کے لیے لگائے گئے پھندے برابر بھی فائدہ نہیں دیتا۔''

یہ وہ واحد مسئلہ ہے جس میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے حضرت حسن رضی اللہ عنہ پر تنقید کی، مراد یہ تھا کہ جنابِ حسن رضی اللہ عنہ اہلِ شام کے ساتھ قتال کو صحیح نہیں سمجھتے تھے، اور علی رضی اللہ عنہ کے بعد وہ شام والوں سے کوئی قتال نہیں کریں گے، کیونکہ جنگ کو اختیار کرنے میں وہ علی رضی اللہ عنہ کے سخت مخالف تھے، یہاں تک کہ انھوں نے علی رضی اللہ عنہ سے ڈانٹ بھی کھائی۔ انھوں نے کہا: گفتگو کرو، کسی لڑکی کی طرح ٹسوے مت بہاؤ۔[2]

یہ بات علی رضی اللہ عنہ نے تب کہی جب حسن رضی اللہ عنہ روتے ہوئے ان کے پاس آئے اور کہا: آپ عراق مت جائیں، اگر آپ وہاں گئے تو قتل کر دیے جائیں گے لیکن علی رضی اللہ عنہ نے اس بات کو قبول نہیں کیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے حسن رضی اللہ عنہ کی اچھی عادات و خصائل (شجاعت، بہادری اور اخلاقِ حسنہ) ذکر کرنے کے بعد شامی لشکر کے متعلق مخالفانہ رائے پر ان کا مواخذہ کیا۔

ان کا قول: ''اور عبداللہ بن جعفر تو وہ صاحبِ باطل ولہو اور دسترخوان انسان ہے۔''

ان کا نام عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب ہے، آپ قصۂ تحکیم کے بعد شامی جنگ کے معاملات کو لے کر بہت رنجید خاطر رہا کرتے تھے۔

ابن جعفر مالی پہلو سے بہت اچھی حالت میں تھے۔ سخاوت کی چوٹیوں کو چھوتے۔ یہاں تک کہ انھیں سخاوت کا مینار[3] اور سخاوت کا سمندر جیسے القابات مل گئے۔ مزی کہتے ہیں کہ ان کے بارے کہا جاتا ہے: ''تاریخ اسلام میں ان سے بڑا سخی نہیں گزرا۔''[4]

ان کی جود و سخا کے عجیب و غریب قصے بیان کیے جاتے ہیں۔ شاعر لوگ ان کے پاس آتے، مدح سرائی کرتے اور لاکھوں کے بیش قیمت انعامات پا کر جاتے۔[5]

---

[1] تاج العروس (٢١٢/٣٩) مادة: فتی.
[2] دیکھو: [رقم: ٨٨]
[3] مشاهير علماء الأمصار (١٥)
[4] تهذيب الكمال (٣٦٧/١٤)
[5] تاريخ دمشق (٢٤٨/٢٧) میں ان کا تعارف ملاحظہ ہو۔

یہ باتیں مشہور ہیں جب کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اعلیٰ درجے کے زاہد انسان تھے، جن اسباب و مقامات پر ابن جعفر مال خرچ کرتے علی رضی اللہ عنہ انھیں پسند نہیں کرتے تھے۔ جب علی رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف لہو و باطل کی نسبت کی تو اس کا مفہوم یہ ہے۔

میں اس پر کچھ اضافہ یہ کرتا ہوں کہ عبداللہ بن جعفر کے بارے یہ بھی منقول ہے کہ موسیقی سنتے تھے،[1] اگر یہ بات درست ہے تو جناب امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے اس بنیاد پر لہو و باطل کی نسبت کی ہے۔

"صاحب ظِل": یہاں ظل سے نعمتوں کی فراوانی مراد ہے۔ مالی خوشحالی، پر تعیش مالی زندگی، دنیاوی لذات جیسے کھانا، پینا اور لباس میں اعلیٰ معیار رکھنا۔ امام ذہبی نے ان کے تعارف میں لکھا ہے کہ عبداللہ بن جعفر شرم و حیا کے پیکر، ناز و نعم اور نعمتوں میں گھرے ہوئے انسان تھے، ان کا شمار ان لوگوں میں ہوتا جو موسیقی سنا کرتے تھے۔[2]

اس سب پر کچھ مزید اضافہ یہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ اختلافات میں ان کی رائے وہی تھی جو جناب حسن رضی اللہ عنہ کی تھی۔ وہ بھی جنگ کو ناپسند کرتے تھے اور صلح کی طرف رجحان رکھتے تھے، یہ اس بات پر بھی دلالت کرتا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کے معاملے میں مشورہ کیا تھا، ابن جعفر رضی اللہ عنہ کو ان کی یہ رائے بہت اچھی لگی اور کہا: (اللہ آپ کو امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بہترین جزا دے)[3] اور یہ بات کوئی بعید نہیں ہے کہ ان کے اس موقف کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھی پتا چل گیا ہو، اور انھوں نے اس سے اتفاق نہیں کیا۔

ان ساری تفصیلات کے باوجود تراجم کی کتب میں یہ بات موجود ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جنگِ صفین میں انھیں ایک دستے کا سپہ سالار مقرر کیا تھا۔[4]

ان کا قول: "اور عباس کے دونوں بیٹوں سے تم دھوکا مت کھانا۔"

ان میں سے ایک کا نام عبداللہ اور دوسرے کا عبیداللہ تھا۔ (ظنِ غالب کی بنا پر، کیونکہ ان کی شہرت اسی نام سے تھی اور یہ دونوں بھائیوں میں سے زیادہ شہرت رکھتے تھے) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا موقف وہی تھا جو جنابِ حسن رضی اللہ عنہ کا تھا کہ انھوں نے علی رضی اللہ عنہ کو جنگ سے روکا تھا۔[5] علی رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا اس بات کا متقاضی ہے کہ عبیداللہ بھی جنگ کے مسئلے میں ان سے موافقت نہیں رکھتے تھے۔

---

[1] سير أعلام النبلاء (٤٦٢/٣)

[2] سير أعلام النبلاء (٤٦٢/٣)

[3] دیکھیے: [رقم: ٥٧٢]

[4] المعرفة والتاريخ (٣١٥/٣)

[5] دیکھیے: [رقم: ٩٨]

مخالفت کے باوجود سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو گورنر مقرر کیا، عبداللہ کو بصرہ [1] اور عبیداللہ کو یمن [2] کا گورنر قائم کیا۔

ان کا قول: ''اور رہا میں اور حسین تو میں اور حسین تم میں سے ہیں اور تم ہم میں سے ہو۔'' یہاں حسین رضی اللہ عنہ کی مدح ہوئی، کیونکہ باغی اہلِ شام سے جنگ کے معاملے میں ان کا موقف وہی تھا جو علی رضی اللہ عنہ کا تھا، ان کی یہ عادت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو پسند آئی، دوسرے اہلِ بیت کے باوجود حسین رضی اللہ عنہ کی تعریف ہوئی اور دوسرں کے بارے سخت بات ہوئی جو ان کی رائے سے موافق نہیں تھے۔

ان کا قول: ''رہا میں اور حسین: تو میں اور حسین۔'' یہ نام انھوں نے دو دفعہ لیا، اس تکرار سے یہ مقصود ہے کہ ان دونوں کا موقف ہی سب سے بہترین ہے، اور قابلِ مدح ہیں۔

ان کا قول: ''ہم تم میں سے ہیں اور تم ہم سے ہو۔'' یہ عبارت تین چیزوں کی طرف اشارہ کر رہی ہے:

1. جنگی معاملات میں اس مجلس کے حاضرین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے موافق رائے رکھتے تھے۔
2. یہ جماعت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے پیروکار تھے۔
3. یہ جماعت علی رضی اللہ عنہ کی خاص الخاص مشیر تھی۔

ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ جنابِ مسیّب بن نجبہ نے کہا: ''ہم علی رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ......'' [3] پھر اس روایت کو مختصر ذکر کیا۔

سابقہ روایت میں اہلِ شام سے جنگ کے بارے بات ہو رہی ہے، اس بات کی دلیل ایک دوسری روایت ہے: ''بخدا مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ یہ جماعت اپنی زمینوں میں اصلاح، تمھاری زمینوں میں فساد، اپنے امام کی اطاعت اور تمھاری معصیت، باطل پر ان کے اکٹھ اور حق پر تمھارے اختلافات کی وجہ سے تم پر غالب آجائے گی۔''

تو علی رضی اللہ عنہ نے جنگ کے بارے اپنا اور اہلِ بیت کا موقف ذکر کیا، پھر اہلِ کوفہ سے جنگی معاندین کا موقف ذکر کیا، کیونکہ علی رضی اللہ عنہ جنگِ نہروان کے بعد انھیں شامی باغی جماعت کے ساتھ جنگ کی ترغیب دے رہے تھے، جبکہ اہلِ کوفہ ان کی بات کو پسِ پشت ڈالے ہوئے تھے اور ان سے افتراق کا شکار تھے۔

---

[1] دیکھو: [رقم: ۲۹۰]

[2] تاريخ الطبري (۱٤۸/۳) تاريخ دمشق (٤۷۲/۳۷) سير أعلام النبلاء (۵۱۳/۳)

[3] [رقم: ۹۱] روایت دیکھو۔

اس مجلس میں اہلِ کوفہ کے موقف جو انھوں نے ذکر کیے:

⦿ **موقفِ حسن** رضی اللہ عنہ: انھوں نے بعض باتوں پر اپنے بیٹے کی تعریف کی اور جنگ میں اپنے موقف کی عدمِ موافقت پر ان کا مواخذہ کیا۔

⦿ **بھائی کے بیٹے عبداللہ بن جعفر کا موقف**: مختلف معاملات میں ان کا بھی مواخذہ کیا گیا، خاص طور پر اپنی مخالفت کے سبب بھی۔

⦿ **سیدنا عباس** رضی اللہ عنہ **کے دو بیٹوں عبداللہ اور عبیداللہ کا موقف**: عدمِ موافقت کے سبب ان دونوں کا بھی مواخذہ ہوا، اس سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بھی جنگی معاملات میں ان کے مخالف رائے رکھتے تھے۔

⦿ **سیدنا علی** رضی اللہ عنہ **کا موقف**: سیدنا علی رضی اللہ عنہ شامی باغیوں کے ساتھ جنگ کے بہت حریص تھے، یہاں تک کہ قتال کے ذریعے ان کو اللہ کے امر کی طرف لوٹا دیں، اسی بنیاد پر انھوں نے اس فرمانِ باری پر عمل کرتے ہوئے اپنے آپ کی تعریف بھی کی:

﴿ فَإِنْۢ بَغَتْ إِحْدَىٰهُمَا عَلَى ٱلْأُخْرَىٰ فَقَٰتِلُوا۟ ٱلَّتِى تَبْغِى حَتَّىٰ تَفِىٓءَ إِلَىٰٓ أَمْرِ ٱللَّهِ ﴾

[الحجرات: ۹]

''اگر ان میں سے ایک گروہ بغاوت پہ اتر آئے تو ان سے قتال کرو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئیں۔''

⦿ **ان کے بیٹے حسین** رضی اللہ عنہ **کا موقف**: ان کا موقف وہی تھا جو علی رضی اللہ عنہ کا تھا، اس بنیاد پر ہی علی رضی اللہ عنہ نے ان کی تعریف کی تھی۔

اس روایت سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اہلِ شام کے ساتھ جنگی معاملات میں حصہ لینے کے باوجود، اہلِ بیت کے سرکردہ لوگ، سوائے جنابِ حسین رضی اللہ عنہ کے، علی رضی اللہ عنہ کے مخالف ہی تھے، مدِمقابل نہیں تھے۔ سب کچھ ہونے کے باوجود علی رضی اللہ عنہ نے ان سے مقاطعہ نہیں کیا، بلکہ عبداللہ بن جعفر کو جنگِ صفین میں سپہ سالار بنایا، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بصرہ کا گورنر مقرر کیا اور عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو یمن کا گورنر۔

⦿ **اہلِ مجلس کا موقف**: اہلِ مجلس علی رضی اللہ عنہ کے خاص الخاص لوگ تھے، ان کی بات وہی تھی جو جناب علی اور حسین رضی اللہ عنہما کی تھی۔ اسی لیے علی رضی اللہ عنہ نے ان کی تعریف کی: ''ہم تم سے ہیں اور تم ہم سے ہو۔''

⦿ **اہلِ کوفہ کا موقف**: اہلِ کوفہ ان کے مدِمقابل تھے، جنگِ نہروان کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ وقتاً فوقتاً انھیں

اہلِ شام سے جنگ کی دعوت دیتے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حملوں کو روکنے کی دعوت دیتے، مگر اہلِ کوفہ ان کی نافرمانی پر مصر رہے اور ان کی اس بات سے بھاگ جاتے، یہاں تک کہ ان سے شدید قسم کی ڈانٹ بھی کھائی۔ علی رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف بددعا کرنی شروع کر دی، ان کی اس نافرمانی اور دشمنی کے سبب بارہا اپنے لیے موت کی خواہش کی۔[1]

ان کا قول: ''یہاں تک کہ وہ اللہ کے کسی بھی حرام کو نہیں چھوڑیں گے، مگر حلال کر دیں گے۔''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان تمام معاملات پر تنبیہ کی، کیونکہ اہلِ کوفہ کے ساتھ یہ سب کچھ عنقریب پیش آنے والا تھا۔ کچھ دوسری چیزیں بھی ہیں جن پر علی رضی اللہ عنہ نے تنبیہ کی تھی وہ ویسے ہی وقوع پذیر ہوئیں، سوائے سابقہ روایت میں ذکر کردہ امور کے، وہ اپنی کامل حالت میں پیش نہیں آئے، ان میں سے کچھ چیزیں ویسے ہی واقع ہوئیں، اموی دورِ حکومت میں مظالم ضرور ہوئے ہیں لیکن اس حد تک نہیں جو سابقہ روایت میں نقل ہوئے ہیں، مثلاً حجاج بن یوسف کو لے لیں، اس نے اہلِ کوفہ اور اہلِ حجاز دونوں پر ظلم کیا، اس کا ظلم اہلِ کوفہ کے ساتھ ہی خاص نہیں تھا۔ یہاں سے پتا چلتا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے جب یہ بات کی تو وہ اندر ہی اندر مضطرب تھے۔ آخری وقت میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ شدید پریشان رہے، اہلِ کوفہ کی طرف سے اس شدید پریشانی کے سبب علی رضی اللہ عنہ نے بارہا موت کی تمنا کی۔[2]

اہلِ بیت کے سارے افراد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے فرماں بردار تھے، باوجودیکہ ان میں سے بڑے بڑے لوگ اس معاملے میں عسکری خدمات کے باوجود ان کے مخالف تھے۔

اگر کہا جائے: اس روایت میں علی رضی اللہ عنہ نے کس طرح اپنے اہلِ بیت سے سخت گفتگو اور مخالفت کی؟

جواب: علی رضی اللہ عنہ نے اہلِ کوفہ کی طرف سے شدید پریشانی اٹھائی، یہاں تک کہ بات موت کی خواہش کرنے تک پہنچ گئی۔ نہروان کے بعد وہ بار بار ان کو شام کے باغی لشکر سے لڑنے کی دعوت دیتے رہے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حملوں کا سدِباب کرنے کی ترغیب دیتے مگر اہلِ کوفہ نے ایک دفعہ بھی ان کی بات نہیں مانی۔ علی رضی اللہ عنہ نے اہلِ کوفہ کی شکایت کی کہ وہ مجھے اس حد تک لے آئے، غصہ دلایا اور ایسی باتوں کے کرنے پر مجبور کیا جو طے نہیں تھیں، اسی لیے علی رضی اللہ عنہ ان پر بددعا کیا کرتے تھے۔

''ابو صالح حنفی بیان کرتے ہیں کہ میں نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو دیکھا، انھوں نے مصحف اٹھا

---

[1] اس موقف کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

[2] [رقم: ۵۱۴] اور اس کے بعد کی روایت دیکھو۔

کر اپنے سر پر رکھا، یہاں تک کہ میں نے اس کے اوراق کو دیکھا، وہ پھڑ پھڑا رہے تھے، پھر انھوں نے کہا: اے اللہ! انھوں نے مجھے اس چیز کے قائم کرنے سے روک دیا جس کا اس چیز میں حکم ہے، تو آپ مجھے اس کے مطابق ہی ثواب دینا، پھر مزید کہا: اے اللہ! میں ان سے اکتا چکا ہوں اور یہ مجھ سے بھر چکے ہیں، میں نے ان کو غصہ دلایا اور انھوں نے مجھے غضب ناک کیا، اور مجھے میری طبیعت، عادات اور اخلاق کے مخالف ایسے کام کرنے پر مجبور کر دیا جو میرا تعارف اور پہچان نہیں ہے، تو آپ مجھے ان کا بہترین نعم البدل دے، اور انھیں مجھ سے بھی برا امیر دے۔ اللہ ان کے دلوں کو ایسے ہی مردہ کر دے جیسے نمک پانی میں حل ہو جاتا ہے۔ ابراہیم کہتے ہیں کہ یہاں لوگوں سے مراد اہلِ کوفہ ہیں۔''[1]

ان کا قول: ''اے اللہ! انھوں نے مجھے اس چیز کے قائم کرنے سے روک دیا جس کا اس میں حکم ہے تو آپ مجھے اس کے مطابق ہی ثواب دینا۔'' یہاں اس چیز سے مصحف مراد ہے، اس آیتِ مبارکہ میں اس کا حکم ہے: ﴿فَإِنۢ بَغَتۡ إِحۡدَىٰهُمَا عَلَى ٱلۡأُخۡرَىٰ فَقَٰتِلُواْ ٱلَّتِي تَبۡغِي حَتَّىٰ تَفِيٓءَ إِلَىٰٓ أَمۡرِ ٱللَّهِۚ﴾
[الحجرات: ۹]

''اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے پر بغاوت کرے، تو اس گروہ سے قتال کرو جو بغاوت کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔''

وہ حکم جس سے اہلِ کوفہ نے روک رکھا تھا وہ باغی گروہ سے قتال والا تھا، وہ ثواب جس کی علی رضی اللہ عنہ امید کر رہے تھے وہ باغی گروہ سے قتال کا ثواب تھا جس کو اہلِ کوفہ نے تسلیم نہیں کیا تھا۔ باغی لشکر کے ساتھ لڑائی کے علاوہ یہاں کچھ اَور چیزیں بھی وارد ہوئی ہیں۔

اہلِ کوفہ پر جنابِ علی رضی اللہ عنہ کی بد دعا: ''اللہ ان کو مجھ سے برا امیر دے۔'' تو یہ بد دعا ایک وقت کے بعد قبول ہو گئی تھی جب ان پر زیاد بن ابیہ، عبیداللہ بن زیاد اور حجاج[2] جیسے گورنر مقرر ہوئے، ان کی طرف سے اہلِ کوفہ اور دوسروں پر بے بہا ظلم ہوا۔

اور ان کی بد دعا کا یہ حصہ: ''اللہ ان کے دلوں کو ایسے ہی مردہ کر دے جیسے کہ نمک پانی میں حل ہو جاتا ہے۔'' یہاں دل کا مردہ ہو جانا مراد ہے، ان کے دل تیزی سے مردہ ہونے کی سب سے بڑی نشانی یہ ہے کہ انھوں نے حسین رضی اللہ عنہ کی بیعت کے بعد خیانت کی اور ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔

---

[1] [رقم: ۵۱۸] روایت ملاحظہ ہو۔

[2] [رقم: ۵۱۸] روایت کے مابعد حاشیے میں ان تینوں کی گورنری پر گفتگو ہو گی۔

عبیداللہ بن ابی رافع کہتے ہیں: جب کوفی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس جمع ہوئے، یہاں تک کہ ان کی ٹانگ زخمی کر دی تو میں ان کے پاس حاضر تھا، اس موقعے پر انھوں نے دعا کی: اے اللہ! میں نے ان کو ناپسند کیا اور انھوں نے مجھے، تو انھیں مجھ سے راحت پہنچا اور مجھے ان سے۔ عبیداللہ بن ابی رافع کہتے ہیں کہ اس کے بعد علی رضی اللہ عنہ ایک رات بھی زندہ نہ رہے۔[1]

اس قول: ''لوگ ان کے پاس جمع ہوئے یہاں تک کہ ان کی ٹانگ زخمی کر دی'' معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ کوفہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی کوئی خاص عزت و تکریم نہیں کرتے تھے۔

اس قول: ''اس کے بعد وہ ایک رات بھی زندہ نہ رہے'' سے واضح ہوتا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کثرت سے موت کی تمنا کیا کرتے تھے اور اپنی اس دعا کو دہراتے رہتے تھے یہاں تک کہ آخری دن بھی یہی دعا کی۔

اپنے بیٹے حسن رضی اللہ عنہ اور دوسرے اہلِ بیت پر ان کا سخت کلامی کرنا، اس کی تفسیر ان کا یہ قول کر رہا ہے: انھوں نے مجھے میری طبیعت اور عادات کے خلاف وہ کام کرنے پر مجبور کیا جو میری وجۂ شہرت نہ تھے۔

یہاں ذرا ٹھہریں ...... پتا یہ چلتا ہے کہ معاندینِ کوفہ کی طرف سے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے شدید ناگواری، مایوسی اور آزمائشوں کا سامنا کیا، دین کے لیے ان آزمائشوں پر اللہ امیر الومنین علی رضی اللہ عنہ پر رحم کرے۔ آمین

[**92**] ہمیں قتیبہ نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں شریک[2] نے بیان کیا، وہ عاصم سے، وہ مصعب بن سعد سے، وہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! سب سے زیادہ مصیبت کس پر آتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انبیاء ورسل پر، پھر جو مرتبے میں ان کے بعد ہیں، پھر جو ان کے بعد ہیں، بندے کی آزمائش اس کے دین کے مطابق ہوتی ہے، اگر بندہ اپنے دین میں سخت ہے تو اس کی مصیبت بھی سخت ہوتی ہے اور اگر وہ اپنے دین میں نرم ہوتا ہے تو اس کے دین کے مطابق مصیبت بھی ہوتی ہے، پھر مصیبت بندے کے ساتھ ہمیشہ رہتی ہے، یہاں تک کہ بندہ روئے زمین پر اس حال میں چلتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔[3]

---

[1] [رقم: ۵۲۰] روایت دیکھو۔

[2] شعیب ارناؤط کے مطبوعہ میں یہ روایت ایسے ہی ہے، البتہ شیخ شاکر اور بشار کی طبع میں یہاں پر حماد بن زید کا نام ہے۔

[3] سنن الترمذي (٤٠٦/٤، ح: ٢٥٦١) امام ترمذی کہتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ امام البانی اور شعیب ارناؤط نے اس کو حسن قرار دیا ہے۔ دیکھیں: سنن الترمذي (٢٣٩٨)

قتیبہ: ابن سعید بن جمیل ثقفی۔ شریک: ابن عبداللہ النخعی۔ عاصم: ابن ابی النجود۔ مصعب بن سعد: ابن ابی وقاص۔

جنابِ حسن رضی اللہ عنہ کی ایک اور مدح:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ مقدمات کا فیصلہ کرنے میں جنابِ حسن رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا کرتے تھے، منصبِ قضاء میں مہارت کی وجہ سے علی رضی اللہ عنہ نے ان کی مدح کی۔ بہترین طریقے پر فیصلہ کرنا اور مسجد میں تعلیم قرآن کے لیے حلقہ قائم کرنا، ان دو بنیادوں پر علی رضی اللہ عنہ نے ان کی تعریف کی، اگرچہ یہ دونوں چیزیں ان کے لیے نئی تھیں، خلافتِ علی رضی اللہ عنہ سے پہلے انھیں اس کا ذرہ بھر بھی تجربہ تھا نہ ہی ان چیزوں کی کوئی مشق کی، لیکن پھر بھی انھوں نے اپنی صلاحیت اور مہارت کو اعلیٰ پیمانے پر ظاہر کیا۔ اور اپنے باپ کی طرف سے قابلِ ستائش ٹھہرے۔

[93] ہبیرہ بن یریم روایت کرتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: حسن بن علی رضی اللہ عنہما عوام الناس کو مسجد میں احکاماتِ دین سکھاتے ہیں۔ فرمایا: یہ تو ایسے اونٹ کے آٹا پیسنے کی مثل ہے جس کو پیسنا سکھایا نہیں گیا،[1] یا یہ کہا: اس اونٹ نے کبھی بھی آٹا نہیں پیسا۔[2] [3]

[94] معدی کرب[4] سے روایت ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کا گزر لوگوں کے ایک گروہ پر ہوا جو ایک آدمی کے دائیں بائیں مجمع لگائے ہوئے تھے۔ فرمایا: یہ کون آدمی ہے؟ جواب دیا: جنابِ حسن رضی اللہ عنہ، فرمایا: یہ اس اونٹ کے پیسنے کی طرح ہے جو پیسنے کا عادی نہیں ہے، بے شک ہر قوم کے لیے ایک سدِ سکندری ہوتا ہے، ہمارا سدِ سکندری جنابِ حسن رضی اللہ عنہ ہیں۔[5]

---

[1] اس جملے کا مفہوم کچھ دیر بعد ذکر ہوگا۔

[2] اس جملے: ''اس اونٹ نے کبھی بھی آٹا نہیں پیسا'' کے قائل علی رضی اللہ عنہ نہیں ہیں، یہ کسی راوی کا کلام ہے۔ ظنِ غالب ہے کہ یہ ابو اسحاق سبیعی کی گفتگو ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب علی رضی اللہ عنہ نے یہ محاورہ ذکر کیا تو تب تک اہلِ عرب چکی پہ آٹا پیسنے کا کام اونٹ سے نہیں لیتے تھے، اونٹ کے بارے یہ بات پہلے کبھی مشہور نہ تھی۔

[3] الطبقات الکبری (۲۷۶/۱- ۲۷۷) طبقة خامسة؛ بتحقیق السلمي۔ روایت صحیح ہے، اس کی سند ہبیرہ کے سبب حسن ہے۔ ہبیرہ: بے عیب ہے۔ باقی سارے راوی ثقہ ہیں۔ الاسدی: ابو احمد زبیری۔ اسرائیل: ابن یونس بن ابی اسحاق السبیعی۔ ابو اسحاق السبیعی: عمرو بن عبداللہ ہمدانی الکوفی۔

تخریج: یہ روایت سیر أعلام النبلاء (۲۶۱/۳) میں اسرائیل سے اسی سند کے ساتھ مروی ہے۔

[4] معدی کرب ہمدانی مشرقی کوفی، اس کو عبدی بھی کہا جاتا ہے۔ یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں: یہ ثقہ اور قلیل الحدیث راوی ہے۔ ابن حبان نے اس کا ذکر ''الثقات'' میں کیا ہے۔

اس کے تعارف کے لیے ملاحظہ ہو: الطبقات الکبریٰ (۱۸۱/۶) الثقات (۴۵۸/۵) التاریخ الکبیر (۴۱/۸) المتفق والمفترق للخطیب (۱۶۸۱/۳) التذییل علی کتب الجرح والتعدیل (۸۲۹)

[5] الطبقات الکبری (۲۷۷/۱- ۲۷۸) طبقہ خامسہ، بتحقیق السلمی۔ اس کی سند صحیح ہے۔

←

ان دو روایات سے متعلق دو قصوں کا بیان:

پہلا قصہ مسجد میں تدریس کے حوالے سے ہے، سابقہ دونوں روایتیں اس کی تصویر کشی کرتی ہیں جو راوی کے اس قول میں ہے: ''بے شک ہر قوم کا ایک مضبوط بند ہوتا ہے ...... الخ۔''

دوسرا قصہ قضاء کے متعلق ہے۔ اس کی نمائندگی وہ الفاظ کرتے ہیں جو معدی کرب نے روایت کے آخر میں اضافہ کیا ہے: ''بے شک ہر قوم کا ایک مضبوط بند ہوتا ہے اور ہمارا وہ بند جناب حسن رضی اللہ عنہ ہیں۔''

راوی کا یہ قول: ''یہ ایک اونٹ کی مثل ہے جس کو پینا سکھایا نہیں گیا۔'' یہ ایک ضرب المثل ہے جو اس آدمی کے لیے بولی جاتی ہے جس نے کبھی وہ کام نہ کیا ہو اور پہلی ہی دفعہ کرنے پر اپنی مہارت ظاہر کر دے۔

لغت اور محاورے کی کسی کتاب میں مجھے یہ مثال نہیں ملی، لیکن اس مثال کے پسِ منظر میں ایک قصہ ہے جس سے اس مثال: ''یہ ایک اونٹ کی مثل ہے جس کو پینا سکھایا نہیں گیا۔'' کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔

[95] ابراہیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی کے پاس ایک یتیم بچی تھی، وہ کھانا بھی اس کے ساتھ کھاتی تھی، آدمی کی بیوی کو اندیشہ ہوا کہ کہیں آدمی اس سے شادی نہ کر لے۔[1] چنانچہ ایک مرتبہ جب وہ آدمی کہیں گیا ہوا تھا تو اس عورت نے کچھ عورتوں کی مدد سے اس لڑکی کو باندھا اور اس کے پردۂ بکارت کو زائل کر دیا۔[2] جب آدمی واپس آیا تو دسترخوان پر اس یتیم بچی کو نہ پایا۔ اس نے اپنی بیوی سے اس کے بارے میں پوچھا تو وہ کہنے لگی کہ اس کا تو ذکر ہی نہ کرو، آدمی نے وجہ پوچھی تو عورت نے بچی پر زنا کا الزام لگا دیا۔[3] آدمی اس بچی کے پاس آیا اور اس سے واقعہ کی تصدیق چاہی، بچی نے رونے کے علاوہ کوئی بات نہ کی۔ اس نے اصرار کیا تو بچی نے ساری بات بتا دی۔ وہ آدمی اس مقدمے کو لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ساری بات عرض کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس آدمی کی بیوی کو اور باقی عورتوں کو بلا لیا اور ان سے سوال کیا، انھوں نے فوراً ساری بات کو تسلیم کر لیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے

← تخریج: اس روایت کو یحییٰ بن معین نے اپنی تاریخ (۳/۱۴۳، رقم: ۶۰۳) میں دوری کی روایت سے بیان کیا ہے۔ اسی سند سے خلال نے اس کو السنة (٤٦٦) میں روایت کیا ہے۔ ابن عساکر (۱۳/۲۶۰) نے اس کو ''حدثنا غندر، قال: حدثنا شعبة،'' کی سند سے مختصراً ''وہ اونٹ جو پینے کا عادی نہیں ہے۔'' تک روایت کیا ہے۔

[1] عطاء کی سند سے عبدالرزاق میں یہاں یہ الفاظ ہیں: ''تو اس کی بیوی نے اس بچی پر حملہ کر دیا۔''

[2] عبدالرزاق میں یہاں یہ الفاظ ہیں: ''پھر اس کا پردۂ بکارت اپنے ہاتھ سے زائل کر دیا۔''

[3] ابن ہانی کے الفاظ یہ ہیں: ''عورت نے اپنے خاوند سے کہا: اس نے زنا کیا ہے یعنی یتیم بچی نے۔''

فیصلہ کرنے کو کہا تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تہمت لگانے والی عورت پر حد جاری ہوگی اور پردۂ بکارت کو زائل کرنے کا جرمانہ اس عورت پر اور پکڑنے والی عورتوں پر ہوگا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر اونٹوں سے پسوائی کا کام لیا جاتا تو آج میں ان عورتوں کو اونٹوں کے نیچے پسوا دیتا۔[1] راوی کہتے ہیں کہ اس زمانے میں اونٹوں سے پسوائی کا کام نہیں لیا جاتا تھا۔[2]

[96] ابراہیم روایت کرتے ہیں: ایک عورت نے کسی بچی کا پردۂ بکارت اپنے ہاتھ سے زائل کر دیا اور کہا کہ اس نے زنا کیا ہے، پھر یہ مقدمہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی عدالت میں آیا: انھوں نے پردۂ بکارت کا جرمانہ کیا اور بہتان پر اسی کوڑے لگائے۔[3]

---

[1] عبدالرزاق کے الفاظ یوں ہیں: ''اگر اونٹ پیسنا جانتا ہوتا تو میں اس کو پسوا دیتا۔'' میں یہ کہتا ہوں کہ ابن سعد کی روایت کے الفاظ ہی زیادہ صحیح اور زیادہ وضاحت کرنے والے ہیں، کیونکہ اس روایت کی سند صحیح ہے۔

[2] مصنف ابن أبي شيبة (١٧٧٥٨) روایت صحیح ہے۔ سابقہ دو روایات بھی اس کی شاہد ہیں۔ اس سند کے سارے راوی ثقہ ہیں لیکن یہ مرسل ہے۔ ابراہیم: ابن یزید النخعی۔ اس نے علی رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا۔ عطاء نے اس کی متابعت کی ہے، جیسا کہ آگے تخریج میں ذکر ہے۔

ہشیم: ابن بشیر سلمی۔ مغیرہ: ابن مقسم ضبی۔ دونوں ہی ثقہ ہیں اور متصف بالتدلیس ہیں، لیکن دونوں کی تابع روایات موجود ہیں۔

ابن قدامہ نے یہ روایت اور اس کے ساتھ ایک اور روایت ذکر کرنے کے بعد کہا: یہ قصے مشہور ہیں، ان کا انکار نہیں کیا جا سکتا، گویا کہ یہ اجماعی چیزیں ہیں۔ المغني (٢٥٣/٧) یعنی علی رضی اللہ عنہ سے مروی یہ فیصلہ قضاۃ کے درمیان معروف ہے، انھوں نے اس کا انکار نہیں کیا، گویا اس پر اجماع سکوتی ہے۔

تخریج: اس روایت کو سعید بن منصور نے اپنی سنن (٢١٤٩) میں ھشیم سے روایت کیا ہے۔

اس روایت کو اسحاق بن ابراہیم بن ہانی نیشاپوری نے مسائل أحمد (١٥٨٤) میں روایت کیا ہے، میں نے ابوعبداللہ محمد بن جعفر پر پڑھا۔ وہ کہتے ہیں: ہمیں شعبہ نے مغیرہ سے ایسی ہی روایت بیان کی۔ یہ روایت السنة للخلال (٤٥٣) میں ابن ہانی کی سند سے مروی ہے۔ امام احمد نے اس کے آخر میں کہا ہے: ''رواۃ کا خیال ہے کہ جب سے علی رضی اللہ عنہ نے یہ بات کی ہے تب سے اونٹوں کو پسوائی پر لگا دیا گیا۔''

اس روایت کو عبدالرزق (١٣٦٧١) نے ''ثوري عن منصور وأبي عبد الكريم ومغيرة'' کی سند سے روایت کیا ہے اور یہ تینوں ابراہیم سے اسی طرح بیان کرتے ہیں۔

اس روایت کو عبدالرزق (١٣٦٧٢) نے ''أخبرنا عبدالملك بن عبدالعزيز بن جريج عن عطاء بن أبي رباح عن علي رضي الله عنه'' کی سند سے روایت کیا ہے۔ اس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں: ''پھر علی رضی اللہ عنہ نے اس کا فیصلہ کیا۔''

[3] مصنف ابن أبي شيبة (١٧٧٦٠) ابن فضیل: محمد ابوعبدالرحمان الضبی۔ حجاج: ابن ارطاۃ نخعی۔ الحکم: ابن عتیبہ الکندی۔

اس روایت میں صراحت موجود ہے کہ اس مقدمے کا فیصلہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے حسن رضی اللہ عنہ والا ہی کیا تھا۔ اس کی مزید تائید عطاء بن ابی رباح کے یہ الفاظ کرتے ہیں: جب انھوں نے قضائے حسن رضی اللہ عنہ کا قصہ ذکر کیا تو آخر میں یہ الفاظ ہیں کہ پھر علی رضی اللہ عنہ نے وہی فیصلہ کیا۔[1]

علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے حسن رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ مسجد میں بیٹھے لوگوں کو امورِ دین اور تفقہ فی الدین کی تعلیم دے رہے ہیں اور لوگ کثرت سے ان کے گرد جمع ہوئے ہیں، لوگ ان کی اس مہارت پر عش عش کر رہے ہیں، اس سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ وہ مسجد میں تدریس کے لیے بیٹھے ہوں، پہلی دفعہ انھوں نے یہ مجلس کی تھی اور ایک ہی مجلس میں لوگوں پر اپنی قابلیت اور مہارت واضح کر دی، اپنے بیٹے کی اس مہارت نے لوگوں کی طرح امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کو حیران کر کے رکھ دیا، اس پر علی رضی اللہ عنہ نے ان کی تعریف میں یہ کہا تھا: یہ ایسے اونٹ کے پسینے کی مثل ہے جس نے اس سے پہلے کبھی نہیں پیسا۔

پھر امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے مزید کہا: بے شک ہر قوم کا ایک مضبوط دفاع ہوتا ہے اور ہمارا وہ مضبوط بند جنابِ حسن رضی اللہ عنہ ہیں۔ یعنی ہر قوم کا ایک سب سے بہادر شہسوار ہوتا ہے جو اپنی قوم سے خطرے اور مشقت کو دور رکھتا ہے، ہمارا بھی ایک بہادر شہسوار ہے جو بہادروں کی ایک جماعت کے قائم مقام ہے، وہ ایک ہی ہمیں خطرات سے محفوظ رکھتا ہے اور اس کا نام حسن رضی اللہ عنہ ہے۔

یہاں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کی مدح کے لیے جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ ''صدادنا'': ''ہمارا شہسوار'' اس سے بھی تعظیم اور شان و شوکت کا بیان مقصود ہے۔

ان کی اس تعریف و مدح کا سبب جنابِ حسن رضی اللہ عنہ کی فیصلوں میں مہارتِ تامہ، اس کی باریکیوں کو پہچاننا اور علی رضی اللہ عنہ کو اس مشقت سے بچانا ہے۔ وہ مشقت جو انھیں اس مقدمے میں درپیش تھی جو ان کی عدالت میں لایا گیا تھا، یہ ایک اجنبی اور نیا مقدمہ تھا۔ اسلام کی تاریخ میں اس سے پہلے ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا تھا، تو انھوں نے یہ مسئلہ جنابِ حسن رضی اللہ عنہ کو بتایا، تو انھوں نے اس کا فیصلہ کر دیا۔ یہ ان کی زندگی کا پہلا فیصلہ تھا۔ پہلے ہی مقدمے میں انھوں نے انصاف کے اعلیٰ اصولوں کا بول بالا کر دیا۔

خلفائے راشدین کے دورِ حکومت میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کبھی بھی منصبِ قضاء پہ فائز نہ ہوئے تھے، اس پیش آمدہ مسئلے میں پہلی دفعہ علی رضی اللہ عنہ نے ان سے فیصلہ کرنے کا کہا تھا۔ انھوں نے کافی و وافی فیصلہ کر دیا، اسی لیے میں نے کہا کہ یہ پہلا مقدمہ تھا جس کا فیصلہ انھوں نے کیا تھا۔

---

[1] مصنف عبدالرزاق (١٣٦٧٢) روایت صحیح ہے۔ سابقہ روایت دیکھو۔

میری اس بات کی مزید تائید علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی کر رہا ہے: ''اس اونٹ کے پینے کی طرح ہے جو پسپائی کا عادی نہیں ہے۔'' یعنی یہ ان کی طرف سے کیا جانے والا ایک نیا کام تھا جو پہلے کبھی انھوں نے نہیں کیا، مگر انھوں نے اپنی قابلیت کا لوہا منوا لیا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی صفین میں شرکت:

مجھے ایک روایت ملی ہے جس کی سند حسن ہے، اس میں جنابِ حسین رضی اللہ عنہ کی صفین میں شرکت کا ذکر ہے۔ حسین رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے کہا: ''تمھیں کس چیز نے یہ اختیار دیا تھا کہ تم نے جنگِ صفین میں مجھ سے اور میرے باپ سے قتال کیا، ......'' الخبر [1]

4- سیدنا عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب ہاشمی قرشی رضی اللہ عنہما

حبر الامۃ، فقیہ العصر، امام التفسیر۔

خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کے مسئلے میں ان کا موقف وہی تھا جو جنابِ حسن رضی اللہ عنہ کا تھا، یعنی یہ بھی جنگ کے خلاف تھے۔ یہ سمجھتے تھے کہ اس مسئلے میں حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کا موقف ہی تھا لیکن یہ اس بات پر متفق نہیں تھے کہ اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے جنگ کا راستہ چنا جائے۔ انھوں نے علی رضی اللہ عنہ کو جنگ سے اجتناب کا مشورہ دیا تھا، علی رضی اللہ عنہ نے ان کی بات نہیں مانی، اس کے باوجود ابن عباس رضی اللہ عنہما ساری جنگوں میں ان کے شانہ بشانہ رہے، تاکہ امیر المومنین کی اطاعت اور تلاشِ حق کا بھرم رہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما اس حدیث کے رواۃ میں شامل ہیں جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد باہمی قتال سے منع کیا گیا ہے۔ شاید ان کا اس حدیث کو روایت کرنا، ان سب سے بڑے اسباب میں شامل ہے جس کی وجہ سے وہ جنگ کے راستے پر چلنے میں علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت کر رہے تھے۔

[97] سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ تم میں بعض بعض کی گردن مارنے لگے۔'' [2]

[98] زھدم بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک دن ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو انھوں نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں تمھیں ایک ایسی بات سناتا ہوں جو نہ راز ہے کہ چھپاؤں، اور نہ علانیہ (خطاب) ہے کہ

---

[1] [رقم: ۱۵۰] روایت دیکھو۔

[2] صحيح البخاري (٦٦٦٨)

منبر پر چڑھ کر کہوں۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر چڑھائی کی گئی اور انھیں قتل کر دیا گیا، تو میں نے ابن ابی طالب (حضرت علی رضی اللہ عنہ) سے کہا: اس معاملے (خلافت) سے دور رہو، تمھیں اس سے بچا لیا جائے گا۔ لیکن انھوں نے میری بات نہ مانی اور میں نہیں سمجھتا کہ وہ (کبھی) کامیاب ہوں گے۔ اللہ کی قسم! عنقریب ابن ابی سفیان (یعنی معاویہ رضی اللہ عنہ) تم پر غالب آ جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا ﴾ [بني إسرائيل: ۳۳]

''اور جو مظلوم مارا جائے، تو ہم نے اس کے ولی کو (قصاص کا) اختیار دے دیا ہے۔''

اور اللہ کی قسم! قریش (یہاں قریش سے مراد بنو امیہ ہیں) تمھارے ساتھ وہی سلوک کریں گے جو فارس (ایرانیوں) اور روم (رومیوں) نے کیا۔[1] ہم نے کہا: پھر اے ابن عباس! اگر ہم اس وقت کو پالیں، تو آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ انھوں نے فرمایا: تم میں سے جو شخص حق کو پہچان کر اس پر عمل کرے، وہ نجات پا جائے گا اور جو چھوڑ دے اور تم چھوڑنے والے ہو تو وہ ان پچھلی امتوں کی طرح ہلاک ہو جائے گا![2]

اس روایت کی شرح گزر چکی ہے،[3] وہاں یہ بات بھی ہو چکی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول (آپ اس خلافت کو چھوڑ دیں، یہ خود بخود آپ کو کافی ہو جائے گی، انھوں نے میری بات نہیں مانی، میرا نہیں خیال کہ وہ اس کوشش میں کامیاب ہوں گے) کا مطلب یہ ہے کہ انھیں بیعت کے طلب کرنے سے منع کیا گیا اور خاص طور پر ان سے منع کیا گیا ہے جو بیعت کے منکر ہیں۔ منکرینِ بیعت سے اہلِ شام مراد ہیں۔ ان شہروں کے باسی خود بخود ہی آپ کی بیعت کے لیے حاضر ہو جائیں گے اور اللہ آپ کو اس کی ذلتِ طلب سے محفوظ رکھے گا، اگر آپ اس مسئلے کو طاقت سے حل کریں گے تو آپ کو ان پر غلبہ حاصل نہیں ہو گا۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے بھی اپنے بابا کو اسی چیز سے منع کیا تھا، جس سے ابن عباس رضی اللہ عنہما منع کر رہے ہیں۔[4]

اس روایت سے پتا چلتا ہے کہ جنگ کو ناپسند کرنے کے باوجود ابن عباس رضی اللہ عنہما امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگِ جمل و صفین میں شریک تھے، تاکہ اطاعت کا بھرم قائم رہے۔

---

[1] یہاں موروثی بادشاہت مراد ہے۔ یعنی خلافتِ راشدہ عنقریب ختم ہو جائے گی اور قریش تم پر فارس و روم کی طرح وراثتی بادشاہت قائم کریں گے۔

[2] جامع معمر بن راشد (۲۰۹۶۹) سند صحیح ہے، سارے راوی ثقہ اور رجال الشیخین ہیں۔ ایوب: ابن ابی تمیمہ کیسان السختیانی۔ ابو قلابہ: عبداللہ بن زید جرمی۔ زھدم: ابن مضرب الجرمی، ابو مسلم البصری۔

[3] [رقم: ۲۱، ۲۲] روایت اور اس کے بعد تعلیق دیکھو۔

[4] [رقم: ۲۱] روایت کی تعلیق پر اس کی وضاحت ہو چکی ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے جس میں ولی الامر کی اطاعت کا حکم تھا، اگرچہ وہ کسی غیر پسندیدہ بات کا حکم دے (جب تلک وہ معصیت کا کام نہ ہو)۔

[**99**] سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے اپنے امیر میں کوئی برا کام دیکھا تو اسے صبر کرنا چاہیے، کیوں کہ اگر کوئی جماعت سے ایک بالشت بھی جدا ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔''[1]

[**100**] سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص اپنے امیر میں کوئی ناپسند بات دیکھے تو صبر کرے (خلیفہ) کی اطاعت سے اگر کوئی بالشت بھر بھی باہر نکلا تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔''[2]

5- سیدنا ابو الیقظان، عمار بن یاسر العنسی رضی اللہ عنہما

شہید، السابقون الاولون میں ایک نمایاں شخصیت، شرکائے بدر میں سرِ فہرست۔

ان کے بارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ''عمار! تمھیں ایک باغی گروہ قتل کرے گا، یہ ان کو جنت اور وہ انھیں جہنم کی طرف دعوت دیتے ہوں گے۔'' اس پر عمار رضی اللہ عنہ کہتے: میں فتنوں سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔[3]

اس حدیث سے یہ بات پتا چلتی ہے کہ جنابِ عمار رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی جنگِ صفین ایک فتنہ تھی، کیونکہ جب انھوں نے یہ حدیث سنی تو فوراً یہ کہا: ''میں فتنوں سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔'' ان کا پناہ طلب کرنا ہی ان کے فہمِ حدیث پر دلالت کرتا ہے، یہ کہ عنقریب وہ ایک فتنے میں باغی گروہ کے ہاتھوں شہید ہو جائیں گے۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے جنگِ جمل و صفین دونوں میں شرکت کی تھی، وہ یہ بھی جانتے تھے کہ شامی لشکر ایک باغی جماعت ہے۔ عنقریب میں ان کے ہاتھ سے قتل ہو جاؤں گا، انھوں نے دودھ پیا اور آگے بڑھ گئے۔ جانتے تھے کہ حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مصداق یہ ان کا آخری مشروب ہے، اپنے بڑھاپے کے باوجود نیزوں کو روکتے، کبر سنی کے سبب ان کے ہاتھ کپکپاتے بھی تھے۔ ان ساری چیزوں کے باوجود وہ قتال کرتے رہے، خلیفۂ وقت کے خلاف بغاوت کے سبب، اہلِ شام سے لڑائی کو جائز سمجھنے میں انھیں کسی طرح

---

[1] صحيح البخاري (٦٧٢٤)

[2] صحيح البخاري (٦٦٤٥)

[3] صحيح البخاري (٤٣٦) مزید دیکھو: [رقم: ٣٤٧]

کا تردّد نہ تھا۔ وہ کہا کرتے تھے: ''اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ ہمیں مارنے لگیں اور ہمیں حجر کی چوٹیوں پر پہنچا دیں تو مجھ پر یہ بات واضح ہے کہ ہمارے مصلحین حق پر ہیں اور یہ لوگ گمراہی پر ہیں۔''[1]

اس کا یہ قول: ''ہمارے مصلحین حق پر ہیں۔'' اس سے پتا چلتا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں کچھ سمجھ بوجھ رکھنے والے لوگ فساد میں مبتلا ہیں، جو امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کے خون میں مبتلا ہیں۔

عمار رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کو باغی گروہ سے قتال پر جوش و جذبہ دلایا کرتے تھے اور بآوازِ بلند کہتے تھے: ''جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اسے حورِ عین گھیر لے تو وہ اسی امید کے ساتھ صفوں سے آگے آ جائے، بے شک میں تمھارے سامنے صفوں کو دیکھ رہا ہوں جو تمھیں ایسی ضربیں لگا رہے ہیں جس سے باطل پرست لوگ شک وشبہہ میں پڑ جاتے ہیں۔''[2]

مزید وہ کہتے تھے: ''جنت قریب کر دی گئی، حور عین کو بھی قریب کر دیا گیا، آج کے دن ہم اپنے محبوب لوگوں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں سے ملیں گے۔''[3]

عمار رضی اللہ عنہ جنگِ صفین کے دن جب کسی بھی وادی پر چلتے تو اصحابِ محمد میں سے جو کوئی بھی ہوتا ان کے پیچھے چل پڑتا۔[4]

جنگ کے لیے ان کی پیش قدمی کرنا ایک اجتہادی فیصلہ تھا، جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پر کوئی وصیت نہ تھی، اس مسئلے میں جو کوئی بھی سوال پوچھتا عمار رضی اللہ عنہ اسے یہی جواب دیتے تھے۔[5]

اس کے ساتھ ساتھ عمار رضی اللہ عنہ اہلِ شام کی تکفیر سے بھی منع کرتے تھے، جنگِ صفین کے دنوں میں انھوں نے سنا، ایک بندے نے کہا: ''اہلِ شام نے کفر کر لیا ہے، تو انھوں نے کہا: ایسی بات نہ کہو، ہمارا اور ان کا نبی ایک ہی ہے، ہمارا اور ان کا قبلہ بھی ایک ہی ہے، مگر وہ ایسی قوم ہے جنھیں حق سے پھیر کر ان کی آزمائش کی گئی ہے۔ ہم پر لازم ہے کہ ہم ان سے قتال کریں یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئیں۔''[6]

---

1. ملاحظہ ہو: [رقم: ۴۳۸]
2. ملاحظہ ہو: [رقم: ۳۴۹]
3. ملاحظہ ہو: [رقم: ۳۵۱] اور اس کے ساتھ والی روایت۔
4. ملاحظہ ہو: [رقم: ۳۲۸، ۳۲۹]
5. ملاحظہ ہو: [رقم: ۶۱]
6. ملاحظہ ہو: [رقم: ۳۱۹]

جب عمار رضی اللہ عنہ کو اس بات کا پتا چلا کہ علی رضی اللہ عنہ نے صفین کے مقتولین کے لیے استغفار کیا ہے، تو عمار رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو علی رضی اللہ عنہ کے اقوال و اعمال پر عمل کرنے کی وصیت کی اور کہا: جہاں تک ممکن ہے ان (علی رضی اللہ عنہ) کی اتباع کرو۔[1]

6- سیدنا ابو امامہ صدی بن عجلان باہلی رضی اللہ عنہ

انھوں نے بھی علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ صفین میں شرکت کی اور وہ خوبصورت مشہور روایت بھی بیان کی: ''میں صفین میں حاضر ہوا تو انھوں نے کسی زخمی کو قتل نہ کیا، کسی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کرتے اور کسی مقتول کا سامان نہ چھینتے۔''[2]

7- سیدنا سہل بن حنیف انصاری اوسی رضی اللہ عنہ

یہ بدر میں شریک ہوئے اور بعد کی ساری جنگوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔

پھر انھوں نے علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ صفین میں شرکت کی اور یہ وہ پہلے بندے تھے جنھوں نے خوارج کے اعتراضات اور ان کی اس ہنگامہ آرائی کا جواب دیا جو انھوں نے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے اقدامِ صلح اور تحکیم بکتاب اللہ پر متفق ہو جانے کے بعد کیے۔ انھوں نے خوارج کو کہا: اے لوگو! اپنے آپ کو تہمت دو۔

اور ایک روایت میں آتا ہے: دین کے معاملے میں اپنے اجتہاد پر خود کو تہمت دو۔[3]

ایک دوسری روایت میں آتا ہے: اس اجتہاد کو تہمت دو۔ ...... ہم نے ایک ایسے معاملے کے لیے اپنی تلواریں کندھوں پر نہیں اٹھائیں[4] جو ہمیں رسوا کر دے،[5] سوائے اس کہ وہ تلواریں ہمیں ایسے مقام پر پہنچا دیں جس کو ہم اس سے پہلے بہتر سمجھتے ہوں۔[6] ہم ان تلواروں کے ذریعے کسی شگاف کو بند نہیں کرتے، مگر ہمارے سامنے ایک ایسا شگاف کھل جاتا ہے جس کو بند کرنے کی ہمیں کوئی سبیل نظر نہیں آتی۔[7]

---

[1] ملاحظہ ہو: [رقم: ۳۹۵] وہاں میں نے اس عبارت کی شرح بھی کی ہے۔

[2] ملاحظہ ہو: [رقم: ۳۲۱]

[3] ملاحظہ ہو: [رقم: ۳۷۷]

[4] یہ جنگی تیاری سے کنایہ ہے۔ فتح الباري (۲۸۸/۱۳)

[5] ہمیں ایسے رسوا کن معاملے میں داخل کر دے جو پہلے سے بھی بڑھ کے رسوا کن ہو۔ فتح الباري (۲۸۸/۱۳)

[6] یعنی صفین سے پہلے کی ساری جنگوں نے ہمیں اس راستے پہ پہنچایا ہے، جس میں ہمارے واسطے خیر ہے لیکن جنگِ صفین ان کے برعکس ہے جس کے نہ فوائد ہیں، نہ ہی کوئی واضح انجام۔

[7] [رقم: ۳۷۹] روایت دیکھو۔

ان باتوں سے جنگِ صفین کے بارے میں ان کا کچھ موقف واضح ہوتا ہے[1] :

1 وہ لوگوں کولڑائی روکنے کی دعوت دیتے تھے۔

2 صفین میں قتال کے مسئلے میں وہ اندر ہی اندر ایک الجھن میں مبتلا تھے، اصل میں اس کو ناپسند رکھتے تھے اور سمجھتے تھے کہ صلح لڑائی سے بہتر ہے۔

3 وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ صفین کی جنگ ایک فتنہ ہے، اس سے بچنے کا کوئی طریقہ ان کے علم میں نہیں تھا۔

4 اور ان کی یہ بھی رائے تھی کہ صفین کی لڑائی نے لوگوں کو ایک ایسے راستے پر پہنچا دیا ہے جس کا انجام واضح نہیں ہے۔ مقتولین کی کثرت اور اختلافات کے مزید گہرا ہونے کے سبب یہ جنگ لوگوں کے لیے کسی خیر کا باعث نہیں بنی۔

5 ان کا یہ بھی خیال تھا کہ جنگِ صفین فریقین کی طرف سے ایک رائے اور اجتہاد کا نتیجہ ہے۔

8- سیدنا اشعث بن قیس الکندی رضی اللہ عنہ

یہ سردار تھے اور بے بہا سخی آدمی تھے۔ ان کی بیٹی حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے نکاح میں تھی۔

جنگِ صفین کے دن علی رضی اللہ عنہ کے بڑے امراء میں شامل تھے۔ ان کے ساتھ نہروان میں بھی شامل ہوئے اور یہی وہ بندے تھے جو جنگ کے ابتدائی دنوں میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: ہمارے اور پانی کے درمیان راستہ چھوڑ دیں۔[2]

یہ صلح کی طرف بہت زیادہ مائل اور جنگ کو ناپسند کرتے تھے اور دونوں گروہوں کو جنگ کے نتائج سے ڈراتے تھے۔ ان کا ایک قول اس طرف اشارہ کرتا ہے جو جنگِ صفین کے شروع میں انھوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو کہا: اللہ اللہ معاویہ! امتِ محمدیہ کے بارے اللہ سے ڈرو، فرض کرلو تم نے اہلِ عراق کو قتل کر دیا ہے تو پیچھے رہ جانے والی نسلوں اور اولاد کے لیے وارث کون ہے؟ یا پھر وہ فرض کرلیں کہ ہم نے اہلِ شام کو قتل کر دیا تو ان کی پچھلی نسلوں کے لیے اور اولادوں کے لیے کون بچے گا؟ بے شک اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ ﴾ [الحجرات: ۹]

''اور اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں میل ملاپ کرا دیا کرو، پھر اگر

---

[1] یہاں ان کا موقف مختصر مذکور ہے، اس کی تفصیل [رقم: ۳۷۹] کے بعد آئے گی۔

[2] روایات دیکھو: [رقم: ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱]

ان دونوں میں سے ایک جماعت دوسری جماعت پر زیادتی کرے تو تم (سب) اس گروہ سے جو زیادتی کرتا ہے لڑو، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔"[1]

ابو مخنف اور دوسرے رواۃ کی مرویات میں ذکر ہے کہ سیدنا اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ ان کے ایک دوسری جگہ کوچ کے درپے رہے ہیں۔ شاید کہ نہروان میں ان کا حاضر ہونا اور جنگ کو ناپسند کرنا، پہلے پہل صفین کے ابتدائی دنوں سے ہی صلح کی روش پہ چلنا یہی چیزیں ان کے اس رویے کا سبب ہوں۔

9- سیدنا عمرو بن الحمق خزاعی رضی اللہ عنہ

انھوں نے حجۃ الوداع میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث سنیں۔[2]

جنگِ صفین میں علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ مقبول روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے انھیں اور حجر بن عدی کو جنگ کے دنوں میں معاویہ رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہنے اور اہلِ شام پر لعنت کرنے سے منع کیا تھا۔[3]

ابن سعد کا موقف ہے، اور ابن عبدالبر نے بھی ان کی متابعت کی ہے، کہ انھوں نے علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ساری جنگوں میں شرکت کی۔ لیکن دونوں نے اس کی کوئی مستند دلیل نہیں دی۔[4]

10- سیدنا حجر بن عدی الکندی رضی اللہ عنہ

امام ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ معزز آدمی اور امیر تھے۔ قابلِ اتباع و اطاعت اور نیکیوں کا بے بہا حکم دینے والے تھے۔ شیعانِ علی رضی اللہ عنہ میں سے انکار کرنے میں یہ سب سے پہلے تھے۔ جنگِ صفین میں ایک امیر کے طور پر شرکت کی۔ بہت زیادہ مصلح اور عبادت گزار بندے تھے۔[5]

ان کا صفین میں حاضر ہونا، اسی روایت سے ثابت ہوتا ہے جو ہم نے عمرو بن الحمق رضی اللہ عنہ کے موقف میں ذکر کی ہے۔

11- سیدنا خزیمہ بن ثابت انصاری ذوالشہادتین رضی اللہ عنہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی گواہی کو دو بندوں[6] کی گواہی کے برابر کہا تھا۔ امام ذہبی کہتے ہیں: یہ بدری

---

[1] روایت دیکھو: [رقم: ۲۹۹]

[2] تاریخ الإسلام (۸۷/٤)

[3] روایات دیکھو: [رقم: ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷]

[4] الطبقات الکبری (۲۵/٦)، الاستیعاب (۱۱۷۳/۳، ترجمة: ۱۹۰۹)

[5] سیر أعلام النبلاء (٤٦۲/۳)

[6] صحیح البخاري (۲٦۵۲)

صحابی ہیں، لیکن درست بات یہ ہے کہ انھوں نے اُحد اور اس کے بعد کی جنگوں میں شرکت کی۔ جیشِ علی رضی اللہ عنہ کے کبار لوگوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ جنگِ صفین میں ان کی شہادت ہوئی۔[1]

[101] عبدالرحمان بن ابی لیلیٰ بیان کرتے ہیں کہ جنگِ صفین میں ستر بدری صحابہ شریک ہوئے، کہا[2]: اس نے جھوٹ بولا ہے، اللہ کی قسم! میں نے حکم کو یہی بات یاد دلائی اور ہم نے ان کے گھر میں بیٹھ کے مذاکرہ کیا تو ہم نے جنگِ صفین میں خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی کی حاضری کو درست نہیں سمجھا۔[3]

[102] شعبہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے جنگِ صفین میں شامل ہونے والے بدری اصحاب کے بارے حکم کو یاد دلایا تو انھوں نے خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حاضری کو یقینی مانا اور وہ (شعبہ) ابو الہیثم بن تیہان[4] کی بھی صفین میں حاضری کے منکر تھے۔[5]

---

[1] سير أعلام النبلاء (٤٨٥/٢)   [2] یہ شعبہ بن حجاج کا کلام ہے۔

[3] العلل ومعرفة الرجال (٤٦٢) بروایت عبداللہ۔ حکم بن عتیبہ اور شعبہ کے درمیان وقوع پذیر ہونے والی حکایت درست ہے، لیکن ان دونوں اور اہلِ بدر کے درمیان انقطاع ہے۔ ابو شیبہ نے "عن الحكم عن ابن أبي ليلىٰ" کی سند سے روایت کی ہے تو یہ اعلیٰ درجے کی ضعیف اور موضوع ہے، کیونکہ ابو شیبہ متروک الحدیث ہے۔ اس کا نام ابراہیم بن عثمان بن خواستی عبسی ہے۔ واسط کا قاضی تھا، حکم بن عتیبہ کا بھانجا تھا۔ التقريب (٢١٥) حکم کے بارے اس کے دعویٰ کو شعبہ نے جھوٹا کہا ہے۔ حکم اور شعبہ کے اس قصے کی توجیہ ہم نے [رقم: ٥٦] کے بعد ذکر کی ہے۔

تخریج: اس روایت کو خلال نے السنة (٧٢٦) میں، ابن ابی عدی نے الكامل (٢٣٩/١) میں، خطیب نے تاريخ بغداد (١١١/٦) میں اور مزی نے تهذيب الكمال (١٥٠/٢) میں عبداللہ بن احمد کی سند سے روایت کیا ہے۔

[4] ابو الہیثم مالک بن التیہان انصاری، حلیف بنی عبدالاشہل۔ ابونعیم نے ان کو عقبی بدری کہا ہے۔ بیعتِ عقبہ اولیٰ اور بعد کے واقعات میں شریک ہوئے، مدینے کے رہائشی تھے، یہاں تک کہ خلافتِ عمر رضی اللہ عنہ میں ٢٠ھ میں وفات پائی۔ یہ بھی کہا گیا ہے۔ یہ صفین میں شہید ہوئے، مگر یہ بات ٹھیک نہیں ہے، ان کا کوئی جانشین نہیں تھا۔ معرفة الصحابة (٢٤٤٧/٥) امام ذہبی کا کہنا ہے کہ جس نے یہ کہا کہ انھوں نے جنگِ صفین میں شہادت پائی وہ غلطی پر ہے، بلکہ ان کے ساتھ ان کا بھائی شہید ہوا تھا۔ تاريخ الإسلام (٢٢٢/٣)

اس روایت کو ابن سعد (٤٤٨/٣) نے، حاکم (٥٢٥٠) نے، واقدی کی سند سے بیان کیا ہے۔ ابن ابی خیثمہ نے اس کو اپنی التاريخ الكبير (٥٥/٢، رقم: ١٧٢٥) میں روایت کیا ہے۔ ہمیں مدائنی نے خبر کی، پھر یہ دونوں سعید بن راشد سے، وہ صالح بن کیسان سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: ابو الہیثم بن تیہان نے خلافتِ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دوران مدینہ میں وفات پائی۔ یہ الفاظ امام حاکم کے ہیں۔

[5] العلل ومعرفة الرجال (٩٥٨) حکم اور شعبہ کے درمیان یہ قصہ صحیح ہے لیکن ان دونوں اور اہلِ بدر کے درمیان انقطاع ہے۔

[**103**] حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب ہم لوگ مصاحف کے نسخے تیار کر رہے تھے تو مجھے ان میں سورت احزاب کی ایک آیت نظر نہ آئی جو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھتے ہوئے سنتا تھا، میں نے اسے تلاش کیا تو وہ مجھے صرف حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس ملی جن کی شہادت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمیوں کی شہادت کے برابر قرار دیا تھا اور وہ آیت یہ تھی:

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا﴾ [الأحزاب: ٢٣]

''مومنوں میں سے کچھ وہ لوگ بھی ہیں جنھوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا وہ سچ کر دکھایا، چنانچہ ان میں سے بعض نے اپنا عہد پورا کیا (شہادت پا گئے)، اور ان میں سے بعض منتظر ہیں اور انھوں نے (عہد میں) کوئی تبدیلی نہیں کی۔''

تب سے خزیمہ رضی اللہ عنہ کو ذو الشہادتین کہا جاتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی گواہی کو دو لوگوں کی گواہی کے برابر قرار دیا۔

امام زہری کا کہنا ہے کہ انھوں[1] نے جنگِ صفین میں علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شہادت پائی۔[2]

ابن دیزیل نے اس روایت کو اپنی کتاب ''صفین'' میں بیان کیا ہے۔ اس میں آتا ہے: ''اس دن جنابِ عمار، خزیمہ بن ثابت انصاری اور عبدالرحمٰن بن کلدہ رضی اللہ عنہم کو قتل کر دیا گیا۔''[3]

بلاذری نے روایت کیا ہے: ''خوارج نے ان لوگوں کے نام ذکر کیے جو جنگِ صفین میں علی رضی اللہ عنہ کے ساتھی تھے، ان میں عمار بن یاسر، ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص، خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہم کا نام تھا...۔''[4]

''مرويات ابن عقدة عن الأجلح فيمن شهد مع علي رضي الله عنه حروبه'' سے دو روایات تخریج کے ساتھ ذکر ہوں گی، ان دونوں کی طرف رجوع کرو۔

← **تخریج:** خلال نے اس روایت کو السنة (٧٢٧) میں ''عبدالله عن أبيه'' کی سند سے روایت کیا ہے، اس کے آخر میں ہے: ''اور شعبہ انکار کیا کرتے تھے......الخ)

[1] یعنی خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے۔

[2] مسند أحمد (٢١٦٥٢) شعیب ارناؤط کہتے ہیں: یہ روایت شیخین کی شروط پہ صحیح ہے۔

[3] روایت شواہد کی بنا پہ ٹھیک ہے۔ ملاحظہ ہو: [رقم: ٣٥٥]

[4] ملاحظہ ہو: [رقم: ٤٧٣]

12- سیدنا سالم بن عبید الاشجعی رضی اللہ عنہ

یہ اہلِ صفہ میں سے تھے۔ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ صفین میں شریک ہوئے۔ کہتے ہیں کہ میں نے علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ جنگِ صفین کے بعد وہ میرے ہاتھ کو پکڑے ہوئے تھے اور ہم مقتولوں کی طرف چلے گئے۔ علی رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے استغفار کرنا شروع کر دیا، یہاں تک کہ اہلِ شام کے مقتولین کی باری آ گئی تو میں نے ان سے کہا: اب تو ہم معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں ہیں۔ جواب دیا: بے شک ان سب کا حساب تو علی اور معاویہ پر ہے۔[1]

13- سیدنا عبداللہ بن بدیل بن ورقاء خزاعی رضی اللہ عنہ

عبداللہ رضی اللہ عنہ اور ان کے باپ دونوں سردار تھے۔

عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جنگِ صفین میں علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شہادت پائی۔

یعقوب بن سفیان نے روایت نقل کی ہے جو شواہد کی بنیاد پر صحیح ہے۔ اس میں آتا ہے کہ اہلِ شام اہلِ عالیہ (بالائی نجدی علاقہ) کے مقتولین پر غالب آ گئے۔ ان میں عمار بن یاسر، ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص اور بدیل خزاعی رضی اللہ عنہم[2] کے دونوں بیٹے بھی شامل تھے جن کے نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن تھے۔

14- سیدنا قیس بن سعد بن عبادہ بن دلیم انصاری رضی اللہ عنہم

امیر، مجاہد، بنوخزرج کے سردار اور ان کے سردار کے بیٹے تھے۔ یہ، ان کے باپ اور دادا تینوں صحابی ہیں۔ قیس بن سعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسے ہی رہتے تھے جیسے امیر[3] کے ساتھ کوتوال رہتا ہے۔ عرب کے عقل مند اور سخی ترین لوگوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔

---

(1) ملاحظہ ہو: [رقم: ۳۹۳] (2) روایت دیکھو: [رقم: ۱۱۵]

(3) سیر أعلام النبلاء (۱۰۲/۳)، امام بخاری نے اپنی الصحیح (٦٧٣٦) میں اسے بیان کیا ہے، انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قیس بن سعد رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس طرح رہتے تھے جیسے امیر کے ساتھ کوتوال رہتا ہے۔

محمد بن عبداللہ انصاری (جو رواۃِ حدیث میں سے ہیں) کہتے ہیں کہ یعنی معاملات کے نفاذ میں یہ کوتوال تھے۔ الکامل لابن عدي (۱۰۸/۲)

اس حدیث میں اس چیز سے تشبیہ ہے جو کچھ مدت کے بعد وقوع پذیر ہوئی، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کسی بھی عامل کے پاس یہ عہدہ (شرطہ) موجود نہیں تھا، یہ عہدہ دولتِ بنی امیہ میں وجود میں آیا۔ تو انس رضی اللہ عنہ نے اپنے سامعین کو سمجھانے کے لیے ذہن کے قریب تر مثال دی۔ فتح الباري (۱۳۵/۱۳)

انھوں نے علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جمل، صفین اور نہروان میں شرکت کی اور جو بات ظاہر ہوتی ہے وہ یہ کہ جنگِ صفین کے وقت میں یہ مصر کے گورنر تھے، پھر یہ صفین آئے اور اس میں شرکت کی۔ اپنی ولایت کے زمانے میں پھر دوبارہ سے مصر واپس لوٹ گئے۔ پھر علی رضی اللہ عنہ نے ان کو وہاں سے معزول کر دیا۔ اس کے بدلے میں آذربائیجان کی امارت ان کے سپرد کر دی اور وہاں موجود لشکرِ خمیس کا سپہ سالار مقرر کیا، اور اس وقت اس کی تعداد ۴۰ ہزار تھی۔ یہ سارے کے سارے عربی تھے اور قیس رضی اللہ عنہ اسی لشکر کی سپہ سالاری کرتے رہے۔ اس کی ضروریات اور چیزوں کا خیال رکھتے رہے یہاں تک کہ علی رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا۔[1] تب حسن رضی اللہ عنہ نے انھیں آذربائیجان سے معزول کر دیا اور ان کی جگہ پر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو مقرر کر دیا۔ قیس بن سعد رضی اللہ عنہ صرف جیشِ خمیس کی قیادت پر مقرر رہے، جنابِ حسن رضی اللہ عنہ نے ان کو شرطۂ خمیس کے بارہ ہزار فوجیوں کے ساتھ کوفہ کی طرف واپس جانے کا حکم دیا، تاکہ ان کو شامی لشکر کے مقابل مقدمۂ جیش بنایا جا سکے، پھر انھوں نے ایسا ہی کیا۔[2]

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جیشِ خمیس سارے کا سارا ہی آذربائیجان[3] سے واپس نہیں آیا تھا، بلکہ جس وقت حسن رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تھی، تب عبیداللہ بن عباس بھی آذربائیجان میں موجود تھے۔ وہ حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ شام کی طرف نہیں گئے تھے اور نہ ہی وہ بیعتِ معاویہ میں شریک تھے۔

ابن یونس کہتے ہیں کہ یہ مصر کی فتح میں شریک ہوئے اور پھر وہاں گھر بنانے کا منصوبہ بنایا۔ ۳۶ھ میں علی رضی اللہ عنہ نے ان کو وہاں کا والی مقرر کیا پھر ۳۷ھ میں ان کو معزول کر دیا۔[4]

یہاں سے پتا چلتا ہے کہ جنگِ صفین کے وقت یہ مصر میں گورنری کے عہدے پر تھے۔

[**104**] نصر بن مزاحم کہتے ہیں کہ فضیل بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ بے شک علی رضی اللہ عنہ نے اہلِ کوفہ کے شہسواروں پر اشتر کو مقرر کیا۔ اہلِ بصرہ کے شہسواروں پر سہل بن حنیف کو، اہلِ کوفہ کے پیدل لشکر پر عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو اور اہلِ بصرہ کے پیدل لشکر پر قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا (یہ مصر سے صفین آئے تھے) اور ان کے ساتھ ہاشم بن عتبہ اور ان کے بیٹے کو بھی مقرر کیا تھا۔ اور مسعر بن فدکی تمیمی کو

---

[1] اسی کتاب میں چوتھی فصل کی نویں مبحث ملاحظہ ہو۔

[2] روایت دیکھو: [رقم: ۵٦۵]

[3] [رقم: ۵٦۵] روایت اور اس کے مابعد دیکھیں۔

[4] تاریخ دمشق (۴۰۲/۴۹)، سیر أعلام النبلاء (۱۰۳/۳)

اہلِ بصرہ کے قراء کی جماعت پر امیر مقرر کیا تھا، تو کوفہ کے قراء کی جماعت ابن بدیل اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی طرف چلی گئی۔[1]

[105] ابو العلاء بریم بیان کرتے ہیں کہ جب علی رضی اللہ عنہ صفین کی طرف نکلے تو ہم پر قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کو والی مقرر کیا۔[2] آپ اس لشکر کے مقدمہ میں شامل تھے جو شام کی طرف نکلتے ہوئے حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، اس کی تعداد بارہ ہزار تھی، انھیں شرطۂ خمیس کہا جاتا تھا۔ حسن رضی اللہ عنہ نے انھیں کوچ کا حکم دیا، یہاں تک کہ وہ مسکن، انبار اور اس کے دائیں بائیں علاقوں میں جا کر پھیل جائیں تو انھوں نے ایسا ہی کیا۔ اسی دوران میں حسن رضی اللہ عنہ باقی لشکر لے کر مدائن کی طرف چلے گئے۔

انتہائی باریک بینی سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ کا اس کام سے مقصود یہ تھا، یعنی جب انھوں نے لشکر کے اعلیٰ قسم کے شاہسوار اور اصل جنگی قوت کو اپنی قیام گاہ سے دور رکھا، تاکہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی خط کتابت آسان رہے اور جنگ کیے بغیر صلح کی کوششوں کو کامیاب کیا جا سکے۔

قیس بن سعد اہلِ شام کو رسوا کرنے کے لیے ان کے ساتھ جنگ کے شدید حریص تھے۔ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: جب علی رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو قیس بن سعد رضی اللہ عنہ وہ پہلے بندے تھے جنھوں نے اہلِ شام سے لڑائی کے لیے حسن رضی اللہ عنہ کو سب سے پہلے ترغیب دی اور اس پر آذربائیجان کی امارت[3] بھی انھوں نے چھوڑ دی، پھر حسن رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کو لے کر مدائن جا کے اترے اور انھیں بارہ ہزار کے لشکر کے ساتھ اپنی اقامت سے دور ایک اور جگہ پر ٹھہرنے کا کہا، تاکہ خود ان کے لیے صلح کے معاملات طے کرنا آسان ہو۔

---

[1] وقعة صفين (ص: ۲۰۸) روایت قرائن کی بنا پہ مقبول ہے۔ حادثے کی اصل "موقعة صفين" ہے، قرائن کی بنیاد پر اس روایت میں موجود سارے لوگوں کا صفین میں شریک ہونا ثابت ہے سوائے مسعر بن فدکی کے، اس کا کوئی ثبوت نہیں ملا۔ مسعر کے نام کی تصحیف مسعود سے ہوئی ہے، اس کی تصویب طبری سے ہے۔

تخریج: طبری نے اپنی تاریخ (۸۲/۳) میں کہا ہے: "ابو مخنف نے کہا: مجھے فضیل بن خدیج کندی نے کہا۔ بے شک علی رضی اللہ عنہ ......۔" پھر ایسی ہی روایت نقل کی۔

[2] التاريخ الكبير لابن أبي خيثمة، بتحقيق: صلاح هلل (۴۳/۳، رقم: ۳۷۴۸) روایت قرائن کی بنا پہ مقبول ہے، اس کے سارے راوی ثقات ہیں سوائے بریم کے، اس سے روایت کرنے والوں میں صرف ابو اسحاق السبیعی کا نام آتا ہے۔ مجھے اس کی توثیق نہیں ملی، یہ عینی شاہد ہے۔ ابو اسحاق کہتے ہیں کہ یہ لوگوں کو نماز پڑھایا کرتے تھے۔ تاریخ بغداد (۳۵۸/۱۴) احمد بن یونس: احمد بن عبداللہ بن یونس تمیمی الیربوعی۔ ابو الاحوص: سلام بن سلیم الحنفی۔

قرائن: اوّل: ابو العلاء بریم تک اس کی سند صحیح ہے۔ دوم: قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کی حاضری مورخین کے ہاں مستفیض ہے۔

[3] روایت ملاحظہ ہو: [رقم: ۵۶۵]

ابو الغریف کہتے ہیں: ہم حسن رضی اللہ عنہ کے مقدمۂ لشکر میں تھے اور ہماری تعداد بارہ ہزار کے قریب تھی، ہم وہ لوگ تھے جنھوں نے موت پر بیعت کی تھی کہ اہلِ شام کے ساتھ لڑائی میں ہماری تلواروں سے خون ٹپکے گا۔[1]

عروہ بن زبیر کہتے ہیں: قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما جنابِ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مقدمۃ الجیش میں تھے اور ان کے ساتھ پانچ ہزار ایسے لوگ تھے جنھوں نے علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد اپنے سر مونڈوا دیے تھے۔[2]

اور سروں کو منڈوا دینا اس بات کی دلیل ہے کہ انھوں نے اہلِ شام کے ساتھ لڑائی کے معاملے میں موت پر بیعت کی تھی۔

ان تینوں روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قیس رضی اللہ عنہ لشکر کے سب سے بہترین شہسواروں میں سے تھے، ان کی اس بہادری کا سبب جنگِ صفین میں عمار رضی اللہ عنہ کا قتل تھا، جن کے بارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا: ''اسے ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔''

جس وقت حسن رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اپنی بیعت کی خبر بھیجی تو قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کو خط بھیجا جس کے الفاظ یہ تھے: ''جیشِ خمیس کو یہ بتا دو کہ میں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے اور انھیں یہ حکم دو کہ وہ بھی اس بیعت میں داخل ہو جائیں۔'' تو انھوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: اے لوگو! تمھارے پاس دو راستے ہیں، ان میں کسی ایک کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے: فتنے میں داخل ہو جاؤ یا بغیر کسی امام کے قتال کرو۔ لوگوں نے کہا: یہ کیا بات ہے؟ فرمایا: حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے اپنی بیعت معاویہ رضی اللہ عنہ کو دے دی ہے، لوگوں نے بھی رجوع کر لیا اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔[3] قیس بن سعد رضی اللہ عنہما نے بھی امیر المومنین حسن رضی اللہ عنہ کی بات مان کر ان کی بیعت کر لی۔

ان کے یہ الفاظ: ''اے لوگو! تمھارے پاس دو اختیارات ہیں ......) سے یہ پتا چلتا ہے کہ قیس رضی اللہ عنہ نے یہ بات سارے لشکرِ خمیس سے کہی تھی۔

ان کا یہ کہنا: ''فتنے میں داخل ہونا۔'' اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ پہلے پہل وہ اس معاملے میں صلح کو ناپسند کرتے تھے لیکن بعد میں انھوں نے حسن رضی اللہ عنہ کی بات مانتے ہوئے اس کو قبول کر لیا۔

---

(1) ملاحظہ ہو: [رقم: ۶۰۴]

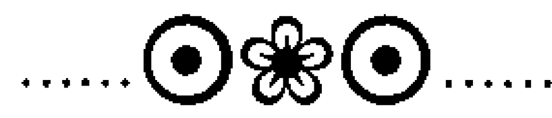
(2) ملاحظہ ہو: [رقم: ۶۰۲]

(3) روایت دیکھو: [رقم: ۵۷۴]

ان کا یہ قول: ''پہلے پہل ان کا صلح کو ناپسند کرنا۔'' اس پر ایک دوسری روایت دلالت کرتی ہے۔ جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تو قیس رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا اور اپنے ساتھیوں سے کہا: تم کیا چاہتے ہو اگر تم چاہتے ہو تو میں تمھارے ساتھ مل کے لڑتا ہوں، یہاں تک کہ ہمیں موت آ جائے اور اگر تم چاہتے ہو کہ میں تمھارے لیے امان طلب کر لیتا ہوں تو انھوں نے کہا کہ ہمارے لیے امان لے لیں تو انھوں نے امان کی بات کر لی۔ ......[1]

یہ گفتگو قیس رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کی تھی جو جیشِ خمیس کا ایک حصہ تھے، ان کی تعداد پانچ ہزار تھی، سارے کے سارے لشکر سے یہ بات نہیں کی تھی۔ پھر جب سیدنا قیس رضی اللہ عنہ نے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تو وہ اور ان کے ساتھی مدینہ کی طرف چلے گئے۔ اس کے بعد قیس نے ایک عجیب کام کیا، اس سفر میں ساتھیوں کے کھانے کی ذمے داری ان کی تھی، وہ ہر روز ایک اونٹ ذبح کرتے یہاں تک کہ وہ مقامِ صرار پر پہنچ گئے۔ یہ جگہ عراق کے راستے پر مدینہ سے تین میل دور ہے۔[2]

قیس اور ان کے باپ سخاوت میں مشہور ترین شخصیات ہیں۔



[1] روایت دیکھو: [رقم:۶۰۲]

[2] روایت دیکھو: [رقم:۶۰۲]

دوسری مبحث:

وہ صحابہ کرام جو جنگِ صفین میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے

1- سیدنا معاویہ بن ابی سفیان قرشی اموی رضی اللہ عنہما

امیر المومنین، بادشاہِ اسلام، انھوں نے اپنی کمال عقل، وسیع حلم، اعلیٰ ظرفی، رائے واجتہاد کی مضبوطی سے دنیا پر حکمرانی کی اور اپنی رعایا میں من پسند شخصیت تھے۔[1]

یہاں میں ان کے پانچ موقف ذکر کروں گا، اس کے علاوہ ایک چھٹا موقف بھی ہے جس کو میں نے مناسب جگہ پہ الگ سے ایک مستقل مبحث میں ذکر کیا ہے، جس کا نام "میزان الأحقیة بالخلافة عند معاویة رضی اللہ عنہ، وغارات معاویة علی نفوذ علي رضی اللہ عنہ" ہے۔[2]

جنگِ صفین سے پہلے اور بعد میں خلافتِ علی رضی اللہ عنہ کے بارے ان کا موقف:

صفین سے پہلے ان کا خیال تھا کہ علی رضی اللہ عنہ ہی خلافت کے زیادہ حق دار اور اولیٰ ہیں۔

جنگِ صفین کے بعد ان کا موقف بدل گیا تھا اور وہ سمجھتے تھے کہ میں علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ اولیٰ اور مستحقِ خلافت ہوں۔

جنگِ صفین سے پہلے اور بعد میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دین اور سبقتِ اسلام میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے قائل تھے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی زندگی میں امیرِ شام نے کبھی خلیفہ ہونے کا دعویٰ کیا نہ کبھی لوگوں سے خلافت کا مطالبہ کیا۔

قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لینے میں علی رضی اللہ عنہ کے تاخیر کرنے کے بارے میں ان کا موقف:

امیرِ شام بیعت پر اسی صورت راضی تھے کہ قصاص کو بیعت پر مقدم کیا جائے، اس تقدیم وتاخیر کے

---

[1] سیر أعلام النبلاء (۳/۱۱۹، ۱۳۳)

[2] فصل چہارم کی چھٹی مبحث ملاحظہ ہو۔

ان کے پاس دلائل تھے، اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے،[1] ان کے اس چیز پر مسلسل اصرار کے سبب علی رضی اللہ عنہ کو عسکری کوشش کا راستہ اختیار کر کے صفین میں اترنا پڑا۔

جنگِ صفین کے بارے ان کا موقف:

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابتدا میں جنگ کا راستہ نہیں چنا تھا اور نہ ہی اس راستے کی کوئی رغبت رکھتے تھے، امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے شام کی طرف جنگ کی پیش قدمی کی، کیونکہ وہ انھیں باغی سمجھتے تھے، تب امیرِ شام اپنے اور اہلِ شام کے دفاع پر مجبور ہوئے۔

عراقی لشکر کے ان پر حملہ کرنے کے سبب معاویہ رضی اللہ عنہ اہلِ عراق کے ساتھ جنگ کو دفاعی جنگ خیال کرتے تھے، دفاع کرنے والے کا لڑنا جائز ہوتا ہے، تو انھوں نے اور اہلِ شام نے تب تک جنگ کی ابتدا نہ کی جب تک کہ فریقِ مخالف عراقی لشکر کی طرف سے اس کا آغاز نہ ہو گیا۔[2]

علی رضی اللہ عنہ کی زندگی میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دعوائے خلافت کی تحقیق:

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی زندگی میں امیرِ شام نے کبھی بھی خلافت کا دعویٰ نہیں کیا، نہ ہی کبھی شامی لوگوں نے اس معاملے میں ان کی بیعت کی، بلکہ وہ علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا ہی اعتراف کرتے تھے، بس وہ قصاص سے قبل بیعت سے رکے ہوئے تھے۔

[**106**] اس روایت کو ابوبکر بن ابی خیثمہ[3] نے اپنی "التاریخ" میں نقل کیا ہے۔ یہ روایت "تاریخ دمشق" میں بھی موجود ہے۔ سعید بن عبدالعزیز[4] بیان کرتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ کو عراق میں

---

[1] ملاحظہ ہو: (ص: ۱۵۴)

[2] [رقم: ۲۸۷، ۲۸۸] روایات اور ان کے حواشی ملاحظہ ہوں۔

[3] ابوبکر احمد بن ابی خیثمہ، زہیر بن حرب بن شداد الحرشی۔ امام ذہبی نے کہا ہے: یہ "التاریخ الکبیر" کے مصنف ہیں، جو کثیر الفوائد کتاب ہے، محنت اور عرق ریزی سے لکھی ہے۔ میں نے اس سے بڑھ کے فائدہ مند کتاب نہیں دیکھی۔ امام دارقطنی نے ان کو ثقہ اور مامون کہا ہے۔ خطیب نے ان کو ثقہ، مامون، عالم، متقی، حافظ، علمِ تاریخ کا ماہر اور ادب میں عمیق نظر والا لکھا ہے۔ ۲۷۹ھ میں وفات پائی۔ سیر أعلام النبلاء (۱۱/٤٩٢)

[4] التنوخي: ذہبی نے کہا ہے: شام میں اوزاعی کے بعد ان پر علم کی انتہا ہے۔ اوزاعی کے بعد یہ دس سال زندہ رہے، محققین نے کہا ہے: شام کے بارے معلومات کے اعتبار سے یہ سب سے بڑے عالم تھے۔ سیر أعلام النبلاء (۸/۳۳)

صحيح تاريخ الطبري (۳/٤٠٦)

''امیر المومنین'' کہا جاتا تھا اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام میں فقط امیر کہا جاتا تھا۔ جب علی رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو شام میں ان کو ''امیر المومنین'' کہا جانے لگا۔[1]

''امیر المومنین'' کا لقب فقط خلیفہ کے لیے خاص تھا، معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس لقب کو علی رضی اللہ عنہ کی زندگی میں کبھی اختیار نہیں کیا۔

[**107**] ہمیں زہیر بن حرب ابوخیثمہ نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں وھب بن جریر نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابن جعدبہ نے بیان کیا، وہ صالح بن کیسان سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: جب ابن حدیج نے محمد بن ابی بکر صدیق کو مصر میں قتل کیا، اس کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ شام میں، علی رضی اللہ عنہ کوفہ میں اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مصر میں ٹھہرے رہے، جب علی رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا گیا تو اہلِ شام سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کے لیے جوق در جوق ٹوٹ پڑے۔ اس پر عبدالرحمان بن خالد بن ولید نے کہا: ہم مومن ہیں، معاویہ رضی اللہ عنہ ہمارے امیر ہیں اور امیر المومنین ہیں، پھر اہلِ شام نے ان کی بیعت کر لی، تب وہ مقامِ ایلیاء میں تھے اور یہ ۵/ ربیع الاول ۴۰ھ کا واقعہ تھا۔ تو قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ اور بیعتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان چار سال، دو مہینے اور سترہ دنوں کا وقت ہے۔[2]

---

[1] تاریخ دمشق (۱۴٦/٥٩) شواہد کی بنیاد پر یہ روایت صحیح ہے۔ اس کے سارے راوی ثقہ ہیں اور رواۃ الشیخین ہیں سوائے سعید کے، یہ رجالِ مسلم میں سے ہے۔ یہ ثقہ ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ نے "الأدب المفرد" میں ان سے روایات لی ہیں۔ ابومسہر: عبدالاعلیٰ بن مسہر الغسانی۔ مزید دیکھیں: موارد ابن عساکر في تاریخ دمشق (۱۳٤/۱)
محققین نے کہا ہے: اس کی سند حسن ہے۔ صحیح تاریخ الطبري (٤٠٥/٣)
دیکھیں: مرویات أبي مخنف في تاریخ الطبري (ص: ٤١١) سیرت علی رضی اللہ عنہ از دکتور صلابی (ص: ۵۱۴) تاریخ طبری (رقم: ۱۲۷، ۱۲۸) میں ان روایات میں سے کچھ نقل ہوں گی۔ اس کے شواہد کا ذکر [رقم: ۱۱] کے تحت گزر چکا ہے۔

[2] أنساب الأشراف (٤٨٨/٢- ٤٨٩) یہ روایت شواہد کی بنا پہ صحیح ہے، سوائے ان الفاظ کے (ربیع الاول)، [رقم: ۱۲۹، ۱۳۳] کے تحت آنے والی روایات ملاحظہ ہوں۔ اس کی سند مرسل ہے، صالح بن کیسان نے وہ زمانہ نہیں پایا، اس کے سارے راوی ثقہ ہیں اور رواۃ الشیخین ہیں سوائے ابن جعدبہ کے، مجھ پہ اس کی شخصیت واضح نہیں ہوئی، دو نام مجھے ملے ہیں: انس بن عیاض (ثقہ ہیں)، یزید بن عیاض (امام مالک وغیرہ نے اسے جھوٹا کہا ہے) دونوں ہی مدنی ہیں، ابن کیسان نے ان دونوں کو مدنی کہا ہے۔
عبداللہ بن وہب مصری نے انس اور یزید سے روایت کی ہے، یہ دونوں صالح بن کیسان سے روایت کرتے ہیں۔
یزید کی ابن کیسان سے مروی روایت کو أنساب الأشراف (٤٩٥/٥) میں کہا: (مدائنی یزید بن عیاض بن جعدبہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ صالح بن کیسان سے ...)

[108] بلاذری نے روایت کیا ہے کہ ہمیں احمد بن ابراہیم دورقی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں وہب بن جریر نے بیان کیا، وہ ابن جعدبہ سے، وہ صالح بن کیسان سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: جب امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کو قتل کیا گیا تو اہلِ شام نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ لوگوں کے ساتھ عراق کی طرف چل پڑے، حسن رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ کوفہ سے چل پڑے، ......۔ الخبر [1]

[109] ابن دیزیل نے ایک طویل قصہ روایت کیا، اس میں آتا ہے کہ جب امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے حضرت جریر رضی اللہ عنہ کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجنے کا ارادہ کیا تو ان سے کہا: ... میرا یہ خط معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس لے جاؤ اور انھیں کہو اگر وہ دوسرے مسلمانوں کی طرح بیعت کر لیں تو فبہا، وگرنہ ان کا عہد توڑ دینا، اور انھیں یہ بات بتا دینا میں ان کی امارت پر راضی نہیں ہوں، اور عام لوگ اس کی خلافت پر راضی نہیں ہیں۔ [2]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ: ''اور انھیں یہ بات بتا دینا کہ میں ان کی امارت پر راضی نہیں ہوں۔'' اس بات کی دلیل ہے کہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے انھیں شام کی امارت سے معزول کر دیا تھا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ: ''عام لوگ ان کی خلافت پر راضی نہیں ہیں۔'' اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلافت پر بیعت نہیں لی تھی، نہ ہی لوگوں نے ان کی بیعت کی تھی، علی رضی اللہ عنہ کے ہوتے ہوئے لوگ اس بات پر راضی نہیں تھے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کریں۔

[110] حارث بیان کرتے ہیں کہ جب علی رضی اللہ عنہ صفین سے واپس آئے، انھیں یہ احساس ہو گیا کہ وہ مکمل خلافت نہیں پا سکتے تو انھوں نے کچھ ایسی باتیں کی اور چیزیں کہیں جو وہ پہلے نہیں کہا کرتے تھے، فرمایا: اے لوگو! معاویہ کی امارت کو ناپسند نہ کرو، اللہ کی قسم! اگر تم نے اسے کھو دیا تو تم دیکھو گے کہ سر کندھوں سے اندرائن کی طرح گر رہے ہیں۔ [3]

---

[1] أنساب الأشراف (٤٩/٣) شواہد کی بنا پر یہ روایت صحیح ہے۔ الدورقی: ثقہ ہیں، رجالِ مسلم میں سے ہیں۔ آئندہ روایت ملاحظہ ہو۔

[2] یہ روایت قرائن کی بنا پر مقبول ہے، مکمل طور پہ [رقم: ٢٨٧] میں آئے گی۔

[3] الطبقات الکبری، الطبقة الرابعة، (ص: ٤٣٢)، بتحقیق سلومي۔ یہ روایت قرائن کی بنا پہ مقبول ہے، اس کی سند ضعیف ہے۔ مکمل متن، تخریج اور وضاحت کے ساتھ [رقم: ٣٩٦] کے تحت آئے گی۔

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ: ''تم معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت کو برا نہ سمجھو'' پتا دیتے ہیں کہ یہ الفاظ صفین کے بعد کے ہیں اور معاویہ رضی اللہ عنہ صفین کے بعد بھی امیر ہی تھے، انھوں نے خلافت کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔

[**111**] ابن اسحاق، خالد الخزاعی اور دوسرے راویوں سے بیان کرتے ہیں جن پر کوئی تہمت نہیں ہے۔ بے شک عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا گیا اور جنابِ علی رضی اللہ عنہ کا خط امیرِ شام کے پاس آیا جس میں شام کی امارت کو چھوڑنے کا ذکر تھا تو معاویہ رضی اللہ عنہ باہر نکلے اور مسجد کے منبر پر چڑھ گئے، پھر لوگوں کو جمع کرنے کے لیے اعلان کیا گیا، جب لوگ مسجد میں آگئے تو انھوں نے لوگوں سے خطاب کیا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر درودِ پاک کا ہدیہ پیش کیا۔ پھر کہا: اہلِ شام تم جانتے ہو کہ میں امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا خلیفہ [1] ہوں اور عثمان رضی اللہ عنہ کا خلیفہ ہوں اور جبکہ انھیں ظلماً شہید کر دیا گیا ہے اور تم جانتے ہو کہ میں ان کا ولی ہوں۔ اور اللہ رب العزت اپنی کتاب میں کہتے ہیں:

﴿ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا ﴾ [بني إسرائيل: ٣٣]

''اور جو شخص مظلوم ہونے کی صورت میں مار ڈالا جائے تو ہم نے اس کے وارث کو طاقت دے رکھی ہے۔''

اور مجھے یہ بات پسند ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اس بارے میں جو رائے تم رکھتے ہو وہ بھی میرے علم میں آ جائے، پھر کعب بن مرہ سلمی کھڑے ہوئے اور اس وقت مسجد میں چار سو کے لگ بھگ اصحابِ رسول بھی موجود تھے۔ اور کہا: اللہ کی قسم! میں اپنی اس جگہ پر کھڑا ہوں اور مجھے یہ بھی پتا ہے کہ تم میں سے بہت سارے ایسے ہیں جو مجھ سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت رکھتے ہیں، لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ایسی چیز سن رکھی ہے، میں ایک ایسی مجلس میں حاضر تھا جس میں تم حاضر نہیں تھے اور ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس زوال کے وقت میں شدید گرمی میں حاضر تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ عنقریب ایک فتنہ پیدا ہوگا تو اسی دوران ایک آدمی اپنے سر کو ڈھانپے ہوئے گزرا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بندہ اس وقت، اس دن ہدایت پر ہوگا۔ میں کھڑا ہوا تو میں نے اس بندے کا کندھا پکڑا اور اس کے سر کو موڑا تو وہ

---

[1] یعنی وہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے والی ہیں۔ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: ''معاویہ رضی اللہ عنہ شام میں کھڑے ہوئے، وہ اس سے پہلے عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما کے امیر تھے، پھر انھوں نے خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کی دعوت دی۔'' الإصابة (٥٦٦/٤)

جنابِ عثمان رضی اللہ عنہ تھے، میں نے ان کا چہرہ رسول اللہ ﷺ کی طرف کر دیا اور کہا کہ اے اللہ کے رسول! یہ بندہ؟ فرمایا: ہاں بالکل، یہی بندہ ہے۔ اس بات پر اہلِ شام نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اتفاق کر لیا، اور خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کے معاملے میں ان کی بیعت کر لی جبکہ وہ خلافت کی تمنا بھی نہیں رکھتے تھے بلکہ وہ اس معاملے کو شوریٰ پر چلانا چاہتے تھے۔[1]

[**112**] صالح بن کیسان نے بیان کیا: جب معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہلِ شام کو زبیر وطلحہ رضی اللہ عنہما کے قتل کی خبر پہنچی اور بصرہ پر علی رضی اللہ عنہ کے آنے کی خبر ملی تو انھوں نے اہلِ شام کو بذریعہ شوریٰ قصاصِ عثمان رضی اللہ عنہ اور قتال کی دعوت دی، تو لوگوں نے ان کی بیعت کر لی،[2] امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک امیر کی حیثیت سے قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ کے ایک سال یا زیادہ عرصے بعد نکلے، ادھر سے علی رضی اللہ عنہ بھی نکل پڑے یہاں تک کہ صفین میں ان دونوں کا آمنا سامنا ہوا۔[3]

[**113**] اس روایت کو ابن دیزیل نے اپنی کتاب "صفین" میں روایت کیا ہے اور اسی طرح یہ "تاریخ دمشق" میں بھی موجود ہے۔ ابن دیزیل نے اس روایت کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ابن شہاب زہری روایت کرتے ہیں: جب معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہلِ شام کو زبیر وطلحہ رضی اللہ عنہما کے قتل کی خبر پہنچی اور بصرہ پر علی رضی اللہ عنہ کے آنے کی خبر ملی تو انھوں نے اہلِ شام کو بذریعہ شوریٰ قصاصِ عثمان رضی اللہ عنہ اور قتال کی دعوت دی، تو اہلِ شام نے ایک امیر کی حیثیت سے ان کی بیعت کر لی، اس پر جنابِ علی رضی اللہ عنہ تقریباً قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ کے چودہ ماہ بعد اہلِ عراق کے ساتھ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہلِ شام کی سرکوبی کے لیے نکلے۔[4]

---

[1] وقعة صفين (ص:۸۱- ۸۲) شواہد کی بنا پہ صحیح ہے۔

[2] جنگِ جمل کے بعد انھوں نے خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص اور قتال کے لیے اپنے امیر کے ہاتھ پر بیعت کی۔

[3] أنساب الأشراف للبلاذري (۳۰۰/۲) شواہد کی بنا پہ صحیح ہے۔ روایت [رقم: ۱۱] میں اس کے شواہد کا ذکر ہو چکا ہے۔ امیر المومنین علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے خروجِ صفین میں راجح تاریخ کا ذکر آئندہ روایت میں آ رہا ہے۔ اس کی سند مرسل ہے۔ ابن جعدبہ کے علاوہ باقی رواۃ ثقہ ہیں۔ میں اس کی شخصیت کا حتمی فیصلہ نہیں کر سکا، سابقہ دو روایات میں ان کی متابعت ہوئی ہے، صالح بن کیسان نے ان کا زمانہ نہیں پایا۔

[4] تاریخ دمشق (۱۲۶/۵۹)، کتاب "صفین" از ابن دیزیل (رقم: ۵۵) روایت شواہد کی بنا پہ ٹھیک ہے سوائے (چودہ مہینوں کے) الفاظ کے۔ راجح بات یہ ہے کہ یہ گیارہ مہینے ہیں، کیونکہ عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل ۳۵ھ میں بارہ ذی الحجہ میں ہوا، علی رضی اللہ عنہ کا صفین کے لیے نکلنا ۳۶ھ میں شوال کے آخر میں تھا۔ دیکھو: (ص: ۳۶۰) اور وفاتِ عثمان رضی اللہ عنہ کی تاریخ کے لیے مسند أحمد (٥٤٦) روایت ملاحظہ ہو۔ شعیب ارناؤط نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ ←

[114] ابن شہاب زہری سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہلِ شام کی سرکوبی کے لیے نکلے۔ ادھر سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اہلِ شام کے ساتھ نکل پڑے یہاں تک کہ ان دونوں نے صفین میں ایک دوسرے کا سامنا کیا اور شدید قسم کی لڑائی ہوئی، امت نے اس سے پہلے ایسی شدید جنگ نہیں دیکھی۔[1]

[115] زہری بیان کرتے ہیں: قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد چھے ماہ کے اندر اندر سیدنا علی رضی اللہ عنہ سارے اہلِ عراق پر غالب آ گئے، جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کے قتل کی خبر، اہلِ بصرہ کی شکست اور علی رضی اللہ عنہ کے ان پر غالب آنے کی خبر پہنچی، تو انھوں نے اہلِ شام کو قصاصِ عثمان رضی اللہ عنہ اور قتال کی دعوت دی، تو اہلِ شام نے خلیفہ کے بجائے فقط ایک امیر کی حیثیت سے ان کی بیعت کر لی، اس پر علی رضی اللہ عنہ تقریباً قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ کے چودہ ماہ بعد اہلِ عراق کے ساتھ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہلِ شام کی سرکوبی کے لیے نکلے، ادھر سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اہلِ شام کے ساتھ نکل پڑے یہاں تک کہ ان دونوں نے صفین میں ایک دوسرے کا سامنا کیا اور شدید قسم کی لڑائی ہوئی۔ امت نے اس سے پہلے ایسی شدید جنگ نہیں دیکھی، عراقی لشکر نے اہلِ حمص پر غلبہ پا لیا، ان میں عبیداللہ بن عمر بن خطاب، ذو الکلاع، حوشب اور حابس بن سعد طائی شامل

← اس واقعے میں جو شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے تین، چار یا پانچ مہینے بعد کی روایات آتی ہیں تو ان میں جنگِ صفین کا ذکر ہے، دونوں لشکروں کا سامنا ۳۶ھ میں ذی الحجہ کے ابتدائی دنوں میں ہوا تھا، یہاں تک کہ ۳۷ھ صفر میں انھوں نے صلح پر اتفاق کر لیا۔

اس کی سند مرسل ہے، سارے راوی ثقہ ہیں اور رواۃ الشیخین ہیں سوائے یحییٰ جعفی کے یہ رجالِ بخاری میں سے ہے، اور صدوق ہے مگر خطا کرتا ہے۔ دیکھیے: موارد ابن عساکر في تاريخ دمشق (۳۹۸/۱)

تخریج: امام ذہبی نے اس کو تاريخ الإسلام (۵۳۹/۳)، الخلفاء الراشدين (ص: ۲۶۲)، سير أعلام النبلاء (۱۴۰/۳) میں یونس بن یزید سے اسی سند سے مختصر یہاں تک روایت کیا ہے: (أميرا غير خليفة)

بلاذری نے اس کو أنساب الأشراف (۳۲۷/۲) میں روایت کیا اور کہا: مجھے احمد بن ابراہیم دورقی نے بیان کیا، ہمیں وہب بن جریر بن حازم نے روایت کیا، ہمیں میرے باپ نے نعمان بن راشد سے بیان کیا، انھوں نے زہری سے اسی کی مثل روایت کی، اس کے بعد انھوں نے ایک قصہ نقل کیا جو شدید منکر ہے۔ نعمان: صدوق اور خراب حافظے والا راوی ہے۔

[1] بغية الطلب في تاريخ حلب (۳۱۹/۱)، كتاب صفين لابن ديزيل (رقم: ۵۶)، میری تحقیق کے مطابق۔ موارد ابن عساکر في تاريخ دمشق (۳۹۸/۱)

تھے، اہلِ شام نجدی مقتولین پر غالب ہوئے، ان میں عمار بن یاسر، ہاشم بن عتبہ بن وقاص اور بدیل خزاعی کے دو بیٹے تھے۔[1]

[116] شعبی بیان کرتے ہیں کہ جب عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا تو ام حبیبہ رملہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا نے جنابِ عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ کپڑے جن میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا وہ میری طرف بھیج دیں، تو انھوں نے وہ قمیص جو خون میں لت پت تھی وہ بھیج دی اور ایسے ہی وہ بال جو ان کی داڑھی سے کھینچے گئے تھے، ان بالوں کو قمیص کی بٹن والی جگہ میں باندھ دیا، پھر نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کو بلایا اور وہ لباس اور بال دے کر جنابِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف بھیج دیا تو ان کا خط اور قمیص امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تک پہنچ گئے، پھر وہ منبر پر چڑھے لوگوں کو جمع کیا اور ان کی قمیص کو لوگوں کے سامنے ظاہر کر دیا اور جو کچھ ان کے ساتھ بیتا تھا وہ سب کچھ انھیں بیان کیا۔ انھیں قصاص کی دعوت دی تو اہلِ شام کھڑے ہو گئے اور انھوں نے دعویٰ کیا کہ وہ آپ کے چچا کے بیٹے تھے، آپ ہی ان کے ولی ہیں اور ہم آپ کے ساتھ ہی ان کے قصاص کا مطالبہ کرتے ہیں، پھر اہلِ شام نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔[2]

---

[1] تاریخ دمشق (۵۹/۱۲۶- ۱۲۷) روایت شواہد کی بنا پہ صحیح ہے، [رقم: ۱۱] کے تحت اس کے شواہد کا ذکر ہو چکا ہے۔ امام ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباري (۱۳/۸۵) میں اس کو روایت کیا ہے اور کہا: ''اس کو یعقوب بن سفیان نے زہری سے جید سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور کہا جب معاویہ رضی اللہ عنہ پہنچے ......۔'' پھر اس کو مختصر ذکر کیا۔ دیکھیں: موارد ابن عساکر في تاریخ دمشق (۱/۱۲۷) حجاج: ابن یوسف بن ابی منیع عبیداللہ بن ابی زیاد رصافی، ثقہ ہے۔ التقریب (۱۱۳۸) اور اس کا دادا عبیداللہ: صدوق ہے۔ التقریب (٤٢٩١)

[2] تاریخ دمشق (۵۹/۱۲۲) اس کے بعض جزء شواہد کی بنا پہ صحیح ہیں۔ اس سند میں مجالد راوی حافظے کے اعتبار سے ضعیف ہے، اس کا بیٹا اسماعیل: صدوق ہے کبھی غلطی کر جاتا تھا۔ باقی رواۃ ثقہ ہیں اور رواۃ الشیخین ہیں۔ دیکھیے: موارد ابن عساکر في تاریخ دمشق (۳/۱٦۱٦)

شواہد: روایت کا دوسرا حصہ: ''اہلِ شام کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے بلایا'' یہ دوسری روایات کی بنیاد پر صحیح ہے۔ قمیصِ عثمان رضی اللہ عنہ کے قصے میں مجھے مجالد کی سند سے مضبوط روایت نہیں ملی۔ یہ روایت قرائن کی بنا پہ مقبول ہے، مورخین کا اس کو مستدل بنانا، نکارت کا نہ ہونا، قرائن کا پایا جانا یہ چیزیں اس کو مضبوط بناتی ہیں۔ (خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینا اور نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کا ان کی قمیص لے کر شام جانا اور معاویہ رضی اللہ عنہ سے مدد طلب کرنا ایک بدیہی امر ہے۔)

ابومخنف، نصر بن مزاحم اور واقدی نے ان روایات میں اپنی طرف سے منکر زیادات کا اضافہ کیا ہے، لیکن مجالد نے شعبی سے اس روایت کو صحیح نقل کیا ہے۔

تخریج: ذہبی نے اس کو سیر أعلام النبلاء (۳/۱۳۹) میں مجالد سے روایت کیا ہے۔

روایت کے آخری الفاظ: ''تو لوگوں نے ان کی بیعت کر لی'' ان کا تعلق سابقہ الفاظ: ''اس پر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو قصاصِ عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے بلایا'' سے ہے، یعنی لوگوں کی بیعت خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینے اور قتال پر تھی، نہ کہ خلافتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے، جیسا کہ سابقہ روایات سے واضح ہے۔

[**117**] ابن ابی سبرہ نے کہا، مجھے عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم نے خبر دی: عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو گورنر مقرر کیا...، جب عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا گیا تو نائلہ بنت فرافصہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا، اس میں وہ سارے حالات بیان کیے، کیسے ان پر شب خون مارا گیا، انھیں قتل کیا گیا، وہ قمیص جو دورانِ قتل ان کے جسم پر تھی وہ بھی ساتھ بھیج دی، معاویہ رضی اللہ عنہ نے وہ خط شام کے لوگوں کو پڑھ کر سنایا، ان کی قمیص کو سارے شامی لشکر میں پھیرانے کا حکم دیا، اور عثمان رضی اللہ عنہ کے حالات بیان کیے گئے، جو کچھ ان کے ساتھ پیش آیا اور ان کی حرمت کو پامال کیا گیا یہ سب کچھ بیان کیا، لوگوں کو ان کے قصاص کا شوق دلایا گیا، تو لوگوں نے قصاصِ عثمان رضی اللہ عنہ کے مسئلے میں ان کی بیعت کر لی، ......[1] الخبر

اس روایت سے یہ امر واضح ہے کہ اہلِ شام کی بیعت خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کے لیے تھی اور ایک ایسے امیر کے لیے تھی جو خلیفہ نہ تھا۔ اگر ہم ایسے فرض کر لیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ کی خبر مقتل سے ایک یا دو مہینے بعد پہنچی تھی تو یہ بیعتِ قتال جنگِ جمل سے پہلے کا واقعہ ہے، کیونکہ جنگِ جمل شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے چھے مہینے بعد جمادی الاخریٰ کے درمیان میں ہوئی تھی۔[2]

اس روایت کی توجیہ یہ ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ قمیصِ عثمان رضی اللہ عنہ کی مشہوری میں مصروف ہوں گے جب انھیں جنگِ جمل کی خبر ملی، تو انھوں نے اہلِ شام کو قصاص کے لیے جمع کیا، پھر لوگوں نے ان کی بات مان لی۔ جب معاویہ رضی اللہ عنہ کو جنگِ جمل کی خبر ملی تو وہ چوکنے ہو گئے کہ آیندہ جنگ اسی پر ہو گی، اسی لیے انھوں نے لوگوں کو خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص اور قتال کے لیے بلایا تو لوگوں نے ان کی پکار پر لبیک کہا۔

---

[1] الجزء المتمم للطبقات الكبرى، (ص: ١٣٣ - ١٤٠) الطبقة الرابعة، بتحقيق سلومي، یہ روایت شواہد کی بنا پہ ٹھیک ہے، اس کی سند کمزور اور منقطع ہے۔ محمد بن عمر: یہ واقدی ہے اور متروک الحدیث ہے۔
تخریج: ابن عساکر (۵۹/ ۱۱۷- ۱۱۹) نے اسے ابن سعد کی سند سے روایت کیا ہے۔ امام ذہبی نے اس کو سير الخلفاء الراشدين (ص: ٢٦٠، ٢٧٣) میں اجزاء میں بیان کیا ہے۔ سير أعلام النبلاء (١٣٧/٣)، تاريخ الإسلام (٥٥٢/٣) میں واقدی کی سند سے منقول ہے۔ ضعيف تاريخ الطبري (٨٤٨/٨)

[2] تاريخ خليفة (ص: ١٨٤- ١٨٥) دکتور خالد الغیث نے اپنی کتاب "استشهاد عثمان رضی اللہ عنہ ووقعة الجمل" میں اس کو راجح کہا ہے۔

اس بات کا بھی احتمال ہے کہ انھوں نے جنگِ جمل سے پہلے ہی لوگوں کو قصاص کے لیے بلایا ہو، لوگوں نے ان کی موافقت کی ہو، پھر جنگِ جمل کہ مزید تاکید کے لیے ان کو دوبارہ سے جمع کیا ہو، یہ ایک بعید احتمال ہے، سابقہ روایات اس کی اجازت نہیں دیتیں۔

[118] ہمیں زکریا بن عدی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عبیداللہ بن عمرو نے عبداللہ بن محمد بن عقیل[1] سے روایت کی کہ انھوں نے کہا: امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ ۳۵ھ میں قتل ہوئے۔ اس کے بعد پانچ سال جنگ و جدال کے رہے، ان پانچ سالوں میں سے چار مہینے جنابِ حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت میں گزرے، پھر ۴۰ھ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اتفاق ہو گیا۔[2]

یہ ہاشمی خاندان سے اس بندے کی گواہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد عقیل اور جنابِ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں۔

[119] ہمیں ابوعمیر نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ضمرہ[3] نے بیان کیا: امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت ۴۰ھ میں بیت المقدس میں ہوئی، اور ۶۰ھ میں ان کی وفات ہوئی۔[4]

[120] ہمیں ابن بکیر نے لیث بن سعد سے بیان کیا کہ انھوں نے کہا: امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت ایلیاء شہر میں رمضان میں ہوئی اور ۴۰ھ میں وہ کوفہ داخل ہوئے۔[5]

---

[1] عبداللہ بن محمد بن عقیل بن ابی طالب، ابومحمد ہاشمی، طالبی، مدنی۔ ان کی والدہ کا نام: زینب صغریٰ بنت علی بن ابی طالب تھا۔ ان کا شمار اہلِ علم اور عبادت گزاروں میں ہوتا ہے۔ ابن حجر نے ان کو صدوق اور حدیث میں کمزور کہا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ آخری عمر میں ان کا حافظہ متغیر ہو گیا تھا۔ سیر أعلام النبلاء (٦/٢٠٤) التقريب (٣٥٩٢)

[2] العلل ومعرفة الرجال (٤٦٥٤) درست بات یہ ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح ۴۱ھ کا واقعہ ہے۔ اس روایت کے راوی ثقات ہیں اور رجال الشیخین ہیں سوائے عبداللہ بن محمد بن عقیل کے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے "الأدب المفرد" میں ان سے روایات لی ہیں، صدوق اور حدیث میں کمزور آدمی تھے۔

تخریج: اس روایت کو ابوبکر بن عاصم نے الآحاد والمثاني (٤٩٦) میں مختصر ذکر کیا ہے۔ ہمیں محمد بن مصفی نے بیان کیا، ہمیں بقیہ بن ولید نے بیان کیا، ہمیں عبیداللہ بن عمرو نے بیان کیا، وہ عبداللہ بن محمد بن عقیل سے بیان کرتے ہیں: انھوں نے کہا: معاویہ رضی اللہ عنہ پر امت کا متفق ہونا ۴۰ھ کا واقعہ ہے۔

[3] مطبوعہ نسخے میں یہاں "ابوضمرہ" کی طرف تصحیف ہوئی ہے۔

[4] الآحاد والمثاني (٤٩٧) ابوعمیر: عیسیٰ بن محمد بن اسحاق بن النحاس الرملی: ثقہ۔ ضمرہ: ابن ربیعہ ابوعبداللہ الرملی: صدوق ہے، تھوڑا بہت وہم کر جاتا تھا۔

[5] المعرفة والتاريخ (٣/٣١٨) اس روایت کے راوی ثقات ہیں اور رجال الشیخین ہیں۔

←

خطیب نے یہ روایت ذکر کرنے کے بعد اس پر تبصرہ کیا: اس روایت میں اہلِ شام کی بیعت کا ذکر ہے جو انھوں نے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی شہادت پر کی تھی۔ تب ۴۰ھ کا زمانہ تھا، ان کا کوفہ میں داخل ہونا اور جنابِ حسن بن علی رضی اللہ عنہما[1] کے ساتھ متفق ہونا، ۴۱ھ کا واقعہ ہے۔[2]

[**121**] شرحبیل بن سعد کہتے ہیں: حسن بن علی رضی اللہ عنہما تقریباً آٹھ مہینے ٹھہرے رہے، انھوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی، اس سال (۴۰ھ) لوگوں کو مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے بغیر کسی کو امیر قائم کیے حج کروایا اور تب وہ طائف میں تھے، جب حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے اختیارات سپرد کیے تو ۴۱ھ میں جمادی الاولیٰ نصف کا زمانہ تھا، تو لوگوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی، اس وقت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی عمر چھیاسٹھ (۶۶) سال سے دو مہینے کم تھی۔

ابن عبدالبر کا کہنا ہے: مسلمانوں کے آپس میں اتفاق ہونے میں یہ سب سے صحیح ترین روایت ہے یعنی ۴۱ھ۔ اصحابِ سیر و رجال اور اہلِ علم کی ایک بڑی جماعت کا یہی موقف ہے، جو اہلِ علم اس معاملے میں ۴۰ھ کے قائل ہیں تو ان کو وہم ہوا ہے، یہ بات علم کی بنیاد پر نہیں ہے۔ واللہ أعلم.[3]

← ابن بکیر یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر ابو زکریا مخزومی کے مولا، المصری۔ اس روایت کو خطیب (۲۲۴/۱) نے، ابن عساکر (۱۴۶/۵۹) نے یعقوب کی سند سے روایت کیا ہے۔ دیکھیے: موارد الخطیب في تاریخه (ص: ۱۳٤) موارد ابن عساکر في تاریخ دمشق (۱۲۷/۱)

[1] دکتور بشار کی طبع میں اس کے الفاظ کچھ یوں ہیں: ''ان کا کوفہ داخل ہونا اور حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا ان کی بیعت کرنا ....''

[2] تاریخ بغداد (۲۲٤/۱) اس روایت کو ابن عساکر (۱۴۶/۵۹) نے خطیب سے نقل کیا ہے۔ ان کی روایت کے الفاظ وہی ہیں جو بشار کے ہیں۔

[3] الاستیعاب (۳۸۷/۱) روایت شاہد کی بنا پہ صحیح ہے، سوائے اس میں مغیرہ رضی اللہ عنہ کے تذکرہ کے، اس کا کوئی شاہد نہیں ملا۔ اس کے بارے خامشی ہے اور ان الفاظ کے سوا: ''تب معاویہ رضی اللہ عنہ کی عمر دو ماہ، چھیاسٹھ سال تھی۔'' یہ ایک مرجوح بات ہے۔ بیعت کے وقت ان کی عمر باسٹھ سال کے لگ بھگ تھی، اور ''جمادی الاولیٰ'' کے سوا، یہ بھی مرجوح بات ہے، راجح یہ ہے کہ ربیع الاول کا مہینہ تھا، [رقم: ۱۲۴] روایت دیکھو، اس کی تفصیل (صفحہ: ۲۸۷) پر آئے گی۔

اس کی سند سخت ضعیف ہے۔ احمد: ابن محمد بن الحجاج بن رشدین مصري، ضعیف ہے۔ یحییٰ بن سلیمان: جعفی، صدوق کبھی غلطی کر جاتا تھا، حسن بن زیاد: لولوی، دارقطنی وغیرہ نے اس کو کذاب کہا۔ ابو معشر: نجیح بن عبدالرحمان السندی، ضعیف، کبر سنی میں اختلاط کا شکار ہوئے۔ شرحبیل بن سعد: صدوق، آخری عمر میں اختلاط ہو گیا تھا۔

خلف: ابن القاسم بن سہل، ابو القاسم ابن الدباغ ازدی اندلسی۔ سیر أعلام النبلاء (۱۱۳/۱۷، ۲٤۱)

عبداللہ: ابن محمد بن عبداللہ بن ناصح دمشقی فقیہ شافعی، ابو احمد، جو ابن المفسر کے نام سے معروف ہے۔ سیر أعلام النبلاء (۲۸۲/۱٦)

←

[122] ہمیں سعید بن یحییٰ[1] نے عبداللہ بن سعید[2] سے بیان کیا، وہ زیاد بن عبداللہ[3] سے روایت کرتے ہیں، وہ ابن اسحاق[4] سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا[5]: ۴۱ھ میں، ربیع الاول کے مہینے میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت ہوئی، اور ایک یہ بھی کہا گیا ہے: معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے قتل[6]

← **شواہد:** روایت کے یہ الفاظ: ''حسن بن علی رضی اللہ عنہ تقریباً آٹھ مہینے ٹھہرے رہے، انھوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی۔'' اور یہ الفاظ: ''جب حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے اختیارات سپرد کیے تو ۴۱ھ میں جمادی الاولیٰ نصف کا زمانہ تھا۔''
ان الفاظ کی شاہد امام حاکم کی وہ روایت ہے جو انھوں نے شروطِ امام بخاری رحمہ اللہ کے مطابق صحیح سند کے ساتھ روایت کی ہے، اس میں یہ الفاظ آتے ہیں: ''پھر حسن رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی، اور اختیارات ان کے سپرد کر دیے، بعض شروط اور معاہدوں پر ان سے صلح کر لی، اس موقع پر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو بے بہا مال دیا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ پچاس کروڑ دینار تھے، یہ ۴۱ھ میں جمادی الاولیٰ کا واقعہ ہے، اس سے پہلے وہ تقریباً سات مہینے گیارہ دن خلیفہ رہے۔''
[رقم: ۵٦٨] روایت ملاحظہ ہو۔

1. سعید بن یحییٰ بن سعید بن ابان بن سعید بن عاص بن سعید بن عاص بن امیہ قرشی اموی، ابو عثمان بغدادی، ثقہ ہیں، کبھی کبھار خطا کھا جاتے تھے۔ التقريب (٢٤١٥)
2. عبداللہ بن سعید بن ابان بن سعید بن عاص بن سعید بن عاص بن امیہ قرشی اموی، ابو محمد کوفی لغوی، نزیلِ بغداد، سعید بن یحییٰ جو ان سے روایت کرتے ہیں ان کے چچا تھے، خطیب نے ان کو ثقہ کہا ہے۔ علمِ نحو، لغت اور تاریخ میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے۔ تاريخ بغداد (٤٧٧/٩)
3. ابو محمد، زیاد بن عبداللہ بن طفیل عامری، بکائی، کوفی، راوی (السیرۃ النبویہ) ابن اسحاق: صدوق، مغازی میں ان کی روایت ثابت ہے۔ ابن اسحاق کے سوا باقیوں سے روایت میں کمزور ہیں۔ یہ بات ثابت نہیں ہے کہ وکیع نے ان کی تکذیب کی ہے، صحیح بخاری میں ایک جگہ ان کی متابعت ہے۔ سير أعلام النبلاء (٥/٩) التقريب (٢٠٨٥)
4. محمد بن اسحاق بن یسار، ابو عبداللہ، قرشی، مطلبی، ان کے مولیٰ، المدنی، امام المغازی، صاحبِ السیرۃ النبویہ، انھوں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں دیکھا تھا۔ صدوق راوی ہیں مگر تدلیس کرتے تھے۔ ان پر تشیع اور قدری ہونے کا الزام بھی ہے۔ التقريب (٥٧٢٥)
5. یہاں کچھ الفاظ کی کمی ہے: ''معاویہ رضی اللہ عنہ کوفہ میں داخل ہوئے۔'' جیسا کہ یہ روایت خطمی نے بیان کی ہے: (آئندہ روایت ملاحظہ ہو) اس روایت میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے کوفہ میں داخل ہونے اور ان کی بیعت خلافت کا ذکر ہے، رہا اہلِ شام کا ان کی بیعت کرنا تو یہ ایلیاء میں ۴۰ھ کا واقعہ ہے۔
6. تاريخ بغداد (٢٢٤/١) اس کو ابن عساکر (۵۹/ ۱۴٦) نے خطیب کی سند سے روایت کیا ہے، یہ روایت مقبول ہے۔
ان کا قول: ''معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے قتل سے پہلے ہی ہو گئی تھی۔'' تاریخ بغداد کا وہ مطبوعہ نسخہ جس پر میرا اعتماد ہے اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں، نہ ہی دکتور بشار عواد کے نسخے میں یہ الفاظ ہیں۔ (۱/ ۵۵۷)
دیکھیے: موارد الخطيب في تاريخه (ص: ۱۵۹) موارد ابن عساكر في تاريخه (١٦٥/١) تاريخ الخلفاء از ابن ابی الدنیا، مفقود لوگوں میں اس کا شمار ہے۔ ←

سے پہلے ہی ہوگئی تھی۔ ایک اَور قول ایسے ہی صیغۂ تمریض "قیل" کے ساتھ نقل ہوا ہے، جو اس کے ضعیف ہونے کی دلیل ہے۔

[123] محمد بن اسحاق بیان کرتے ہیں: سیدنا حسن اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کا صلح کرنا، معاویہ رضی اللہ عنہ کا کوفہ میں داخل ہونا، یہ سارے ربیع الاول ۴۱ھ کے واقعات ہیں۔[1]

[124] محمد بن اسحاق کہتے ہیں: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا کوفہ داخل ہونا، لوگوں کا ان کے ہاتھ پہ خلافت کے لیے بیعت کرنا ربیع الاول ۴۱ھ کا واقعہ ہے۔[2]

[125] ابو الفضل عبیداللہ بن سعد بن ابراہیم زہری[3] نے اس روایت کو محمد بن اسحاق بن یسار کی تاریخ پر اپنی زیادات میں روایت کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ ابوسعد بن ابراہیم نے کہا: جب علی رضی اللہ عنہ کو عراق میں شہید کر دیا گیا تو جنابِ حسن رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ نکلے اور آپس میں صلح کر لی، معاویہ رضی اللہ عنہ ربیع الاول میں کوفہ داخل ہوئے اور اتفاق و اتحاد ہو گیا۔ ربیع الاول ۴۰ھ میں ان کی بیعت ایلیاء میں ہوئی۔[4]

← تخریج: اس روایت کو ابن ابی الدنیا نے "تاریخ الخلفاء" میں اسی سند سے روایت کیا ہے، ایسے ہی یہ روایت "تاریخ دمشق" (۱۴۷/۵۹) میں بھی موجود ہے۔ [ابن اسحاق سے مروی ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت ربیع الاول ۴۱ھ میں ہوئی] وہاں ابن اسحاق کی تصحیف ابن معاویہ سے ہوئی ہے۔

(1) تاریخ دمشق (۲۶۲/۱۳) سابقہ روایت کی طرح یہ بھی مقبول ہے، ابن عساکر نے ابن ابی قیس رفاء اور اشنانی کی روایت میں مختلف فرق ذکر کیے ہیں۔ میں نے ان کو حذف کر دیا ہے اور اشنانی کی روایت پر اعتماد کیا ہے۔

(2) تاریخ دمشق (۱۴۷/۵۹) سابقہ دونوں روایتوں کی طرح یہ بھی مقبول ہے، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کوفہ میں داخل ہونے کے بارے راجح روایت یہی ہے۔ علی بن محمد بن خالد بن بیان، ابو الحسن مطرز، امام دارقطنی نے کہا ہے: اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ تاریخ بغداد (۶۲/۱۲)، مزید دیکھیے: موارد ابن عساکر في تاریخ دمشق (۱۷۳/۱)

(3) عبیداللہ بن سعد بن ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمان بن عوف زہری، ابو الفضل بغدادی، ثقہ: خ، د، س۔ متوفی ۲۶۰ھ۔ التقریب (۴۲۹۴)

(4) تاریخ دمشق (۱۴۸/۵۹) روایت کے راوی ثقہ ہیں۔ اس سلسلے میں درست موقف ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ اہلِ شام کی بیعت ۴۰ھ میں ایلیاء میں ہوئی اور حسن رضی اللہ عنہ نے ۴۱ھ میں بیعت کی۔ یہ اتفاق و اتحاد کا سال ہے۔ [رقم: ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳] روایات ملاحظہ ہوں۔

یہ روایت ان زیادات سے نقل ہوئی ہے جو عبیداللہ بن سعد نے تاریخ ابن اسحاق پہ کی ہیں، تاریخ ابن اسحاق کا نسخہ مفقود ہے۔ ابن عساکر کے پاس اس کا ایک نسخہ تھا جس کے ساتھ زیادات عبیداللہ بن سعد بھی تھیں، ان زیادات کو ابن عساکر نے ام البھاء فاطمہ بنت محمد بغدادیہ سے سنا تھا۔ مزید دیکھیے: موارد ابن عساکر في تاریخ دمشق (۱۰۳/۱، ۱۲۵)

[126] میں نے ابومسہر کو سنا، انھوں نے یہ روایت مجھے املاء کروائی: ۴۰ھ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت ہوئی، یہی اتفاق و اتحاد کا سال ہے۔ انھوں نے بیس سال سے کچھ مہینے کم حکومت کی، ابومسہر کا کہنا ہے کہ وہ ۶۰ھ میں فوت ہوئے۔[1]

یہ ساری روایات ثابت کرتی ہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ہی ہوئی ہے۔ اہلِ شام نے ایلیاء میں ۴۰ھ میں ان کی بیعت کی، پھر حسن رضی اللہ عنہ نے ۴۱ھ میں ان کی بیعت کر لی۔

[127] ابن جریر طبری بھی اسی موقف کی طرف گئے ہیں۔ ۴۰ھ کے واقعات میں انھوں نے لکھا ہے کہ اس سال ایلیاء مقام پہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت ہوئی، یہ بات مجھے موسیٰ بن عبدالرحمان نے بیان کی، کہتے ہیں کہ ہمیں اسماعیل بن راشد نے خبر کی: اس سے پہلے شام میں معاویہ رضی اللہ عنہ کو امیر ہی کہا جاتا تھا۔

[128] اس کے بعد ابن جریر طبری نے کہا: مجھے ابومسہر سے بیان کیا گیا، وہ سعید بن عبد العزیز سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: علی رضی اللہ عنہ کو عراق میں امیر المومنین کہا جاتا تھا، اور معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام میں امیر کہا جاتا تھا، جب علی رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا تو معاویہ رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین کہا جانے لگا۔[2]

ابن کثیر رحمہ اللہ نے امام طبری کے اس قول پہ تبصرہ کیا: کہتے ہیں کہ ابن جریر نے کہا: جس سال علی رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو ایلیاء میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت منعقد ہوئی، اہلِ شام کھڑے ہوئے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پہ بیعت کی، کیونکہ اب کوئی بھی ان کا مقابل و مخالف باقی نہ رہا تھا۔[3]

ابن کثیر رحمہ اللہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے مزید کہا: صحیح بات وہی ہے جو ابن اسحاق اور جمہور نے کی ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے بیعتِ خلافت رمضان ۴۰ھ میں ہوئی، جب اہلِ شام کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا علم ہوا۔[4]

---

[1] تاريخ أبي زرعة الدمشقي (ص: ۱۹۰) سابقہ حاشیے میں اس بارے درست موقف دیکھیں۔
تخریج: ابن عساکر (۵۹/ ۱۴۸) نے اس کو ابو زرعہ کی سند سے روایت کیا ہے۔ ابو زرعہ نے اس کو اختصار کے ساتھ اپنی تاریخ میں (ص: ۵۹۶) کے تحت روایت کیا ہے۔

[2] تاريخ الطبري (۳/ ۱٦٦) روایت شواہد کی بنا پر صحیح ہے۔ ابن ابی خیثمہ کی روایت میں [رقم: ۱۰۶] کے تحت موصولاً گزر چکی ہے۔

[3] البداية والنهاية (۸/ ۱۷)

[4] البداية والنهاية (۸/ ۱۳۹)

[129] سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عراق کے ایک گروہ نے حضرت امیر معاویہ، عمرو بن عاص اور حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہم کو قتل کرنے کا معاہدہ کیا اور پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعتِ خلافت کے بعد یہ ایلیاء میں جمع ہوئے اور انھوں نے سحر کی نماز پڑھی جتنی ان کے مقدر میں تھی، پھر مسجد میں موجود چند شامیوں سے اس وقت کے متعلق پوچھا جس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اکیلے ہوتے ہیں۔ مزید یہ کہا: ہم اہلِ عراق میں سے ہیں اور ہم بہت زیادہ مقروض ہوگئے ہیں، چاہتے ہیں کہ امیر المومنین سے اس بارے میں بات کریں اور ایسے وقت میں بات کریں جب وہ فارغ ہوں، تو لوگوں نے انھیں کہا: ذرا ٹھہر جاؤ، تھوڑی دیر کے لیے جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی سواری پر سوار ہوں تو ان کے پاس جا کر گفتگو کر لینا، کیونکہ پھر وہ آپ کے لیے رُک جائیں گے یہاں تک کہ تم ان کی بات سے فارغ ہو جاؤ۔ پھر انھوں نے اس میں جلدی کی جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ فجر کی نماز کے لیے نکلے اور تکبیر کہی، جب انھوں نے پہلا سجدہ کیا تو ان میں سے ایک بندہ محافظ کی پیٹھ پر چڑھا جو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور اس کے درمیان سجدے میں پڑا ہوا تھا اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی سرین پہ وار کیا، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پیچھے ہوئے[1] اور لوگوں سے کہا: اپنی نماز مکمل کرو، پھر بندے کو پکڑ لیا اور اسے باندھ دیا گیا۔

پھر معاویہ رضی اللہ عنہ داخل ہوئے، ان کے لیے طبیب منگوایا گیا۔ طبیب نے ان سے کہا: اگر یہ خنجر زہر آلود نہیں تھا تو پھر آپ کے بارے کوئی خاص پریشانی نہیں، اس طبیب نے اپنی جڑی بوٹیاں تیار کیں جو زہر خوریدہ زخمیوں کو پلائی جاتی ہیں، پھر ان کے کسی نوکر کو حکم دیا کہ وہ ان کو یہ پلائے، تاکہ وہ زبان کلام سے عاجز آنے سے پہلے اس کو چاٹ لیں۔ پھر اس نے خنجر کو چاٹا تو اسے زہر آلود نہ پایا تو اس نے "اللّٰہ أکبر" کہا، اور وہاں موجود دوسرے لوگوں نے بھی "اللّٰہ أکبر" کہا تو خارجہ[2] (جو بنو عدی قبیلے میں سے تھے) باہر لوگوں کی طرف نکلے، انھوں نے کہا: یہ بہت بڑا معاملہ ہے لیکن امیر المومنین بخیر وعافیت ہیں، انھوں نے "الحمد للّٰہ" کہا اور لوگوں کو سمجھانے لگے۔ پھر باقی ماندہ خارجی ان پر تلواروں کے ساتھ جھپٹ پڑے،

---

[1] یعنی اپنی نماز سے، انھوں نے اپنی نماز توڑی۔

[2] خارجہ بن حذافہ بن غانم قرشی عدوی، شہسواروں میں سے تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ان کو ایک ہزار شہسواروں کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ ان کا تعلق مسلمہ فتح سے تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی مدد کے لیے روانہ کیا تھا، یہ ان کے ساتھ فتح مصر میں شریک تھے، وہیں پہ گھر بنا لیا، یہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے لیے کوتوال کے امیر کی حیثیت سے تھے۔ ان کو عمرو بن بکیر خارجی نے قتل کیا۔ خارجی سمجھتا تھا کہ یہی عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ہیں۔ الإصابة (۲/۲۲۲)

اس بندے پر جسے انھوں نے سمجھا کہ یہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ہیں اور پھر انھوں نے ان کی پیشانی پہ تلوار ماری اور انھیں قتل کر دیا، پھر لوگوں نے اس خارجی پر کپڑا پھینکا اور اس پر جمع ہو گئے یہاں تک کہ اسے پکڑ لیا اور باندھ دیا۔ تیسرے بندے نے تلوار نکالی اور مسجد والوں پر حملہ کر دیا، لوگ بکھرے اور بھاگ گئے، مگر وہ نہیں بھاگا، سعید بن مالک بن شہاب[1] وہیں کھڑے رہے، انھوں نے ایک برساتی لباس پہنا ہوا تھا، جس کے نیچے ان کی تلوار بندی ہوئی تھی، ہاتھ اس کے دستے پہ تھا۔ انھوں نے اپنا ہاتھ ذرا جھکایا اور لباس میں ڈالا تاکہ وہ تلوار کی ڈوری کھول سکیں لیکن کھول نہیں پائے، یہاں تک کہ وہ خارجی آپ کے پاس پہنچ گیا، اس نے آپ کو بائیں جانب گرا لیا اور پھر حروری نے ایک ضرب ماری، جو آپ کے حلق تک پہنچ گئی، پھر سعید نے تلوار کھینچی۔ انھوں نے اور خارجی نے ایک ایک دفعہ ضرب لگائی، حروری خارجی نے آپ کی بائیں آنکھ پر ضرب ماری جس سے آپ کی آنکھ ضائع ہو گئی اور سعید نے اس کو جو تلوار ماری تو اس سے وہ دائیں جانب گر گیا اور اس کی تلوار بھی گر گئی۔ پھر حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے اس پر تلوار لہرائی اور قتل کر دیا۔

حضرت سعید رضی اللہ عنہ زخمی ہو گئے، ان کو زخمی حالت میں ہی اٹھایا گیا، پھر تیس دن تک ان کا علاج چلتا رہا لیکن وہ پھر فوت ہو گئے اور وہ اپنے پاس آنے والوں کو بتاتے تھے کہ اللہ کی قسم! اگر میں چاہتا تو لوگوں کے ساتھ ہی بھاگ جاتا، لیکن مجھے یہ اچھا نہیں لگا کہ میں بھاگ جاؤں اور میرے پاس تلوار بھی ہو، پھر کلب قبیلے کا ایک شخص اس بندے کے پاس آیا جس نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خنجر مارا تھا اور کہا: اس نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو زخمی کیا ہے، لوگوں نے کہا: جی اسی بندے نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مارا تھا تو اس نے اپنی تلوار نکالی اور اس بندے کی گردن اڑا دی، پھر اس کلبی کو پکڑ کر جیل میں ڈال دیا گیا۔ لوگوں نے کہا: تو نے اپنے اوپر الزام لے لیا ہے۔ اس نے کہا: میں نے اس کو اللہ کی خاطر غصہ کرتے ہوئے قتل کیا ہے۔ جب اس سے اس بارے میں سوال ہوا تو اس کو بری پا کر چھوڑ دیا گیا۔ بنو عدی بن کعب سے خارجہ کے اولیاء کو ان کا قاتل سپرد کر دیا گیا، انھوں نے اس بندے کے ہاتھ اور ٹانگیں کاٹ دیں، اور اس کی آنکھوں میں سلائیاں پھیر دی، پھر اسے اٹھایا اور عراق لے گئے، وہ اسی طرح ایک عرصے تک زندہ رہا، پھر اس نے ایک خاتون سے شادی کی اور اس سے ایک بچہ پیدا ہوا، جب انھیں اس بچے کی ولادت کی خبر ہوئی تو کہا: جب خارجہ کے قاتل کو چھوڑ دیا جائے اور اس کی اولاد پیدا ہو تو ہم عاجز آ گئے، پھر انھوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس سلسلے میں مشورہ کیا، انھوں نے اس کے قتل کی اجازت دے دی، پھر انھوں نے اس کو

---

[1] ان کا تعارف مجھے نہیں ملا۔

قتل کر دیا۔ وہ خارجی جس نے خارجہ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا، جب اس کو بتایا گیا کہ تو نے خارجہ رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا ہے تو کہنے لگا: بخدا! میں تو عمرو بن عاص کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ جب حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کو اس کی اس بات کا پتا چلا تو انھوں نے کہا: لیکن اللہ نے خارجہ رضی اللہ عنہ کے قتل کا ارادہ کیا تھا۔[1]

[**130**] یعقوب بن سفیان نے اس کو "المعرفة والتاريخ"[2] میں مختصر بیان کیا ہے اور جیسا کہ "سير أعلام النبلاء" میں ہے کہ ہمیں حجاج ابن ابی منیع نے بیان کیا، مجھے میرے دادا نے زہری سے بیان کیا، وہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ عراق کے تین آدمیوں نے حضرت معاویہ، عمرو بن عاص اور حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہم کو قتل کرنے کا معاہدہ کیا اور پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعتِ خلافت کے بعد یہ ایلیاء میں جمع ہوئے اور انھوں نے سحر کی نماز پڑھی۔ جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ فجر کی نماز کے لیے نکلے اور تکبیر کہی، جب انھوں نے پہلا سجدہ کیا تو ان میں سے ایک بندہ محافظ کی پیٹھ پر چڑھا جو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور اس کے درمیان سجدے میں پڑا ہوا تھا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سرین پہ وار کیا، معاویہ رضی اللہ عنہ پیچھے ہوئے

---

[1] تاریخ دمشق (۵۹/۱۴۳) روایت صحیح لغیرہ ہے، اس کی سند جید ہے۔ حجاج: ابن یوسف، ابن ابی منیع عبیداللہ بن ابی زیاد الرصافی، ثقہ۔ التقریب (۱۱۳۸)، اس کا دادا عبداللہ: صدوق ہے۔ التقریب (۴۲۹۱) حبیب بن مسلمہ: صحابہ کے مختلف مواقف میں ان کا تعارف آئے گا۔ (ص: ۳۲۶)

امام ذہبی نے اس کو سير الخلفاء الراشدين (ص: ۲۸۵) میں مختصر روایت کیا ہے۔ [حجاج ابن ابی منیع نے کہا: ہمیں میرے دادا نے زہری سے بیان کیا، وہ انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: اہلِ عراق میں سے تین لوگوں نے عہد کیا کہ وہ معاویہ، عمرو بن العاص اور حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہم کو قتل کریں گے]۔ تاريخ الإسلام (۳/۶۰۸)

اس روایت کو عبدالرحمان بن عبداللہ بن عبدالحکم نے "فتوح مصر والمغرب" (ص: ۱۳۱) میں بیان کیا ہے: ہمیں عبداللہ بن صالح نے بیان کیا، ہمیں ھقل بن زیاد نے بیان کیا، وہ معاویہ بن یحییٰ صدفی سے، وہ کہتے ہیں کہ مجھے زہری نے بیان کیا: اہلِ عراق کے ایک گروہ نے پکا عہد کیا، ...... پھر مکمل روایت ذکر کی اور سند میں سے انس رضی اللہ عنہ کو گرا دیا۔

عبداللہ: لیث کا کاتب، صدوق، کثیر الغلط، میں نے کتاب "خطبة الحسن ومعاوية رضی اللہ عنہما عند البيعة" (۳۵) میں اس چیز کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ھقل: ثقہ ہے۔ صدفی: ضعیف ہے۔ [رقم: ۱۷۱] روایت کے ضمن میں اس کا تعارف آئے گا۔ یہ روایت مختصر تاريخ دمشق از ابن منظور (۲۵/۴۰) میں بھی موجود ہے۔

خارجہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بارے اختلافات پہ بات ہوگی۔ (ساتویں فصل کی پہلی مبحث اور آئندہ دو روایات ملاحظہ ہوں۔

[2] امکان ہے کہ یہ اختصار امام ذہبی نے کیا ہو، یہ بھی احتمال ہے کہ انھوں نے یعقوب سے روایت ایسے ہی نقل کی ہو۔ والله أعلم.

اور لوگوں سے کہا: اپنی نماز مکمل کرو، پھر بندے کو پکڑ لیا اور اسے باندھ دیا گیا، پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ داخل ہوئے، ان کے لیے طبیب منگوایا گیا۔ طبیب نے ان سے کہا: اگر یہ خنجر زہر آلود نہیں تھا تو پھر آپ کے بارے کوئی خاص پریشانی نہیں۔ اس طبیب نے اپنی جڑی بوٹیاں تیار کیں، پھر اس نے خنجر کو چاٹا تو وہ زہر آلود نہیں تھا، تو اس نے "الله أكبر" کہا، وہاں موجود سارے لوگوں نے "الله أكبر" کہا، اور کہا: امیر المومنین کو کوئی خاص مسئلہ نہیں ہے۔[1]

اس روایت کے کچھ شواہد بھی ہیں۔

[131] مجھے ابو سعید عبدالرحمان[2] اور سلیمان بن عبدالرحمان نے بیان کیا، وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہمیں ولید بن مسلم نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ ہمیں عبدالرحمان بن نمر نے بیان کیا، وہ زہری سے، وہ کہتے ہیں کہ مجھے خالد بن عبداللہ بن رباح سلمی نے خبر دی: جس دن معاویہ رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا گیا، میں نے ایلیاء میں ان کے ساتھ ایک رکعت ادا کی۔ جب معاویہ رضی اللہ عنہ نے رکعت مکمل کی تو ان پہ حملہ ہوا، میں نے ارادہ کیا[3] کہ سجدے سے اپنا سر اٹھاؤں، پھر معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کہا: اپنی نماز مکمل کرو، ہر بندہ کھڑا ہوا اور اپنی نماز مکمل کی، معاویہ رضی اللہ عنہ نے کسی کو آگے نہیں کیا،[4] نہ ہی لوگوں نے ان کو آگے کیا۔[5]

---

[1] المعرفة والتاريخ (٣/٤٠٧- ٤٠٨) طبعة مكتبة الدار بالمدينة المنورة، صحيح لغيره، سابقہ روایت کی مثل اس کی سند بھی جید ہے۔ فضیلۃ الشیخ، محدث دکتور عبدالعزیز بن مرزوق طریفی نے بھی اس کی سند کو جید کہا ہے۔ دیکھیں:
التحجيل في تخريج ما لم يخرج من الأحاديث والآثار في إرواء الغليل از عبد العزيز بن مرزوق الطريفي (ص: ٧٤)
یہ روایت "المعرفة والتاريخ" میں موجود نہیں ہے، طبع موسسہ الرسالہ، البتہ محقق دکتور اکرم ضیاء العمری نے اس کے بعد والی طبع جو مکتبہ الدار مدینہ منورہ سے ہے، اس میں اس روایت کو ساتھ ملایا ہے۔ اور آئندہ روایت اس کی شاہد ہے۔
تخریج الحدیث: امام ذہبی نے اس کو سير أعلام النبلاء (٣/١٤٣) میں یعقوب سے اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اس کے الفاظ مختصر ہیں، دکتور اکرم ضیاء العمری نے بھی روایت وہیں سے نقل کی ہے۔ سابقہ اور آئندہ روایت ملاحظہ ہو۔

[2] القاضی، الامام، الفقیہ، الحافظ، محدث الشام، ابو سعید عبدالرحمان بن ابراہیم بن عمرو بن میمون الدمشقی، ان کا لقب دحیم تھا۔ ابن حجر نے ان کو ثقہ، حافظ اور متقن کہا ہے۔ سير أعلام النبلاء (١١/٥١٥) التقريب (٣٧٩٣)

[3] مطبوعہ نسخے میں ایسے ہے: "فما زاد" "اس نے کوئی اضافہ نہیں کیا۔" جب کہ مثبت "السنن الكبرى للبيهقي" اور "تاريخ دمشق" سے ہے، انھوں نے "الآحاد والمثاني" میں کہا ہے: "و أراد" "اور اس نے چاہا۔"

[4] یہ ان کی فقاہت کی دلیل ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کا قول تخریج میں ملاحظہ ہو۔

[5] المعرفة والتاريخ (١/٤١٣) صحيح لغيره، اس کی سند خالد کی متابعت کے سبب حسن ہے۔ اس کا تعارف عنقریب ذکر ہوگا۔ سلیمان بن عبدالرحمٰن: بن عیسیٰ تمیمی، ابو ایوب دمشقی، یہ شیخین کا راوی ہے۔ صدوق ہے اور غلطیاں کرتا تھا۔ ←

دحیم نے اس کی متابعت کی ہے۔

ولید بن مسلم: ثقہ ہے، شیخین کے رجال میں سے ہے لیکن یہ تدلیسِ تسویہ کرتا تھا اور حدیث کو صراحت کے ساتھ بیان کرتا اور اس معاملے میں یہ منفرد نہیں ہے۔ زبیدی نے اس روایت کو زہری کی سند سے بیان کیا ہے، جیسا کہ یہ روایت امام بخاری رحمہ اللہ کی "التاریخ" میں بھی موجود ہے اور تخریج میں اس کا ذکر آئے گا۔

عبدالرحمٰن بن نمر: یحصبی ثقہ ہیں۔ شیخین کے رواۃ میں سے ہیں۔ انھوں نے امام زہری کے نسخے سے روایت کی ہے۔

خالد بن عبداللہ بن رباح: اس واقعے کے عینی شاہد ہیں۔ امام بخاری اور ابو حاتم نے اس کے بارے میں سکوت کیا ہے۔ ابن حبان نے اس کا "الثقات" میں ذکر کیا ہے لیکن سابقہ روایت میں انس رضی اللہ عنہ نے ان کی متابعت کی ہے۔ یہ روایات [رقم: ۱۲۹، ۱۳۰] ملاحظہ ہوں۔ خالد نے ویسی ہی روایت بیان کی ہے جیسا کہ انس رضی اللہ عنہ نے کی تھی۔

خالد کا تعارف دیکھیے: التاريخ الكبير (۱۵۹/۳) الجرح والتعديل (۳٤۱/۳) الثقات (٤/۲۰٤) تاريخ دمشق (۱٦/۱۲۹) الثقات ممن لم يقع في الكتب الستة (٤/۱۱۰)

زہری کی اس روایت کے متعلق دو پہلوؤں سے اختلاف کیا گیا ہے:

اس روایت کو عبدالرحمٰن بن نمر اور محمد بن ولید بن عامر زبیدی نے ''زہری عن خالد بن عبداللہ عن معاویہ'' کی سند سے بیان کیا، جبکہ معمر بن راشد نے ان دونوں کی مخالفت کی ہے اور اس نے اس روایت کو ''عن زہری عن معاویہ'' کی سند سے روایت کیا۔ تو اس نے سند میں کچھ راوی کم ذکر کیے اور اس نے متن میں بھی شک کیا اور اضافہ کیا ہے: ''وہ سجدے کی حالت میں تھے یا رکوع کی حالت میں تھے، پھر انھوں نے سلام پھیر دیا۔'' ابن نمر اور زبیدی نے اس شک کا اور سلام پھیرنے کا ذکر نہیں کیا۔

ان دونوں نے واضح طور پر یہ کہا ہے کہ جب معاویہ رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا گیا تو وہ سجدے کی حالت میں تھے اور ایسے ہی شک اور تسلیم کے الفاظ کے بغیر انھوں نے اس کو ''عبیداللہ عن زہری عن انس'' کی سند سے بیان کیا ہے۔ سابقہ دو روایات میں انس کی روایت گزر چکی ہے۔

تو اس روایت میں معمر نے تین جگہ پر متن میں ثقات راویوں کی مخالفت کی ہے اور دو راویوں کی سند میں مخالفت کی۔ اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ معمر کو اس روایت کی سند اور متن میں کوئی ضبط حاصل نہیں تھا اور جب کہ ابن نمر اور زبیدی کی روایت کے الفاظ اور متن درست ہیں اور انس رضی اللہ عنہ کی ایک دوسری روایت وہ یہاں مذکور اختلاف میں داخل نہیں ہے جو اختلاف خالد بن عبداللہ کی روایت میں ہے۔

اعتراض اور اس کا جواب: اگر یہ کہا جائے: "معمر بن راشد عن الزهري عن معاوية" اور یہ روایت "عبيدالله بن أبي زياد رصافي عن الزهري عن أنس عن معاوية" یہ دونوں روایات ایک ہی ہیں اور زہری نے اس میں اختلاف کیا ہے جبکہ معمر عبیداللہ سے زیادہ اوثق ہے تو پھر معمر کی روایت کو مقدم ثابت کرنا ضروری ہے؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ انس رضی اللہ عنہ کی زہری سے ایک اَور روایت ہے۔ امام زہری نے اسی روایت کو دو الگ الگ بندوں سے بیان کیا ہے:

← امام زہری نے یہ روایت خالد بن عبداللہ بن رباح سلمی سے بھی بیان کی ہے اور اس میں فقط وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی نماز کا قصہ بیان کرتے ہیں اور کوئی زیادت نہیں ہے۔ دوسری روایت میں یہ اختلاف امام زہری سے ہی پیدا ہوا ہے جو انھوں نے خالد سے بیان کی ہے تو ابن نمر اور زبیدی نے سند میں خالد کا ذکر کیا ہے جبکہ معمر کا ذکر نہیں کیا۔

اور انس رضی اللہ عنہ کی روایت ایک دوسری روایت ہے جو مجھے صرف حجاج کی سند سے ملی ہے۔ "حجاج عن جده عبيد الله عن الزهري عن معاوية" اور عبیداللہ نے ایک لمبے عرصے تک امام زہری کی صحبت پائی ہے۔ ان سے روایات لکھی ہیں اور ان کی کتب پر ضبط حاصل کیا۔ اس روایت میں کسی طرح کا کوئی اشکال نہیں ہے۔

ابن سعد نے کہا ہے کہ جب امام زہری رصافہ میں ہشام کے پاس آئے تو اس سے پہلے یہ ان کے پاس بیس سال سے کچھ مہینے کم وقت ٹھہرے رہے۔ تب عبیداللہ بن ابی زیاد نے ان کی صحبت حاصل کی۔ ان کے علم اور کتابوں کے بارے میں ان سے سنا اور اسی علم اور کتابوں کے بارے میں ان سے ان کے بیٹے یوسف بن عبیداللہ نے سنا اور اس عبیداللہ سے ان چیزوں کو اس کے بیٹے کے بیٹے حجاج بن یوسف بن ابی منیع نے ابوجعفر کی خلافت کے آخر میں سنا اور کہا کہ میں ہی کتابوں کو اٹھا کر ان کے پاس لے جاتا تھا پھر وہ یہ چیزیں لوگوں کے سامنے پڑھا کرتے تھے۔ الطبقات الكبرى (٤٧٤/٧)

یعقوب بن سفیان نے روایت کیا اور کہا: میں نے حجاج بن ابی منیع رصافی کو سنا، وہ کہتے ہیں کہ امام زہری نے رصافہ میں بیس سال سے چار مہینے کم قیام کیا۔ یعنی ہشام کی خلافت کے زمانے میں وہ وہیں تھے، مگر یہ کہ کوئی حج وغیرہ کا مسئلہ ہو تو وہ ان کے ساتھ ہی ٹھہرے رہتے۔ المعرفة والتاريخ (٦٣٦/١)

عبیداللہ کا ان کی کتابوں پر ضبط حاصل کرنا: محمد بن یحییٰ زہری عبیداللہ بن ابی زیاد کے متعلق کہتے ہیں: ان کے بیٹے کے بیٹے یعنی حجاج بن ابی منیع کے علاوہ اَور کوئی دوسری روایات ان سے نہیں ملتیں۔ انھوں نے امام زہری کی احادیث کا ایک بڑا حصہ روایت کیا ہے تو جب میں نے ان میں غور وفکر کیا تو اس کو صحیح پایا لیکن خود میں نے اس حصے سے تھوڑا بہت ہی لکھا ہے۔ تهذيب الكمال (٤١/١٩)

ان تفصیلات سے جناب انس اور خالد بن عبداللہ کی روایات میں فرق واضح ہو جاتا ہے۔ دونوں ہی مستقل اور صحیح روایات ہیں۔ تو جب ہم اس جھگڑے سے محفوظ ہو گئے ہیں کہ معمر اور عبیداللہ کی روایات ایک ہی روایت ہے، تو بے شک ہم عبیداللہ کی روایت کو دو اسباب کی وجہ سے معمر کی روایت پر مقدم کریں گے:

۱۔ عبیداللہ نے ایک لمبے عرصے تک امام زہری کی صحبت اختیار کی ہے اور ان کی کتابوں پر ضبط حاصل کیا۔

۲۔ معمر نے اس روایت میں کوئی ضبط کا اہتمام نہیں کیا۔ اس نے سند میں دو ثقہ لوگوں کی مخالفت کی، پھر متن میں بھی شک کا اظہار ہے اور متن میں اس نے سلام پھیرنے کا بھی اضافہ کیا ہوا ہے۔ تو اس شک اور زیادت کے ساتھ اس نے تین ثقہ راویوں کی مخالفت کی ہے۔ اس کی تفصیل پہلے ہی گزر چکی ہے۔

یہ صورت تب ہے جب ہم اس جھگڑے سے محفوظ ہوں، وگرنہ جناب انس رضی اللہ عنہ کی روایت مستقل ہے۔ والله أعلم.

تخریج الحدیث: امام بیہقی نے اس کو السنن الكبرى (٥٢٥٩) میں، "كتاب الصلاة، باب الإمام يخرج ولا يستخلف" کے تحت روایت کیا ہے۔ ابن عساکر (١٢٩/١٦) نے اس کو یعقوب بن سفیان کی سند سے ایسے ہی روایت کیا ہے۔

امام ذہبی کا کہنا ہے: یہ حملہ اس حملے کے علاوہ ہے جس میں وہ قتلِ علی رضی اللہ عنہ کے وقت زخمی ہوئے تھے، تب ان کی سرین میں گھاؤ لگا تھا،[1] ....

← امام بخاری نے اس کو التاریخ الکبیر (۱۵۹/۳) میں معلق بیان کیا ہے۔ سلیمان بن عبدالرحمان تمیمی نے اس سند کے ساتھ، ان الفاظ تک مختصر بیان کیا ہے پھر روایت ذکر کی: ''جس دن معاویہ رضی اللہ عنہ پر حملہ ہوا تو میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی۔'' پھر امام بخاری نے کہا: یہ روایت زبیدی نے زہری سے روایت کی اور انھوں نے خالد بن عبداللہ سے سنی کہ معاویہ رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا گیا۔ زبیدی: محمد بن ولید، ثقہ، ثبت، امام زہری کے کبار تلامذہ میں سے ہیں۔ التقریب (۶۳۷۲)

ابو بکر ابن ابی عاصم نے اس کو الآحاد والمثاني (۵۱۴) میں روایت کیا ہے: ہمیں محمد بن مسمع دمشقی صفار نے بیان کیا، ہمیں ولید بن مسلم نے عبدالرحمان بن نمر سے، ہمیں زہری نے بیان کیا، مجھے خالد بن عبداللہ بن رباح نے خبر دی: ''جس دن سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایلیاء میں حملہ ہوا، میں نے ان کے ساتھ ایک رکعت ادا کی، جب رکعت مکمل کر کے سجدے سے سر اٹھانے لگے تب ان پہ حملہ ہوا۔''

ابن مسمع کا تعارف مجھے نہیں مل سکا۔

عبدالرزاق نے اس روایت کو المصنف (۳۶۸۷) میں معمر عن زہری کی سند سے روایت کیا: بے شک معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو نماز پڑھانی شروع کی، پھر ان پہ حملہ ہوا تب وہ رکوع یا سجدے کی حالت میں تھے، تب انھوں نے سلام پھیرا اور کہا: تم اپنی نماز مکمل کرو۔ ہر بندے نے اپنی اپنی نماز پڑھ لی اور انھوں نے کسی بھی بندے کو امامت کے لیے آگے نہ کیا۔ مزید دیکھیے: التحجيل في تخريج ما لم يخرج من الأحاديث والآثار في إرواء الغليل از عبدالعزيز بن مرزوق الطريفي (ص: ۷٤)

عبداللہ بن احمد بن حنبل نے کہا: میں نے اپنے باپ پر پڑھا اور کہا: جب امام کو نماز میں کوئی معاملہ پیش آ جائے تو وہ باہر نکلے، وضو کرے یا کسی اور کو اپنا نائب مقرر کرے یا نہیں؟ انھوں نے جواب دیا: ''جب تم میں سے کسی کی نماز حدث کی وجہ سے فاسد ہو جائے تو وہ آگے نکل جائے، اگر وہ کسی کو نائب مقرر کرتا ہے تو اس میں کوئی مسئلہ نہیں، بے شک عمر اور علی رضی اللہ عنہما نے اپنے نائبین مقرر کیے اور اگر وہ اپنا نائب مقرر نہیں کرتا کہ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا تو اس میں بھی مسئلہ نہیں ہے، اور اگر لوگ اکیلے اکیلے نماز پڑھ رہے تھے اور معاویہ رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا گیا اور لوگوں نے اکیلے اکیلے ہی نماز پڑھی کہ جب ان پر حملہ کیا گیا تو انھوں نے کہا کہ تم اپنی نماز مکمل کرو۔'' مسائل امام احمد بن حنبل بروایت ابنہ عبداللہ (ص: ۱۱۰-۱۱۱، مسئلہ نمبر: ۳۹۵) اس سے اگلے مسئلے میں بھی ایسی ہی چیز کا بیان ہے۔

سابقہ دو روایات بھی ملاحظہ ہوں۔

[1] امام دارقطنی نے کہا ہے: البرک بن عبداللہ: خارجی، یہ وہی آدمی ہے جس نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے قتل کا ارادہ کیا، تلوار سے وار کیا اور ان کی سرین پر گھاؤ لگایا۔ ابن حجر نے اس پر یہ اضافہ کیا: یہ وہی رات تھی جس میں علی رضی اللہ عنہ کو قتل کیا گیا۔ ملاحظہ ہو: المؤتلف والمختلف للدارقطني (۲٤۸/۱) تبصير المنتبه (۷۸/۱) مزید دیکھیے: الإكمال لابن ماكولا (۲٤۸/۱) تاريخ دمشق (۱٤۳/۵۹) توضيح المشتبه (٤٦۸/۱)

پھر دوائیاں پلا کر اس کو ٹھیک کیا گیا، لیکن ان کی رگ کاٹنی پڑی تھی۔[1]

میں (فواز) نے کہا: تھوڑے ہی عرصے میں ان پہ دو بار حملہ ہوا تھا:

⊙ پہلی دفعہ ان پر دمشق میں حملہ ہوا تھا، جب وہ نماز[2] پڑھانے کے لیے جا رہے تھے تو زہر آلود خنجر سے ان پہ دھاوا بولا گیا، تب انھیں شدید زخم آئے تھے، اور یہ رمضان ۴۰ھ کا واقعہ ہے جب امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا۔

جندب بن عبداللہ نے اس زخم کی شدت کو یوں بیان کیا ہے کہ اس سے معاویہ رضی اللہ عنہ کی جان جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔

[132] جندب سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک دفعہ ہم سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک دستے میں تھے، وہ ایک جگہ پہ اترے تو میں بھی اتر گیا، میں نے ان کے قیام کو غنیمت جانا اور ان کی طرف چل پڑا، میں نے اللہ پاک کی حمد وثنا بیان کی اور کہا: بے شک ہمارے درمیان معاویہ رضی اللہ عنہ پر حملہ کر کے انھیں ایسا زخم لگایا گیا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ وہ زخم ان کے لیے جان لیوا ثابت ہوگا۔[3] الخبر

⊙ دوسری دفعہ ان پہ ایلیاء میں حملہ ہوا، تب خنجر زہر آلود نہیں تھا، وہ پہلی رکعت میں پہلے سجدے کی حالت میں تھے۔

یہ نمازِ فجر کا واقعہ ہے، اس سے ہلکے سے زخم آئے تھے، یہ جنابِ حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں ہوا اور محرم الحرام ۴۱ھ کا واقعہ ہے۔[4] یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب باہمی صلح کے لیے خط کتابت چل رہی تھی، اس کی دلیل یہ روایات ہیں:

[133] ہمیں حجاج نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ مجھے میرے دادا نے بیان کیا، وہ زہری سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: جب معاویہ رضی اللہ عنہ پر حملہ ہوا تو حسن رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنی شرائط لکھ کر

---

[1] سير أعلام النبلاء (۱۴۳/۳)

[2] تاريخ الطبري (۱۵۹/۳) المعجم الكبير للطبراني (۱٦۸)، اتنی روایت مقبول ہے۔ مکمل روایت [رقم: ۵۲٦، ۵۲۷] پہ آئے گی۔

[3] السنة للخلال (۷۴۹) اس کی سند صحیح ہے۔ مکمل روایت شرح کے ساتھ [رقم: ۲۰۵] کے تحت آئے گی۔
جندب: ابن عبداللہ البجلی۔

[4] اس مدت کی تفصیل (ص: ۷۴۰) میں بیان ہوگی۔

بھیجیں، اگر آپ مجھے فلاں فلاں چیزیں دے دیں تو میں سمع و اطاعت میں داخل ہو جاؤں گا۔ آپ پر ضروری ہے کہ ان چیزوں کو پورا کریں۔ حسن رضی اللہ عنہ کا یہ خط سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو ملا، ......۔[1] الخبر

دوسرا حملہ جس کا قصہ انس بن مالک اور خالد بن عبداللہ بن رباح نے بیان کیا ہے۔ یہ اہلِ شام کے خلافت کے لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لینے کے بعد کا واقعہ ہے۔ یہ ۴۰ھ میں ایلیاء میں ہوا، اور امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ہوا اور یہ وہ زمانہ تھا جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور جنابِ حسن رضی اللہ عنہ کے درمیان بات چیت چل رہی تھی جس کا موضوع باہمی صلح تھا۔

یہ دونوں روایات[2] اگرچہ ایک طویل قصے کی طرف اشارہ کر رہی ہیں، مگر ہم اس سے یہ نتائج نکال سکتے ہیں کہ یہ وہ وقت تھا جب شامی لوگ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے بیعتِ خلافت کر رہے تھے۔

اس سے پہلے امام طبری رحمہ اللہ کا قول گزر چکا ہے[3] کہ اہلِ شام نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعتِ خلافت ۴۰ھ میں مقامِ ایلیاء پہ کی تھی، ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ یہ جمہور کا موقف ہے۔

[**134**] سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے ان کو لکھا: سلام علیک! بے شک عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے میرے اصولوں پر بیعت کر لی ہے۔ میں قسم

---

[1] تاریخ دمشق (۲۷۲/۱۳) یہ روایت شواہد کی بنا پہ صحیح ہے، مرسل ہونے کے سبب اس کی سند ضعیف ہے، اس کے راوی ثقہ ہیں۔ دیکھیے: موارد ابن عساکر في تاریخ دمشق (۱۲۷/۱)

اس سند کے رواۃ کا تعارف [رقم: ۱۲۹] روایت کے ضمن میں گزر چکا ہے۔

شواہد: جنابِ معاویہ رضی اللہ عنہ پر دوسرے حملے کا ذکر انس اور خالد بن عبداللہ بن رباح کی روایت میں ہو چکا ہے۔ دونوں روایات صحیح ہیں۔ رہا اس کا وقت تو وہ باہمی خط کتابت کا وقت تھا، یہ بات ٹھیک ہے کہ جنابِ حسن رضی اللہ عنہ اس زمانے میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد خط کتابت کر رہے تھے۔ اس کی تفصیل عنوان: ''سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سے بیعتِ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ'' کے ذیل میں آئے گی۔

تخریج الحدیث: امام ابن حجر نے اس کو فتح الباري (۶۵/۱۳) میں روایت کیا ہے اور کہا ہے: ''یعقوب بن سفیان نے اس کو زہری تک صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے: جنابِ حسن رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا اور اپنے لیے کچھ شرائط طے کیں، ......۔''

[2] دیکھیے: [رقم: ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱]

[3] دیکھیے: [رقم: ۱۲۷، ۱۲۸]

اٹھاتا ہوں کہ اگر تم بھی ویسے ہی میری بیعت کر لو تو تمھارے بیٹوں کو گورنر بنا دوں گا، ایک کوفہ پر گورنر ہوگا تو دوسرا بصرہ پر......[1] الخبر

راجح قول کے مطابق: یہ خط جنگِ صفین کے بعد اور حکمین کے اکٹھے ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے، یہ بھی امکان ہے کہ یہ حکمین کے افتراق کے بعد ہوا ہو۔ اس سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی زندگی میں کبھی خلافت پر بیعت نہیں لی، کیونکہ انھوں نے خط میں جو الفاظ استعمال کیے ہیں وہ یہ ہیں: ''اس نے میری چاہت کے مطابق میری بیعت کی ہے۔'' اگر ان کی چاہت سے مراد خلافت تھی تو وہ ''أرید'' نہ کہتے بلکہ ہم فرض کرتے ہیں کہ وہ کہتے: ''اس نے خلافت پر میری بیعت کی ہے۔''

جس بندے کی خلافت پر بیعت ہوگئی ہو تو اس کے لیے یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ''میں چاہتا ہوں کہ خلیفہ بن جاؤں'' بلکہ وہ یوں کہتا ہے: ''میں خلیفہ ہوں۔''

روایت سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ جنگِ صفین کے بعد خلافت حاصل کرنا چاہی تھی، اس ہدف کو حاصل کرنے میں جنگِ صفین کے بعد جناب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ان کی مدد بھی کی تھی، جیسا کہ اس سے قبل انھوں نے خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص میں ان کی معاونت کی تھی۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے بھی اس سلسلے میں مدد چاہی تھی، جیسا کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ان کی نصرت کی۔ اس کی مزید تفصیل بعد میں اپنی جگہ آئے گی۔ ان شاء اللہ۔

ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہا ہے: جنابِ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی قصاصِ عثمان رضی اللہ عنہ کے سلسلے میں بیعت کی تھی۔[2] یعنی جنگِ صفین سے پہلے، جیسا کہ اس کی وضاحت آئے گی۔[3]

یہ روایات اس دعوے کو ہوا میں اڑا دیتی ہیں جن میں اس چیز کا ذکر ہے کہ اہلِ شام نے حکمین کے جدا ہونے کے بعد، علی رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ہی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعتِ خلافت کر لی تھی۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا کہنا ہے: ''جب معاویہ رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ سے قتال کیا تو انھوں نے

---

[1] تاریخ دمشق (۳۲/۹۵- ۹۶)، (کتاب صفین لابن دیزیل [رقم: ۱۵۹]، میری جمع و تحقیق کے مطابق) روایت صحیح ہے۔ اس کتاب میں یہ روایت [رقم: ۴۲۱] کے تحت مکمل تفصیل، تخریج اور تبصرے کے ساتھ آئے گی۔

[2] البدایة والنهایة (۷/۲۸۱)

[3] [رقم: ۴۲۳] کے بعد ملاحظہ ہو۔

خلاف کا دعویٰ کیا اور نہ کبھی اس بنیاد پہ ان کی بیعت ہوئی، تب وہ خلافت کے مستحق تھے اور نہ لوگ ان کے اس حق کو تسلیم کر رہے تھے۔ اس سلسلے میں جو کوئی بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے سوال کرتا تو وہ اس کو سمجھاتے تھے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کا یہ کوئی ارادہ نہ تھا کہ وہ علی رضی اللہ عنہ سے قتال کی ابتدا کریں، نہ انھوں نے ایسا کیا۔[1]

میں یہ سمجھتا ہوں کہ ان کی یہ بات بالکل درست ہے سوائے ان الفاظ کے ''اور نہ ہی وہ مستحقِ خلافت تھے۔'' اس میں مزید تفصیل ہے....

یہ بات جنگِ صفین سے پہلے صحیح ہے۔ بے شک سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے جنگِ صفین میں امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کی وجہ سے قتال کیا تھا اور صفین کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے اپنے آپ کو زیادہ مستحقِ خلافت سمجھنے لگے تھے، لیکن اس کے باوجود انھوں نے علی رضی اللہ عنہ سے قتال نہیں کیا بلکہ وہ جو چھوٹے موٹے حملے کرتے تھے تو ان کا مقصود یہ تھا کہ عراقی لشکر کو شام پر دوبارہ حملہ کرنے سے روکا جائے، کیونکہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے علم میں یہ بات تھی کہ خوارج کے معاملات سے فارغ ہو کر علی رضی اللہ عنہ دوبارہ پھر حملہ کریں گے اور یہ بات علی رضی اللہ عنہ سے بھی ثابت ہے کہ انھوں نے افتراقِ حکمین کے بعد نخیلہ میں اپنے لشکر کو رغبت دلائی تھی کہ وہ غزوۂ شام کے لیے کوچ کریں، لیکن پھر انھیں نہروان کے مقام پر خوارج نے مصروف کر دیا۔[2]

حاصل کلام یہ ہے کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کبھی بھی نہ خلافت کی وجہ سے اور نہ ہی اس کے مستحق ہونے کی وجہ سے قتال کیا۔ نہ ہی جنگِ صفین میں اور نہ ہی اس کے بعد، لیکن جنگِ صفین کے بعد ان کی رائے میں یہ تجدد ضرور آ گیا تھا کہ وہ اپنے آپ کو خلافت کا زیادہ مستحق سمجھتے تھے۔ یہ فقط ایک رائے ہی تھی، اس کے سبب کوئی جنگ وغیرہ نہیں ہوئی۔ ایسے ہی سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے صفین میں ان سے قتال کیا لیکن سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو تباہ و برباد کرنے کے لیے افتراقِ تحکیم کے بعد نخیلہ میں اپنے لشکر کی کوئی خاص تیاری نہیں کی باوجود امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے میں تبدیلی آ جانے کے، بلکہ ان کی تیاری کا مقصد ان سے بیعتِ خلافت کروانا اور بغاوت والے رویے کو ختم کرنا تھا۔

---

[1] مجموع الفتاویٰ (۷۲/۳۵)

[2] چوتھی فصل کی آٹھویں بحث میں اس کا ذکر آئے گا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں خلافت کے زیادہ حق دار ہونے کی بحث اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زیرِ اثر علاقوں پر ان کا حملے کرنا۔

شرعی طور پر بغاوت سے مراد یہ ہے کہ وہ خلیفۂ وقت جس کی امامت وخلافت ثابت ہو جائے تو بغیر کسی واضح بڑے گناہ کے اس کی اطاعت سے رک جانا، اگرچہ وہ کسی تاویل پہ کھڑا ہو۔[1] اور بغاوت شرعاً عملی سطح پر ہوتی ہے، صرف رائے سے بغاوت نہیں ہوتی۔ جیسا کہ مختلف صحابہ کرام نے یزید بن معاویہ کی بیعت کی، باوجودیکہ وہ سمجھتے تھے کہ ان کے علاوہ کوئی اور خلافت کا زیادہ مستحق ہے۔

غیر صحیح روایات:

بعض ایسی روایات جو درست نہیں ہیں:

بعض ضعیف روایات میں اس چیز کا ذکر ہے کہ جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ہی خلافت کی بیعت لے لی تھی:

[135] مجھے عمر نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں علی نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ اہلِ شام نے ذی قعدہ ۳۷ھ میں افتراقِ حکمین کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر بیعت کی تھی۔[2]

اہلِ تحقیق کا کہنا ہے کہ اس روایت کی سند معضل ہے اور اس کے متن میں شدید نکارت ہے۔[3]

اصل بات وہی ہے جو پہلے روایت میں گزر چکی ہے۔

خلیفہ بن خیاط نے اپنی ''تاریخ'' میں واقعۂ تحکیم کو بیان کرتے ہوئے کہا ہے: جب حکمین کسی چیز پر اتفاق نہ کر سکے تو لوگ الگ الگ ہو کے بکھر گئے اور اہلِ شام نے ذی القعدہ ۳۷ھ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت کر لی۔[4]

البتہ یہ بات غلط ہے، خلیفہ نے اس کو بلا سند ذکر کیا ہے اور یہ صحیح روایات کے مخالف روایت ہے۔ محسوس یہ ہوتا ہے کہ خلیفہ نے اس قول کو مدائنی کی اس روایت سے اقتباس کیا ہے جس کو امام طبری نے بیان کیا ہے۔

---

[1] الموسوعة الفقهية الكويتية (۱۰۵/۷)

[2] تاریخ الطبري (۲۶۱/۳) عمر: ابن شبہ بن عبیدہ، ابو زید بصری۔ علی: ابن محمد بن عبداللہ بن ابی سیف، ابوالحسن المدائنی، الاخباری۔

[3] ضعیف تاریخ الطبري (۱۴۳/۹)

[4] تاریخ خلیفة (ص: ۱۹۲) اور اسی سے ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۶۷/۲۳)، (۱۴۶/۵۹) میں اور مستدرك تاریخ دمشق (۱۵۵/۷۳) ت: عمرو بن غرامة العمروي، سير الخلفاء الراشدين للذهبي (ص: ۲۷۳) تاریخ الإسلام (۵۵۲/۳).

سابقہ روایات ملاحظہ ہوں اور اس سے پہلے نصر،[1] بلاذری،[2] ابن دیزیل[3] اور یعقوب بن سفیان[4] کی روایات گزر چکی ہیں اور وہ ساری ہی شواہد کی بنیاد پہ صحیح ہیں۔

ان میں یہ بات موجود ہے کہ جب سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہلِ شام کو سیدنا زبیر اور طلحہ رضی اللہ عنہما کے قتل ہونے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اہلِ بصرہ پر غالب آنے کی خبر پہنچی تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اہلِ شام کو بلا کر ان سے خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کے معاملے میں مشورہ کیا اور انھیں لڑائی کی دعوت دی۔ لوگوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی بطور امیر بیعت کر لی نہ کہ بطور خلیفہ۔ یعنی جنگِ جمل کے بعد انھوں نے قتال پر اور خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص والے مسئلے پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تھی، نہ کہ خلافت پر۔

سادہ لفظوں میں یوں کہہ لیں کہ انھوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس لشکر کا سپہ سالار مقرر کیا تھا جو خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لے گا، لوگوں نے انھیں مسلمانوں کا خلیفہ نہیں بنایا تھا۔ شاید بعض مورخین پر یہ التباس ہو گیا ہے اور ان میں سے بعض نے یہ سمجھ لیا کہ وہ خلافت کے لیے بیعت تھی، جیسا کہ خلیفہ بن خیاط کا موقف ہے۔

محسوس یہ ہوتا ہے کہ خلیفہ کو ان صحیح روایات کا علم نہیں تھا جو ہم نے ذکر کی ہیں، اگر انھیں ان کا علم ہو جاتا تو سارے معاملے کی حقیقت کھل جاتی اور یہ ساری روایات ابو مخنف سے منقول اور منقطع روایات سے بہتر ہیں۔

اگر خلیفہ نے اپنے موقف کی بنیاد مدائنی کی روایات پر رکھی ہے جیسا کہ ظاہر ہے تو مدائنی اور ان جیسے مورخین وہ ہیں جنھوں نے ابو مخنف اور اس کے زمرے اور منقطع روایات پر اعتماد کیا ہے، ان میں سے ایک روایت میں آتا ہے کہ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ کو خلافت سے الگ کر دیا، جبکہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو باقی رکھا، پھر دونوں نے ایک دوسرے کو برا بھلا کہا اور الگ الگ ہو گئے۔ اس کے بعد اہلِ شام نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت کر لی۔ ان میں سے ایک روایت آگے ذکر ہوگی۔[5]

یہ ساری کی ساری روایات جھوٹ ہیں اور وہ عام پھیلی ہوئی باتیں ہیں جو واقعۂ تحکیم اور اس کے بعد کے حالات میں مشہور ہیں تو خلیفہ نے مدائنی پر اعتماد کیا ہے۔

---

[1] [رقم: ۱۱۱]
[2] [رقم: ۱۱۲]
[3] [رقم: ۱۱۳]
[4] [رقم: ۱۱۵]
[5] [رقم: ۱۳۷]

اس باب میں آگے ذکر ہوگا کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے حصین بن منذر سے کہا تھا: تحقیق لوگوں نے اس معاملے میں وہ کہا جو کہا، اور اللہ کی قسم! معاملہ اور حقیقت ویسے نہیں ہے جیسا کہ وہ باتیں کر رہے ہیں۔ جب میں نے اور ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے اتفاق کر لیا، ...... الخبر ۔[1]

یہ روایت ان مشہور باتوں کے بارے میں بتا رہی ہے جو واقعۂ تحکیم سے متعلق لوگوں میں عام پھیلی ہوئی ہیں۔

[**136**] محمد بن عمر کہتے ہیں کہ ابن ابی سبرہ نے کہا کہ مجھے عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم[2] نے خبر دی کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو گورنر مقرر کیا ...... شام کے لوگوں نے ذی القعدہ ۳۸ھ میں ان کی بیعتِ خلافت کر لی۔[3]

[**137**] امام طبری نے اپنی ''تاریخ'' میں واقعۂ تحکیم کے متعلق نقل کیا ہے کہ ابو مخنف نے کہا: مجھے ابو جناب کلبی[4] نے بیان کیا: بے شک جب دومۃ الجندل میں عمرو بن عاص اور ابو موسی رضی اللہ عنہما کی ملاقات ہوئی تو جنابِ عمرو رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو پہلے گفتگو کی دعوت دی اور کہا: بتائیے آپ کی کیا رائے ہے؟ انھوں نے کہا: میری رائے یہ ہے کہ ہم ان دونوں آدمیوں کو چھوڑ دیں اور یہ معاملہ مسلمانوں کے درمیان شوریٰ کے سپرد کر دیں اور مسلمان خود ہی اپنے بارے میں بہترین شخص کو منتخب کر لیں گے۔ اس پر جنابِ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا: بے شک صحیح بات اور رائے یہی ہے جو آپ نے کہہ دی۔ پھر ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ لوگوں کے سامنے آئے اور کہا: اے لوگو! ہم نے امت کے اس معاملے میں خوب غور وفکر کیا ہے تو سب سے زیادہ خیر والی اور اس کی قوت کو مجتمع کرنے والی بات یہی ہے جس پر میں نے اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اتفاق کیا ہے، ہم علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں کو ہی چھوڑ دیں اور یہ امت اس معاملے کو خود سنبھالے، اور اپنے آپ میں سے جس کو پسند کرے اسے امیر بنا لے۔ بے شک میں نے علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں کو چھوڑ دیا ہے اب تم اپنا معاملہ سنبھال لو اور جس کو تم اپنے لیے بہتر سمجھتے ہو اسے منتخب کر لو، پھر وہ الگ ہو گئے۔

---

1. [رقم: ۴۱۲] پر یہ روایت آئے گی۔
2. ثقہ، متوفی ۱۳۵ھ، تب ان کی عمر ۷۰ سال تھی۔ تقریب التھذیب (۳۲۳۹)
3. [رقم: ۵] میں یہ روایت گزر چکی ہے، جہاں عثمان رضی اللہ عنہ کی قمیص کا واقعہ ہے۔ اس کی سند کمزور اور منقطع ہے۔ [رقم: ۱۱۷] پہ اس کا تکرار ہوا ہے۔
4. یحییٰ بن ابی حیہ الکوفی۔ ابن حجر کا کہنا ہے کہ بہت سے محدثین نے تدلیس کے سبب اس کو ضعیف کہا ہے۔ التقریب (۷۵۳۷)۔

اس کے بعد عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سامنے آئے، ان کی جگہ پر کھڑے ہوئے اور اللہ رب العزت کی حمد وثنا بیان کی اور کہا: بات وہی ہے جو تم نے سن لی ہے۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھی کو معزول کر دیا ہے اور میں بھی اس کے ساتھی کو ویسے ہی معزول کرتا ہوں جیسے انھوں نے کر دیا۔ میں اپنے ساتھی معاویہ رضی اللہ عنہ کو باقی رکھتا ہوں۔ اس پر ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: تمھیں کیا مسئلہ ہے، اللہ تمھیں توفیق نہ دے، تم نے عہد توڑا ہے اور دھوکا کیا ہے۔ تمھاری مثال اس کتے کی سی ہے اگر اس کو کوئی چیز ڈال دی جائے پھر بھی زبان ہلاتا رہتا ہے اور بھونکتا ہے اور اگر نہ ڈالی جائے پھر بھی بھونکتا ہے۔ اس پہ عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ کی مثال اس گدھے کی سی ہے جس پر کتابوں کا بوجھ لادا ہو۔ اس پر شریح بن ہانی نے عمرو رضی اللہ عنہ کو کوڑے کے ساتھ مارا اور پھر عمرو کے بیٹے نے شریح کو کوڑے کے ساتھ مارا۔ لوگ کھڑے ہوئے اور ان کے درمیان بیچ بچاؤ کروا دیا۔

اس کے بعد شریح کہا کرتے تھے کہ مجھے سب سے زیادہ ندامت عمرو کو کوڑا مارنے پر ہوئی یہ کہ میں اس کا معاملہ تلوار کے ساتھ نپٹا دیتا اور پھر جو کچھ بھی ہوتا اس کو میں دیکھ لیتا یہ زیادہ اچھا تھا۔ اہلِ شام نے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو تلاش کیا تو وہ اپنی سواری پر سوار ہوئے اور مکہ کی طرف جا رہے تھے۔ پھر عمرو اور اہلِ شام سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آگئے اور ان کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر لی۔ ابن عباس اور شریح بن ہانی علی رضی اللہ عنہ کے پاس آگئے۔ جب علی رضی اللہ عنہ صبح کی نماز پڑھتے تو ان پر بد دعا کرتے کہ اے اللہ! معاویہ، عمرو، ابوالاعور سلمی، حبیب، عبدالرحمٰن بن خالد، ضحاک بن قیس اور ولید[1] پر لعنت کر دے۔ جب یہ بات معاویہ رضی اللہ عنہ کو پتا چلی تو وہ بھی پھر قنوت کرتے کہ اللہ علی، ابن عباس، اشتر، حسن اور حسین پر لعنت ہو۔[2]

یہ روایت سراسر جھوٹ اور افترا ہے اور یہ ایک الگ ہی طرح کا قصہ ہے۔ اس کی سند منقطع اور انتہائی کمزور ہے۔

قاضی ابوبکر ابن العربی نے اس واقعۂ تحکیم کے بارے میں کہا ہے: یہ جھوٹ ہے۔ اس میں بیان کردہ

← اس کے تعارف کے لیے ملاحظہ ہوں: التاريخ الكبير (٢٦٧/٨) الطبقات الكبرى (٣٦٠/٦) المجروحين لابن حبان (١١١/٣) الضعفاء والمتروكون لابن الجوزي (١٩٣/٣) تهذيب الكمال (٢٨٤/٣١) ميزان الاعتدال (٣٧١/٤) تهذيب التهذيب (٢٠١/١١) تقريب التهذيب (٧٥٣٧) طبقات المدلسين (١٥٢) الطبقة الخامسة.

[1] ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ۔ البداية والنهاية (٣١٥/٧)

[2] تاريخ الطبري (١١٢/٣- ١١٣) اختصار کے ساتھ

تخریج الحدیث: اس روایت کو نصر نے "وقعة صفين" (ص: ٥٤٤) میں ابومخنف کی سند سے بیان کیا ہے۔ یہی واقعہ أنساب الأشراف (٣٥٠/٢- ٣٥٢) میں بھی موجود ہے۔ مزید دیکھیے: ضعيف تاريخ الطبري (٨١٥/٨)، (٨٤٧/٨- ٨٤٨)

چیزوں میں سے ایک بھی چیز ایسے نہیں ہوئی بلکہ یہ تو مکمل جھوٹ بدعتی لوگوں کی اختراع ہے اور مورخین نے بادشاہوں کی خوشنودی کے لیے جھوٹ بنایا ہے۔ خطباء اور بے حیا لوگوں نے اس کو اللہ کی معصیت اور بدعت کی راہ پر چلتے ہوئے آگے نقل کیا ہے۔[1]

ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس روایت کے بارے میں کہا: یہ درست نہیں ہے۔[2] اور یہ صحیح روایت سے ثابت ہے کہ علی رضی اللہ عنہ اہلِ شام پر لعنت کرنے والوں کا انکار کرتے اور انھیں منع کرتے تھے۔

[**138**] معمر سے مروی ہے، وہ زہری سے، وہ کہتے ہیں کہ مجھے صفوان بن عبداللہ بن صفوان[3] نے خبر دی کہ ایک بندے نے جنگِ صفین کے دن کہا: اے اللہ! اہلِ شام پر لعنت ہو۔ اس پہ علی رضی اللہ عنہ نے کہا: تم شام والوں کو مجموعی طور پہ برا بھلا نہ کہو، ان میں ایسے لوگ موجود ہیں جو اس حالت اور اختلاف کو پسند نہیں کرتے اور ان میں بہت سے ابدال (صالحین) بھی ہیں۔[4]

---

① العواصم من القواصم (ص: ۱۷۹)

② البداية والنهاية (۳۱٤/۷– ۳۱۵)

③ صفوان بن عبداللہ الاکبر بن صفوان بن امیہ بن خلف الجمحی المکی۔ ضیاء مقدسی کا کہنا ہے: اس کا علی رضی اللہ عنہ اور دوسروں سے سماع ثابت ہے۔ امام ابن حجر کا کہنا ہے: ثقہ۔ بخ م س ق، الأحاديث المختارة (۱۱۱/۲، رقم: ٤۸۵) کے ضمن میں۔ التقريب (۲۹۳٦)

④ الجهاد لابن المبارك (۱۹۲)، اس کی سند موقوفاً صحیح ہے۔ راوی ثقہ ہیں اور رجالِ شیخین ہیں سوائے صفوان بن عبداللہ کے یہ رجالِ مسلم میں سے ہے۔ امام البانی نے اس کو موقوفاً صحیح کہا ہے۔ السلسلة الضعيفة (۵٦۵/٦، رقم: ۲۹۹۳)
یہ روایت امام زہری نے بھی بیان کی ہے اور ان سے اختلاف کیا گیا ہے: اس روایت کو صالح بن کیسان اور صالح بن ابی الاخضر دونوں نے "زهري عن صفوان" کی سند سے ایسے ہی روایت کیا ہے۔
معمر بن راشد نے اسے روایت کیا ہے اور ان سے اختلاف کیا گیا ہے: اسے عبداللہ بن مبارک اور محمد بن کثیر مصیصی نے معمر سے روایت کیا ہے، انھوں نے زہری سے انھوں نے صفوان بن عبداللہ سے۔
عبدالرزاق صنعانی نے اس کو معمر کی سند سے بیان کیا اور ان دونوں کی مخالفت کی۔ عبدالرزاق اس کے نام میں اضطراب کا شکار ہیں، کبھی وہ اس کو عن عبداللہ بن صفوان کی سند سے اور کبھی عبداللہ بن صفوان بن عبداللہ کی سند سے بیان کرتے ہیں جیسا کہ یہ "فضائل الصحابة" میں بھی موجود ہے۔ ایک دفعہ اس کو صفوان بن عبداللہ یا عبداللہ بن صفوان کی سند سے روایت کرتے ہیں جیسا کہ "المطالب العالية" میں موجود ہے۔
اس روایت کو زیاد بن سعد بن عبدالرحمان خراسانی نے "زهري عن أبي عثمان بن سنة خزاعي عن علي رضی اللہ عنہ" کی سند سے روایت کیا ہے۔ امام اوزاعی نے اس کو "زہری عن علی" کی سند سے مرسل روایت کیا ہے۔ ←

....

← ان سارے طرق میں سے صالح بن کیسان، صالح بن ابی الاخضر اور معمر کی روایت صحیح اور محفوظ ہے، جو ''زہری عن صفوان بن عبداللہ'' کی سند سے مروی ہے۔
رہی زیاد بن سعد کی روایت تو اس کے محفوظ ہونے کا احتمال ہے، بے شک زیاد امام زہری کی سفیان بن عیینہ سے مرویات میں اثبت ہے۔
تخریج الحدیث: اس روایت کو نعیم بن حماد نے الفتن (٦٦٣) میں ابن المبارک سے روایت کیا ہے۔
محمد بن یحییٰ ذہلی نے اس کو زہریات میں روایت کیا ہے، جیسا کہ یہ تاریخ دمشق (٣٣٩/١) میں بھی موجود ہے: ہمیں محمد بن کثیر صنعانی نے بیان کیا، وہ معمر سے، وہ زہری سے، وہ صفوان بن عبداللہ بن صفوان سے اسی کی مثل روایت کرتے ہیں۔ یہ روایت الأحاديث المختارة (٤٨٥) میں ذہلی کی سند سے مروی ہے۔ ابن حجر نے اس کو المطالب العالية (٣١٩٧، ٣) میں روایت کیا اور اس کی نسبت "علل الحديث الزهري" للذهلي کی طرف کی ہے۔ انہی علل کا نام "الزهريات" ہے۔ اس کی سند متابعت کے سبب حسن ہے۔ ابن کثیر نے اس کو صدوق کثرت سے غلطیاں کرنے والا کہا ہے۔ التقريب (٦٢٥١) موارد ابن عساكر في تاريخ دمشق (٨١٨/٢)
ابن راہویہ نے اس کو اپنی ''مسند'' میں، احمد نے فضائل الصحابة (١٧٢٦) میں، ابن ابی الدنیا نے الأولياء (٧٠) میں، بیہقی نے دلائل النبوة (٤٤٩/٦) میں عبدالرزاق عن معمر کی سند سے روایت کیا ہے، جیسا کہ یہ المطالب العالية (٣١٩٧، [١]) میں موجود ہے، مگر اس سند میں عبدالرزاق کو صفون کے نام میں اضطراب ہے، جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کر دیا ہے۔ جامع معمر بن راشد (٢٠٤٥٥)
ابن عساکر (٣٣٨/١) نے اس کو ابن المبارک اور ابن ابی الدنیا کی سند سے روایت کیا ہے۔ امام بیہقی نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔
محمد بن یحییٰ ذہلی نے اس کو "الزهريات" میں روایت کیا ہے، جیسا کہ یہ تاریخ دمشق (٣٣٩/١) میں بھی موجود ہے: ہمیں یعقوب بن ابراہیم بن سعد نے بیان کیا، ہمیں میرے باپ نے بیان کیا، وہ صالح بن کیسان سے، وہ ابن شہاب سے، وہ کہتے ہیں کہ مجھے صفوان بن عبداللہ بن صفوان نے یہ روایت ایسے ہی بیان کی۔ یہی روایت فضائل الشام للسمعاني (٢٣) میں، اور الأحاديث المختارة (٤٨٦) میں ذہلی کی سند سے مروی ہے۔ اس کی سند صحیح ہے۔ دیکھیے: موارد ابن عساكر في تاريخ دمشق (٨١٨/٢)
ابن راہویہ نے اس کو اپنی ''مسند'' میں بیان کیا ہے، جیسا کہ یہ المطالب العالية (٣١٩٧، [٢]) میں بھی موجود ہے۔ ہمیں نضر بن شمیل نے خبر کی، وہ صالح بن ابی الاخضر سے، وہ ابن شہاب سے، وہ صفوان بن عبداللہ سے، وہ علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔
ذہلی نے اس کو "الزهريات" میں، یعقوب بن سفیان نے المعرفة والتاريخ (٣٠٥/٢) میں، ابوبکر محمد بن سلیمان ربعی بندار نے اپنے جزء میں ''سفیان بن عیینہ عن زیاد بن سعد عن زہری عن ابی عثمان بن سنہ عن علی رضی اللہ عنہ'' کی سند سے ←

[139] عبداللہ بن زریر غافقی نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو سنا، وہ کہہ رہے تھے: اہلِ شام پر تنقید نہ کرو، بے شک ان میں صالح لوگ بھی موجود ہیں، البتہ ان کے ظالموں پر ضرور تنقید کرو۔[1]

حافظ ابو العباس احمد بن عمر قرطبی[2] نے کہا: معاویہ رضی اللہ عنہ سے یہ بات بعید ہے کہ انھوں نے واضح الفاظ میں کسی پر لعنت کی ہو، یا برا بھلا کہا ہو، کیوں کہ وہ فضائل، دین داری، وسعتِ ظرفی اور اخلاقِ حسنہ سے متصف شخصیت ہیں۔ اس باب میں ان کے بارے جو کچھ روایت کیا جاتا ہے اس کی اکثریت مبنی بر کذب اور غیر ثابت ہے۔[3]

[140] ابو مخنف نے کہا کہ مجھے اہلِ شام میں سے ایک آدمی ابو جہضم ازدی نے بیان کیا، وہ عبداللہ بن حوالہ ازدی سے روایت کرتے ہیں کہ اس نے کہا: جب اہلِ شام جنگِ صفین سے واپس آئے تو حکمین کے فیصلے کا انتظار کرنے لگے کہ وہ کیا فیصلہ کرتے ہیں، جب دونوں حکم پھرے اور الگ الگ ہوئے تو اہلِ شام نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پہ بیعتِ خلافت کر لی، اس سے صرف سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی قوت وطاقت میں اضافہ ہوا اور لوگ عراق میں علی رضی اللہ عنہ سے اختلافات میں پڑ گئے۔...... الخبر[4]

← ایسے ہی روایت کیا ہے۔ ان ساری اسناد سے اس کو ابن عساکر (۱/۳۳۷) نے روایت کیا ہے۔ ربعی کے جزء کے لیے دیکھیے: موارد ابن عساکر (۱۰۹۲/۲) اور ابن عساکر (۳۳۹/۱) نے اس کو "أبو الدحداح أحمد بن محمد بن إسماعيل تميمي عن أبي عامر موسىٰ بن عامر، نا الوليد بن مسلم، نا أبو عمرو الأوزاعي عن الزهري" کی سند سے روایت کیا ہے کہ اہلِ عراق میں سے کچھ لوگوں نے شام والوں کو برا بھلا کہا،...... پھر یہ روایت ذکر کی۔

[1] تاریخ دمشق (۳۳۵/۱) روایت صحیح ہے، اس کی سند متابعت کے سبب حسن ہے، [رقم: ۳۱۴] کے تحت اس کی تخریج ذکر ہوگی اور اس قول: ''ان کے ظالموں پر ضرور تنقید کرو'' کی توجیہ بھی ذکر ہوگی۔

[2] احمد بن عمر بن ابراہیم بن عمر، الامام ابو العباس، انصاری، قرطبی، مالکی، فقیہ، محدث، نزیل اسکندریہ، اپنے علاقے میں ابن المزین کی کنیت سے مشہور تھے۔ ۵۷۸ھ میں قرطبہ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے صحیحین کا اختصار کیا اور ''مختصر مسلم'' کی شرح کی۔ اس کا نام "المفهم" رکھا۔ اس میں بہت سی مفید چیزوں کا تذکرہ ہے۔ علم الفقہ اور لغت میں ماہر تھے، علم حدیث میں گہرائی کے ساتھ غواص تھے۔ ذی القعدہ ۶۵۶ھ میں اسکندریہ میں وفات پائی۔ تاريخ الإسلام للذهبي (۲۲٤/٤٨) یہ امام صاحب ''تفسیر قرطبی'' والے نہیں ہیں۔ ان کا نام ابو عبداللہ، محمد بن احمد بن ابی بکر بن فرح انصاری، خزرجی، شمس الدین القرطبی تھا۔ متوفی ۶۷۱ھ۔

[3] المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم (٢٧٨/٦)

[4] تاريخ الطبري (۱۲۸/۳) اسی سے ابن الاثیر نے الكامل في التاريخ (۲۲۷/۳) میں نقل کیا ہے۔ دیکھیے: ضعیف تاريخ الطبري (٨٣٤/٨- ٨٣٨)، (٨٤٧/٨- ٨٤٨)

اس کی سند بے انتہا کمزور ہے۔ ابو جہضم ازدی[1] : اہل السنہ کی کتب میں اس سے صرف ابو مخنف،

---

[1] اکرم محمد زیادہ اثری کا کہنا ہے: ''ابو جہضم ازدی، اہلِ شام سے ایک آدمی کا نام تھا، بڑے تابعین میں سے ہیں۔ مجھے ان کا علم نہیں ہے۔ عبداللہ بن حوالہ ازدی: بڑے صحابی ہیں، شاید کہ یہاں ابو جہضم سے مراد موسیٰ بن سالم عباسی، ان کے مولیٰ، بصری ہیں، مولیٰ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، ان کی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت مرسل شمار ہو گی۔ تخ۔'' دیکھیے:
المعجم الصغير لرواة الإمام ابن جرير (٥٤٠١)
میں کہتا ہوں کہ یہ ایک مجہول آدمی ہے جس کا تعارف مشہور نہیں ہے۔
ان کا یہ کہنا: ''شاید اس سے موسی بن سالم مراد ہیں۔'' یہ بات صحیح نہیں ہے۔ وہ ازدی اور شامی ہیں جو تاریخی روایات بیان کرتے ہیں، جبکہ یہ عباسی اور بصری ہیں جو احادیث بیان کرتے ہیں۔
ان کا یہ کہنا: ''موسیٰ بن سالم مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں۔'' شاید کہ اس میں تصحیف ہے جس کو انھوں نے "تفسير الطبري" سے نقل کیا ہے، اس کے تعارف میں جرح و تعدیل کے وہ سارے مصادر جن سے میں نے تلاش کیا، ان میں اس کا نام مولیٰ آلِ عباس ہے نہ کہ ابن عباس۔ الطبقات الكبرى (٢٤٦/٧) التاريخ الكبير (٢٨٤/٧) الجرح والتعديل (١٤٣/٨) تهذيب الكمال (٦٤/٢٩) إكمال تهذيب الكمال (١٥/١٢) التكميل في الجرح والتعديل لابن كثير (٢٤٢/١) تاريخ الإسلام (٥٥٠/٨)
علی نمازی شاہرودی نے کہا ہے: محدثین نے ابو جہضم ازدی کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ حسین بن سفیان نے "عن أبيه عن أبيه" کی سند سے روایت بیان کی ہے جس میں ابو ذر رضی اللہ عنہ کی حدیث اور عثمان رضی اللہ عنہ سے جو کچھ پیش آیا، اس واقعے کی تفصیلات ہیں۔ أمالي المفيد (٧١/١٤)، (٩٦/٢٠) مستدركات علم رجال الحديث (٣٥٤/٨، رقم: ١٦٧٤٩)
میں یہ کہتا ہوں: ابو ذر رضی اللہ عنہ کی مظلومیت والی روایات ابو جہضم نے ان کی کتب میں بیان کی ہیں۔ محدثین کے ہاں اس باب میں یہ عمدہ روایات ہیں، مفید نے ان کو "أمالي" میں بیان کیا ہے، بعد میں آنے والوں نے وہیں سے نقل کی ہیں۔ یہ روایات اپنے اپنے مراتب میں سند کے پہلو سے ضعیف ہیں۔
مفید نے کہا: مجھے ابو الحسن، علی بن بلال مہلبی نے خبر دی، وہ کہتے ہیں کہ مجھے علی بن عبداللہ اصفہانی نے خبر کی، وہ کہتے ہیں کہ مجھے ابراہیم بن محمد ثقفی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ مجھے محمد بن علی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں حسین بن سفیان نے، وہ اپنے باپ سے، وہ ابو جہضم ازدی سے، وہ اپنے باپ سے روایت کرتا ہے، ...... پھر یہ روایت ذکر کی۔
دیکھیے: أمالي المفيد (ص: ١٢١- ١٢٢) چودھویں مجلس میں، اور (ص: ١٦١- ١٦٥) بیسویں مجلس میں۔
علی بن عبداللہ بن احمد اصفہانی الاسواری، جواہری نے اس کے بارے میں المفيد من المعجم (ص: ٤٠٢) میں کہا ہے کہ وہ مجہول ہے۔ بروجردی نے "طرائف المقال" (١٧٨/١) میں کہا ہے: مجہول الحال ہے، اس پہ اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔
محمد بن علی صواف، حسین بن سفیان، اس کا باپ، ابو جہضم کا باپ: شیعہ کتبِ رجال میں مجھے ان سب کا تعارف نہیں ملا۔ ان کے حالات میں بھی جہالت ہی ہے۔
قمی نے اپنی تفسیر (١/١٥-٥٤) میں ابو ذر رضی اللہ عنہ کی مظلومیت کے بارے ایک لمبا قصہ نقل کیا ہے مگر وہ بھی بلا سند ہے۔

اور عبداللہ بن محمد بن ربیعہ قدامی[1] نے روایات لی ہیں۔ یہ دونوں ہی ضعیف راوی ہیں۔ ابو اسماعیل محمد بن عبداللہ ازدی بصری مورخ ہیں اور ''فتوح الشام'' نامی مطبوعہ کتاب کے مصنف ہیں۔ مجہول الحال راوی ہیں۔[2]

اس ابوجہضم کا کوئی تعارف نہیں ہے، سوائے اس کے کہ امام طبری رحمہ اللہ نے ۸۳ھ کے واقعات میں حجاج بن یوسف ثقفی اور ابن اشعث کے ساتھ اس کی جنگ کا ذکر کیا تو ابوجہضم اس جنگ میں حجاج کی طرف سے شریک تھا، پھر وہ ابو اشعث کے شہسواروں میں سے ایک کو قیدی بنا کر حجاج کی خدمت میں لایا۔ اس پہ حجاج نے کہا تھا: غلاموں میں سے یہ غلام اہلِ عراق کے شہسواروں میں سے ایک کو قیدی بنا لایا ہے۔ پھر حجاج کے حکم سے اس قیدی کو قتل کر دیا گیا۔[3] جیسا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہ ابوجہضم تاریخی روایات بیان کرتا ہے۔[4] مختصر بات یہ ہے کہ یہ مجہول الحال آدمی ہے۔

---

[1] المجروحين لابن حبان (٢/٣٩- ٤٠) الكامل في ضعفاء الرجال (٤/٢٥٧) الأنساب للسمعاني (٤/٤٥٩) ميزان الاعتدال (٤/١٨٠- ١٨١) لسان الميزان (٣/٣٣٤)

[2] خیر الدین زرکلی کا کہنا ہے: محمد بن عبداللہ، ابو اسماعیل ازدی بصری، مورخ۔ ''فتوح الشام'' نامی کتاب ان سے منسوب ہے۔ متقدمین میں مجھے ان کا کوئی تعارف نہیں ملا۔ متاخرین کا کہنا ہے کہ یہ دوسری صدی کے دوسرے نصف میں گزرے ہیں۔ الأعلام (٦/٢٢١)

دکتور اکرم ضیاء عمری کا کہنا ہے: رجال اور تراجم کی کتب میں ان کا تعارف نہیں ملا۔ دراسات تاريخية (ص: ٦٩) مزید دیکھیے: معجم المولفين لعمر رضا كحالة (١٠/١٩٩)

میں یہ کہتا ہوں کہ اس کا ذکر شیعہ کی کتب میں بھی نہیں ملا۔

دکتور اکرم عمری نے کہا: ''فتوح الشام'' نامی کتاب ابو اسماعیل، محمد بن عبداللہ ازدی بصری کی ہے۔ شام کی فتوحات کے متعلق یہ سب سے پرانی کتاب ہے جو ہمیں میسر ہے، بلکہ یہ تاریخِ اسلامی کا سب سے قدیم مصدر ہے، جبکہ اس کا مولف دوسری صدی ہجری کے آخری سالوں میں وفات پا گیا، یعنی ان کا شمار ان مورخین میں ہوتا ہے جنھوں نے تیسری صدی کے کبار مورخین کے کام کے لیے ماحول سازگار کیا۔ پھر انھوں نے کتاب کے منہج اور مواد سے متعلق اہم چیزیں ذکر کیں۔ ملاحظہ ہو: دراسات تاريخية (ص: ٦٩ اور بعد کے صفحات)

[3] تاريخ الطبري (٣/٦٤٠) مرويات أبي مخنف في تاريخ الطبري ليحيى اليحيى (ص: ٦٦)

[4] اس بارے میں جن روایات سے میں واقف ہوں، ان میں کچھ اہل السنہ کی کتابوں میں ہیں، جن کو ابھی ذکر کروں گا، کچھ شیعہ کتب ''الأمالي'' للمفید وغیرہ میں ہیں، ان کا ہم نے ذکر کر دیا ہے۔

وہ روایات جو اہل السنہ کی کتب میں مروی ہیں وہ یہ ہیں:

تاريخ الطبري: (٣/١٢٨) میں ایک روایت ہے۔ (٣/٦٤٠) پر دو روایتیں ہیں، اس کا راوی ابومخنف ہے۔ ←

امام ذہبی نے ابومخنف سے نقل کیا ہے کہ یہ آدمی مجہول رواۃ سے چیزیں نقل کرتا ہے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ ابوجہضم کا شمار بھی انہی میں سے ہے۔[1]

اس سند میں یہ بات واضح ہے کہ ابوجہضم اور عبداللہ بن حوالہ رضی اللہ عنہ کے درمیان انقطاع موجود ہے، کیونکہ ابن حوالہ رضی اللہ عنہ خلافتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے آخر میں ۵۷ھ میں وفات پا گئے تھے۔ تب ان کی عمر ۷۲ سال[2] تھی اور ابوجہضم جب ابن اشعث کے مقابلے میں لڑائی میں اترا تب ۸۳ھ کا زمانہ تھا اور ابوجہضم اپنی جوانی کی ابتدا میں تھا، یعنی ۲۰ سال کے لگ بھگ تھا۔ کیونکہ حجاج نے اس کے بارے میں کہا کہ یہ غلاموں میں سے ایک غلام ہے۔ تو ابن حوالہ کی وفات اور اس جنگ کے درمیان ۲۵ سال کا فاصلہ ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ ابوجہضم نے ابن حوالہ رضی اللہ عنہ سے سماع کیا ہو۔

اب ہم بات کو دوبارہ جنگِ صفین کے بارے معاویہ رضی اللہ عنہ کے موقف کی طرف لے چلتے ہیں۔

خلافت سپرد ہو جانے کے بعد قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں ان کا موقف:

بے شک حسن رضی اللہ عنہ نے اس شرط پر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تھی کہ امتِ مسلمہ میں مطلقاً خون بہانا بند کیا جائے گا۔ حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: بے شک یہ امت اپنے ہی خون میں ڈوب چکی ہے۔[3] یہ شرط صلح کی بنیادی شرط تھی اور حسن رضی اللہ عنہ نے بیعت کا یہ معاملہ صرف بے گناہوں کے خون کو روکنے اور امت کو اکٹھا کرنے کی بنیاد پر ہی اٹھایا تھا۔ تب حسن اور معاویہ رضی اللہ عنہما نے عام معافی کا اعلان کر دیا کہ جو بھی خون بہہ چکا، یا لوگوں کا مال ضائع ہو چکا، یا اس طرح کے دوسرے معاملات ہیں ان سب سے معافی ہے۔ اسی شرط کے تحت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ باقی قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے مددگاروں کو قتل کرنے سے رُک گئے۔[4]

← تاریخ دمشق: (۴۵۳/۱۱) میں دو روایات ہیں۔ ابومخنف اور عبداللہ بن محمد بن ربیعہ قدامی کی سند سے ہیں۔ یہ دونوں اسی سے روایت کرتے ہیں۔

فتوح الشام للأزدي ابو اسماعیل محمد بن عبداللہ بصری: ازدی نے اس سے ۱۳ جگہ پر روایات کی ہیں: (۴۴، ۶۷، ۱۱۴، ۱۳۲، ۱۳۴، ۱۶۰، ۱۶۷، ۱۷۸، ۱۸۵، ۱۹۲، ۱۹۳، ۲۱۲، ۲۴۸) مزید دیکھیے: دراسات تاریخية لأكرم ضياء العمري (ص: ۷۵)

[1] تاريخ الإسلام (۵۸۱/۹) سير أعلام النبلاء (۳۰۱/۷)

[2] الطبقات الكبرى (۴۱۴/۷) مشاهير علماء الأمصار (۳۳۸) تاريخ دمشق (۴۳۳/۲۷) تهذيب الكمال (۴۴۰/۱۴) الكاشف (۲۶۹۷) تذهيب التهذيب (۱۲۹/۵) تهذيب التهذيب (۱۹۴/۵) تقريب التهذيب (۳۲۸۷).

[3] ملاحظہ ہو: [رقم: ۵۶۶]

[4] ملاحظہ ہو: (ص: ۷۴۹، ۸۰۶)

خلافت سپرد ہو جانے کے بعد قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ سے رک جانا اور ان کو چھوڑ دینا اس کا سبب یہی عام معافی کا اعلان تھا۔ اس عام معافی کی دلیل شبیب بن بجرہ اشجعی کا باقی رہنا بھی ہے جس نے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے قتل پر مدد کی تھی تو شبیب کو ۳۹ھ میں مغیرہ بن شعبہ کے خلاف خروج پر قتل کیا گیا۔[1]

ایسے ہی عمیر بن ضابی کا باقی رہنا بھی اس کی ایک دلیل ہے۔ یہ ان بندوں میں سے ہے جنھوں نے امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل پر مدد کی تھی۔ عمیر ۷۵ھ میں حجاج بن یوسف ثقفی کے ہاتھ سے عبدالملک بن مروان کے دورِ حکومت میں قتل ہوا۔[2]

غیر درست توجیہ:

الشیخ دکتور عثمان خمیس کہتے ہیں کہ جب معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت مل گئی اور اس کے بعد انھوں نے قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ سے قتال نہیں کیا، کیونکہ وہ بھی اسی موقف پر آ گئے تھے جو علی رضی اللہ عنہ کا موقف تھا۔[3] امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ اپنے موقف کو قطعی سمجھتے تھے جب کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اسے ایک ظنی چیز سمجھتے تھے جس میں ردّ و بدل ہوسکتا ہے۔ جب خلافت ان کی طرف لوٹی تو ان کا بھی وہی موقف تھا، یعنی یہ ایک قطعی چیز[4] ہے۔[5]

یہ توجیہ ٹھیک نہیں ہے، کیونکہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے سے رُک جانے کا اصل سبب وہ اتفاق تھا جو انھوں نے حسن رضی اللہ عنہ سے کیا تھا، یعنی عام معافی کا اعلان جس کے نتیجے میں حسن رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت کو چھوڑا تھا۔

تو ان کے رکنے کی وجہ وہ فساد نہیں تھا جیسا کہ شیخ خمیس نے کہا ہے، اس معاملے میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے نہیں بدلی تھی، یعنی قصاص والے معاملے میں وہ تو صرف عام معافی کی وجہ سے رکے ہوئے تھے اور مجھے کوئی ایسی روایت نہیں ملی جو اس طرف اشارہ کرے کہ فتنۂ صفین کے بعد ان کے بعض نظریات میں تغیر اور تبدیلی پیدا ہوگئی تھی اور خلافت اپنے ہاتھ آ جانے کے بعد سوائے اس کے کہ قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ کا تتبع

---

[1] [رقم: ۵۲۸] روایت کی سند ملاحظہ ہو۔ اس میں شبیب اشجعی کا تعارف ہے۔

[2] تاریخ الطبري (۳/۵۴۹– ۵۵۰)

[3] یعنی معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اس معاملے کو علی رضی اللہ عنہ کی نظر سے دیکھنے لگے تھے کہ قصاص کو مقدم رکھنے اور بیعت کو موخر کرنے میں زیادہ فساد ہے۔

[4] یعنی جب خلافت کی زمام معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آئی تو انھیں حقیقت میں قصاص کو مقدم رکھنے کے مفاسد معلوم ہوئے۔

[5] حقبة من التاريخ (ص: ۱۸۳– ۱۸۴)

سے رُکا جائے تو یہ تبدیلی سیاست میں اور اس کے اعمال میں تھی، البتہ ان کا اصل موقف وہی تھا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ جنگِ صفین کے بعد وہ اپنے آپ کو خلافت کا زیادہ حقدار سمجھتے تھے، یہ تبدیلی ضرور آئی تھی اور اس تبدیلی کی بنیاد ان کے ہاتھ خلافت آ جانے سے پہلے ہی پڑ چکی تھی۔

بعض وہ روایات جو خلافت سپرد ہو جانے کے بعد بھی ان کے پرانے موقف پر دلالت کرتی ہیں:

[**141**] عمیر بن ہانی بیان کرتے ہیں کہ میں نے اس منبر پہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو سنا، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا: میری امت میں ایک گروہ ہمیشہ حق پر رہے گا، وہ اپنی مخالفت کرنے والوں یا بے یارو مددگار چھوڑ دینے والوں کی پروا نہیں کرے گا، یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ جائے اور وہ لوگوں پر غالب ہوگا، اس پر مالک بن یخامر سکسکی کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: اے امیر المومنین! میں نے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اس سے مراد اہلِ شام ہیں، تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی آواز کو بلند کرتے ہوئے فرمایا: مالک کہہ رہے ہیں کہ انھوں نے سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اس سے مراد اہلِ شام ہیں۔[1]

یہ خطبہ خلافتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تھا اور اس سے پتا چلتا ہے کہ خلافت مل جانے کے بعد بھی انھوں نے اپنے موقف میں کسی طرح بھی تبدیلی نہیں کی تھی، خاص طور پر علی رضی اللہ عنہ کے عہد میں بیعتِ علی رضی اللہ عنہ پر خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کو مقدم رکھنا۔ بقول معاذ رضی اللہ عنہ اسی لیے انھوں نے واضح طور پہ اپنے فہمِ حدیث کا بیان کیا۔

2- سیدنا عمرو بن عاص سہمی قریشی رضی اللہ عنہ

امام، سرمایۂ قریش، علم کا پہاڑ اور وہ بندے تھے کہ تدبیر سازی، ذہانت اور رائے کی پختگی میں جن کی مثالیں دی جاتی تھیں۔[2]

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کبار مددگاروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ میں نے ان کے نظریات کو بھی تفصیل سے ذکر کیا ہے، اس حدیث کے ضمن میں جہاں معرکۂ صفین کے واقعات، تحکیم کی دعوت اور حکمین کے اجتماع کا ذکر ہے۔

---

[1] مسند أحمد (١٦٩٣٢) شیخ شعیب ارناؤط نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ [رقم: ٦] پہ تخریج اور تعلیق کے ساتھ گزر چکی ہے۔

[2] سير أعلام النبلاء (٥٤/٣)

سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ کے نظریات کا خلاصہ:

⊙ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ کا موقف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے موقف کے قریب قریب ہی تھا۔ جنگِ صفین سے پہلے والا موقف بعد والے موقف سے ذرا مختلف ہے۔

جنگِ صفین سے پہلے انھوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کے لیے کی تھی اور صفین کے بعد ان کی بیعت اس بات پر تھی کہ خلافت ہاتھ میں آنے تک وہ ان کی نصرت اور مدد میں رہیں گے، نہ کہ صرف قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص پر۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی زندگی میں انھوں نے کبھی بھی خلافتِ معاویہ رضی اللہ عنہ پر بیعت نہیں کی۔

⊙ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ بھی بیعت پر قصاص کو مقدم کرنا، زیادہ اچھا اور صحیح سمجھتے تھے۔

⊙ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ جنگِ صفین میں عسکری راستے کے قائل نہیں تھے اور وہ سمجھتے تھے کہ امیر المومنین علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما نے جنگی راستے کے اختیار میں خطا کھائی ہے اور سارے کا سارا خون جو صفین میں بہا ہے اس کی ذمے داری انھی شخصیات پر ہے، یعنی خون بہا کے بارے میں ان دونوں سے سوال کیا جائے گا۔

⊙ جب عمرو رضی اللہ عنہ کو جنابِ عمار رضی اللہ عنہ کے قتل ہونے کی خبر پہنچی اور یہ حدیث ان کو پتا چلی کہ عمار رضی اللہ عنہ کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی، اس پہ وہ بہت زیادہ ڈر گئے اور اُلٹے پاؤں چلنے لگے، یہاں تک کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ اس کے بعد انھوں نے جنگ بندی کے لیے کوششیں شروع کر دیں۔[1]

⊙ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ قتلِ عمار رضی اللہ عنہ کا انکار کرتے تھے[2] اور علی ابن حوی سکسکی جس نے عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا، اس کو کہا: تم نے کامیابی حاصل نہیں کی اور بے شک تم نے اپنے رب کو ناراض کر دیا ہے۔[3]

⊙ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ کی فکر جنگ کو روکنے اور جنگِ صفین میں خون بہنے کو روکنے اور معاملات کو تحکیم کے ذریعے کتاب اللہ سے حل کرنے والی تھی۔ ان کا عسکری خدمات سے انکار کرنا بھی ان تدبیرات میں شامل ہے جو جنگ روکنے کی کوشش میں تھیں۔ تو عمرو رضی اللہ عنہ نے جنگ روکنے اور خون بہنے سے روکنے کی کوششوں کے ساتھ ایک فضیلت اور مقام حاصل کیا ہے جس پر تاریخ گواہ ہے۔ بے شک صلح کرنا خون بہانے سے افضل اور بہتر ہے۔

---

[1] ملاحظہ ہو: [رقم: ۳۷۲]

[2] [رقم: ۳۷۲] کے بعد والا حاشیہ دیکھو۔

[3] دیکھو: [رقم: ۳۶۴]

⊙ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں جنگِ صفین کے دوران بھی بڑا حسنِ ظن رکھتے تھے۔ اسی لیے انھوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ علی رضی اللہ عنہ کی طرف قرآن پاک بھیجیں، اللہ کی قسم! وہ اس کا انکار نہیں کریں گے۔[1]

⊙ جس وقت حکمین جمع ہوئے تو سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ کی کوشش اور چاہت یہ تھی کہ مسندِ خلافت پر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بٹھا دیا جائے، لیکن وہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کے حق پر کھڑے ہوئے اور ان دونوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت سے معزول کر دیا اور یہ کہا کہ ان کا خلافت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ اس بات پر اتفاق کیا کہ خلیفہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔ ان کے علاوہ کوئی اَور مستحق نہیں ہے اور بے شک وہی شرعی خلیفہ ہیں۔

⊙ اس سے پتا چلتا ہے کہ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ یہ سمجھتے تھے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی نسبت علی رضی اللہ عنہ خلافت کے زیادہ حقدار ہیں۔ البتہ تحکیم کے دنوں میں ان کا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت کے حصول کی کوشش کرنا باہمی جھگڑے کو ختم کرنے کی ایک کوشش تھی، کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اگر وہ اہلِ عراق کے خلاف مدد نہیں کریں گے تو عنقریب وہ مغلوب ہو جائیں گے اور مغلوب بندے کی زندگی خطرات میں گھری رہتی ہے اور یہ بھی جانتے تھے کہ علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں فتنہ پرور لوگ ان کو پچھاڑنے پر تلے ہوئے ہیں۔ خوارج اور ان جیسے دوسرے لوگ ان کے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔

⊙ جب سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ پر تحکیم کے دنوں میں یہ بات کھلی کہ خلافت کا معاملہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں نہیں جا رہا تو انھوں نے کوشش کی کہ اپنے لیے کوئی چیز حاصل کر لیں جیسا کہ مصر کی ولایت وغیرہ یا اپنے اور معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں کے لیے مصر کی ولایت حاصل کر لیں یا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے شام کی ولایت، مگر وہ اس چیز میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ اس کے مختلف اسباب ہیں جو اپنی جگہ پر ذکر ہوں گے۔ اور عمرو رضی اللہ عنہ کا اپنی ذات کے لیے کوئی چیز حاصل کرنا، یہ اس لیے تھا کہ وہ اہلِ عرب میں ایک مقام رکھتے ہیں تو ان کی شان کے لائق یہی ہے کہ وہ اس زمین پر امیر بن کے رہیں جیسا کہ وہ فتنہ ختم ہونے کے بعد بھی یہ نہیں چاہتے تھے کہ اپنے مقام و مرتبے کو کھو دیں اور پھر وہ کمزور ہو جائیں یا وہ الگ تھلگ ہو جائیں بعد اس کے کہ وہ عرب کے سرداروں میں سے تھے اور کہیں فتنہ ختم ہو جانے کے بعد بھی وہ خطرات میں نہ رہیں، بلکہ وہ ایک قوت حاصل کر لیں اور امان پا لیں۔ وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ زندگی ان سے کیا کیا

---

[1] ملاحظہ ہو: [رقم: ۳۷۷]

امتحانات لیتی ہے، خاص طور پر جب فتنہ بپا تھا اور فتنہ پرور لوگ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں گھسے ہوئے تھے۔ خوارج ان کے، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اور اہلِ شام کے پیچھے پڑے ہوئے تھے۔

3- سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص سہمی قرشی رضی اللہ عنہما

ان کے بے بہا مناقب اور فضائل ہیں۔ علم اور عمل میں یہ رسوخ کے درجے کو پہنچے ہوئے تھے۔ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے علم کا ایک بڑا حصہ حاصل کیا۔[1] بغیر کسی چاہت کے جنگِ صفین میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے شرکت کی مگر جنگ میں قتال نہیں کیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو فتنوں سے الگ تھلگ رہنے کا حکم:

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عمرو رضی اللہ عنہما کو حکم دیا تھا کہ جب فتنے برپا ہوں تو وہ ان سے اجتناب کریں۔

[**142**] عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ ہم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے کہ فتنوں کا تذکرہ ہونے لگا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اس وقت ہوگا جب وعدوں اور امانتوں میں بگاڑ پیدا ہو جائے اور لوگ اس طرح ہو جائیں۔ راوی نے تشبیک کر کے دکھائی۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! اس وقت میرے لیے کیا حکم ہے؟ فرمایا: اپنے گھر کو لازم پکڑنا، اپنی زبان کو قابو میں رکھنا، تم جس چیز کو جانتے ہو اسے لازم پکڑو اور جسے نہیں جانتے اسے چھوڑ دو، تم اپنی فکر کرو اور عام لوگوں کے معاملے کو ترک کر دو....[2]

[**143**] ہمیں مطلب[3] نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ مجھے عبداللہ نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ

---

[1] سیر أعلام النبلاء (۷۹/۳)

[2] مسند أحمد (٦٩٨٧) ابونعیم: فضل بن دکین۔

تخریج الحدیث: اس روایت کو امام ابوداود نے سنن أبي داود (٤٣٤٣)، امام طحاوی نے شرح مشکل الآثار (۱۱۸۱)، طبرانی نے المعجم الکبیر (۹/۱۳، ح: ٤)، الدعاء (۱۹٦۳) میں، عقیلی نے الضعفاء الکبیر (۲۷۱/٦) اور ابونعیم نے معرفة الصحابة (۱۷۲۳/۳) میں فضل بن دکین کی سند سے ایسے ہی روایت کیا ہے۔ امام البانی اور شعیب ارناؤط نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

[3] مطلب بن شعیب بن حیان، ابومحمد ازدی، مولیٰ بصری، ثم المصری، ابوسعید بن یونس نے ان کو حدیث میں ثقہ کہا ہے۔ ابن حجر نے کہا: امام طبرانی اکثر ان سے روایت کرتے ہیں، اور یہ صدوق راوی ہیں۔ ابن جوزی نے بھی ان کو ثقہ شمار کیا ہے۔ اور ابن عدی نے ان کی ایک حدیث جس کو انھوں نے ابو صالح کاتب اللیث کی سند سے روایت کیا ہے، اس کا انکار کیا ہے۔ پھر کہا: اس روایت کی سند یوں ہے: "عن أبي صالح عن اللیث بنسخ اللیث" ←

مجھے یعقوب بن عبدالرحمان نے بیان کیا، وہ عمرو بن ابی عمرو سے، وہ علاء سے، وہ اپنے باپ سے، وہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن عمرو سے کہا: تمھارا اس وقت کیا بنے گا جب تم نکمے لوگوں میں باقی رہ جاؤ گے؟ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! یہ کیسے ہوگا؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب وعدوں اور امانتوں میں بگاڑ پیدا ہو جائے گا اور لوگ اختلاف کا شکار ہو جائیں گے اور وہ اس طرح ہو جائیں گے (راوی نے تشبیک کر کے دکھائی) میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! اس وقت میرے لیے کیا حکم ہے؟ فرمایا: اللہ سے ڈرنا، جس چیز کو پہچانتے ہو گے اسے پکڑنا اور جسے نہیں پہچانتے ہو گے اسے چھوڑ دینا، تم اپنی فکر کرنا اور عام لوگوں کے معاملے کو ترک کر دینا۔

ان احادیث کو عمرو بن ابی عمرو سے سوائے یعقوب بن عبدالرحمان زہری کے اور کسی نے بیان نہیں کیا۔[1]

صفین میں ان کی حاضری کے باوجود قتال نہ کرنے کا سبب:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کو فتنوں سے بچنے کے حکم کے باوجود انھوں نے صفین میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے شرکت کی، مگر اس میں دلچسپی تھی اور نہ انھوں نے قتال ہی کیا۔

← اس کے علاوہ ان کی کوئی اور روایت منکر نہیں ہے، ابو صالح سے ان کی باقی روایات صحیح ہیں۔ ۲۸۲ھ میں فوت ہوئے۔
المنتظم (۳۵۸/۱۲)، لسان الميزان (۵۰/٦) إرشاد القاصي والداني إلى شيوخ الطبراني (۱۰٦٦).

[1] المعجم الأوسط (۸۷۹۱) حدیث صحیح ہے۔ علاء کے سبب اس کی سند حسن ہے۔ اس کا نام ابو شبل ابن عبدالرحمان بن یعقوب مدنی ہے۔ مولی الحرقہ، صدوق راوی ہے کبھی کبھی وہم کھا جاتا تھا، امام مسلم اور ائمۂ سنن اربعہ نے اس سے روایات لی ہیں، باقی رواۃ ثقہ ہیں۔ مطلب بن شعیب کی متابعت موجود ہے۔ ابن وہب: عبداللہ ابو احمد المصری۔
یعقوب بن عبدالرحمان: زہری، اس کے شیخ کا نام ابو عثمان المدنی ہے، مولی المطلب۔

تخریج الحدیث: امام طحاوی نے اس کو شرح مشكل الآثار (۱۱۸۲) میں بحر بن نصر سے روایت کیا ہے۔ ابو عمر الدانی نے اس کو السنن الواردة في الفتن (۲۵۵) میں ہارون بن سعید ایلی سے روایت کیا ہے۔ یہ دونوں پھر ابن وہب سے روایت کرتے ہیں۔ دولابی نے اس کو الكنى والأسماء (۷٤۸/۲، ح: ۱۲۹٦) میں روایت کیا ہے۔ مجھے احمد بن شعیب نے خبر دی، مجھے عمرو بن منصور نے بتایا، ہمیں حسان ابو علی نے بیان کیا، ہمیں یعقوب نے ایسے بیان کیا۔
امام طحاوی نے اس کو شرح مشكل الآثار (۱۱۸۳) میں سلیمان بن بلال کی سند سے روایت کیا ہے۔ ابن حبان نے اس کو (۵۹۵۰، ۵۹۵۱، ٦۷۳۰) میں روح بن قاسم کی سند سے روایت کیا ہے، پھر یہ دونوں ہی علاء بن عبدالرحمان سے روایت کرتے ہیں۔ امام البانی اور شعیب ارناؤط نے اس کو صحیح کہا ہے۔ التعليقات الحسان (۵۹۲۰)

معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: تمھارا ہمارے ساتھ ہونے کا کیا مقصد ہے؟ تو انھوں نے وضاحت کی کہ مجھے میرے والد نے اپنے ساتھ جنگ میں شرکت کی دعوت دی اور نبی ﷺ نے باپ کی اطاعت کا حکم دیا ہے جب تک وہ زندہ ہو۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کا معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ جواب تھا (ایک دفعہ میرے والد نے رسول اللہ ﷺ سے میری شکایت کی تھی، تو رسول اللہ ﷺ نے کہا تھا جب تک تمھارا والد زندہ ہے اس کی بات مانو اور نافرمانی نہ کرنا، تو (اس وجہ سے) میں تمھارے ساتھ ہوں، مگر میں قتال نہیں کروں گا)۔[1]

ایسے ہی جنابِ حسین رضی اللہ عنہ نے بھی ان سے سوال کیا: (تمھیں کس چیز نے مجبور کیا کہ تم صفین میں مجھ سے اور میرے باپ سے قتال کرو؟ اللہ کی قسم! میرا باپ مجھ سے بہتر ہے۔ انھوں نے کہا: ذرا ٹھہرو، میرے والد عمرو نے ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کی جناب میں میری شکایت کی کہ عبداللہ دن کو روزے رکھتا ہے اور راتوں کو قیام کرتا ہے۔ اس پہ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے کہا تھا: تم نماز پڑھو، سو بھی جاؤ۔ روزہ رکھو اور وقفہ بھی کیا کرو، اور (اپنے باپ) عمرو کی بات مانا کرو۔ جب جنگ کا دن تھا تو انھوں نے اللہ کی قسم دے کر مجھے شریک ہونے کو کہا، اللہ کی قسم! میں نے ان کی تعداد میں کوئی اضافہ نہیں کیا، نہ میں نے ان کے لیے تلوار میان سے نکالی، نہ کسی کو نیزے سے زخم لگایا اور نہ کوئی تیر پھینکا)۔[2]

جنگِ صفین میں شریک دو بڑے آدمیوں نے عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے جنگ میں ان کی شرکت کا سبب پوچھا۔ تو وہ دونوں آدمی:

① معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما ہیں جنھوں نے دورانِ جنگ ان سے یہ سوال کیا تھا۔

② حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما ہیں جنھوں نے جنگ کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں یا ان کے بیٹے کی حکومت میں یہ سوال کیا تھا۔

تو عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نے دو معاملوں کو جمع کیا، جن کا نبی ﷺ نے انھیں کرنے کا حکم دیا تھا، پھر دونوں کی بنیاد پر اجتہاد کیا۔ جنگ میں شریک ہونا اس اجتہاد کا نتیجہ تھا۔

اپنے والد کے حکم پر جنگ میں شریک ہونا نبی ﷺ کی اس حدیث کی اتباع میں تھا کہ جب تک تمھارا والد زندہ ہے، اس کی بات مانو اس کی نافرمانی نہ کرو۔[3] اور انھوں نے جنگ میں کوئی اسلحہ وغیرہ استعمال نہیں کیا، کیونکہ نبی ﷺ نے انھیں فتنوں میں داخل ہونے سے منع کیا تھا۔[4]

---

[1] ملاحظہ ہو: [رقم: ۳۷۵]
[2] ملاحظہ ہو: [رقم: ۱۵۰]
[3] ملاحظہ ہو: [رقم: ۳۷۵]
[4] ملاحظہ ہو: [رقم: ۱۴۲، ۱۴۳]

تو عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے دونوں معاملات کو سامنے رکھتے ہوئے اس طرح عمل کیا اور کسی ایک میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہیں کی۔ تو وہ معاملہ کیا تھا جس کی وجہ سے جنابِ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبداللہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شکایت کی تھی؟

صحیح احادیث کو جمع کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جنابِ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے دو وجوہات پر عبداللہ کی شکایت کی تھی۔

اوّل: عبداللہ رضی اللہ عنہ کا عبادت میں کوشش، محنت اور شدید محبت کی وجہ سے اپنی بیوی کے حقوق میں کوتاہی کرنا۔

تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اس پہ اجتہاد کا صحیح طریقہ سکھایا اور انھیں یہ بات بتائی کہ بیوی کا بھی ان پہ حق ہے۔

دوم: ان کا اپنے والد کی بات نہ ماننا یہ تب ہوا تھا جب ان کی بیوی نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو شکایت کی تو عمرو رضی اللہ عنہ نے انھیں اس رویے سے منع کیا اور ڈانٹا تھا، لیکن عبداللہ رضی اللہ عنہ پہ اس بات کا کوئی اثر نہیں ہوا، کیونکہ انھیں اپنی طبیعت سے ایک قوت اور نشاط فی العبادت حاصل تھا، یہاں تک کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ اور ان کی بیگم کے درمیان یہ تکرار کافی دیر تک چلتی رہی۔ پھر عمرو رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کے ساتھ پیش آنے والا سارا واقعہ سنایا اور کہا کہ جو قوت و طاقت اور نشاط مجھے میسر تھا، اس کی وجہ سے میں نے اپنے باپ کی باتوں پر کوئی کان نہیں دھرا،[1] اور روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ جب یہ معاملہ طوالت پکڑ گیا تب جا کے انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا،[2] ظاہر یہ ہوتا ہے کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنی عدمِ اطاعت اور بیوی کے معاملات میں غفلت برتنے پر انھیں شدید ڈانٹا تھا، پھر انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جا کر شکایت کی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں کہا: اپنے باپ کی بات مانو جب تک وہ زندہ ہے اور اس کی نافرمانی نہ کرو۔[3]

عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نے حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے کہا: لیکن عمرو رضی اللہ عنہ نے جا کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میری شکایت کی اور کہا میرا بیٹا عبداللہ راتوں کا قیام کرتا ہے، دن کا روزہ رکھتا ہے، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: نماز بھی پڑھو اور سویا بھی کرو، روزہ رکھا بھی کرو اور چھوڑ بھی دیا کرو اور عمرو (اپنے باپ) کی اطاعت کرو۔[4]

---

[1] ملاحظہ ہو: [رقم: ۱۴۵]

[2] ملاحظہ ہو: [رقم: ۱۴۶]

[3] ملاحظہ ہو: [رقم: ۳۷۵]

[4] ملاحظہ ہو: [رقم: ۱۵۰]

نبی ﷺ کی عدالت میں دو معاملے پیش کیے گئے تھے، جن کی جنابِ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے شکایت کی تھی۔ عبادات میں مشغولیت کے سبب بیوی کے حقوق میں غفلت کرنا۔ باپ کی اطاعت میں بے پروائی کرنا۔

[**144**] سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میرے والد نے قریش کی ایک خاتون سے میری شادی کر دی، جب وہ اپنے میکے سے رخصت ہو کر میرے پاس آئی تو عبادات، مثلاً: نماز، روزے کی بھر پور طاقت اور شوق کی وجہ سے میں نے اس کی طرف کوئی توجہ ہی نہیں کی، اگلے دن میرے والد عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اپنی بہو کے پاس آئے اور اس سے پوچھنے لگے کہ تم نے اپنے شوہر کو کیسا پایا؟ اس نے جواب دیا: بہترین شوہر، جس نے میرے سائے کی بھی جستجو نہ کی اور میرا بستر بھی نہ پہچانا، یہ سن کر وہ میرے پاس آئے اور مجھے خوب ملامت کی اور زبان سے کاٹ کھانے کی باتیں کرتے ہوئے کہنے لگے کہ میں نے تیرا نکاح قریش کی ایک اچھے حسب نسب والی خاتون سے کیا اور تو نے اس سے بے پروائی کی اور یہ کیا، اور وہ کیا۔ پھر وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور میری شکایت کی۔ نبی ﷺ نے مجھے بلوایا، میں حاضرِ خدمت ہوا۔ نبی ﷺ نے مجھ سے پوچھا: کیا تم دن میں روزہ رکھتے ہو؟ میں نے عرض کی: جی ہاں! نبی ﷺ نے پوچھا: کیا تم رات میں قیام کرتے ہو؟ میں نے عرض کی: جی ہاں! نبی ﷺ نے فرمایا: ''لیکن میں تو روزہ بھی رکھتا ہوں اور ناغہ بھی کرتا ہوں، رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں کے پاس بھی جاتا ہوں۔ جو شخص میری سنت سے اعراض کرے اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔'' پھر نبی ﷺ نے فرمایا کہ ہر مہینے میں صرف ایک قرآن پڑھا کرو، میں نے عرض کی کہ میں اپنے اندر اس سے زیادہ طاقت محسوس کرتا ہوں، نبی ﷺ نے فرمایا: پھر دس دن میں مکمل کر لیا کرو۔

میں نے عرض کی کہ میں اپنے اندر اس سے بھی زیادہ طاقت محسوس کرتا ہوں، نبی ﷺ نے فرمایا: پھر تین راتوں میں مکمل کر لیا کرو۔ اس کے بعد نبی ﷺ نے فرمایا: ہر مہینے میں تین روزے رکھا کرو، میں نے عرض کی کہ میں اپنے اندر اس سے زیادہ طاقت محسوس کرتا ہوں، نبی ﷺ مجھے مسلسل کچھ چھوٹ دیتے رہے، یہاں تک کہ آخر میں فرمایا: پھر ایک دن روزہ رکھ لیا کرو اور ایک دن ناغہ کر لیا کرو۔ یہ بہترین روزہ ہے، اور یہ میرے بھائی حضرت داود ﷺ کا طریقہ رہا ہے۔

پھر حصین نے اپنی روایت میں کہا: پھر نبی ﷺ نے فرمایا: ہر عابد میں ایک تیزی ہوتی ہے، اور ہر تیزی کا ایک انقطاع ہوتا ہے، یا سنت کی طرف یا بدعت کی طرف، جس کا انقطاع سنت کی طرف ہو تو وہ ہدایت پا جاتا ہے اور جس کا انقطاع کسی اَور چیز کی طرف ہو تو وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔

مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بوڑھے اور کمزور ہو گئے، تب بھی اسی طرح یہ روزے رکھتے رہے[1] اور بعض کو بعض کے ساتھ ملا لیتے تاکہ انھیں قوت حاصل رہے، پھر اتنے دنوں کے شمار کے مطابق ناغہ کر لیتے۔ اسی طرح قرآنِ کریم کی تلاوت میں بھی بعض اوقات کمی بیشی کر لیتے، البتہ سات یا تین کا عدد ضرور پورا کرتے تھے، اور بعد میں کہا کرتے تھے: اگر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رخصت کو قبول کر لیتا تو اس سے اعراض کرنے سے زیادہ مجھے پسند ہوتا، لیکن اب مجھے یہ گوارا نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جس حال میں جدائی ہوئی ہو، اس کی خلاف ورزی کروں۔[2]

[**145**] حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میرے والد نے ایک خاتون سے میری شادی کر دی، پھر وہ اس سے ملنے آئے تو پوچھا: تیرا خاوند کیسا ہے؟ وہ کہنے لگی: اچھا آدمی ہے جو رات کو سوتا نہیں اور دن کو روزے سے ناغہ نہیں کرتا۔ تو والدِ محترم نے مجھے سخت سست کہا اور فرمانے لگے کہ میں نے ایک (بہترین) مسلمان عورت سے تیری شادی کی ہے اور تو نے اسے بن بیاہی بنا رکھا ہے؟ لیکن میں ان کے کہنے کی طرف توجہ نہیں دیتا تھا، کیونکہ میں اپنے اندر (عبادت کی) قوت اور شوق پاتا تھا۔ یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لیکن میں تو رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔ روزہ بھی رکھتا ہوں اور ناغے بھی کرتا ہوں، چنانچہ تو نماز بھی پڑھ اور سو بھی۔ روزے بھی رکھ اور ناغے بھی کر۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مہینے سے تین روزے رکھ لیا کر۔ میں نے عرض کی: مجھے اس سے زیادہ کی طاقت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر داود علیہ السلام جیسے روزے رکھ۔ ایک دن روزہ رکھ اور ایک دن ناغہ کر۔ میں نے کہا: مجھے اس سے زیادہ کی طاقت ہے۔ (مگر آپ نے اجازت نہ دی)، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک ماہ میں (تہجد کے دوران میں) ایک دفعہ قرآن ختم کیا کر۔ لیکن پھر (میرے بار بار کہنے پر) آپ پندرہ تک آ گئے۔ میں اب بھی یہی کہہ رہا تھا: مجھے اس سے زائد کی طاقت ہے۔[3]

[**146**] سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا: میرے والد عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ

---

[1] یعنی وہ جتنے روزے رکھتے تھے، اتنے دن ہی چھوڑتے تھے لیکن اس قدر طاقت نہ تھی کہ مسلسل روزے رکھتے، سو وہ کچھ دن روزہ رکھ لیتے پھر اسی ترتیب سے اگلے دنوں میں چھوڑ دیتے۔

[2] مسند أحمد (٦٤٧٧) حاشیہ مسند احمد از سندی (۲۸۲/۴، ح: ۲۹۲۸) شعیب ارناؤط کا کہنا ہے: اس روایت کی سند شیخین کی شروط پہ صحیح ہے۔ ہشیم: ابن بشیر۔ حصین بن عبدالرحمان: ابوھذیل سلمی۔ مغیرہ الضبی: ابن مقسم۔

[3] سنن النسائي (۲۳۹۰) امام البانی نے اس کو صحیح کہا ہے۔ عبثر: ابن القاسم زبیدی، ابوزبید کوفی۔

نے میرا نکاح شریف خاندان کی ایک عورت (ام محمد بنت محمیہ) سے کر دیا تھا اور ہمیشہ اس کی خبر گیری کرتے رہتے تھے اور ان سے بار بار اس کے شوہر (یعنی خود ان) کے متعلق پوچھتے رہتے تھے۔ میری بیوی کہتی کہ بہت اچھا مرد ہے۔ البتہ جب سے میں ان کے نکاح میں آئی ہوں انھوں نے اب تک ہمارے بستر پر قدم بھی نہیں رکھا، نہ میرے کپڑے میں کبھی ہاتھ ڈالا۔ جب بہت دن اسی طرح ہو گئے تو والد صاحب نے مجبور ہو کر اس کا تذکرہ نبی کریم ﷺ سے کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے اس کی ملاقات کراؤ۔ چنانچہ میں اس کے بعد نبی کریم ﷺ سے ملا۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ روزہ کس طرح رکھتے ہو؟ میں نے عرض کی کہ روزانہ، پھر دریافت فرمایا: قرآن مجید کس طرح ختم کرتے ہو؟ میں نے عرض کی: ہر رات۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر مہینے میں تین دن روزے رکھو اور قرآن ایک مہینے میں ختم کیا کرو۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! مجھے اس سے زیادہ کی طاقت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہر ہفتے میں تین روزے رکھا کرو۔ میں نے عرض کی: میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: دو دن افطار کرو اور ایک دن روزہ رکھا کرو۔ میں نے عرض کی: میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ پھر وہ روزہ رکھو جو سب سے افضل ہے، یعنی داود علیہ السلام کا روزہ، ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن افطار کرو اور قرآن مجید سات دن میں ختم کرو۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے: کاش! میں نے نبی کریم ﷺ کی رخصت قبول کر لی ہوتی، کیونکہ اب میں بوڑھا اور کمزور ہو گیا ہوں۔

آپ اپنے گھر کے کسی آدمی کو قرآنِ مجید کا ساتواں حصہ، یعنی ایک منزل دن میں سنا دیتے تھے۔ جتنا قرآنِ مجید آپ رات کے وقت پڑھتے اسے پہلے دن میں سنا رکھتے، تاکہ رات کے وقت آسانی سے پڑھ سکیں اور جب (قوت ختم ہو جاتی اور نڈھال ہو جاتے اور) قوت حاصل کرنا چاہتے تو کئی کئی دن روزہ نہ رکھتے، کیونکہ آپ کو یہ پسند نہیں تھا کہ جس چیز کا رسول اللہ ﷺ سے وعدہ کر لیا ہے (ایک دن روزہ رکھنا ایک دن افطار کرنا) اس میں سے کچھ بھی چھوڑیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ بعض راویوں نے تین دن میں اور بعض نے پانچ دن میں۔ لیکن اکثر نے سات راتوں میں ختم کی حدیث روایت کی ہے۔[1]

[**147**] حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے مجھ سے فرمایا: مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم دن بھر روزہ رکھتے ہو اور رات بھر قیام کرتے ہو، ایسا نہ کرو، کیونکہ تمھارے جسم کا بھی تم پر حق ہے، تمھاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے اور تمھاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے۔ ہر مہینے صرف تین دن روزہ رکھا کرو، یہ

---

[1] صحيح البخاري (٤٧٦٥) موسیٰ: ابن اسماعیل تبوذکی، ابوسلمہ المنقری۔ ابوعوانہ: وضاح بن عبداللہ الیشکری۔

ہمیشہ روزہ رکھنے کے برابر ہوگا۔ میں نے عرض کی کہ مجھ میں اس سے زیادہ طاقت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: پھر داود علیہ السلام کا طریقہ اختیار کر کے ایک دن روزہ اور ایک دن ناغہ کر لیا کرو۔ بعد میں حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے: کاش! میں نے نبی ﷺ کی اس رخصت کو قبول کر لیا ہوتا۔[1]

قاتلِ عمار رضی اللہ عنہ کے بارے میں ان کا موقف:

جس بندے نے بھی جنابِ عمار رضی اللہ عنہ کے قتل کا دعویٰ کیا، عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے اس کے اس کام کو ناپسند کیا، اور نبی ﷺ کی یہ حدیث سنائی: ''عمار کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔''

حنظلہ بن خویلد عنزی سے مروی ہے کہ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، اس دوران میں دو آدمی آئے جو عمار رضی اللہ عنہ کے سر کے بارے جھگڑ رہے تھے، ان میں سے ہر ایک کا دعویٰ تھا کہ اس نے عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کیا ہے، اس پہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے کہا: تم میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ وہ دوسرے کو اس سے نجات دلائے، بے شک میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا: ''عمار کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔''[2]

صفین میں حاضری پہ ان کی ندامت:

باوجود اس بات کے کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جنگِ صفین میں قتال نہیں کیا، مگر انھیں اپنی اس حاضری پہ شدید ندامت تھی۔

[**148**] داود بن عمرو الضبی[3] نے روایت کیا ہے: ہمیں نافع بن عمر نے بیان کیا، وہ ابن ابی ملیکہ سے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے کہا: میرا جنگِ صفین سے کیا تعلق ہے؟ میرا مسلمانوں کے قتال سے کیا لینا دینا، میری تو خواہش ہے کہ میں جنگِ صفین سے بیس سال پہلے مر جاتا۔

ابوبکر[4] کی روایت میں ''قتل کر دیا جاتا'' کے الفاظ ہیں: بخدا میں نے تلوار چلائی نہ کسی کو نیزا مارا اور نہ کوئی تیر چلایا۔ مجھ سے زیادہ اس جنگ سے بچنے والا کوئی اور نہ ہوگا۔ ان کو یاد دلایا گیا کہ جھنڈا تو آپ کے ہاتھ میں تھا۔

---

1. مسند أحمد (٦٨٣٢) شعیب ارناؤط کا کہنا ہے: اس کی سند شیخین کی شروط پہ صحیح ہے۔ عفان: ابن مسلم۔
2. ملاحظہ ہو: [رقم: ٣٧٥]
3. داود بن عمرو بن زہیر بن عمرو الضبی، ابوسلیمان البغدادی، ثقہ۔ م، س۔ التقریب (١٨٠٣)
4. ابوبکر محمد بن حسین بن علی بغدادی مزرفی فرضی، متوفی: ٥٢٧ھ۔ دیکھیے: سیر أعلام النبلاء (١٩/٦٣٢) دکتور طلال دعجانی نے ''معجم الصحابة للبغوي'' میں ابن عساکر کی سماعات میں اس سند کا ذکر نہیں کیا۔

نافع نے کہا: میرا گمان ہے کہ انھوں نے یہ بھی کہا: میں تو صرف لوگوں کے ساتھ ایک یا دو منزل ہی چلا تھا۔[1]

[149] سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: میرا جنگِ صفین سے کیا تعلق ہے؟ میرا مسلمانوں کے قتال سے کیا لینا دینا، میری تو خواہش ہے کہ میں جنگِ صفین سے بیس سال پہلے مر جاتا۔ بخدا میں نے تلوار چلائی نہ کسی کو نیزا مارا اور نہ کوئی تیر چلایا۔ مجھ سے زیادہ اس جنگ سے بچنے والا کوئی اَور نہ ہوگا۔ نافع نے کہا: میرا گمان ہے انھوں نے یہ بھی کہا: میں تو صرف لوگوں کے ساتھ ایک یا دو منزل ہی چلا تھا۔[2]

[150] امام طبرانی کہتے ہیں کہ ہم سے بیان کیا علی بن سعید الرازی[3] نے، وہ کہتے ہیں کہ

---

① تاریخ دمشق (٣١/٢٧٨- ٢٧٩) اس کی سند امام مسلم کی شروط پہ صحیح ہے، سوائے ''ذکر کیا گیا ہے کہ جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھا۔'' الفاظ کے، یہ نافع کا قول ہے۔ ابن سعد کی روایت جو آگے نقل ہوگی اس میں یہ واضح ہے، یہ روایت انقطاع کے سبب ضعیف ہے، رافع نے یہ روایت ابن ابی ملیکہ سے نہیں سنی اس لیے اس کو صیغۂ تمریض کے ساتھ بیان کیا۔ راوی کے یہ الفاظ: ''میرا گمان ہے۔'' یہ اس کی طرف سے شک کی بنا پہ روایت ضعیف ہو جاتی ہے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جھنڈا ان کے ہاتھ میں ہو اور قتال نہ کیا ہو۔ اور اسی طرح نافع کے ان الفاظ: ''میرا خیال ہے انھوں نے کہا: میں لوگوں کے ساتھ چلا ......'' کے علاوہ بھی شک کی وجہ سے ضعیف ہے۔

نافع بن عمر: جمحی۔ ابن ابی ملیکہ: عبداللہ بن عبیداللہ ابن ابی ملیکہ۔ دیکھیں: موارد ابن عساكر في تاريخ دمشق (٢/٧٣٣)

تخریج الحدیث: اس روایت کو ابن عبدالبر نے الاستیعاب (٣/٩٥٨) میں ''سعید بن ابی مریم عن نافع بن عمرو الجمحی'' سے اسی سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔

مزید ابن عبدالبر نے اس روایت کو الاستیعاب (٣/٩٥٨) میں ''نصیب بن ناصح البصری عن نافع بن عمرو الجمحی'' سے ایسے ہی بیان کیا۔ اس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں: ''نہ میں نے کوئی نیزہ مارا، نہ کوئی تیر چلایا۔ میری خواہش یہی ہے کہ میں ایسی کسی چیز میں حاضر نہ ہوتا، میں اس چیز پہ اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتا ہوں اور استغفار طلب کرتا ہوں۔''

الفاظ کا تھوڑا سا اختلاف بھی ہے: ''جب ان کو اس دن جھنڈے کے بارے یاد دلایا گیا، تو معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کے قتال سے انھوں نے شدید ندامت کا اظہار کیا اور استغفار و توبہ کرنی شروع کر دی۔'' استغفار کے الفاظ سے یہ شاذ ہے، یحییٰ اور اس کا شیخ خصیب صدوق ہیں، غلطیاں کر جاتے تھے۔ روایت میں اس زیادت کے ساتھ منفرد ہیں۔ رہا جھنڈے کا ذکر تو یہ الفاظ منقطع ہیں۔ ملاحظہ ہو: تاريخ الإسلام (٥/١٦٦) تحقيق: تدمري، (٢/٦٦٩) تحقيق: بشار عواد، سير أعلام النبلاء (٣/٩٢)

② الطبقات الکبری (٤/٢٦٦) اس کی سند صحیح ہے، رجال ثقہ ہیں اور رجال الشیخین ہیں، سوائے نافع کے اس قول کے: ''میرا گمان ہے کہ ......'' اس کے متعلق پہلے بات ہو چکی ہے۔

③ ابوالحسن علی بن سعید بن بشیر بن مہران رازی، ''عَلِیَّك'' سے معروف ہے، امام دارقطنی کہتے ہیں: یہ اپنی احادیث میں کچھ نہیں ہے، ایسی احادیث بیان کرتا ہے جس کی کوئی دوسرا متابعت نہیں کرتا، اور مصر میں ہمارے اصحاب نے اس ←

ہمیں خبر دی عباد بن یعقوب اسدی نے، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی علی بن ہاشم بن برید نے، وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے حدیث بیان کی میرے والد نے، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی اسماعیل بن رجاء نے بواسطہ اپنے والد رجاء بن ربیعہ سے، وہ کہتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں اس مجلس میں موجود تھا جس میں ابوسعید خدری اور عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم بھی تھے، جب سیدنا حسین رضی اللہ عنہ وہاں سے گزرے تو انھوں نے سلام کیا، تو مجلس میں موجود افراد نے بھی سلام کا جواب دیا، عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما خاموش رہے، جب لوگ سلام کا جواب دینے سے فارغ ہو گئے تو عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے بلند آواز سے سلام کا جواب دیا: "وعليك السلام ورحمة الله وبركاته"، پھر وہ لوگوں کی جانب متوجہ ہوئے اور کہا: کیا میں تمھیں اس بات کی خبر نہ دوں زمین والوں میں سے آسمان والوں کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب شخص کی؟ لوگوں نے کہا: کیوں نہیں، عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ وہ شخص ہے جو ابھی یہاں سے گیا ہے، میں نے صفین کی رات سے لے کر اب تک اس شخص سے کلام نہیں کیا ہے، اور اس شخص کا مجھ سے راضی ہونا میرے لیے اُحد پہاڑ سے بڑھ کر محبوب ہے۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: تو آپ حسین رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر ان سے معذرت کیوں نہیں کر لیتے، پس ان دونوں نے حسین رضی اللہ عنہ کے پاس جانے کا وعدہ کر لیا۔ تو میں بھی ان دونوں کے ساتھ جانے کے لیے ان کے ہمراہ ہولیا۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے اندر داخل ہونے کے لیے اجازت طلب کی، تو انھیں اجازت مل گئی تو ہم داخل ہوگئے، داخل ہونے کے بعد ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے لیے داخل ہونے کی اجازت طلب کرتے رہے یہاں تک کہ ان کو بھی داخل ہونے کی اجازت مل گئی۔

چنانچہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما داخل ہوئے، جب ابوسعید نے ان کو دیکھا تو ان کے لیے جگہ خالی کر دی جبکہ وہ حسین رضی اللہ عنہ کے پہلو میں بیٹھے ہوئے تھے، حسین رضی اللہ عنہ نے انھیں اپنی طرف کھینچ لیا، اس پہ ابن عمرو رضی اللہ عنہما کھڑے ہو گئے اور بیٹھے نہیں، جب حسین رضی اللہ عنہ نے یہ صورتِ حال دیکھی تو انھوں نے ابوسعید رضی اللہ عنہ سے جگہ چھوڑائی اور انھیں ذرا دور کر دیا۔ ابن عمرو رضی اللہ عنہما دونوں کے درمیان اس خالی جگہ پہ بیٹھ گئے، تو ابوسعید رضی اللہ عنہ

← کے بارے میں کلام کیا ہے، - اور اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا - اور کہا: وہ ایسا ہے وہ ایسا ہے اور اپنے ہاتھ کو ہلاتے ہوئے کہا: یہ ثقہ نہیں ہے۔ ابن یونس کہتے ہیں: احادیث کا فہم رکھتا تھا اور ان کو یاد رکھتا تھا، لوگوں نے اس میں کلام کیا ہے۔ خلیلی کہتے ہیں: حافظ ہے متقی ہے، غریب احادیث بیان کرتا ہے۔ مسلمہ بن قاسم کہتے ہیں: ثقہ ہے حدیث کا جاننے والا عالم ہے۔ ابن حجر کہتے ہیں: شاید لوگوں نے اس پر اس لیے کلام کیا کہ حکمرانوں کے پاس جاتا تھا۔ حمزہ بن محمد کنانی نے حکایت بیان کی: عبدان بن احمد جوالیقی اس کی تعظیم کرتے تھے۔ دیکھیے: تاریخ دمشق (٥١٠/٤١) لسان الميزان (٥٤٠٠) الثقات لابن قطلوبغا (٢١٠/٧) إرشاد القاصي والداني إلى شيوخ الطبراني (٦٧٩)

نے کہا: اے رسول اللہ ﷺ کے بیٹے! کل شام جب آپ گزرے تھے اور پھر انھوں نے حسین رضی اللہ عنہ کو عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے اس قول کی خبر دی جو انھوں نے کل فرمایا تھا۔ حسین رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے فرمایا: اے عبداللہ! کیا آپ کو اس بات کا علم تھا، کہ میں اہلِ زمین میں آسمان والوں کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہوں؟ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے کہا: ربِ کعبہ کی قسم! ہاں، حسین رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر کیوں تم نے صفین میں مجھ سے اور میرے والد سے قتال کیا؟ اللہ کی قسم! میرے والد مجھ سے بہتر تھے، عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے کہا: ہاں ایسا ہی ہے، لیکن (میرے والد) عمرو رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے میری شکایت کی، آپ ﷺ سے کہا: یا رسول اللہ! یہ عبداللہ رات بھر نماز میں کھڑا رہتا ہے۔ اور دن میں روزہ رکھتا ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے کہا: اے عبد اللہ بن عمرو! نماز بھی پڑھو اور سو بھی جاؤ، اور افطار بھی کرو (یعنی: روزہ رکھو بھی اور چھوڑو بھی) اور عمرو رضی اللہ عنہما کی فرمانبرداری کرو، عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: اور جو صفین والے دن کا معاملہ ہے مجھے قسم ہے! میں جو صفین کے لیے نکلا تو میں نے نہ تو اس گروہ کی کثرت میں اضافہ کیا اور نہ ہی میں نے ان کے لیے تلوار کو سونتا، اور نہ ہی میں نے نیزہ چلایا، اور نہ ہی میں نے تیر چلایا، راوی کہتے ہیں: انھوں نے اس معذرت کو قبول کر لیا۔[1]

---

[1] المعجم الأوسط (۳۹۱۷) اس حدیث کی سند حسن ہے۔ اس سند کے متعلق ابن حجر رحمہ اللہ کا قول آگے کی خبر میں آئے گا۔
طبرانی نے اس خبر کے عقب میں کہا: اس حدیث کو ہاشم بن البرید کے علاوہ کوئی بواسطہ اسماعیل بن رجاء روایت نہیں کرتا، اور اس حدیث کو ہاشم سے اس کے بیٹے علی بن ہاشم کے علاوہ کوئی دوسرا روایت نہیں کرتا، عباد بن یعقوب اس حدیث کو روایت کرنے میں منفرد ہے اور اسی طرح کہا۔ عباد بن یعقوب، وہ الرواجنی ہے، یہ اس حدیث کو روایت کرنے میں منفرد نہیں ہے جیسا کہ تخریج میں آگے آئے گا۔

حدیث کے متن میں اختلاف:

⊙ اس حدیث کو داود بن عمرو الضبی نے روایت کیا اور وہ ثقہ ہے بواسطہ علی بن ہاشم بن البرید، اسی سند کے ساتھ، اور اس میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا قصہ روایت کیا۔ اس روایت کی تخریج آگے آتی ہے۔
⊙ اور اس حدیث کو عباد بن یعقوب الرّواجنی (صدوق (سچا) رافضی) نے بواسطہ علی بن ہاشم اسی طرح روایت کیا ہے، اور بواسطہ عباد اس میں اختلاف کیا گیا۔
- پس اس کو علی بن سعید رازی نے عباد سے روایت کرتے ہوئے حسین رضی اللہ عنہ کا نام لیا۔ (یہ اس باب میں وہ روایت ہے جسے طبرانی نے روایت کیا ہے)
- حافظ ابوبکر بزار نے اس کی مخالفت کرتے ہوئے روایت بواسطہ عباد حسن رضی اللہ عنہ کا نام لیا ہے۔ اور یہ روایت بھی آگے آتی ہے۔
اور صحیح روایت وہی ہے جسے داود بن عمرو نے روایت کیا ہے، کیونکہ وہ حدیث بیان کرنے میں عباد بن یعقوب سے ←

یعنی حضرت حسین رضی اللہ عنہ جنگِ صفین کے بعد عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے گفتگو نہیں کرتے تھے، اور ایک دن عبداللہ رضی اللہ عنہ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے جب انھوں نے جنابِ حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے فضائل میں سے ایک فضیلت ذکر کی اور یہ خواہش کی کہ کاش! حسین رضی اللہ عنہ انھیں معاف کر دیں۔ تو ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے

← زیادہ ثقہ ہے، اور شاید عباد بن یعقوب اس حدیث کو اچھی طرح سے ضبط نہ کرسکا ہو۔ چنانچہ اس نے اس حدیث کو دو طریقوں سے روایت کیا۔ یہاں پر ایک اَور دلیل موجود ہے اس قصے کے بارے میں جو حسین رضی اللہ عنہ کے معاملے میں ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ ابتدا میں اس صلح کے خلاف تھے بعد میں جب حسن رضی اللہ عنہ ان پر غضبناک ہوئے تو انھوں نے اس صلح کو قبول کیا۔ ملاحظہ ہو: [رقم: ۵۷۲]

اور حسن رضی اللہ عنہ کا جہاں تک معاملہ ہے وہ تو صلح کی جانب راغب تھے، ان سے تو صلح کے معاملہ میں کراہت منقول ہی نہیں ہے، اور حسن رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین صلح ہونے سے قبل ہی یہ بات طے ہوچکی تھی کہ جو کچھ بھی واقعات صلح سے قبل پیش آئے ہیں وہ عام معافی کے زمرے میں ہوں گے۔ تو حسن رضی اللہ عنہ اس صلح کے نتیجے میں معافی کے بعد عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے کس طرح پیٹھ پھیر سکتے ہیں؟

تخریج: اس حدیث کو ابن عساکر (۳۱/ ۲۷۵) نے تاریخ دمشق میں اور ان کے طریق پر ابن اثیر نے أسد الغابة (۳۵۸/۳) میں نکالا ہے: ہمیں ابوبکر محمد بن حسین نے خبر دی، ہمیں ابو الحسین ابن المہتدی نے بیان کیا۔ (ح) ہمیں ابو القاسم ابن السمرقندی نے خبر دی، کہتے ہیں: ہمیں ابو الحسین ابن النقور نے خبر کی، پھر یہ دونوں راوی کہتے ہیں: ہمیں ابو القاسم عیسیٰ بن علی نے بیان کیا، ہمیں عبداللہ بن محمد بغوی نے خبر کی، ہمیں داود بن رشید نے بیان کیا، ہمیں علی بن ہاشم نے یہ روایت ایسے ہی بیان کی: اور ابن عساکر اور ابن اثیر کے نزدیک یہ لفظ نہیں ہے: "لا طاعة لمخلوق في ......" ''خالق کی معصیت میں مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں ہے۔''

میں (شمری) کہتا ہوں: یہ ابن عساکر کا طریق وہ طریق ہے جس میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ ''حدیث داود بن عمرو الضبی'' جسے ابو القاسم بغوی نے جمع کیا ہے، اس کے لیے موارد ابن عساکر (۱٦۱٦/۳) ملاحظہ فرمائیں، شاید داود بن عمر تصحیف ہو کر داود بن رشید ہوگیا ہے، اور اس بات کی تائید اعرابی کی وہ حدیث کرتی ہے جسے انھوں نے معجم الأعرابي (۱۰۲۸/۳، ح: ۲۲۰۵) میں نکالا ہے: نا علي بن سهل (بن المغيرة النسائي البزار)، نا داود بن عمرو الضبي، نا علي بن هاشم البريد، به. اور اس حدیث میں داود بن عمرو الضبی نے "لا طاعة لمخلوق في ......" والے الفاظ نقل نہیں کیے۔ اس تائید کے ساتھ ترجیح اس بات کو ہوگی کہ ابن عساکر اور ابن اثیر کے نزدیک جو راوی ہے وہ (داود بن عمرو ضبی) ہے اور ابن عساکر نے داود بن عمرو ضبی کی حدیث سے اس کو نقل کیا ہے۔ واللہ أعلم. اس کی تائید میں اگلی روایت [رقم: ۱۵۳] کو ملاحظہ فرمائیں۔

شواہد: اس روایت کے پہلے جزء کا شاہد موجود ہے جو [رقم: ۱۵۲] کے تحت بیان کی گئی ہے۔

حدیث کے آخری حصے (جس میں عبداللہ رضی اللہ عنہ کی صفین میں حاضری اور اس میں قتال سے پہلو تہی کا سبب بیان ہوا ہے) کی گواہی اور تایید ان دو روایات میں ہے جو اس سے قبل بیان کی جا چکی ہیں اور جو [رقم: ۳۷۵] کے تحت آ رہی ہے۔

دونوں کے درمیان تعلق بحال کروانے کی کوشش کی۔ انھوں نے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو اشارہ کیا کہ وہ حسین رضی اللہ عنہ سے معذرت کریں اور انھیں راضی کریں، ابو سعید اور عبداللہ رضی اللہ عنہما نے ایک وقت طے کیا کہ جس میں وہ حسین رضی اللہ عنہ کی زیارت کے لیے ان کے گھر جائیں گے۔ وہ دونوں چلے گئے تو ابو سعید رضی اللہ عنہ نے داخل ہونے کی اجازت مانگی، حسین رضی اللہ عنہ نے ان کو اجازت دے دی۔ وہ حسین رضی اللہ عنہ کی ایک طرف بیٹھ گئے، پھر ابو سعید رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما دروازے پہ کھڑے ہیں، انھیں بھی داخل ہونے کی اجازت دے دیں۔ حسین رضی اللہ عنہ کو ان کی آمد کا علم نہیں تھا اور انھوں نے پہلے پہل داخل ہونے کی اجازت نہیں دی، جب ابو سعید رضی اللہ عنہ نے اصرار کیا تو انھوں نے اجازت دے دی، تو عبداللہ رضی اللہ عنہ داخل ہوئے تو ابو سعید رضی اللہ عنہ ذرا سائیڈ پہ ہو گئے اور ان کے لیے اپنے اور حسین رضی اللہ عنہ کے درمیان جگہ بنا دی، لیکن حسین رضی اللہ عنہ اپنی ایک طرف ان کے بیٹھنے پہ راضی نہیں تھے، انھوں نے اپنا جسم اس خالی جگہ پر پھیلا دیا، جب عبداللہ رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھا تو وہ کھڑے ہی رہے اور بیٹھے نہیں، گویا وہ مجلس سے باہر جانا چاہتے ہوں تو جب یہ صورتحال حسین رضی اللہ عنہ نے دیکھی تو انھوں نے اپنے اور ابو سعید کے درمیان وہ جگہ خالی کر دی جو ابو سعید رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے بنائی تھی۔ اس پہ عبداللہ رضی اللہ عنہ حسین اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما کے درمیان بیٹھ گئے۔

ان کا یہ کہنا: ''کیا آپ کو علم نہیں ہے کہ خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں؟ جواب دیا: کیوں نہیں۔'' یہ الفاظ اس روایت کے آخر میں نہیں آئے، جیسا کہ کلام کا سیاق اور بزار کی روایت کے الفاظ دلالت کرتے ہیں۔

[**151**] رجاء بن ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ میں مسجدِ نبوی کے ایک حلقے میں بیٹھا ہوا تھا جس میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما موجود تھے۔ اسی دوران میں وہاں سے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما گزرے،[1] انھوں نے سلام کیا، لوگوں نے ان کو جواب دیا، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ خاموش رہے، جب وہ چلے گئے تو حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے کہا: ''وعليك السلام ورحمة الله''، پھر انھوں نے فرمایا: یہ صاحب اہلِ آسمان کے نزدیک، اہلِ زمین میں سے سب سے زیادہ محبوب ہیں، جنگِ صفین کے بعد اللہ کی قسم! میں نے کبھی ان کے ساتھ بات نہیں کی، تو حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ ان کے پاس جا کر ان کے سامنے معذرت کیوں نہیں پیش کرتے؟ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ٹھیک ہے۔ راوی کہتے ہیں: پھر وہ اٹھے، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ ان کے گھر میں

---

[1] درست بات یہ ہے کہ وہ حسین رضی اللہ عنہ تھے، جیسا کہ سابقہ روایت میں گزر چکا ہے۔

داخل ہوئے، انھوں نے اجازت مانگی، انھوں نے انھیں اجازت دے دی، پھر انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے لیے اجازت مانگی، وہ بھی اندر آ گئے، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے کہا: آپ وہ بات بیان کیجیے جو آپ نے ہمیں اس وقت بیان کی تھی جب حسن رضی اللہ عنہ گزر رہے تھے، تو انھوں نے فرمایا: ٹھیک ہے، میں آپ لوگوں کو بتاتا ہوں کہ یہ اہلِ آسمان کے نزدیک، اہلِ زمین میں سے سب سے زیادہ محبوب ہیں، تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: جب آپ یہ بات جانتے ہیں کہ میں اہلِ آسمان کے نزدیک، اہلِ زمین میں سے سب سے زیادہ محبوب ہوں تو پھر آپ نے جنگِ صفین کے موقعے پر ہمارے ساتھ لڑائی کیوں کی؟ (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں) اس میں شامل ہو کر (ہمارے مخالفین کی تعداد کو) زیادہ کیوں کیا؟ تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! نہ تو میں نے لوگوں کی تعداد کو زیادہ کیا اور نہ ہی میں نے ان کے ساتھ تلوار سے ضرب لگائی۔ میں صرف اپنے والد کے ساتھ موجود رہا تھا، تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا آپ یہ بات نہیں جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت نہیں کی جا سکتی، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: جی ہاں! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں، میں مسلسل نفلی روزے رکھا کرتا تھا، میرے والد نے میری شکایت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کی۔ انھوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! عبداللہ بن عمرو دن کے وقت روزہ رکھتا ہے اور رات کو نفل پڑھتا رہتا ہے، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نفلی روزہ رکھ بھی لیا کرو اور چھوڑ بھی دیا کرو (رات کے وقت) سو بھی جایا کرو اور نفل بھی پڑھ لیا کرو، کیونکہ میں نفل بھی پڑھتا ہوں اور سو بھی جاتا ہوں، نفلی روزہ رکھتا بھی ہوں اور چھوڑ بھی دیتا ہوں، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عبداللہ! تم اپنے باپ کی اطاعت کرو۔ تو میرے والد جنگِ صفین کے موقعے پر نکلے تھے تو میں بھی ان کے ساتھ نکل آیا تھا۔[1]

یہ سند شیعہ رواۃ پر مشتمل ہے، جیسا کہ اس خبر کے بارے میں ابن حجر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر سے نوازے اس خبر کے روات کو کہ انھوں نے انصاف پسندی سے کام لیا۔

---

[1] کشف الأستار (٢٦٣٢) مختصر زوائد مسند البزار لابن حجر (٢/٣٣٦، ح: ١٩٧١) سابقہ روایت کی مثل اس کی سند حسن ہے۔ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے: ''اس کے سارے راوی کوفی ہیں، سارے ہی منسوب الی التشیع ہیں، لیکن حدیث کے معاملے میں ثقات ہیں کسی پر بھی جھوٹ کا اتہام نہیں ہے۔''
ہیثمی نے مجمع الزوائد (١٥٠٤٤) میں کہا ہے: یہ روایت امام بزار نے نقل کی ہے اور اس کے رجال رجال الصحیحین ہیں، صرف ہاشم بن برید کا معاملہ مختلف ہے اور وہ ثقہ ہے۔

یہ الفاظ طبرانی کے روایت کردہ الفاظ سے زیادہ واضح ہیں۔ کیونکہ یہ عبارت: ''خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہے۔'' طبرانی کی روایت کردہ دوسری حدیث میں آئے ہیں۔

یہ واقعہ امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بہت عرصہ بعد پیش آیا، یا تو یہ واقعہ امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں پیش آیا، یا ان کے بیٹے یزید کی امارت کے دور میں پیش آیا۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا یہ قول: ''تم ان کے پاس کیوں نہیں جاتے۔'' تا کہ آپ صفین میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اپنی حاضری کے بارے میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے معذرت کر لیں۔ بزار نے جو حدیث روایت کی ہے اس میں اس قسم کے صریح الفاظ وارد ہوئے ہیں: ''آپ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے پاس معذرت کرنے کے لیے کیوں نہیں جاتے؟'' اور باقی احادیث کے مصادر میں ''آپ ان سے معذرت کیوں نہیں کر لیتے!'' کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔

حدیث کے آخری حصے میں راوی نے کہا: ''انھوں نے اس معذرت کو ان سے قبول کر لیا۔'' یعنی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی معذرت کو قبول کر لیا، یعنی حسین رضی اللہ عنہ کا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے معذرت کا سبب سننے کے بعد سکوت کر لینے کا مطلب ہے کہ انھوں نے اس معذرت کو قبول کر لیا جو عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے اپنے اجتہاد سے نص کے فہم میں جائز توجیہ کی تھی، انھوں نے اس معذرت کو سننے سے قبل اس موقف پر شدت اختیار کی ہوئی تھی کہ خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہے۔ پھر جب عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے وضاحت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اپنے والد عمرو رضی اللہ عنہ کی اطاعت کا حکم دیا تھا کہ اپنے باپ کی اطاعت کر جب تک وہ زندہ رہے، اس کی نافرمانی نہ کرنا۔[1] اور اس بات کی بھی وضاحت کی کہ صفین والے دن انھوں نے اسلحہ نہیں اٹھایا تو اس وضاحت کے بعد سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا نفس اطمینان میں ہو گیا۔

اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ ''خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہے۔'' اس قول سے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا مقصد خلیفۃ المسلمین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کرنا ہے، اور اہلِ شام کی یہ بغاوت مبنی بر اجتہاد و تاویل تھی۔ حضرت حسن اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین جو صلح ہوئی وہ عام معافی کی بنیاد پر ہوئی، تمام خون، اموال سے معافی کی بناء پر جو صلح سے قبل[2] وقوع پذیر ہوئے تھے۔ حسن رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے کے بعد وفد کے ساتھ ان کے پاس گئے تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا اکرام کیا۔[3] واللہ أعلم.

---

[1] دیکھیے: [رقم: ۳۷۵]
[2] اسی کتاب کی چھٹی فصل کی دوسری بحث ملاحظہ ہو۔
[3] حسن رضی اللہ عنہ کا وفد لے کر جانا اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا اکرام کرنا۔ ملاحظہ ہو: [رقم: ۵۶۹، ۵۷۰]

اور یہ جو عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ ''حسین رضی اللہ عنہ زمین والوں میں سب سے زیادہ محبوب ہیں آسمان والوں کے نزدیک'' تو یہ قول اس وقت کے ساتھ مخصوص تھا، کیونکہ اس وقت زمین پر ان سے زیادہ افضل شخصیت کوئی موجود نہ تھی اور ایسا امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی موت ۴۰ھ کے بعد اور ان کے بیٹے امیر المومنین سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی موت ۴۹ھ کے بعد اور باقی عشرۃ مبشرۃ صحابہ رضی اللہ عنہم کی موت کے بعد کے ساتھ مخصوص ہے۔ ان عشرۃ مبشرۃ بالجنۃ میں سے سب سے آخر پر سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فوت ہوئے ہیں جن کی موت ۵۵ھ میں ہوئی اور یہ واقعہ حتمی طور پر سعد رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد کا ہے۔

اور یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ یہ اسی وقت کے ساتھ مختص تھا:

[152] عیزار بن حریث بیان کرتے ہیں: (عبداللہ بن)[1] عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کعبہ کے سائے میں تھے کہ انھوں نے سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما کو تشریف لاتے دیکھا تو فرمایا: یہ شخص زمین والوں میں سے آسمان والوں کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے۔[2]

---

[1] قوسین میں موجود عبارت "الطبقات"، "تاريخ دمشق"، "السير" از ذہبی اور "البداية والنهاية" میں موجود نہیں ہے۔ اس کا ثبوت "الإصابة" اور "تهذيب التهذيب" سے ہے۔ سیاق اس کا تقاضا کرتا ہے، شاید کہ طبقات کے ناسخ نے وہ زیادت دیکھی جس کا ذکر ابو اسحاق سبیعی نے روایت کے آخر میں کیا ہے: (وہ زیادت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے قول سے ہے) تو ناسخ پہ امر مشتبہ ہو گیا۔

[2] الطبقات الكبرى (۳۹۵/۱) طبقة خامسة، ت: السلمي. روایت شواہد کی بنا پہ مقبول ہے، سوائے اس قول کے: ''وہ کعبہ کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے۔'' درست یہی ہے کہ وہ مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بیٹھے ہوئے تھے، جیسا کہ سابقہ دو روایات میں ذکر ہے، اس سند کے راوی ثقہ ہیں، لیکن عیزار کا عبداللہ بن عمرو سے سماع مجھ پہ واضح نہیں ہوا، ان کے یہ الفاظ: ''وہ کعبہ کے سائے میں تھے۔'' ان الفاظ کا مرسل ہونا راجح ہے۔

روایت کے آخر میں زیادت ہے جس کا ذکر میں نے تخریج میں کیا ہے۔

شواہد: سابقہ دو روایات اس کی شواہد ہیں۔

تخریج الحدیث: ابن عساکر (۱۷۹/۱۴) نے یہ روایت اور ابن کثیر رحمہ اللہ نے البداية والنهاية (۲۲۶/۸) میں یہ روایت ابن سعد کی سند سے بیان کی ہے۔

یہ روایت سير أعلام النبلاء (۲۸۵/۳) میں، الإصابة (۷۸/۲) میں، تهذيب التهذيب (۳۴۶/۲) میں یونس بن اسحاق کی سند سے مروی ہے۔ ابن سعد، ابن عساکر اور ذہبی کی روایت کے آخر میں زیادت ہے: ''ابو اسحاق نے کہا: مجھے یہ بات پہنچی ہے ایک آدمی عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، جبکہ وہ کعبہ کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے، تو انھوں نے کہا: اولادِ اسماعیل میں سے مجھ پہ کسی غلام کو آزاد کرنا لازم ہے، آدمی نے کہا: حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کے سوا اور کون ہے۔'' ←

یہ ایک طویل خبر ہے جسے طبرانی اور بزار[1] نے روایت کیا ہے۔ اور یہ حدیث دوسری سند سے بہت مختصراً بیان کی گئی ہے۔

[153] یحییٰ بن ہانی بن عروہ مرادی روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا آپ بھی معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک تھے؟ جواب دیا: میں نے تلوار نہیں نکالی، کسی کو نیزہ نہیں مارا، کوئی تیر نہیں چلایا، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا: اپنے باپ کی بات مانا کرو تو میں نے ان کی بات مان لی۔[2]

4- سیدنا نعمان بن بشیر انصاری خزرجی رضی اللہ عنہما

امیر، عالم، صحابیِ رسول، اولادِ صحابی، یہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی بہن کے بیٹے تھے۔[3] نعمان رضی اللہ عنہ ایک لاثانی قسم کے خطیب تھے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو کوفہ کا والی بنایا تھا۔ سماک بن حرب نے اس کی خطابت کو سن رکھا تھا اور کہا: اہلِ دنیا میں جتنے بھی خطیب میں نے سنے ہیں ان میں یہ سب سے بڑے خطیب تھے۔[4]

جنگِ صفین میں ان کی حاضری کی کوئی صحیح یا مقبول روایت مجھے نہیں ملی، نصر بن مزاحم نے ان کی حاضری کے بارے ایک روایت نقل کی ہے،[5] لیکن اس موقف کی بنیاد بھی قرائن پہ ہے، جیسا کہ ان کا قمیصِ عثمان رضی اللہ عنہ کو لے کر شام جانا، اہلِ عثمان کا خط لے کر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف جانا، شام میں خطباء کے اجتماع میں شریک ہونا۔ ان قرائن کی بنا پہ ان کے صفین میں شریک ہونے کی بات کی گئی ہے، ان تفاصیل کو چھوڑ کے جو ابن مزاحم نے ذکر کی ہیں۔

← امام ذہبی کہتے ہیں: مجھے اس کی سمجھ نہیں آئی۔

محقق السیر کا کہنا ہے: شاید ان کی مراد یہ ہے کہ اولادِ اسماعیل میں سے کسی کو آزاد کرنا ان کا عذر بن جائے گا، انھوں نے اس معاملے کو حسنین کریمین رضی اللہ عنہما پہ منحصر کیا ہو۔ اگرچہ وہ دونوں اسماعیل کی طرف منسوب تھے لیکن وہ آزاد تھے جنھیں غلام نہیں بنایا جا سکتا ہے۔ گویا اپنی نذر کے پورا نہ ہونے کی مایوسی کا بیان ہے۔

① یہ روایات [رقم: ۱۵۰، ۱۵۱] کے تحت گزر چکی ہیں۔

② السنة للخلال (۷۴۱) شواہد کی بنا پہ صحیح ہے، اس کے راوی ثقہ ہیں لیکن مرسل ہے، یحییٰ بن ہانی نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے ملاقات نہیں کی، دوسری روایات اس کی شاہد ہیں: [رقم: ۱۴۸ تا ۱۵۰، ۳۷۵]

محمد: ابن اسماعیل احمسی، جیسا کہ السنة للخلال (۱٦۷۳) میں ذکر ہے۔ سفیان سے مراد: ثوری ہیں۔

③ سیر أعلام النبلاء (۴۱۱/۳)

④ دیکھیے: [رقم: ۱۲]

⑤ وقعة صفین (ص: ٤٤٥، ٤٤٨)

5- سیدنا حبیب بن مسلمہ بن مالک قرشی فہری رضی اللہ عنہ

صحابی تھے، کچھ روایات کے راوی بھی ہیں، جنگِ یرموک میں امیر کے طور پہ شریک ہوئے، اپنے غزوات میں کثرت سے رومی علاقے میں داخل ہونے کے سبب ان کو (حبیب الروم) کہا جاتا تھا۔ اس میں ان کے لیے ایک اعزاز اور فخر کی بات ہے۔ جنگِ صفین میں یہ لشکرِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے میسرہ پر امیر تھے۔[1]

جب معاویہ رضی اللہ عنہ پر دوسرا حملہ ہوا، اس زمانے میں خوارج نے حبیب رضی اللہ عنہ پر حملہ کرنے کا قصد و ارادہ کر رکھا تھا، کیونکہ یہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اہم ترین افراد میں شامل تھے، لیکن اللہ نے ان کو محفوظ رکھا اور ظالموں کے مکروہ ہاتھوں کو ان سے دور رکھا۔[2]

جنگِ صفین میں ان کے حاضر ہونے کی کوئی صحیح یا مقبول روایت مجھے نہیں ملی، سوائے اس کے کہ ان کا نام واقعۂ تحکیم کے معاہدے میں آتا ہے جیسا کہ دوسرے عام لوگ بھی اس میں شریک تھے۔ یہ روایت قرائن کی بنا پہ مقبول ہے۔[3] اس پہ مزید کچھ اضافہ یہ چیزیں بھی کرتی ہیں جیسا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی ایک لمبا عرصہ صحبت کا ہونا اور لشکر کے معاملات میں ان کی ذات پہ اعتماد کرنا۔ اور کوئی ایسی روایت نہیں ہے جو ان کی شرکت کے معارض ہو۔

نصر بن مزاحم کی روایت میں ذکر ملتا ہے کہ حبیب رضی اللہ عنہ جنگِ صفین کے دن لشکر کے لیڈروں میں تھے، بعض روایات میں ذکر ہے کہ وہ میسرہ پر امیر تھے۔[4]

حبیب رضی اللہ عنہ کا خیال یہی تھا کہ علی رضی اللہ عنہ خلافت کے زیادہ حق دار ہیں، انھوں نے تو حکمین کے اجتماع میں اس چیز کا انکار کیا تھا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ جنابِ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے زیادہ خلافت کے مستحق ہیں۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس دن کہا (جو کوئی اس معاملے[5] میں گفتگو کرنا چاہتا ہے تو وہ ہمارے سامنے آئے، ہم اس سے اور اس کے باپ سے بھی زیادہ حق دار ہیں) تو حبیب نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: تو تم نے اس کا جواب کیوں نہ دیا؟[6]

---

1. سیر أعلام النبلاء (۱۸۸/۳)
2. دیکھو: [رقم: ۱۲۹، ۱۳۰]
3. ملاحظہ ہو: رقم: ۳۸۷]
4. وقعة صفين (ص: ۱۹٦، ۲۰۰، ۲۰٦، ۲۱۳، ۲۱٤، ۲۳٤، ۲٤٥، ۲٤٦، ۲٤۸، ۵۰۷، ۵۱۱)
5. یعنی مسئلۂ خلافت میں۔
6. ملاحظہ ہو: [رقم: ۴۳۱]

6- سیدنا ابو الغادیہ یسار بن سبع الجہنی رضی اللہ عنہ

صحابیِ رسول، سابقون الاولون میں سے ایک، بیعتِ عقبہ ثانیہ [1] میں شریک ہوئے اور دائیں ہاتھ سے نبی ﷺ کی بیعت کی، عرب کے نمایاں افراد میں سے تھے اور شام کے شہسواروں میں ان کا ایک نام تھا۔ رومی سلطنت سے جہاد کیا، ایک رومی نے تیل سے بھری ہوئی ایک ہانڈی کے ذریعے ان کی کشتی کو نشانہ بنانے کا ارادہ کیا، ابو الغادیہ نے اس کو ایک تیر مار کے قتل کر دیا اور ہانڈی ان کی کشتی میں ہی پھٹ گئی اور سارے کشتی والوں کو جلا دیا، ان کی تعداد تین سو کے لگ بھگ تھی، ابو الغادیہ کے ایک تیر نے تین سو رومیوں کو قتل کر دیا۔ [2]

ابن ابی الدنیا نے ایک روایت بیان کی ہے جس میں ان کے فتح بیت المقدس میں شریک ہونے اور عمر رضی اللہ عنہ کے مقامِ جابیہ پہ خطبہ میں شریک ہونے کی خبر ہے۔

[**154**] ابو العالیہ [3] الشامی سے روایت ہے: جنابِ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایک چتکبرے اونٹ پہ مقامِ جابیہ میں آئے، ان کا سر سورج کی روشنی سے چمک رہا تھا، ان پر کوئی ٹوپی یا عمامہ نہیں تھا، کجاوے پر بغیر رکاب کے ہونے کی وجہ سے ان کی ٹانگیں حرکت کر رہی تھیں۔ ان پہ ایک اُون کی بنی ہوئی انجانی چادر تھی، جب وہ سواری پہ ہوتے تو یہی ان کی چادر ہوتی اور جب فرش پر ہوتے تو یہی ان کا بچھونا ہوتی، ان کا توشہ دان نمرہ یا شملہ تھا جس میں پتے بھرے ہوئے تھے یہی ان کا توشہ دان تھا جب وہ سوار ہوتے اور ان کا تکیہ ہوتا جب وہ اترتے۔ جب وہ اس علاقے میں آئے تو ان پر کاٹن سے بنی ہوئی ایک قمیص تھی، جو دھونے والی ہوئی پڑی تھی اور اس کی جیب پھٹ گئی تھی۔ فرمایا: میرے لیے بستی کے سردار کو بلاؤ، ساتھیوں نے حلومس کو بلایا، کہا: میرا قمیص دھو دو، اس کو پیوند لگا دو اور مجھے کوئی اور قمیص یا کپڑا ادھار دے دو۔

---

[1] بیعتِ عقبہ ثانیہ ذوالحجہ کی بارہ تاریخ، بعثتِ نبوی کے تیرھویں سال ہوئی تھی، یعنی ہجرت سے دو مہینے اور نو دن پہلے۔
فتح الباري لابن حجر (۲۲۷/۷، ۲۳۵)
امام احمد (۱۵۷۹۸) نے ایک طویل حدیث بیان کی ہے، اس میں آیا ہے کہ کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم حج کے لیے نکلے تو ہم نے ایامِ تشریق میں رسول اللہ ﷺ سے عقبہ میں بیعت کی۔...... امام البانی اور شعیب ارناؤط نے اس کو حسن کہا ہے۔ التعلیقات الحسان (۶۹۷۲)

[2] سیر أعلام النبلاء (۵۴۴/۲). ان کے نام میں اختلاف ہے۔ ابو الغادیہ کے تیر کا قصہ ذہبی نے ذکر کیا ہے۔ نیز ابن عساکر (۱۴۰/۷۴) نے ذکر کیا ہے۔

[3] مطبوعہ نسخے میں ایسے ہی ہے لیکن درست لفظ "الغادیة" ہے۔

ان کے لیے ریشوں سے بنی ہوئی ایک قمیص لائی گئی۔ فرمایا: یہ کیا ہے؟ جواب دیا: یہ کتانی قمیص ہے۔ کہا: یہ کس چیز سے بنی ہوتی ہے؟ ساتھیوں نے اس کے بارے بتایا، تو انھوں نے اپنی قمیص اتار دی۔ اس قمیص کو دھو کر پیوند لگایا گیا، پھر ان کے پاس لائی گئی تو عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف سے دی گئی قمیص اتاری اور اپنی قمیص پہن لی، اس پہ حلومس نے کہا: آپ عرب کے بادشاہ ہیں اور ان شہروں میں ایسا اونٹ رکھنا مناسب نہیں۔ ان کے لیے برزون اونٹ لایا گیا، اس پر ایک جالردار چادر ڈالی گئی جو بغیر کجاوے اور لگام کے تھی۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ اس پر سوار ہوئے اور کہا: اس کو ذرا روکو، اس کو ذرا روکو۔ آج سے پہلے میرا نہیں خیال تھا کہ لوگ شیطان پر بھی سواری کرتے ہیں، پھر دوبارہ سے ان کا ذاتی اونٹ لایا گیا اور وہ اس پر سوار ہو گئے۔ [1]

---

[1] الزهد لابن أبي الدنيا (١١٥) یہ روایت حسن لغیرہ ہے، سوائے ان الفاظ کے: ''ان کا سر سورج کی وجہ سے چمک رہا تھا اور اس پر کوئی ٹوپی اور عمامہ نہیں تھا۔'' اس کے مخالف روایت صحیح ہے، اس میں یہ ذکر ہے کہ ان کے سر پر عمامہ تھا۔

اس کی سند ضعیف ہے۔ عبداللہ بن مسلم ضعیف راوی ہے۔ التقریب (٣٦١٦) الربیع سے مراد: ابو الفضل المروزی، صالح جذرہ اور دار قطنی نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ تاریخ بغداد (٤١٧/٨) ابو اسماعیل المودب: ان کا نام ابراہیم بن سلیمان بن رزین ہے۔ صدوق، غریب روایات لانے والے۔ میں نے مطبوعہ نسخے سے بہت ساری غریب احادیث نقل کی ہیں۔

متابعات اور شواہد: بے شک امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کا جابیہ اور بیت المقدس میں آنا، ایک متواتر واقعہ ہے اور ان کا زہد والی کیفیت میں آنا بھی ثابت ہے۔

عمر بن شبہ نے تاریخ المدینة (٨٣١/٣) میں ایک ہی سند کے ساتھ ایک لمبی روایت نقل کی ہے لیکن اس کو دو حصوں میں نقل کیا ہے۔ فرمایا: ہمیں ابراہیم بن منذر نے بیان کیا، کہا: ہمیں عبداللہ بن وہب نے ہشام بن سعد سے بیان کیا، وہ زید بن اسلم سے، وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ جب عمر رضی اللہ عنہ وہاں آئے تو زمین کا مالک ان کے پاس آیا۔ امیر المومنین نے اپنی قمیص اس کو دی، تاکہ وہ اس کو دھو دے اور رفو کر دے جبکہ وہ کندھے سے پھٹی ہوئی تھی۔ وہ بندہ قمیص لے کر چلا گیا، اس نے دھویا اور اس کو پیوند لگا دیا۔ پھر اس نے ایک نئی قمیص کاٹی، اس کو سلائی کیا اور اس کو لے کر عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آ گیا۔ اس نے ایک نئی قمیص تیار کر کے ان کو دی اور عمر رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا تو کہا: مجھے میری قمیص لا کر دو، پھر اس بندے نے عمر رضی اللہ عنہ کی قمیص ہی انھیں دے دی۔

پھر ابن شبہ (٨٢٢-٨٢٣) نے اسی سند کے ساتھ کہا: ان کے پاس برزون گھوڑا لایا گیا، وہ اس پر سوار ہوئے تو اس نے اپنی تکبرانہ چال دکھانی شروع کر دی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اسے مارنا شروع کر دیا تو اس مار سے صرف اونٹ کے تکبر میں ہی اضافہ ہوا۔ اس پہ عمر رضی اللہ عنہ نیچے اتر گئے اور کہا: تم نے مجھے ایک شیطان پر ہی سوار کیا ہے، میں اس سے نہیں اترا حتی کہ میں نے اپنے آپ سے اس پر سوار نہ ہونے کا وعدہ کر لیا۔ تم مجھے میرا ہی اونٹ لا دو۔ وہ اس پر سوار ہوئے اور لوگ ان سے ہٹ کر دائیں بائیں چلے گئے۔

یہ روایت صحیح ہے اس کی سند ہشام بن سعد کی وجہ سے حسن ہے، یہ صدوق راوی ہے مگر اس کے بعض اوہام بھی ہیں، ←

اس پر تشیع کا الزام بھی ہے، روایت میں اس کی متابعت موجود ہے اس کے باقی سارے راوی ثقہ ہیں۔ ہشام کا تعارف دیکھیے: التقریب (٧٢٩٤)

امام ابو داود نے اس کو الزهد (٧٨) میں روایت کیا۔ کہا: ہمیں احمد بن سعید ہمدانی نے بیان کیا، کہتے ہیں: ہمیں ابن وہب نے خبر دی۔

ابن شبہ نے اس کو تاريخ المدينة (٨٢٣/٣- ٨٢٤) میں روایت کیا ہے۔ فرمایا: ہمیں بشر بن عمر نے حدیث بیان کی، کہتے ہیں کہ ہمیں مالک بن انس نے زید بن اسلم سے اسی کی مثل روایت بیان کی اور یہی روایت امام ابو داود کی الزهد (٧٧) میں بشر کی سند سے بھی مروی ہے۔ اس کی سند صحیح ہے۔

ابن مبارک نے اس کو الزهد (٥٨٥) میں ''یحییٰ بن سعید عن القاسم عن اسلم'' کی سند سے مختصر روایت کیا ہے۔ یہ روایت مصنف ابن أبي شيبة (٣٤٥٣٥، ٣٥٥٨٣) میں بھی خالد الاحمر عن یحییٰ بن سعید سے مروی ہے۔ اس کی سند بھی صحیح ہے۔

- امام خطابی نے غريب الحديث (٦١/٢) میں روایت بیان کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہمیں ابن الاعرابی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سعدان نے خبر دی، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سفیان نے ایوب الطائی سے بیان کیا، وہ قیس بن مسلم سے، وہ طارق بن شہاب سے روایت کرتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ ایک ایسے اونٹ پر سوار ہو کر آئے جس پر سیاہ مینڈھے کی کھال تھی اور اس کی لگام کھجور کی ٹہنی سے بنی ہوئی تھی۔ اس کی سند صحیح ہے۔
- عبداللہ بن مبارک نے الزهد (٥٨٤) میں روایت بیان کی ہے۔ فرمایا: ہمیں سفیان بن عیینہ نے ایوب الطائی سے روایت کی، وہ قیس بن مسلم سے، وہ طارق بن شہاب سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا: جب عمر رضی اللہ عنہ شام آئے تو ان کے لیے برذون گھوڑا لایا گیا، وہ اس پر سوار ہو گئے، اس کو ایڑھ لگائی لیکن پھر انھوں نے اونٹ کو ناپسند کیا تو اس سے نیچے اتر آئے اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ ان کے لیے مخاضہ نامی کھانا پیش کیا گیا تو وہ اپنے گھوڑے سے نیچے اترے اپنے موزے اتارے، انھیں ہاتھ میں پکڑا اور پانی میں اتر گئے، تب وہ اپنے گھوڑے کو لگام سے پکڑ کر روکے ہوئے تھے یا زمام کو پکڑ کے روکے ہوئے تھے۔ اس پر ابو عبیدہ بن جراح نے ان سے کہا: آج آپ نے اس علاقے والوں کے نزدیک بڑا عجیب کام کیا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے سینے پر زور سے ہاتھ مارا، یا بہ آوازِ بلند ان سے کہا: ابو عبیدہ! اگر تمھارے علاوہ کوئی اَور یہ بات کرتا! بے شک تم لوگوں میں سب سے ذلیل ترین اور اقلیت میں تھے اور سب سے حقیر سمجھے جاتے تھے۔ اللہ نے تم کو اسلام کے ذریعے عزت دی، جب کبھی بھی تم اسلام کے علاوہ کسی اور بنیاد پہ عزت تلاش کرو گے اللہ تمھیں ذلیل کر کے رکھ دے گا۔ اس کی سند صحیح ہے۔

اس روایت کو سعدان بن نصر نے اپنی جزء (٦) میں، ابو داود نے الزهد (٦٩) میں، ابن ابی الدنیا نے الزهد (١١٧) میں، المحاملی نے اپنی ''أمالي'' میں بروایت ابن یحییٰ البیع (٢٣٩) حاکم نے (٢٠٧، ٤٤٨١) میں، ابو نعیم نے الحلية (٤٧/١) میں، بیہقی نے شعب الإيمان (٧٨٤٧) میں اور ابن عساکر نے اپنی تاريخ (٥/٤٤) میں سفیان بن عیینہ کی سند سے روایت کیا ہے لیکن ابو داود نے اپنی سند میں ایوب الطائی کا نام نہیں لیا۔

....

⊙ ابن ابی شیبہ نے (۳۵۵۸۴) میں روایت بیان کی۔ کہتے ہیں: ہمیں وکیع نے اسماعیل سے اور وہ قیس سے روایت کرتے ہیں: انھوں نے کہا: جب عمر رضی اللہ عنہ شام میں آئے تو لوگوں نے ان کا استقبال کیا۔ تب وہ اپنے اونٹ پر ہی تھے اور لوگوں نے ان سے کہا: امیرالمومنین! اگر آپ برذون گھوڑے پر سوار ہو جائیں، عنقریب لوگوں کے سردار اور بڑے لوگ آپ سے ملاقات کریں گے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تمھیں دیکھتا ہوں کہ تمھاری توجہ یہاں (زمین) پر ہے، حالانکہ معاملات تو وہاں (آسمان) سے صادر ہوتے ہیں۔ اپنے ہاتھ سے آسمان کی طرف اشارہ کیا اور کہا: میرے گھوڑے کا راستہ چھوڑ دو۔

اس روایت کو ابن ابی شیبہ نے (۳۴۵۳۶) میں، خلال نے السنة (۳۹۷) میں، ابونعیم نے الحلية (۱/٤٧) میں وکیع کی سند سے ایسے ہی بیان کیا ہے۔

عمر بن شبہ نے تاریخ المدينة (۸۳۱/۳) میں اس کو روایت کیا۔ فرمایا: ہمیں احمد بن جناب نے بیان کیا، کہتے ہیں کہ ہمیں عیسیٰ بن یونس نے اسماعیل سے ایسے ہی روایت کیا ہے۔

⊙ ابن ابی شیبہ نے اس روایت کو (۳۴۵۳۹، ۳۵۵۸۵) میں بیان کیا، کہتے ہیں: ہمیں ابومعاویہ نے اعمش سے بیان کیا، وہ قیس بن مسلم سے اور وہ طارق بن شہاب سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا: جب عمر رضی اللہ عنہ شام آئے تو ان کے پاس اسلامی لشکروں کی حاضری ہوئی۔ تب اس وقت ان پر ایک چادر، موزے اور عمامہ تھا اور وہ اپنے اونٹ کے سر کو پکڑ کر اس کا منہ پانی میں جھکا رہے تھے۔ لوگوں نے ان سے کہا: امیرالمومنین! آپ سے عنقریب بطارقۂ شام اور مختلف لشکروں کی ملاقات ہوگی اور آپ اس حالت میں ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم وہ قوم ہیں جنھیں اللہ نے اسلام کے ذریعے عزت بخشی ہے، ہم اس کے علاوہ کسی اَور دوسرے راستے سے عزت نہیں تلاش کرتے۔ اس کی سند صحیح ہے۔

ابومعاویہ: محمد بن خازم الضریر۔

اس روایت کو ہناد بن سری نے الزهد (۸۱۷) میں، حاکم نے (۲۰۸) اور ابن عساکر (۴۴/۴) نے ابومعاویہ کی سند سے روایت کیا ہے۔

تخریج: اس روایت کو ابوبکر دینوری نے المجالسة وجواهر العلم (۳/۳٥٦، رقم: ۹۸٦) میں اور اسی سند سے ابن عساکر (۳۰۶/۴۴) نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے تعارف میں ابن ابی الدنیا سے نقل کیا ہے اور ان دونوں روایات میں ابوالغادیہ الشامی کا نام آتا ہے۔

ابن عساکر نے دوبارہ پھر (۱۳۷/۴۷) میں ابوالغادیہ جہنی کے تعارف میں بھی مختصر نقل کیا ہے اور اس میں بھی ابوالغادیہ کا نام ہے۔

ابن عساکر کا ابوالغادیہ کے تعارف میں اس روایت کو نقل کرنا، اس بات کی مزید تاکید ہے کہ وہ خود ہی حدیث کے راوی ہیں اور ان کے نام میں بعض رواۃ کے نزدیک تصحیف ہو چکی ہے۔ یہی روایت مختصر تاريخ دمشق (۳۳۲/۱۸)، (۳٤/۲۸) میں بھی ہے اور اس میں بھی ابوالغادیہ کا اثبات ہے۔

ابن کثیر نے اس روایت کو البداية والنهاية (٦٩/٧) میں ابن ابی الدنیا سے روایت کیا ہے اور اس میں ابوالغالیہ شامی کے لفظ ہیں۔ مطبوعہ دارحجر (۲٦۴/۹) میں اس کا نام ابوالعالیہ الشامی ہے۔

ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی۔ میں نے پوچھا: کیا دائیں ہاتھ سے؟ کہا: ہاں دائیں سے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یومِ عقبہ پہ خطاب کیا اور کہا: اے لوگو! تمھارا خون اور مال تم پر حرام ہے، یہاں تک کہ تم اپنے رب سے ملاقات کر لو، جس طرح اس دن، اس شہر اور اس مہینے کی حرمت ہے۔ پھر لوگوں سے سوال کیا: کیا میں نے پیغام پہنچا دیا؟ ہم نے کہا: بالکل پہنچا دیا، پھر کہا: اے اللہ! تو اس پہ گواہ بن جا۔ پھر مزید کہا: میرے بعد کفر میں واپس مت لوٹ جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو، ......۔''[1]

یہ روایت صحیح ہے کہ ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ ہی وہ صحابی ہیں جنھوں نے صفین کے دن قتلِ عمار رضی اللہ عنہ کی ذمے داری لی تھی، ان کا یہ قتل وقتال فریقین کی طرف سے اجتہاد کا نتیجہ تھا۔ اور یہ روایت بھی صحیح ہے کہ بہ وقتِ قتل انھیں اس بات کا علم نہیں تھا کہ یہی عمار رضی اللہ عنہ ہیں، انھیں اس چیز کا ادراک بعد میں ہوا تھا۔[2]

ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ نے جنابِ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو ایک کاری زخم لگایا تھا، بعد میں ابن حوی سکسکی آیا اور اس نے عمار رضی اللہ عنہ کا سر تن سے جدا کر دیا، جبکہ ابھی ان کی سانسیں چل رہی تھیں۔[3]

یہ روایت درست نہیں ہے کہ عمار رضی اللہ عنہ کا قاتل اور ان کا مال و اسباب چھیننے والا جہنمی ہے۔ انقطاع کے سبب یہ روایت ضعیف ہے، جس کسی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے اسے وہم ہوا ہے اور اس کی علت کو نہیں

← عمر بن شبہ نے اس روایت کو تاریخ المدینة (۳/۸۲٤- ۸۲٥) میں نقل کیا۔ کہا: ہمیں موسیٰ بن مروان الرقی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں معافی بن عمران نے عبداللہ بن مسلم بن ہرمز مکی سے اسی طرح بیان کیا۔

امام ذہبی نے اس کو الخلفاء الراشدین (ص: ۱۱۸) پر روایت کیا اور رواۃ کے نام میں اختلاف کی وضاحت کی اور کہا: زبیر بن محمد مروزی نے کہا: مجھے عبداللہ بن مسلم بن ہرمز نے بیان کیا کہ انھوں نے ابوالغادیہ المزنی سے سنا، پھر یہ روایت ذکر کی۔

پھر امام ذہبی نے کہا: اس روایت کو ابو اسماعیل المودب نے ابن ہرمز سے نقل کیا۔ تو اس میں ابو العالیہ الشامی کا نام آتا ہے۔ ملاحظہ ہو: تاریخ الإسلام (۳/۱٦۲)

یہ روایت مناقب عمر لابن الجوزي (ص: ۱٤۲)، الخلفاء الراشدین للذهبي (ص: ۸۲) پر بھی موجود ہے۔ یہ روایت اپنی مکمل تخریج کے ساتھ "المجالسة وجواهر العلم" میں بھی نقل ہوئی ہے۔

[1] ملاحظہ ہو: [رقم: ۳٥۹]

[2] [رقم: ۳٦۲] بعد تعلیق ملاحظہ ہو۔

[3] ملاحظہ ہو: [رقم: ۳٦٤]

پہنچ سکا، امام ذہبی نے اس کی علت انقطاع بتائی ہے۔ جس انسان کے علم میں یہ بات آجائے، اس پر لازم ہے کہ لاعلم کو بتا دے۔[1]

اس باب میں یہ روایت صحیح ہے کہ ''عمار پر افسوس! اس کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی، یہ ان کو جنت اور وہ انھیں دوزخ کی طرف دعوت دیتے ہوں گے۔[2]

نبی ﷺ نے عمار رضی اللہ عنہ کے قتل کو ایک جماعت کے درست اور دوسری کے باغی ہونے کی نشانی مقرر کیا اور کہا: عمار پہ افسوس، اس کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔ اور حدیث کا دوسرا حصہ: ''یہ ان کو جنت اور وہ انھیں دوزخ کی طرف دعوت دیتے ہوں گے۔'' اس جماعت کا حال بیان کر رہا ہے جو امام کے خلاف بغاوت پر ہو گی۔

نبی ﷺ کے یہ الفاظ: ''یہ ان کو جنت کی دعوت دیتا ہوگا۔'' یعنی ان کو جنت اور راہِ جنت کی طرف بلاتا ہوگا، مراد امام کی اطاعت اور بغاوت ترک کرنا ہے۔

نبی ﷺ کے یہ الفاظ: ''وہ انھیں دوزخ کی طرف بلاتے ہوں گے۔'' یعنی جہنم کا راستہ اور اس میں داخل ہونے کے اسباب۔ مراد امام کے خلاف بغاوت کرنا، لیکن ان کی یہ بغاوت تاویل اور اجتہاد کی بنیاد پر تھی۔[3]

ابن عبدالبر نے ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ کے ترجمے میں ایک ایسا کلام ذکر کیا ہے جس سے، اگرچہ ان کی نیت نہ تھی، ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ کی طرف بلا قصد ایک طرح کی برائی کا سبب بن گیا۔ پھر ان کے بعد آنے والوں میں سے اہلِ تذکرہ اور دیگر مصنفین نے اس کلام کو لفظاً یا معناً نقل کیا، کبھی ابن عبدالبر کی طرف نسبت کے ساتھ اور کبھی بغیر نسبت کے، مگر بغیر کسی تنقید یا تحقیق کے، یہاں تک کہ قارئین کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھ گئی کہ ابن عبدالبر کا یہ قول صحیح ہے۔ واللہ المستعان. جب کہ ابن عبدالبر نے جو کچھ ذکر کیا، وہ گھٹیا درجے کی (ساقط) روایات پر مبنی تھا جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔[4]

اور جن لوگوں نے ابن عبدالبر کا وہ جملہ نقل کیا مگر اسے ان کی طرف منسوب نہ کیا، ان میں ابن الاثیر ''أسد الغابة''، حسینی ''التذکرة''، زرکلی ''الأعلام''، اور شیخ البانی ''السلسلة الصحيحة'' رحمہم اللہ کا نام آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب پر رحم فرمائے اور ان سے درگزر کرے۔

---

1. ملاحظہ ہو: [رقم: ۳۵۸]
2. ملاحظہ ہو: [رقم: ۳۴۷]
3. فتح الباري لابن حجر (۵٤۲/۱)
4. [رقم: ۳٦۵] کے ضمن میں۔

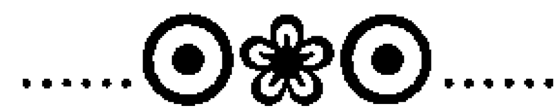
بے شک ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ کی سیرت تابناک ہے، سابقون الاوّلون میں ان کا نام ہے، بیعتِ عقبہ ثانیہ میں شریک ہوئے، فتح بیت المقدس اور عمر رضی اللہ عنہ کے خطبۂ جابیہ میں شریک ہوئے۔ ان لوگوں میں شامل تھے جو فتح روم کے دوران سخت آزمائش سے گزرے۔ کاش! ابن عبدالبر رحمہ اللہ ان کے تعارف میں یہ چیزیں ذکر نہ کرتے، جنھیں بعد کے مورخین نے بغیر تحقیق وتنقید نقل کر دیا، اور ان کی سیرت کو بدنام کرنے کا سبب ہوئیں۔ عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے باوجود ان کی اور دوسرے صحابہ کی صفین میں شرکت صرف اجتہاد کی بنیاد پر تھی، وہ اجتہاد قابلِ اجر اور قابلِ مغفرت ہے۔ والحمد للہ رب العالمین.

7- سیدنا عمرو بن حزم بن زید بن لوذان انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ

ان کی کنیت ابوضحاک ہے، ایک قول کے مطابق ابو محمد ہے۔ جنگِ خندق میں شریک ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نجران کا والی بنایا، تب ان کی عمر سترہ سال تھی۔ انھیں ایک خط دے کر یمن بھیجا تھا جس میں ان کی ذمے داریاں لکھی ہوئی تھیں۔[1]

جنگِ صفین میں ان کا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حاضر ہونا صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ امام احمد نے اس کو روایت کیا ہے: ''جب عمار رضی اللہ عنہ قتل ہوئے تو سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ جنابِ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور انھیں یہ خبر دی اور کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق کہا تھا: ''اس کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی، یہ ان کو جنت کی دعوت دیتا ہوگا، وہ اسے دوزخ کی دعوت دیں گے۔'' اس پر عمرو رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور بہت زیادہ ڈر گئے، چلنا شروع کر دیا یہاں تک کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، ......۔[2]

مجھے کوئی ایسا مورخ نہیں ملا جس نے ان کے تعارف میں صفین میں شریک ہونا بھی ذکر کیا ہو، ۵۰ھ کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں شہید ہوئے۔



---

[1] الطبقات الکبری (۳۱۸/۵) ط: الخانجي، تاریخ الإسلام (۲۷۸/٤)، تهذیب الکمال (۵۸۵/۲۱)

[2] ملاحظہ ہو: [رقم: ۳۷۲]

تیسری بحث:

فتنۂ صفین سے الگ تھلگ رہنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

جنگِ صفین سے الگ رہنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اصل تعداد تو اللہ پاک کے علمِ کامل ہی میں ہے، لیکن میں ان میں سے مشہور ہستیوں کا تذکرہ کرتا ہوں جو میرے علم میں ہیں۔

1- سیدنا عبداللہ بن عمر بن خطاب عدوی قرشی رضی اللہ عنہما

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سنی تھی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے بعد مسلمانوں کی اندرونی لڑائیوں میں شرکت کرنے سے منع کیا تھا۔

[155] ہمیں حجاج بن منہال نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں شعبہ نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ مجھے واقد بن محمد نے اپنے باپ سے خبر دی، وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا: ''میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگ جاؤ۔''[1]

یہ حجۃ الوداع کا خطبہ تھا۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اقوال میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

[156] نافع روایت کرتے ہیں کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ابن زبیر رضی اللہ عنہما، خوارج اور خشبیہ[2] کے

---

[1] صحيح البخاري (٦٦٦٦)

[2] خشبية: روافض کا ایک گروہ جو مختار بن ابی عبید ثقفی کا پیروکار ہے۔ رافضہ کو پہلے سے یہ نام زید بن علی بن حسین سے ملا تھا، اس نام کی وجہ یہ ہے کہ وہ لکڑیوں سے لڑتے تھے، ان کے نزدیک تلواروں سے قتال صرف اہلِ بیت کے کسی معصوم امام کی نگرانی ہی میں ہوسکتا ہے۔
امام ذہبی نے کہا: ''خشبی کو سلف کے دور میں ہی رافضی کہا گیا۔ خشبیہ روافض کی ایک قسم ہے، ایک دفعہ انھوں نے لکڑیوں سے جنگ لڑی تو وہ اس نام سے معروف ہو گئے۔'' المشتبه في الرجال أسمائهم وأنسابهم للذهبي (٢١٧/١)
مزید دیکھیے: الطبقات الكبرى (١٤٧/٥) أنساب الأشراف (٣٩٧/٦) الفصل في الملل والأهواء والنحل (١٤٢/٤) النهاية لابن الأثير (٣٣/٢) فرق معاصرة تنتسب إلى الإسلام لغالب عواجي (٣٤٥/١)

زمانے میں پوچھا گیا، کیا آپ ان جیسے لوگوں کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں، جبکہ یہ ایک دوسرے کو قتل کرتے ہیں؟! فرمایا: ان میں سے جس نے یہ کہا: "حي علی الصلاۃ" میں نے اس کی پکار کا جواب دیا، جس نے یہ ندا لگائی، "حي علی الفلاح" میں نے اس کی پکار پر بھی لبیک کہا، جس نے اپنے بھائی کو قتل کرنے اور اس کے مال کو غصب کرنے پر بلایا تو میں نے انکار کر دیا۔[1]

یہ حادثہ ۶۵ھ کے لگ بھگ پیش آیا، تب مختار بن ابی عبید[2] کی امارت کا زمانہ تھا، کیونکہ روایت میں "خشبية" کا لفظ آیا ہے۔

عمیر بن ہانی کی روایت بھی اس کی موید ہے۔ (میں مکہ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا، جبکہ حجاج نے مکہ میں ابن زبیر رضی اللہ عنہما کا محاصرہ کیا ہوا تھا، ابن عمر رضی اللہ عنہما ان دونوں کے درمیان تھے،[3] کبھی وہ اس گروہ کے ساتھ نماز میں حاضر ہوتے تو کبھی دوسرے گروہ کے ساتھ۔[4]

یہ عبدالملک بن مروان اور حجاج بن یوسف ثقفی کے عہد میں ۷۳ھ کا زمانہ تھا۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال ہوا: آپ خروج کیوں نہیں کرتے؟ فرمایا: اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان بھائی کا خون حرام کیا ہے، ان دونوں نے کہا: کیا اللہ پاک نے یہ نہیں فرمایا:

﴿ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ ﴾ [البقرۃ: ۱۹۳]

"ان سے قتال کرو یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو جائے۔"

---

[1] الطبقات الکبری (۱۶۹/٤- ۱۷۰) اس کی سند ابو شہاب کی وجہ سے حسن ہے۔ ان کا نام عبد ربہ بن نافع حناط الکوفی ہے۔ صدوق ہیں، کبھی وہم کا شکار ہو جاتے۔ شیخین کے رجال میں سے ہیں، باقی رواۃ ثقہ ہیں اور شیخین کے رواۃ میں سے ہیں۔ احمد بن یونس: احمد بن عبداللہ بن یونس تمیمی، کوفی، تخفیفاً نسبت دادا کی طرف ہے، یونس: ابن عبید بن دینار عبدی بصری۔ نافع: مولی ابن عمر رضی اللہ عنہما۔

تخریج الحدیث: اس روایت کو ابونعیم نے حلیۃ الأولیاء (۳۰۹/۱) میں احمد بن یونس کی سند سے روایت کیا ہے۔ امام ذہبی نے بھی ایسے ہی سیر أعلام النبلاء (۲۲۸/۳) میں یونس بن عبید کی سند سے بیان کیا، پھر شعیب ارناؤط نے کہا: اس روایت کو ابن سعد اور ابونعیم نے احمد بن یونس کی سند سے بیان کیا ہے، اس کی سند حسن ہے۔

[2] ۶۷ھ میں قتل ہوا۔

[3] ابن ابی شیبہ کے الفاظ یہ ہیں: "ابن عمر رضی اللہ عنہما کا گھر دونوں کے درمیان تھا" ابن حذلم کے الفاظ یہ ہیں: "ابن عمر رضی اللہ عنہما ان دونوں کے ہاں جاتے تھے۔"

[4] المطالب العالیۃ (٤۰۹) ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: اس کی سند صحیح ہے، [رقم: ۶۲۰] پر تخریج کے ساتھ آئے گی۔

انھوں نے جواب دیا: ہم نے قتال کیا یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہا اور دین سارا اللہ تعالیٰ ہی کا ہو کر رہ گیا، تم چاہتے ہو تم قتال کرو، یہاں تک کہ فتنہ برپا ہو جائے، اور دین غیر اللہ کے لیے ہو جائے۔[1] یہ بات انھوں نے یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے اس کی لڑائی کے معاملے میں کہی تھی۔

اس آیت کی تفسیر میں ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مزید کہا: کیا تم جانتے ہو فتنہ کیا ہے، تمھاری ماں تمھیں گم پائے؟! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین سے قتال کرتے، ان کے دین میں داخل ہونا ایک فتنہ تھا، تمھارا بادشاہت کے لیے لڑنا اس لڑائی کے برابر نہیں ہے۔ یہ بات بھی تحقیق کے مطابق یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں کہی۔[2]

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی بیعت کے متعلق ان کا موقف:

جنابِ عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بہت جلد مدینہ میں ان کی بیعت کر لی تھی، علی رضی اللہ عنہ نے انھیں مناسب حال مقام و مرتبے پر رکھا اور انھیں شام کا والی بنایا مگر انھوں نے اس کا انکار کر دیا۔[3]

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی جنگوں کے بارے ان کا موقف:

فتنوں سے الگ تھلگ رہنے کے باوجود ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ پکا اور واضح موقف تھا کہ ان حوادث میں علی رضی اللہ عنہ حق پر ہیں۔ اس مسئلے کو عسکری بنیادوں پر حل کرنا، بغیر جنگ کے حل کرنے سے افضل ہے۔ چنانچہ آئندہ روایت سے یہ واضح ہو رہا ہے۔ البتہ انھیں ورع و تقویٰ نے اس چیز سے الگ ہونے پر مجبور کیا۔ مزید انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ احادیث بھی سن رکھی تھیں جن میں فتنوں میں داخل ہونے اور مسلمانوں سے قتال سے روکا گیا ہے۔

باغی گروہ سے قتال میں الگ رہنے پر ان کی ندامت کے قول کی تحقیق:

[157] میمون سے روایت ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: ''میں نے اپنے آپ کو روکے رکھا،''[1] مجھے اس پر ندامت نہیں ہے، حق پہ لڑنے والا افضل ہوتا ہے۔[2]

---

[1] ملاحظہ ہو: [رقم: ۱۷۳]
[2] ملاحظہ ہو: [رقم: ۱۷۵]
[3] روایات ملاحظہ ہو: [رقم: ۱۷۹، ۱۸۰]
[1] یعنی قتال سے روکا۔
[2] الطبقات الکبری (٤/١٦٤) اس کی سند صحیح ہے، رواۃ ثقہ ہیں اور رجال الشیخین ہیں سوائے ابو الملیح کے، ان کا نام حسن بن عمر الرقی ہے (ان کو ابن عمرو بھی کہا جاتا تھا) امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے ''الأدب المفرد'' میں روایت لی ہے، ثقہ راوی ہیں۔ میمون: ابن مہران جزری رقی۔

اس روایت سے پتا چلتا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو فتنوں سے الگ رہنے پر کوئی ندامت نہ تھی، وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ علی رضی اللہ عنہ کا موقف ان کی رائے سے افضل ہے۔

[**158**] سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک آدمی ان کے پاس آیا اور ان سے فتنوں کے بارے پوچھا، انھوں نے کہا: میں نے خود کو ان سے دور رکھا اور پیش قدمی نہیں کی، بے شک حق پر لڑنے والا افضل ہوتا ہے۔①

← **تخریج الحدیث**: یہ روایت سیر أعلام النبلاء (۲۱۳/۳) میں ابو الملیح کی سند سے موجود ہے۔

امام حاکم نے اس کو (۶۳۶۰)، [۴۶۱/۶، رقم: ۶۵۱۰، طبع: دار التاصیل] میں روایت کیا اور اس پہ سکوت کیا۔

کہتے ہیں: [مجھے ابو بکر بن ابی دارم حافظ نے کوفہ میں بیان کیا، ہمیں احمد بن موسیٰ بن اسحاق تمیمی نے بیان کیا، ہمیں مالک بن اسماعیل نہدی نے بیان کیا، ہمیں عبداللہ بن جعفر مخرمی نے بیان کیا، مجھے ابو الملیح نے بیان کیا، وہ میمون بن مہران سے روایت کرتے ہیں: میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ کہتے سنا: میں نے اپنے آپ کو روکے رکھا تو کسی ندامت کا شکار نہ ہوا اور حق پر لڑنے والا افضل ہوتا ہے۔

امام حاکم کہتے ہیں: اس حدیث کی شرح اور بیان اس حدیث میں ہے: ہمیں ابو فلاں نے بیان کیا،...... سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''مجھے کبھی کسی بات پر افسوس نہیں ہوا، سوائے اس کے کہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ باغی گروہ کے ساتھ نہیں لڑا۔'']

اصل اور مطبوعہ دونوں نسخوں میں اس کی سند گری ہوئی ہے، ابن العدیم نے بھی اس کو امام حاکم کی سند سے ہی روایت کیا ہے، تو وہی سند ذکر کی جس میں رواۃ کا سقوط ہے۔ [رقم: ۱۵۹] کے حاشیے میں اس کا ذکر ہوگا۔

پہلی روایت کی سند تو سخت ضعیف ہے، اس میں ابو بکر بن ابی دارم ہے، اس کا نام احمد بن محمد السری بن یحییٰ بن السری تمیمی کوفی ہے۔ امام حاکم نے اس کو رافضی اور غیر ثقہ کہا ہے۔ امام ذہبی نے اس کو رافضی اور کذاب کہا ہے۔ میزان الاعتدال (۱۳۹/۱)

اس میں ایک راوی مخرمی بھی ہے، ایک جماعت نے اس کی توثیق کی ہے، امام مسلم نے اس سے متابعت میں روایات لی ہیں، ابن معین نے اس میں تردّد کیا ہے، امام ذہبی نے ''الکاشف'' میں اسے صدوق کہا ہے، پھر میزان (۴۰۳/۲) میں دوبارہ اس کے بارے کہا: ''وہ ایسے ہی ہے جیسے ابو حاتم اور نسائی نے اسے کہا: ''لیس به باس''۔ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کے بارے ''لیس به بأس'' کہا ہے، ابن حبان نے کہا: اس کو کثرت سے وہم ہوتا تھا، یہ ثقات راویوں سے وہ احادیث بیان کرتا جو ثابت نہ ہوتی تھیں، جب اس نے کوئی مصنوعی حدیث سنی اور بتایا کہ یہ مقلوب ہے تو یہ مستحق ہے کہ اس چھوڑ دیا جائے۔ (المجروحین: ۲۷/۲) امام ذہبی نے اس کا جواب دیا: ابن حبان نے اس کو کمزور راوی ثابت کرنے میں تکلف سے کام لیا ہے۔ تاریخ الإسلام (۲۹۱/۱۰)

① الاستیعاب (۹۵۱/۳) اس کی سند معلق ہے، معلق ضعیف کی ایک قسم ہے۔ عمرو بن قسط کے سوا اس کے راوی ثقہ ہیں۔ اس کو ابن قسیط بھی کہا جاتا تھا۔ ابو علی سلمی الرقی: یہ صدوق راوی ہے۔ ماقبل حاشیہ دیکھو۔

ابن شبہ کی روایت میں بھی یہ الفاظ آئے ہیں: "فلم أقدم" (تو میں نے پیش قدمی نہیں کی) ایسے ہی الفاظ امام حاکم نے بھی روایت کیے ہیں۔

روایت کے اختلافی الفاظ میں ترجیح:

راجح الفاظ یہی ہیں "فلم أندم" (تو مجھے ندامت نہ ہوئی)، اس ترجیح کے دو اسباب ہیں:

اول: ابن سعد کی سند ابن شبہ اور حاکم کی سند سے زیادہ قوی ہے، ابن شبہ کی سند معلق ہے، امام حاکم کی سند سخت ضعیف ہے، اس میں متہم بالکذب رواۃ ہیں۔

دوم: امام ذہبی نے "سیر أعلام النبلاء" میں انھی الفاظ: ''تو مجھے ندامت نہیں ہے'' کو ضبط کیا ہے۔

باغی جماعت سے قتال نہ کرنے پر بہ وقتِ موت ان کا اظہارِ ندامت:

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ بات وارد ہے کہ موت سے پہلے انھوں نے اس بات پر ندامت کا اظہار کیا تھا کہ انھوں نے باغی گروہ سے قتال نہیں کیا۔ اس باب میں ان سے منقول روایات دو اقسام پر مشتمل ہیں:

☆ وہ روایات جن سے یہ پتا چلتا ہے کہ باغی جماعت سے ان کی مراد جنگِ صفین کے موقع پر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کا لشکر ہے، ایسی کوئی روایت صحیح نہیں ہے، خصوصاً جب یہ صحیح روایات کے مخالف ہے۔

☆ وہ روایات جن میں باغی جماعت سے ان کی مراد حجاج اور اس کے حاشیہ بردار تھے جب انھوں نے سنہ ۷۳ھ میں بیت اللہ کی حرمت پامال کی، اس کا محاصرہ کیا، مجانیق سے اس پر پتھر پھینکے اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما کو قتل کیا۔ اس قسم کی روایات صحیح ہیں۔ بے شک عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حجاج کو اس کے شنیع افعال اور مسلمانوں کے خون کو جائز کرنے سے روکا تھا، جیسا کہ آگے ذکر آئے گا۔[1]

تو اس مسئلے میں صحیح موقف یہی ہے کہ باغی جماعت سے ان کی مراد حجاج بن یوسف اور اس کا لشکر ہی تھا نہ کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کا لشکر۔

اس باب میں ایک اَور صحیح روایت بھی موجود ہے کہ باغی جماعت سے ان کی مراد ابن زبیر رضی اللہ عنہما اور ان کا لشکر تھا، لیکن وہ روایت پہلے کی ہے نہ کہ مرض الموت کی، اس بارے میں بھی آگے روایت آئے گی۔[2]

اب ہم ان کی وفات کے وقت کی ان روایات کے متعلق تفصیل سے گفتگو کرتے ہیں:

---

[1] [رقم: ۱۶۳ تا ۱۶۷] تک ان واقعات کا ذکر ہے۔

[2] [رقم: ۱۷۱] کے تحت ذکر ہوگی۔

پہلی قسم: باغی جماعت سے ان کی مراد صفین میں معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کا لشکر تھا۔

[159] حبیب بن ابی ثابت بیان کرتے ہیں: مجھے ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے یہ بات پتا چلی ہے کہ انھوں نے اس مرض میں کہا جس میں ان کی وفات ہوئی تھی، میں دنیا کے کسی معاملے پر افسوس نہیں کرتا سوائے اس کے کہ میں نے باغی جماعت سے قتال نہیں کیا۔[1]

---

[1] الطبقات الکبری (١٨٦/٤) اس کی سند انقطاع کے سبب ضعیف ہے۔ اس کے رواۃ ثقہ ہیں، حبیب مدلس ہے، روایت میں اس کے عدمِ سماع کی صراحت ہے۔ اس نے کہا: (مجھے یہ بات پہنچی ہے) امام دارقطنی نے اس عدمِ سماع کو درست کہا ہے۔ امام ذہبی نے اس کی علت عدمِ سماع ہی قرار دی ہے اور کہا: یہ منقطع روایت ہے۔ سیر أعلام النبلاء (٢٣١/٣)
امام دارقطنی کی العلل (٤٢٩/١٢) میں آیا ہے کہ ان سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا گیا جو حبیب بن ابی ثابت عن ابن عمر رضی اللہ عنہما کی سند سے روایت کی جاتی ہے: ''انھوں نے کہا: مجھے کسی بھی چیز پر افسوس نہیں ہوا سوائے اس کے کہ میں نے باغی جماعت سے قتال نہیں کیا۔'' امام دارقطنی نے جواب دیا: اس روایت کو فطر بن خلیفہ اور محمد بن قیس ''عن حبیب بن ابی ثابت عن ابن عمر رضی اللہ عنہما'' کی سند سے بیان کرتے ہیں۔
اسی روایت کو ابونعیم نے ''عبدالعزیز بن سیاہ عن حبیب بن ابی ثابت'' کی سند سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا: مجھے ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس مرض کے حوالے سے جس میں ان کی وفات ہوئی، یہ بات پتا چلی ہے کہ انھوں نے ایسے کہا تھا اور یہ الفاظ درست ہیں۔
میں (شمری) کہتا ہوں کہ یہ روایت جس کو حبیب بن ابی ثابت نے بیان کیا ہے اس میں اختلاف ہے:
جب اس روایت کو سفیان ثوری نے ''حبیب بن ابی ثابت عن سعید بن جبیر عن ابن عمر رضی اللہ عنہما'' سے بیان کیا تو یہ مختصر ہے۔ اس میں ''علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کے قتال'' کے الفاظ نہیں ہیں۔
اور جب اس کو عبدالعزیز بن سیاہ، صلت بن بھرام، عبداللہ بن حبیب بن ابی ثابت اور فطر بن خلیفہ نے روایت کیا (یہ چاروں ہی ثقہ ہیں) یہ ''حبیب بن ابی ثابت عن ابن عمر رضی اللہ عنہما'' کی سند سے روایت کرتے ہیں اور یہ چاروں ہی اپنی روایت میں یہ الفاظ بیان کرتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کے قتال نہیں کیا۔ جبکہ ابن سعد، یعقوب بن سفیان، دارقطنی اور ابن الاثیر کی روایت ان سے الگ ہے۔
اسی روایت کو سنان بن ہارون البرجمی نے ''عبداللہ بن حبیب بن ابی ثابت عن ابیہ'' کی سند سے بیان کیا تو اس میں کہا: میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو سنا، ...... پھر اسی طرح روایت بیان کی۔ اس سند میں سماعت کی صراحت ہے جبکہ یہ منکر روایت ہے۔ امام نسائی نے سنان کو ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔ ابن حبان نے اس کو "منکر الحدیث جداً" کہا ہے۔ یہ مشہور رواۃ سے منکر روایات بیان کرتا تھا۔
ترجیح: سند سے سعید بن جبیر کو ساقط کرنا ہی درست ہے۔
امام سفیان ثوری نے ثقہ رواۃ کی مخالفت کی ہے، یہ ایک وہم ہے جو انھیں لاحق ہوا ہے یا کسی اور راوی کو۔
سعید بن جبیر کی روایت آگے ذکر ہوگی جس کو العوام بن حوشب نے ''عیاش العامری عن سعید بن جبیر عن ابن عمر رضی اللہ عنہما'' ←

→ کی سند سے روایت کیا ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں کہ باغی جماعت سے حجاج ہی مراد ہے اور [رقم: ۱۶۰، ۱۶۱] میں یہ نقل ہوا ہے، دونوں روایتوں میں اختلاط واضح ہو جاتا ہے۔

اس کی ایک دوسری سند بھی ہے: اس کو سنان بن ہارون البرجمی نے ''محمد بن اسحاق عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما'' کی سند سے روایت کیا ہے۔ یہ سند منکر ہے۔ سنان بن ہارون اس سند کے ساتھ تفرد کا شکار ہے اور یہ ضعیف راوی ہے۔

اس کی ایک تیسری سند بھی ہے: اس روایت کو ابو العنبس نے ابوبکر بن ابی الجہم سے روایت کیا، وہ کہتے ہیں: میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو سنا...، پھر یہ روایت ذکر کی اور اس کے آخر میں ان الفاظ کا اضافہ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر۔

ابو العنبس نے ایسے ہی مہمل روایت بیان کی ہے، ان کا اپنے طبقے میں بہت سارے رواۃ کے ساتھ التباس ہو جاتا ہے جو ان جیسی کنیت رکھتے ہیں، ان میں سے بعض راوی ثقہ ہیں اور بعض ضعیف۔

اور یہ بات بھی مدِنظر رہے کہ اس کنیت کے سارے راوی کوفی ہیں تو اس سلسلے میں آپ "تقریب التهذیب" کو سامنے رکھو:

سعید بن کثیر بن عبید القرشی التیمی، ابو العنبس الملائی الکوفی ساتویں طبقے میں ثقہ راوی ہے۔ (۲۳۸۱)

عبداللہ بن صہبان الاسدی، ابو العنبس الکوفی۔ یہ ساتویں طبقے میں لین الحدیث ہے۔ (۳۳۹۵)

ابو العنبس، الکوفی العدوی۔ اس کا نام حارث بن عبید بن کعب ہے، یہ چھٹے طبقے میں مقبول راوی ہے۔ (۸۲۸۳)

ابو العنبس: الکوفی الاکبر۔ کہا گیا ہے کہ اس کا نام عبداللہ بن مروان ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا نام معروف نہیں ہے۔ یہ بھی چھٹے طبقے میں مقبول راوی ہے۔ (۸۲۸۴)

ابو العنبس الکوفی الاوسط نخعی اس کا نام عمرو بن مروان ہے، چھٹے طبقے میں صدوق راوی ہے۔ (۸۲۸۵)

⊙ اس کی ایک چوتھی سند بھی ہے جو امام دارقطنی نے "المؤتلف" میں روایت کی ہے، آگے اس کا ذکر آئے گا۔

تخریج الحدیث: امام ذہبی نے اس کو السیر (۳/۲۳۱) میں روایت کیا ہے مگر اس میں علی رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں۔ وہ ''سفیان ثوری عن حبیب بن ابی ثابت عن سعید بن جبیر عن ابن عمر رضی اللہ عنہما'' کی سند سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: مجھے کسی بھی چیز پر ندامت نہیں ہے سوائے اس کے کہ میں نے باغی گروہ سے قتال نہیں کیا۔

اس روایت کو یعقوب بن سفیان نے المعرفة والتاريخ (۳/۸۴) میں ابونعیم اور عبیداللہ بن موسیٰ سے روایت کیا ہے۔

ابن عبدالبر نے اسی سند کے ساتھ اس روایت کو الاستيعاب (۳/۹۵۳) میں دو طرق کے ساتھ اسباط بن محمد سے روایت کیا ہے۔ پھر یہ تینوں ہی عبدالعزیز بن سیاہ عن حبیب بن ابی ثابت عن ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایسے ہی روایت کرتے ہیں۔

یہی روایت سير أعلام النبلاء (۳/۲۳۱) میں عبدالعزیز بن سیاہ کی سند سے مروی ہے۔ امام ذہبی نے کہا: یہ منقطع روایت ہے۔

ابن العدیم نے اس روایت کو بغية الطلب (۱/۲۹۰) میں ابو عبداللہ الحاکم نیشاپوری کی سند سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں: مجھے محمد بن حسن قاضی نے بغداد میں بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں حسن بن احمد بن حسن سبیعی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں میرے باپ نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں قیس بن الربیع نے صلت بن بہرام سے بیان کیا، وہ حبیب بن ابی ثابت سے اور وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایسے ہی روایت کرتے ہیں۔ غالب گمان یہی ہے کہ یہ وہی روایت ہے کہ ←

← المستدرك (٦٣٦٠) میں جس کی سند میں سقوط ہوا ہے اور متن ہو بہو وہی ہے لیکن اس کی سند میں اسقاط نسخِ خطی یا مطبوع میں ہوا ہے۔ [رقم: ١٥٧] روایت کے حاشیے میں اس چیز کا ذکر ہو چکا ہے۔

اس روایت کو ابن عبدالبر نے الاستیعاب (٩٥٣/٣) میں ذکر کیا اور اس میں یہ الفاظ ہیں کہ ابو زید عمر بن شبہ نے ذکر کیا ہے کہ ہمیں ابونعیم ،فضل بن دکین اور ابو احمد الزبیری نے بیان کیا، پھر یہ دونوں عبداللہ بن حبیب بن ابی ثابت سے روایت کرتے ہیں، وہ اپنے باپ سے اور وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو انھوں نے کہا...... پھر یہ روایت ذکر کی۔

ابن الاثیر نے اس روایت کو اسی سند کے ساتھ أسد الغابة (٣٤٩/٣) ، (١٢٥/٤) میں، امام ذہبی نے ابونعیم کی سند سے سیر أعلام النبلاء (٢٣١/٣) میں ذکر کیا ہے۔

اس روایت کو امام طبرانی نے المعجم الکبیر (١٤٦/١٣، رقم: ١٣٨٢٥) میں ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہمیں محمود بن محمد واسطی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں زکریا بن یحییٰ زحمویہ نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سنان بن ہارون نے عبداللہ بن حبیب بن ابی ثابت سے اور وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو سنا، وہ کہہ رہے تھے کہ مجھے خود سے رہ جانے والی کسی چیز پر افسوس نہیں ہے سوائے روزہ، نماز اور باغی جماعت پر کہ میں نے اس سے لڑائی کیوں نہیں کی اور میرا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کو فسخ کرنا۔

سماع کی صراحت کے سبب یہ روایت منکر ہے۔ ''سنان'' ضعیف راوی ہے، جیسا کہ پیچھے نقل ہو چکا ہے۔ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس روایت کو جامع المسانید (٧٥/٢٨، رقم: ١٠٦)، مسند عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما میں ذکر کیا ہے۔ طبع: دارالفکر۔ تحقیق عبدالمعطی قلعجی۔

امام ہیثمی نے مجمع الزوائد (٥٠٨٩) میں کہا: اس روایت کو طبرانی نے "المعجم الکبیر" اور "الأوسط" میں نقل کیا ہے سوائے اس کے کہ انھوں نے کہا: ...... پھر انھوں نے سابقہ روایت کا متن ذکر کیا اور کہا: اس میں سنان بن ہارون راوی ہے۔ ابو حاتم اور ابن عدی نے اس کی توثیق کی ہے اور ابن معین نے اس کو ضعیف کہا ہے۔

امام طبرانی نے اس کو المعجم الأوسط (٧٨٢٣) میں ذکر کیا، کہتے ہیں کہ ہمیں محمود بن محمد الواسطی نے بیان کیا، ہمیں زکریا بن یحییٰ زحمویہ نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سنان بن ہارون نے محمد بن اسحاق سے، وہ نافع سے اور وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنی موت کے وقت کہا کہ دنیا میں رہ جانے والی کسی بھی چیز پر مجھے افسوس نہیں ہے سوائے تین چیزوں کے: سخت گرمی میں روزہ رکھنا اور یہ کہ میں نے لمبی نماز نہیں پڑھی اور بیعت پر میرا استقامت اختیار نہ کرنا۔

اس روایت کو نافع سے محمد بن اسحاق کے سوا کسی اَور نے روایت نہیں کیا اور نہ ہی محمد سے سنان بن ہارون کے علاوہ کسی اَور نے روایت کیا ہے۔ زکریا بن یحییٰ زحمویہ اس روایت میں منفرد ہیں۔ یہ روایت اس سند سے منکر ہے اور حبیب عن ابن عمر رضی اللہ عنہما کی سند سے معروف ہے۔

……………………………………………………………………………………………

← روایت کے یہ الفاظ کہ ''میں نے نماز میں اپنے قدموں کو کشادہ کیوں نہیں کیا۔'' اس سے نماز کا لمبا کرنا مراد ہے۔ یہ بات امام ہیثمی نے کی ہے۔

امام طبرانی نے المعجم الکبیر (١٣/١٥٤، رقم: ١٣٨٢٤، ط: سعد الحمید اور الجریسی) میں اس کو روایت کیا ہے۔ یہ روایت تین سندوں سے منقول ہے۔عن شریک عن فطر بن خلیفہ عن حبیب بن ابی ثابت عن ابن عمر رضی اللہ عنہما۔ انھوں نے کہا کہ میں اپنے آپ پر کسی بھی چیز کا کوئی افسوس نہیں پاتا سوائے اس کے کہ میں نے علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر باغی جماعت سے قتال نہیں کیا۔

امام ہیثمی نے کہا: اس روایت کو طبرانی نے متعدد سندوں سے بیان کیا ہے۔ان میں سے ایک سند کے راوی صحیح ہیں۔ مجمع الزوائد (١٢٠٥٤) اور اسی روایت کو رودانی نے جمع الفوائد من جامع الأصول ومجمع الزوائد (٩٨٣٤) میں نقل کیا ہے۔

اس روایت کو ابن عبدالبر نے الاستیعاب (٩٥٣/٣) میں بیان کیا اور اس میں یہ ہے کہ ابوزید عمر بن شبہ نے کہا: ہمیں ابو احمد محمد بن عبداللہ الزبیری نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عبدالجبار بن عباس نے بیان کیا، وہ ابوالعنبس سے، وہ ابوبکر بن ابی جہم سے روایت کرتے ہیں: میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو سنا، پھر یہ روایت ذکر کی اور اس کے آخر میں ''علی کے ساتھ مل کر قتال نہ کرنے پر افسوس ہے......'' کے الفاظ ہیں۔

اسی سند سے یہ روایت سیر أعلام النبلاء (٢٣٢/٣) میں بھی ہے۔ ابوالعنبس: یہ مہمل راوی ہے اور ملتبس بھی ہے۔ کچھ سطور قبل ہی اس پر گفتگو ہو چکی ہے۔ سند کے باقی راوی ثقات ہیں ما سوائے عبدالجبار بن عباس الشبامی الہمدانی الکوفی کے، یہ صدوق اور شیعہ ہے۔

اس روایت کو امام دارقطنی نے الموتلف والمختلف (١٥٢٩/٣) میں روایت کیا۔ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن قاسم بن زکریا نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عباد بن یعقوب نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عفان بن سیار نے بیان کیا، کہتے ہیں کہ ہمیں ابوحنیفہ نے عطا سے بیان کیا اور وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں: انھوں نے کہا مجھے کسی بھی چیز پر افسوس نہیں ہے سوائے اس کے کہ میں نے باغی جماعت سے قتال نہیں کیا اور میں نے سخت دنوں میں روزے نہیں رکھے۔

امام دارقطنی کی روایت پر حکم: اس کی سند سخت ضعیف ہے۔

- محمد بن قاسم بن زکریا: ابوعبداللہ المحاربی الکوفی السودانی۔ امام ذہبی نے کہا کہ یہ مشہور ضعیف راوی ہے۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس پر مرجیہ کی تہمت ہے اور یہ کذاب ہے۔ دیکھیے: المغني في الضعفاء (٥٩٠٩) شذرات الذهب (١٣٨/٤) تراجم رجال الدارقطني في سننه (١٠٨٨) الدليل المغني لشيوخ الدارقطني (٤٩٢)
- عباد بن یعقوب: ابوسعید الرواجنی الکوفی۔ صدوق ہے اور رافضی ہے۔ التقریب (٣١٥٣)
- عفان بن سیار: ابوسعید الباہلی الجرجانی۔ امام ذہبی نے کہا کہ یہ حجت نہیں ہے، یہ مرسل روایات کو موصولاً بیان کرتا تھا۔ ابن حجر نے کہا: صدوق ہے لیکن وہم کھا جاتا تھا۔ دیوان الضعفاء (٢٨٥٠) التقریب (٤٦٢٤) ←

اس روایت کے بعض طرق میں یہ زیادت بھی آئی ہے: ''علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ قتال کیوں نہ کیا۔'' جیسا کہ تخریج میں گزر چکا ہے، مگر یہ زیادت درست نہیں ہے۔

دوسری قسم کی روایات جن میں بیت اللہ کے محاصرے اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما کو قتل کرنے کے سبب باغی جماعت سے حجاج بن یوسف اور اس کا لشکر مراد ہے۔

[160] سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ جب ابن عمر رضی اللہ عنہما مکہ میں خبل[1] نامی بیماری میں مبتلا ہوئے، ان پر اس قدر شدید اثر ہوا کہ وہ زمین سے جا لگے، انھیں اس چیز کا ڈر محسوس ہوا کہ درد انھیں ادائیگیِ مناسک سے روک دے گا۔ انھوں نے کہا: اے ابن ام الدھماء![2] مجھے مناسک کی ادائیگی مکمل کروا دو۔

← - ابو حنیفہ: الامام فقیہ نعمان بن ثابت۔ امام نسائی نے حافظے کے پہلو سے ان کو ضعیف قرار دیا ہے۔ ابن عدی اور دوسرے محدثین کا بھی یہی موقف ہے۔ میزان الاعتدال (٤/٢٦٥)

اس قصے کے بارے میں ابن عبدالبر نے الاستیعاب (١/٧٧) میں کہا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ بات بہت ساری اسانید کے ساتھ صحیح ثابت ہے کہ انھوں نے کہا تھا: مجھے کسی بھی چیز پر ویسا افسوس نہیں ہے جیسا کہ اس بات پر ہے کہ میں نے علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر باغی جماعت سے قتال نہیں کیا۔ ایسے ہی انھوں نے اس قصے پر صحیح کا حکم لگایا ہے۔

پھر انھوں نے کہا: یہ قصہ حبیب بن ابی ثابت عن ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بہت ساری سندوں کے ساتھ روایت کیا جاتا ہے کہ انھوں نے کہا: مجھے کسی بھی چیز پر افسوس نہیں ہے سوائے اس کے کہ میں نے جنابِ علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے باغی جماعت سے قتال نہیں کیا۔

شعبی نے کہا ہے کہ مسروق نے وفات نہیں پائی یہاں تک کہ انھوں نے علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑائی میں پیچھے رہنے پر اللہ کے حضور توبہ کی تھی۔ ان روایات کی بہت ساری صحیح سندیں ہیں، ہم نے مناسب موقع پر اس کا ذکر کر دیا ہوا ہے۔ الاستیعاب (٣/١١١٧)

ابن عبدالبر کا اس قصے کو صحیح قرار دینے پر جواب: ہم نے وہ ساری اسانید جمع کر دی ہیں جن کا ابن عبدالبر نے ذکر کیا ہے اور ان میں سے ہمیں کوئی ایک بھی سند صحیح نہیں ملی۔ عمر بن شبہ کی روایت میں ابوالعنبس ہے جو مہمل اور ملتبس راوی ہے۔ حبیب بن ابی ثابت کی روایت منقطع ہے اس کو موصولاً بیان کرنا خطا ہے۔

غالب گمان یہی ہے کہ ابن عبدالبر نے اس قصے کی صحت کا حکم اس بنیاد پر لگایا ہے کہ حبیب بن ابی ثابت نے اس کو ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا ہوا ہے اور ہم نے یہ بھی ذکر کر دیا ہے کہ اس نے عدمِ سماع کی صراحت کی ہے اور ان الفاظ میں کہا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے مجھے یہ بات پتا چلی ہے۔

[1] الخبْل: باء کے سکون کے ساتھ: اعضاء کا خراب ہو جانا۔ النهاية في غريب الحديث (٢/٨) یہ اس لیے ہوا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاؤں پہ نیزہ لگا تھا، اس سے وہ بیمار ہوئے اور وفات پائی۔ [رقم: ١٦٢] میں امام بخاری رحمہ اللہ سے یہ قصہ منقول ہو گا۔

[2] وہ سعید بن جبیر رحمہ اللہ ہیں۔

جب ان کا درد حد سے بڑھا[1] اور حجاج کو اس کا پتا چلا تو وہ تیمارداری کے لیے آیا اور کہنے لگا: اگر مجھے پتا چل جائے کہ آپ کی اس حالت کا ذمے دار کون ہے تو میں اس کے ساتھ جو کروں سو کروں،[2] جب اس نے بار بار یہ بات کی تو انھوں نے کہا: میری اس حالت کے ذمے دار تم ہی ہو،[3] تو نے ایک ایسے دن میں اسلحہ اٹھایا ہے[4] جب اسلحہ اٹھانا جائز نہیں، جب حجاج ان کے پاس سے چلا گیا تو انھوں نے کہا: مجھے تین چیزوں کے سوا دنیا کی کسی چیز پر افسوس و ندامت نہیں ہے: گرمی کے روزے، رات کی عبادت اور میں نے اس باغی جماعت سے قتال کیوں نہ کیا جو ہمارے سروں پہ نازل ہوئی۔[5] [6]

[**161**] سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ جب ابن عمر رضی اللہ عنہما کی وفات کا وقت آیا تو انھوں نے کہا:

---

[1] یعنی مرض الموت یا قریب الموت وقت میں۔

[2] یعنی پھر میں اس کے ساتھ جو کروں سو دیکھا جائے۔ مراد یہ ہے کہ جس نے ایسا کیا میں اس کا محاسبہ کروں گا۔

[3] یعنی میری اس حالت کا سبب، گویا کہ تم ہی وہ سبب ہو۔

[4] وہ یوم النحر عید کا دن تھا، اس کو یومِ حجِ اکبر بھی کہا جاتا ہے۔

[5] "فئة باغية" سے ان کی مراد وہ جماعت ہے جو ان پر نازل ہوئی تھی، مراد حجاج بن یوسف کا لشکر تھا جو مکہ میں آیا، اس پر حملہ کیا، اس کا محاصرہ کیا اور کعبہ پر پتھروں کے ساتھ حملہ کیا۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو قتل کیا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما اس قبیح فعل اور مسلمانوں کے خون کو جائز سمجھنے کو ناپسند کرتے تھے۔

ابن زبیر رضی اللہ عنہما کو قتل کرنے کے بعد (۷۳ھ) میں حجاج مکہ کا والی بن گیا۔ پھر عبدالملک بن مروان کو اپنے ساتھ ملا کر (۷۴ھ) میں مدینہ کی ولایت بھی حاصل کر لی۔ ۷۵ھ میں عراق کا گورنر بننے تک وہ حجازِ مقدس کا والی رہا۔ تاریخ الطبري (۵۳۸/۳، ۵٤۲، ۵٤۳، ۵٤۷)

ابن عبدالبر نے کہا: ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے قتل کے تین یا زیادہ مہینے گزرنے پر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ۷۳ھ میں مکہ میں وفات پا گئے۔ اس میں مورخین کا کوئی اختلاف نہیں ہے، ایک قول چھے مہینے کا بھی ہے۔ ایک جماعت نے اس تاریخ کی مخالفت بھی کی ہے، ان کا کہنا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ۷۴ھ میں وفات پائی۔ الاستيعاب (۹۵۲/۳) تاريخ دمشق (۱۹۷/۳۱) اور بعد کے اوراق۔

امام ذہبی نے کہا: عام بات یہی ہے کہ انھوں نے ۷۳ھ کے آخر میں وفات پائی۔ سیر أعلام النبلاء (۲۳۲/۳)

[6] الطبقات الكبرى (۱۸۵/٤) اس کی سند صحیح ہے، رجال ثقات ہیں اور شیخین کے رواۃ ہیں سوائے عیاش عامری کے، یہ امام مسلم کے رجال میں سے ہے۔ شعیب ارناؤط نے سیر أعلام النبلاء (۲۳۲/۳) کی تحقیق میں اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

تخریج: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کو "محمد بن سوقہ عن سعید بن جبیر" کی سند سے ایسے ہی مختصر بیان کیا ہے، سوائے ان الفاظ کے: "مجھے دنیا کی کسی چیز پر افسوس نہیں ہے، ......" [رقم: ۱۶۲] میں یہ روایت آئے گی۔

مجھے کسی چیز پر افسوس نہیں ہے سوائے[1] گرمیوں کے روزے، رات کی عبادت کی مشقت اٹھانا اور باغی جماعت پر جو ہمارے سروں پر مسلط ہوئی کہ میں نے اس سے قتال نہ کیا، یعنی لشکرِ حجاج۔[2] [3]

[162] سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ میں (حج کے دن) ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھا جب نیزے کی انی آپ کے تلوے میں چبھ گئی، جس کی وجہ سے آپ کا پاؤں رکاب سے چپک گیا۔ تب میں نے اتر کر اسے نکالا۔ یہ واقعہ منیٰ میں پیش آیا تھا۔ جب حجاج کو معلوم ہوا جو اس زمانے میں ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے قتل کے بعد حجاج کا امیر تھا تو وہ بیمار پرسی کے لیے آیا۔ حجاج نے کہا کہ کاش ہمیں معلوم ہو جاتا کہ کس نے آپ کو زخمی کیا ہے۔ اس پر ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تو نے مجھ کو نیزہ مارا ہے۔ حجاج نے پوچھا کہ وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا کہ تم اس دن ہتھیار اپنے ساتھ لائے جس دن پہلے کبھی ہتھیار ساتھ نہیں لایا جاتا تھا (عیدین کے دن) تم ہتھیار حرم میں لائے، حالانکہ حرم میں ہتھیار نہیں لایا جاتا تھا۔[4]

---

[1] "وصايا العلماء" لابن زبر اور "سير أعلام النبلاء" میں عبارت ایسے ہے: "مجھے تین چیزوں کے سوا دنیا کی کسی بھی اور چیز پر افسوس نہیں ہے۔"

[2] "حجاج" سارے مصادرِ تخریج میں یہ لفظ ہے۔ یہ امام ذہبی کا کلام نہیں ہے جیسا کہ دکتور صلابی نے اپنی کتاب "خلافة أمير المؤمنين عبدالله بن الزبير رضی اللہ عنہما" (ص: ١٣٩) میں کہا ہے۔ دکتور صلابی نے اس کو سلطان بن خالد بن حثلین کی کتاب "الفقهاء والخلفاء" (ص: ٦٥) سے نقل کیا ہے۔ مطبوعہ: دار عمار، اُردن، طبع اولیٰ: ١٤٢١ھ، ٢٠٠٠ء۔

[3] المحتضرين لابن أبي الدنيا (ص: ١٥٧)، اس کی سند صحیح ہے۔ راوی ثقہ ہیں۔ محمد بن عبیداللہ: ابن المنادی۔ راجح یہی ہے کہ یہ بھی ثقہ ہیں۔ ابن حجر نے ان کو صدوق کہا ہے۔ "تحرير التقريب" میں ہے: بلکہ یہ ثقہ ہیں۔ التقريب (٦١١٣)

تخریج الحدیث: ابو سلمان، محمد بن زبر ربعی نے اس کو اپنی کتاب: وصايا العلماء عند حضور الموت (ص: ٦٣)، میں عن ابیہ عن ابن المنادی کی سند سے روایت کیا ہے۔ یہی روایت تاريخ دمشق (١٩٦/٣١) میں ابن ابی الدنیا اور ابن زبر کی سند سے روایت کی گئی ہے۔ مختصر تاريخ دمشق (١٨٠/١٣)

یہ روایت تاريخ الإسلام (٤٦٥/٥) میں عوام کی سند سے موجود ہے۔ سير أعلام النبلاء (٢٣٢/٣) میں روح کی سند سے مروی ہے۔ یہی روایت مختصر قيام الليل لمحمد بن نصر مروزي (ص: ٦٢) میں سعید بن جبیر سے مروی ہے۔

امام ذہبی نے یہ روایت ذکر کرنے کے بعد کہا: یہ بعض رواۃ کا گمان ہے، انھوں نے صرف یہی کہا تھا: باغی جماعت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی ہی ہے، جیسا کہ گزر چکا ہے۔ واللہ اعلم۔

میں یہ کہتا ہوں: یہ رواۃ کا گمان نہیں ہے، سابقہ روایت میں اس کی تصریح ثابت ہے۔ (جب حجاج ان کے پاس سے چلا گیا تو انھوں نے کہا: مجھے تین چیزوں کے سوا دنیا کی کسی چیز پر افسوس وندامت نہیں ہے، گرمیوں کے روزے، رات کی عبادت کی مشقت اور میں نے اس باغی جماعت سے قتال کیوں نہ کیا جو ہمارے سروں پر نازل ہوئی۔) روایت دیکھو: [رقم: ١٦٠]

[4] صحيح البخاري (٩٢٣) ابن سعد نے اس کو مطولاً بیان کیا ہے۔ [رقم: ١٦٠] کے تحت مذکور ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا حجاج بن یوسف کو نہی عن المنکر:

[163] ہمیں شیخ ابوبکر بن اسحاق[1] نے بیان کیا، کہتے ہیں: ہمیں علی بن عبدالعزیز[2] نے بتایا، ہمیں ابونعیم نے بیان کیا، ہمیں فضیل بن مرزوق نے بیان کیا، وہ عطیہ سے روایت کرتے ہیں: میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام سے پوچھا: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا وصال کیسے ہوا؟ انھوں نے بتایا کہ حجاج بن یوسف نے جو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو شہید کیا، اس پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کھل کر حجاج کی مخالفت کی تھی، اور اس کے منہ پر اس کو غلط کہا تھا۔ حجاج نے کہا: او بزرگوار! چپ کر جا، تو پاگل بوڑھا ہو چکا ہے۔ جب لوگ متفرق ہو گئے تو حجاج نے ایک شامی شخص کو حکم دیا، اس نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاؤں میں تلوار مار کر زخمی کر دیا۔ پھر حجاج ان کی عیادت کرنے کے لیے گیا، اور کہنے لگا: اگر مجھے پتا چل جائے کہ کس شخص نے آپ کو زخمی کیا ہے تو میں اس کی گردن مار دوں، حضرت عبداللہ

---

[1] احمد بن اسحاق بن ایوب بن یزید نیشاپوری، ابوبکر شافعی، فقیہ، المعروف صبغی۔

خلیلی نے کہا: میں نے ابوعبداللہ حاکم سے سنا: جب بھی کسی مجمع میں روایت کی جاتی تو وہ کہتے: ابوبکر تو مقدم امام ہیں، علم حدیث، علم سیر و رجال اور علم الجرح والتعدیل میں ان کا ایک نام تھا۔ علم فقہ میں تو اپنے زمانے کا ایک ستون تھے، ثقہ، مامون تھے۔

امام بیہقی نے کہا: ہمیں ابوعبداللہ نے بتایا، ہمیں ابوبکر احمد بن اسحاق نے بیان کیا، جو فقیہ، امام، مقدم، الحجہ ہیں، یہ لفظ ان کی اصل کتاب سے شروع سے ان کے لیے کہا گیا ہے ......

امام ذہبی نے "السیر" میں کہا: امام، علامہ، مفتی، محدث، شیخ الاسلام، ...... انھوں نے یحییٰ بن محمد ذہلی اور ابوحاتم رازی کو دیکھا تھا ...... ان کے علم کو جمع کیا اور تصنیفی کام کیا۔ علم فقہ میں یدِطولیٰ حاصل کیا، علم الحدیث میں بھی ایک نمایاں مقام حاصل کیا۔ مزید دیکھیے: الإرشاد للخليلي (٨٤٠/٣) بيان خطأ من أخطأ على الشافعي للبيهقي (ص: ٢٤٠) تاريخ الإسلام (٢٥٦/٢٥) سير أعلام النبلاء (٤٨٣/١٥) الثقات ممن لم يقع في الكتب الستة (٢٧٥/١) الروض الباسم في تراجم شيوخ الحاكم (٤٣).

[2] علی بن عبدالعزیز بن مرزبان بن سابور، ابوالحسن البغوی، نزیلِ مکہ۔

امام دارقطنی نے "سؤالات السلمي وحمزة" میں کہا: ثقہ، مامون۔ ابن ابی حاتم نے کہا: اس نے ابوعبید کی کتب ہمیں لکھ کے بھیجیں اور یہ صدوق تھا۔ امام ذہبی نے کہا: امام، حافظ، صدوق۔ انھوں نے "مسند کبیر" جمع وتصنیف کی، حسن الحدیث راوی تھے، کہا جاتا ہے کہ امام نسائی نے تحدیث پر طلبِ اجرت کے سبب اس پر کلام کیا ہے۔

مزید دیکھیے: سؤالات السلمي (٢١٤) سؤالات حمزة (٣٨٩) الجرح والتعديل (١٩٦/٦) سير أعلام النبلاء (٣٤٨/١٣) إرشاد القاصي والداني إلى تراجم شيوخ الطبراني (٦٨٥).

ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تو نے ہی تو مجھے زخمی کیا ہے، حجاج نے پوچھا: وہ کیسے؟ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس دن تو نے اللہ تعالیٰ کے حرم میں ہتھیار داخل کیے تھے (تو نے اسی دن ہمیں زخمی کر دیا تھا)۔[1]

[164] ہمیں ابو محمد مزنی[2] نے بیان کیا، کہتے ہیں: ہمیں قاضی ابو خلیفہ نے بیان کیا، ہمیں ابراہیم بن ابو سوید زاذان نے بیان کیا، مکحول کہتے ہیں: ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ہمراہ تھا، جبکہ حجاج نے کعبہ معظّمہ کے اوپر منجنیق نصب کر رکھی تھی، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو شہید کر دیا گیا۔ تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اعلانیہ طور پر بہت کھل کر حجاج کی مخالفت کی تھی، حجاج نے ان کو بھی قتل کرنے کا حکم دے دیا تھا، ایک شامی شخص نے آپ پر ایک وار کیا۔ (جس سے آپ زخمی ہو گئے) جب حجاج کو بتایا گیا تو وہ آپ کی عیادت کرنے چلا آیا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس سے کہا: تو نے مجھے قتل کروایا ہے اور اب میری عیادت کرنے بھی آ گیا ہے، تیرے اور میرے درمیان اللہ ہی بہتر فیصلہ کرے گا۔[3]

---

[1] المستدرك (٦٣٥٦) حسن لغیرہ۔ ابونعیم: فضل بن دکین۔ فضیل بن مرزوق: صدوق ہے، وہم کا شکار ہو جاتا تھا، اس پر تشیع کا الزام ہے۔ عطیہ: العوفی، ضعیف ہے۔ اس کا استاد مبہم ہے، لیکن آئندہ دو روایات میں اس کے شواہد موجود ہیں۔ حجاج کا ان کے پاس جانا، اس واقعے کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی "الصحیح" میں [رقم: ۱٦۲] پر روایت کیا ہے۔ اس روایت میں امام بخاری رحمہ اللہ کی روایت پر دو جگہ زیادت ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا حجاج کو انکار کرنا، حجاج کا اپنے سپاہی کو انھیں مارنے کا حکم دینا۔

تخریج الحدیث: امام طبرانی نے اس کو المعجم الکبیر (١٣٠٣٩) میں اور ابونعیم اصبہانی نے اسی سند سے معرفة الصحابة (١٧١٢/٣، رقم: ٤٣١١) میں عن علی بن عبدالعزیز سے مختصر روایت کیا ہے۔

ابن سعد نے اس کو الطبقات (١٨٥/٤) میں ابونعیم فضل بن دکین سے مختصر روایت کیا ہے۔ ابن ابی شیبہ نے اس کو المصنف (١٤٦٢٤) میں وکیع بن جراح سے بیان کیا، ابن سعد نے اس کو الطبقات (١٨٥/٤) میں یزید بن ہارون سے بیان کیا، پھر یہ دونوں اس کو فضیل بن مرزوق سے مختصر روایت کرتے ہیں۔ اور آئندہ روایت بھی دیکھیں۔

[2] الامام، العالم، القدوۃ، الحافظ، ذو الفنون، ابومحمد، احمد بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن بشر بن مغفل بن حسان ابن صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن مغفل مزنی، مغفلی، ہروی، ملقب سفید شاہین، معرفتِ حدیث وعلوم میں تصنیفات کیں۔ امام حاکم نے کہا: بلا مبالغہ آپ اہلِ خراسان کے امام تھے۔ ابوموسیٰ المدینی نے کہا: ابومحمد مزنی کا شمار حفاظ، کبار اور مکثرین میں ہوتا ہے۔ ۳۵٦ھ میں فوت ہوئے۔

میں کہتا ہوں: بغیر کسی شک وتردّد کے ثقہ ہیں اور کبار ائمۂ حدیث میں داخل ہیں۔ دیکھیے: خصائص مسند أحمد (ص: ١٣) سیر أعلام النبلاء (١٨١/١٦) الروض الباسم في تراجم شيوخ الحاكم (٩٨)

[3] المستدرك (٦٣٥٧) حسن لغیرہ. ابو خلیفہ: فضل بن حباب جمحی، امام ذہبی اور دوسروں نے ان کو ثقہ کہا ہے۔ السیر (٧/١٤) الثقات لابن قطلوبغا (٥١٣/٧).

[165] سعید بن عمرو قرشی، ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جب حجاج گفتگو کر رہا تھا تو وہ کھڑے ہوئے اور کہا: اے اللہ کے دشمن! [1] اللہ کی حرمات کو پامال کیا گیا، بیت اللہ کی عظمت کو روندا گیا، اولیاء اللہ کا قتلِ عام کیا گیا۔ حجاج نے لوگوں سے کہا: یہ کون ہے؟ جواب ملا: جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔ اس نے کہا: اے بوڑھے چپ کر جاؤ، تم بڑھاپے کے سبب سٹھیا گئے ہو۔ جب حجاج باہر نکلا تو اس نے اپنے کسی حاشیہ بردار [2] کو حکم دیا، اس نے ایک زہر آلود برچھی پکڑی اور ان کی ایک ٹانگ پہ ماری، وہ انھیں جا لگی اور اسی کے سبب ان کی موت واقع ہوگئی۔ جب حجاج ان کی تیمارداری کے لیے آیا تو انھیں سلام کیا، انھوں نے کوئی جواب نہ دیا، ان سے گفتگو کرنی چاہی تو جواب ندارد۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کو مختصر بیان کیا ہے۔ [3]

[166] خالد بن سمیر کہتے ہیں: فاسق حجاج نے منبر پر لوگوں خطاب کیا اور کہا: بے شک ابن زبیر کتاب اللہ میں تحریف کا مرتکب ہوا ہے، اس پر ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: تو نے جھوٹ بولا ہے، جھوٹ بولا ہے،

← ابراہیم: فضل بن ابی سوید بصری۔ ابن ابی حاتم نے کہا: (میں نے اپنے باپ کو سنا، وہ کہتے: میں نے یحییٰ بن معین کو یہ کہتے سنا: یہ کثیر التصحیف راوی ہے اور اس کو درست کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا تھا۔) میں نے اپنے باپ کو سنا: اس کا شمار ثقات المسلمین رواۃ میں سے ہے۔ ذہبی نے ''میزان'' میں اس کو صدوق کہا ہے، اپنی ''تاریخ'' میں اس کو حافظ کہا ہے۔ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کو مقبول کہا ہے۔ اس سے بندار، محمد بن یحییٰ، ابو زرعہ رازی، ابو حاتم رازی اور اہلِ علم کی ایک کثیر تعداد نے روایت کی ہے، البتہ کتبِ ستہ میں اس کی کوئی روایت نہیں ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ابن حجر رحمہ اللہ کے قول ''مقبول'' کی کوئی توجیہ نہیں بنتی، تصحیف سند کے پہلو سے تو ثابت ہی نہیں ہوتی، ابن معین نے اس کو صیغۂ تمریض (یقال) کے ساتھ ذکر کیا ہے، راجح یہی ہے کہ یہ ثقہ آدمی ہے۔

"تحرير التقريب" کے دونوں فاضل شیوخ پر تعجب ہے، وہ ابن حجر رحمہ اللہ کے اس قول پر خاموش کیسے رہ سکتے ہیں۔

دیکھیے: الجرح والتعديل (۱۲۲/۲) الثقات لابن حبان ۶۹/۸) ميزان الاعتدال (۵۳/۱) تاريخ الإسلام (۷۹/۱٦) التقريب (۲۲۹)

عمارہ بن زاذان: صدوق، کثیر الخطاء۔ التقريب (٤٨٤٧) مکحول: ابو عبداللہ ازدی بصری، صدوق۔ التقريب (٦٨٧٦)

[1] "سير أعلام النبلاء" میں ہے: ''اے اللہ کے دشمن!''

[2] "سير أعلام النبلاء" میں ہے: ''جب لوگ چلے گئے تو حجاج نے اپنے کسی خادم کو کہا۔''

[3] تذكرة الحفاظ (۳۱/۱) ابتدا سے لے کر ان الفاظ تک ''تحقیق سٹھیا گیا ہے۔'' روایت شواہد کی بنا پر صحیح ہے۔ سابقہ روایت اور آئندہ دو روایات میں اس کے شواہد دیکھو۔ اس کی سند معلق ہے اور راوی ثقہ ہیں۔

تخریج الحدیث: امام ذہبی نے اس کو سير أعلام النبلاء (۲۳۰/۳) میں احمد بن یعقوب مسعودی کی سند سے بیان کیا ہے۔ امام بخاری نے اس کو اپنی الصحيح (۹۲٤) میں احمد بن یعقوب مسعودی سے اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

جھوٹ بولا ہے۔ نہ وہ اس چیز کی طاقت رکھتا ہے اور نہ تم۔ حجاج نے کہا: تم چپ کرو، بڑھاپے سے سٹھیا گئے ہو اور تمھاری عقل زائل ہوگئی ہے، قریب ہے کہ اس بوڑھے کو پکڑا جائے اور اس کی گردن مار کر اس کو گھسیٹا جائے، اس حال میں کہ اس کے خصیے پھول چکے ہوں، اہلِ بقیع کی اولادیں اس کا طواف کریں۔ [1]

حجاج کے یہ الفاظ: ''اس بوڑھے کو پکڑا جائے اور اس کی گردن مار کر اس کو گھسیٹا جائے، اس حال میں کہ اس کے خصیے پھول چکے ہوں، اہلِ بقیع کی اولادیں اس کا طواف کریں۔'' اس میں صراحتاً قتل کی دھمکی ہے۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ کی ''التاریخ'' کے مطابق یہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے قتل کے بعد کا واقعہ ہے۔ [2]

[**167**] نافع روایت کرتے ہیں: حجاج نے لوگوں کو ایک لمبا خطبہ دیا تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنا سر میری گود میں رکھ لیا، جب حجاج نے یہ کہا: بے شک ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے کتاب اللہ کو بدل کے رکھ دیا تھا تو اس پر ابن عمر رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے اور کہا: نہ تم اس کی استطاعت رکھتے ہو اور نہ ہی ابن الزبیر رضی اللہ عنہما ﴿لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ﴾ [یونس: ٦٤] ''اللہ کے کلمات میں کوئی تبدیلی نہیں ہے۔'' حجاج نے ان سے کہا: تمھیں علم سے نوازا گیا ہے، اگر یہ تمھیں فائدہ دے دے۔ ایوب کہتے ہیں کہ جب حجاج خاص ان کی طرف آیا تو وہ چپ ہو گئے۔ [3]

---

[1] الطبقات الكبرى (١٨٤/٤) اس کی سند صحیح ہے۔ خالد بن سمیر کو امام نسائی اور عجلی نے ثقہ قرار دیا ہے۔ ابن حجر نے اس کو کہا ہے: صدوق ہے، کبھی وہم کا شکار ہو جاتا۔ ''تحرير التقريب'' میں ہے: بلکہ یہ ثقہ ہے۔ التقریب (١٦٤٢)

تخریج الحدیث: امام ذہبی نے اس کو تاريخ الإسلام (٤٦٦/٥) اور سير أعلام النبلاء (٢٣٠/٣) میں اسود کی سند سے بیان کیا ہے۔ شعیب ارناؤط نے اس کو صحیح کہا ہے۔

ذہبی نے اس کو تذكرة الحفاظ (٣٣/١) میں (حماد بن زید عن ہشام بن حسان عن محمد بن سیرین کی سند سے بیان کیا، بے شک حجاج نے خطاب کیا، ......) پھر اسی کی مثل روایت کی، اور سير أعلام النبلاء (٢٣٠/٣) میں ہشام کے واسطے سے اسی کی طرح روایت کی ہے۔

اسحاق بن راہویہ نے اس کو روایت کیا، جیسا کہ البداية والنهاية (١٤٠/٩) میں ہے، ہمیں جریر نے قعقاع بن صلت سے خبر دی، حجاج نے کہا: ...... پھر اسی طرح مختصر روایت ذکر کی۔ یہ روایت معضل ہے۔

[2] البداية والنهاية (٣٦٦/٨)

[3] تفسير الطبري (١٤١/١٥) یہ روایت امام بخاری کی شروط پہ صحیح ہے۔ یعقوب بن ابراہیم: ابو یوسف دورقی۔ ابن علیہ: اسماعیل بن ابراہیم بن مقسم الاسدی۔ ایوب: ابن ابی تمیمہ سختیانی۔

شیخ احمد شاکر رحمہ اللہ نے کہا: یہ روایت عظیم القدر ہے، اس میں اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی بلندی کا بیان ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جابر بادشاہوں کی ہیبت کو ترک کرنے، منکر کے قول وفعل کا ردّ کرنے، کتاب اللہ کے معانی ←

[168] سالم کہتے ہیں: میرے والد نے مجھے وصیت کی تھی کہ میں ان کو حرم شریف سے باہر دفن کروں۔ لیکن ہم ایسا نہ کر سکے اور ان کو مقامِ فخ[1] میں مہاجرین کے قبرستان میں دفن کیا۔[2]

امیر المومنین عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی خلافت کے متعلق ان کا موقف:

مختلف روایات کو جمع کرنے سے ابن عمر رضی اللہ عنہما کا موقف تین اشکالات کے گرد گھومتا ہے:

← اور مقاصدِ کلام پر ان کی گہری نظر ہونے میں ان کی تربیت کی۔ جب جابرہ کی تکلیف کا تعلق خاص ان کی ذات سے ہو تو صبر کا راستہ اختیار کرنا ہی افضل ہے اور جب ان کے جبر کا تعلق اللہ و رسول کے معاملات سے ہو، یا پھر اس منزل من اللہ اور مبنی علی الحق کتاب سے ہو جو سارے ادیان اور جابرہ کی طرف بھیجی گئی ہے، وہ برابر ان پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کریں۔ اصحابِ رسول ﷺ کسی ایسے جابر کا ڈر نہیں رکھتے تھے جس نے خون بہانے کے لیے اپنی تلوار نکال رکھی ہو یا جس نے اپنی زبان کو بد زبانی، تیزی اور ضدی پن پر بے لگام کر دیا ہو۔ اللہ اس امت پر رحم کرے کہ ایسے ہادی و نیک لوگ جس کے ائمہ ہیں۔

تخریج الحدیث: اس روایت کو علی بن حجر سندی نے اپنی حدیث (۱۰۰) ابن علیہ سے بیان کیا ہے۔ علی بن حجر سعدی کی حدیث اسماعیل بن جعفر مدنی سے مروی ہے۔

امام حاکم نے المستدرك (۲۳۰۱) میں ابونعمان عارم بن فضل عن ابن علیہ کی سند سے روایت کیا ہے۔ اور کہا: یہ حدیث شیخین کی شروط پر صحیح ہے، انھوں نے اس کو روایت نہیں کیا، امام ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

اس روایت کو اسماعیل بن محمد صفار نے اپنی حدیث (۵۷۶)، بیہقی کی سند سے الأسماء والصفات (۵۲۸) میں (عن أبي قلابة عبد الملك بن محمد رقاشي، ثنا سعيد بن عامر، ثنا جويرية بن أسماء، عن نافع) کی سند سے مختصر بیان کیا ہے، اس کا نام: "مجموع فيه مصنفات أبي العباس الأصم وإسماعيل الصفار" ہے۔

[1] فخ: یاقوت حموی کا کہنا ہے کہ مکہ کی ایک وادی کا نام ہے۔ عاتق الحربی نے کہا: مکہ کی ایک بڑی وادی کا حصہ ہے، جس کا نام "وادی زاہر" ہے جو عمرۂ تنعیم اور بیت اللہ کے درمیان ہے۔ دیکھیے: معجم البلدان (۲۳۷/٤) معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية (ص: ۲۳٤)

[2] المستدرك (٦٣٥٩) اس کی سند صحیح ہے۔ الروض الباسم في تراجم شيوخ الحاكم (۹۹۱) میں محمد بن علی کا تعارف دیکھو۔ ابوالحسن سلمانی نے ان کو صدوق کہا ہے۔ اگر وہ ثقہ کہتے تو زیادہ اچھا تھا۔

اسحاق: ابو یعقوب الدبری، عبدالرزاق کے راوی ہیں، ان سے ان کی تصانیف سنی، ان سے ان کا سماع صحیح ہے۔ یہ بات امام ذہبی نے کی ہے۔ امام دارقطنی نے ان کو صدوق کہا ہے۔ ابن عدی نے ان پر کلام کیا ہے۔ امام ذہبی نے ان کا دفاع کیا ہے۔ دیکھیے: الكامل في الضعفاء (۳٤٤/۱) سؤالات الحاكم للدارقطني (٦٢) سير أعلام النبلاء (٤١٦/١٣) الثقات ممن لم يقع في الكتب الستة (۳۰۰/۲)

سالم: ابن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔

پہلا موقف:

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس لڑائی پر راضی نہیں تھے جو پہلے ابن زبیر رضی اللہ عنہما اور یزید بن معاویہ کے درمیان چلتی رہی، پھر ابن زبیر رضی اللہ عنہما اور مروان بن حکم کے درمیان، پھر اس کے بیٹے عبدالملک بن مروان سے چلی، کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ ایک فتنہ ہے اور بادشاہت کی لڑائی ہے، اس پر درج ذیل روایات دلالت کر رہی ہیں:

[**169**] فاکھی نے اس روایت کو بیان کیا ہے، مجاہد کہتے ہیں کہ میں مکہ آیا تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مجھے کہا: مجاہد! کیا تمھیں علم ہے کہ لوگ کفر میں واپس لوٹ گئے ہیں، میں نے کہا: کیسے؟ فرمایا: یہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما اور عبدالملک بن مروان ہیں، یہ ایک دوسرے کی گردنیں مار رہے ہیں۔

ہمیں ابن ابی عمر نے بیان کیا، کہتے ہیں: ہمیں مروان بن معاویہ نے بیان کیا، کہتے ہیں: ہمیں حسن بن عمرو نے مجاہد سے روایت کیا کہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس سے چلا گیا، بعد میں ان سے ملا ...... پھر اسی کے مثل روایت ذکر کی۔[1]

ابن عمر رضی اللہ عنہما اس روایت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جو انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سن رکھی تھی، میرے بعد گمراہی میں نہ پڑ جانا کہ ایک دوسرے کو قتل کرنے لگو۔[2]

یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہما کی رائے یہ تھی کہ بادشاہت کے لیے قتال کرنا، اس حدیث کے مدلول میں داخل ہے، ایسی لڑائی ایک فتنہ ہے، یہاں کفر سے مراد کفرِ اصغر ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول اس کی بنیاد ہے: ''مسلمان کو گالی دینا فسق اور اسے قتل کرنا کفر ہے۔''[3]

ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ قریش کے جوان ہیں[4] جو بادشاہت اور دنیا کے لیے لڑ رہے ہیں۔[5]

---

[1] أخبار مكة للفاكهي (١٦٦٨، ١٦٦٩) روایت صحیح ہے۔ یحیٰی بن عیسیٰ: ابو زکریا تمیمی نہشلی رملی، صدوق ہے، کبھی غلطی کر جاتا ہے۔ اس پر تشیع کا الزام ہے۔ ابن ابی عمر رحمہ اللہ: محمد بن یحیٰی عدنی۔ حسن بن عمرو: فقیمی تمیمی کردی، فاکھی نے اس روایت کو دو سندوں سے بیان کیا ہے، پہلی حسن اور دوسری صحیح ہے۔

[2] صحيح البخاري (٦٦٦٦) ابن عمر رضی اللہ عنہما کے موقف کے بارے شروع میں [رقم: ١٥٥] کے تحت روایت گزر چکی ہے۔

[3] صحيح البخاري (٤٨) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اقتباس۔

[4] یعنی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور ان کے مدِ مقابل یزید بن معاویہ، مروان بن حکم، ولید بن مروان۔

[5] حلية الأولياء (١/٣٠٩- ٣١٠) اس کی سند صحیح ہے۔ مکمل طور پر تخریج کے ساتھ [رقم: ٦١٧] میں آئے گی۔

جب حجاج نے ابن زبیر رضی اللہ عنہما کا محاصرہ کر رکھا تھا تو عمیر بن ہانی نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: آپ اس وقت اہلِ مکہ کے بارے کیا کہتے ہیں؟[1] فرمایا: میں ان کے لیے کوئی عذر نکالنے والا نہیں ہوں، میں نے کہا: اہلِ شام[2] کے بارے آپ کا کیا خیال ہے؟ فرمایا: میں ان کی کوئی تعریف نہیں کرنے والا۔ دونوں ہی دنیا پر لڑ رہے ہیں، یہ ایسے آگ میں گر رہے ہیں جیسے مکھی شوربے میں گرتی ہے۔[3]

اہلِ مکہ کے بارے ان کے الفاظ: ''میں ان کے لیے کوئی عذر نکالنے والا نہیں ہوں'' سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی اس لڑائی پر راضی نہ تھے۔

اہلِ شام کے بارے ان کے الفاظ: ''میں ان کی کوئی تعریف نہیں کرنے والا'' پتا چلتا ہے کہ وہ ان کو امیر المومنین عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے خلاف باغی سمجھتے تھے، حرم کا محاصرہ کرنا، بیت اللہ میں اسلحہ اٹھانا، اس کے اردگرد مجانیق نصب کرنا (حجاج نے بیت اللہ پر چالیس منجنیقیں نصب کی تھیں)،[4] حرمِ الٰہی میں لوگوں کو قتل کرنا یہ سب برائی اور گناہ کے کام ہیں۔

ان کا قول: ''وہ دنیا کی خاطر قتال کرتے ہیں'' یعنی بادشاہت کے لیے، ابن عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک بادشاہت کی لڑائی دنیا کا مسئلہ ہے اور ایک فتنہ ہے۔

ان کا قول: ''وہ آگ میں جا رہے ہیں'' یعنی باہم آگ میں گر رہے ہیں، ان کا اشارہ اس حدیث کی طرف تھا جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب دو مسلمان تلوار لے کر لڑیں تو قاتل اور مقتول دونوں ہی آگ میں ہیں۔''[5]

ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: راویِ حدیث ابو بکرہ نے اس روایت کو عموم پر محمول کیا ہے، یعنی جو کوئی مسلمان کسی دنیاوی چیز کے لیے تلوار سے لڑیں، جبکہ درست یہ ہے کہ اس وعید کا انطباق تب ہوگا جب دو مسلمانوں کی لڑائی بغیر کسی مناسب دلیل کے ہوگی۔[6]

---

[1] یعنی ابن زبیر رضی اللہ عنہما اور ان کا لشکر۔

[2] یعنی عبدالملک بن مروان، حجاج بن یوسف ثقفی اور اس کا لشکر۔

[3] تاریخ دمشق (٤٦/٤٩٧) صحیح لغیرہ، [رقم: ٦١٨] میں مکمل شرح کے ساتھ آئے گی۔

[4] مصدر سابق۔

[5] صحیح البخاري (٣١) ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ [رقم: ٢٥٢] میں یہ روایت آئے گی اور [رقم: ١٨٨، ١٨٩] میں ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی اس کا تکرار ہوگا۔

[6] فتح الباري (١/٨٦)

میں یہ کہتا ہوں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی اس حدیث کو عموم پر ہی محمول کیا تھا، جیسا کہ راویِ حدیث ابوبکرہ نے کیا۔ لیکن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما شرعاً خلیفہ تھے،[1] پھر مروان بن حکم نے ان کے خلاف خروج کیا اور اپنے آپ کو اس منصب کا اہل بتایا، امیر المومنین ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے جنگ کی، یہاں تک کہ آخر میں حجاج بن یوسف کو ان کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے بھیجا۔ پھر جو ہوا سو ہوا۔

ایک دوسری روایت بھی ہے: ایک آدمی نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو قتال کی دعوت دی یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو جائے، تو انھوں نے جواب دیا: کیا تم جانتے ہو کہ فتنہ کیا ہے؟ تمھاری ماں تمھیں گم پائے! بے شک محمد رسول اللہ ﷺ نے مشرکین سے قتال کیا، مشرکین کے دین میں داخل ہونا ایک فتنہ تھا، وہ لڑائی تمھاری بادشاہت کی لڑائی کے مثل نہ تھی۔[2]

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فتنوں اور حصولِ بادشاہت کی لڑائی کو ناپسند کرنے والے تھے، وہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو خلافت کی طلب سے منع کرتے تھے۔ یہ حدیث اس کی دلیل ہے۔

[**170**] ابونوفل بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما (کے جسدِ خاکی) کو شہر کی گھاٹی میں (کھجور کے ایک تنے سے لٹکا ہوا) دیکھا،[3] کہا: تو قریش اور دوسرے لوگوں نے وہاں سے گزرنا شروع کر دیا، یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وہاں سے گزرے تو وہ ان (ابن زبیر رضی اللہ عنہما) کے پاس کھڑے ہوگئے، اور (انھیں مخاطب کرتے ہوئے) کہا: ابوخبیب! آپ پر سلام![4] ابوخبیب! آپ پر سلام! ابوخبیب! آپ پر سلام! اللہ گواہ ہے کہ میں آپ کو اس سے روکتا تھا، اللہ گواہ ہے کہ میں آپ کو اس سے روکتا تھا، اللہ گواہ ہے کہ میں آپ کو اس سے روکتا تھا، اللہ کی قسم! آپ، جتنا مجھے علم ہے بہت روزے رکھنے والے، بہت قیام کرنے والے، بہت صلہ رحمی کرنے والے تھے۔ اللہ کی قسم! وہ امت جس میں آپ سب سے بُرے (قرار دیے گئے) ہوں، وہ امت تو پوری کی پوری بہترین ہوگی (جبکہ اس میں تو بڑے بڑے ظالم، قاتل اور مجرم موجود ہیں۔ آپ کسی طور پر اس سلوک کے مستحق نہ تھے۔) پھر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وہاں سے چلے گئے۔ حجاج کو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے وہاں کھڑے ہونے کی خبر پہنچی۔

---

[1] دیکھیے: دکتور صلابی کی کتاب "خلافة أمير المؤمنين عبدالله بن الزبير رضي الله عنهما" (ص: ٦٤)

[2] دیکھیے: [رقم: ۱۷۵]

[3] مکہ مکرمہ میں ایک گھاٹی ہے۔

[4] ابوخبیب: یہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی کنیت ہے، خبیب ان کے بڑے بیٹے کا نام تھا۔

تو اس نے کارندے بھیجے، ان (کے جسدِ خاکی) کو کھجور کے تنے سے اتارا گیا اور انھیں جاہلی دور کی یہود کی قبروں میں پھینک دیا گیا، پھر اس نے (ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی والدہ) حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کے پاس کارندہ بھیجا۔ انھوں نے اس بلاوے پہ حجاج کے پاس جانے سے انکار کر دیا۔ اس نے دوبارہ قاصد بھیجا کہ یا تو تم میرے پاس آؤ گی یا پھر میں تمھارے پاس ان لوگوں کو بھیجوں گا جو تمھیں تمھارے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے لے آئیں گے۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے پھر انکار کر دیا اور فرمایا: میں ہرگز تیرے پاس نہ آؤں گی، یہاں تک کہ تو میرے پاس ایسے شخص کو بھیجے جو مجھے میرے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے لے جائے۔ کہا: تو حجاج کہنے لگا: مجھے میرے سبتی جوتے[1] دکھاؤ، اس نے جوتے پہنے اور اکڑتا ہوا تیزی سے چل پڑا، یہاں تک کہ ان کے ہاں پہنچا اور کہا: تم نے مجھے دیکھا کہ میں نے اللہ کے دشمن کے ساتھ کیا کیا؟ انھوں نے جواب دیا: میں نے تمھیں دیکھا ہے کہ تم نے اس پر اس کی دنیا تباہ کر دی جبکہ اس نے تمھاری آخرت برباد کر دی، مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ تو اسے دو پیٹیوں والی کا بیٹا (ابن ذات النطاقین)[2] کہتا ہے۔ ہاں، اللہ کی قسم! میں دو پیٹیوں والی ہوں۔ ایک پیٹی کے ساتھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کا کھانا سواری کے جانور پر باندھتی تھی اور دوسری پیٹی وہ ہے جس سے کوئی عورت مستغنی نہیں ہوسکتی (سب کو لباس کے لیے اس کی ضرورت ہوتی ہے۔) اور سنو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا تھا کہ بنو ثقیف میں ایک بہت بڑا کذاب ہوگا اور ایک بہت بڑا سفاک ہوگا۔ کذاب (مختار ثقفی) کو تو ہم نے دیکھ لیا،[3] اور رہا سفاک تو میں نہیں سمجھتی کہ تیرے علاوہ کوئی اور ہوگا، کہا: تو وہ وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا اور انھیں کوئی جواب نہ دے سکا۔[4]

---

[1] السبت: وہ جوتا جس پہ کوئی بال نہیں ہوتا، اس کو غالبًا کیکر سے مشابہ درخت اور گائے کی رنگی ہوئی کھال سے بنایا جاتا ہے، یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کہ اس کے بال اتار لیے جاتے ہیں۔

[2] النطاق: عورت اپنے کپڑے پہنے، پھر اس کو درمیان سے کسی چیز سے باندھ لے، درمیان سے کپڑے کو اٹھائے اور نیچے چھوڑ دے، ایسا وہ عموماً کام کے اوقات میں کرتی ہے، تاکہ نیچے والے حصے میں ٹھوکر کھا کے گر نہ جائے۔

[3] اس سے ان کی مراد مختار بن ابی عبید ثقفی تھا۔ اس نے دعویٰ کیا تھا کہ جبرائیل علیہ السلام اس کے پاس آتے ہیں۔ علماء کا اتفاق ہے کہ یہ شخص جھوٹا تھا۔

[4] صحیح مسلم (۱۹۰/۷) ابو نوفل: ابن ابی عقرب البکری۔

امام طبرانی نے اس کو المعجم الکبیر (۹۶/۱۳) میں اسود بن شیبان کی سند سے روایت کیا ہے۔ اس میں مزید الفاظ اور مفید زیادات ہیں، چاہتے ہو تو اس کی طرف رجوع کرو۔

دوسرا موقف:

ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ بھی رائے تھی کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے باغی تھے۔

صحیح روایت سے یہ ثابت ہے کہ جناب ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ابن زبیر رضی اللہ عنہما اور ان کے لشکر کو باغی گروہ کہا ہے، لیکن یہ بات عندالموت نہ تھی بلکہ یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں تھی، حتمی طور پہ یہ بات واقعہ حرہ کے بعد ۶۳ھ میں کہی تھی۔[1]

[171] ہمیں حجاج ابن ابی منیع نے بیان کیا، کہتے ہیں: مجھے میرے دادا نے بیان کیا، (ح) ہمیں ابو صالح نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: مجھے ھقل نے صدفی سے بیان کیا، (ح) مجھے محمد بن یحییٰ بن اسماعیل نے ابن وہب سے بیان کیا، وہ یونس سے، پھر یہ تینوں راوی زہری سے روایت کرتے ہیں، کہتے ہیں: مجھے حمزہ بن عبداللہ بن عمر نے خبر دی: میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، اس دوران میں عراق کا ایک آدمی آیا اور ان سے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! اللہ کی قسم! بے شک لوگوں کے اختلاف میں میری بڑی خواہش تھی کہ آپ کی رائے سن لوں، پھر اختلافِ عوام میں آپ کے نقشِ قدم پہ چلوں، جس قدر طاقت ہو شر سے بچ جاؤں، مجھے کتاب اللہ میں ایک محکم آیت ملی ہے، تحقیق جس نے میرے دل کو جکڑ کے رکھ دیا ہے، مجھے اس کے متعلق بھی بتا دیں، اللہ پاک کے اس قول کے بارے آپ کا کیا خیال ہے:

﴿ وَإِن طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا ﴾ [الحجرات: ۹]

''اگر اہلِ ایمان میں دو گروہ آپس میں قتال کریں۔''

مجھے اس کے بارے میں بتا دیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کو جواب دیا: تمھارا اور اس آیت کا کیا لینا دینا؟ مجھ سے دور ہو جاؤ۔ وہ آدمی کھڑا ہوا اور چلا گیا یہاں تک کہ اس کا سایہ بھی ہم سے دور ہو گیا۔ پھر عبداللہ رضی اللہ عنہ ہمارے پاس آئے اور کہا: اس آیت (یا امت) کے بارے میرے ذہن میں کوئی چیز نہیں آئی مجھے کبھی اس سے یہ خیال نہیں آیا کہ میں اس کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کے امر کے مطابق باغی جماعت سے قتال کروں۔ حمزہ کہتے ہیں: میں نے کہا: آپ کس کو باغی جماعت سمجھتے ہیں؟ جواب دیا: عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اس قوم کے خلاف بغاوت کی ہے،[2] انھیں ان کی بستیوں سے نکال دیا اور ان کا عہد توڑ دیا۔[3]

---

[1] امام زہری اور کچھ دوسرے مورخین نے واقعہ حرہ (۶۳ھ) کو نقل کیا ہے۔ دیکھیے: البداية والنهاية (۸/۲۳۸، ۲۴۲) فتح الباري لابن حجر (۱۳/۷۱)

[2] ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: یعنی بنو امیہ۔ فتح الباري (۱۳/۷۲)

[3] تاريخ دمشق (۳۱/۱۹۳) موارد ابن عساكر في تاريخ دمشق (۱/۱۲۷)

....

← **روایت پر حکم:** یہ صحیح لغیرہ ہے۔ اس میں تین سندیں جمع ہوگئی ہیں: پہلی سند عمدہ ہے۔ محمد بن یحییٰ ذہلی نے کہا: [عبیداللہ بن ابی زیاد کے پوتے حجاج بن ابی منیع کے سوا میں نے کسی کو ان سے روایت کرنے والا نہیں جانا۔ انھوں نے میرے سامنے زہری کی احادیث کا ایک جزء پیش کیا، جب میں نے انھیں دیکھا تو وہ صحیح احادیث تھیں، میں نے ان میں سے چند ہی احادیث کو نقل کیا] امام ذہبی نے کہا ہے: [حجاج بن ابی منیع اپنے دادے عبیداللہ بن ابی زیاد سے روایت کرتے ہیں اور وہ زہری سے اس کے پاس ان کا ایک بڑا نسخہ تھا] دیکھو: تهذيب الكمال (۴۱/۱۹) تاريخ الإسلام (۱۰۸/۱۵) جب کہ دوسری اور تیسری دونوں سندیں ضعیف ہیں، (صحت کا) احتمال رکھتی ہیں۔

سند کے روات:

حجاج: ابن یوسف بن ابی منیع عبیداللہ بن ابی زیاد رصافی، ثقہ ہے۔ التقريب (۱۱۳۸)

حجاج کا دادا عبیداللہ: صدوق ہے۔ التقريب (٤٢٩١)

ابو صالح: عبداللہ بن صالح مصری، لیث کا کاتب، صدوق اور بہت غلطیاں کرنے والا۔ میں نے کتاب "خطبة الحسن ومعاوية رضي الله عنهما عند البيعة" [رقم: ۳۵] ان پر الگ سے کلام کیا ہے۔

الھقل: ابن زیاد ابوعبداللہ سکسکی دمشقی، اوزاعی کا کاتب اور ان کا شاگرد۔ ثقہ راوی ہے۔ التقريب (۷۳۱٤)

الصدفی: معاویہ بن یحییٰ ابو روح۔ ضعیف راوی ہے۔ التقريب (٦٧٧٢) امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا کہ ان سے ھقل بن زیاد نے مستقیم احادیث روایت کی ہیں۔ گویا کہ وہ کتاب کا حصہ ہیں۔ التاريخ الكبير (۳۳٦/۷) امام دارقطنی نے کہا ہے۔ ھقل جو ان سے روایت کرتا ہے اسے لکھا جاتا ہے اور اس کے ما سوا سے اجتناب کیا جاتا ہے۔ الضعفاء والمتروكين (۱۳۲/۳)

محمد بن یحییٰ بن اسماعیل: تمیمی تمار۔ امام دارقطنی نے کہا ہے کہ وہ کوئی پسندیدہ راوی نہیں ہے۔ سؤالات حمزة (۳۱) ميزان الاعتدال (٦٥/٤)

ابن وھب: عبداللہ ابو محمد مصری فقیہ، ثقہ حافظ و عابد راوی ہے۔ التقريب (٣٦٩٤)

یونس: ابن یزید بن ابی النجاد ایلی ثقہ ہے، مگر زہری سے اس کی روایات میں قدرے وہم پایا جاتا ہے۔ زہری کے علاوہ روایت میں غلطیاں ہیں۔ التقريب (۷۹۱۹) زہری اور حمزہ: دونوں ثقہ اور امام ہیں۔

تخریج الحدیث: زہری نے اسے السنن الكبرى (١٦٧٠٦) میں "یعقوب بن سفیان عن الحجاج بن ابی منیع" کے واسطے سے اور "عن التمار" کی سند سے روایت کیا ہے اور تیسری سند ذکر نہیں کی جو لیث کے کاتب ابو صالح کی سند ہے۔

امام حاکم نے اسے المستدرك (۳۷۲۲)، (٤٥٩٨) اور اسی کی سند سے امام بیہقی نے السنن الكبرى (١٦٧٠٦) میں روایت کرتے ہوئے کہا ہے: ہمیں ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الصفار نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ ہمیں احمد بن مہدی بن رستم نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ ہمیں بشر بن شعیب بن ابی حمزہ قرشی نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ مجھے میرے باپ نے زہری سے مختصر بیان کیا سوائے اس قول کے: [حمزہ نے کہا: ہم نے اسے کہا: اور تم باغی گروہ کسے شمار کرتے ہو؟ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: ابن زبیر نے بغاوت کی ...] یہ سند صحیح ہے۔ امام بیہقی نے دونوں سندوں (یعقوب ←

← اور حاکم کی سند کو) ایک روایت میں جمع کر دیا ہے جس سے مفہوم واضح ہو گیا اور حادثے کی پوری منظر کشی ہو گئی ہے۔
اور یہ روایت إتحاف المهرة (٩٤٣١) میں ہے جس کی انھوں نے امام حاکم کی طرف نسبت کی ہے۔ امام حاکم نے کہا ہے: یہ حدیث شیخین کی شرط پر صحیح ہے، مگر انھوں نے اسے روایت نہیں کیا۔ اور علامہ ذہبی نے بھی امام حاکم کی اس پر موافقت کی ہے۔
اور دوسری جگہ یوں کہا ہے: یہ بہت بڑا باب (موضوع) ہے جسے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کبار تابعین کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔ اس سے پہلے میں نے شعیب بن ابی حمزہ کی زہری سے روایت بیان کر دی ہے اور میں نے صرف اسے ہی بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے، اس لیے کہ وہ شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔ اور ذہبی نے اس کی موافقت کی ہے۔
میں (فواز) کہتا ہوں: بشر بن شعیب سے امام مسلم نے روایت نہیں کی ہے۔ اس کا قول کہ ''یہ ایک بہت بڑا باب ہے۔...''
اس سے مراد وہ مروی روایات ہیں جو اہلِ صفین کے لیے ترکِ قتال کے سلسلے میں ان کی پشیمانی پر وارد ہوئی ہیں۔ عنقریب اس کا جواب مذکور ہوگا۔
صفار کے بارے میں علامہ ذہبی نے کہا ہے: [شیخ، امام، محدث، قدوہ، ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن احمد اصبہانی صفار زاہد] ابو الحسن سلیمانی نے کہا ہے: [حافظ کبیر، مصنف، عابد، زاہد اور حسن السیرہ] ملاحظہ ہو: سير أعلام النبلاء (٤٣٧/١٥) رجال الحاكم في المستدرك (١٣٧٦)، الروض الجاسم في تراجم شيوخ الحاكم (٩٢٩).
امام حاکم نے پہلے اس روایت کو سورۃ الحجرات کی تفسیر میں ذکر کیا اور پھر دوبارہ "باب ذكر بيعة أمير المؤمنين علي بن أبي طالب رضی اللہ عنہ" میں اسے لائے ہیں۔ مطبوعہ نسخے سے یہ عنوان ساقط ہو گیا ہے جب کہ طبعہ دار التأصیل (٣١٠/٥) میں یہ موجود ہے۔ امام حاکم نے "بيعة علي رضی اللہ عنہ ..." میں اسے میں ذکر کیا ہے۔ اور سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول: ''جو میں اپنے دل میں پاتا ہوں ...'' کو فتنۂ صفین پر محمول کیا ہے۔ پھر اس روایت کو بیان کرنے کے بعد کہا ہے: یہ بہت بڑا باب ہے، کبار تابعین کی ایک جماعت نے اسے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ اور دو طرح سے اس کا جواب دیا ہے:
اولاً: جب امام حاکم کو اس بابِ کبیر کی اطلاع ہو گئی تو پھر انھوں نے اسے صفین کے معاملے میں کیوں قرار دیا، باوجود اس کے کہ یہ خبر اس پر مکمل نص ہے کہ اس سے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فتنہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما مراد لیا ہے؟! ان کے شاگرد بیہقی نے اسے سمجھ لیا اور اپنے شیخ کی سند کو یعقوب بن سفیان کی سند کے ساتھ ملا دیا تاکہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس سے مراد واضح ہو جائے۔
ثانیاً: حاکم نے یہ ذکر کیا ہے کہ کبار تابعین کی ایک جماعت نے اسے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور یقیناً بخاری نے اسے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے (۴۲۴۳) دیکھیے: [رقم: ۱۷۳]
نافع رحمہ اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے فتنے کے دور ہی میں دو آدمی ان کے پاس آئے اور عرض کی ...الخبر۔ اس سے حاکم کے اس قول کا ردّ ہو جاتا ہے کہ ابن عمر کی اس سے مراد فتنۂ صفین ہے۔ ←

ان کا مقصود یہ تھا کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے اہلِ مکہ میں سے یزید کے متبعین کو باہر نکال دیا اور اس کی بیعت نہیں کی۔

یہ واقعہ پہلے کا ہے، یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت (٦٠ تا ٦٤ھ) میں پیش آیا۔ اگلی روایت اس کی دلیل ہے:

[172] حرملہ بن یحییٰ[1] اپنے نسخے میں، جیسا کہ "تاریخ دمشق" میں ہے، بیان کرتے ہیں کہ نافع رحمہ اللہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں: ایک آدمی ان کے پاس آیا اور کہا: ابوعبدالرحمان! آپ کو کس چیز نے مجبور کیا کہ ایک سال حج کرتے ہیں تو ایک سال عمرہ، جبکہ جہاد فی سبیل اللہ کو چھوڑ چکے ہو اور آپ کو یہ بھی پتا ہے کہ اس کام کا بدلہ اللہ تعالیٰ نے کیا کچھ تیار کر رکھا ہے، فرمایا: اے میرے بھائی کے بیٹے! اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پہ ہے، ایمان باللہ وایمان بالرسل، پانچ نمازیں، رمضان کے روزے، زکاۃ کی ادائیگی اور بیت اللہ کا حج۔ اس نے کہا: ابوعبدالرحمٰن! کیا آپ کو کتاب اللہ کی اس آیت کا علم نہیں:

← نافع: کبار تابعین سے ہیں۔ اس روایت کی اصل یہ ہے کہ یہ شعیب بن ابی حمزہ کے اس نسخے سے ہے جسے ان سے ان کے بیٹے بشر نے روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے حاکم کی روایت کو بلا واسطہ شعیب کے نسخے سے نقل کیا ہے۔ ابن حجر رحمہ اللہ اس کے ایک نسخے کے مالک تھے۔ دیکھو: المفهرس (١٠١٧) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباري (٧٢/١٣) میں کہا ہے: شعیب بن ابی حمزہ کے نسخے میں زہری سے مروی ہے، وہ حمزہ بن عبداللہ بن عمر سے وہ اپنے باپ سے اس آدمی کے قصے کے بارے جس نے ان سے فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿ وَإِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ [الحجرات: ٩] کے بارے میں سوال کیا تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: اس امت کے معاملے میں مجھے کسی اور چیز کا غم نہیں ہے جتنا اس پر ہے کہ میں نے اس باغی گروہ سے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق قتال نہیں کیا۔ یعقوب بن سفیان نے اپنی تاریخ میں زہری سے دوسری سند سے یہ اضافہ کیا ہے: حمزہ کا بیان ہے کہ ہم نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا: آپ باغی گروہ کسے شمار کرتے ہیں؟ انھوں نے کہا: ابن زبیر نے ان لوگوں کے خلاف بغاوت کی ہے، یعنی بنو امیہ پر بغاوت کی ہے اور انھیں ان کے گھروں سے نکالا ہے اور ان کا عہد توڑا ہے۔

ملاحظہ: "تاریخ دمشق" کے ایک مخطوطے اور مطبوعہ نسخے میں اپنی جگہ یہ خبر نقل کی گئی ہے اور محقق نے اس پر تنبیہ بھی کی ہے۔ اور ظاہر یہ ہوتا ہے کہ اس کی اصل جگہ گزشتہ صفحہ ہے۔ یحییٰ بن حرملہ کی خبر سے پہلے اور قول: (اپنی زمین میں چلے جاؤ) کے بعد۔ حرملہ کی خبر ملاحظہ ہو: [رقم: ١٧٢]

[1] امام، فقیہ، محدث، صدوق، حرملہ بن یحییٰ بن عبداللہ بن حرملہ بن عمران التجیبی، ابوحفص المصری۔ ابن وہب سے کافی زیادہ روایات کرتے ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انھوں نے ان کی صحبت اختیار کی اور علم الفقہ حاصل کیا۔ امام یحییٰ بن معین نے کہا: ابن وہب کے تلامذہ میں حرملہ سب سے زیادہ صاحبِ علم ہیں۔ ٢٤٣ھ میں فوت ہوئے۔ سیر أعلام النبلاء (٣٨٩/١١) امام ابن حجر رحمہ اللہ نے ان کو صدوق کہا ہے۔ م س ق۔ التقریب (١١٧٥)

﴿ وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ ﴾ [الحجرات: ۹]

''اگر اہلِ ایمان میں سے دو گروہ باہم لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کروا دو، اگر ان میں سے ایک دوسرے کے خلاف بغاوت کرے تو اس سے قتال کرو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔''

تو کون سی چیز آپ کو روکتی ہے کہ اس آیت کی روشنی میں اللہ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے آپ ان سے قتال کریں؟ فرمایا: میرے بھائی کے بیٹے: اگر میں اس آیت کو بنیاد بناؤں تو مجھے ایک دوسری آیت کی بنیاد پہ قتال نہ کرنا پسند ہے، جس میں اللہ پاک کا حکم ہے:

﴿ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ ﴾ [النساء: ۹۳]

''جو شخص کسی مومن کو عمداً قتل کرے تو اس کا بدلہ جہنم کی صورت میں ہے۔''

اس نے کہا: کیا آپ کو اس آیت کا علم نہیں ہے؟:

﴿ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۭ ﴾ [البقرۃ: ۱۹۳]

''ان سے قتال کرو یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو جائے اور دین سارا محض اللہ تعالیٰ کے لیے خالص ہو کر رہ جائے۔''

جواب دیا: بے شک ہم نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایسا ہی کیا، جب اہلِ اسلام تعداد میں کم تھے، آدمی کو اس کے دین میں فتنوں کا سامنا ہوتا، فتنہ پرور لوگ چاہیں تو اس کو قتل کر دیں یا اس کو قیدی بنا لیں، (یہاں تک کہ) اہلِ اسلام کی تعداد اچھی خاصی ہو گئی، (جب اس آدمی نے دیکھا کہ میری دال نہیں گل رہی، نہ ہی میرے آنے کا مقصد پورا ہو رہا ہے۔) اس نے کہا: پھر علی و عثمان رضی اللہ عنہما کے بارے آپ کا کیا خیال ہے؟ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا: اللہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کی خطاؤں کو معاف کر دیا، اور تم انھیں معاف کرنا پسند نہیں کرتے۔ علی رضی اللہ عنہ تو وہ رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد ہیں، ان کے حبیب اور اہلِ بیت میں سے ہیں، ان کی بیٹی کے سرتاج ہیں،[1] ....

---

[1] بخاری کے الفاظ یہ ہیں: ''اور علی رضی اللہ عنہ وہ تو رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد اور ان کے داماد ہیں۔'' اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا اور کہا: ''یہ ان کا گھر ہے جو تم دیکھ رہے ہو۔''

ان کا قول: ''ان کے داماد'' یعنی ان کی بیٹی کے شوہر۔ ''یہ رہا ان کا گھر'' رسول اللہ ﷺ کے گھروں کے درمیان، رسول اللہ ﷺ سے ان کی قرابت اور رشتہ داری کا بیان مقصود تھا۔

اس پہ وہ آدمی چپ ہو کے رہ گیا۔[1]

اس حدیث میں ہمارا مقصود سائل کا وہ قول ہے: ''تو کون سی چیز آپ کو روکتی ہے کہ اس آیت کی روشنی میں اللہ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے آپ ان سے قتال کریں؟'' یعنی اس کے نزدیک باغی جماعت سے مراد یزید بن معاویہ کا لشکر تھا جو ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے قتال کر رہا تھا، اور اس کا علی وعثمان رضی اللہ عنہما کے بارے سوال کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ خارجی تھا۔ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: اس کا علی رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے پوچھنا اس بات کی تائید کرتا ہے کہ اس کا تعلق خوارج سے تھا۔[2]

خوارج بنوامیہ کے ساتھ مل کر قتال نہیں کرتے تھے، اور یہ بات بھی ثابت ہے کہ یزید نے جو لشکر حصین بن نمیر سکونی کی قیادت میں ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے قتال کے لیے بھیجا تھا، خوارج نے ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مل کے حصین بن نمیر سکونی کے لشکر کے خلاف مکہ میں قتال کیا تھا، ان کے درمیان دو مہینے سے زیادہ دیر تک جنگ چلتی رہی، یہاں تک کہ یزید خود ۶۴ھ میں وفات پا گیا۔ اس پہ شامی لشکر مکہ سے چلا گیا،[3] جب خوارج نے ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے جنابِ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے محبت کا سنا اور ان کی تعریف سنی تو وہ بھی ان کا ساتھ چھوڑ کر چلے گئے۔[4]

خوارج نے فقط ۶۴ھ میں یزید کے عہد میں ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مل کر مکہ میں قتال کیا، اور یہ خارجی بھی اس لیے آیا تھا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو ساتھ لے کر ان کے خلاف قتال کرے، لیکن ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کی بات نہ مانی۔

---

[1] تاریخ دمشق (۱۹۲/۳۱) اس کی سند صحیح ہے۔ عبداللہ بن وہب: ابومحمد مصری فقیہ، بکر بن عمرو: معافری مصری۔ بکیر: ابن عبداللہ بن اشجع قرشی مدنی۔

اس خبر کو ابن عساکر نے ''حرملہ عن ابن وہب'' کے نسخہ سے نقل کیا۔ موارد ابن عساكر في تاريخ دمشق (۷۷۲/۲)

تخریج الحدیث: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کو اپنی الصحیح (٤٢٤٣) میں معلقاً عن عثمان بن صالح سہمی عن عبداللہ بن وہب مصری کی سند سے بیان کیا ہے۔ اور (۴۳۷۳) میں عن الحسن بن عبدالعزیز جروی عن عبداللہ بن یحییٰ معافری برلسی کی سند سے روایت کیا۔ پھر یہ دونوں راوی حیوہ سے ایسے ہی روایت کرتے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے پہلے ایک روایت ذکر کی، پھر یہ حدیث ذکر کی، آئندہ [رقم: ۱۷۳] روایت دیکھو۔

[2] فتح الباري (۳۱۰/۸)

[3] تاريخ الطبري (۳۹۷/۳)

[4] تاريخ الطبري (۳۹۷/۳)

پھر جس سال یزید نے وفات پائی تو اسی سال خوارج نے ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے صرفِ نظر کر لیا، یہ ۶۴ھ کا زمانہ تھا۔ پھر انھوں نے ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے قتال نہ کیا، بلکہ خود ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے ان سے قتال کیا اور ان کے لیڈر نافع بن ازرق کو (۶۵ھ) میں قتل کر دیا۔[1]

[**173**] نافع نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کیا کہ ان کے پاس ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے فتنے[2] کے زمانے میں (جب ان پر حجاج ظالم نے حملہ کیا اور مکہ کا محاصرہ کیا) دو آدمی (علاء بن عرار اور حبان سلمی) آئے اور کہا: لوگ آپس میں لڑ کر تباہ ہو رہے ہیں۔ آپ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں، پھر آپ کیوں خاموش ہیں؟ اس فساد کو رفع کیوں نہیں کرتے؟ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میری خاموشی کی وجہ صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے کسی بھی بھائی مسلمان کا خون مجھ پر حرام قرار دیا ہے۔ اس پر انھوں نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا ہے:

﴿ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ ﴾ [البقرة: ۱۹۳]

''اور ان سے لڑو یہاں تک کہ فساد باقی نہ رہے۔''

ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہم (قرآن کے حکم کے مطابق) لڑے ہیں، یہاں تک کہ فتنہ یعنی شرک و کفر باقی نہیں رہا اور دین خالص اللہ کے لیے ہو گیا، لیکن تم لوگ چاہتے ہو کہ تم اس لیے لڑو کہ فتنہ اور فساد پیدا ہو اور دینِ اسلام ضعیف ہو، کافروں کی جیت ہو اور خدا کے برخلاف دوسروں کا حکم سنا جائے۔

اس کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا: ''عثمان بن صالح نے ابن وہب کی روایت سے اضافہ کیا ہے، ...۔''[3] پھر سابقہ روایت نقل کی۔[4]

---

[1] تاریخ الطبري (۳/۴۲۵)

[2] ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباري (۸/۱۸۴) میں کہا ہے: [صحیح بخاری کے الفاظ ''فتنہ ابن زبیر میں'' سعید بن منصور کی روایت میں ہے کہ یہ حجاج کے ابن زبیر رضی اللہ عنہما پر حملہ کرنے والا سال ہے، تو فتنہ ابن زبیر سے ان کی مراد وہ ہے جو کچھ حجاج کے ۷۳ھ کے آخر میں مکہ آنے اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے قتال کے نتیجے میں ہوا۔] ابن حجر رحمہ اللہ نے ایسے ہی کہا ہے۔ اس حدیث میں اس معنی کا احتمال ضرور ہے، لیکن امام صاحب نے اس روایت کو اس حدیث کے بعد ذکر کیا جس میں ایک خارجی کے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کا ذکر ہے، اگر یہ دونوں واقعات دو الگ الگ وقت میں ہوئے ہیں تو پھر کوئی اشکال نہیں ہے، اگر یہ ایک ہی واقعے کا بیان ہے تو پھر ایسا ہونے کا احتمال صرف یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہے، کچھ اوراق پہلے میں اس کا سبب ذکر کر چکا ہوں۔

[3] صحیح البخاري (۴۲۳۴)

[4] ملاحظہ ہو: [رقم: ۱۷۲]

یہ امام بخاری رحمہ اللہ کی طرف سے اشارہ ہے کہ یہ دونوں واقعات ایک ہی زمانے میں ہوئے ہیں، جو یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما کا خط جو انھوں نے واقعۂ حرہ کے بعد یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت ۶۳ھ میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو لکھا، اس کو اسی معنی پہ محمول کیا جائے گا۔

[**174**] اشرس بن صہیب (مولیٰ سعید بن عاص) بیان کرتے ہیں، میں نے سالم بن عبداللہ سے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے بارے پوچھا، انھوں نے کہا: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کو خط لکھا تھا، اس میں کہا تھا: آپ بغیر کسی شوریٰ کے ہی لوگوں کے امیر بن بیٹھے ہیں، اس چیز کو چھوڑ دیں، آپ کسی مضبوط بنیاد پہ نہیں کھڑے۔[1]

ان کے یہ الفاظ: ''آپ بغیر کسی شوریٰ کے ہی لوگوں کے امیر بن بیٹھے ہیں'' کیونکہ اہلِ شوریٰ اور دوسرے شہروں نے یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تھی، سوائے مکہ میں ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے، انھوں نے بیعت نہیں کی تھی اور مکہ ان کے ماتحت تھا۔ یہ خط اس چیز کی طرف راہنمائی کرتا ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے ۶۳ھ، واقعۂ حرہ کے بعد یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اپنی بیعت لے لی تھی۔

تیسرا موقف:

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ بھی خیال تھا کہ جنابِ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما شرعی خلیفہ ہیں اور مروان بن حکم اور عبدالملک بن مروان نے ان کے خلاف بغاوت کی ہے۔ ان کی یہ رائے اس وقت بنی تھی جب یزید بن

---

[1] تاریخ دمشق (۱۹۱/۳۱) اس کی سند صحیح ہے، ابونعیم: فضل بن دکین۔ سالم بن عبداللہ: بن عمر بن خطاب۔
اشرس بن صہیب: ابو حاتم رازی نے ان کے بارے کہا ہے: (اشرس بن عبید بن صہیب، کوفی، شیخ) دوری نے ابن معین کی روایت سے ان کو ثقہ کہا ہے۔ اسحاق بن منصور عن ابن معین کی روایت میں اس کو صالح کہا گیا ہے۔ ابن قطلو بغا نے اضافہ کیا: عجلی نے اس کو ثقہ اور عابد کہا ہے۔ یعقوب بن سفیان نے ان کو ثقہ کہا ہے۔ ابن حبان اور ابن شاہین نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔
اشرس کے تعارف کے لیے دیکھیں: التاريخ الكبير (۴۱/۲) اور کہا: بصریین میں اس کی حدیث ہے، روایت پر سکوت کیا۔ الجرح والتعديل (۳۲۲/۲) الثقات لابن حبان (۸۰/۶) المعرفة والتاريخ (۲۳۵/۳) تاريخ الدوري (۳۵۶/۳) الثقات لابن شاهين (۱۱۰) الثقات ممن لم يقع في الكتب الستة (۴۲۹/۲) التذييل على كتب الجرح والتعديل (۹۷)
اور مزید دیکھیے: موارد ابن عساكر في تاريخ دمشق (۱۲۷/۱)
تخریج: مختصر تاريخ دمشق لابن منظور (۱۷۹/۱۳) أنساب الأشراف (۳۴۵/۵)

معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد امت ان کی خلافت پہ مجتمع ہو چکی تھی اور بنو امیہ ان سے خلافت پر قتال کر رہے تھے، اس کی دلیل یہ روایت ہے:

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے مرض الموت میں کہا تھا: میں نے باغی جماعت سے قتال نہ کیا جو ہمارے سروں پہ نازل ہوئی، یعنی حجاج بن یوسف کا لشکر۔[1] ایک روایت میں آتا ہے کہ جب حجاج ان کے پاس سے اٹھ گیا تو انھوں نے کہا: مجھے تین چیزوں کے سوا دنیا کی کسی چیز پہ افسوس نہیں ہے، گرمیوں کے روزے، رات کی عبادت اور میں نے اس باغی گروہ سے قتال نہ کیا جو ہمارے سروں پہ نازل ہوا۔[2]

اس کا مطلب ہے کہ وہ عبدالملک کو امیر المومنین عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے خلاف باغی سمجھتے تھے، کیونکہ عبدالملک ہی وہ آدمی تھا جس نے حجاج کو بھیجا تھا، یہ واقعہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی زندگی کے بالکل آخر (۷۳ھ) میں ہوا تھا۔ یہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی زندگی کا آخری موقف تھا جو انھوں نے موت سے قبل ۷۳ھ میں بیان کیا تھا۔ یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے عبدالملک بن مروان اور اس کے لشکر کے بارے کہا تھا (میں ان کی کوئی تعریف نہیں کرنے والا) یعنی وہ ان کو امیر المومنین عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے خلاف باغی سمجھتے تھے۔[3]

عبداللہ بن دینار نے کہا: جب لوگوں نے عبدالملک کی بیعت کی، تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کو خط لکھا: اللہ کے بندے امیر المومنین عبدالملک کی طرف، میں اللہ کے بندے امیر المومنین عبدالملک کے لیے سمع واطاعت کا اقرار کرتا ہوں، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق اور میرے بیٹے بھی اس اقرار میں شامل ہیں۔[4]

ان کا یہ کہنا: ''جب لوگوں نے عبدالملک کی بیعت کی'' یعنی جب سارے شہروں نے ان کی بیعت پہ اجتماع کر لیا۔ روایت کے آخر میں الفاظ بھی اس چیز کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

عبداللہ بن دینار نے کہا: جب لوگوں نے عبدالملک کی بیعت کی تو میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس حاضر ہوا تو انھوں نے کہا: انھوں (ابن عمر رضی اللہ عنہما) نے لکھا: ......، پھر یہ روایت ذکر کی۔[5]

---

[1] روایت دیکھو: [رقم: ۱۶۱]

[2] روایت دیکھو: [رقم: ۱۶۰]   [3] دیکھو: (ص: ۳۵۲)

[4] صحیح البخاري (٦٧٧٩) [رقم: ۲۶۱] میں مکمل اسناد کے ساتھ ذکر ہوگا۔

[5] صحیح البخاري (٦٧٧٧) [رقم: ۶۲۲] میں مکمل سند اور تفصیل کے ساتھ آئے گی۔

اس سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ امیر المومنین عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی شہادت کے بعد ہی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے عبدالملک کی بیعتِ خلافت کی تھی، دوسرے شہروں نے بھی ان کی بیعت پہ اتفاق ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی شہادت کے بعد ہی کیا تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پہلے پہل عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف باغی سمجھتے تھے، پھر جب اس کی وفات کے بعد امت نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی خلافت پہ اتفاق کر لیا تو مروان اور اس کا بیٹا عبدالملک، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے باغی تھے، بہرحال وہ ان کے درمیان ہونے والی لڑائیوں پہ کسی طور راضی نہ تھے۔

ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے قتال کے بارے پوچھنے والوں کے لیے ان کا فتویٰ:

لوگوں کی ایک بڑی تعداد ان سے اس جنگ میں قتال کے بارے پوچھنے آئی تھی جس میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما مصروف تھے۔ ان کے جوابات کا تعلق دو زمانوں سے ہے:

پہلا مرحلہ: وہ لوگ جو یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ان سے سوال کرنے والے آئے، ان کا ذکر گزر چکا ہے۔[1]

دوسرا مرحلہ: وہ لوگ جو ان کے پاس عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی خلافت اور عبدالملک اور مروان کی ان کے خلاف لڑائیوں کے زمانے میں یہ سوال لے کر آئے۔

ابن حجر رحمہ اللہ بھی اسی توجیہ کی طرف گئے ہیں۔

[**175**] ہم سے اسحاق بن شاہین واسطی نے بیان کیا، کہا: ہم سے خالد بن عبداللہ واسطی نے بیان کیا، ان سے بیان بن بشر نے، ان سے وبرہ بن عبدالرحمٰن نے، ان سے سعید بن جبیر نے بیان کیا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہمارے پاس آئے تو ہم نے امید کی کہ وہ ہم سے کوئی اچھی بات کریں گے۔ اتنے میں ایک صاحب حکیم نامی ہم سے پہلے ان کے پاس پہنچ گیا[2] اور پوچھا: اے ابوعبدالرحمٰن! ہم سے زمانۂ فتنہ میں قتال کے متعلق حدیث بیان کیجیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَقَٰتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ ﴾ [البقرۃ: ۱۹۳]

''تم ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے۔''

---

[1] [رقم: ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳] روایات دیکھو۔

[2] امام بیہقی رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا نام حکیم تھا۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: تمھیں معلوم بھی ہے کہ فتنہ کیا ہے تمھاری ماں تمھیں روئے؟! محمد ﷺ فتنہ ختم کرنے کے لیے مشرکین سے جنگ کرتے تھے، شرک میں پڑنا فتنہ ہے۔ کیا آنحضرت ﷺ کی لڑائی تم لوگوں کی طرح بادشاہت حاصل کرنے کے لیے ہوتی تھی؟![1] [2]

میں نے حاشیے میں ذکر کیا ہے کہ ابن حجر رحمہ اللہ کا خیال یہی ہے کہ اس بندے نے یہ سوال عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی خلافت اور مروان وعبدالملک کے ساتھ لڑائی کے زمانے میں کیا تھا۔

لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے اشارہ کیا ہے کہ یہ واقعہ یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا ہے، کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کو کتاب الفتن، ''باب نبی مکرم ﷺ کا یہ فرمان کہ فتنہ مشرق کی طرف ہوگا'' میں روایت کیا ہے،[3] اس سے پہلے تین احادیث روایت کی ہیں، ساری ہی اس فتنے کے بارے میں ہیں جو نجد کی سمت میں مشرق سے ظاہر ہوگا، اسی جانب سے شیطان کا سینگ ظاہر ہوگا۔

باب میں اس حدیث کی مناسبت یہ ہے: (کیا تم جانتے ہو فتنہ کیا ہے؟ تماری ماں تمھیں روئے!) امام بخاری رحمہ اللہ یہ بات واضح کرنا چاہتے ہیں کہ جس بندے نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا تھا وہ عراقی خارجی تھا، وہ آدمی اس مقصد سے آیا تھا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو شوق دلا کر ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی حمایت[4] میں یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہما کے خلاف لڑائی میں شامل کرے۔ امام بخاری رحمہ اللہ مشرق (شیطان کا سینگ) کی تفسیر عراق کے نجد سے کرنا چاہتے ہیں جہاں سے فتنۂ خوارج کا ظہور ہوا۔

اس کی مزید تائید سعید بن جبیر کا یہ قول بھی کرتا ہے۔ (ہم سے پہلے ہی ایک آدمی آگے بڑھا اور اس نے کہا: اے ابوعبدالرحمان!) یہ بخاری کی روایت کے الفاظ ہیں جو گزر چکی ہے۔

---

[1] ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: یہاں وہ مروان اور عبدالملک بن مروان اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے درمیان جو کچھ معالات پیش آئے ان کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ فتح الباري (٤٧/١٣)

[2] صحيح البخاري (٦٦٨٢) كتاب الفتن، (باب قول النبيﷺ: الفتنة من المشرق) خالد: ابن عبداللہ الواسطی، بیان: ابن بشر الاحمسی۔

تخریج الحدیث: اس حدیث کو امام بخاری (۴۳۷۴) نے اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے سنن الكبرىٰ (١٦٨٠٧) میں احمد بن عبداللہ بن یونس کے واسطے سے زہیر بن معاویہ جعفی عن بیان کی سند سے روایت کیا ہے۔ دیکھیے: فتح الباري (٤٧/١٣)

[3] پچھلے صفحات میں [رقم: ۱۷۵] کے تحت گزر چکی ہے۔

[4] اس بارے میں (ص: ۳۶۰) پہ کلام ہو چکا ہے کہ خوارج نے ۶۴ھ میں مکہ میں ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مل کر قتال کیا۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مل کر یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف قتال کیا۔

امام احمد کے الفاظ یہ ہیں: (ہم میں سے ایک آدمی جلدی سے آگے بڑھا جس کا نام حکم تھا، اس نے کہا: اے ابوعبدالرحمان! فتنے میں لڑائی کے بارے آپ کا کیا خیال ہے؟)[1] یہ بات طے ہے کہ سعید بن جبیر عراق میں کوفہ سے تعلق رکھتے تھے، تو انھوں نے کہا: ہم میں سے ایک آدمی۔ یعنی اہلِ عراق میں سے ایک آدمی۔

حمزہ بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے الفاظ پہلے گزر چکے ہیں۔ (وہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اس دوران میں اہلِ عراق میں سے ایک آدمی آیا اور کہا: اے ابوعبدالرحمان ......)[2] پھر اسی کی مثل روایت ذکر کی۔ اگر ہم ان دونوں روایات کو ایک ہی واقعے میں شمار کریں، یا یہ سمجھیں کہ یہ دو الگ الگ واقعات ہیں، لیکن سوال کرنے والے عراقی ہی ہیں اور خارجی ہیں، جو ابن عمر رضی اللہ عنہما کو قتال کا شوق دلا رہے تھے۔

نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت بھی گزر چکی ہے: (ایک آدمی ان کے پاس آیا اور کہا: اے ابوعبدالرحمان ......) پھر سابقہ روایت کی مثل روایت ذکر کی، پھر نافع نے کہا: جب اس آدمی نے دیکھا کہ اس کی کوئی بات نہیں بن رہی تو کہا: پھر عثمان و علی رضی اللہ عنہما کے بارے آپ کا کیا خیال ہے؟ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا: اللہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کی خطاؤں کو معاف کر دیا، اور تم انھیں معاف کرنا پسند نہیں کرتے۔ رہے علی رضی اللہ عنہ تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد ہیں، ان کے حبیب اور اہلِ بیت میں سے ہیں، ان کی بیٹی کے سر تاج ہیں اور ہاتھ سے اشارہ کیا۔ یہ ان کی ابنت یا بنت ہے جہاں تم اسے دیکھ رہے ہو۔[3]

ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''اس بندے کا یہ کہنا کہ علی و عثمان رضی اللہ عنہما کے بارے آپ کا کیا خیال ہے، اس سے پتا چلتا ہے کہ وہ خارجی تھا۔''[1]

حدیث الباب[2] جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے، اسی کو امام صاحب نے دو اور ابواب میں

---

[1] مسند أحمد (٥٣٨١) شعیب ارناؤط نے اس کو صحیح کہا ہے۔

[2] [رقم:١٧١] روایت ملاحظہ ہو۔

[3] امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کو (٤٦٥٠) کے تحت کتاب تفسیر القرآن، باب: ﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ﴾ [الأنفال: ٣٩] میں ذکر کیا ہے۔ [رقم:١٧٢] کے تحت نسخہ حرملہ بن یحییٰ میں اس کا ذکر گزر چکا ہے۔

[1] فتح الباري (٣١٠/٨)

[2] [رقم:١٧٥] کے تحت گزر چکی ہے۔

بھی روایت کیا ہے، وہاں یہ روایت نافع کے ان الفاظ کے بعد ذکر ہے: ''تو عثمان و علی رضی اللہ عنہما کے بارے آپ کی کیا رائے ہے۔''[1] یعنی امام بخاری رحمہ اللہ اشارہ دے رہے ہیں کہ یہ سوال کرنے والے خارجی تھے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی یہ رائے بالکل درست ہے، اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ سارے سوال کرنے والے یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ہی ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آئے، ان میں سے کوئی بھی مروان یا عبدالملک کے عہدِ حکومت میں نہیں آیا۔

امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ پہ طعن کرنے والوں کے بارے آپ کا موقف:

ابن عمر رضی اللہ عنہما کا موقف اگر صرف یہی ہوتا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ حق پر ہیں تو یہی کافی تھا، بلکہ وہ تو اس سے بھی بڑھ کے ان کی مدح سرائی کرتے، ان کے فضائل بیان کرتے اور ان کی تنقیص کرنے والوں کا ردّ کیا کرتے تھے۔

[176] سعد بن عبیدہ روایت کرتے ہیں: ایک شخص عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں آیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق پوچھا، ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کے محاسن کا ذکر کیا،[2] پھر کہا کہ شاید یہ باتیں تمھیں بری لگی ہوں گی؟ اس نے کہا: جی ہاں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تیری ناک خاک آلودہ کرے! پھر اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق پوچھا: انھوں نے ان کے بھی محاسن ذکر کیے اور کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا گھرانہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کا نہایت عمدہ گھرانہ[3] ہے، پھر کہا: شاید یہ باتیں بھی تمھیں بری لگی ہوں گی؟ اس نے کہا کہ جی ہاں، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بولے: اللہ تیری ناک خاک آلودہ کرے! جا، اور میرا جو بگاڑنا چاہے بگاڑ لینا، کچھ کمی نہ کرنا۔[4] [5]

---

[1] مسند أحمد (٥٣٨١) شعیب ارناؤط نے اس کو صحیح کہا ہے۔

[2] ان الفاظ کے قائل جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس چیز کو محسوس کیا کہ فضائلِ عثمان رضی اللہ عنہ کا ذکر سائل کو اچھا نہیں لگا۔

[3] یعنی ان گھروں میں درمیانی گھر، یا پھر ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی قرابت کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔

[4] یعنی میرے حق میں اپنے مقصود کو حاصل کر لو، جو بات میں نے تجھے کہی ہے وہی حق ہے، حق کہنے والے کو اس حق میں کہی گئی باطل بات کی کوئی پروا نہیں ہوتی۔ عطا کی روایت میں آیا ہے: اس آدمی نے کہا: میں ان سے بغض رکھتا ہوں، اس پہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ بھی تجھ سے بغض رکھے گا۔

[5] صحیح البخاري (٣٥٠١) محمد بن رافع: ابن ابی زید، ابوعبداللہ قشیری نیشاپوری، حسین: ابن علی بن ولید جعفی۔ زائدہ: ابن قدامہ ثقفی۔ ابوحصین: عثمان بن عاصم بن حصین اسدی۔

[**177**] سعد بن عبیدہ روایت کرتے ہیں: ایک آدمی ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور کہا کہ علی رضی اللہ عنہ کے بارے آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا: تم علی کے بارے سوال نہ کرو، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں ان کے گھر کو دیکھو، کہنے لگا: میں اس گھر سے بغض رکھتا ہوں، تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ بھی تم سے بغض رکھے گا۔[8]

[**178**] وکیع بن جراح کا بیان ہے کہ ہمیں میرے باپ[1] نے بیان کیا، وہ عبدالاعلیٰ بن عامر ثعلبی[2] سے، وہ سعد بن عبیدہ سے روایت کرتے ہیں: ایک آدمی نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: آپ علی رضی اللہ عنہ کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ میں تو ان سے بغض رکھتا ہوں۔ فرمایا: اللہ تم سے بغض رکھے، میں بھی تجھ سے بغض رکھتا ہوں۔[3]

---

[8] السنن الکبری (٨٤٣٨) عطاء بن سائب کے سبب اس کی سند حسن ہے، یہ صدوق راوی ہے، آخر میں اس کو اختلاط ہو گیا تھا۔ اس روایت میں اس کی متابعت موجود ہے، باقی راوی ثقہ ہیں، ابن موسیٰ: محمد بن موسی بن اعین حرانی۔

[1] جراح بن ملیح بن عدی رواسی، ابو وکیع الکوفی، امام ابو داود اور یعقوب بن سفیان نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے۔ امام نسائی کا کہنا ہے: اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ امام بخاری نے اس کو صدوق کہا ہے۔ امام ذہبی نے کہا: صدوق ہے۔ بعض محدثین نے اس کو ثقہ اور بعض نے لین الحدیث کہا ہے۔ من تکلم فیه وهو موثق (٦٢)

ابن سعد اور دار قطنی نے ان کو ضعیف قرار دیا، ابن حبان نے "المجروحین" میں کہا ہے: ''یہ اسانید میں تقلیب کرتا اور مرسل روایات کو مرفوع بنا کے پیش کرتا تھا۔'' امام ابو حاتم نے کہا: اس کی احادیث لکھی جائیں مگر ان سے حجت نہ پکڑی جائے، اس کے بارے ابن معین کے قول میں اختلاف کیا گیا ہے۔

ابن عدی نے اس کی حدیث پڑھی اور کہا: اس کی صالح احادیث اور مستقیم روایات موجود ہیں، اس کی حدیث میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ صدوق راوی ہے۔ مجھے اس کی روایات میں کوئی منکر روایت نہیں ملی جس کو میں ذکر کروں۔ عام طور پر اس سے روایت کرنے والا اس کا بیٹا وکیع ہے، وکیع کے علاوہ اَور بھی کئی ثقہ لوگوں نے اس سے روایت لی ہے۔

تحریر التقریب (٢١١/١) میں آیا ہے: یہ ایک اختلافی راوی ہے، اسی لیے ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: صدوق ہے، کبھی وہم کا شکار ہو جاتا ہے، جیسا کہ مختلف فیہ رواۃ کے بارے ان کی عادت ہے۔ ہمارے ہاں یہ حسن الحدیث راوی ہے .... ہمارے ہاں اس کی عدالت کے بارے امام بخاری، ابن عدی اور امام نسائی کا کلام زیادہ معتبر ہے۔

[2] الکوفی؛ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: صدوق ہے، کبھی وہم کا شکار ہو جاتا ہے، ابن حبان نے کہا: میرے نزدیک یہ ان راویوں میں سے ہے جو تھوڑی روایات میں بہت زیادہ تقلیب کرتا ہے، جب یہ روایت میں منفرد ہو تو مجھے اس سے حجت پکڑنا اچھا نہیں لگتا۔ میں کہتا ہوں کہ سابقہ روایت میں عطاء بن سائب نے اس کی متابعت کی ہے۔ ابن عدی نے کہا: اس سے ثقات لوگوں نے روایات لی ہیں، اور یہ عموماً سعید بن جبیر، ابن الحنفیہ، ابوعبدالرحمان سلمی سے ایسی روایات بیان کرتا ہے جن میں اس کی متابعت کوئی نہیں کرتا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ روایت ان میں شامل نہیں۔ دیکھیے: المجروحین (١٥٥/٢) الکامل في الضعفاء (٣١٦/٥) التقریب (٣٧٣١)

[3] تاریخ دمشق (٤١٤/٤٢) اس کی سند حسن لغیرہ ہے سوائے ان الفاظ کے: (بے شک میں بھی تجھ سے بغض رکھتا ہوں) ←

علی ومعاویہ رضی اللہ عنہما کی ان کو اپنی جماعت میں شامل کرنے کی کوشش اور ان کا موقف:

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو اسلام، فقہ اور علم میں ایک نمایاں مقام حاصل تھا، وہ خلیفہ کے بیٹے تھے اور عوام میں ان کی بڑی مقبولیت تھی۔ اسی وجہ سے حضرت علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں نے انھیں اپنی اپنی صف میں شامل کرنے اور اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی۔ انھوں نے ان کے سامنے دنیاوی مفادات بھی پیش کیے جن کے وہ واقعی اہل تھے، لیکن ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ان سب پیش کشوں کو ٹھکرا دیا اور فتنے سے کنارہ کشی کو اختیار کیا۔ نیز حضرت علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں اس بات سے محتاط تھے کہ کہیں ابن عمر رضی اللہ عنہما دوسرے کے لشکر میں شامل نہ ہو جائیں۔

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی کوشش:

[**179**] ابو طاہر ذہلی[1] نے کہا کہ ہمیں محمد بن عبدوس[2] نے بیان کیا، کہا: ہمیں محمد بن ابی عمر عدنی[3] نے بیان کیا، کہا: ہمیں سفیان نے بیان کیا، وہ عمر بن نافع سے، وہ اپنے باپ سے، وہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

← ان الفاظ کے ساتھ عبدالاعلیٰ بن عامر منفرد ہے، باقی روایت کی متابعت سابقہ روایت میں عطاء سے موجود ہے۔ ''فضائل صحابہ'' ہمیں نہیں ملی ہے، دیکھیے: موارد ابن عساكر في تاريخ دمشق (١٣٩/٣)

[1] الامام العالم، المسند المحدث، قاضی القضاۃ، حدیث میں ثقہ تھے۔ سير أعلام النبلاء (٢٠٤/١٦) خطیب، ابن ماکولا اور دوسرے محدثین نے اس کو ثقہ کہا ہے۔ الدليل المغني لشيوخ الدارقطني (٣٧٧)

[2] الامام الحجہ الحافظ، محمد بن عبدوس بن کامل السراج، ابو احمد سلمی بغدادی، عبداللہ بن احمد بن حنبل کے دوست، ابو الحسین بن منادی نے کہا: ان کا شمار اعلیٰ پائے کے گنے چنے حفاظ، فہم حدیث میں ید طولیٰ رکھنے والے محدثین میں ہوتا ہے، بہت سے لوگوں نے ان کی ثقاہت اور ضبط کی گواہی دی، یہ عبداللہ بن احمد بن حنبل کے بھائیوں کی طرح تھے۔ دیکھیے: سير أعلام النبلاء (٥٣١/١٣) تاريخ بغداد (١٨٦/٣) الثقات ممن لم يقع في الكتب الستة (٤٤٨/٨)

[3] الامام المحدث الحافظ، شیخ الحرم، ابو عبداللہ محمد بن یحییٰ بن ابی عمر عدنی، ذہبی نے ایسا ہی کہا ہے۔ ابن معین اور دارقطنی نے اس کو ثقہ کہا ہے۔ ابو حاتم رازی کا کہنا ہے: یہ نیک وصالح روش والے تھے، ان میں کچھ غفلت بھی پائی جاتی تھی، میں نے ان سے کچھ ضعیف احادیث بھی لی ہیں جو یہ ابن عیینہ سے بیان کرتے تھے۔ مجموعی طور پہ صدوق راوی ہے۔ احمد بن حنبل سے سوال ہوا، ہم کس سے احادیث لکھیں؟ فرمایا: مکہ میں ابن ابی عمر سے۔ ابن حبان نے ان کا ذکر ثقات میں کیا ہے، امام مسلم نے ''صحیح مسلم'' میں ان سے حدیث لی ہے۔ مغلطای نے کہا: مسلمہ بن قاسم نے ''الصلة'' میں کہا ہے: اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ صاحب زہرہ نے کہا: امام مسلم نے اس سے دوسو سولہ (٢١٦) احادیث لی ہیں۔ امام سمعانی نے اس کو ثقہ اور ابن حجر نے صدوق کہا ہے۔

دیکھیے: تاريخ ابن معين (٦٠/٣، رقم: ٢٦٨) بروايت الدوري، الجرح والتعديل (١٢٤/٨)، الثقات (٩٨/٩)، ←

سے روایت کرتے ہیں: مجھے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے بلایا، میں ان کے پاس گیا تو کہا: آپ اہلِ شام میں ایک مقبولیت رکھتے ہیں، جایئے میں نے آپ کو شام کا امیر مقرر کیا، میں نے کہا: میں آپ کو اللہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی قرابت اور اپنی ان سے صحبت کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ مجھے ان چیزوں سے دور ہی رکھیے۔ انھوں نے انکار کر دیا، میں نے درمیان میں ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا کا واسطہ ڈالا، انھوں نے پھر انکار کر دیا۔ ایک رات میں مکہ کی طرف نکل گیا، انھیں یہ بتایا گیا کہ میں شام کی طرف نکل چکا ہوں، انھوں نے میرے پیچھے لوگوں کو روانہ کیا تو کوئی آدمی اونٹوں کے باڑے میں آتا اور وہ اپنے اونٹ پر اپنے عمامے ہی کی لگام بنا کر ڈال لیتا، تا کہ مجھ تک پہنچ جائے، حفصہ رضی اللہ عنہا نے ان کو پیغام بھیجا، وہ تو مکہ کی طرف نکلے ہیں (پھر وہ ساکن ہو گئے)۔[1]

[**180**] نافع روایت کرتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی گئی تو وہ میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ اہلِ شام تم سے محبت کرتے ہیں اور میں تمھیں ان پر عامل بناتا ہوں تم ان کے پاس چلے جاؤ، میں نے ان سے رشتہ داری[2] اور سسرالی رشتے[3] کا ذکر کیا اور عرض کیا کہ بخدا! میں آپ کے ہاتھ پر (شام کی ولایت قبول کرنے کی) بیعت ہی نہیں کرتا، کہتے ہیں کہ انھوں نے مجھے چھوڑا اور نکل گئے، بعد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ام کلثوم[4] کے پاس آئے، ان کو سلام کیا اور مکہ کی طرف چل دیے۔

← سؤالات البرقاني للدارقطني (ص: ٤٨)، مكتبة القرآن، تحقيق مجدي السيد، تهذيب الكمال (٦٣٩/٢٦)، سير أعلام النبلاء (٩٦/١٢)، إكمال تهذيب الكمال (٣٩٠/١٠)، تقريب التهذيب (٦٣٩١)

[1] تاريخ دمشق (١٨١/٣١) قوسین میں موجود عبارت "سير أعلام النبلاء" سے منقول ہے۔
اس کی سند جید ہے، محمد بن ابی عمر عدنی، اگر چہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اس سے روایات لی ہیں لیکن محدثین نے اس پہ کلام کیا جس کے سبب یہ رتبۂ صحت سے گر گیا، اس کے باقی رواۃ ثقہ ہیں اور رجال الشیخین ہیں۔ سفیان: ابن عیینہ۔ نافع: مولیٰ ابن عمر رضی اللہ عنہما۔ مزید دیکھیے: موارد ابن عساكر في تاريخ دمشق (١٠٧٦/٢)

تخریج الحدیث: اس روایت کو امام ذہبی نے سير أعلام النبلاء (٢٢٤/٣) میں سفیان بن عیینہ کی سند سے بیان کیا ہے، آئندہ روایت بھی دیکھو۔

[2] مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی قرابت ہے، جیسا کہ سابقہ روایت میں واضح ذکر ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابن عمر رضی اللہ عنہما قریش خاندان میں آپس میں چچا زاد والا رشتہ رکھتے ہیں، دونوں کا نسب اپنے جد کعب بن لوی پہ جمع ہو جاتا ہے۔

[3] انھوں نے داماد کا ذکر کیا، کیونکہ ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہما ان کے باپ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی بیوی ہیں۔

[4] ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب ہاشمیہ، ان کی ماں فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ان سے شادی کی، شہادت تک وہ ان کے ساتھ ہی رہیں۔ ان کے بطن سے زید اور رقیہ پیدا ہوئے، یہ اور ان کا بیٹا زید ←

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس لوگ آئے اور کہا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما شام کی طرف چلے گئے ہیں، چنانچہ آپ لوگوں کو نکلنے کا حکم دیں۔ کہا: کوئی آدمی تیزی سے جاتا اور اپنی چادر اپنے اونٹ کی گردن میں ڈال لیتا، کہتے ہیں کہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے پاس کسی نے خبر پہنچائی تو انھوں نے اپنے والد ماجد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا کہ آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ وہ میرے پاس آئے، مجھ سے سلام کیا اور مکہ کی طرف گئے ہیں، چنانچہ یہ سن کر لوگ واپس لوٹ آئے۔[1]

ان دونوں روایات کے درمیان تطبیق ممکن ہے، یعنی سیدہ حفصہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا دونوں نے ہی علی رضی اللہ عنہ کو پیغام بھجوایا ہو۔

ان روایات سے پتا چلتا ہے کہ زمانۂ فتن میں لوگوں کے درمیان کیسی کیسی جھوٹی خبریں پھیلی تھیں، علی رضی اللہ عنہ کے پاس ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے جو یہ خبر پہنچی کہ وہ شام کی طرف نکل گئے ہیں اور معاویہ رضی اللہ عنہ سے جا ملیں گے، بہت امکان ہے کہ یہ فتنے کی چنگاری ثابت ہو۔

امام ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ان کے والد سے راضی ہو، اور دین، تقویٰ، علم، عبادت اور خشیتِ الٰہی میں ابن عمر رضی اللہ عنہما جیسا کون ہوسکتا ہے؟! ایک ایسا شخص جس کے سامنے خلافت پیش کی جائے تو وہ اسے ردّ کر دے، خلیفہ عثمان رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر شخص کی طرف سے قضا (قاضی بننے) کی پیشکش ہو تو وہ واپس کر دے، اور علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے شام کی نیابت ہو تو وہ اس سے بھاگ جائے! پس اللہ جسے چاہتا ہے اپنے لیے چن لیتا ہے، اور جسے توبہ کے ساتھ اس کی طرف رجوع نصیب ہو، اسے ہدایت دے دیتا ہے۔''[2]

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو ساتھ ملانے کی کوشش:

[**181**] میمون بیان کرتے ہیں: معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو خفیہ طور پر بھیجا، تا کہ وہ یہ جان سکیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے دل میں کیا ہے، کیا وہ قتال کا ارادہ رکھتے ہیں یا نہیں؟ تو عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا:

← ایک ہی دن، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت کے ابتدا میں فوت ہوئے، ان دونوں کا جنازہ امیر مدینہ سعید بن ابی العاص بن امیہ، ابن عمر، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم نے پڑھا۔ الطبقات الکبری (٤٦٣/٨) سیر أعلام النبلاء (٥٠٠/٣)

[1] مصنف ابن أبي شیبة (٣١٣١٤، ٣٨٤٨٠) اسی سند اور متن کی مثل روایت ہے، اس کی سند شیخین کی شروط پہ صحیح ہیں، ابن علیہ: اسماعیل بن ابراہیم بن مقسم اسدی۔ ایوب: السختیانی۔ سابقہ روایت بھی ملاحظہ کیجیے۔

[2] سیر أعلام النبلاء (٢٣٥/٣)

اے ابوعبدالرحمٰن! آپ کو کس چیز نے روکا ہے کہ آپ نکلیں اور ہم آپ سے بیعت کریں؟ آپ تو رسول اللہ ﷺ کے ساتھی اور امیر المومنین (عمر رضی اللہ عنہ) کے بیٹے ہیں، اور آپ اس امر (خلافت) کے سب لوگوں سے زیادہ حق دار ہیں! (ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا: کیا تمام لوگ اس پر متفق ہو چکے ہیں جو تم کہہ رہے ہو؟ عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں، سوائے چند افراد کے)۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر ھَجَر[1] میں صرف تین سخت آدمی بھی باقی رہ جائیں تو بھی مجھے اس (خلافت) میں کوئی دلچسپی نہیں! اس پر عمرو رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ وہ قتال کا ارادہ نہیں رکھتے۔ پھر عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا آپ چاہتے ہیں کہ اُس شخص کے لیے بیعت کریں، جس پر قریب ہے کہ سب لوگ متفق ہو جائیں،[2] اور آپ کے لیے زمینوں اور مالوں میں سے اتنا لکھ دیا جائے کہ نہ آپ کو اور نہ آپ کی اولاد کو آئندہ کسی چیز کی حاجت رہے؟ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: تف ہے تم پر! میرے پاس سے نکل جاؤ، اور دوبارہ میرے پاس نہ آنا۔ افسوس! میرا دین تمھارے دینار و درہم کا محتاج نہیں، اور میں امید رکھتا ہوں کہ میں دنیا سے اس حال میں رخصت ہوں کہ میرے ہاتھ سفید اور پاک ہوں۔[3]

یہ دوسرے حادثے کے علاوہ ہے۔ دونوں ہی اجتماعِ حکمین میں پیش آئے تھے، لیکن وہ واقعہ جس کو میمون نے روایت کیا ہے وہ پہلے کا ہے، پہلا واقعہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو انفرادی پیش آیا تھا، دوسرا واقعہ ابوموسیٰ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں ہوا تھا۔

[**182**] نافع روایت کرتے ہیں: جب لوگ دومۃ الجندل میں جمع ہوئے تو سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: ہماری رائے یہ ہے کہ آپ کی بیعت کریں، نیز ہم آپ کو مال دیں تو آپ اپنے سے

---

[1] ھَجَر: یہ "الھفوف" نامی شہر ہے جو احساء میں واقع ہے اور موجودہ سعودی عرب کے مشرقی علاقے میں ہے۔ معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية لعاتق البلادي (ص: ٤٠) نیز دیکھیں: معجم البلدان (٥/٣٩٣)
اور "ھَجَر" کو مثال کے طور پر مسافت کی دُوری اور معاملے کی پیچیدگی کے لیے بیان کیا جاتا تھا، اور یہ جگہ کثرتِ نخل (کھجوروں کی زیادتی) کے سبب بھی مثالی مشہور تھی۔

[2] یعنی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ۔

[3] الطبقات الکبری (٤/١٦٤) میں یہ روایت موجود ہے، اس کی سند صحیح ہے، اور اس کے راویوں کا تعارف روایت [رقم: ١٥٧] کے تحت گزر چکا ہے۔ اور جو بات قوسین کے درمیان ہے، وہ "سير أعلام النبلاء" سے بطور اضافہ لی گئی ہے۔
تخریج الحدیث: اس روایت کو ابن عساکر نے تاریخ دمشق (٣١/١٨٧) میں ابن سعد کی سند سے نقل کیا ہے۔
امام ذہبی نے اس کو السیر (٣/٢٢٨) میں ابوالملیح کی سند سے روایت کیا، شیخ شعیب ارناؤط نے کہا: [اس کو ابن سعد نے عبداللہ بن جعفر رقی کی سند سے روایت کیا اور یہ سند صحیح ہے۔] آئندہ روایت دیکھو۔

زیادہ حریص آدمی کے لیے اس عہدے سے دست بردار ہو جائیں، اس پہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما غصے سے اٹھے، ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے ان کا کپڑا پکڑ لیا تو وہ بیٹھ گئے اور کہا: ''اے عمرو! آپ کے لیے ہلاکت و بربادی ہو، آپ نے آخرت کو دنیا کے بدلے بیچ ڈالا، اللہ کی قسم! میں اس کے لیے کبھی مال دوں گا نہ کبھی اس پر مال کو قبول کروں گا۔ میں کبھی قبول نہ کروں گا سوائے[1] اس کے کہ لوگ رضا و خوشی سے دے دیں۔''[2]

[183] ہمیں احمد بن محمد بن سنان نے بیان کیا، ہمیں ابو العباس ثقفی نے بیان کیا، ہمیں عبداللہ[3] بن جریر بن جبلہ نے بیان کیا، ہمیں سلیمان بن حرب نے بیان کیا، ہمیں جریر نے یعلیٰ[4] سے، وہ نافع سے روایت کرتے ہیں: جب ابو موسیٰ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کو حکم مقرر کیا گیا، وہ آئے تو ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اس کام کے لیے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے سوا کسی کو لائق نہیں سمجھتا، اس پہ عمرو رضی اللہ عنہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: ہم آپ کی بیعت کرنا چاہتے ہیں، کیا آپ کی کوئی رغبت ہے کہ آپ کو مال سے نوازا جائے اور آپ اپنے سے زیادہ حریص کے لیے خلافت[5] چھوڑ دیں؟ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس بات پہ غضب ناک ہوئے۔ وہ کھڑے ہوئے تو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے ان کے کپڑے کو ایک طرف سے پکڑا اور کہا: اے ابو عبدالرحمٰن! اس بندے نے صرف یہ کہا ہے کہ آپ کو مال دیا جاتا ہے اس بنیاد پر کہ میں آپ کی بیعت کروں، اس پہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: عمرو! تمھارے لیے ہلاکت ہو۔ عمرو رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میں نے تو صرف اس لیے کہا ہے کہ آپ کو آزما لوں، اس پہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم! میں اس پر کوئی بھی چیز نہ دوں گا، نہ لوں گا اور نہ ہی اس کو قبول کروں گا سوائے اس کے کہ مسلمانوں کی رضا سے مجھے مل جائے۔[1]

---

[1] "أنساب الأشراف" مطبوعہ نسخہ میں یہاں "هي" (وہ خلافت) کا لفظ ہے، اس چیز کا ثبوت مصادرِ تخریج سے ہے۔

[2] أنساب الأشراف (٣٤٥/٢) اس کی سند صحیح ہے۔ رجال ثقہ ہیں، رجال الشیخین ہیں سوائے دورقی کے، یہ رجالِ مسلم سے ہے۔ ابو خیثمہ: زہیر بن حرب۔ وہب بن جریر: ابن حازم ازدی۔ نافع: مولی ابن عمر رضی اللہ عنہما، مزید سابقہ روایت بھی دیکھو اور آئندہ روایت میں تخریج بھی دیکھو۔

[3] "حلية الأولياء" اور مطبوعہ "تاريخ دمشق" میں ایسے ہی ہے۔ "تاريخ دمشق" کے محققین کا کہنا ہے کہ ایک نسخے میں یہاں پہ ''عبیداللہ'' کا لفظ بھی ہے۔

[4] ''حلیہ'' کے نسخے میں یہاں تصحیف ہو کے ''یحیٰ'' ہوا ہے۔ تصویب تخریج کے سارے مصادر سے کی گئی ہے، بلاذری کی سابقہ روایت میں اس کے اور اس کے باپ کے نام کی صراحت ہے۔

[5] یعنی معاویہ رضی اللہ عنہ۔

[1] حلية الأولياء (٢٩٣/١) سابقہ روایت کی طرح صحیح ہے۔ اس سند کے راوی ثقہ ہیں، رجال الشیخین ہیں، سوائے احمد بن محمد بن سنان اور عبداللہ بن جریر بن جبلہ کے۔

←

امام ذہبی نے ”السیر“ میں یہ روایت ذکر کرنے کے بعد کہا ہے: قریب تھا کہ اس دن ان کے لیے بیعت ہو جاتی باوجود اس کے کہ وہاں پر علی بن ابی طالب اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما جیسی شخصیات موجود

← ابو العباس ثقفی: محمد بن اسحاق السراج۔

احمد بن محمد بن سنان: مجھے اس کا تعارف نہیں ملا۔ حلیة الأولیاء (۱/۱٤۳) معرفة الصحابة لأبي نعیم (۱/۳۰، رقم: ۹٦) میں آیا ہے کہ اس کی کنیت ابو حامد ہے۔

عبداللہ بن جریر بن جبلہ: اس نام کا مجھے کوئی راوی نہیں ملا، اگر اس کی تصحیف عبیداللہ سے ہوئی ہے تو ”تاریخ دمشق“ کے ایک مخطوطے میں اس کا تعارف ہے۔ عبیداللہ بن جریر بن جبلہ بن ابی رواد عتکی بصری، خطیب نے اس کے بارے کہا: یہ ثقہ ہے۔ ابن حبان نے اس کا ذکر الثقات (۸/٤۲۸) میں کیا ہے۔ تاریخ الاسلام (٦/۳٦۰) تحقیق: بشار عواد۔ تدمری کی طبع میں اس کا تعارف رہ گیا ہے۔ الثقات ممن لم یقع في الکتب الستة (۷/۱٤)

اس کے نام ”عبیداللہ“ ہونے کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ سراج اس سے روایت کرتا ہے، اور ”عبیداللہ“ سلیمان بن حرب سے روایت کرتا ہے، یہ بات ابونعیم اصبہانی نے ”الحلیة“ میں کی ہے:

ہمیں احمد بن محمد بن سنان نے بیان کیا، کہا: ہمیں ابو العباس السراج نے بیان کیا، کہا: ہمیں عبیداللہ بن جریر بن جبلہ نے بیان کیا، کہا: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا ...... (۲/۲۵۲)

ہمیں عبداللہ بن محمد نے بیان کیا، کہا: ہمیں ابو اسید نے بیان کیا، کہتے ہیں: ہمیں عبیداللہ بن جریر بن جبلہ نے بیان کیا، کہتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے بیان کیا، ...... (۱۰/۱۷۲)

سراج نے ان سے روایات کی ہیں:

سراج کی روایات (۴۳۵، ۴۶۵، ۵۸۴، ۶۶۳، ۱۱۰۵، ۱۲۷۱، ۱۷۲۱، ۱۸۳۲، ۱۹۵۲، ۲۱۶۳) میں ہیں۔

اس کی مسند میں (۳۲، ۳۸، ۴۲، ۲۱۵، ۲۵۷، ۷۳۰، ۸۲۴، ۹۰۱، ۱۰۷۵، ۱۳۲۷، ۱۴۵۷) ان نمبروں کے تحت ہیں۔

اپنی مسند نمبر (۳۲) میں کہا ہے: ہمیں عبیداللہ بن جریر بن جبلہ نے بیان کیا، ہمیں سلیمان بن حرب نے بیان کیا، ......

نمبر (۲۱۹۳) حدیث میں کہا: ہمیں عبداللہ بن جریر نے بیان کیا، ہمیں حفص بن عمر ضریر نے بیان کیا، مسند کے محققین نے کہا: (عبداللہ: اصل نسخے میں حافظ ابن حجر نے اس کو الگ الگ کر دیا ہے اور حاشیے میں لکھا، میرا خیال ہے: یہ عبیداللہ ہے)

تخریج الحدیث: اس روایت کو ابن عساکر (۳۱/۱۸۴) نے ابونعیم کی سند سے بیان کیا۔

امام ذہبی نے اس کو سیر الخلفاء الراشدین (ص: ۲۷٤)، تاریخ الإسلام (۳/۵۵۳) ، (۵/٤٦٤) اور سیر أعلام النبلاء (۳/۲۲٦) اور تذکرة الحفاظ (۱/۳۲) میں جریر بن حازم کی سند سے بیان کیا۔

”الخلفاء الراشدین“ میں جریر بن حازم سے یہ روایت ذکر کرنے کے بعد امام ذہبی نے کہا: اس کو معمر نے زہری سے روایت کیا ہے، سابقہ روایت بھی دیکھیں۔

تھیں، اگر ان کے لیے بیعت ہو جاتی تو کوئی دو بندے بھی اختلاف نہ کرتے، لیکن اللہ نے ان کو بچا لیا اور ان کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کیا۔[1]

"تذكرة الحفاظ" میں لکھتے ہیں: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جنگِ خندق لڑی، بیعتِ رضوان والے صحابہ میں ان کا شمار ہوتا ہے اور یہ ان بندوں میں سے ہیں جو خلافت کے لیے بالکل موزوں تھے۔ یومِ حکمین میں ان کو معین کیا گیا باوجود کہ وہاں پر سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، فاتحِ عراق سعد[2] اور ان جیسی دوسری شخصیات بھی موجود تھیں۔[3]

امام ذہبی رحمہ اللہ نے "السير" میں فرمایا: ''اللہ ابن عمر اور ان کے والد رضی اللہ عنہما سے راضی ہو اور دین، تقویٰ، علم، عبادت اور خشیتِ الٰہی میں ابن عمر رضی اللہ عنہما جیسا کون ہوسکتا ہے؟! ایک ایسا شخص جس کے سامنے خلافت پیش کی جائے تو وہ اسے ردّ کر دے، خلیفۂ ثالث عثمان رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر شخص کی طرف سے قضا (قاضی بننے) کی پیشکش ہو تو وہ واپس کر دے، اور علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے شام کی نیابت ہو تو وہ اس سے بھاگ جائے! پس اللہ جسے چاہتا ہے اپنے لیے چن لیتا ہے، اور جسے توبہ کے ساتھ اس کی طرف رجوع نصیب ہو، اسے ہدایت دے دیتا ہے۔''[4]

2- سیدنا ابو موسیٰ عبداللہ بن قیس اشعری رضی اللہ عنہ

آپ بزرگ امام، فقیہ (ماہرِ فقہ)، اور مقری (قرآن کے ماہر قاری واستاد) تھے۔

ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے بڑے فاتحین میں سے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں اپنے دشمنوں مجوس اور صلیبیوں کو برے دن دکھائے۔ چنانچہ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ۱۹ھ میں نصیبین فتح کیا،[5] اور ۱۸ھ میں رُہا، سُمَیْسَاط اور ان کے آس پاس کے علاقوں[6] کو بزورِ شمشیر رومیوں سے چھین لیا۔ اسی طرح انھوں نے فارس کی سلطنت سے اہواز، اصفہان،[7] قم، اور قاشان،[8] کورِ اہواز اور دریائے تیری[9] کو بھی فتح کیا۔

---

[1] سير أعلام النبلاء (٣/٢٢٦)

[2] یعنی سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔

[3] تذكرة الحفاظ للذهبي (١/٣٣)

[4] سير أعلام النبلاء (٣/٢٣٥)

[5] تاريخ الطبري (٢/٤٨٤)

[6] سير أعلام النبلاء (٢/٣٩١)

[7] سير أعلام النبلاء (٢/٣٩١)

[8] فتوح البلدان لِلْبَلَاذُرِي (ص: ٣٠٦) الكامل في التاريخ (٢/٤٢٣)

[9] فتوح البلدان للبلاذري (ص: ٣٦٦)

آپ نے مناذر، سوس، تُستَر اور نہاوَند کی فتوحات میں بھی شرکت کی۔[1] خاص طور پر نہاوَند کی جنگ کے نتائج اتنے بڑے تھے کہ اسے ''فتح الفتوح'' کہا گیا، کیونکہ اس کے بعد آلِ ساسان کی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔ ان تمام فتوحات میں ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کا کردار اور اثر نمایاں اور قابلِ قدر تھا۔[2]

ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے فاروق اعظم عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بصرہ کی گورنری سنبھالی۔ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہدایت پر لوگوں کو قرآنِ کریم کی تعلیم دینے اور دین کی سمجھ بوجھ سکھانے میں بھرپور کوشش کی۔[3] اسی طرح ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے ایک ایسی نسل کی تیاری میں اہم کردار ادا کیا جو توحید کا عَلَم لے کر فارس کی سرزمین کی طرف بڑھی۔ چنانچہ بصرہ اور کوفہ بلادِ فارس کی طرف ہونے والی فتوحات کا مرکزی نقطۂ آغاز بن گئے۔

ان تمام امور کا نتیجہ یہ نکلا کہ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ دین کے دشمنوں کے لیے ایک بڑے حریف بن گئے، اور یہی دشمنی اس بات کا باعث بنی کہ ان کی سیرتِ مبارکہ کے خلاف تحریف و بہتان کی ایک مہم شروع کی گئی، ایسی مہم جو معمولی نہ تھی، جسے تاریخ کی کتابوں میں خفیہ طور پر داخل کیا گیا۔ ان لوگوں کی جانب سے جنھیں ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی فتوحات نے غضبناک کر دیا تھا۔ یوں اس مہم کا اصل سبب واضح ہو جاتا ہے۔

یہ دشمنی صرف ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ تمام صحابہ جن کی سیرتوں کو تاریخی کتابوں میں بگاڑنے کی مہم کا نشانہ بنایا گیا، وہ سب جہاد کرنے والے اور فتوحات کرنے والے صحابہ تھے۔ لہٰذا یہی سبب ان تمام کے بارے میں یکساں طور پر جاری ہے۔

اسی طرح فتنے کے دور میں اصلاح کی دعوت دینے والوں پر بھی الزام تراشی کا سلسلہ شدت اختیار کر گیا، جیسا کہ اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ پر ہوا، اور ان کا تذکرہ گزر چکا ہے۔[1]

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے جمل اور صفین کے واقعات سے کنارہ کشی اختیار کی اور عراق کے کسی صحرائی علاقے میں فتنوں سے الگ تھلگ ہو کر مقیم ہو گئے۔ وہ اس صحرائی مقام پر اس وقت سے مقیم تھے جب سے

---

[1] فتوح البلدان للبَلاذُري (ص: ٣٦٦)

[2] فتوح البلدان للبلاذري (ص: ٣٦٢، ٣٦٧، ٣٦٩) اور تاريخ الطبري (٢/٥٠٣، ٥٠٤، ٥٢٠، ٥٣٢)

[3] یہ روایات اور حوالے درج ذیل کتابوں میں موجود ہیں: مصنف ابن أبي شيبة (٢٦٤٤٣) سنن الدارمي (٥٧٩) أخبار مكة للفاكهي (٢٢٦٧) أنساب الأشراف (١/١١٠) اور دیکھیے: عصر الخلافة الراشدة، (ص: ٢٩٦) پہلا ایڈیشن۔

[1] دیکھیے: (ص: ٢٦١)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جمل کے وقوع سے قبل انھیں کوفہ کی گورنری سے معزول کر دیا تھا۔ پھر جب صفین پیش آیا تو علی رضی اللہ عنہ نے انھیں اپنا نمائندہ اور حکم مقرر کیا اور ان کو صلح کی دستاویز لکھنے کے لیے صفین آنے کا خط لکھا۔ چنانچہ وہ ان کے پاس پہنچے اور اس کے بعد ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ دوبارہ اپنے مقامِ اعتزال یعنی اسی صحرائی جگہ لوٹ گئے۔ وہ وہیں مقیم رہے یہاں تک کہ تحکیم کا وقت آیا، تو علی رضی اللہ عنہ نے ان کو کوفہ آنے کا خط لکھا، چنانچہ وہ ان کے پاس کوفہ پہنچے۔ پھر علی رضی اللہ عنہ نے ان کو دومۃ الجندل میں طے شدہ موقعِ تحکیم پر بھیجا۔ جب تحکیم مکمل ہو گیا تو ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ اس صحرائی جگہ سے بھی دور تر ایک مقام کی طرف چلے گئے، تاکہ فتنوں سے اَور بھی زیادہ دُور رہیں اور وہ مقام مکہ مکرمہ تھا۔

جب ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ عمرے کی نیت سے مکہ مکرمہ پہنچے، تو اپنے ابتدائی داخلے کے وقت ہی، انھوں نے طوافِ بیت اللہ کے دوران، لوگوں کو خبردار کرنا شروع کر دیا۔ وہ انھیں ایسے فتنوں سے ڈرا رہے تھے جو ایک نئے طرز کے فتنے ہوں گے۔ ان فتنوں کو ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے "الرَّدَاحِ المُطْبِقَةِ" یعنی گھیر لینے والے اور بند کر دینے والے شدید فتنوں سے تعبیر کیا۔ یہ وہ جنگیں تھیں جو حَکَمَین کے افتراق کے بعد برپا ہونے والی تھیں، اور انھوں نے ان کی پیش گوئی اس لیے کی کیونکہ ان کے نتائج صفین سے بھی زیادہ خطرناک ہونے والے تھے۔[1]

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی لوگوں کو فتنے سے کنارہ کش رہنے کی دعوت:

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں کوفہ کے گورنر تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت تک اسی منصب پر فائز رہے۔[2] پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو اسی عہدے پر برقرار رکھا، چنانچہ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے اہلِ کوفہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے بیعت لی۔[3]

جب علی رضی اللہ عنہ کو طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما کے بصرہ کی طرف نکلنے کی خبر ہوئی تو وہ مدینہ سے ان کے پیچھے اپنے لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے یہاں تک کہ رَبَذَہ[4] نامی مقام پر پہنچ کر کچھ دن قیام فرمایا، پھر وہیں سے

---

[1] دیکھیے گذشتہ حوالہ [رقم: ۴۳۷] اور اس کے بعد۔

[2] تاريخ الطبري (٦٩٣/٢)

[3] تاريخ الطبري (٤/٣)

[4] الرَّبَذَة: مدینہ کی بستیوں میں سے ایک ہے جو مدینہ سے تین دن کی مسافت پر ہے۔ یہ ذاتِ عِرق کے قریب مکہ مکرمہ کی جانب راستے میں واقع ہے۔ معجم البلدان (٢٤/٣) اور دیکھیے: معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية (ص: ١٣٥)

اہلِ کوفہ کو خط لکھا جس میں انھیں اپنے آنے کی اطلاع دی اور اپنی مدد کے لیے بلایا۔ چنانچہ اہلِ کوفہ نے اپنے امیر، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا کہ امیر المومنین کی طرف سے جو پیغام آیا ہے اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ تو انھوں نے ان سے کہا کہ یہ ایک فتنہ ہے، اور انھیں اس میں داخل ہونے سے روکا، اور اس کے لیے ان احادیث سے استشہاد پیش کیا جو انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھیں۔[1]

پھر جب علی رضی اللہ عنہ ذو قار کے مقام پر پہنچے تو انھیں ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے اس موقف کی خبر ہوئی، تو انھوں نے ان کو ایک خط کے ذریعے کوفہ کی گورنری سے معزول کر دیا۔ یہ واقعہ جنگِ جمل سے پہلے کا ہے۔[2]

[**184**] ہمیں ابراہیم[3] نے بیان کیا، کہا: ہمیں ابو الحسن[4] نے احمد بن عبداللہ بن یونس سے بیان کیا، کہتے ہیں: ہمیں زائدہ نے عمرو بن قیس ماصر سے بیان کیا، وہ زید بن وہب سے روایت کرتے ہیں: جب عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا گیا تو میں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، ان سے مشورہ کیا، کہا: واپس چلے جاؤ، اگر تمھاری کمان میں تیر ہے تو اس کو توڑ دو، اگر تمھارے نیزے میں پھل (انی) ہے تو اسے نکال دو، ان فتنوں میں بیٹھ جانے والا کھڑے ہونے والے سے افضل ہے اور کھڑا ہوا آدمی چلنے والے[5] سے بہتر ہے۔

---

[1] تاريخ الطبري (۲۳/۳)

[2] تاريخ الطبري (۳۶/۳)

[3] ابراہیم بن نصر جہنی، ان کی کنیت ابو اسحاق تھی، ابن ابرول کے نام سے مشہور تھے، علمِ حدیث میں ماہر اور علل الحدیث پہ گہری نظر رکھتے تھے، ثقہ تھے۔ ۲۸۷ھ میں وفات پائی۔ تاريخ علماء الأندلس لابن الفرضي (۲۰/۱، ترجمة: ۱٦)

[4] الامام، الحافظ، الأوحد، الزاہد، ابو الحسن، احمد بن عبداللہ بن صالح بن مسلم، عجلی، کوفی، مغرب میں ایک شہر طرابلس میں رہائش کی۔ امام ذہبی نے کہا: علم الجرح والتعدیل میں ان کی ایک کتاب ہے، میں نے اس کا مطالعہ کیا۔ اس سے ایسے فوائد اخذ کیے جو ان کے علم کی وسعت اور فہم کی گہرائی پہ دلالت کناں ہیں۔ امام یحییٰ بن معین نے کہا: وہ تو ثقہ ابن ثقہ ہیں۔ عباس دوری نے کہا: ہم تو ان کو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور یحییٰ بن معین کے برابر کا آدمی سمجھتے ہیں، ۲٦۱ھ میں فوت ہوئے۔ دیکھیے: تاريخ بغداد (٤۳٦/٤) تاريخ الإسلام (٤۹/۲۰) سير أعلام النبلاء (۵۰۵/۱۲)

[5] الدلائل في غريب الحديث (۷٤۸/۲، رقم: ٤۰٤) اس کی سند صحیح ہے۔ زائدہ: ابن قدامہ ثقفی۔ عمرو: مطبوعہ نسخے میں ایسے ہی ہے، یہ بعض رواۃ کی غلطی ہے، یہ لفظ درست عمر ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا: بعض رواۃ نے اس کو عمرو کہا ہے اور یہ صحیح نہیں ہے۔ التاريخ الكبير (۱۸٦/٦)
سرقسطی نے پہلے متن ذکر کیا اور سند بعد میں، میں نے تصرف کرتے ہوئے اصل ترتیب پہ کر دیا۔

تخریج: امام خطابی نے اس روایت کو غريب الحديث (۳٦٤/۲) میں روایت کیا۔ مجھے ابن ابی خیثمہ سے بیان کیا گیا، ہمیں احمد بن عبداللہ بن یونس نے بتایا، ......سوائے ان الفاظ کے: (ان میں بیٹھنے والا ......)

[185] ابو کبشہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو منبر پہ سنا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمھارے آگے گھٹا ٹوپ اندھیری رات کی مانند فتنے ہیں۔ آدمی ان میں صبح کو مومن شام کو کافر اور شام کو مومن اور صبح کو کافر ہو گا، بیٹھا ہوا ان میں کھڑے ہونے والے کی نسبت بہتر ہو گا اور کھڑا ہوا چلنے والے سے بہتر ہو گا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہو گا۔ صحابہ نے کہا: تو آپ ہمیں کیا فرماتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے گھروں کے ٹاٹ بن جانا۔[1] (یعنی ان میں کسی طرح سے کوئی حصہ نہ لینا)۔

[186] ہزیل روایت کرتے ہیں: سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک قیامت سے پہلے فتنے ہوں گے، اتنے سیاہ کالے جیسے اندھیری رات (یعنی حق اور باطل گڈ مڈ ہو جائے گا) آدمی صبح کو مومن ہو گا اور شام کو کافر۔ شام کو مومن ہو گا اور صبح کو کافر۔ ان میں بیٹھا ہوا کھڑے ہونے والے کی نسبت بہتر ہو گا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہو گا۔ سو اپنی کمانوں کو توڑ دینا اور تانتوں کو کاٹ پھینکنا اور اپنی تلواروں کو پتھروں پر مارنا (اور کند کر لینا) اگر کوئی تم پر چڑھ آئے تو سیدنا آدم علیہ السلام کے بہتر بیٹے کی مانند ہو جانا۔[2] [3]

[187] سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: انھوں نے کہا: جب لوگوں کے معاملات میں جو کچھ فساد برپا ہونا ہے وہ ہوا تو ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں، میرے اہل و عیال اور ان دونوں شہروں میں میرے متبعین ہمیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتے سوائے اس کے کہ ہمارا آخری فرد پہلے کو دفن کر دے۔[4]

---

[1] الشريعة للآجري (٧٦) ابو القاسم: البغوی۔ عاصم: ابن سلیمان الاحول۔ ابو کبشہ: السدوسی البصری۔
تخریج: امام احمد نے اس کو المسند (١٩٦٦٢) میں، ابو داود نے السنن (٤٩٦٢) میں عفان بن مسلم عن عبدالواحد کی سند سے بیان کیا، امام البانی اور شعیب ارناؤط نے اس کو صحیح قرار دیا۔

[2] وہ ہابیل تھا جس کو اس کے بھائی قابیل نے قتل کیا تھا، یہاں ان کی مراد: فتنے میں موت پہ صبر کرنا، اس میں حرکت کرنے سے افضل ہے، اس لیے کہ فتنے میں حرکت اس میں اضافے کا باعث بن جاتی ہے۔

[3] سنن أبي داود (٤٢٥٩) امام البانی اور شعیب ارناؤط نے اس کو صحیح کہا ہے۔ مسدد: ابن مسرہد، ہزیل: ابن شرحبیل۔

[4] العزلة والانفراد (١٨٨) اس کی سند صحیح ہے۔ رجال ثقہ ہیں، رجال الشیخین ہیں سوائے اشعث کے، اس کا نام ابن عبدالملک الحمرانی ہے۔ امام بخاری اور اصحاب سنن نے تعلیقاً اس سے روایات لی ہیں، یہ بھی ثقہ ہے، ابو عاصم: ضحاک بن مخلد شیبانی نبیل۔ حسن سے مراد: حسن بصری، اور انس سے مراد: انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔
تخریج: امام ابو داود نے اس کو الزھد (٢٧٨) میں روایت کیا ہے۔ کہا: ہمیں محمد بن مثنی بن عبید عنزی زمن نے بیان کیا، کہا: ہمیں محمد بن عبداللہ بن مثنی انصاری نے بیان کیا، کہا: ہمیں اشعث نے ایسے ہی بیان کیا۔ اس کی سند صحیح ہے۔

ان کے قول: ''جب لوگوں کے معاملات میں جو کچھ فساد برپا ہونا ہے وہ ہوا'' سے ان کی مراد امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جو کچھ ہوا اور وہ جنگِ جمل وصفین وغیرہ ہیں۔

ان کے یہ الفاظ: ''یہ دو شہر'' سے مراد عراق وشام ہیں۔ شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد ابتدا میں اختلاف انہی دو شہر والوں کے درمیان تھا، خبر کا سیاق بتاتا ہے کہ ان کا یہ قول جنگِ صفین سے پہلے کا ہے۔

ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی بات کا مفہوم یہ ہے کہ وہ خود، ان کے اہل وعیال، اور ان کے پیچھے چلنے والے اس فتنے سے الگ ہو جائیں اور ایک الگ علاقے میں چلیں جائیں، جو کچھ ان کے پاس زادِ راہ ہوگا ان کے کھانے وغیرہ کے لیے کافی ہو جائے گا، وہ ہمیشہ ان فتنوں سے الگ ہی رہیں یہاں تک کہ ان کو موت آ جائے۔

ان کا اپنے بھائی ابورُہم کو نصیحت کرنا:

[188] حسن رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کا ایک بھائی تھا جو بڑھ چڑھ کر فتنے کے کاموں میں حصہ لیتا تھا، وہ اسے منع کرتے لیکن وہ باز نہ آتا۔ وہ اس سے فرماتے: اگر میں یہ سمجھتا کہ تمھیں تھوڑی سی نصیحت بھی کافی ہوسکتی ہے جو میری رائے میں اس سے کم ہوتی (تب بھی میں تمھیں نصیحت کرتا) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب دو مسلمان تلواریں لے کر ایک دوسرے کے سامنے آ جائیں اور ان میں سے ایک، دوسرے کو قتل کر دے تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے۔ کسی نے عرض کی: یا رسول اللہ! یہ قاتل کی بات تو سمجھ میں آ جاتی ہے، مقتول کا کیا معاملہ ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ بھی اپنے ساتھی کو قتل کرنا چاہتا تھا۔[1]

[189] ہمیں عفان نے بیان کیا، ہمیں ہمام نے قتادہ سے بیان کیا، ہمیں حسن نے بیان کیا کہ سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کا ایک بھائی ابورُہم تھا جو بڑھ چڑھ کر فتنے کے کاموں میں حصہ لیتا تھا، ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فتنوں کو ناپسند کرتے۔ انھوں نے بھائی کو کہا: اگر وہ بات نہ ہوتی جو مجھے تیری طرف سے پہنچی ہے تو میں تمھیں یہ حدیث نہ سناتا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب دو مسلمان تلواریں لے کر ایک دوسرے کے سامنے آ جائیں اور ان میں سے ایک، دوسرے کو قتل کر دے تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے۔[2]

---

[1] مسند أحمد (١٩٥٩٠) اسماعیل: ابن علیہ۔ یونس: ابن عبید۔ حسن: بصری۔

تخریج: اس روایت کو امام نسائی نے اپنی سنن (۴۱۲۴) میں ابن علیہ کی سند سے ایسے ہی بیان کیا۔ امام البانی اور شعیب ارناؤط نے اس کو صحیح کہا ہے۔

[2] مسند أحمد (١٩٦٠٩) سابقہ روایت کی مثل صحیح ہے۔ عفان: ابن مسلم۔ ہشام: دستوائی۔ قتادہ: ابن دعامہ۔

سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بطور حکم:

۳۷ھ میں جب جنگِ صفین کے شعلے بھڑک اٹھے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا لشکر شامیوں پہ غالب آ رہا تھا تو اہلِ شام نے ان کو کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرنے کی دعوت دی، علی رضی اللہ عنہ نے اس فیصلے کو قبول کر لیا۔ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا موقف فتنوں سے الگ تھلگ رہنے کا تھا۔ جنابِ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے انھیں حادثۂ تحکیم میں اہلِ عراق کی نمائندگی کے لیے مقرر کر دیا اور علی رضی اللہ عنہ نے اس منصب کے لیے سب سے اہم ترین اور اہل ترین آدمی کو مقرر کیا۔

جب حکمین رمضان ۳۷ھ میں دومۃ الجندل میں جمع ہوئے، تو سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے خون بہنا روکنے، جنگ ختم کرنے، فتنے کو دبانے اور حق کے اظہار کی وہ کوشش کی کہ جس کی طاقت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بھی نہ رکھتے تھے سوائے اس کے کہ ان کے موقف کو تسلیم کر لیں۔ دونوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ علی رضی اللہ عنہ شرعی خلیفہ ہیں اور معاویہ رضی اللہ عنہ کا خلافت میں کوئی حصہ نہیں ہے، نہ ہی وہ اس کے مستحق ہیں لیکن اختلاف کی جو بنیادی وجہ تھی اس پر ان کا کوئی اتفاق نہ ہو سکا۔ اور وہ مسئلۂ بیعت کو قصاص پر مقدم کرنا تھا۔

عنقریب اس کے مناسب موقع پر تفصیل آ جائے گی۔ اس کے بعد ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے دومۃ الجندل سے کوفہ جانے کے بجائے مکہ مکرمہ جانے اور اس کے سبب کی وضاحت آ جائے گی۔ ان شاء اللہ۔ [3]

3- سیدنا ابومسعود بدری عقبہ بن عمرو بن ثعلبہ انصاری رضی اللہ عنہ

انھوں نے بیعتِ عقبہ میں شرکت کی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ [4]

وہ جنگِ جمل اور جنگِ صفین سے کنارہ کش رہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انھیں کوفہ کا گورنر مقرر فرمایا، لیکن جب حضرت علی رضی اللہ عنہ صفین کی جنگ کے لیے روانہ ہوئے تو ابومسعود رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے خطبے میں لوگوں کے سامنے کھڑے ہو کر کہا کہ بھلائی صلح میں ہے، صفین میں نہیں۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ صفین سے واپس لوٹے اور انھیں یہ بات معلوم ہوئی تو انھوں نے ابومسعود رضی اللہ عنہ کو عہدے سے معزول کر دیا، حالانکہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ بعد میں اسی صلح کو اختیار کرنے پر آمادہ ہو گئے جس کی ابومسعود رضی اللہ عنہ نے تمنا کی تھی۔ اور ممکن ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انھیں اس لیے معزول کیا ہو کہ انھوں نے خطبے میں جو بات کہی وہ خلیفہ کی پالیسی اور ہدایات کے خلاف سمجھی گئی، اور ریاستی امور میں غیر مجاز مداخلت شمار کی گئی۔ واللہ اعلم۔

---

[3] [رقم: ۴۳۷] کے بعد کی تعلیق ملاحظہ ہو۔

[4] سير أعلام النبلاء (٤٩٤/٢)

پھر سیدنا ابومسعود بدری رضی اللہ عنہ معزول ہو جانے کے بعد عمرے کی نیت سے مکہ مکرمہ کی طرف نکلے، اہلِ کوفہ انھیں رخصت کرنے کے لیے قادسیہ تک ان کے ساتھ گئے، وہاں پر سیدنا ابومسعود رضی اللہ عنہ نے انھیں آخری وصیت کی اور جماعت کو لازم پکڑنے کا حکم دیا، کیونکہ جماعت کو لازم پکڑنے میں ہی فتنوں سے نجات کا راستہ ہے۔

سیدنا ابومسعود بدری رضی اللہ عنہ نے اپنی فراست کے سبب جنگِ صفین سے پہلے ایک بہت بڑے اور خطرناک قسم کے فتنے سے ڈرایا تھا جس میں اسلامی معاشرے کے علماء، صالحین، بہادروں، شاہ سواروں اور دوسرے اہلِ خیر کی ایک بڑی جماعت کی ہلاکت پوشیدہ تھی، یعنی سادہ لفظوں میں جنگِ صفین سے ڈرایا۔ تو کسی بھی ایک گروہ کی مدد کرنے کے بعد لوگوں میں سے وہ بچے رہے جن کی حیثیت کمزور، گدلے پانی اور بازاری قسم کے لوگوں کی ہوتی، جنگ ان میں سے بہترین لوگوں کو نگل جاتی اور پیچھے ان لوگوں کو چھوڑتی جن میں کوئی خیر باقی نہ ہوتی، تو اس ساری صورتحال میں لوگوں کی مدد کرنے کا کیا فائدہ کہ جب بہترین اور چنیدہ قسم کے لوگ گزر جائیں۔[1]

[**190**] شقیق بن سلمہ بیان کرتے ہیں کہ میں سیدنا ابومسعود، ابوموسیٰ اور عمار رضی اللہ عنہم کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ ابومسعود رضی اللہ عنہ نے عمار رضی اللہ عنہ سے کہا: ہمارے ساتھ والے جتنے لوگ ہیں میں اگر چاہوں تو تمھارے سوا ان میں سے ہر ایک کا کچھ نہ کچھ عیب بیان کرسکتا ہوں۔ (لیکن تم ایک بے عیب ہو) اور جب سے تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اختیار کی، میں نے کوئی عیب کا کام تمھارا نہیں دیکھا۔ ایک یہی عیب کا کام دیکھتا ہوں، تم اس دور میں یعنی لوگوں کو جنگ کے لیے اٹھانے میں جلدی کر رہے ہو۔ عمار رضی اللہ عنہ نے کہا: ابومسعود رضی اللہ عنہ تم سے اور تمھارے ساتھی ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے جب سے تم دونوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اختیار کی ہے میں نے کوئی عیب کا کام اس سے زیادہ نہیں دیکھا جو تم دونوں اس کام میں دیر کر رہے ہو۔ اس پر ابومسعود رضی اللہ عنہ نے کہا اور وہ مالدار آدمی تھے کہ غلام! دو حلے لاؤ۔ چنانچہ انھوں نے ایک حلہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو دیا اور دوسرا عمار رضی اللہ عنہ کو اور کہا کہ آپ دونوں بھائی کپڑے پہن کر جمعہ پڑھنے چلو۔[2]

[**191**] ابو وائل بیان کرتے ہیں کہ سیدنا ابوموسیٰ اور ابومسعود رضی اللہ عنہما دونوں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے پاس گئے جب انھیں علی رضی اللہ عنہ نے اہلِ کوفہ کے پاس اس لیے بھیجا تھا کہ لوگوں کو لڑنے کے لیے تیار کریں۔

---

[1] روایت دیکھو: [رقم: ۱۹۲]

[2] صحیح البخاري (٦٦٩٠) عبدان: ابوعبدالرحمان عبداللہ بن عثمان بن جبلہ بن ابی رواد ازدی۔ ابوحمزہ: محمد بن میمون سکری۔

ابوموسیٰ اور ابومسعود رضی اللہ عنہما دونوں عمار رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے: جب سے تم مسلمان ہوئے ہو ہم نے کوئی بات اس سے زیادہ بری نہیں دیکھی جو تم اس کام میں جلدی کر رہے ہو۔ عمار رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میں نے بھی جب سے تم دونوں مسلمان ہوئے ہو تمھاری کوئی بات اس سے بری نہیں دیکھی جو تم اس کام میں دیر کر رہے ہو۔ ابومسعود رضی اللہ عنہ نے عمار اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہما دونوں کو ایک ایک کپڑے کا نیا جوڑا پہنایا، پھر تینوں مل کر مسجد میں تشریف لے گئے۔[1]

روایت کے الفاظ: ''جب انھیں علی رضی اللہ عنہ نے اہلِ کوفہ کے پاس اس لیے بھیجا تھا کہ وہ لوگوں کو لڑنے کے لیے تیار کریں'' کا معنی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یوں بیان کیا ہے: اسماعیلی کی روایت میں آیا ہے کہ وہ کوفہ والوں کو اہلِ بصرہ[2] سے لڑنے کے لیے تیار کریں۔'' تب اہلِ بصرہ سے مراد طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما تھے، یہ واقعہ جنگِ جمل کے دنوں کا ہے۔

[**192**] خیثمہ بن عبدالرحمٰن روایت کرتے ہیں کہ جب علی رضی اللہ عنہ صفین کی طرف روانہ ہوئے۔ تو انھوں نے عقبہ بن عمرو ابومسعود کو کوفہ پر اپنا جانشین مقرر کیا۔ (راوی نے) کہا: کچھ لوگ چھپے بیٹھے رہے، اور علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہ نکلے۔ چنانچہ عقبہ منبر پر کھڑے ہوئے اور کہا: اے لوگو! جو کوئی چھپا بیٹھا ہے وہ ظاہر ہو جائے، کیونکہ قسم ہے میری جان کی! اگر فیصلہ کثرتِ تعداد سے ہونا ہے تو ہمارے ساتھی[3] تو بہت زیادہ ہیں،[4] لیکن ہم اس کو فتح نہیں سمجھتے کہ کل مسلمان آپس میں ٹکرائیں، اور یہ گروہ اس گروہ کو قتل کرے، اور وہ گروہ اس گروہ کو قتل کرے، یہاں تک کہ جب دونوں میں سے صرف بے وقعت اور بکھرے ہوئے لوگ باقی رہ جائیں، تو ان میں سے ایک فریق دوسرے پر غالب آ جائے! نہیں، بلکہ ہم اسی کو فتح سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے کوئی فیصلہ لے آئے، جس سے ان کے خون محفوظ رہیں، ان کے آپس کے تعلقات درست ہو جائیں اور ان کا کلمہ ایک ہو جائے۔[1]

---

[1] صحيح البخاري (٦٦٨٩) [2] فتح الباري (٥٩/١٣)

[3] ہمارے ساتھی سے مراد امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا لشکر ہے۔

[4] یعنی ابومسعود رضی اللہ عنہ نے چھپے ہوئے لوگوں سے کہا: ظاہر ہو جاؤ، اے وہ لوگو جو چھپ گئے ہو! کیونکہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا لشکر تمھارے بغیر ہی بہت بڑا ہے، تم اگر اس کے ساتھ نکل بھی آؤ، تو اس کی تعداد میں کوئی خاص اضافہ نہ کرو گے، اور وہ اپنی اسی بڑی تعداد کے ساتھ مدد و فتح کا زیادہ حق دار ہے۔ لیکن ہم اس فتح کو جو علی رضی اللہ عنہ کا لشکر حاصل کرے گا، فتح نہیں شمار کرتے، ......الخ۔

[1] الطبقات الكبرى (٣٦٢/٤) مطبوعہ مکتبہ الخانجی۔ اس کی سند صحیح ہے، تمام راوی ثقہ ہیں اور شیخین (بخاری و مسلم) ←

[**193**] ہمیں عارم بن فضل ① نے خبر دی، ہمیں حماد بن زید مجالد بن سعید سے بیان کرتے ہیں، شعبی نے کہا: جب سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ صفین کے لیے نکلے تو اپنے پیچھے ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ کو کوفہ پر گورنر مقرر کیا تو اہلِ کوفہ میں سے بعض آدمی اس وقت چھپ گئے۔ جب علی رضی اللہ عنہ نکل گئے تو وہ بھی ظاہر ہو گئے تو لوگ ابومسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آتے اور کہتے: تحقیق اللہ کی قسم! اللہ نے امیر المومنین کے دشمنوں کو ہلاک کر دیا اور انھیں غالب کر دیا تو اس پہ ابومسعود رضی اللہ عنہ کہتے: اللہ کی قسم! میں تو اسے کوئی کامیابی اور عافیت نہیں سمجھتا کہ دونوں گروہوں میں سے ایک دوسرے پر غالب آجائے، تو لوگوں نے کہا: پھر کامیابی کیا ہے؟ فرمایا: لوگوں کے درمیان صلح ہو جانا۔ جب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ واپس آئے تو لوگوں نے یہ واقعہ ان کے سامنے ذکر کیا، اس پہ علی رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ ہمارے عمل (ذمہ داری) سے معزول ہو جائیں، کہا: کس وجہ سے؟ فرمایا: ہم نے آپ کو کوئی عقلمندانہ باتیں کرتے ہوئے نہیں پایا۔ تو (ابومسعود رضی اللہ عنہ نے) فرمایا: میری عقل سے کچھ باقی ہے (جہاں تک میں جانتا ہوں) ② اور اس کے بعد ③ شر ہی شر ہے۔ ④

← کے راویوں میں سے ہیں۔ خَیثمہ نے یہ واقعہ پایا تھا (یعنی وہ اس وقت زندہ تھے)۔

تخریج: ابن عساکر (۵۲۲/۴۰) نے اسے ابن سعد کے طریق سے روایت کیا ہے، اور تاریخ الإسلام (۶۵۸/۳) میں بھی یہ عبیداللہ بن عمرو کے طریق سے موجود ہے۔

تاریخ الطبري (۱۲۵/۳) میں ہے: (روایت کیا گیا کہ جب علی رضی اللہ عنہ صفین کی طرف روانہ ہوئے، تو انھوں نے کوفہ پر ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر کیا۔ مجھے احمد بن ابراہیم دورقی نے حدیث سنائی، انھوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن ادریس نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں: میں نے لیث سے سنا، وہ عبدالعزیز بن رفیع سے نقل کرتے ہیں کہ جب علی رضی اللہ عنہ صفین کی طرف نکلے تو انھوں نے کوفہ پر ابومسعود انصاری عقبہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر کیا، اور شام میں معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ موجود تھے)۔ یہ خبر صحیح ہے، البتہ یہ سند منقطع ہے کیونکہ عبدالعزیز بن رفیع نے وہ واقعہ نہیں پایا۔

① محمد بن فضیل السدوسی، ابونعمان بصری، المعروف عارم۔

② یہ زیادت امام طبرانی کے ہاں ہے، طبقات میں اس کا ذکر نہیں ہے، میں نے صرف معنی کی وضاحت کے لیے اس کو ذکر کر دیا ہے۔

③ یعنی صدی کا آخر، جیسا کہ آئندہ دو روایات میں واضح طور پر اس کا ذکر ہے، ابومسعود رضی اللہ عنہ اس حدیث سے کچھ اور معنی سمجھے تھے۔

④ الطبقات الکبری (۳۶۲/٤) مکتبة الخانجي۔ اس کی سند حسن لغیرہ ہے۔ اس کے راوی سارے کے سارے ثقہ ہیں اور شیخین کے رواۃ ہیں، سوائے مجالد بن سعید ہمدانی کے، یہ شیعہ اور ضعیف ہے۔ امام مسلم نے اس سے صرف وہی روایت لی ہے جس میں اس کی متابعت موجود ہے اور اس روایت میں کوئی منکر چیز کا ذکر نہیں ہے۔ ضعیف ہونے کے باوجود آخری عمر میں مجالد کو تغیر بھی ہو گیا تھا۔ قدماء کا اس سے روایت کرنا (ضعیف ہونے کے باوجود) بعد والوں کی ←

[194] عبدالعزیز بن رفیع سے منقول ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگِ صفین کے لیے روانہ ہوئے تو ابومسعود رضی اللہ عنہ کو لوگوں پر پیچھے نائب بنایا پس انھوں نے جمعہ کے دن خطبہ دیا تو انھوں نے لوگوں کی قلت محسوس کی، پھر فرمایا: اے لوگو! نکلو، جو نکلے گا وہ امن پائے گا۔ اللہ کی قسم! ہم اس بوجھل معاملے میں تمھاری پسندیدگی کو دیکھ رہے ہیں۔ تم نکلو جو نکلے گا وہ امن پائے گا۔ اللہ کی قسم! ہم عافیت اسے شمار نہیں کرتے کہ دو لشکروں کی آپس میں مڈھ بھیڑ ہو، ان میں سے ایک اپنے ساتھی سے بچتا پھرے، بلکہ ہم عافیت اسے سمجھتے ہیں کہ اللہ امتِ محمدیہ کی اصلاح فرما دے اور اس کے مابین محبت و الفت قائم فرما دے۔ کیا میں تم کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں نہ بتلاؤں اور ان سے لوگ کیوں ناراض ہوئے میں تم کو نہ بتلاؤں؟ لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کی خطا کو اللہ کے سپرد نہیں کیا کہ وہ اس کو عذاب دیتا یا معاف کرتا۔ اور وہ اس کو بھی نہ پا سکے جس کی انھیں طلب تھی، کیونکہ انھوں نے ان سے اس پر حسد کیا جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا کیا تھا۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو ان سے کہا کہ آپ نے وہ بات کہی ہے جو مجھے پہنچی ہے: اے چوزے! تم بوڑھے ہو گئے ہو اور تمھاری عقل جاتی رہی ہے۔ حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میری ماں نے اس نام سے بہتر میرا نام رکھا ہے۔ کیا میری عقل جاتی رہی حالانکہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے جنت واجب کی کیا تم جانتے ہو؟ جو میری عقل سے باقی ہے، اسی وجہ سے ہم باتیں کرتے تھے کہ ہر دوسرا شر ہے، یہ کہہ کر وہ نکل گئے۔ جب ابومسعود رضی اللہ عنہ سیلحین[1] یا قادسیہ میں لوگوں کے سامنے آئے تو ان کی زلفوں سے پانی ٹپک رہا تھا، لوگوں نے دیکھا کہ وہ احرام کے لیے تیاری کر چکے ہیں اور انھوں نے جب رکاب میں پاؤں رکھا اور کجاوے کو پکڑا تو لوگ ان کے آس پاس کھڑے ہو کر کہنے لگے کہ آپ ہمیں کوئی نصیحت فرمائیں۔ تو ابومسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم تقویٰ کو لازم پکڑو اور جماعت کو لازم پکڑو، بے شک اللہ تعالیٰ امتِ محمدیہ کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا۔ انھوں نے پھر نصیحت کا مطالبہ کیا تو

← روایت سے بہتر اور اچھا ہی ہے اور حماد بن زید کا شمار قدماء میں ہوتا ہے جیسا کہ عبدالرحمٰن بن مہدی نے کہا ہے اور المجروحین لابن حبان (۱۰/۳) میں مذکور ہے۔

تخریج: اس روایت کو امام طبرانی نے المعجم الکبیر (۱۹۵/۱۷) میں اور اسی سند سے ابن عساکر (۵۲۲/۴۰) نے عارم سے روایت کیا ہے۔

امام ذہبی نے اس کو تاریخ الإسلام (۶۵۸/۳) میں اور سیر أعلام النبلاء (۴۹۵/۲) میں مجالد سے ذکر کیا ہے۔

[1] اس کو "سیلحون" بھی کہا جاتا ہے۔ یہ قادسیہ کے قریب ہی ایک جگہ کا نام ہے جو بغداد سے تین فرسخ کے فاصلے پر ہے۔ معجم البلدان (۲۹۸/۳)

انھوں نے پھر فرمایا: تم تقویٰ کو لازم پکڑو اور جماعت کو لازم پکڑو! یہاں تک کہ نیک صالح اطمینان پا جائے یا اسے فاجر سے نجات حاصل ہو جائے۔[1]

[195] ہمیں احمد بن عبید[2] نے بتایا، کہا: ہمیں علی بن عبداللہ بن مبشر[3] نے خبر دی، کہا: ہمیں احمد بن سنان نے بیان کیا، کہا: ہمیں عبدالرحمان بن مہدی نے بیان کیا، وہ مہدی بن میمون سے، وہ واصل الاحدب سے، وہ ابو وائل سے، وہ ابومسعود بدری سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا: میرے ساتھی میرے ساتھ ہی نکلے اور قادسیہ پہنچے، جب وہ جانے کے لیے ان سے الگ ہونے لگے تو انھوں نے کہا: آپ خیر کو دیکھ چکے، اس میں شریک بھی ہو چکے ہیں، ہمیں کوئی حدیث بتا دیں جو ہمارے لیے فائدہ مند ہو، فرمایا: ذرا ٹھہر جاؤ! میں خیر کو دیکھ چکا، اس میں شریک بھی ہو چکا ہوں، مجھے اس بات کا خدشہ لاحق ہے کہ اس زمانے کا سامنا کروں جس میں میرے ساتھ شر والا معاملہ ہو، اللہ سے ڈرو اور جماعت کو لازم پکڑو، بے شک اللہ پاک اس امت کو گمراہی پہ اکٹھا نہیں کریں گے، صبر کا دامن تھام رکھو یہاں تک کہ نیک آدمی کو راحت نصیب ہو یا وہ فاجر سے نجات پا لے۔[4]

[196] نعیم بن دجاجہ روایت کرتے ہیں: میں علی رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا جب ان کے پاس ابومسعود رضی اللہ عنہ آئے، اس پہ انھوں نے کہا: بے شک فروخ آ گیا ہے، وہ بیٹھ گئے تو علی رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ بھی

---

① مصنف ابن أبي شيبة (٣٨٨٢٥) روایت صحیح ہے، اس کی سند لیث کے سبب ضعیف ہے، اس کا نام ابن ابی سلیم ہے، سند میں انقطاع ہے۔

تخریج: اس روایت کو ابن ابی شیبہ (٣٢٩٦٨، ٣٩٠٢٩) نے اسی سند سے روایت کیا ہے، پہلی میں اس کو مختصر اور دوسری میں مطول بیان کیا، آئندہ روایت دیکھو۔

② احمد بن عبید بن الفضل بن سہل بن بیری، ابوبکر الواسطی، مسندِ واسط اور اس کے محدث ہیں۔ حافظ خمیس نے کہا: یہ ثقہ اور صدوق راوی ہے، آخری عمر میں ان کی بصارت زائل ہوگئی تھی۔ تاریخ الإسلام (٢١٧/٢٨)

③ الامام، الثقہ، المحدث، ابوالحسن، علی بن عبداللہ بن مبشر الواسطی، امام دارقطنی اور مسلمہ نے ان کو ثقہ کہا ہے، امام دارقطنی نے "السنن" میں ان سے سو کے قریب روایات لی ہیں۔ ٣٢٥ھ میں ان کی وفات ہوئی، اس کے علاوہ بھی کچھ اقوال ہیں۔ دیکھیے: سنن الدارقطني (٤٤٢، ٢٧١٠) سير أعلام النبلاء (٢٥/١٥) الثقات ممن لم يقع في الكتب الستة (٢١٩/٧) الدليل المغني لشيوخ الدارقطني (٣١٤)

④ شرح أصول اعتقاد أهل السنة (١٦٣) اس کی سند صحیح ہے۔

احمد بن سنان: ابوجعفر قطان واسطی۔ واصل الاحدب: ابن حیان اسدی بیاع السابری۔ ابو وائل: شقیق بن سلمہ۔

تخریج: المطالب العالية (٣٠٢٣، ٤٣٤٠) میں اس کی تخریج دیکھو۔

لوگوں کوفتویٰ دیتے ہیں؟ انھوں نے کہا: جی ہاں، اور میں ان کو بتاتا ہوں کہ بے شک اگلا، دوسرا شر ہے۔[1]
کہا: پھر مجھے یہ بتایئے آپ نے اس سلسلے میں نبی مکرم ﷺ سے کچھ سنا بھی ہے؟ فرمایا: ہاں میں نے بالکل سنا ہے، وہ فرمارہے تھے کہ لوگوں پر ایک سو سال سے بھی اوپر نہ گزرے ہوں گے کہ جب کوئی ایسی آنکھ باقی بچے گی جو حرکت کر سکے گی۔ اس پہ علی رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ نے خطا کی ہے۔ پہلے فتوے میں آپ سے غلطی ہوئی ہے۔ یہ بات انھوں نے ان سے کہی تھی جو اس وقت وہاں حاضر تھے، کیا سو سال کے بعد بھی آسائش اور آسودگی ہوگی؟[2]

[**197**] سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور ابوبکر بن ابی حثمہ نے حدیث بیان کی کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں نمازِ عشاء ادا کی۔ سلام پھیرنے کے بعد آپ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ اس رات کے متعلق تمھیں کچھ معلوم ہے؟ آج اس روئے زمین پر جتنے انسان زندہ ہیں، سو سال بعد ان میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہے گا۔ لوگوں نے آنحضور ﷺ کا کلام سمجھنے میں غلطی کی اور مختلف باتیں کرنے لگے۔ (ابومسعود رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھا کہ سو برس بعد قیامت آئے گی) حالانکہ آپ کا مقصد صرف یہ تھا کہ جو لوگ آج (اس گفتگو کے وقت) زمین پر بستے ہیں، ان میں سے کوئی بھی آج سے ایک صدی بعد باقی نہیں رہے گا۔ آپ ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ سو برس میں یہ قرن گزر جائے گا۔[3]

گویا وہ حدیث جسے ابویعلیٰ نے روایت کیا ہے وہ اس قصے کو مکمل طور پر بیان کر رہی ہے جسے مجالد

---

[1] مطبوعہ نسخے میں یہاں "الآخرة" سے تصحیف ہوئی ہے، یہ درستی مصادرِ تخریج سے کی گئی ہے۔

[2] مسند أبي يعلىٰ (٤٦٧) ابوبکر: ابن ابی شیبہ۔ ابوکدینہ: یحییٰ بن مہلب بجلی۔ مطرف: ابن طریف۔ منہال: ابن عمرو۔
تخریج: امام ہیثمی نے اس کو المقصد العلي في زوائد أبي يعلىٰ الموصلي (٩٧)، مجمع الزوائد (٩٦٣) میں بیان کیا اور کہا: اس کو ابویعلیٰ نے روایت کیا ہے۔
ضیاء نے اس کو المختارة (٧٦١) میں ابن ابی شیبہ کی سند سے بیان کیا، یہی روایت إتحاف الخيرة المهرة (٤٠٧) میں اسی سند سے موجود ہے۔
امام طبرانی نے اس کو المعجم الكبير (٢٤٨/١٧) میں زہیر بن معاویہ عن مطرف کی سند سے بیان کیا۔
امام احمد نے اس کو المسند (٧١٤) میں روایت کیا۔ ہمیں محمد بن سابق نے بیان کیا، ہمیں ابراہیم بن طہمان نے بیان کیا، وہ منصور سے، وہ منہال بن عمرو سے اسی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں، اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں: (اس کے آخر میں شر ہے) شعیب ارناؤط نے کہا: اس کی سند قوی ہے۔

[3] صحيح البخاري (٥٧٦) ابوبکر: ابن سلیمان بن ابی حثمہ قرشی عدوی۔

نے بیان کیا۔ تو ابومسعود رضی اللہ عنہ ان صحابہ میں سے ہیں جنھوں نے اس حدیث کا معنی کچھ اَور سمجھ رکھا تھا۔ ابومسعود رضی اللہ عنہ نے سمجھا اس کا معنی یہ ہے کہ سو سال بعد لوگ سارے کے سارے فنا ہو جائیں گے اور ان کے ختم ہونے میں ہی دنیا کی انتہا ہے۔ اس پہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے واضح کیا کہ حدیث کا یہ فہم ٹھیک نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ بات کی تھی تو اس کا مصداق وہ سارے صحابہ تھے جو اس وقت وہاں موجود تھے نہ کہ دوسرے۔ علی رضی اللہ عنہ نے اس کا وہ مفہوم بیان کیا جو ابومسعود رضی اللہ عنہ نے نہیں کیا، یعنی اسلام کی کشادگی سو سال[1] کے بعد ہوگی اور یہاں کشادگی سے مراد اسلام کا پھیل جانا اور فتوحات ہیں۔

اور اس چیز کا بھی احتمال ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے اس جملے کا کہ سو سال بعد ہی کشادگی ہے ان سے ذکر کیا ہو، کیونکہ ابومسعود رضی اللہ عنہ نے سمجھا تھا کہ وہ لوگ جو سو سال کے آخر پہ ہوں گے وہ لوگوں میں سے برے ترین لوگ ہوں گے جن پر قیامت قائم ہوگی تو اس پہ علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا اور واضح کیا کہ سو سال کے آخر میں بھی جو لوگ ہوں گے ان میں مسلمانوں میں سے بہترین لوگ بھی موجود ہوں گے جو دین اور جہاد اور فتوحات کے میدان کو قائم اور دائم رکھیں گے۔

[**198**] ابو الاحوص بیان کرتے ہیں: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت صرف بدترین لوگوں پر ہی قائم ہوگی۔[2]

4- سیدنا سعد بن ابی وقاص زہری رضی اللہ عنہ

سعد بن ابی وقاص زہری رضی اللہ عنہ، ان دس صحابہ میں سے ایک ہیں جنھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی، اور اولین سابقین میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ نے بدر اور حدیبیہ کے معرکوں میں شرکت کی، اور آپ شوریٰ کے چھے اراکین میں شامل تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اُس وقت کے باقی ماندہ صحابہ میں سے سب سے افضل تھے، کیونکہ شوریٰ کے افراد میں سے اس وقت صرف وہ دونوں ہی باقی بچے تھے۔[3] جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو قتال (جنگ) میں شریک ہونے کی دعوت دی گئی، تو انھوں نے اس دعوت کو ردّ کر دیا اور اپنی فضیلت و مقام کے باوجود فتنے سے کنارہ کشی اختیار کی۔ وہ مدینہ کے قریب بیابان میں اپنے اونٹوں اور بکریوں کے ساتھ گوشہ نشین ہو گئے، اور یہ اسی وقت سے تھا جب

---

1. شرح مشکل الآثار للطحاوي (٣٤٧/١)
2. صحیح مسلم (٢٠٨/٨) ابوالاحوص: عوف بن مالک بن نضلہ جشمی۔ عبداللہ: ابن مسعود رضی اللہ عنہ۔
3. مجموع الفتاویٰ (٧٤/٣٥)، (٧٧/٣٥)

امیرالمومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا گیا۔ وہ وہیں مقیم رہے یہاں تک کہ یہ فتنہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کے ذریعے ختم ہوا۔

[**199**] اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں: (یہ الفاظ ابو بکر بن ابی شیبہ کی روایت کے ہیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک سریہ (فوجی مہم) پر بھیجا، ہم نے قبیلہ جہینہ کے ایک قبیلے الحرقات پر صبح دم حملہ کیا۔ میں نے ایک آدمی کو جا لیا، وہ کہنے لگا: "لا إله إلا الله" "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں"، لیکن میں نے اسے نیزہ مار دیا۔ پھر میرے دل میں اس پر ندامت محسوس ہوئی، تو میں نے اس کا تذکرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا اس نے "لا إله إلا الله" کہا اور پھر بھی تم نے اسے قتل کر دیا؟" میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! اس نے تو صرف تلوار کے خوف سے یہ کلمہ کہا تھا! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تو کیا تم نے اس کا دل چاک کر کے دیکھا کہ وہ واقعی دل سے کہہ رہا تھا یا نہیں؟" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ جملہ بار بار دہراتے رہے، یہاں تک کہ میں تمنا کرنے لگا: کاش میں اسی دن مسلمان ہوا ہوتا۔ اس پر سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں کبھی کسی مسلمان کو قتل نہیں کروں گا، جب تک کہ اسے ذوالبطین[1] قتل نہ کر دیں! پھر ایک شخص نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا:

﴿ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ ﴾ [الأنفال: ٣٩]

"اور ان سے قتال کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین سارا اللہ ہی کا ہو جائے؟"

سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم تو قتال کر چکے یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہا، اور تم اور تمھارے ساتھی اب یہ چاہتے ہو کہ دوبارہ قتال کر کے فتنہ کھڑا کرو![2]

سعد سے مراد: سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہیں، جیسا کہ حدیث کے شُرّاح، مثلاً: امام نووی اور قاضی عیاض رحمہما اللہ نے وضاحت کی ہے۔[3]

اور ان الفاظ: "ایک آدمی نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا ہے: ﴿ وَقٰتِلُوْهُمْ ... ﴾ ۔" سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کی مراد جنگِ جمل اور صفین کے معرکے تھے، اور اس کے سوا کوئی دوسرا احتمال

---

[1] قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا: اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو ذُو الْبُطَيْنِ (پیٹ والا) اس لیے کہا گیا، کیونکہ ان کا پیٹ نمایاں تھا۔ **ماخذ:** إكمال المعلم بفوائد مسلم (٣٧٣/١)

[2] صحيح مسلم (٦٧/١)

[3] شرح النووي على مسلم (١٠٤/٢) إكمال المعلم بفوائد مسلم لقاضي عياض (٣٧٣/١)

نہیں بنتا، کیونکہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی وفات خلافتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں سنہ ۵۵ ھ میں ہوئی۔[1]

اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے واقعۂ حرہ، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی جنگیں اور مروان بن حکم کی لڑائیاں نہیں پائیں، لہٰذا یہی رائے متعین طور پر درست ہے جو ہم نے بیان کی ہے۔ اور یہ بات معروف ہے کہ خلافتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایام امن و استحکام کے دن تھے، اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات سنہ ۶۰ ھ میں ہوئی۔[2]

[**200**] عامر بن سعد روایت کرتے ہیں: سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اپنے اونٹوں کے ساتھ تھے، کہ ان کے پاس ان کا بیٹا عمر آیا۔ جب سعد رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا تو فرمایا: میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اس سوار کے شر سے! پھر وہ (عمر) نیچے اُترا اور کہا: کیا آپ اونٹوں اور بکریوں میں جا بیٹھے ہیں اور لوگوں کو چھوڑ دیا ہے کہ وہ حکومت کے معاملے میں ایک دوسرے سے جھگڑ رہے ہیں؟ تو سعد رضی اللہ عنہ نے اس کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا: خاموش رہ! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ اس بندے کو پسند کرتا ہے جو متقی ہو، بے نیاز ہو اور گوشہ نشین ہو۔''[3]

[**201**] عامر بن سعد نے روایت کی کہ ان کا بھائی عمر، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، اس وقت حضرت سعد رضی اللہ عنہ مدینہ سے باہر اپنی بکریوں کے ساتھ تھے۔ جب سعد رضی اللہ عنہ نے عمر کو آتے دیکھا تو فرمایا: میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اس سوار کے شر سے! پھر جب عمر ان کے پاس آیا تو اس نے کہا: اے ابا جان! کیا آپ اس بات پر راضی ہو گئے ہیں کہ اپنی بکریوں میں دیہاتیوں کی زندگی گزاریں، جبکہ لوگ مدینہ میں خلافت کے مسئلے پر جھگڑ رہے ہیں؟ تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عمر کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا: چپ ہو جاؤ! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے: ''بے شک اللہ تعالیٰ اس بندے کو پسند کرتا جو متقی، غنی (یعنی قناعت شعار) اور گمنام ہو۔''[4]

امام احمد رحمہ اللہ کی روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ مدینہ نبویہ سے اس وقت باہر نکلے جب امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا گیا۔ اسی بات کی تائید بزار کی درج ذیل روایت سے بھی ہوتی ہے۔

---

[1] سیر أعلام النبلاء (۱/۱۲۳)
[2] سیر أعلام النبلاء (۳/۱۶۲)
[3] صحیح مسلم (۸/۲۱٤)
[4] مسند أحمد (۱٤٤۱) یہ روایت صحیح ہے اور اس کی سند مسلم کی شرط پر ہے، جیسا کہ سابقہ روایت بھی اسی معیار پر تھی۔ شعیب ارناؤط نے کہا: اس روایت کی سند امام مسلم کی شروط پہ قوی ہے۔

[202] عمر بن سعد نے اپنے والد (سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ) سے روایت کی کہ ان کے پاس ایک شخص آیا اور کہا: یاد رکھو! تمھاری قوم نے (یعنی بعض اہلِ مدینہ نے) اس شخص کا محاصرہ کر رکھا ہے، (اس کا اشارہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف تھا) جو اس وقت اپنے گھر میں محصور تھے۔ سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو تُو مجھے کیا حکم دیتا ہے؟ کیا میں تلوار نیام سے نکال لوں؟[1] اللہ کی قسم! میں ایسا نہیں کروں گا جب تک مجھے ایسی تلوار نہ دی جائے کہ اگر میں اس سے کسی مومن کو ماروں تو وہ اُسے نقصان نہ پہنچائے، اور اگر کسی کافر پر وار کروں تو وہ اسے قتل کر دے! پھر فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے: ''بے شک اللہ تعالیٰ اس بندے کو پسند فرماتا ہے جو بے نیاز، متقی اور گمنام ہو۔''[2] اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اپنی کنارہ کشی پر قائم رہے، یہاں تک کہ یہ فتنہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی صلح کے ذریعے ختم ہو گیا۔ پس نہ انھوں نے جنگِ جمل میں شرکت کی، نہ صفین میں، اور نہ ہی حکمین کے اجتماع میں۔

اور اس (کنارہ کشی) میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم پر لبیک کہا جسے بخاری نے روایت کیا ہے:

[203] ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: انھوں نے مجھ سے کہا: میں دیکھ رہا ہوں کہ تم بکریوں سے محبت کرتے ہو اور انھیں پالتے ہو، تو ان کی دیکھ بھال کرو اور ان کی ناک سے بہنے والی رطوبت (بلغم) کی بھی صفائی رکھا کرو۔ کیونکہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ''لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ بکریاں مسلمان کا سب سے بہترین مال ہوں گی، وہ اپنے دین کو فتنوں سے بچانے کے لیے انھیں لے کر پہاڑوں کی چوٹیوں، یا گھاٹیوں میں بارش کے مقامات پر لے جائے گا۔''[3]

---

[1] مسند احمد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: یعنی: اے میرے بیٹے! کیا تم فتنے میں مجھے سردار بننے کا مشورہ دے رہے ہو؟

[2] مسند البزار (١١٨٨) روایت میں مذکور ابو عامر سے عبد الملک بن عمرو القیسی العقدی مراد ہیں۔

امام بزار نے کہا: ہم نہیں جانتے کہ یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سعد کے سوا کسی اَور صحابی سے مروی ہو، اور نہ ہی ہمیں سعد سے اس حدیث کی اس سند سے بہتر کوئی اور سند معلوم ہے۔ اور ہم نہیں جانتے کہ مطّلب بن عبداللہ بن حنطب نے عمر سے، اور عمر نے اپنے والد سے، اس حدیث کے سوا کوئی اَور روایت بیان کی ہو۔

تخریج: امام احمد نے اسے اپنی مسند (١٥٢٩) میں ابو عامر کے طریق سے اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اس پہ شعیب الارناؤط نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے، البتہ اس کی سند میں قلب (اُلٹ پھیر) ہے، واقعہ بیان کرنے والے راوی عامر بن سعد ہیں، اور سعد رضی اللہ عنہ کے پاس آنے والے شخص جس نے انھیں (فتنے میں) سردار بننے کا کہا، وہ عمر بن سعد ہے۔

[3] صحیح البخاري (٣٤٠٥) ابونعیم: فضل بن دُکین۔

[**204**] ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قریب ہے کہ مسلمان کا سب سے بہترین مال بکریاں ہوں گی، اپنے دین کو فتنوں سے بچانے کے لیے جنھیں وہ لے کر پہاڑوں کی چوٹیوں اور بارش کے مقامات پر جائے گا۔''[1]

[**205**] جندب کہتے ہیں: ہم سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک قافلے میں تھے، تو سعد رضی اللہ عنہ اترے اور میں بھی اترا، اور میں نے ان کے اترنے کے موقعے سے فائدہ اٹھایا۔ وہ کہتے ہیں: تو میں ان کے پہلو میں چلنے لگا، اور میں نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی اور اس کی تعریف کی، پھر میں نے کہا: معاویہ کو ایسی چوٹ لگی ہے جو مجھے نہیں لگتا کہ انھیں بچائے گی، اور لوگ[2] اہلِ شوریٰ کے باقی ماندہ افراد[3] اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر صحابہ سے جنگ کرنے والے ہیں، تو میں آپ کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں، اگر آپ کو ان کے کسی معاملے میں کوئی اختیار دیا جائے، (تو)[4] آپ ان کی جماعت کو مت توڑیں، ان کی وحدت کو مت پارہ پارہ کریں، اور نہ ہی انھیں کسی ایسے ہلاکت والے امر کی طرف بلائیں۔ اس پر سعد نے اللہ کی حمد کی، اور اس کی ثنا بیان کی، پھر کہا: اما بعد! اللہ کی قسم! نہ میں ان کی جماعت کو توڑوں گا، نہ ان کی جمعیت کو منتشر کروں گا، اور نہ انھیں کسی ہلاکت خیز معاملے کی طرف بلاؤں گا، یہاں تک کہ وہ میرے پاس ایک تلوار لے کر آئیں جو خود بول کر کہے: یہ مومن ہے اس کو چھوڑ دے،[5] اور یہ کافر ہے اسے قتل کر۔

---

[1] صحيح البخاري (١٩)

[2] لوگوں سے مراد: خوارج ہیں۔

[3] اصحابِ شوریٰ سے مراد وہ چھے افراد ہیں جنھیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے قبل نامزد فرمایا، تاکہ خلافت ان کے باہمی مشورے سے طے ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے پہلے فرمایا: میں کسی کو ان افراد سے زیادہ خلافت کا حق دار نہیں جانتا جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رضا کی حالت میں رخصت ہوئے، چنانچہ اگر یہ لوگ میرے بعد کسی کو خلیفہ بنائیں تو وہی خلیفہ ہوگا، تم ان کی بات سنو اور اطاعت کرو۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے نام یہ بتائے: عثمان، علی، طلحہ، زبیر، عبدالرحمن بن عوف، اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم (اسے بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے: حدیث نمبر: ۱۳۲۸)

[4] مطبوعہ نسخے میں ''أوْ'' ہے، اور یہ تصحیف (کتابت کی غلطی) ہے جس کا معنی درست نہیں بنتا۔

[5] سیدنا علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما مراد ہیں، اور تغیّر سے مراد جنگ ہے، کیونکہ علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے زمانے میں حالت صلح سے جنگ میں بدل گئی تھی۔ یعنی: میں (جُندب) جان گیا کہ سعد ان فتنوں میں داخل نہ ہوں گے جو علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان پیش آئے تھے۔

جندب کہتے ہیں: تو میں جان گیا کہ ان دونوں نے جو تغیر کیا ہے یہ اس کے کسی بھی معاملے میں داخل نہ ہوں گے۔[1]

روایت کی شرح:

اس کا قول: ''اور بے شک لوگ اصحابِ شوریٰ کے باقی ماندہ افراد کو قتل کرنے والے ہیں'' کا مطلب یہ ہے کہ جب امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ شہید ہو چکے، تو اصحابِ شوریٰ میں سے صرف سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ باقی بچے تھے۔ چنانچہ جندب رضی اللہ عنہ نے اشارہ دیا کہ خوارج سعد رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، اور انھوں نے انھیں ان سے خبردار کیا۔

اس کا قول: ''تو میں آپ کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں، اگر آپ کو ان کے کسی معاملے میں کوئی اختیار دیا جائے ...'' کا مطلب یہ ہے: میں تمھیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں، اگر تمھیں مسلمانوں کے کسی معاملے میں اختیار دیا جائے تو تم ان کی جماعت کو مت توڑنا، ان کے اجتماع کو منتشر نہ کرنا، اور انھیں کسی ہلاکت خیز معاملے کی طرف مت بلانا۔

جملہ: ''تم انھیں ہلاکت خیز معاملے کی طرف نہ دھکیلو'' کا مطلب یہ ہے کہ تم انھیں ہلاکت خیز فتنوں کی طرف زبردستی نہ دھکیلو، اور نہ ہی انھیں ان فتنوں میں داخل ہونے پر مجبور کرو۔

اس کلام میں اس بات کی دلیل ہے کہ جُندب بن عبداللہ بن سفیان بجلی رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد خلافت کے سب سے زیادہ حق دار ہیں، کیونکہ اصحابِ شوریٰ کے چھے افراد میں سے سعد رضی اللہ عنہ ہی آخری فرد تھے۔ چنانچہ جندب رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے اور ان کے سامنے ان ہلاکت خیز نتائج کا ذکر کیا جو پیش آ چکے تھے: علی رضی اللہ عنہ کی شہادت، معاویہ رضی اللہ عنہ کا مہلک زخم، اور خوارج کا خود سعد رضی اللہ عنہ اور باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف منصوبہ بندی کرنا۔ پھر جندب رضی اللہ عنہ نے سعد رضی اللہ عنہ کو (اس

---

[1] السنة للخلال (٧٤٩)، اس کی سند صحیح ہے اور اس سے پہلے اختصار کے ساتھ روایت [رقم: ١٣٢] میں گزر چکی ہے، جب معاویہ رضی اللہ عنہ کے طعن کا ذکر ہوا تھا۔

الدُّوری: ان کا نام عباس بن محمد ہے۔ قُرّاد: یہ ابونوح عبدالرحمان بن غزوان خُزاعی ہیں۔ جُندب: یہ جندب بن عبداللہ بن سفیان ابوعبداللہ بجلی ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی۔

تخریج: اسے نعیم بن حماد نے الفتن (٤١٩) میں روایت کیا: "حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، عَنْ يُونُسَ بْنِ عُبَيْدٍ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ هِلَالٍ، قَالَ: قِيلَ لِسَعْدٍ ......" اسی مفہوم کے ساتھ مختصراً روایت کیا ہے۔

صورت میں کہ اگر وہ علی رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت سنبھالیں) مسلمانوں کے درمیان جنگ چھیڑنے سے منع کیا۔ اور ظاہر ہے کہ وہ انھیں (اگر وہ خلافت سنبھالیں) معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہلِ شام سے قتال کرنے سے روک رہے تھے۔ پس سعد رضی اللہ عنہ کا جواب جندب رضی اللہ عنہ کے لیے باعثِ اطمینان تھا، جب انھوں نے بتایا کہ اگر وہ کسی جنگ میں داخل ہوئے بھی تو وہ صرف کفار سے ہی قتال کریں گے۔ اس پر جندب رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ سعد رضی اللہ عنہ اگر علی رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت سنبھالتے بھی ہیں تو مسلمانوں کے درمیان جنگ نہ چھیڑیں گے۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اس فتنے کے زمانے میں خلافت کے خواہشمند نہ تھے، چنانچہ انھوں نے صحرا میں گوشہ نشینی کو ترجیح دی۔ پس اہلِ عراق نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی بیعت کی، اور اہلِ شام نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی۔

جملہ: ''تو میں جان گیا کہ ان دونوں نے جو تغیر کیا ہے یہ اس کے کسی معاملے میں داخل نہ ہوں گے۔'' اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جندب رضی اللہ عنہ ان فتنوں اور قتال سے جو علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان پیش آئے، بیزاری محسوس کر رہے تھے، نہ کہ کسی ایک فریق سے۔

[206] ابن سیرین رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: کیا آپ قتال نہیں کریں گے، حالانکہ آپ اہلِ شوریٰ میں سے ہیں، اور دوسروں کی نسبت اس معاملے (خلافت) کے آپ زیادہ حق دار ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: میں قتال نہیں کروں گا جب تک تم میرے پاس ایسی تلوار نہ لاؤ جس کی آنکھیں، زبان اور ہونٹ ہوں، جو مومن اور کافر میں فرق پہچان سکے۔ میں نے جہاد کیا ہے اور میں جہاد کو جانتا ہوں، اور میں اپنی جان کو ہلکان نہیں کرنا چاہتا اگر کوئی شخص مجھ سے بہتر موجود ہے۔[1]

---

[1] جامع معمر بن راشد (۲۰۷۳۶) کی یہ خبر صحیح المعنی ہے، لیکن اس کی سند ضعیف ہے، کیونکہ یہ مرسل ہے، اگرچہ اس کے رجال ثقہ ہیں اور شیخین (بخاری ومسلم) کے رجال میں شامل ہیں۔ محمد بن سیرین نے سعد رضی اللہ عنہ سے یہ روایت براہِ راست نہیں سنی، جیسا کہ ''الفتن'' از ابونعیم، طبقات ابن سعد اور معجم ابن الاعرابی میں ہے کہ ابن سیرین نے کہا: مجھے بتایا گیا کہ سعد...... البتہ یہ روایت دوسرے طریق سے متصل سند کے ساتھ صحیح ثابت ہوئی ہے۔

تخریج الحدیث: اسے طبرانی نے المعجم الکبیر (۳۲۲)، حاکم نے المستدرك (۸۳۷۰)، اور ابونعیم نے حلیة الاولیاء (۹۴/۱) اور معرفة الصحابة (۱۳۵/۱، رقم: ۵۱۲) میں عبدالرزاق کی سند سے روایت کیا۔ امام حاکم نے کہا: یہ حدیث شیخین (بخاری ومسلم) کی شرط پر صحیح ہے، لیکن ان دونوں نے اسے روایت نہیں کیا، اور امام ذہبی نے ان کی موافقت کی۔

اسی کو سعید بن منصور نے السنن (۲۹۷۳)، نعیم بن حماد نے الفتن (۴۳۲)، ابن سعد نے الطبقات (۱۴۳/۳)، اور ابن الاعرابی نے المعجم (۵۳۸) میں روایت کیا اور انہی کی سند سے ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۳۵۵/۲۰) میں نقل کیا۔

اسی طرح تاریخ دمشق (۳۵۵/۲۰) میں ابن سعد اور ابن الاعرابی کی سند سے، اور (۳۵۶/۲۰) میں ابونعیم کی سند سے مذکور ہے۔

←

اور یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا یہ موقف تھا کہ وہ قتال درست نہیں تھا، کیونکہ وہ اللہ عزوجل کے راستے میں جہاد نہیں تھا۔

[**207**] امام حاکم کا بیان ہے کہ مجھے علی بن عیسیٰ [1] نے بیان کیا، کہا: ہمیں حسین بن محمد القبّانی، [2] اور ابراہیم بن ابی طالب [3] نے حدیث بیان کی، ان دونوں نے کہا: ہمیں عمران بن موسی القزّاز [4] نے بیان کیا، کہا: ہمیں عبدالوارث بن سعید [5] نے بیان کیا، کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن جُحادہ [6] نے بیان کیا، ......

← اور ابن سعد نے الطبقات (۱٤٤/۳) میں روایت کیا: ہمیں یزید بن ہارون نے بتایا، ہمیں شعبہ نے یحییٰ بن حصین سے روایت بیان کی: میں نے محلے کے لوگوں کو یہ کہتے سنا کہ میرے والد نے سعد رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ کو قتال سے کس چیز نے روکا ہے؟ انھوں نے فرمایا: جب تک تم میرے پاس ایسی تلوار نہیں لاتے جو مومن کو کافر سے پہچان سکے، میں قتال نہیں کروں گا۔

[1] علی بن عیسیٰ بن ابراہیم بن عبدویہ: ان کو ابراہیم بن محمد بھی کہا جاتا ہے۔ ابوالحسن، وراق، سلولی، ہروی، نیشاپوری، حیری۔ امام حاکم نے ایک سند میں ان کا ذکر کر کے ان کی توثیق کی ہے۔ امام ذہبی نے کہا کہ انھوں نے بہت ساری کتابیں لکھی ہیں اور ۳٤٤ھ میں ان کی وفات نقل ہوئی ہے۔
امام بیہقی نے کہا: ہمیں ابوعبداللہ حافظ نے حدیث بتائی، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابوحسن علی بن عیسیٰ بن ابراہیم بن عبدویہ حیری نے حدیث بیان کی۔ یہ ثقہ اور مامون ہیں۔ بیان خطأ من أخطأ على الشافعي للبيهقي (ص: ۱۷۵) الروض الباسم في تراجم شيوخ الحاكم (٦٢٣)

[2] حسین بن محمد بن زیاد عبدی، ابوعلی، نیشاپوری: ثقہ، حافظ، مصنف۔ التقریب (۱۳٤۸)

[3] امام، حافظ، مجود، زاہد، شیخ نیشاپور۔ اپنے زمانے کے امام المحدثین، ابواسحاق بن ابی طالب محمد بن نوح بن عبداللہ بن خالد نیشاپوری مزکی۔ امام حاکم نے ان کا نام ذکر کیا اور کہا کہ معرفتِ حدیث اور رجال میں آپ نیشاپور میں اپنے زمانے کے امام ہیں۔ انھوں نے شیوخ اور علل کو جمع کیا ہے۔ "العبر" میں ان کے بارے کہا گیا: حافظ، ارکان حدیث میں یکتا ہیں۔ ابن عماد نے ذکر کیا ہے کہ ابن ناصر الدین نے ان کو ثقہ کہا ہے۔ دیکھیے: العبر (٤٢٧/١) سير أعلام النبلاء (٥٤٧/١٣) شذرات الذهب (٤٠٠/٣)

[4] ابوعمرو، لیثی، بصری۔ امام ابوحاتم نے کہا: یہ صدوق ہیں۔ امام نسائی، مسلمہ اور دارقطنی نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ ابن حجر نے بھی ان کو صدوق کہا ہے۔ ت، س، ق۔ "تحرير التقريب" میں ہے کہ یہ ثقہ ہے۔ دیکھیے: تهذيب الكمال (٣٦٠/٢٢) تهذيب التهذيب (١٤١/٨) التقريب (٥١٧٢)

[5] عبدالوارث بن سعید بن ذکوان، عنبری، ابوعبیدہ تنوری، بصری۔ ثقہ ثبت ہیں۔ ان پر قدری ہونے کا الزام ہے، مگر ثابت نہیں ہوتا۔ التقريب (٤٢٥١)

[6] اودی، کوفی، ثقہ ہیں۔ ع۔ التقريب (٥٧٨١)

وہ نعیم بن ابی ہند[1] سے، وہ ابو حازم[2] سے، وہ حسین بن خارجہ[3] سے روایت کرتے ہیں کہ............

---

[1] کوفی، ثقہ ہے لیکن ان پر ناصبیت کی تہمت ہے۔ التقریب (۷۱۷۸)

[2] ابو حازم سلمان اشجعی کوفی۔ محدث، ثقہ ہیں۔ انھوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ پانچ سال یا اس سے زیادہ عرصہ گزارا۔
سير أعلام النبلاء (۷/۵) التقريب (۲٤۷۹)
امام احمد نے اس کو روایت کیا ہے، کہتے ہیں: ہمیں محمد بن جعفر نے بیان کیا، کہا: ہمیں شعبہ نے فرات سے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو حازم کو سنا: انھوں نے کہا کہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ پانچ سال بیٹھا رہا۔ العلل ومعرفة الرجال (۲۰۸۵، ۵۲۹۸) اس کی سند صحیح ہے۔ اس کے سارے راوی ثقہ ہیں اور رجال الشیخین ہیں۔
محمد بن جعفر: بندار۔ فرات: ابن ابی عبدالرحمان تیمی قزاز ہے۔

[3] اشجعی: ان کی صحبت ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ ابن حبان نے ان کو ثقات تابعین میں ذکر کیا ہے اور ابن حجر نے بھی ان کو راجح طور پر تابعی ہی قرار دیا ہے۔ احمد بن سیار نے ان کی حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ امام حاکم نے ان کی روایت کو صحیح قرار دیا ہے اور ذہبی نے بھی ان کی موافقت کی ہے جیسا کہ آگے ذکر ہوگا۔
ان کے تعارف ملاحظہ ہو: التاريخ الكبير (۳۸۲/۲) الجرح والتعديل (۵۱/۳) الثقات (۱۵۵/٤) معرفة الصحابة لابن منده (ص: ۳۹٦) معرفة الصحابة لأبي نعيم (۸۸۹/۲) أسد الغابة (۲٤/۲) الإصابة (۱۷۲/۲)
"أسد الغابة" میں مذکور ہے کہ حسین بن خارجہ: اس روایت کو ابو موسیٰ نے بیان کیا اور کہا: عبدان نے ان کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں شمار کیا، احمد بن سیار نے کہا ہے کہ ایک بہت بڑے آدمی ہیں لیکن ہمارے لیے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پائی ہے سوائے اس کے کہ ان کی حدیث حسن ہے اور اس میں سننے والے اور سمجھنے والے کے لیے بہت سی چیزیں ہیں، ابو موسیٰ نے حسین بن خارجہ کے بارے میں کہا کہ شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں انھوں نے ایک خواب دیکھا جس میں ان کی وفات کے بعد لڑنے والے دونوں گروہوں میں سے کسی ایک میں بھی شامل ہونے کو ناپسند سمجھا گیا تھا، ہمیں اس کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس روایت کو ابو موسیٰ نے بیان کیا ہے۔
— ابو موسیٰ محمد بن عمر بن احمد بن عمر مدینی اصبہانی (۵۸۱ھ) ان کی مشہور کتاب "تتمة معرفة الصحابة" جو ابو نعیم اصبہانی کی کتاب "معرفة الصحابة" کا تکملہ اور حاشیہ ہے۔ سير أعلام النبلاء ۱۵٤/۲۱ طبقات الشافعية الكبرىٰ (۱٦۱/٦) الأعلام (۳۱۳/٦)
— عبدان: عبداللہ بن محمد بن عیسیٰ، ابو محمد مروزی۔ ان کا لقب عبدان تھا (۲۹۳ھ)۔ انھوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تعارف پر سو جلدوں میں "كتاب المعرفة" تصنیف کی۔ حسن المحاضرة للسيوطي (۳٤۹/۱) الرسالة المستطرفة للكتاني (ص: ۱۲٦– ۱۲۷) الأعلام (۱۱۸/٤) علم الرجال نشأته وتطوره لمحمد مطر الزهراني (ص: ۹۹) بحوث في تاريخ السنة المشرفة لأكرم ضياء عمري (ص: ٦٦)
ابن الاثیر نے أسد الغابة (۲۲٦/۱) اوس المرئی کے تعارف میں واضح ان کا نام لیا۔ اس نے ابو موسیٰ سے روایات لی ہیں، یہ ابو محمد عبدان بن محمد بن عیسیٰ سے بیان کرتا ہے۔

←

جب پہلا فتنہ آیا[1] تو حسین بن خارجہ کہتے ہیں کہ وہ معاملہ میرے لیے مشتبہ ہو گیا، چنانچہ میں نے اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ! مجھے حق کا وہ راستہ دکھا جسے میں تھام سکوں، تو خواب میں، میں نے دنیا اور آخرت کو دیکھا جن کے درمیان ایک تھوڑا سا لمبا پردہ یا دیوار تھی، اور میں اس کے نیچے کھڑا تھا، تو میں نے کہا: کاش میں اس دیوار پر چڑھ کر اشجع کے مقتولین کو دیکھ سکوں، تا کہ وہ مجھے کچھ بتائیں۔ پھر مجھے ایک درختوں والی زمین میں اتارا گیا جہاں کچھ لوگ بیٹھے تھے، میں نے کہا: کیا تم شہداء ہو؟ تو انھوں نے کہا: ہم فرشتے ہیں۔ میں نے کہا: تو شہداء کہاں ہیں؟ کہا: وہ درجات کی طرف جا چکے ہیں۔ پھر مجھے ایک ایسا درجہ دکھایا گیا جس کے حسن اور وسعت کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، وہاں میں نے محمد ﷺ کو دیکھا اور ابراہیم ﷺ کو ایک بزرگ کی صورت میں دیکھا، رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے: ''اے ابراہیم! میری امت کے لیے استغفار کیجیے۔'' تو ابراہیم ﷺ نے جواب دیا: آپ کو علم نہیں کہ آپ کے بعد انھوں نے کیا کیا؟ انھوں نے خون بہایا اور اپنے امام کو قتل کر دیا، تو انھوں نے میرے خلیل (دوست) سعد کی طرح کیوں نہ کیا؟ میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے ایک خواب دیکھا ہے، امید ہے کہ اللہ مجھے اس سے فائدہ دے، اب میں سعد کی تلاش میں نکلتا ہوں اور ان کے ساتھ ہو جاتا ہوں۔ میں سعد رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور یہ خواب سنایا، تو وہ اس پر بہت خوش نہ ہوئے[2] اور فرمایا: یقیناً وہ ناکام ہے جس کا خلیل ابراہیم نہ ہو۔ میں نے کہا: آپ دونوں فریقوں میں سے کس کے ساتھ ہیں؟ فرمایا: میں ان میں سے کسی کے ساتھ نہیں ہوں۔ میں نے کہا: تو پھر آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا: کیا تمھارے پاس بکریاں ہیں؟ میں نے کہا: نہیں، تو فرمایا: بکریاں خرید لو اور ان کے ساتھ رہو یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو جائے۔[3]

← احمد بن سیار: بن ایوب بن عبدالرحمٰن مروزی، ان کی ایک کتاب "الصحابة" کے نام سے ہے۔ ابن مندہ نے (ص: ۳۲۹) میں اس کا ذکر کیا ہے۔ ابونعیم نے معرفة الصحابة (۳۹۶/۱)، بشر بن قحیف کے تعارف میں اس کا ذکر کیا ہے، ملاحظہ ہو: علم الرجال نشأته وتطوره لمحمد مطر الزهراني (ص: ۹۹)، بحوث في تاريخ السنة المشرفة لأكرم ضياء عمري (ص: ٦٥)

[1] یعنی قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ کا فتنہ، جیسا کہ "الإصابة" میں ہے۔

[2] یعنی سعد رضی اللہ عنہ کو اس چیز سے کوئی خاص خوشی نہیں ہوئی۔

[3] المستدرك (٦١٢٦) اس کی سند صحیح ہے۔ راوی ثقہ ہیں، امام حاکم نے اس قصے کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ امام ذہبی نے اس کی موافقت کی ہے۔

تخریج الحدیث: اس روایت کو ابونعیم اصبہانی نے بیان کیا ہے، جیسا کہ یہ "السیر" میں بھی موجود ہے۔ کہتے ہیں: ہمیں ←

....

← ابواحمد الحاکم نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں ابن خزیمہ نے بیان کیا، کہا: ہمیں عمران بن موسی نے بیان کیا، ...... پھر اس روایت کو ذکر کیا۔ سیر أعلام النبلاء (۱۲۰/۱) اس کے راوی ثقہ ہیں۔

ابن خزیمہ: امام ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ۔

⦿ اس روایت کو امام حاکم (۸۳۹۴) نے روایت کیا اور کہا: ہمیں حسن بن محمد بن حلیم بن ابراہیم بن میمون صائغ نے خبر دی، کہا: ہمیں احمد بن ابراہیم شنذوری نے خبر دی، کہا: ہمیں سعید بن ھبیرہ نے بیان کیا۔ کہتے ہیں: ہمیں عبدالوارث بن سعید نے بیان کیا، ...... پھر یہ روایت ذکر کی۔

امام حاکم نے کہا: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے لیکن شیخین نے اس کو روایت نہیں کیا۔ امام ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے اور یہی روایت إتحاف المهرة (۵۰۹۹) میں حاکم سے مروی ہے۔

الصائغ: امام حاکم نے سند میں جب ان کا ذکر کیا تو وہاں ان کی توثیق کی ہے۔ دیکھیے: سنن الكبرىٰ للبيهقي (۲۸۹۷) الروض الباسم في تراجم شيوخ الحاكم (۲۹۹)

شنذوری: ان کی توثیق کہیں سے بھی نہیں ملی۔ رجال الحاكم في المستدرك (۲۳۷)

سعید بن ہبیرہ: امام ابو حاتم نے کہا: یہ قوی نہیں ہے۔ ابن حبان نے اس پر متہم ہونے کی جرح کی ہے۔ الجرح (۷۱/٤) المجروحين (۳۲۷/۱)

⦿ ابن عساکر (۳۷۲/۲۰) نے اس روایت کو "عن أبي الحسن علي بن أحمد بن منصور بن محمد بن قبيس عن أبي نصر الحسين بن محمد بن أحمد ابن طلب، عن أبي بكر محمد بن أحمد بن عثمان بن الوليد ابن أبي الحديد عن أبي بكر محمد بن جعفر بن محمد الخرائطي عن محمد بن غالب بن حرب المعروف بالتمتام عن أبي معمر عبد الله بن عمرو بن أبي الحجاج عن عبد الوارث بن سعيد" کی سند سے نقل کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ اس کے راوی ثقات ہیں۔ یہ ان روایات میں سے ہے جو ابن عساکر نے اپنے شیخ ابن قبیس سے روایت کی ہیں۔ دیکھیے: موارد ابن عساكر في تاريخ دمشق (۲۱۶۱/۳)

⦿ امام بخاری نے اس روایت کو اپنی تاریخ (۳۸۲/۲) میں مختصراً ابو معمر سے روایت کیا ہے۔

⦿ ابوجعفر ابن بختری نے اس روایت کو بیان کیا اور کہا: ہمیں علی بن ابراہیم واسطی نے بیان کیا، کہا: ہمیں وہب بن جریر نے بیان کیا، کہا: ہمیں ہشام دستوائی نے محمد بن جحادہ سے ایسے ہی بیان کیا۔ مجموع فيه مصنفات أبي جعفر ابن البختري (۳۸٤) اس کی سند صحیح ہے۔

⦿ عمر بن شبہ نے اس روایت کو تاريخ المدينة (۱۲۵۱/٤) میں ذکر کیا اور کہا: ہمیں قشیر بن عمرو نے بیان کیا، کہا: ہمیں ہشام بن ابی عبداللہ نے ایسے ہی روایت کیا۔

قشیر: اس کا تعارف مجھے نہیں مل سکا۔ یہ وہ راوی نہیں ہے جس کے بارے میں ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ طبقۂ سادسہ میں مستور راوی ہے۔ دونوں طبقات کے درمیان بے حد فرق ہے۔ التقريب (۵۵۰۰)

ہشام سے مراد دستوائی ہیں۔

←

5- سیدنا اسامہ بن زید بن حارثہ بن شراحیل الکلبی رضی اللہ عنہ

امیر کبیر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے اور چہیتے۔

[208] عمرو نے بیان کیا، مجھے محمد بن علی نے خبر دی، انھیں اسامہ رضی اللہ عنہ کے غلام حرملہ نے خبر دی۔ عمرو نے بیان کیا کہ میں نے حرملہ کو دیکھا تھا۔ حرملہ نے بیان کیا کہ مجھے اسامہ نے علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا[1] اور مجھ سے کہا: اس وقت تم سے علی رضی اللہ عنہ پوچھیں گے کہ تمھارے ساتھی (اسامہ) جنگِ جمل وصفین سے کیوں پیچھے رہ گئے تھے[2] تو ان سے کہنا کہ انھوں نے آپ سے کہا ہے کہ اگر آپ شیر کے منہ میں ہوں

⦿ اس روایت کو ابن عبدالبر نے التمہید (۲۲۲/۱۹) میں با سند ذکر کیا اور کہا: ہمیں خلف بن قاسم (بن سہل ابو القاسم ابن الدباغ ازدی اندلسی) نے بیان کیا، کہتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن محمد (بن عبداللہ بن ناصح دمشقی شافعی فقیہ، ابو احمد، ان کو ابن المفسر کے نام سے بھی جانا جاتا ہے) نے بیان کیا، کہا: ہمیں علی بن غالب بن سلام ابو الحسن سکسکی البتلہی نے بیان کیا، کہتے ہیں: ہمیں علی بن مدینی نے بیان کیا، کہتے ہیں: ہمیں معاذ بن ہشام دستوائی نے بیان کیا، کہا کہ مجھے میرے باپ نے یہ روایت بیان کی۔

⦿ اس روایت کو ابوبکر بن ابی دنیا نے المنامات (۱۷۲) میں اور اسی سند سے ابن عساکر (۳۷۲/۲۰) نے روایت کیا اور کہا ہمیں ابوبکر سلمہ بن حفص قریشی نے بیان کیا، کہتے ہیں: ہمیں مروان بن معاویہ نے بیان کیا، کہتے ہیں: ہمیں فائد بن عبدالرحمٰن نے بیان کیا، وہ نعیم بن ابی ہند سے ایسے ہی مختصر بیان کرتے ہیں لیکن ان الفاظ تک: ”جس بندے کا خلیل ابراہیم نہ ہوا تو وہ ناکام اور نامراد ٹھہرا۔“

سلمہ: ابن حبان نے ان پر وضعِ حدیث کی تہمت عائد کی ہے۔ المجروحین (۳۳۹/۱)

فائد: یہ متروک راوی ہے، محدثین نے اس پر اتہام کیا ہے۔ التقریب (۵۳۷۳)

⦿ اس روایت کو عمر بن شبہ نے تاریخ المدینۃ (۱۲۵۱/٤) میں روایت کیا اور کہا: ہمیں ایوب بن محمد رقی اور محمد بن مسلم مولیٰ محمد بن ابراہیم نے بیان کیا، پھر یہ دونوں کہتے ہیں کہ ہمیں مروان بن معاویہ نے عابد بن ناجیہ اسدی سے بیان کیا، وہ نعیم بن ابی ہند سے ایسے ہی روایت کرتے ہیں۔ اس کی سند میں ”حسین“ کی جگہ پر حازم بن خارجہ اشجعی کا نام آتا ہے۔

ایوب: یہ ثقہ راوی ہیں۔ محمد بن مسلم اور عابد کا تعارف مجھے نہیں ملا، سوائے اس کے کہ ”عابد“ کی ”فائد“ سے تصحیف ہوئی ہو۔

اس روایت کے مختلف طرق میں سے میرے علم میں اسی قدر ہی ہے اور یہ واضح ہوتا ہے کہ اس روایت کی بہت ساری صحیح سندیں منقول ہیں۔

[1] یعنی اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے اپنے مولیٰ حرملہ کو علی رضی اللہ عنہ کو اس سوال کے ساتھ بھیجا کہ اللہ کے مال میں سے کچھ دیا جائے۔ علی رضی اللہ عنہ نے جنگ سے پیچھے رہنے کے سبب ان کو مال نہ دیا، وہ سمجھتے تھے کہ ان کے پاس پیچھے رہنے کا کوئی عذر نہیں ہے۔

[2] یعنی تمھارا مالک جنگ میں میری مدد ونصرت سے پیچھے کیوں رہا؟

تب بھی میں اس میں آپ کے ساتھ رہوں لیکن یہ معاملہ ہی ایسا ہے، یعنی مسلمانوں کی آپس کی جنگ تو (اس میں شرکت) صحیح نہیں معلوم ہوئی۔ (حرملہ کہتے ہیں کہ) چنانچہ انھوں نے کوئی چیز نہیں دی۔ پھر میں حسن، حسین اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم[1] کے پاس گیا تو انھوں نے میری سواری پر اتنا مال لدوا دیا جتنا کہ اونٹ اٹھا نہ سکتا تھا۔[2]

ان الفاظ: ''تمھارے مالک (اسامہ) پیچھے کیوں رہ گئے تھے؟'' سے پتا چلتا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے بعض ان لوگوں پر، جنھوں نے قتال میں ان کا ساتھ نہیں دیا تھا، سخت قسم کی تنقید کی تھی۔ خاص طور پر اسامہ رضی اللہ عنہ جن کو وہ اہلِ بیت میں شمار کرتے تھے۔[3]

جنابِ اسامہ رضی اللہ عنہ نے اس فتنے میں قتال نہیں کیا، پھر انھوں نے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کو جنگ میں اپنے پیچھے رہنے کا سبب اور عذر بتایا اور ان کے علم میں یہ بات لائی کہ وہ انھیں دنیا کے لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب ہیں اور مجھے یہ پسند ہے کہ میں اچھے اور برے وقت میں آپ کے ساتھ کھڑا رہوں سوائے اس کے کہ میرا خیال یہ ہے کہ مسلمان کو قتل کرنا، اس سے لڑائی کرنا جائز نہیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ میں نے نبی ﷺ کی زندگی میں ایک آدمی کو قتل کیا تھا جس نے ''لا إله إلا الله'' پڑھا ہوا تھا اس پر نبی ﷺ نے مجھے شدید ملامت کی تھی۔

[209] اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ حرقہ[4] کی طرف بھیجا۔ ہم نے صبح کے وقت ان پر حملہ کیا اور انھیں شکست دے دی، پھر میں اور ایک اَور انصاری صحابی اس قبیلے کے ایک شخص (مرداس بن عمر نامی) سے بھڑ گئے۔ جب ہم نے اس پر غلبہ پا لیا تو وہ ''لا إله إلا الله'' کہنے لگا۔ انصاری تو فوراً ہی رک گیا لیکن میں نے اسے اپنے برچھے سے قتل کر دیا۔ جب ہم لوٹے تو آنحضرت ﷺ کو بھی اس کی خبر ہوئی۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''اسامہ! کیا اس کے ''لا إله إلا الله'' کہنے کے باوجود تم نے اسے قتل کر دیا؟'' میں نے عرض کی کہ وہ قتل سے بچنا چاہتا تھا، (اس نے یہ کلمہ

---

[1] یعنی عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔

[2] صحيح البخاري (٦٦٩٣) علی بن عبداللہ: ابن المدینی۔ سفیان: ابن عیینہ۔ عمرو: ابن دینار۔ محمد بن علی: بن حسین بن علی بن ابی طالب، ابوجعفر الباقر۔

[3] فتح الباري لابن حجر (٦٧/١٣)

[4] الحرقة: بنوجہینہ کا ایک قبیلہ۔

دل سے نہیں پڑھا تھا) اس پر آپ ﷺ بار بار یہی فرماتے رہے: ''کیا تم نے اس کے "لا إله إلا الله" کہنے پر بھی اسے قتل کر دیا۔'' حتی کہ میرے دل میں یہ آرزو پیدا ہوئی کہ کاش میں آج سے پہلے اسلام نہ لایا ہوتا۔ ① ②

مزید ملاحظہ ہو: [رقم: ۱۹۹]

نبی ﷺ کی اس ملامت کے سبب انھوں نے یہ عہد کر رکھا تھا کہ وہ کسی مسلمان سے قتال نہیں کریں گے۔ ③ یہی چیز جمل وصفین میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہ دینے کی وجہ بنی۔ ④

---

① یعنی اسلام اس غلطی کو مٹا ڈالتا۔

② صحيح البخاري (٦٤٧٨) ہشیم: ابن بشیر، ابو معاویہ سلمی۔ حصین: ابن عبدالرحمان سلمی، ابو ہذیل الکوفی۔ ابو ظبیان: حصین بن جندب الجنبی الکوفی۔

③ اس لفظ کی زیادت کی وجہ جنابِ اسامہ رضی اللہ عنہ کا اپنے آپ سے کسی مسلمان کو قتل نہ کرنے کا عہد کرنا ہے۔ امام حاکم نے المستدرك (٤٥٩٩) میں ''ابراہیم بن مہاجر عن ابی اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما'' سے ایک روایت نقل کی ہے، اس میں الفاظ ایسے ہیں: ''میں اس آدمی سے قتال نہیں کروں گا جو اللہ اکبر کہتا ہو، اس وجہ سے کہ جو جنابِ رسول اللہ ﷺ نے مجھے منع کیا تھا حتی کہ میں دوبارہ ان سے مل جاؤں۔'' اس کی سند ضعیف ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی التاريخ (٢٠/١) میں، ابن ابی البختری نے [مطبوع ضمن مجموع مصنفاته: (٣٧٨)] میں اپنی چوتھی حدیث میں، بیہقی نے دلائل النبوة (٢٩٧/٤) میں اور ذہبی نے السير (٥٠٥/٢) میں ''محمد بن اسامہ بن محمد بن اسامہ بن زید بن حارثہ عن ابیہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما'' کی سند سے روایت نقل کی ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں: ''میں اللہ تعالیٰ کو یہ عہد دیتا ہوں کہ کسی بھی ایسے آدمی کو قتل نہیں کروں گا جو "لا إله إلا الله" کا قائل ہو۔'' امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو مختصر ذکر کیا ہے۔ اس کی سند بھی ضعیف ہے۔

یہ زیادت ایک شاذ چیز ہے جو درست نہیں ہے، بہرحال ہمیں اس زیادت کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ نبی ﷺ کا جنابِ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو اس چیز پر ملامت کرنا ہی اس کے حرام ہونے کی واضح دلیل ہے۔ تو اسامہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے اس حکم کو قبول کیا۔ اس طرح سے وہ کسی بھی مسلمان کو بغیر کسی حق کے قتل نہیں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴾ [بني إسرائيل: ٣٣] ''اور کسی جان کو جس کا مارنا اللہ نے حرام کر دیا ہرگز ناحق قتل نہ کرنا اور جو شخص مظلوم ہونے کی صورت میں مار ڈالا جائے ہم نے اس کے وارث کو طاقت دے رکھی ہے کہ پس اسے چاہیے کہ مار ڈالنے میں زیادتی نہ کرے بے شک وہ مدد کیا گیا ہے۔''

④ فتح الباري لابن حجر (٦٨/١٣)

6- سیدنا ابوسعید خدری سعد بن مالک بن سنان انصاری رضی اللہ عنہ

امام، مجاہد، مفتیِ مدینہ، مجتہدین فقہاء میں یکتا، انھوں نے خندق اور بیعتِ رضوان میں شرکت کی۔[1] جنگِ جمل اور صفین میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ الگ تھلگ رہے۔ پھر خوارج کے ساتھ قتال میں علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے نہروان میں شرکت کی، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں خوارج کے ساتھ قتال کرنے کا حکم دیا تھا۔[2]

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہی وہ صحابی ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فتنوں میں الگ تھلگ رہنے کی روایات کو نقل کرتے ہیں اور ایسے ہی ان سے وہ حدیث بھی مروی ہے کہ جس میں حق کے قریب تر گروہ کی صفات بیان ہوئی ہیں۔ تو ابوسعید رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ اور ان کے لشکر کے ساتھ مل کر قتال کیا، کیونکہ حق کے قریب جماعت سے وہی مراد ہیں۔

پھر واقعۂ حرہ کے دن وہ ایک غار میں الگ تھلگ رہے اور اس سلسلے میں ان کا ایک مشہور قصہ بھی ہے جو آگے روایت ہوگا۔

[**210**] سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے (ابوصعصعہ کو) کہا: میں دیکھ رہا ہوں کہ تمھیں بکریوں سے بہت محبت ہے اور تم انھیں پالتے ہو تو تم ان کی نگہداشت اچھی کیا کرو اور ان کے ناک کی صفائی کا بھی خیال رکھا کرو۔ کیوں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ مسلمان کا سب سے عمدہ مال اس کی بکریاں ہوں گی جنھیں لے کر وہ پہاڑ کی چوٹیوں پر چڑھ جائے گا (یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "شعف الجبال" کے بجائے "سعف الجبال"[3] کے لفظ فرمائے) وہ بارش گرنے کی جگہ میں چلا جائے گا۔ اس طرح وہ اپنے دین کو فتنوں سے بچانے کے لیے بھاگتا پھرے گا۔[4]

[**211**] ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ وقت قریب ہے جب

---

1. سير أعلام النبلاء (١٦٨/٣)
2. دیکھو: [رقم: ٦٧، ٢١٧] ان روایات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خوارج سے قتال کی ترغیب دلائی ہے، فرمایا: اگر اس لشکر کو اس اجر و بدلے کا پتا چل جائے جو ان کے نبی کی زبان سے ان کے لیے طے ہوا ہے، تو وہ باقی اعمال کے بجائے اسی پہ توکل کر کے بیٹھ جائیں لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ قتال کا وعدہ کیا اور کہا: اگر میں ان کو پا لوں تو انھیں قومِ عاد کی طرح قتل کروں۔
3. شعف الجبال: پہاڑوں کی چوٹیاں۔ سعف الجبال: خشک کھجور کی ٹہنیاں۔
4. صحيح البخاري (٣٤٠٥) ابونعیم: فضل بن دکین۔

مسلمان کا (سب سے) عمدہ مال اس کی بکریاں ہوں گی جن کے پیچھے وہ پہاڑوں کی چوٹیوں اور برساتی وادیوں میں اپنے دین کو بچانے کے لیے بھاگ جائے گا۔[1]

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اس حکم پہ لبیک کہتے ہوئے فتنۂ جمل وصفین سے الگ رہے۔

[212] امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ہم سے ابوالیمان نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ ہمیں شعیب نے خبر دی، انھیں زہری نے، انھوں نے کہا کہ مجھ سے عطاء بن یزید لیثی نے کہا اور ان سے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ عرض کی گئی: یا رسول اللہ! کون شخص سب سے افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ مومن جو اللہ کے راستے میں اپنی جان اور مال سے جہاد کرے۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اس کے بعد کون؟ فرمایا: ''وہ مومن جو پہاڑ کی کسی گھاٹی[2] میں رہنا اختیار کرے اللہ تعالیٰ کا خوف رکھتا ہو اور لوگوں کو چھوڑ کر اپنی برائی سے ان کو محفوظ رکھے۔''[3][4]

ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: جمہور کا موقف یہی ہے کہ یہ ساری ہدایات فتنے برپا ہوتے وقت کی ہیں۔[5]

فتنوں سے کنارہ کشی کرنا اور اس وقت اللہ پاک سے لو لگانا: ان چیزوں کا حکم دیا گیا ہے۔

[213] معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر طرف پھیلی ہوئی قتل وغارت گری[6] کے دوران میں عبادت (پر توجہ مرکوز) کرنا، میری طرف ہجرت کرنے کی طرح ہے۔''[7]

[214] معقل بن یسار رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''فتنوں میں عبادت کرنا میری طرف ہجرت کے برابر ہے۔''[8]

[215] سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کا تذکرہ فرمایا جو

---

[1] صحيح البخاري (١٩)

[2] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی کا ذکر کیا، کیونکہ وہ لوگوں سے خالی جگہ ہوتی ہے۔

[3] پتا چلتا ہے کہ کنارہ کشی سے مقصود لوگوں کو اپنے شر سے بچانا ہے نہ کہ خود ان کے شر سے بچنا۔

[4] صحيح البخاري (٢٦٣٤)

[5] فتح الباري (٦/٦-٧)

[6] عبادت کی اس فضیلت کا سبب یہ ہے کہ لوگ عبادت سے غافل ہو کر دوسرے کاموں میں مصروف ہو جاتے ہیں، اس وقت عبادت کی توفیق کم ہی لوگوں کو ملتی ہے۔

[7] صحيح مسلم (٨/٢٠٨)

[8] مسند أحمد (٢٠٣١١) یزید: ابن ہارون۔ امام البانی اور شعیب ارناؤط نے اس کو صحیح کہا ہے۔ صحيح الترمذي (٢٢٠١)

آپ ﷺ کی امت میں ہوں گے، وہ لوگوں میں افتراق کے وقت نکلیں گے، ان کی نشانی سر منڈانا ہوگی، آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ مخلوق کے بدترین لوگ۔ یا مخلوق کے بدترین لوگوں میں سے ہوں گے، ان کو دو گروہوں میں سے وہ (گروہ) قتل کرے گا جو حق کے قریب تر ہوگا۔'' آپ ﷺ نے ان کی مثال بیان کی یا ایک بات ارشاد فرمائی: ''انسان شکار کو۔۔۔ یا فرمایا: نشانے کو تیر مارتا ہے، وہ پھل[1] کو دیکھتا ہے تو اسے (خون کا) نشان نظر نہیں آتا،[2] پیکان اور پر کے درمیانی حصے کو دیکھتا ہے تو کوئی نشان نظر نہیں آتا، وہ سوفار (پچھلے حصے) کو دیکھتا ہے تو کوئی نشان نہیں دیکھتا۔'' حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اہلِ عراق! تم ہی نے ان کو (حضرت علی رضی اللہ عنہ کی معیت میں) قتل کیا ہے۔[3]

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کے لشکر کے لیے جناب ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا گواہی دینا کہ وہ اقرب الی الحق جماعت ہیں، نبی ﷺ کی حدیث کا یہی مفہوم تھا۔

[216] ابوسعید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ (مالِ غنیمت وغیرہ کی) تقسیم فرما رہے تھے کہ عبداللہ بن ذی الخویصرہ تمیمی[4] آیا اور کہا: یا رسول اللہ! انصاف کیجیے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''افسوس! اگر میں انصاف نہیں کروں گا تو اور کون کرے گا؟!'' اس پر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس کی گردن مار دوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ نہیں اس کے کچھ ایسے ساتھی ہوں گے کہ ان کی نماز اور روزے کے سامنے تم اپنی نماز اور روزے کو حقیر سمجھو گے، وہ قرآن تو پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے گلے سے نیچے نہیں اترے گا۔[5] وہ دین سے اس طرح باہر ہو جائیں گے جس طرح تیر شکار میں سے باہر نکل جاتا ہے۔[6] تیر کے پھل (تیر کے سرے پہ لگے ہوئے لوہے کے ٹکرے) کو دیکھا

---

[1] تیر کے سرے پہ لگا ہوا لوہے کا ٹکرا۔

[2] یعنی اسے کوئی ایسی نشانی نظر نہیں آتی جس سے تیر کے شکار کو لگنے پر استدلال کیا جائے، وہ نشانی شکار کا خون ہوتا ہے جو پھل پہ نظر نہیں آ رہا۔

[3] صحیح مسلم (۱۱۳/۳)

[4] ذوالخویصرہ کا تعارف [رقم: ۶۲۸] کے ضمن میں آئے گا۔

[5] یعنی وہ ان پہ کچھ اثر نہیں کرتا۔ مراد یہ ہے کہ نہ وہ اس کا معنی سمجھتے ہیں، نہ ان کے دلوں پہ کوئی خشوع طاری ہوتا ہے، کلام اللہ ان پہ کوئی تاثیر نہیں رکھتا اور وہ اس کے تقاضوں پہ عمل بھی نہیں کرتے، یہ خوارج کی نشانی ہے کہ انھیں دلائل کا علم تو ہے مگر ان کی معرفت نہیں۔

[6] ان کے دین سے نکلنے کو اس تیر کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو شکار کو لگتا ہے اور اس سے نکل جاتا ہے، شکاری کی قوت کے سبب تیر تیزی سے یوں نکلتا ہے کہ شکار کے جسم سے اس پہ کچھ بھی نہیں لگا ہوتا۔

جائے لیکن اس پر کوئی نشان نہیں، پھر اس کے پیکان کو دیکھا جائے[1] وہاں بھی کوئی نشان نہیں، پھر اس کی لکڑی کو دیکھا جائے[2] یہاں بھی کوئی نشان نہیں، پھر اس کے پر کو دیکھا جائے وہاں بھی کوئی نشان نہیں، کیوں کہ وہ گوبر اور خون[3] سب سے آگے (بے داغ) نکل گیا (اسی طرح وہ لوگ اسلام سے صاف نکل جائیں گے) ان کی نشانی[4] ایک سیاہ فام مرد ہوگا۔ جس کا ایک ہاتھ عورت کے پستان کی طرح یا یوں فرمایا کہ گوشت کے تھل تھل کرتے لوتھڑے کی طرح ہوگا۔ یہ لوگ مسلمانوں میں پھوٹ[5] کے زمانے میں پیدا ہوں گے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے یہ حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نہروان میں ان سے جنگ کی تھی اور میں اس جنگ میں ان کے ساتھ تھا اور ان کے پاس ان لوگوں کے ایک شخص کو قیدی بنا کر لایا گیا تو اس میں وہی تمام چیزیں تھیں،[6] جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی تھیں۔[7] راوی نے بیان کیا کہ پھر قرآنِ مجید کی یہ آیت نازل ہوئی کہ ان میں سے بعض وہ ہیں جو آپ کے صدقات کی تقسیم میں عیب پکڑتے ہیں۔

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا یہ کلام: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ علی رضی اللہ عنہ نے (نہروان میں) ان سے جنگ کی تھی اور میں ان کے ساتھ تھا'' اس بات کی دلیل ہے کہ وہ نہروان میں حاضر ہوئے تھے۔

[**217**] سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا: حضرت علی رضی اللہ عنہ جب یمن میں تھے تو انھوں نے کچھ سونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا جو اپنی مٹی کے اندر ہی تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے چار افراد: اقرع بن حابس حنظلی، عیینہ (بن حصین بن حذیفہ) بن بدر فزاری، علقمہ بن علاثہ عامری رضی اللہ عنہ جو اس کے بعد (آگے بڑے قبیلے) بنو کلاب (بن ربیعہ بن عامر) کا ایک فرد تھا اور زید الخیر طائی جو اس

---

① وہ پٹی جس کو مدخلِ پھل کے اوپر لپیٹا جاتا ہے۔

② تیر کی لکڑی جو پر لگانے سے پہلے ہوتی ہے۔

③ یعنی تیر کی تیزی کے سبب شکار کا کوئی خون یا گندگی تیر کو نہیں لگی۔

④ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سیاہ آدمی (ذو الثدیہ) کے وجود کو خوارج کے درمیان ان کی نشانی قرار دیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح طور پہ اس کی نشانی کو بیان کیا، اس کی جلد کا رنگ اور ہاتھوں کی خلقت بیان کر دی۔

⑤ وہ جنگ جو صفین میں ہوئی، جب دونوں لشکروں نے کتاب اللہ کے مطابق تحکیم پر اتفاق کر لیا تو خوارج نے علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کر دی۔

⑥ یعنی ابوسعید رضی اللہ عنہ نے ہو بہو وہی اوصاف دیکھے جو جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیے تھے۔

⑦ صحيح البخاري (٣٤١٤)

کے بعد (آگے بنوطے کی ذیلی شاخ) بنونبہان کا ایک فرد تھا، میں تقسیم فرما دیا، کہا: اس پر قریش ناراض ہو گئے اور کہنے لگے: کیا آپ ﷺ نجدی سرداروں کو عطا کریں گے اور ہمیں چھوڑ دیں گے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ کام میں نے ان کی تالیفِ قلب کی خاطر کیا ہے۔'' اتنے میں گھنی داڑھی ابھرے ہوئے رخساروں، دھنسی ہوئی آنکھوں، نکلی ہوئی پیشانی، منڈھے ہوئے سر والا ایک شخص آیا[1] اور کہا: اے محمد! اللہ سے ڈریں! تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر میں اس کی نافرمانی کروں گا تو اس کی فرمانبرداری کون کرے گا! وہ تو مجھے تمام روئے زمین کے لوگوں پر امین سمجھتا ہے اور تم مجھے امین نہیں سمجھتے؟'' پھر وہ آدمی پیٹھ پھیر کر چل دیا، لوگوں میں سے ایک شخص نے اس کو قتل کرنے کی اجازت طلب کی، ...... بیان کرنے والوں کا خیال ہے کہ وہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس کی اصل سے ایسی قوم ہوگی جو قرآن پڑھے گی لیکن وہ ان کے گلے سے نیچے نہیں اترے گا۔ وہ اہلِ اسلام کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے۔ وہ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر نشانہ بنائے جانے والے شکار سے نکل جاتا ہے، اگر میں نے ان کو پالیا تو میں ہر صورت انھیں اس طرح قتل کروں گا جس طرح (عذاب بھیج کر) قومِ عاد کو قتل کیا گیا۔''[2]

جنابِ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے مروی اس روایت پر عمل کیا (اگر میں ان کو پا لوں تو ضرور بالضرور ان سے قومِ عاد کی طرح قتال کروں گا) تو انھوں نے علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہروان میں شرکت کی۔

پھر جب واقعۂ حرہ ہوا تو ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ایک غار میں الگ تھلگ رہے۔ اس سلسلے میں ان کا ایک قصہ بھی مشہور ہے جس کو ابونضرہ منذر بن مالک عبدی نے روایت کیا ہے۔ انھوں نے کہا: ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ واقعۂ حرہ[3] کے دن ایک غار میں داخل ہوئے تو ایک اور آدمی بھی ان کے پیچھے غار میں داخل ہوا،

---

[1] سر منڈوانا یہ عرب کی مخالفت کی نشانی ہے۔ اہلِ عرب اپنے سر نہیں منڈواتے، بلکہ وہ اپنے بالوں کی مانگ نکالتے ہیں۔

[2] صحیح مسلم (۱۱۰/۳) امام بخاری رحمہ اللہ (۶۹۹۵) نے اس کو ابن ابی نعم سے دو سندوں کے ساتھ بیان کیا ہے۔

[3] واقعۂ حرہ سنہ ۶۳ھ میں پیش آیا۔ البداية والنهاية (۲۳۸/۸، ۲۴۲) فتح الباري لابن حجر (۷۱/۱۳)

اور اس واقعے کا سبب یہ تھا کہ اہلِ مدینہ نے خلافت کے انتخاب میں دوبارہ شوریٰ کی خواہش ظاہر کی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل پر سخت ناراض ہوئے۔ چنانچہ انھوں نے یزید کو معزول کر دیا اور مدینہ میں اس کے گورنر کو بھی ہٹا دیا۔ اس پر یزید نے ان کے خلاف ایک لشکر بھیجا، اور مدینہ کے ایک مقام حرہ پر دونوں کے درمیان جنگ ہوئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یزید کا لشکر غالب آیا اور اہلِ مدینہ کے ایک گروہ کو قتل کر دیا گیا۔ دیکھیے: صحیح البخاري (٦٦٩٤)، البداية والنهاية (٢٣٨/٨) [(٦١٤/١١) دار هجر)]، مواقف المعارضة في عهد يزيد بن معاوية لمحمد بن عبدالهادي بن رزان الشيباني (ص: ٤٥٥)

پھر واپس آیا۔ اس نے شامی لشکر کے ایک بندے کو کہا: میں تمھیں ایک آدمی کے بارے میں بتاتا ہوں، اس کو قتل کر دو۔[1] جب وہ شامی سپاہی اس غار تک پہنچا تو ابوسعید رضی اللہ عنہ کو کہا: (جبکہ ابوسعید رضی اللہ عنہ کے گلے میں تلوار لٹک رہی تھی) باہر نکلو۔ کہا: نہیں، اگر تم میرے پاس آؤ گے تو میں تمھیں قتل کر دوں گا۔[2] شامی سپاہی ان کے پاس گیا تو ابوسعید رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار رکھ دی اور کہا میرے اور اپنے دونوں کے گناہ کو اکٹھا کر لو اور دوزخ والوں میں داخل ہو جاؤ، ظالم لوگوں کا بدلہ یہی ہے۔[3] اس شامی نے کہا: ....

---

[1] یعنی ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے ایک غار میں پناہ لی تاکہ وہاں اپنے آپ کو چھپا لیں اور واقعۂ حرہ کے فتنے سے محفوظ رکھیں۔ وہ غار میں لوگوں سے الگ تھلگ تھے کہ اس دوران میں ایک آدمی غار میں داخل ہوا جس سے بے خوف نہیں ہوا جا سکتا تھا، کیونکہ روایت کے سیاق سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ وہ آدمی مدنی نہیں تھا تو کم از کم وہ شام والوں میں سے نہیں تھا۔ پھر وہ بندہ اس کوشش میں نکلا کہ ان کے راز کو ظاہر کر دے اور کسی طریقے سے ان کو قتل کروا دے۔
اس نے شامی لشکر سے ایک سپاہی کو دیکھا تو اسے یہ بات بتائی اور ترغیب دلائی کہ وہ جا کے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو قتل کر دے اور غار کے بارے میں اسے بتایا۔ شاید کہ وہ بے وفائی کرنے والا آدمی ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبے سے اچھی طرح واقف تھا، اس نے چاہا کہ وہ شامی لشکر میں ایک مقام و مرتبہ حاصل کر لے جب اس نے انھیں لڑتے اور قتال کرتے ہوئے دیکھا۔ اس امید کے ساتھ کہ اسے بھی اس مال میں سے حصہ مل جائے جو انھیں ملنا ہے۔
اس غدار کی خباثت یہ تھی کہ اس نے شامی سپاہی کو اس بندے کے نام کے بارے میں نہیں بتایا جو غار میں تھا، کیونکہ اس کی بڑی کوشش اور چاہت تھی کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا جائے۔ اسے اس بات کا خدشہ تھا کہ اگر سپاہی کو ان کے نام کے بارے میں بتا دیا تو وہ سپاہی ان کے ورع اور تقویٰ کی وجہ سے قتل کرنے سے رُک گیا تو موقع اس کے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ لیکن شامی سپاہی نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے بارے میں تفتیش وغیرہ کی کہ ان کا نام یہی ہے۔

[2] ان کا مقصود یہ تھا کہ شامی سپاہی کے دل میں خوف ڈالا جائے اور اسے فتنوں میں داخل ہونے سے روکا جائے لیکن اس سے وہ سپاہی نہیں ڈرا اور ان کے پاس غار میں چلا گیا۔

[3] یعنی ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے اپنا اسلحہ چھوڑا اور زمین پر رکھ دیا، اس بنیاد پر کہ وہ کسی بھی مسلمان بھائی کو قتل نہیں کریں گے اور وہ سمجھتے تھے کہ اس مسئلے میں قتل ہو جانا قتل کرنے کی نسبت زیادہ اچھا ہے۔ سو انھوں نے اس شامی سپاہی کو نصیحت کی اور اسے قابیل کا قصہ بیان کیا جس نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا تھا، پھر ندامت کا شکار ہوا اور خسارے میں رہا۔

اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿27﴾ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿28﴾ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿29﴾ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿30﴾ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ

ابو سعید خدری کیا آپ ہیں؟[1] کہا: ہاں میں ہوں۔ اس نے کہا: میرے لیے بخشش طلب کر دیں تو جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ تمھیں بخش دے۔[2]

تو آخر یہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ جو اس حدیث کے راوی ہیں جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید کرنے سے منع کیا گیا ہے تو انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی اس روایت پر عمل کیا، کسی صحابی کو برا بھلا نہیں کہا، نہ ان میں سے کسی پر کوئی تنقید کی۔ فتنوں میں ان کے نظریات و خیالات یہی تھے۔

[218] سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرے اصحاب کو برا بھلا مت کہو۔ اگر کوئی شخص اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا (اللہ کی راہ میں) خرچ کر ڈالے تو ان کے ایک مد غلہ کے برابر بھی نہیں ہو سکتا اور نہ ان کے آدھے مد کے برابر۔''[3]

7- سیدنا ابو بَرزہ اسلمی، نَضلہ بن عُبَید رضی اللہ عنہ

وہ قدیم الاسلام تھے۔ فتح مکہ اور فتح خیبر میں شریک ہوئے۔

← ﴿فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ۭ قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ﴾ [المائدة: ٢٧- ٣١] ''آدم صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں بیٹوں کا کھرا کھرا حال بھی انھیں سنا دو۔ ان دونوں نے ایک نذرانہ پیش کیا، ان میں سے ایک کی نذر قبول ہوگئی اور دوسرے کی مقبول نہ ہوئی تو کہنے لگا کہ میں تجھے مار ہی ڈالوں گا، اس نے کہا: اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں کا ہی عمل قبول کرتا ہے۔ گو تو میرے قتل کے لیے دست درازی کرے لیکن میں تیرے قتل کی طرف ہرگز اپنے ہاتھ نہیں بڑھاؤں گا، میں تو اللہ تعالیٰ پروردگارِ عالم سے خوف کھاتا ہوں۔ میں تو چاہتا ہوں کہ تو میرا گناہ اور اپنا گناہ اپنے سر پر رکھ لے اور دوزخیوں میں شامل ہو جائے ظالموں کا یہی بدلہ ہے۔ پس اسے اس کے نفس نے اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر دیا، چنانچہ اس نے اسے قتل کر ڈالا جس سے نقصان پانے والوں میں سے ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک کوے کو بھیجا جو زمین کھود رہا تھا، تاکہ اسے دکھائے کہ وہ کس طرح اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دے، وہ کہنے لگا: ہائے افسوس کہ میں ایسا کرنے سے بھی گیا گزرا ہو گیا ہوں کہ اس کوے کی طرح اپنے بھائی کی لاش کو دفنا دیتا، پھر تو (بڑا ہی) پشیمان اور شرمندہ ہو گیا۔''

[1] یعنی اس شامی سپاہی نے کہا: ابو سعید خدری آپ ہیں؟ جبکہ اس نے ابو سعید رضی اللہ عنہ کے ورع، تقویٰ اور فتنوں سے ان کے فرار کے سبب ان کو پہچان لیا تھا۔ جب اس نے پہچان لیا تو کہا: میرے لیے بخشش طلب کر دیں، اس کی وجہ ان کا عظیم مقام و مرتبہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی صحبت اور ان کے فضائل تھے۔

[2] تاریخ خلیفة (ص: ٢٣٩) اسی سند سے ابن عساکر (٢٠/٣٩٤) نے بیان کیا ہے۔ اس کی سند صحیح ہے، میں نے اس کا اثبات ''تاریخ دمشق'' سے کیا ہے۔ اس کی اسناد، تخریج اور تفصیل کا ذکر، [رقم: ٦٢٥، ٦٢٦] میں آئے گا۔

[3] صحیح البخاري (٣٤٧٠) ذکوان: ابو صالح السمان۔

بصرہ میں سکونت اختیار کی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک مدت تک قیام پذیر رہے۔ ان کا انتقال سنہ ۶۴ھ میں ہوا۔[1]

خطیب بغدادی نے کہا: ابو برزہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں سکونت اختیار کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فتح مکہ میں شریک ہوئے، پھر بصرہ منتقل ہوئے اور وہیں قیام کیا۔ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہروان میں خوارج کے خلاف جنگ میں شریک ہوئے اور اُن کے ساتھ مدائن بھی گئے۔ بعد ازاں خراسان کے معرکوں میں بھی شریک ہوئے اور وہیں وفات پائی۔[2]

تراجم کی کتابوں نے ابو برزہ رضی اللہ عنہ کے متعدد واقعات نقل کیے ہیں، جن میں سے کچھ یہ ہیں:

⊙ کہا گیا ہے کہ وہ صفین میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک ہوئے تھے۔ اسے جاحظ[3] نے ذکر کیا ہے اور یہ غلط ہے، کیونکہ وہ نہروان میں علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک ہوئے تھے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں سے کوئی شخص نہروان میں علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہیں لڑا۔

⊙ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ صفین میں علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک ہوئے تھے، مگر یہ بھی درست نہیں۔

ابن اثیر اور ابن حجر رحمہما اللہ نے کہا: ثعلبہ بن ابی برزہ نے روایت کیا کہ ان کے والد صفین اور نہروان میں علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک ہوئے تھے۔[4]

اور اس میں درست بات یہ ہے کہ انھوں نے جنگِ جمل اور صفین کے فتنوں سے کنارہ کشی اختیار کی، البتہ نہروان میں امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک ہوئے۔ اور جن لوگوں نے ابو برزہ رضی اللہ عنہ کی صفین میں شمولیت کا ذکر کیا ہے، انھوں نے صرف ثعلبہ کی روایت پر اعتماد کیا ہے اور وہ روایت صحیح نہیں ہے، اور کسی صحابی کا کوئی موقف ایسی خبر کی بنیاد پر ثابت نہیں کیا جا سکتا جو صحیح نہ ہو۔

[219] ہمیں قاضی ابو احمد محمد بن احمد بن ابراہیم[5] اور ابو محمد بن حیان[6] نے بیان کیا، دونوں کہتے

---

[1] سیر أعلام النبلاء (۳/۴۱) ان کے نام میں اختلاف کیا گیا ہے۔

[2] تاریخ بغداد (۱/۱۹۵)

[3] تاریخ دمشق (۶۲/۸۴) جاحظ نے اس روایت کو بلا سند ذکر کیا ہے۔

[4] أسد الغابة (۵/۳۳۶) الإصابة (۶/۴۳۴)

[5] العسال، الاصبہانی، الحافظ، یہ حدیث کے ایک جلیل القدر امام تھے، اور کئی تصانیف کے مولف تھے، جن میں سے ایک المعجم ہے۔ انھوں نے اس کتاب میں چار سو شیوخ سے روایت کی۔ ان کا انتقال ۳۸۲ھ میں ہوا۔ سیر أعلام النبلاء (۱۶/۶)

[6] امام، حافظ، صادق، محدثِ اصبہان، ابو محمد عبداللہ بن محمد بن جعفر بن حیان، المعروف بابی الشیخ۔ کئی کتب کے ←

ہیں کہ ہمیں عامر بن عقبہ بن خالد بن عامر بن ثعلبہ بن ابی برزہ اسلمی نے بیان کیا۔ دونوں کہتے ہیں کہ ہمیں عامر[1] بن عقبہ بن خالد بن عامر بن ثعلبہ بن ابی برزہ اسلمی نے بیان کیا۔ کہا: مجھے میرے باپ نے بیان کیا، یہ الفاظ پانچ دفعہ کہے، پھر کہا: مجھے میرے باپ ابو برزہ اسلمی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: جب اُحد کا دن آیا اور نبی کریم ﷺ زخمی ہوئے، آپ ﷺ کا سامنے والا دانت شہید ہوا، خود (لوہے کی ٹوپی) آپ ﷺ کے سر سے ٹوٹ گئی اور آپ ﷺ بے ہوش ہو کر گر پڑے، تو میں نے آپ ﷺ کا سر اپنی گود میں رکھا، جب آپ کو افاقہ ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: نَصلَہ؟ میں نے عرض کی: جی ہاں، میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، اے اللہ کے رسول! تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تجھ پر، تیرے دین پر اور تیرے بعد آنے والی تیری نسل پر برکت نازل فرمائے۔'' ثعلبہ کہتے ہیں: میرے والد علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ تمام معرکوں میں شریک ہوئے: جمل، صفین اور نہروان۔[2] اور جو بات صحیح ہے وہ یہ ہے کہ ابو برزہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے آپس کے باہمی قتال کو شدید ناپسند کرتے تھے۔

[220] ابومنہال سیار بن سلامہ روایت کرتے ہیں کہ جس زمانے میں ابن زیاد[3] نے خروج کیا تو

← مصنف ہیں جن میں ''العظمة'' اور ''طبقات المحدثين بأصبهان'' شامل ہیں۔ محدثین کی ایک جماعت نے ان کی توثیق کی ہے، ان میں مردویہ، خطیب اور دوسرے محدثین شامل ہیں۔ امام ذہبی نے کہا کہ ابوالشیخ کا شمار عامل بالعلم علماء میں ہوتا ہے، صاحبِ سنت اور متبعِ سنت آدمی تھے۔ اے کاش! ان کی تصانیف میں بہت زیادہ ضعیف روایات نہ ہوتیں۔ سنہ ۳۶۹ھ میں فوت ہوئے۔ سير أعلام النبلاء (٢٧٦/١٦)

① ابوالحسن: ثقہ، صدوق ہے۔ یہ بات ابوالشیخ، ابونعیم اور اصبہانی نے کی ہے۔ دیکھیے: طبقات المحدثين بأصبهان (٥٥٠/٣) أخبار أصبهان (٤٦٥/١) تاريخ الإسلام (٣١٤/٢٣)

② أخبار أصبهان (٤٦٥/١) اس کی سند سخت ضعیف ہے۔ اس میں مسلسل مجہول رواۃ آتے ہیں، عقبہ سے لے کر اوپر تک سوائے صحابی کے۔ ان کا تعارف مجھے تراجم کی کسی بھی کتاب میں نہیں ملا۔

تخریج الحدیث: اس روایت کو ابوالشیخ نے طبقات المحدثين بأصبهان (٥٥٠/٣) میں اسی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اس کے آخر میں یہ جملہ نہیں ہے: (ثعلبہ نے کہا: میرے باپ نے علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شرکت کی ہے۔) اسے ابن عساکر (٩٤/٦٢) نے ابونعیم کے طریق سے روایت کیا ہے۔ مطبوعہ نسخے میں اس کی اسناد میں اسقاط واقع ہوا ہے۔

اسی روایت کو سراج بلقینی نے ابونعیم سے محاسن الإصلاح (ص: ٥٤٨) میں ''مسلسل بخمسة آباء يروي بعضهم عن بعض'' کی مثال میں لے کر آئے ہیں۔ (مطبوع ضمن مقدمة ابن الصلاح بتحقيق بنت الشاطئ)

③ عبیداللہ بن زیاد بن أبیہ: یہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں بصرہ کے والی تھے، پھر یزید کے عہد میں بھی اسی عہدے پر فائز رہے۔

مروان نے شام پر اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے مکہ اور قراء [1] نے بصرہ پر حملہ کیا۔ عوف کہتے ہیں کہ ابوالمنہال نے فرمایا: میرے والد بہت زیادہ غمگین ہوئے اور راوی کہتے ہیں: حضرت ابوالمنہال اپنے والد کی اچھی تعریف کرتے تھے۔ ابوالمنہال نے فرمایا: مجھ سے میرے والد نے کہا کہ اے بیٹے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے اس آدمی کی طرف ہمیں لے چلو، پس ہم حضرت ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی طرف نکلے ایک ایسے دن میں جو سخت گرمی والا تھا، پس وہ بیٹھے ہوئے تھے بلند سائے میں، جو ان کے لیے بانس سے بنایا گیا تھا۔ میرے والد ان سے گفتگو کرنا چاہتے تھے، میرے والد نے کہا: اے ابو برزہ! کیا آپ دیکھ نہیں رہے؟ کیا آپ دیکھ نہیں رہے؟ تو پہلی بات جو انھوں نے کہی، فرمایا: میں قریش کے قبائل [2] پر ناراض ہوں۔ یقیناً اے عرب کے قبائل! تم اس قلت اور جاہلیت پر تھے جس کے متعلق تمھیں اچھی طرح معلوم ہے۔

اور بے شک اللہ تعالیٰ نے تمھیں اسلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے بلند کیا، یہاں تک کہ تم اس حالت پر پہنچ گئے جو تم دیکھ رہے ہو، اور یہ دنیا ہی ہے جس نے تمھارے درمیان فساد برپا کر دیا ہے۔ بے شک یہ جو شام میں ہے، ان کی مراد مروان سے تھی، بخدا وہ صرف دنیا کے لیے لڑ رہا ہے، اور یہ جو تمھارے گرد ہیں جنھیں تم اپنے قراء کہتے ہو بخدا یہ بھی فقط دنیا کے لیے لڑ رہے ہیں۔ ابوالمنہال راوی فرماتے ہیں کہ جب انھوں نے کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑا تو ان سے میرے والد نے کہا کہ آپ کی کیا رائے ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: میں تو آج اس جماعت سے بہتر کسی کو نہیں سمجھتا جو زمین سے چپکی ہوئی ہو، ان کے پیٹ لوگوں کے مالوں سے خالی ہوں، ان کی کمریں لوگوں کے خونوں کی ذمے داری سے فارغ ہوں۔ [3]

---

[1] یہ قاری کی جمع ہے۔ اس سے مراد خوارج ہیں، انھوں نے عبیداللہ بن زیاد کے خروج کے بعد بصرہ میں جنگ اور فتنے کو بھڑکایا۔ ان کا رئیس نافع بن ازرق تھا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کا ارادہ ان لوگوں کے ساتھ قتال کا تھا جنھوں نے قتلِ حسین رضی اللہ عنہ کی وجہ سے قتال پر بیعت کی تھی اور ان کو بکاؤون بھی کہا جاتا تھا۔ یہ بصرہ سے شام کی طرف چل نکلے، وہاں ان کا سامنا مروان کے لشکر سے عبیداللہ بن زیاد کے ساتھ ہوا اور عین الوردہ کے مقام پر یہ قتل کر دیے گئے۔

[2] یعنی ان کے دنیا پر قتال کرنے کے سبب میں ان سے ناراض ہو گیا ہوں۔

[3] مصنف ابن أبي شيبة (٣٨٢٨٣) اس روایت کی سند صحیح ہے، راوی سارے کے سارے ثقہ ہیں اور رجال الشیخین ہیں۔

عوف: وہ اعرابی ہیں۔ فتح الباري (٧٢/١٣)

تخریج الحدیث: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کو اپنی الصحیح (٦٦٩٥) میں نقل کیا ہے: ہمیں احمد بن یونس نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابوشہاب نے عوف سے ایسے ہی بیان کیا۔ مگر اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں: ''جب اس نے کسی ایک کو بھی نہ چھوڑا تو کہا، ......۔''

←

یہ سارے واقعات ابن زیاد، مروان، ابن زبیر رضی اللہ عنہما اور خوارج کے درمیان پیش آئے اور یہ سنہ ٦٤ھ اور ٦٥ھ کے واقعات ہیں۔

قولہ: ''ان کے پیٹ خالی ہوں'' ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: ان الفاظ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جناب ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی رائے یہی تھی کہ فتنوں میں الگ تھلگ رہا جائے اور مسلمانوں کے ساتھ قتال میں کسی بھی طرح سے کوئی حصہ نہ ڈالا جائے۔ خاص طور پر جب وہ لڑائی بادشاہت کی بنیاد پر ہو۔ اس میں اہلِ علم اور اہلِ دین کے لیے بھی ایک نصیحت ہے کہ فتنوں کے برپا ہونے کے وقت ان کی ذمے داری یہ ہے کہ جو بندہ ان سے مشورہ کرے تو اس کو نصیحت کریں اور اس میں یہ بھی ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں زبانی طور پر اکتفا کریں اور اگرچہ وہ نصیحت کسی منکر پر اس کی غیر موجودگی میں ہو تاکہ سننے والا اس سے نصیحت پکڑے اور اس میں داخل ہونے سے بچ جائے۔[1]

قولہ: ''میں قریش کے قبائل سے ناراض ہو گیا ہوں۔'' امام بخاری رحمہ اللہ کے الفاظ یہ ہیں: ''میں اللہ تعالیٰ سے اجر کی امید پہ قریش کے قبائل سے ناراض ہو گیا ہوں۔'' ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان سارے گروہوں سے ناراضی کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے اجر کے مستحق تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی بنیاد پر محبت رکھنا اور اس کی بنیاد پر کسی سے بغض رکھنا یہ ایمان کی علامات میں سے ہے۔[2]

ان کا جنگِ نہروان میں امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک ہونا:

[**221**] ابومجلز روایت کرتے ہیں کہ وہ لوگ جنھوں نے علی رضی اللہ عنہ کے خلاف نہروان میں بغاوت کی وہ چار ہزار کی تعداد میں تھے تو مسلمانوں نے ان سے قتال کیا اور انھیں قتل کر دیا، تب مسلمانوں کے نو لوگ

← اسی روایت کو یعقوب بن سفیان نے "المعرفة والتاريخ" میں، امام بیہقی نے السنن الکبریٰ (١٦٨١٠) میں اور ابوبکر القطیعی نے اس کو "القطيعيات" میں نقل کیا ہے۔ جیسا کہ یہ تاریخ دمشق (٩٧/٦٢) میں بھی موجود ہے۔ امام حاکم نے المستدرك (٨٤٥٢) میں، ابونعیم نے حلية الأولياء (٣٢/٢) میں عوف سے دو سندوں کے ساتھ ایسے ہی نقل کیا ہے۔ امام قطیعی نے اس کے آخر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک اور حدیث بھی روایت کی ہے جس کا تعلق نماز کے اوقات سے ہے۔ امام حاکم نے اس کو اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔

ابن حجر نے فتح الباري (٧٢/١٣) میں کہا: اس روایت کو یعقوب بن سفیان نے اپنی تاریخ میں بھی بیان کیا ہے۔

[1] فتح الباري (٧١/١٣)

[2] فتح الباري (٧١/١٣)

قتل ہوئے۔ اگر تم تفصیل چاہتے ہو تو ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کے پاس چلے جاؤ ان سے پوچھ لو وہ اس واقعے میں شریک تھے۔[1]

ایسے ہی ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے اہواز کے مقام پر عبدالملک بن مروان کے زمانے میں مہلب بن ابی صفرہ اور اس کے ساتھ موجود خوارج سے بھی قتال کیا۔[2]

[**222**] ازرق بن قیس بیان کرتے ہیں کہ ہم اہواز میں (جو بصرہ اور ایران کے بیچ میں کئی بستیاں ہیں) خارجیوں سے جنگ کر رہے تھے۔ ایک بار میں نہر کے کنارے بیٹھا تھا۔ اتنے میں ایک شخص (ابو برزہ صحابی رضی اللہ عنہ) آیا اور نماز پڑھنے لگا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اس کے گھوڑے کی لگام اس کے ہاتھ میں ہے۔ اچانک گھوڑا اس سے چھوٹ کر بھاگنے لگا۔ تو وہ بھی اس کا پیچھا کرنے لگا۔[3] شعبہ نے کہا: یہ ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ دیکھ کر خوارج میں سے ایک شخص کہنے لگا کہ اے اللہ! اس شیخ کا ناس کر۔[4] جب وہ شیخ واپس لوٹے تو فرمایا کہ میں نے تمھاری باتیں سن لی ہیں اور (تم کیا چیز ہو؟) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چھے یا سات یا آٹھ جہادوں میں شرکت کی ہے اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آسانیوں کو دیکھا ہے۔ اس لیے مجھے یہ اچھا معلوم ہوا کہ اپنا گھوڑا ساتھ لے کر لوٹوں نہ کہ اس کو چھوڑ دوں وہ جہاں چاہے چل دے اور میں تکلیف اٹھاؤں۔[5]

[**223**] ازرق بن قیس نے بیان کیا کہ اَہواز نامی ایرانی شہر میں ہم ایک نہر کے کنارے تھے جو

---

[1] المعرفة والتاريخ (٣/٣١٥) اس کی سند صحیح ہے۔ راوی ثقہ ہیں، شیخین کے راوی ہیں، سوائے عمران کے، یہ امام مسلم کا راوی ہے۔ ابو مجلز نے اس حادثے کا زمانہ نہیں پایا، لیکن روایت کا ظاہر یہ بتاتا ہے کہ انھوں نے ابو برزہ سے سماع کیا ہے۔ اور اس سند کے ساتھ یہ روایت درست ہے۔

تخریج الحدیث: خطیب نے اس روایت کو تاریخ بغداد (١/١٩٥) میں یعقوب بن سفیان کی سند سے بیان کیا ہے۔ ابن کثیر نے اس کو اپنی التاریخ (٦/٢٤٣) میں اور حافظ ابن حجر نے فتح الباري (١٢/٢٩٦) میں یعقوب سے روایت کیا ہے۔ امام طبری نے اس کو اپنی التاریخ (٣/١٢٣) میں روایت کیا اور کہا: ابو مخنف نے کہا: مجھے عمران بن حدیر نے بیان کیا، وہ ابو مجلز سے، وہ عبدالرحمٰن بن جندب بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے کوئی بھی قتل نہیں ہوا سوائے سات لوگوں کے۔

[2] الإصابة (٦/٤٣٤)

[3] اس نے لگام کو سختی کے ساتھ باندھا تاکہ وہ آگے پیچھے نہ ہو جائے تو انھوں نے گھوڑے کی لگام کے ساتھ ہی چلنا شروع کر دیا۔ پتا یہ چلتا ہے کہ وہ تھوڑا سا چلے تھے۔

[4] یعنی ان کے خلاف بد دعا کرتا اور انھیں برا بھلا کہتا۔

[5] صحيح البخاري (١١٥٣)

خشک پڑی تھی، پھر ابو برزہ اسلمی صحابی گھوڑے پر تشریف لائے اور نماز پڑھی اور گھوڑا چھوڑ دیا۔ گھوڑا بھاگنے لگا تو آپ نے نماز توڑ دی اوراس کا پیچھا کیا، آخر اس کے قریب پہنچے اور اسے پکڑ لیا۔ پھر واپس آ کر نماز قضا کی۔[1]

ہمارے درمیان ایک شخص (خارجی) تھا جو ایک رائے رکھتا تھا،[2] وہ کہنے لگا کہ اس بوڑھے کو دیکھو، اس نے گھوڑے کے لیے نماز توڑ ڈالی۔ ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ نماز سے فارغ ہو کر آئے اور کہا: جب سے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا ہوا ہوں، کسی نے مجھ کو ملامت نہیں کی اور انھوں نے کہا کہ میرا گھر یہاں سے دور ہے، اگر میں نماز پڑھتا رہتا اور گھوڑے کو بھاگنے دیتا تو اپنے گھر رات تک بھی نہ پہنچ پاتا اور انھوں نے بیان کیا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہا ہوں اور میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آسان صورتوں کو اختیار کرتے دیکھا ہے۔[3]

8- سیدنا ابو ایوب الانصاری خالد بن زید بن کلیب الخزرجی رضی اللہ عنہ

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر، بیعتِ عقبہ اور دیگر تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ ہی کے گھر قیام فرمایا، اور وہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مقیم رہے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجدِ نبوی اور اپنے حجرات تعمیر فرمائے۔ ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی مسلسل جہاد کا سلسلہ جاری رکھا، یہاں تک کہ قسطنطنیہ کی ایک مہم میں آپ کی وفات ہوگئی۔ آپ کو قسطنطنیہ کی فصیل کے قریب دفن کیا گیا۔ اس غزوے کے سالار یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ تھے، اور یہ واقعہ سنہ ۵۱ھ کا ہے۔[4] ابو ایوب رضی اللہ عنہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خاص ساتھیوں میں سے بھی شمار ہوتے تھے۔

اہلِ سیر و تذکرہ کا اس بات پر کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگِ نہروان میں شرکت کی، بلکہ آپ اس موقعے پر لشکر کے اگلے حصے (مقدمہ)[5] کے

---

[1] یعنی نماز وہیں سے شروع کی جہاں سے چھوڑی تھی، ان کی نماز کا حکم خائف کی نماز والا ہی تھا۔ فتح الباري لابن رجب (۳۳۹/۹) اسماعیلی کے نزدیک عمرو بن مرزوق کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''تو سواری ان کے قبلے کی طرف چل نکلی، وہ چلے اور اس کو پکڑا، پھر الٹے قدموں پہ واپس آ گئے۔'' فتح الباري لابن حجر (۷۲/۳)

[2] اس کا موقف سنت کے مخالف تھا، یعنی خوارج والے نظریات رکھتا تھا۔ یعنی فاسد رائے رکھتا تھا۔

[3] صحيح البخاري (٥٧٧٦)

[4] معرفة الصحابة لأبي نعيم (۹۳۳/۲) سير أعلام النبلاء (٤٠٢/٢)

[5] دیکھیے: جنگِ نہروان میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی شرکت کا واقعہ: تاريخ الطبري (۱۲۱/۳)

سپہ سالار بھی تھے۔ البتہ فتنوں کے دوران پیش آنے والی دیگر جنگوں (جیسے جمل وصفین) میں آپ کی شرکت کے حوالے سے مورخین کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے:

- ابن کلبی، ابن اسحاق، ابو القاسم بغوی اور امام ذہبی کا کہنا ہے کہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے جنگِ جمل اور جنگِ صفین دونوں میں شرکت کی تھی۔[1]
- اور واقدی اور ابن العدیم نے یہ ذکر کیا ہے کہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے صرف جنگِ صفین میں شرکت کی تھی۔[2]
- جبکہ شعبی اور حکم بن عتیبہ کندی نے حضرت ابو ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ کی جنگِ جمل اور صفین میں شرکت کی نفی کی ہے۔ اسی قول کو جلال الدین سیوطی اور شوکانی نے اختیار کیا ہے، چنانچہ ان دونوں نے کہا: حضرت ابو ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ نے صفین میں شرکت نہیں کی۔[3]

[**224**] شعبہ بیان کرتے ہیں: میں نے حکم سے پوچھا: کیا ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے صفین میں شرکت کی؟ انھوں نے کہا: نہیں، لیکن انھوں نے یوم النہر (یعنی جنگِ نہروان) میں شرکت کی۔[4]

---

[1] الاستيعاب (١٦٠٦/٤) معجم الصحابة للبغوي (٢١٨/٢) تاريخ الإسلام (٣٣٠/٤)

[2] بغية الطلب في تاريخ حلب (٣٠٣٣/٧) تهذيب التهذيب (٩١/٣)

[3] اللآلي المصنوعة (٣٧٤/١)، الفوائد المجموعة (ص: ٤٠٠) تنزيه الشريعة المرفوعة (ص: ٣٧١، ح: ٨٧)

[4] مصنف ابن أبي شيبة (٣٩٠٣٤) یہ روایت شواہد کی بنا پر جید ہے اور اس کی سند منقطع ہے، مگر اس کے راوی سب ثقہ ہیں، اور شیخین (بخاری ومسلم) کے رجال میں شامل ہیں۔ شبابہ: ابن سوار فزاری ہیں۔ الحکم: ابن عتیبہ الکندی ہیں، جو ان کے موالی (آزاد کردہ غلام یا تابع) تھے۔

شواہد: اس روایت کی تائید شعبی کے قول سے بھی ہوتی ہے، جسے طبری نے روایت کیا ہے [٢٢٦]، اور یہ روایت شواہد کے ساتھ مل کر جید (قابلِ اعتماد) شمار ہوتی ہے۔

تخریج: اس روایت کو امام ابو جعفر محمد بن عبداللہ بن عمار الموصلی نے اپنی کتاب "علل الحديث ومعرفة الشيوخ" میں روایت کیا ہے، جیسا کہ تاريخ بغداد (١٦٥/١) میں منقول ہے: ہمیں اسماعیل نے خبر دی، اُس نے شعبہ سے۔ اسماعیل: ابن علیہ ہیں، جیسا کہ "بغية الطلب" میں صراحت کے ساتھ آیا ہے۔

اس روایت کو ابن عساکر نے تاريخ دمشق (٥٣/١٦) اور ابن العدیم نے بغية الطلب (٣٠٣٣/٧) میں، الخطیب کے واسطے سے روایت کیا ہے۔ مزید دیکھیے: موارد ابن عساكر في تاريخ دمشق (١٦٨٩/٣)، (٢١٨/١)

اور خلیفہ بن خیاط نے اسے اپنی التاریخ (ص: ١٩٦) میں یوں روایت کیا: ہمیں اس شخص نے حدیث سنائی جس نے شعبہ کو سنا۔

[**225**] مجھے شعبہ کے بارے بتایا گیا، اس نے کہا: میں نے حکم سے پوچھا: حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کون سی جنگ میں شرکت کی تھی؟ تو انھوں نے کہا: انھوں نے ان کے ساتھ حروراء (یعنی جنگِ نہروان) میں شرکت کی تھی۔[1]

اور یہ جواب اس بات کی دلیل ہے کہ حکم بن عتیبہ نے جمل اور صفین میں ان (ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ) کی شرکت کی نفی کی ہے اور نہروان میں ان کی شرکت کو ثابت کیا ہے۔

ذہبی نے کہا: امام حاکم نے کہا: ابو ایوب نے علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ صفّین میں شرکت نہیں کی۔[2] مطبوعہ نسخے میں یہی عبارت ہے، البتہ امید ہے کہ "الحاکم" کا لفظ "الحکم" سے تصحیف نہ ہو گیا ہو، کیونکہ الحکم بن عتیبہ وہی راوی ہیں جن کی سابقہ روایت میں یہی بات آئی ہے۔

[**226**] امام شعبی کہتے ہیں: قسم ہے اُس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں! اُس معاملے (یعنی علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خروج) میں صرف چھے بدری صحابہ شریک ہوئے، ان کا کوئی ساتواں نہ تھا۔ راوی کہتا ہے: میں نے کہا: کیا آپ دونوں (راوی اور شعبی) میں اختلاف ہے؟ تو کہا: ہم میں اختلاف نہیں، بات صرف اتنی ہے کہ شعبی کو ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے بارے میں شک تھا: کیا وہ اس وقت نکلے تھے جب اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے صفین کے بعد انھیں علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا، یا نہیں نکلے؟ البتہ بات واضح ہے کہ وہ علی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تھے اور اُس وقت علی رضی اللہ عنہ نہروان میں موجود تھے۔[3]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے تعارف میں فرمایا: جب حضرت علی رضی اللہ عنہ عراق کی طرف روانہ ہوئے تو انھوں نے حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کو مدینہ پر اپنا خلیفہ (نائب) مقرر فرمایا، پھر بعد میں حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ اُن کے پاس جا پہنچے، اور اُن کے ساتھ خوارج کے خلاف جنگ میں شریک ہوئے۔ یہ بات حکم بن عتیبہ نے کہی ہے۔[4]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کو (مدینہ پر) خلیفہ مقرر کرنا، اس بات کو لازم کرتا ہے کہ انھوں نے جنگِ جمل میں شرکت نہیں کی۔

---

[1] الطبقات الكبرى (٣/٤٨٤) سابقہ روایت کی طرح جید ہے، اس کی سند میں ابن سعد اور شعبہ کے درمیان انقطاع ہے۔

[2] سير أعلام النبلاء (٢/٤١٠)

[3] تاريخ الطبري (٣/٦) روایت شواہد کی بنا پہ جید ہے۔ اس کی سند ضعیف ہے، یہ روایت شواہد کے ساتھ [رقم: ۴۳] پہ گزر چکی ہے۔

[4] الإصابة (٢/٢٣٤)

اور ابن حجر رحمہ اللہ کا کلام اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ مدینہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس واقعہ نہروان سے کچھ ہی پہلے پہنچے تھے۔ بلکہ شعبی کا بیان تو صراحتاً دلالت کرتا ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس صرف نہروان کے دن ہی پہنچے تھے، چنانچہ وہ جنگِ جمل میں شریک ہوئے اور نہ ہی صفین میں۔

اور شعبی کو اس میں شک تھا کہ آیا ابو ایوب رضی اللہ عنہ جنگِ صفین کے فوراً بعد علی رضی اللہ عنہ کے پاس روانہ ہوئے یا کچھ تاخیر سے؟ لیکن اس نے اس بات پر یقین ظاہر کیا کہ ابو ایوب رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس اس وقت پہنچے جب وہ نہروان میں تھے، چنانچہ انھوں نے وہ معرکہ ان کے ساتھ شریک ہو کر دیکھا۔

پس درست بات یہی ہے کہ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے جنگِ جمل اور صفین سے کنارہ کشی اختیار کی۔ اور رہی یہ بات کہ بعض نے اُن کے ان دونوں جنگوں میں شریک ہونے کا ذکر کیا ہے، تو اُن کے پاس اس کے لیے کوئی معتبر سند موجود نہیں ہے۔

صفین میں ان کی شرکت کے قائلین نے جو سب سے بہتر دلیل پیش کی ہے، وہ آنے والی روایت ہے۔

ان کا دعویٰ ہے کہ ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے یہ روایت بیان کی تھی جب وہ صفین کی طرف روانہ ہو رہے تھے۔

[227] ابو صادق کہتے ہیں کہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ عراق آئے، تو ازدیوں نے انھیں کچھ اونٹ بطور ہدیہ پیش کیے، جنھیں وہ میرے ساتھ بھیج چکے تھے۔ میں اندر گیا، انھیں سلام کیا اور عرض کی: اے ابو ایوب! اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور ان کے آپ کے ہاں قیام سے سرفراز فرمایا، پھر مجھے آپ لوگوں سے قتال کے لیے نکلے ہوئے کیوں نظر آتے ہیں؟ کبھی ان کے خلاف اور کبھی ان کے خلاف؟ تو انھوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ وصیت فرمائی تھی کہ ہم علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ناکثین سے قتال کریں، سو ہم ان سے قتال کر چکے، اور ہمیں یہ بھی وصیت کی تھی کہ قاسطین سے بھی ان کے ساتھ قتال کریں، تو ہم اسی جانب جا رہے ہیں، یعنی معاویہ اور ان کے ساتھیوں کی طرف۔ اور ہمیں یہ بھی وصیت کی تھی کہ ہم علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مارقین[1] سے قتال کریں، لیکن وہ مجھے ابھی تک نظر نہیں آئے۔[2]

---

[1] یعنی خوارج۔

[2] تاریخ دمشق (۱۶/۵۳-۵۴) [کتاب صفین از ابن دیزیل، [رقم: ۳۰]، میری جمع و تحقیق کے ساتھ] ابن فُضَیل: محمد بن فُضَیل بن غزوان الضبی ہے۔ مزید دیکھیں: موارد ابن عساكر في تاريخ دمشق (۳۹۹/۱)

تخریج: امام ذہبی نے اسے سیر أعلام النبلاء (۴۱۰/۲) میں ابن فضیل کے طریق سے ذکر کیا، پھر فرمایا: یہ خبر واہی ہے۔ ←

9- سیدنا اُہبان بن صَیفی الغفاری، ابو مسلم رضی اللہ عنہ

اُہبان رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ کو قتال ترک کرنے کی نصیحت کی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اُس وصیت کی اطلاع کے ذریعے جو انھوں نے فتنے کے وقت علی رضی اللہ عنہ کو فرمائی تھی، جب علی رضی اللہ عنہ ان کے پاس مدد طلب کرنے اور اُٹھ کھڑے ہونے پر آمادہ کرنے کے لیے آئے تھے۔

[228] عبداللہ بن عبید دیلی بیان کرتے ہیں کہ عدیسہ بنت اہبان بیان کرتی ہیں کہ وہ اپنے والد کے ساتھ ان کے گھر میں موجود تھیں۔ ان کے والد بیمار ہوئے، پھر اس بیماری سے افاقہ حاصل ہوا۔ انھی دنوں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بصرہ میں تھے، تو وہ ان کے گھر تشریف لائے، یہاں تک کہ ان کے حجرے کے دروازے پر آ کر کھڑے ہوئے اور سلام کیا۔ شیخ نے ان کو سلام کا جواب دیا۔ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابومسلم! آپ کیسے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: خیریت سے ہوں۔ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا آپ میرے ساتھ ان لوگوں کے خلاف نہیں نکلیں گے تا کہ میری مدد کریں؟ انھوں نے کہا: کیوں نہیں، اگر آپ اس پر راضی ہوں جو میں آپ کو دوں۔ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ کیا ہے؟ تو (بوڑھے) شیخ نے کہا: اے لڑکی! میری تلوار لا دو۔ تو وہ ایک نیام لے آئی اور اسے ان کی گود میں رکھ دیا۔ انھوں نے اس میں سے کچھ حصہ [1] نکالا، پھر اپنا سر علی رضی اللہ عنہ کی طرف اٹھایا اور فرمایا: میرے خلیل، اور آپ کے چچا زاد بھائی (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھ سے عہد لیا تھا کہ جب مسلمانوں کے درمیان فتنہ برپا ہو تو میں لکڑی کی تلوار اپنا لوں، تو یہ ہے میری تلوار! اگر آپ چاہیں تو میں اسی کے ساتھ آپ کے ساتھ نکلتا ہوں۔ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہمیں تمھاری ضرورت ہے اور نہ تمھاری تلوار کی۔ پھر وہ حجرے کے دروازے سے واپس پلٹے اور اندر داخل نہ ہوئے۔ [2] اور یہ حدیث فتنوں کے دوران قتال سے ممانعت پر دلالت کرتی ہے۔

← شعیب الارناؤط نے "السیر" کی تحقیق میں اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ شیخ البانی نے اسے السلسلة الضعيفة (٤٩٠٧) میں روایت کیا ہے اور بہت زیادہ ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھیے: [رقم: ٦٤]

[1] "سنن ابن ماجہ" میں ہے: تو اس میں سے ایک بالشت برابر (تلوار) نکالی، تو وہ لکڑی کی تھی۔

[2] مسند أحمد (٢٠٦٧٠) روح: ابن عبادہ القیسی۔

تخریج: اسے ابن ماجہ (٣٩٦٠) نے محمد بن بشار، صفوان بن عیسیٰ، عبداللہ بن عبید کے طریق سے اسے روایت کیا ہے، انھی سے۔ اور اس کی مکمل تخریج المسند میں ملاحظہ فرمائیں۔ اس حدیث کو شیخ البانی رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے، اور شعیب الارناؤط نے حسن کہا ہے۔ السلسلة الصحيحة (١٣٨٠)

10- سیدنا محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ

وہ صحابہ میں سے جلیل القدر شخصیت تھے، غزوۂ بدر اور دیگر تمام معرکوں میں شریک ہوئے۔ نبی ﷺ نے انھیں فتنوں سے کنارہ کشی کی وصیت فرمائی تھی، چنانچہ وہ جنگِ جمل میں شریک ہوئے اور نہ صفین میں، بلکہ انھوں نے لکڑی کی تلوار بنا لی اور ربذہ کی طرف چلے گئے، وہاں ایک مدت تک مقیم رہے۔ یہ وہی ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فتنہ انھیں نقصان نہیں دے گا، اور رسول اللہ ﷺ کے راز دار صحابی حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے اس پر ان کی مدح فرمائی۔[1]

[229] سہل بن ابی صلت کہتے ہیں: میں نے حسن رحمہ اللہ کو کہتے ہوئے سنا: علی رضی اللہ عنہ نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی طرف قاصد بھیجا، تو انھیں لایا گیا۔ علی رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: آپ اس معاملے سے کیوں پیچھے رہے؟ انھوں نے کہا: آپ کے چچا زاد بھائی، یعنی نبی ﷺ نے مجھے ایک تلوار دی، اور فرمایا: اس کے ذریعے دشمن سے قتال کرنا، لیکن جب تم دیکھو کہ لوگ ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہیں، تو اس تلوار کو کسی چٹان پر مار دینا، پھر اپنے گھر میں رہنا یہاں تک کہ تمھاری موت آجائے جو یقینی ہے، یا پھر کسی کی خطا کی ضرب تمھیں آ لے۔ تو علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اسے جانے دو۔[2]

یہ حدیث بھی فتنوں کے وقت قتال سے ممانعت پر دلالت کرتی ہے۔

[230] ابو بُردہ بیان کرتے ہیں: میں ربذہ کے مقام سے گزرا[3] تو وہاں ایک خیمہ نصب تھا۔ میں نے پوچھا: یہ کس کا ہے؟ کہا گیا: محمد بن مسلمہ کا۔ میں نے ان سے اجازت لی اور اندر داخل ہوا، اور کہا: اللہ آپ پر رحم فرمائے! آپ تو اس معاملے میں اعلیٰ مقام رکھتے ہیں، کاش! آپ لوگوں کے درمیان نکلتے، انھیں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے۔ تو انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: عنقریب فتنہ، تفرقہ اور اختلاف پیدا ہوگا، جب ایسا ہو تو اپنی تلوار اُحد پہاڑ پر لے جانا اور اسے پہلو کے بل مارنا (یعنی توڑ ڈالنا)، اپنے تیروں کو توڑ دینا، کمان کا وتر (تانت) کاٹ دینا، اور اپنے گھر میں بیٹھ جانا تو وہ وقت آچکا ہے۔

---

[1] سير أعلام النبلاء (٣٦٩/٢)

[2] مسند أحمد (١٧٩٧٩) شعیب الارناؤط نے کہا ہے: یہ حدیث اپنے تمام طرق کے مجموعے کی بنا پر حسن ہے اور شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھیں: السلسلة الصحيحة (١٣٨٠)

[3] الرَّبَذَةُ: مدینہ منورہ کے قریوں میں سے ایک قریہ ہے جو مدینہ سے تین دن کی مسافت پر واقع ہے۔ یہ ذاتِ عرق کے قریب ہے جو مکہ کے راستے میں پڑتا ہے۔ معجم البلدان (٢٤/٣)، معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، (ص: ١٣٥)

یزید نے ایک روایت میں یہ بھی بیان کیا: اسے مارو یہاں تک کہ وہ کٹ جائے۔ پھر اپنے گھر میں بیٹھ جاؤ، یہاں تک کہ یا تو تم کسی کی خطا کا نشانہ بنو، یا اللہ تمھیں عافیت عطا کرے۔ پھر محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے خیمے کے ستون سے ایک تلوار اتاری، نیام سے نکالی، تو وہ لکڑی کی تلوار تھی۔ فرمایا: میں نے وہی کیا جس کا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا، اور یہ لکڑی کی تلوار اسی لیے رکھی ہے، تا کہ لوگوں کو اس سے ڈرایا جا سکے۔[1]

[231] سعد بن زید بن سعد اشہلی روایت کرتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نجران سے ایک تلوار بطور ہدیہ پیش کی گئی، جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائی گئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تلوار محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو دے دی اور فرمایا: اللہ کی راہ میں اس کے ذریعے جہاد کرو، اور جب لوگوں کی گردنیں (یعنی ان کے خیالات و راستے) آپس میں مختلف ہو جائیں، تو اس تلوار کو پتھر پر مار دینا (یعنی توڑ دینا)، پھر اپنے گھر میں داخل ہو جانا اور ایسے ہو جانا جیسے کوئی پڑی ہوئی چٹائی، یہاں تک کہ تمھیں کوئی غلط ہاتھ قتل کر دے یا تمھاری طرف یقینی موت آ جائے۔[2]

---

[1] مسند أحمد (١٦٠٢٩)

تخریج: اس حدیث کو ابن ماجہ (٣٩٦٢) نے ابوبکر بن ابی شیبہ کے واسطے سے روایت کیا ہے، جو یزید بن ہارون سے روایت کرتے ہیں۔ ابوبکر بن ابی شیبہ نے سند (روایت کی کڑی) میں شک کا اظہار کیا ہے۔ شعیب الارناؤط نے اس حدیث کے متعلق کہا: یہ حدیث اپنی تمام اسناد کو ملا کر حسن (قابلِ قبول) ہے۔ شیخ البانی نے اسے اپنی کتاب سلسلة الأحاديث الصحيحة (١٣٨٠) میں صحیح قرار دیا ہے۔

شعیب الارناؤط نے پہلے مسند أحمد (١٦٠٢٩) میں اس حدیث کو ضعیف قرار دیا تھا، لیکن بعد میں مسند احمد کے دوسرے مقام (۱۷۹۷۹) پر جب اس حدیث کی تمام اسناد (روایات کے طرق) کا جائزہ لیا، تو انھوں نے اسے حسن قرار دیا۔ اسی طرح انھوں نے سنن ابن ماجہ میں بھی اسے حسن کہا ہے۔

[2] المعجم الأوسط (٢٣٧٥) اسے مجموعی طرق کی بنا پہ حسن قرار دیا گیا ہے۔ اس روایت کی سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، سوائے ابراہیم بن جعفر کے۔ ان کے بارے میں ابو حاتم نے فرمایا: صالح ہے۔ الجرح والتعديل (٩١/٢) اور جہاں تک سلیمان کا تعلق ہے تو تقريب التهذيب (٢٦٠٦) میں انھیں مقبول کہا گیا ہے، یعنی جب ان کا تفرد ہو تو قبول کیا جائے گا بشرطیکہ موید ہو۔ رہی بات سعد کی، تو ابو حاتم نے کہا کہ اسے صحابیت حاصل ہے۔ الجرح والتعديل (٨٣/٤)

ابومسلم: ان کا پورا نام ابراہیم بن عبداللہ بن مسلم بصری کجی ہے، اور بعض نے انھیں کشّی بھی کہا ہے۔ جبکہ عبداللہ بن عبدالوہاب سے مراد الحجبی ہے۔

امام طبرانی نے فرمایا: یہ حدیث سعد بن زید سے صرف اسی سند سے روایت کی گئی ہے، اور اس میں الحجبی منفرد راوی ہے۔

تخریج: طبرانی نے اسے المعجم الكبير (٥٤٢٤) میں اسی سند سے روایت کیا ہے۔ ←

[232] سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: لوگوں میں کوئی ایسا نہیں کہ اسے کوئی فتنہ درپیش ہو (اور وہ اس سے محفوظ رہے) مجھے اندیشہ رہتا ہے کہ وہ اس میں مبتلا ہو جائے گا، سوائے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم (انھیں) فرما رہے تھے: ''تجھے فتنہ نقصان نہیں دے گا۔''[1]

[233] ابو بردہ روایت کرتے ہیں کہ جنابِ ثعلبہ بن ضبیعہ نے کہا: ہم سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کے ہاں گئے تو انھوں نے کہا: میں یقیناً اس آدمی کو جانتا ہوں جسے فتنے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ کہا کہ پھر ہم ان کے ہاں سے نکلے تو ہمیں ایک خیمہ نظر آیا، ہم اس میں چلے گئے، تو دیکھا کہ اس میں سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ ہم نے ان سے اس (تنہائی اور گوشہ گیری) کے متعلق پوچھا تو انھوں نے کہا: میں نہیں چاہتا کہ تمھارے شہروں کا کوئی فتنہ مجھے اپنی لپیٹ میں لے لے حتیٰ کہ یہ صورتِ حال صاف ہو جائے۔[2]

[234] ضبیعہ بن حصین ثعلبی روایت کرتے ہیں: ہم حذیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے تو انھوں نے فرمایا: میں ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں جسے فتنے کوئی نقصان نہیں دیں گے۔ ہم نے پوچھا: وہ کون ہے؟ فرمایا: محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ۔ پھر جب حذیفہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا اور فتنہ شروع ہوا تو میں بھی لوگوں کے ساتھ نکلا، اور ایک پانی کے مقام پر پہنچا، تو وہاں ایک الگ تھلگ خیمہ لگا ہوا تھا جسے ہوائیں جھنجھوڑ رہی تھیں۔ میں نے پوچھا: یہ خیمہ کس کا ہے؟ لوگوں نے کہا: محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کا۔ میں ان کے پاس گیا تو وہ ایک بزرگ تھے۔ میں نے ان سے کہا: اللہ آپ پر رحم کرے! آپ مجھے مسلمانوں کے بہترین افراد میں

← امام بخاری نے اسے التاریخ الکبیر (٤/٤٨) میں ذکر کیا۔ بغوی نے اسے معجم الصحابة (٣/٤٢) میں ذکر کیا، اور اسی کے طریق سے ابن عساکر نے تاریخ دمشق (٥٥/٢٨٢) میں نقل کیا۔ حاکم نے اسے المستدرك (٤٦٠٥) میں ذکر کیا اور اس پر سکوت اختیار کیا ہے۔ ابونعیم نے معرفة الصحابة (٣/١٢٥٨، رقم: ٣١٦١) میں اجلحی کے طریق سے اسے اسی سند سے روایت کیا۔ یہ حدیث ابن حجر کی الإصابة (٣/٦١) میں بھی موجود ہے۔

[1] سنن أبي داود (٤٦٦٣) حسن بن علی: الخلال، ان کا پورا نام حسن بن علی بن زکریا الخلال البغدادی ہے۔ ثقہ وصدوق راوی ہیں۔ یزید: یزید بن ہارون ہیں، امام، حافظ، ثبت اور جلیل القدر محدث ہیں۔ ہشام: ہشام بن حسان الازدی البصری ہیں، ثقہ اور عبادت گزار راوی۔ محمد: یہ محمد بن سیرین ہیں، مشہور تابعی، ثقہ، ثبت، فقیہ اور زاہد۔

تخریج: اس حدیث کو ابن ابی شیبہ نے اپنی کتاب المصنف (٣٨٣٩٣) میں روایت کیا ہے، اور ابن بطہ نے الإبانة الکبریٰ (٢/٥٧٨) میں یزید بن ہارون کے طریق سے نقل کیا ہے۔ اس حدیث کو شعیب الارناؤط نے حسن قرار دیا ہے، جبکہ علامہ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

[2] سنن أبي داود (٤٦٦٤) اس حدیث کو شعیب الارناؤط نے حسن قرار دیا ہے، اور علامہ البانی نے صحیح کہا ہے۔
ثعلبہ بن ضُبَیعَة: یہ دراصل ضُبَیعَة بن حُصَین الثعلبی ہی ہیں، صرف نام میں اختلاف ہے۔

سے ایک لگتے ہیں، مگر آپ نے اپنا شہر، گھر، اہل وعیال اور ہمسائے چھوڑ دیے! تو انھوں نے جواب دیا: میں نے شر (فتنے) سے بچنے کے لیے سب کچھ چھوڑ دیا ہے، میرے دل میں یہ بات نہیں ہے کہ میں ان کے کسی شہر میں سکونت اختیار کروں، جب تک کہ فتنہ چھٹ نہ جائے، جیسا کہ چھٹے گا۔[1]

امام حاکم نے اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد فرمایا: یہ ایک بہت بڑی فضیلت ہے، جو صحیح سند کے ساتھ مروی ہے۔

11- سیدنا ابو ہریرہ عبد الرحمان بن صخر الدوسی رضی اللہ عنہ

امام، فقیہ، مجتہد، حافظِ حدیث، ثقہ حفاظ کے سردار جنھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ، پاکیزہ اور بابرکت علم حاصل کیا، اور ان کی مرویات کی کثرت میں کوئی اُن کا ہم پلہ نہ ہو سکا۔[2]

انھوں نے فتنوں سے کنارہ کشی اختیار کی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر مدینہ ہی میں مقیم رہے۔ انھوں نے اپنا ہاتھ اور زبان (فتنے میں) روکے رکھا، یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو گیا۔ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صفّین کی بڑی خونریزی کے بارے میں حدیث سنی تھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اُس سنی ہوئی بات سے فائدہ پہنچایا، اور انھوں نے (فتنے سے) کنارہ کشی اختیار کی۔

[235] سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک دو عظیم جماعتیں جنگ نہ کریں گی۔ ان دونوں جماعتوں کے درمیان بڑی خونریزی ہوگی۔ حالانکہ دونوں کا دعویٰ ایک ہی ہوگا اور یہاں تک کہ بہت سے جھوٹے دجال بھیجے جائیں گے۔ تقریباً تیس (۳۰) دجال۔ ان میں سے ہر ایک دعویٰ کرے گا کہ وہ اللہ کا رسول ہے اور یہاں تک کہ علم اٹھا لیا جائے گا اور زلزلوں کی کثرت ہوگی اور زمانہ قریب ہو جائے گا اور فتنے ظاہر ہو جائیں گے اور ہرج بڑھ جائے گا اور ہرج سے مراد قتل ہے اور یہاں تک کہ تمھارے پاس مال کی کثرت ہو جائے گی، بلکہ بہہ پڑے گا اور یہاں

---

[1] الطبقات الکبری (۳/٤٤٤) ابو عوانہ کا پورا نام الوضّاح بن عبد اللہ الیشکری ہے۔
تخریج: اسی روایت کو ابو داود نے اپنی سنن (۴۲۶۵) میں مسدد کے طریق سے ابو عوانہ کے واسطے سے اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے، لیکن حدیث کا متن ذکر نہیں کیا بلکہ صرف اتنا کہا: "بمعناه" یعنی اس کے مفہوم کے مطابق ہے۔
اور حاکم (۵۸۳۸) نے اسے سفیان کے طریق سے اشعث سے روایت کیا ہے۔
حاکم نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا۔ شعیب الارناؤط نے اسے حسن کہا اور البانی نے صحیح قرار دیا۔

[2] سیر أعلام النبلاء (۲/۵۷۸)

تک کہ صاحبِ مال کو اس کا فکر دامن گیر ہوگا کہ اس کا صدقہ قبول کون کرے اور یہاں تک کہ وہ پیش کرے گا لیکن جس کے سامنے پیش کرے گا، وہ کہے گا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے اور یہاں تک کہ لوگ بڑی بڑی عمارتوں میں آپس میں فخر کریں گے۔ یہاں تک کہ ایک شخص دوسرے کی قبر سے گزرے گا اور کہے گا کہ کاش میں بھی اسی جگہ ہوتا[1] اور یہاں تک کہ سورج مغرب سے نکلے گا۔ پس جب وہ اس طرح طلوع ہوگا اور لوگ دیکھ لیں گے تو سب ایمان لے آئیں گے، لیکن یہ وہ وقت ہوگا جب کسی ایسے شخص کو اس کا ایمان فائدہ نہ پہنچائے گا جو پہلے سے ایمان نہ لایا ہو، یا اس نے اپنے ایمان کے ساتھ اچھے کام نہ کیے ہوں اور قیامت اچانک اس طرح قائم ہوجائے گی کہ دو آدمیوں نے اپنے درمیان کپڑا پھیلا رکھا ہوگا اور اسے ابھی بیچ نہ پائے ہوں گے، نہ لپیٹ پائے ہوں گے اور قیامت اس طرح برپا ہوجائے گی کہ ایک شخص اپنی اونٹنی کا دودھ نکال کر واپس ہوا ہو گا کہ اسے چکھ بھی نہ پایا ہوگا اور قیامت اس طرح قائم ہوجائے گی کہ وہ اپنے حوض کو درست کر رہا ہو گا اور اس میں سے پانی بھی نہ پیا ہوگا اور قیامت اس طرح قائم ہو جائے گی کہ اس نے اپنا لقمہ منہ کی طرف اٹھایا ہوگا اور ابھی اسے کھایا بھی نہ ہوگا[2] ۔"[3]

ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: حدیث میں جن دو عظیم جماعتوں کا ذکر ہے، ان سے مراد علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی، اور معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی ہیں۔[4]

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فتنوں کے بارے میں وہ مشہور حدیث سنی جس میں ان سے بچنے کی تلقین تھی، تو انھوں نے اس سنی ہوئی بات پر عمل کیا۔

[**236**] ہم سے ابو الیمان نے بیان کیا، کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی، انھیں زہری نے، انھیں ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے خبر دی اور ان سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایسے

---

[1] یعنی: (انسان) قبر والے کو دیکھ کر اُس پر رشک کرے گا اور کہے گا: کاش! میں بھی اس کی جگہ ہوتا، یعنی مر چکا ہوتا۔ یہ اس وجہ سے ہوگا کہ فتنے بہت زیادہ ہوں گے، اور دین کے ختم ہو جانے کا خوف لاحق ہوگا، کیونکہ باطل پرست لوگ غالب آ جائیں گے، اور گناہ و برائیاں کھلے عام ظاہر ہوں گی۔ ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت و سلامتی کے طالب ہیں۔

[2] اور یہ سب مثالیں اس بات کی طرف اشارہ ہیں کہ قیامت اچانک قائم ہوگی، ان تمام بیان کردہ مثالوں سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ، بلکہ اتنی تیز کہ (انسان کے) لقمہ کو منہ تک لے جانے سے بھی پہلے قائم ہو جائے گی۔

[3] صحيح البخاري (٦٧٠٤) ابو الیمان: حکم بن نافع۔ شعیب: ابن ابی حمزہ۔ ابو الزناد: عبداللہ بن ذکوان ہیں۔ عبدالرحمان: ابن ہُرمُز المدنی الاعرج۔ مزید دیکھیے: فتح الباري (١٣/٨٥)

[4] فتح الباري (١٣/٨٥)

فتنے برپا ہوں گے کہ ان میں بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہوگا اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا۔ اگر کوئی ان کی طرف دور سے بھی جھانک کر دیکھے گا تو وہ اسے بھی سمیٹ لیں گے، ایسے وقت جو کوئی اس سے کوئی پناہ کی جگہ پا لے اسے اس کی پناہ لے لینی چاہیے۔''[1]

ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: اس حدیث میں فتنوں سے خبردار کیا گیا ہے، اور ان میں داخل ہونے سے بچنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ نیز اس بات کی وضاحت ہے کہ فتنے کا شر (نقصان) اس شخص پر اسی درجے میں ہوتا ہے جس درجے میں وہ اس فتنے سے وابستہ ہوتا ہے۔[2]

12- سیدنا جریر بن عبداللہ بن جابر بن مالک بجلی الیمانی رضی اللہ عنہ

جریر بن عبداللہ بن جابر بن مالک بجلی الیمانی رضی اللہ عنہ ایک امیر، ذی وقار، اور خوبصورت صحابی تھے، جنھیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ممتاز مقام حاصل تھا۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر مسلمان کے لیے خیر خواہی پر بیعت کی۔ وہ حسن و جمال[3] میں یکتا اور انتہائی خوبصورت شخصیت کے مالک تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا: بے شک وہ یمن والوں کے بہترین افراد میں سے ہیں، اور ان کے چہرے پر فرشتے کی جھلک ہے۔[4]

[**237**] حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صفّین کی جنگ سے پہلے حضرت جریر رضی اللہ عنہ کو معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بطور سفیر بھیجا، تاکہ وہ انھیں بیعت کی دعوت دیں، اور اپنا خط ان کے حوالے کیا۔ اس خط کا متن یہ تھا:

(بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: اللہ کے بندے، علی، امیر المومنین کی طرف سے معاویہ بن ابی سفیان کے نام۔ اما بعد! بے شک میری بیعت تم پر شام میں واجب ہو چکی ہے، کیونکہ ان لوگوں نے میری بیعت کی ہے جنھوں نے ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کی ان شرائط پر بیعت کی تھی، تو اب کسی حاضر کے لیے اس میں کوئی اختیار نہیں ہے اور نہ ہی کسی غیر حاضر کے لیے یہ حق ہے کہ (اسے) ردّ کرے۔ اور بے شک خلافت

---

[1] صحیح البخاري (٦٦٧١)

[2] فتح الباري (٣١/١٣)

[3] سیر أعلام النبلاء (٥٣٠/٢)

[4] اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند (١٩١٨٠) میں روایت کیا ہے۔ اور اسے علامہ البانی نے السلسلة الصحيحة (٣١٩٣) میں صحیح قرار دیا ہے۔ اسی طرح شعیب الارناؤط نے بھی اس کی تصحیح کی ہے۔

مہاجرین اور انصار کا حق ہے، پس جب وہ کسی شخص پر مجتمع ہوں اور اسے امام مقرر کریں، تو یہی بات اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔[1] پھر حضرت جریر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس واپس لوٹے اور انھیں معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہلِ شام کے موقف سے آگاہ کیا، تو مالک اشتر رحمہ اللہ نے حضرت جریر رضی اللہ عنہ پر سخت گفتگو کی، جس پر جریر رضی اللہ عنہ ناراض ہوئے اور قرقیسیاء کی طرف چلے گئے اور فتنہ سے کنارہ کش ہو گئے۔

[**238**] ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (جب حضرت جریر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس واپس لوٹے اور انھیں (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں) کی باتوں سے آگاہ کیا، تو مالک اشتر رحمہ اللہ نے کہا: اے امیر المومنین! کیا میں نے آپ کو منع نہیں کیا تھا کہ آپ جریر کو نہ بھیجیں؟ اگر آپ نے مجھے بھیجا ہوتا تو معاویہ نے کوئی دروازہ کھولا بھی ہوتا، تو میں اسے بند کر دیتا۔ اس پر حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اگر تم وہاں ہوتے تو وہ تمھیں عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کے بدلے میں قتل کر دیتے۔ اشتر رحمہ اللہ نے کہا: اللہ کی قسم! اگر مجھے بھیجا جاتا تو مجھے معاویہ کے جواب دینے میں کوئی پریشانی نہ ہوتی، بلکہ میں اسے سوچنے کا موقع ہی نہ دیتا۔ اور اگر امیر المومنین میری بات مان لیتے تو تمھیں اور تم جیسے دیگر لوگوں کو قید کر دیتے، یہاں تک کہ اس امت کا معاملہ درست ہو جاتا۔ یہ سن کر حضرت جریر رضی اللہ عنہ غصے سے اٹھ کھڑے ہوئے اور قرقیسیاء[2] میں جا کر قیام کیا۔[3]

سیدنا جریر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد باہمی قتال (آپس میں لڑائی) سے منع کرنے والی حدیث روایت کی ہے۔

[**239**] سیدنا جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے حجۃ الوداع میں فرمایا: لوگوں کو بالکل خاموش کر دو (تاکہ وہ خوب سن لیں) پھر فرمایا: ''لوگو! میرے بعد پھر کافر مت بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔''[4]

---

[1] دیکھیں: [رقم: ۲۸۷] یہ ایک طویل روایت ہے جس کا کچھ حصہ شواہد کی بنا پر صحیح ہے اور کچھ حصہ قرائن کی روشنی میں قابلِ قبول ہے۔

[2] قرقیسیاء: عراق کا ایک شہر ہے جو دریائے فرات کے کنارے واقع ہے اور اسی مقام پر پہنچ کر خابور ندی فرات میں شامل ہوتی ہے۔ معجم البلدان (٣٢٨/٤)

[3] البداية والنهاية (٢٨٢/٧) یہ مقدار جو ہم نے نقل کی ہے، یہ اپنے قرائن کی بنا پر قابلِ قبول ہے، اور اس کے قرائن کے ساتھ تفصیل آگے [رقم: ۲۸۸] میں آئے گی۔

[4] صحيح البخاري (٦٦٦٩)

13- سیدنا جندب بن عبداللہ بن سفیان بجلی رضی اللہ عنہ

امام (یعنی جلیل القدر عالم)، اور بعض اوقات انھیں ان کے دادا کی طرف نسبت دے کر بھی یاد کیا جاتا ہے۔ انھوں نے کوفہ اور بصرہ میں سکونت اختیار کی، اور ان سے کئی احادیث روایت کی گئی ہیں۔[1]

آپ رضی اللہ عنہ فتنوں سے کنارہ کش ہو گئے تھے۔ آپ نے نبی کریم ﷺ سے بغیر حق کے مسلمان کو قتل کرنے کی حرمت کے بارے میں حدیث سنی تھی۔

[240] طریف ابوتمیمہ بیان کرتے ہیں کہ میں صفوان اور جندب اور ان کے ساتھیوں کے پاس موجود تھا۔ جب کہ وہ ان کو وصیت کررہے تھے، پھر ان کے ساتھیوں نے (جندب رضی اللہ عنہ سے) پوچھا: کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے کچھ سنا ہے؟ انھوں نے بیان کیا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ کہتے سنا ہے کہ جو لوگوں کو ریاکاری کے طور پر دکھانے کے لیے کام کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی ریاکاری کا حال لوگوں کو سنا دے گا اور فرمایا کہ جو لوگوں کو تکلیف میں مبتلا کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے تکلیف میں مبتلا کرے گا، پھر ان لوگوں نے کہا کہ ہمیں کوئی وصیت کیجیے۔ انھوں نے کہا کہ سب سے پہلے انسان کے جسم میں اس کا پیٹ خراب ہوتا ہے، پس جو کوئی طاقت رکھتا ہو کہ پاک وطیب کے سوا اور کچھ نہ کھائے تو اسے ایسا ہی کرنا چاہیے اور جو شخص چاہتا ہے کہ اس کے اور جنت کے درمیان چلو بھر خون حائل نہ ہو جو اس نے ناحق بہایا ہو، تو وہ ایسا ضرور کرے۔[2] جریری کہتے ہیں کہ میں نے ابوعبداللہ[1]

---

[1] سیر أعلام النبلاء (۱۷٤/۳)

[2] ابن حجر نے فرمایا: یہ اثر صراحت کے ساتھ مرفوع (یعنی نبی ﷺ کی طرف منسوب) نہیں ہے، لیکن یہ مرفوع کے حکم میں ہے، کیونکہ یہ ایسی بات ہے جو رائے سے نہیں کہی جاسکتی، اور یہ کسی مسلمان کو ناحق قتل کرنے پر شدید وعید (سزا کی دھمکی) ہے۔

[1] ابوعبداللہ سے مراد امام بخاری رحمہ اللہ ہیں: (یہ ان کی کنیت ہے)۔ ان سے سوال کرنے والے الفربری ہیں، یعنی محمد بن یوسف الفربری، جو امام بخاری کے شاگرد تھے اور ان کی صحیح بخاری کو روایت کرنے والے معتبر راویوں میں سے ہیں۔
الفربری کا تعارف: یہ ابوعبداللہ محمد بن یوسف بن مطر بن صالح بن بشر الفربری ہیں، جو امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ سے الجامع الصحیح (صحیح بخاری) کے راوی ہیں۔ انھوں نے امام بخاری سے صحیح بخاری دو مرتبہ فِرَبْر مقام پر سنی۔ الفربری نے خود کہا: میں نے صحیح بخاری پہلی مرتبہ سنہ ۲۴۸ھ میں اور دوسری مرتبہ ۲۵۲ھ میں امام بخاری سے سنی۔ امام سمعانی کہتے ہیں: الفربری کی پیدائش ۲۳۱ھ میں ہوئی۔ وہ ایک ثقہ (قابلِ اعتماد) اور متقی شخص تھے۔ ان کا انتقال: شوال کے مہینے کی بیس تاریخ، سنہ ۳۲۰ھ کو ہوا۔ اُس وقت ان کی عمر نوے سال کے قریب تھی۔ ←

سے پوچھا: کون صاحب اس حدیث میں یہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا؟ کیا جندب کہتے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ ہاں وہی کہتے ہیں۔[2]

[241] ہمیں ہشام بن عمار نے بیان کیا، کہا: ہمیں علی بن سلیمان کلبی نے بیان کیا، (ہشام نے کہا،[3] اور وہ[4] اہلِ دمشق میں سے ثقہ راوی ہیں، ولید بن مسلم نے ان سے روایات لی ہیں) کہا: ہمیں اعمش نے ابی تمیمہ سے، وہ جندب بن عبداللہ ازدی، صحابیِ رسول سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا: میں اور اعمش بصرہ کی طرف روانہ ہوئے یہاں تک کہ ہم ایک جگہ پر پہنچے جسے بیت المسکین کہا جاتا تھا، یہ بصرہ کے نواح میں ایسے ہی ہے جیسے کوفہ کے قریب ثویہ۔[5] پھر جندب رضی اللہ عنہ نے مجھ سے پوچھا: کیا تم قرآن کسی کے ساتھ دہرایا کرتے تھے؟ میں نے کہا: ہاں۔ تو انھوں نے کہا: جب بصرہ پہنچو تو انھیں میرے پاس لے آنا، لیکن صرف وہ جو معتبر ہوں۔ چنانچہ میں ان کے پاس صالح بن مسرح،[6] ....

← لفظ "فربر" کے متعلق وضاحت: فربر کا تلفظ فاء کے زیر "فِربر" سے بھی درست ہے اور زبر "فَربر" سے بھی۔ یہ بخارا کے مضافاتی دیہات میں سے ایک بستی کا نام ہے۔ سير أعلام النبلاء (١٠/١٥)

[2] صحيح البخاري (٦٧٣٣) خالد: خالد بن عبداللہ طحان۔ الجریری: سعید بن ایاس الجریری۔

[3] یہ ابن عمار ہیں جن کا ذکر سند میں آیا ہے۔

[4] مراد علی بن سلیمان کلبی ہیں۔

[5] الثَّوِيَّة: (پہلے زبر پھر زیر اور مشدد یاء کے ساتھ) یا بطورِ تصغیر (الثُّوَيَّة) یہ کوفہ کے قریب ایک مقام ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ نعمان بن منذر کا قید خانہ تھا، جہاں وہ انھیں قید کرتا تھا جنھیں قتل کرنا چاہتا۔ وہاں قید ہونے والے کے متعلق کہا جاتا: "ثَوَى" یعنی وہاں ٹھہرا۔ اسی وجہ سے اس جگہ کو "الثَوِيّة" کہا گیا۔ ابن حبان نے کہا: مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو کوفہ میں ایک جگہ دفن کیا گیا جسے "الثَوِيّة" کہا جاتا ہے، اور وہاں ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بھی دفن ہیں۔ (معجم البلدان: ٢/٨٧)

[6] مطبوعہ نسخے میں مِسروح کی صورت میں تحریف واقع ہوئی ہے، اور صحیح صورت مُسَرَّح ہے، جیسا کہ معجم طبرانی اور اُن کے حالاتِ زندگی (ترجمہ) کے مآخذ سے ثابت ہوتا ہے۔

یہ صالح بن مُسَرَّح التمیمی تھے، جو صِفریہ فرقے (خوارج کے ایک گروہ) کے سربراہ تھے۔ وہ ان میں سب سے پہلے خروج کرنے والے تھے۔ وہ عبادت گزار شخص تھے، اور دارا، موصل اور جزیرہ کے علاقوں میں قیام کرتے تھے۔ ان کے کچھ ساتھی تھے جنھیں وہ قرآن پڑھاتے اور نصیحت کرتے۔ پھر انھوں نے اپنے ساتھیوں کو خروج (بغاوت)، ظلم کے انکار اور مخالفین کے خلاف جہاد کی دعوت دی، تو انھوں نے ان کی بات مان لی۔ پھر شَبِیب بن یزید الشیبانی، جو ایک خارجی سردار تھا، اُن پر غالب آ گیا اور اُس نے اُن کی فوج کی قیادت سنبھال لی۔ صالح اور جزیرہ کے گورنر محمد بن مروان کے درمیان جنگیں شروع ہو گئیں، یہاں تک کہ ٧٦ھ میں موصل کے قریب صالح مارے گئے۔ انھیں حارث بن عمیر ہمدانی نے قتل کیا۔ الأعلام للزركلي (١٩٧/٣)

←

ابو بلال،[1] نجدہ،[2] ....

← اور اس کے تفصیلی حالات کتاب أنساب الأشراف (۷/۸) تاریخ الطبري (۳/۵۵۴، ۵۶۰) میں بیان ہوئے ہیں۔
امام احمد بن حنبل نے فرمایا: ہمیں ابو بکر بن عیّاش نے کوفہ میں حدیث بیان کی، انھوں نے کہا: مجھے اسلم منقری نے بیان کیا، انھوں نے کہا: میں نے صالح بن مسرّح کی امامت میں نماز پڑھی جبکہ وہ نماز میں قرآن پڑھ رہے تھے اور ان کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ اس کی سند صحیح ہے۔
پھر امام احمد نے کہا: صالح بن مسرّح خوارج میں سے تھا، میرا گمان یہی ہے۔ العلل ومعرفة الرجال (۷۰۶) اور اسے دارقطنی نے المؤتلف والمختلف (۲۰۹۶/٤) میں احمد کے طریق سے روایت کیا۔ نیز دیکھیے: الإكمال لابن ماكولا (۱۹٤/۷)

① مرداس بن حدیر بن عامر الربعی الحنظلی تمیمی، ابو بلال، اور بعض کے نزدیک ان کا نام مرداس بن ادیہ (ان کی والدہ) بھی تھا۔ وہ شُرَاۃِ (خوارج) کے بڑے راہنماؤں میں شمار ہوتے تھے، ایک جری خطیب، بہادر اور عبادت گزار شخص تھے۔ انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ صفین کی جنگ میں شرکت کی، لیکن تحکیم (ثالثی) کے فیصلے کی مخالفت کی، اور نہروان کی جنگ میں بھی شریک ہوئے۔ انھیں عبیداللہ بن زیاد نے کوفہ میں قید کر دیا، لیکن وہ قید سے بچ نکلے۔ پھر انھوں نے تقریباً تیس افراد کو جمع کیا اور انھیں لے کر اہواز کے مقام آسک میں قیام کیا، جو رامہرمز اور ارجان کے درمیان واقع ہے۔ عبیداللہ بن زیاد نے ان کے خلاف ایک بڑا لشکر روانہ کیا، لیکن مرداس نے اسے شکست دی۔ پھر ابن زیاد نے دوسرا لشکر روانہ کیا جس کی قیادت عباد بن علقمہ مازنی کو دی گئی۔ جمعہ کے دن دوپہر تک شدید لڑائی ہوئی، پھر دونوں طرف سے نماز کے بعد جنگ موقوف رکھنے کا وعدہ ہوا۔ لیکن جب مرداس اور ان کے ساتھی نماز میں مشغول تھے، عباد نے ان پر حملہ کر کے سب کو شہید کر دیا۔ مرداس کا سر کاٹ کر ابن زیاد کے پاس بھیجا گیا۔ ابن حزم کہتے ہیں کہ مرداس کی نسل اصطخر (ایران کے شہر) میں خوب پھیلی۔ دیکھیے: الأعلام للزركلي (۲۰۲/۷) تاریخ الطبري (۳/۲٥٤، ۳٤٤)

② نجدہ بن عامر حنفی حروری، نجدیہ فرقے کا بانی تھا، جو حروریہ (خوارج) کی ایک شاخ تھی، اور اسی کی نسبت سے اسے ''نجدات'' بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی نسبت سے یہ فرقہ موسوم ہوا۔ نجدۃ خوارج کے دیگر گروہوں سے بعض مخصوص نظریات میں الگ تھا۔ وہ مکہ آیا، اس کے کچھ مخصوص عقائد ونظریات مشہور ہیں، اور اس کے پیروکار ایک وقت کے بعد مٹ گئے۔ ابتداءً نجدہ، نافع بن الازرق کے ساتھ تھا، مگر جب نافع نے اپنے مذہب میں بدعتیں داخل کیں تو نجدۃ نے اس سے علاحدگی اختیار کر لی اور خودمختار قیادت قائم کی۔ سنہ ٦٦ ھ میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے دور میں اس نے یمامہ میں خروج کیا، اس کے ساتھ ایک بڑی جماعت تھی، پھر وہ بحرین چلا گیا اور وہیں قیام کیا اور اپنے آپ کو امیرالمومنین کہلوانے لگا۔ مصعب بن زبیر نے اس کے خلاف بارہا لشکر بھیجے، مگر نجدہ نے ان کو شکست دی۔ وہ تقریباً پانچ سال تک حکمرانی کرتا رہا، اور اس کے عامل (گورنر) بحرین، یمامہ، عمان، ہجر اور عرض کے کچھ حصوں پر قابض تھے۔ بعد ازاں اس کے ساتھیوں نے اس پر کچھ اعتراضات کیے، اور کہا جاتا ہے کہ انھوں نے ہی اسے معزول کر کے قتل کر دیا۔ ایک اور روایت کے مطابق اسے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے آدمیوں نے قتل کیا۔ ←

اور نافع بن ازرق[1] کو لے کر آیا، اور یہ لوگ[2] میرے نزدیک اہلِ بصرہ کے افاضل (نیک) افراد میں شمار ہوتے تھے۔ پھر سیدنا جندب رضی اللہ عنہ نے ان سے حدیث بیان کرنا شروع کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''(مرنے کے بعد) سب سے پہلے انسان کے جسم کا جو حصہ خراب ہوتا ہے وہ اس کا پیٹ ہوتا ہے، اس لیے تم میں سے کوئی بھی اپنے پیٹ میں صرف پاکیزہ (حلال وطیب) غذا ہی ڈالے۔'' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس عالم کی مثال جو لوگوں کو بھلائی سکھاتا ہے لیکن خود کو بھول جاتا ہے، اُس چراغ کی سی ہے جو دوسروں کو روشنی دیتا ہے اور خود کو جلا دیتا ہے۔'' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص جنت کے دروازے کو دیکھ رہا ہو اور صرف ایک چلو بھر مسلمان کا ناحق خون اُس کے اور جنت کے درمیان آڑ بن

← امام ذہبی نے اس کی وفات سنہ ۶۹ھ میں بتائی ہے۔ مزید دیکھیے: تاریخ الطبري (۳/۳۵۰، ۳۶۱، ۳۹۸) مقالات الإسلاميين (۸٤/۱) تاريخ الإسلام (۲٦۰/۵) لسان الميزان (۱٤۸/٦) الأعلام للزركلي (۱۰/۸)

[1] نافع بن الازرق بن قیس حنفی الحروری، خوارج کے بڑے سرداروں میں سے تھا، اور ''ازارقہ'' فرقہ اسی کی طرف منسوب ہے۔ اس نے یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری زمانے میں خروج کیا۔ روایت ہے کہ وہ سرق الاہواز (اہواز کا ایک علاقہ) میں قیام پذیر ہوا۔ وہاں سے گزرنے والے لوگوں پر حملے کرتا اور اس نے عام لوگوں کو بے دریغ قتل کیا، حتیٰ کہ عورتوں اور بچوں کو بھی نہ بخشا۔ اس کی طاقت اتنی بڑھ گئی کہ اہلِ بصرہ اس سے سخت خوفزدہ ہو گئے۔ اس کی تفصیلی داستان مختلف تاریخی مصادر میں آئی ہے، یہاں تک کہ سنہ ۶۵ھ میں اسے قتل کر دیا گیا۔ نافع بن الازرق علم حاصل کرنے کا شوقین بھی تھا، اور اس کے کچھ سوالات حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہیں، جو ایک رسالے کی صورت میں جمع کیے گئے۔ طبرانی نے اپنی کتاب ''المعجم الكبير'' میں ان میں سے کچھ سوالات نقل کیے ہیں۔ ابوالحسن اشعری کا کہنا ہے کہ نافع بن الازرق وہ پہلا شخص تھا جس نے خوارج کے درمیان اختلاف وتفرقہ پیدا کیا۔ دیکھیے: تاريخ الطبري (۳/۳۷۷، ۳۹۷، ٤۲٤) مقالات الإسلاميين (۸٤/۱) لسان الميزان (۱٤٤/٦)، الأعلام للزركلي (۳۵۱/۷)

[2] ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: یہ چاروں افراد (یعنی نافع بن الازرق، نجدہ بن عامر، ابو بلال مرداس، اور صالح بن مسرح) خوارج کے سرکردہ راہنما تھے، جو مکہ آئے تھے تاکہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی اُس وقت مدد کریں جب یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف لشکر بھیجے۔ انھوں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ پہلی بار محاصرے میں شرکت کی۔ پھر جب ان کے پاس یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر پہنچی، تو انھوں نے ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں ان کا موقف پوچھا۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خوب تعریف کی، تو یہ (خوارج) ناراض ہو گئے اور ان سے علاحدہ ہو گئے، پھر حج کیا اور واپس چلے گئے۔ چنانچہ نجدہ نے یمامہ میں خروج کیا اور اس پر اور کچھ علاقوں پر قابض ہو گیا، نیز کچھ حجاز کے علاقے بھی اس کے قبضے میں آ گئے۔ نافع بن الازرق نے عراق میں خروج کیا، اور اس کے فتنے کی مدت لمبی رہی۔ جہاں تک ابو بلال مرداس کا تعلق ہے، تو وہ اس سے پہلے عبید اللہ بن زیاد کے خلاف بغاوت کر چکا تھا اور عبیداللہ نے اسے قتل کر دیا تھا۔ فتح الباري (۱۲۹/۱۳)

جائے، ایسا نہ ہو!'' پھر وہ لوگ (سامعین) بات کرنے لگے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر (نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا) کا ذکر کرنے لگے، اور جندب رضی اللہ عنہ خاموشی سے سنتے رہے۔ پھر انھوں نے کہا: آج جیسی قوم میں نے نہیں دیکھی، اگر یہ سچے ہیں،[1] تو وہ یقیناً نجات کے سب سے زیادہ حق دار ہیں۔[2]

جب امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے، تو جُندُب رضی اللہ عنہ، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، اور ان سے مسلمانوں کے درمیان فتنہ انگیزی سے باز رہنے کی تاکید کی، درآں صورت کہ ان کو خلافت سپرد کی جائے۔ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ انھیں معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہلِ شام سے لڑائی کرنے سے روک رہے تھے۔ جندب رضی اللہ عنہ نے سعد رضی اللہ عنہ سے کہا: میں تمھیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں، اگر تمھیں مسلمانوں کے کسی معاملے کی ذمے داری سونپی جائے، تو مسلمانوں کی وحدت کو مت توڑنا، ان کی اجتماعیت میں تفرقہ مت ڈالنا، اور انھیں ہلاکت کے راستے پر مت بلانا۔

اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جندب رضی اللہ عنہ اس بات سے باخبر تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد خلافت کے سب سے زیادہ حق دار حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہیں، کیونکہ سعد رضی اللہ عنہ ہی ان چھے اصحابِ شوریٰ میں سے آخری زندہ شخصیت تھے۔

---

[1] ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: شاید یہی راز تھا کہ جُندب رضی اللہ عنہ نے اپنی گفتگو کی ابتدا اُس حدیث سے کی جس میں ذکر تھا کہ جس نے (لوگوں کو) حدیث سُنائی (مگر خود عمل نہ کیا)۔ گویا انھوں نے ان لوگوں (یعنی ان خوارج) کے بارے میں پہلے ہی اندازہ لگا لیا تھا، اور اسی وجہ سے فرمایا: اگر وہ سچے ہوں۔ اور واقعی ان کی فراست سچ ثابت ہوئی، کیونکہ جب ان لوگوں نے خروج کیا، تو مسلمانوں پر تلوار اٹھائی، مردوں اور بچوں کو قتل کیا، اور سخت آزمائش پیدا کی۔ فتح الباري (۱۳/۱۳۰)

[2] الآحاد والمثاني (۲۳۱٤) امام البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی تخریج کے بعد فرمایا: (یہ حدیث ان تمام طرق (اسناد) اور متابعتوں کے ساتھ صحیح مرفوع ہے، اور جس نے اسے موقوف روایت کیا ہے، اس سے حدیث کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ السلسلة الصحيحة (۳۳۷۹)

تخریج الحدیث: اسے قوام السنہ اصبہانی نے الترغيب والترهيب (۲۱۷۱) میں ابن ابی عاصم کی سند سے روایت کیا ہے اور صرف «مَثَلُ الْعَالِمِ ...» مرفوع روایت مختصراً بیان کی اور دیگر مرفوعات کو چھوڑ دیا۔

نیز اسے امام طبرانی نے المعجم الكبير (۱٦۸۱) میں اور خطیب نے اقتضاء العلم العمل (۷۰) میں تین سندوں سے ہشام بن عمار کے واسطے سے روایت کیا ہے۔ خطیب نے صرف «مَثَلُ الْعَالِمِ ...» کو ذکر کر کے مختصر روایت کیا ہے۔ امام البانی رحمہ اللہ نے "السلسلة الصحيحة" میں طبرانی کی اسناد کو جید قرار دیا ہے۔

اور اسے عبداللہ بن احمد بن حنبل نے اپنے والد کی "كتاب الزهد" کے ضمنی اضافات (۱۰۱۸) میں صفوان بن محرز کے واسطے سے جندب سے موقوفاً اور مختصر الفاظ «مَثَلُ الْعَالِمِ ...» کے ساتھ نقل کیا ہے۔

جندب رضی اللہ عنہ نے کہا: ''تو میں جان گیا کہ وہ (سعد رضی اللہ عنہ) ان باتوں میں داخل نہیں ہوں گے جن میں (سیدنا علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما) دونوں نے تبدیلی کی۔'' یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جندب رضی اللہ عنہ ان فتنوں اور جنگوں سے نالاں تھے جو علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان پیش آئیں۔[1]

14- سیدنا سلمہ بن عمرو بن اکوع سنان بن عبداللہ اسلمی رضی اللہ عنہ

بیعتِ رضوان کے صحابہ میں سے تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد ربذہ میں سکونت اختیار کر لی اور فتنوں سے کنارہ کش ہو گئے۔[2]

[**242**] سیدنا سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ حجاج کے یہاں گئے تو اس نے کہا کہ اے ابن الاکوع! کیا الٹے پاؤں پھر گئے؟[3] تم گاؤں میں رہنے لگے ہو؟[4] کہا کہ نہیں، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جنگل میں رہنے کی اجازت دی تھی۔

اور یزید بن ابی عبید سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ جب حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ شہید کیے گئے تو سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ ربذہ[5] چلے گئے اور وہاں ایک عورت سے شادی کر لی اور وہاں ان کے بچے بھی پیدا ہوئے۔ وہ برابر وہیں رہے، یہاں تک کہ وفات سے چند دن پہلے مدینہ آ گئے تھے۔[6]

ابن حجر کہتے ہیں: اس روایت سے سلمہ رضی اللہ عنہ کے دیہات (بادیہ) میں سکونت پذیر رہنے کی مدت کا اندازہ ہوتا ہے، جو تقریباً چالیس سال بنتی ہے، کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل ذوالحجہ ۳۵ھ میں ہوا، اور حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کا وصال ۷۴ھ میں ہوا اور یہی قول صحیح ہے۔[7]

---

[1] اس کی تفصیل خبر [رقم: ۲۰۵] کے حاشیے میں گزر چکی ہے۔

[2] معرفة الصحابة لأبي نعيم (۱۳۳۹/۳) سير أعلام النبلاء (۳۲۶/۳)

[3] یعنی: کیا تم بلا عذر اپنی ہجرت کی جگہ (یعنی مدینہ) سے نکل گئے ہو؟ کیونکہ وہ لوگ (یعنی سلف صالحین) اس عمل کو ارتداد (یعنی دین سے پھر جانا) کے مشابہ سمجھتے تھے۔

[4] یہ عمل (یعنی مدینہ جیسی ہجرت کی جگہ چھوڑ کر دیہات میں بس جانا) ایک مہاجر (یعنی وہ صحابی جو مکہ سے مدینہ ہجرت کر چکا ہو) کے لیے حرام تھا، جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس کی اجازت نہ ہو۔

[5] الرَّبَذَة: مدینہ منورہ کے قریوں (دیہاتی بستیوں) میں سے ایک ہے، مدینہ سے تین دن کی مسافت پر واقع ہے، اور ذاتِ عرق کے قریب ہے، جو مکہ مکرمہ کے راستے میں آتا ہے۔ دیکھیں: معجم البلدان (۲۴/۳) معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية (ص: ۱۳۵)

[6] صحيح البخاري (٦٦٧٦)

[7] فتح الباري (٤١/٣١)

15- سیدنا معقل بن یسار المُزَنی البصری رضی اللہ عنہ

انھوں نے حدیبیہ سے پہلے اسلام قبول کیا اور بیعتِ رضوان میں شریک ہوئے۔[1]

عجلی نے کہا: ان کی کنیت ابو علی تھی اور ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں ان کے سوا کسی اَور کے بارے میں معلوم نہیں جو ابو علی کی کنیت سے مشہور ہو۔[2]

انھوں نے فتنہ سے کنارہ کشی اختیار کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فتنوں کے بارے میں درج ذیل حدیث روایت کی:

[243] معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر طرف پھیلی ہوئی قتل وغارت گری کے دوران میں عبادت (پر توجہ مرکوز) کرنا، میری طرف ہجرت[3] کرنے کی طرح ہے۔''

[244] سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''فتنے کے زمانے میں عبادت کرنا میری طرف ہجرت کرنے کے مانند ہے۔''[4]

16- سیدنا براء بن عازب بن حارث انصاری حارثی رضی اللہ عنہ

جلیل القدر فقیہ، صحابہ کرام میں نمایاں مقام رکھنے والے تھے، بہت زیادہ احادیث روایت کیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پندرہ غزوات میں شریک ہوئے، جبکہ غزوۂ بدر کے دن کم عمر ہونے کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے۔[5] سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا نہروان میں امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہونا صحیح سند سے ثابت ہے، لیکن ان کی جانب سے جنگِ جمل اور صفین میں شرکت کا ثبوت نہیں ملتا۔

خطیب نے کہا: وہ (براء بن عازب رضی اللہ عنہ) علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے قاصد تھے، جنھیں نہروان میں خوارج کے پاس بھیجا گیا تھا، تاکہ انھیں اطاعت کی طرف بلائیں اور مخالفت چھوڑنے کی دعوت دیں۔[6]

---

[1] سیر أعلام النبلاء (٥٧٦/٢) الإصابة (١٨٥/٦)

[2] ثقات العجلي (١٧٦١) اور ذہبی نے اسے سیر أعلام النبلاء (٥٧٦/٢) میں ذکر کیا ہے، پھر اس کو محمد بن سعد کی طرف منسوب کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

[3] صحیح مسلم (٢٠٨/٨)

[4] مسند أحمد (٢٠٣١١) یزید: ابن ہارون۔ امام البانی اور شعیب الارناؤط نے اس کو صحیح کہا ہے۔ صحیح الترمذي (٢٢٠١)

[5] سیر أعلام النبلاء (١٩٤/٣)

[6] تاریخ بغداد (١٨٨/١)

[245] ہمیں احمد بن عمر بن روح نہروانی① نے یہ روایت بیان کی، کہا: ہمیں ابو الحسن محمد بن ابراہیم بن سلمہ کہیلی② نے کوفہ میں روایت بیان کی، کہتے ہیں: ہمیں ابو جعفر محمد بن عبداللہ بن سلیمان حضرمی③ نے بتایا، کہا: ہمیں قاسم بن زکریا بن دینار④ نے بیان کیا، کہا: ہمیں اسحاق بن منصور⑤ نے بیان کیا، وہ (عن)⑥ ہریم⑦ سے، ....

---

① خطیب نے کہا: میں نے ان سے نہروان اور بغداد میں روایت لکھی۔ وہ سچے، دیندار، خوش ذوق مذاکرہ کرنے والے، اور عمدہ گفتگو کرنے والے تھے۔ وہ معتزلہ کے مکتبِ فکر سے وابستہ تھے، اور سنہ ۴۴۵ھ میں بغداد میں وفات پائی۔ دیکھیے: تاریخ بغداد (٥٢/٥)، اور دیکھیے: المنتظم (٣٤١/١٥)، تاريخ الإسلام (١٠٩/٣٠)، لسان الميزان (٢٣٦/١)، الثقات ممن لم يقع في الكتب الستة (٤٤٠/١)

② ابن الجوزی نے کہا: ''انھوں نے مُطَیَّن سے روایت کی، ان کا سماع درست تھا، دیانت و استقامت پر قائم رہے اور عمدہ روش پر زندگی بسر کی، اور کوفہ میں سنہ (٣٨٣ھ) میں وفات پائی۔'' اور ذہبی نے ان کی کنیت ابو الحسن ذکر کی ہے۔ دیکھو: المنتظم (٣٦٧/١٤)، تاريخ الإسلام (٦٧٥/٢٦)

میں کہتا ہوں: کہیلی کا ایک حدیثی جزء (جزء حدیثی) مخطوطہ کی صورت میں موجود ہے، جسے "جوامع الکلم" نے شائع کیا ہے، اور یہ "المكتبة الشاملة الإليكترونية" پر (من حديث أبي الحسين محمد بن إبراهيم بن سلمة الكهيلي) کے عنوان سے دستیاب ہے۔ اس نسخے کی ابتدا میں کہیلی کو حضرمی کے لقب سے موسوم کیا گیا ہے، جیسا کہ عبارت ہے: "أخبرنا أبو الحسين محمد بن إبراهيم بن سلمة الكهيلي الحضرمي"

اور تاریخ بغداد (٤٣٢/١) میں ایک تعارف موجود ہے: "محمد بن إبراهيم، أبو الحسن الحضرمي" لہٰذا اس بنیاد پر احتمال ہے کہ یہی شخص ہو۔ واللہ اعلم۔

③ یہ مطیَّن ہیں، دارقطنی نے ان کے بارے میں کہا: ثقہ، پہاڑ جیسی شخصیت کے حامل۔ سؤالات حمزة للدارقطني (٢) سير أعلام النبلاء (٤١/١٤)

④ ابو محمد القرشی، کوفی، الطحان ہیں۔ بعض اوقات ان کی نسبت ان کے دادا کی طرف بھی کی جاتی ہے۔ ثقہ ہیں۔ م، ت، س، ق۔ التقريب (٥٤٥٩)

⑤ اسحاق بن منصور السلولی، ان کے موالی میں سے تھے، کنیت ابو عبدالرحمٰن، کوفی ہیں۔ صدوق ہیں، لیکن تشیع کی وجہ سے ان پر کلام کیا گیا ہے۔ (ع) التقريب (٣٨٥)

⑥ مطبوعہ نسخے میں یہ لفظ تصحیف ہو کر "عم" بن گیا ہے، جبکہ صحیح صورت شیخ بشار عواد معروف کی طباعت (٥٢٨/١) اور کتبِ تراجم سے ثابت ہے۔

⑦ ہُرَیم بن سفیان البَجَلی، کنیت ابو محمد، کوفی ہیں۔ ابن معین، ابو حاتم اور دیگر نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے۔ ابن حجر نے کہا ہے: صدوق، ع۔ جبکہ "تحرير التقريب" میں انھیں ثقہ کہا گیا ہے۔ تقريب (٧٢٧٩)

وہ مطرف [1] سے، وہ ابو الجہم [2] سے روایت کرتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ کو اہلِ نہروان کی طرف تین دن تک انھیں (اطاعت کی طرف) دعوت دینے کے لیے بھیجا، لیکن جب انھوں نے انکار کر دیا، تو پھر وہ (علی رضی اللہ عنہ) خود ان کی طرف روانہ ہوئے۔ [3]

[246] ہمیں ابو الحسن محمد بن یعقوب بن احمد الفقیہ نے طابران [4] میں بیان کیا، کہا: ہمیں ابو علی محمد بن احمد بن حسن بن صواف [5] نے بیان کیا، کہا: ہمیں ابو یعقوب اسحاق بن حسن بن میمون حربی [6] نے بیان کیا، کہتے ہیں کہ ہمیں ابو غسان [7] نے بیان کیا، ....

---

(1) مُطَرِّف بن طریف الحارثی، اور بعض کے نزدیک الخارفی، کنیت ابو بکر یا ابو عبدالرحمٰن، کوفی ہیں۔ ثقہ اور فاضل ہیں۔ (ع) التقریب (٦٧٠٥)

(2) سلیمان بن جُہَم بن ابو الجہم الانصاری الحارثی، کنیت ابو الجہم الجوزجانی ہے، وہ براء بن عازب کے مولیٰ ہیں۔ ثقہ ہیں۔ (د)، (س)، (ق) تقریب (٢٥٤٣)

(3) تاریخ بغداد (١٨٩/١) میں یہ روایت صحیح لغیرہ ہے، اور اس کی سند جید ہے۔ یہ روایت آگے [رقم: ۴۹۲] پر دوبارہ آئے گی، نیز اگلا اثر بھی ملاحظہ ہو۔

(4) امام، ابو الحسن الطّوسی، فقیہ، متکلم، اشعری تھے۔ عبدالغفار الفارسی نے کہا: وہ امام شافعی کے اصحاب میں سے مشہور اساتذہ، مفتیان اور کثرت سے حدیث بیان کرنے والوں میں شمار ہوتے تھے۔ انھوں نے عراق کا سفر کیا، وہاں علم حاصل کیا اور دوسروں کو فائدہ پہنچایا۔ الاسنوی نے کہا: وہ فقیہ، امام، علمِ کلام کے ماہر اور سماع وتحدیث والے عالم تھے۔ ابو الحسن السلیمانی نے کہا: ثقہ، کثرت سے روایت کرنے والے اور فقیہ تھے۔ مراجع: المنتخب من كتاب السياق لتاريخ نيسابور (ص: ٧٠)، طبقات الشافعية للإسنوي (ص: ٧٦٨)، العقد المذهب لابن الملقن (ص: ٨٧٤، ١٥٢٤)، السلسبيل النقي في تراجم شيوخ البيهقي (ص: ٢٠٠)

(5) شیخ، امام، محدث، ثقہ، حجت، ابو علی محمد بن احمد بن الحسن بن اسحاق البغدادی، معروف بہ ابن الصواف تھے۔ دارقطنی نے کہا: میری آنکھوں نے ابو علی بن الصواف اور فلاں جیسا کوئی مصر میں نہیں دیکھا۔ ابن ابی الفوارس نے کہا: ابو علی ثقہ، امانت دار تھے، اور میں نے ان جیسا کسی کو احتیاط برتنے میں نہیں پایا۔ وہ شعبان ۳۵۹ھ میں وفات پا گئے، اُس وقت ان کی عمر ۸۹ برس تھی۔ سير أعلام النبلاء (١٨٤/١٦)

(6) امام ذہبی نے کہا: وہ بغدادی، امام، حافظ، صدوق تھے۔ علمائے سادات میں سے ایک شمار ہوتے تھے، اور انہی کی روایت سے ہم نے امام مالک کے موطأ قعنبی کی روایت سے سنا۔ ان کی توثیق عبداللہ بن احمد اور دارقطنی نے کی ہے۔ وہ شوال ۲۸۴ھ میں وفات پا گئے، اور اس وقت ان کی عمر نوے برس سے زائد ہو چکی تھی۔ دیکھیے: سؤالات السلمي (٢٨)، سؤالات الحاكم (٥٧)، تاريخ بغداد (٣٧٨/٦) سير أعلام النبلاء (٤١٠/١٣)

(7) مالک بن اسماعیل بن دِرہم النہدی جو ان کے موالی میں سے تھے، کنیت ابو غسان، کوفی ہیں۔ ثقہ، متقن اور کتابت میں درست تھے۔ (ع) تقریب (٦٤٢٤)

ہمیں زیاد البکائی[1] نے بیان کیا، کہا: ہمیں مطرف بن طریف نے سلیمان بن الجہم ابو الجہم (مولیٰ براء بن عازب رضی اللہ عنہ) نے بیان کیا کہ براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے کہا: علی رضی اللہ عنہ نے مجھے نہر کی طرف خوارج کے پاس بھیجا، تو میں نے انھیں قتال سے پہلے تین مرتبہ دعوت دی۔[2]

ابن عبد البر اور ابن اثیر نے مدائنی سے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا: براء بن عازب رضی اللہ عنہ جنگِ جمل، صفین اور نہروان میں علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک ہوئے، پھر کوفہ میں آ کر مقیم ہو گئے اور وہیں مصعب بن زبیر کے زمانے میں فوت ہوئے۔[3] لیکن مدائنی نے اس روایت کی سند ذکر نہیں کی لہٰذا اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ بعد میں ابن حجر نے بھی یہ عبارت "الإصابة" میں نقل کی مگر مدائنی کی طرف اس کی نسبت نہیں کی۔[4]

اور میں نے مدائنی کے سوا کسی اور کو یہ ذکر کرتے نہیں پایا کہ براء بن عازب رضی اللہ عنہ جنگِ جمل اور صفین میں شریک ہوئے ہوں، سوائے نصر بن مزاحم کے، جس نے صرف صفین میں ان کی شرکت کا ایک مقام پر ذکر کیا ہے۔[5] رہا جمل، تو اس میں ان کی شرکت کا کہیں ذکر نہیں ملا۔

17- سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح بن حارث عامری قرشی رضی اللہ عنہ

وہ امیر اور سپہ سالار تھے، اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے رضاعی بھائی تھے۔ ان کو صحابی ہونے کا شرف حاصل تھا اور انھوں نے حدیث کی روایت بھی کی ہے۔ وہ عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے مصر کے گورنر مقرر ہوئے، اور افریقہ کو فتح کرنے والے یہی تھے۔[6]

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جنگِ جمل اور صفین سے کنارہ کشی اختیار کی اور رملہ[7] میں آ کر مقیم ہوئے،

---

[1] صدوق ہے اور ابن اسحاق سے مغازی کی روایت میں پختہ ہے، لیکن ابن اسحاق کے علاوہ روایت میں کچھ کمزوری ہے۔ اس کا تفصیلی تعارف [رقم: ۱۲۲] پر گزر چکا ہے۔

[2] السنن الكبرىٰ للبيهقي (١٦٧٣٩) کی یہ روایت صحیح لغیرہ ہے، اور اس کی سند زیاد البکائی کی متابعت کی وجہ سے حسن ہے، اسے متابعت حاصل ہے اور باقی تمام راوی ثقہ ہیں۔ یہ روایت آگے [رقم: ۴۰۳] پر دوبارہ آئے گی، اور جو پہلے گزرا ہے، اسے بھی ملاحظہ کریں۔

تخریج: اسے بیہقی نے السنن الصغرىٰ (۳۱۵۰) میں بھی اسی سند اور اسی متن کے ساتھ روایت کیا ہے۔

[3] الاستيعاب (١/١٥٧)، أسد الغابة (١/٢٥٨)
[4] الإصابة (١/٢٧٨)

[5] وقعة صفين (ص: ٤٤٨)
[6] سير أعلام النبلاء (٣/٣٣)

[7] الرملة: یہ ایک شہر ہے جو فلسطین میں بیت المقدس کے مغرب میں ساحل کے قریب واقع ہے، اور آج کل صہیونی قبضے کے تحت ہے۔ دیکھیے: معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية (ص: ١٨)، معجم البلدان (٣/٦٩)

پھر ۳۶ھ میں وفات پائی، جیسا کہ نووی نے راجح قرار دیا ہے۔ بعض نے ۳۷ھ بھی کہا ہے، اور کچھ نے اس کے علاوہ اقوال بھی نقل کیے ہیں۔[1]

[**247**] یزید بن ابی حبیب بیان کرتے ہیں: جب عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کی وفات کا وقت آیا جبکہ وہ رملہ میں تھے، اور وہ فتنے سے بچنے کے لیے وہاں نکل گئے تھے، تو وہ رات بھر لوگوں سے پوچھتے رہے: کیا صبح ہوگئی؟ لوگ کہتے: نہیں۔ جب صبح کا وقت قریب آیا تو کہنے لگے: میں صبح کی ٹھنڈک محسوس کر رہا ہوں، دیکھو ذرا۔ پھر کہا: اے اللہ! میرے عمل کا خاتمہ فجر کی نماز پر فرما۔ پھر انھوں نے وضو کیا اور نمازِ فجر ادا کی۔ پہلی رکعت میں سورۃ الفاتحہ اور سورۃ العادیات پڑھی، اور آخری رکعت میں سورۃ الفاتحہ اور کوئی ایک سورت، پھر دائیں طرف سلام پھیرا، اور جیسے ہی بائیں طرف سلام پھیرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روح قبض فرمالی۔ اور یہ الفاظ احمد بن منصور کے ہیں۔[2]

اور ابومخنف نے اپنی ایک من گھڑت روایت[3] میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ عبد اللہ بن ابی السرح اور

---

[1] ملاحظہ ہو: التاريخ الكبير (٢٩/٥)، تهذيب الأسماء للنووي (٢٥٤/١)، البداية والنهاية (٣٧٢/٥- ٣٧٣)، ميزان الاعتدال (٣٣/٣)، الإصابة (١١٠/٤)، مرويات أبي مخنف في تاريخ الطبري (ص: ٢٩٥)

[2] معجم الصحابة (٢٤/٤- ٢٥) اور دوبارہ سے (۲۵۰/۴- ۲۵۱) میں ذکر کیا، اس کی سند صحیح ہے۔ محمد بن اسحاق: ابوبکر الصاغانی۔ ابوعبدالرحمٰن المقری: عبداللہ بن یزید۔ ابواسحاق الطالقانی: ابراہیم بن اسحاق بن عیسیٰ البنانی۔

تخریج الحدیث: اس روایت کو ابن عساکر (۴۳/۲۹) نے بغوی کی سند سے بیان کیا ہے۔

ابن حجر نے اس کو الإصابة (١١٠/٤) میں روایت کیا اور کہا: امام بغوی نے اس کو صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے: ''عن یزید بن ابی حبیب، ......۔'' پھر اس روایت کو مختصر ذکر کیا۔

امام ذہبی نے اس کو السیر (۳۵/۳) میں سعید بن ابی ایوب سے روایت کیا ہے۔

[3] تاريخ الطبري (٧٦/٣) اور دیگر بعض روایتوں میں عبداللہ بن ابی السرح کے صفّین میں شریک ہونے کا ذکر آتا ہے لیکن یہ روایات صحیح نہیں۔ چنانچہ طبری نے اپنی تاریخ (۷۶/۳، ۱۰۱) میں ابومخنف کی دو روایات نقل کی ہیں۔

ابن عساکر (۴۱/۲۹-۴۲) نے ہشام بن محمد بن السائب الکلبی کے واسطے سے ابومخنف کی روایت پیش کی ہے۔ نیز ابن عساکر (۱۳۶/۹- ۱۳۷) اور ابن العدیم نے بغية الطلب (٢٤٣/٤) میں ابوعلی محمد بن سلیمان بن حیدرۃ کے واسطے سے ایک خبر ذکر کی ہے جس میں عباس بن الولید بن مرید روایت کرتے ہیں۔ مگر ابن حیدرۃ مجہول ہے، جیسا کہ علامہ البانی نے ذکر کیا اور العباس (م: ۲۶۹ھ) اور واقعہ کے درمیان بڑا انقطاع ہے۔

ابن حیدرۃ کا تعارف دیکھیے: الأنساب المتفقة لابن القيسراني (ص: ١١)، الأنساب للسمعاني (١٨٣/١)، تاريخ الإسلام (٤٧٨/٢٥)، السلسلة الضعيفة (١٧٢/٢، رقم: ٧٤٩)

لہٰذا جو مورخین یا متاخرین عبداللہ بن ابی السرح کی صفین میں شرکت کے قائل ہیں، وہ انہی کمزور اور ساقط الاسناد روایتوں پر اعتماد کرتے ہیں۔

ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہما دونوں صفین میں شریک ہوئے تھے، اور اس کی روایت میں ان دونوں کے متعلق تکفیر اور گالی گلوچ کا مضمون شامل ہے!!

ابن الاثیر نے سنہ ۳۷ھ کے وفیات کے ضمن میں لکھا: اور اسی سال (۳۷ھ) عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ عسقلان میں اچانک اس وقت وفات پا گئے جب وہ نماز میں تھے۔ وہ معاویہ کے ساتھ صفین جانے کو ناپسند کرتے تھے، اور کہا گیا ہے کہ وہ وہاں شریک ہوئے لیکن یہ بات صحیح نہیں۔ [1]

18- سیدنا ولید بن عقبہ بن ابی معیط بن ابی عمرو الاموی رضی اللہ عنہ

وہ امیر (حاکم) تھے، اور خلیفۂ راشد امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کے ماں شریک (اخیافی) بھائی تھے۔ انھیں عثمان رضی اللہ عنہ نے کوفہ کا گورنر مقرر کیا، اور انھوں نے شام میں جہاد بھی کیا۔ سیرت اور تراجم کے ماہرین کا اس پر اتفاق ہے کہ اپنے بھائی عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد انھوں نے الرّقہ میں گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی، اور دونوں گروہوں (یعنی علی ومعاویہ رضی اللہ عنہما کے لشکروں) میں سے کسی کے ساتھ جنگ نہیں کی، یہاں تک کہ وہ وہیں سنہ ۶۱ھ میں وفات پا گئے۔ اور بعض نے کہا کہ وہ اس سے پہلے، خلافتِ معاویہ کے دور میں فوت ہو گئے تھے۔ [2]

ڈاکٹر یحییٰ الیحییٰ نے کہا: علماء کے اقوال میں جو بات ثابت شدہ ہے وہ یہ ہے کہ ولید (بن عقبہ) نے فتنے سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے الرقہ میں وفات پائی۔ [3]

اور ابومخنف نے ایک من گھڑت خبر میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ ولید بن عقبہ نے صفین کی جنگ میں شرکت کی تھی۔ ابن ابی سرح کا سابقہ تعارف دیکھیں۔

---

[1] الكامل في التاريخ (٣/٢٢٥)

[2] عقبہ بن ابی معیط رضی اللہ عنہ کے فتنہ سے کنارہ کش رہنے کا ذکر متعدد مصادر میں موجود ہے، جیسے کہ: الطبقات الكبرىٰ (٦/٢٤)، الثقات لابن حبان (٣/٤٣٠)، الاستيعاب (٤/١٥٥٦)، تاريخ دمشق (٦٣/٢١٨)، أسد الغابة (٥/٤٧٠)، تهذيب الكمال (٣١/٥٤)، سير أعلام النبلاء (٣/٤١٤)، الوافي بالوفيات للصفدي (٢٧/٢٧٨)، البداية والنهاية (٨/٢٣٤)، التكميل في الجرح والتعديل لابن كثير (٢/١٠٦)، الإصابة (٦/٦١٧)، الأعلام للزركلي (٨/١٢٢)۔
ابن عساکر (۶۳/۲۲۳) نے بھی ان کے اعتزال (فتنہ سے علاحدگی) پر اہلِ علم کے متعدد اقوال و روایات ذکر کی ہیں، جن میں امام ابو احمد الحاکم، ابن مندہ اور دیگر محدثین شامل ہیں۔

[3] مرويات أبي مخنف في تاريخ الطبري (ص: ٢٩٥)

19- سیدنا عمران بن حصین بن عبید بن خلف خزاعی رضی اللہ عنہما

آپ قدوہ، امام، (اور) قاضیِ بصرہ تھے، جنھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہلِ بصرہ کی تعلیم و تربیت اور فقہ سکھانے کے لیے وہاں بھیجا تھا۔[1] سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہما نے فتنہ سے کنارہ کشی اختیار کی اور وہ لوگوں کو بھی فتنوں سے دور رہنے کی نصیحت کرتے تھے۔

[248] حجیر بن ربیع بیان کرتے ہیں کہ بے شک عمران بن حصین رضی اللہ عنہما نے انھیں بنو عدی کے پاس اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ وہ عصر کے وقت اپنی مسجد میں جس قدر جمع ہو سکیں، پھر وہ کھڑا ہو کر ان سے بات کرے۔ چنانچہ وہ کھڑا ہوا اور کہا: مجھے تمھارے پاس عمران بن حصین رضی اللہ عنہما، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی، نے بھیجا ہے۔ وہ تمھیں سلام اور رحمتِ خداوندی پہنچاتے ہیں اور تمھیں اطلاع دیتے ہیں کہ میں تمھارا خیر خواہ ہوں۔ وہ اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اگر کوئی حبشی غلام جس کے اعضاء کٹے ہوں، پہاڑ کی چوٹی پر حضنی بکریاں[2] چرا رہا ہو اور وہیں اسے موت پا لے، تو یہ اُنھیں اس سے زیادہ پسند ہے کہ وہ دونوں گروہوں (اہلِ عراق و اہلِ شام) میں سے کسی ایک پر تیر پھینکیں، چاہے وہ تیر خطا جائے یا نشانہ بنے۔ پس باز آ جاؤ، میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں۔ راوی کہتا ہے: قوم نے اپنے سر اٹھائے اور کہا: اے لڑکے! ہمیں چھوڑ دو، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت[3] کو کسی حال میں نہیں چھوڑ سکتے۔ چنانچہ وہ لوگ

---

[1] سير أعلام النبلاء (٥٠٨/٢)

[2] ابن قتیبہ نے کہا: "حضنيات" نسبت ہے حضن کی طرف، اور حضن نجد میں ایک بڑا پہاڑ ہے۔ عرب اس پہاڑ کو ضرب المثل میں استعمال کرتے ہیں: "أنجد من رأى حضنًا" یعنی جس نے حضن کو دیکھ لیا، وہ نجد کی حدود میں داخل ہو گیا۔ اس جملے کا مطلب ہے کہ اگر میں نجد کے اس پہاڑ حضن میں ایک غلام چرواہا بن کر زندگی گزاروں تو یہ مجھے اس بات سے زیادہ محبوب ہے کہ میں کسی فتنے کی جنگ میں شریک ہوں۔ اس قول کو زمخشری اور ابن الجوزی نے بھی اختیار کیا ہے۔ دیکھیے: غريب الحديث لابن قتيبة (٣٢٨/٢) الفائق (٢٩١/١) غريب الحديث لابن الجوزي (٢٢١/١)
نیز ابراہیم الحربی نے ذکر کیا ہے کہ "الشاة الحضَان" وہ بکری ہے جس کے دونوں تھن برابر نہ ہوں؛ یعنی ایک بڑا اور دوسرا چھوٹا ہو، اور اسے بکری کے عیوب میں شمار کیا جاتا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ "حضَان" بکری کی ایک خاص نسل ہے جو شدید سرخ یا سیاہ رنگ کی ہوتی ہے۔ دیکھیں: غريب الحديث (٩٠٠/٢) النهاية في غريب الحديث (٤٠١/١)

[3] مطبوع نسخے میں اس لفظ کی تصحیف ہو کے "ثفل" ہو چکا ہے۔ اصل میں یہ "ثَقَل" ہونا چاہیے۔ عربی زبان میں "ثَقَل" کا مطلب ہے: مسافر کا سامان یا اس کے ساتھ جانے والے خدام و حشم، اور اس کی جمع اثقال ہے۔ عربوں کے نزدیک ہر وہ چیز جو قیمتی، اہم، محفوظ اور وزنی ہو، وہ "ثَقَل" کہلاتی ہے۔ اس مقام پر "ثَقَل" سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ (عائشہ رضی اللہ عنہا) ہے۔ اسی مفہوم میں ایاس بن مالک کے شعر میں آیا ہے:

←

جمل کے دن نکلے، اور اللہ کی قسم! عائشہ رضی اللہ عنہا کے ارد گرد بہت سے لوگ مارے گئے، ان میں ستر (۷۰) ایسے تھے جنھوں نے مکمل قرآن حفظ کیا ہوا تھا اور جنھوں نے قرآن حفظ نہیں کیا تھا، وہ ان سے بھی زیادہ تھے۔[1]

یہ خبر اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بنو عدی نے جنگِ جمل میں شرکت پر اصرار اس لیے کیا تھا تا کہ اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حفاظت کر سکیں۔

← كلا ثقلينا طامع بغنيمة   وقد قدر الرحمن ما هو قادر

اس شعر میں "ثَقَل" سے مراد عورتیں ہیں، اور "قَادِر" کا مطلب ہے مقدّر یعنی جو تقدیر میں لکھا جا چکا ہو۔

تفصیل کے لیے دیکھیے: تاج العروس (۱۵٦/۲۸) مادة: ثقل، (۳۷۱/۱۳- ۳۷۲) مادة: قدر.

[1] الطبقات الکبری (۲۸۸/٤) روایت صحیح ہے، اور اس کی سند ابونعامہ عدوی کی وجہ سے حسن ہے، ان کا پورا نام عمرو بن عیسیٰ بن سوید ہے۔ وہ صدوق ہیں لیکن آخر عمر میں اختلاط کا شکار ہو گئے تھے۔ (التقریب: ۵۰۸۹) باقی تمام راوی ثقہ ہیں۔

یہ خبر حُجیر بن ربیع سے مروی ہے، اور اس کی روایت میں اختلاف ہوا ہے:

اسے ایوب السختیانی اور سلیمان بن مغیرہ دونوں نے حمید بن ہلال کے واسطے سے حُجیر سے روایت کیا ہے۔ اور اسے ابونعامہ عدوی نے بھی روایت کیا ہے، لیکن ان سے روایت کرنے میں اختلاف ہے: روح بن عبادہ نے ابونعامہ عدوی سے، اور انھوں نے حمید بن ہلال سے، اور انھوں نے حُجیر سے روایت کیا۔ جبکہ یزید بن زریع نے ابونعامہ عدوی سے براہِ راست حُجیر بن ربیع کی روایت بیان کی اور حمید کو حذف کر دیا۔

حالانکہ ابونعامہ نے دونوں، حمید اور حُجیر سے روایت سنی ہے، اور ان کی حُجیر سے روایت مسلم (۶۴/۱) میں موجود ہے۔ نیز مِزی نے بھی تهذيب الكمال (۸۲/۲۲) میں ان کی دونوں سے روایت کا ذکر کیا ہے۔ پس حمید کو سند میں ثابت کرنا ہی زیادہ صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔

تخریج: اس روایت کو امام ابن ابی شیبہ نے اپنی کتاب المصنف (۳۸۲۷۲) میں روایت کیا ہے: ہمیں ابن علیہ نے حدیث سنائی، انھوں نے ایوب سے روایت کی۔

اسی روایت کو طبرانی نے المعجم الكبير (۱۰۵/۱۸) میں نقل کیا ہے: ہمیں بشر بن موسیٰ نے حدیث سنائی، انھوں نے ابوعبدالرحمٰن (یعنی عبداللہ بن یزید مقری) سے، انھوں نے سلیمان بن مغیرہ سے، اور ان دونوں نے حمید بن ہلال سے اسی طریق سے روایت کی، اور ان تمام رواۃ کا شمار ثقہ (قابلِ اعتماد) لوگوں میں ہوتا ہے۔

اسی روایت کو امام ابراہیم حربی نے اپنی کتاب غريب الحديث (۲۹۹/۲) میں عبیداللہ بن عمر بن میسرہ القواریری کے واسطے سے روایت کیا ہے، اور امام طبری نے اسے اپنی التاريخ (۳۷/۳- ۳۸) میں ابوحفص عمرو بن علی بن بحر صیرفی الفلاس کے واسطے سے نقل کیا ہے، اور ان دونوں نے یزید بن زریع سے، انھوں نے ابونعامہ العدوی سے، اور انھوں نے حُجیر بن ربیع سے یہ روایت نقل کی۔ ابراہیم الحربی نے اس روایت کو مختصر انداز میں ذکر کیا ہے۔

20- سیدنا ابوبکرہ نُفَیع بن حارث ثقفی طائفی رضی اللہ عنہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام (مولیٰ) تھے، بصرہ میں سکونت اختیار کی، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فقہاء میں شمار ہوتے تھے۔ انھوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھی بطور وفد حاضری دی۔[1]

ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے جنگِ جمل اور صفین کی فتنہ انگیزی[2] سے کنارہ کشی اختیار کی، اور وہ لوگوں کو بھی اس فتنے سے دور رہنے کی نصیحت کرتے تھے۔ وہ انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی وہ احادیث سنایا کرتے تھے جن میں فتنوں میں مداخلت سے منع فرمایا گیا ہے۔

ابوبکرہ رضی اللہ عنہ جنگِ جمل سے کنارہ کشی اختیار کرنے کی ایک وجہ یہ بیان کرتے تھے کہ ان کے پاس اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث تھی، جو فتنے میں پڑنے یا اس میں حصہ لینے سے روکتی تھی:

[**249**] سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: اللہ نے مجھے جنگِ جمل کے دنوں میں ایک بات سے نفع دیا، یعنی مجھے اس بات کی وجہ سے فتنے میں پڑنے سے بچا لیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ فارس والوں نے کسریٰ کی بیٹی کو (اپنے امور کا) حاکم بنا لیا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی، جنھوں نے اپنا معاملہ کسی عورت کے سپرد کر دیا۔''[3]

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کی بنیاد پر اہلِ جمل کی شکست کو بھانپ لیا تھا۔[1]

ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو اسی طرح سمجھا، ورنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود لشکر کی قیادت نہیں کر رہی تھیں، بلکہ قیادت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما کے ہاتھ میں تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تو اس لیے گئیں کہ لوگ انھیں دیکھ کر صلح کر لیں اور قتال سے باز آ جائیں، کیونکہ ان کا مقام نہایت بلند تھا، وہ تمام انبیاء و مرسلین کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ تھیں۔

یہ تمام حضرات (حضرت عائشہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم) جنگ کے قائد نہیں تھے، بلکہ

---

[1] سير أعلام النبلاء (٥/٣)

[2] فتح الباري لابن حجر (٥٦/١٣)

[3] صحيح البخاري (٦٦٨٦) عوف: الاعرابی ہیں۔ حسن: بصری ہیں۔

[1] فتح الباري (٥٦/١٣)

اصلاح کے قائد تھے۔ جنگ کا آغاز سبائیوں کے ہاتھوں ہوا، دونوں فریقین کی مرضی کے بغیر۔[1] میدانِ جنگ کی قیادت حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما کے پاس تھی۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے، اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جنگ سے الگ ہو گئے، پھر انھیں شہید کر دیا گیا۔

[250] قیس کہتے ہیں: جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سفر پر روانہ ہوئیں اور رات کے وقت قبیلہ بنی عامر کے پانی کے مقام پر پہنچیں تو وہاں کتوں نے بھونکنا شروع کر دیا۔ انھوں نے پوچھا: یہ کون سا پانی ہے؟ لوگوں نے بتایا: یہ حوأب کا مقام ہے۔[2] تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میرا گمان ہے کہ مجھے واپس لوٹ جانا چاہیے۔ ان کے ساتھ موجود بعض افراد نے کہا: نہیں، آپ آگے بڑھیں تاکہ مسلمان آپ کو دیکھیں، ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعے ان کے درمیان صلح کر دے۔ اس پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ہم ازواجِ مطہرات سے فرمایا تھا: تم میں سے کسی ایک پر ایسا وقت آئے گا کہ اس پر حوأب کے کتے بھونکیں گے۔[3]

[251] قیس بن ابی حازم روایت کرتے ہیں: جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مقام حوأب پر پہنچیں تو کتوں کے بھونکنے کی آواز سنی، فرمایا: میرا گمان ہے کہ مجھے واپس لوٹ جانا چاہیے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم (ازواجِ مطہرات) سے ایک دن فرمایا تھا: تم میں سے کون ہے جس پر حوأب کے کتے بھونکیں گے؟ تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: کیا آپ واپس جائیں گی؟! ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعے لوگوں کے درمیان اصلاح فرما دے۔[4]

ابوبکرہ رضی اللہ عنہ وہ صحابی تھے جنھوں نے اَحنف بن قَیس رحمہ اللہ کو جنگِ جمل میں شرکت نہ کرنے کی

---

[1] ملاحظہ فرمائیں: تاريخ الطبري (٣/٣٩)، البداية والنهاية لابن كثير (٧/٢٦٦)، منهاج السنة النبوية لابن تيمية (٤/٤٦٥- ٤٦٦)

[2] الحواب: پانی کا ایک چشمہ (یا مقام) تھا جو بصرہ اور مکہ کے راستے میں واقع تھا۔ اس حدیث میں آیا ہے کہ یہ مقام بنو عامر کا علاقہ تھا۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: معجم البلدان (٢/٣١٤)

[3] مسند أحمد (٢٤٢٥٤) یحییٰ: ابن سعید القطان۔ اسماعیل: ابن ابی خالد۔ قیس: ابن ابی حازم۔ اس حدیث کو کئی اہلِ علم نے صحیح قرار دیا ہے، جن میں علامہ البانی اور شعیب ارناؤط شامل ہیں۔ علامہ البانی نے فرمایا: یہ ان صحیح ترین احادیث میں سے ہے، اسی لیے قدیم و جدید ائمہ نے اس کی صحت پر متفقہ طور پر اعتماد کیا ہے۔ السلسلة الصحيحة (٤٧٤)

[4] مسند أحمد (٢٤٢٥٤) یہ بھی سابقہ روایت کی طرح صحیح ہے۔ اس حدیث کو بیان کرنے والے محمد بن جعفر ہیں، جنھیں غُندَر کے لقب سے جانا جاتا ہے، ثقہ اور معتبر راوی ہیں۔

نصیحت کی، چنانچہ احنف نے اس فتنے سے کنارہ کشی اختیار کی، اور اُن کے ساتھ چھے ہزار افراد[1] نے بھی جنگِ جمل سے کنارہ کشی اختیار کی۔ تاہم، بعد میں اَحنَف بن قَیس نے جنگِ صفین میں شرکت کی اور وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج کے سپہ سالاروں میں سے تھے۔

[252] احنف بن قیس روایت کرتے ہیں: میں (گھر سے) اس شخص (حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شامل ہونے) کے ارادے سے نکلا تو مجھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ملے۔[2] انھوں نے پوچھا: احنف! کہاں کا ارداہ ہے؟ کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عم زاد، یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نصرت کرنا چاہتا ہوں۔ کہا: تو انھوں نے مجھ سے کہا: احنف! لوٹ جاؤ، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا، آپ فرما رہے تھے: ''جب دو مسلمان اپنی اپنی تلواروں کے ساتھ آمنے سامنے آجائیں تو قاتل اور مقتول دونوں (جہنم کی) آگ میں ہوں گے۔'' کہا: تو میں نے عرض کی، یا کہا گیا: اللہ کے رسول! یہ تو قاتل ہوا (لیکن) مقتول کا یہ حال کیوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس نے (بھی) اپنے ساتھی کو قتل کرنے کا ارداہ کر لیا تھا۔''[3]

یہ واقعہ جنگِ جمل سے پہلے کا ہے۔

[253] عثمان الشحام بیان کرتے ہیں: میں اور فرقد سبخی مسلم بن ابی بکرہ کے ہاں گئے، وہ اپنی زمین میں تھے، ہم ان کے ہاں اندر داخل ہوئے اور کہا: کیا آپ نے اپنے والد کو فتنوں کے بارے میں کوئی حدیث بیان کرتے ہوئے سنا؟ انھوں نے کہا: ہاں، میں نے (اپنے والد) ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کو حدیث بیان کرتے ہوئے سنا، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عنقریب فتنے برپا ہوں گے سن لو! پھر (اَور) فتنے برپا ہوں گے، ان میں بیٹھا رہنے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا، اور ان میں چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا، یاد رکھو! جب وہ نازل ہوں گے یا واقع ہوں گے تو جس کے (پاس) اونٹ ہوں وہ اپنے اونٹوں کے پاس چلا جائے۔ جس کے پاس بکریاں ہوں وہ بکریوں کے پاس چلا جائے اور جس کی زمین ہو زمین میں چلا جائے۔''

---

[1] دیکھو: عمر بن جاوان کی روایت [رقم: ۲۶۲] اس میں ہے: ''تو وہ بصرہ سے دو فرسخ کے فاصلے پر جلحاء کے مقام پر الگ ہو گئے، اور ان کے ساتھ تقریباً چھے ہزار افراد نے اعتزال اختیار کیا۔''

[2] اور امام بخاری کے الفاظ یہ ہیں: ''میں فتنے کی راتوں میں اپنے ہتھیار کے ساتھ نکلا، تو مجھے ابوبکرہ رضی اللہ عنہ ملے، ......''

[3] صحیح مسلم (۱۶۹/۸)

تخریج الحدیث: امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے اپنی صحیح (۶۶۷۲) میں حسن کے واسطے سے روایت کیا ہے۔

(حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ نے) کہا: تو ایک شخص نے عرض کی: اللہ کے رسول! اس کے بارے میں کیا خیال ہے جس کے پاس یہ اونٹ ہوں، نہ بکریاں، نہ زمین؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ اپنی تلوار لے، اس کی دھار کو پتھر سے کوٹے، اور پھر اگر بچ سکے تو بچ نکلے! اے اللہ! کیا میں نے (حق) پہنچا دیا؟ اے اللہ! کیا میں نے (حق) پہنچا دیا۔ اے اللہ! کیا میں نے پہنچا دیا۔'' کہا: تو ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول! اگر مجھے مجبور کر دیا جائے اور لے جا کر ایک صف میں یا ایک فریق کے ساتھ کھڑا کر دیا جائے اور کوئی آدمی مجھے اپنی تلوار کا نشانہ بنا دے یا کوئی تیر آئے اور مجھے مار ڈالے تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''(اگر تم نے وار نہ کیا ہوا) تو وہ اپنے اور تمھارے گناہ سمیٹ لے جائے گا، اور اہلِ جہنم میں سے ہو جائے گا۔''[1]

[254] ابن سیرین بیان کرتے ہیں کہ ان سے عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ نے بیان کیا اور ایک دوسرے شخص[2] نے بھی جو میری نظر میں عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ سے اچھے ہیں اور ان سے ابو بکرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول ﷺ نے لوگوں کو یوم النحر میں خطبہ دیا اور فرمایا: ''تمھیں معلوم ہے یہ کون سا دن ہے؟'' لوگوں نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔ بیان کیا کہ (اس کے بعد آنحضرت ﷺ کی خاموشی سے) ہم یہ سمجھے کہ آپ اس کا کوئی اور نام رکھیں گے۔ لیکن آپ نے فرمایا: ''کیا یہ قربانی کا دن (یوم النحر) نہیں ہے؟'' ہم نے عرض کی: کیوں نہیں، یا رسول اللہ! آپ نے پھر پوچھا: ''یہ کون سا شہر ہے؟ کیا یہ البلدۃ (مکہ مکرمہ) نہیں ہے؟'' ہم نے عرض کی: کیوں نہیں، یا رسول اللہ! آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''تو تمھارے خون، تمھارے مال، تمھاری عزت اور تمھاری کھالیں تم پر اسی طرح حرمت والے ہیں جس طرح اس دن کی حرمت اس مہینے اور اس شہر میں ہے۔ کیا میں نے پہنچا دیا؟'' ہم نے کہا: جی ہاں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! گواہ رہنا۔ پس میرا یہ پیغام موجود لوگ غیر موجود لوگوں کو پہنچا دیں، کیونکہ بہت سے پہنچانے والے اس پیغام کو اس تک پہنچائیں گے جو اس کو زیادہ محفوظ رکھنے والا ہو گا۔'' چنانچہ ایسا ہی ہوا اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔'' پھر جب وہ دن آیا جب عبداللہ بن عمرو بن حضرمی کو جاریہ بن قدامہ نے ایک مکان میں گھیر کر جلا دیا[1]

---

[1] صحیح مسلم (١٦٩/٨)

[2] یہ حمید بن عبدالرحمٰن حمیری ہیں۔

[1] یہ عبداللہ بن عمرو بن حضرمی ہیں، جنھیں معاویہ رضی اللہ عنہ نے سنہ ٣٨ ھ میں بصرہ پر قبضہ کے لیے بھیجا تھا۔ چنانچہ علی رضی اللہ عنہ نے ان کے مقابلے میں جارِیَہ بن قُدامہ کو روانہ کیا، جنھوں نے عبداللہ بن عمرو اور ان کے ساتھیوں کو اس مکان میں ←

تو جاریہ نے اپنے لشکر والوں سے کہا[1] : ذرا ابو بکرہ کو تو جھانکو[2] وہ کس خیال میں ہے۔ انھوں نے کہا: یہ ابوبکرہ موجود ہیں تم کو دیکھ رہے ہیں[3] عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ کہتے ہیں:[4] مجھ سے میری والدہ نے کہا کہ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے کہا[5] : اگر یہ لوگ (جاریہ کے لشکر والے) میرے گھر میں بھی گھس آئیں اور مجھ کو مارنے لگیں تو بھی میں ان پر ایک بانس کی چھڑی بھی نہیں چلاؤں گا۔[6]

ابن حضرمی کو جلانے کا واقعہ، حکمین کے فیصلے کے بعد پیش آیا، لہٰذا یہ صفین کی جنگ کے ضمنی واقعات میں سے ہے۔ اور حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ اپنے فتنوں میں قتال سے متعلق موقف کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اگر وہ لوگ میرے گھر میں بھی داخل ہو جاتے تو میں اُن سے قتال نہ کرتا، خواہ ایک تنکے کے ذریعے بھی کیوں نہ ہو۔

21- سیدنا عبداللہ بن سلام بن حارث اسرائیلی رضی اللہ عنہ

امام، جلیل القدر عالم، جن کے لیے جنت کی بشارت دی گئی، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص صحابہ میں سے تھے۔[7] وہ یہود کے بڑے علماء میں سے تھے، پھر اللہ نے ان کو اسلام کی ہدایت دی۔ وہ نبی یوسف علیہ السلام کی

← قتل کر دیا جس میں وہ پناہ لیے ہوئے تھے، اور اسی مکان میں انھیں جلا کر مار دیا۔ ان کا واقعہ آگے چل کر بحث ''معاویہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک خلافت کے استحقاق کا معیار'' کے تحت تفصیل سے آئے گا۔

1. یہ قول جاریہ بن قدامہ رضی اللہ عنہ کا ہے۔
2. جاریہ بن قدامہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بعض لشکریوں سے کہا: اوپر سے دیکھو، اور ''الإشراف'' کا مطلب ہے: کسی بلند جگہ سے جھانکنا۔ تو انھوں نے جھانکا اور اُسے (ابوبکرہ کو) ایک باغ میں دیکھا۔ اور جاریہ کا مقصد یہ تھا کہ اس کا امتحان لے (یہ جاننے کے لیے) کہ آیا وہ محارب ہیں یا (حالتِ) اطاعت میں۔
3. یعنی انھوں نے جاریہ بن قدامہ سے کہا: اے جاریہ! یہ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ ہیں، انھوں نے دیکھ لیا ہے جو تم نے ابن الحضرمی اور اُس کے ساتھیوں کے ساتھ کیا ہے، تو ممکن ہے کہ وہ تم پر ہتھیار یا کسی بات سے انکار کرے۔
4. وہ اس خبر کو روایت کرنے والے، یعنی عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ ہیں۔
5. یعنی: جب ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے جاریہ رضی اللہ عنہ کے آدمیوں کی یہ بات سنی جو انھوں نے اُن کے متعلق کہی تھی، تو فرمایا: اگر وہ میرے گھر میں بھی داخل ہو جاتے تو میں ان پر ایک تنکا تک نہ اٹھاتا، کیونکہ میں مسلمانوں سے قتال (لڑائی) کو جائز نہیں سمجھتا، تو پھر کیسے میں ان سے اسلحے کے ساتھ جنگ کروں؟
6. صحيح البخاري (٦٦٦٧) اور دیکھیں: فتح الباري (٢٨/١٣) ام عبدالرحمٰن بنت ابی بکرہ: یہ ہالہ (اور بعض کے نزدیک ہَولہ) بنت غلیظ العجلیہ ہیں۔ الطبقات (١٩٠/٧) التقريب (٨٨٠٠)
7. سير أعلام النبلاء (٤١٣/٢)

نسل سے تھے۔[1] اللہ تعالیٰ نے انھیں ایسی بصیرت عطا فرمائی تھی جو ان کے اسلام لانے کا سبب بنی۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ خود اپنی اسلام لانے کی داستان بیان کرتے ہیں، جس میں وہ فرماتے ہیں:

[255] عبداللہ بن سلام روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو لوگ فوراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے،[2] لوگوں نے کہا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے ہیں۔ لوگوں کے ساتھ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے گیا۔ جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس کو توجہ سے دیکھا تو مجھے یقین ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ کسی جھوٹے آدمی کا چہرہ نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے جو کلام فرمایا، وہ یہ تھا[3]: لوگو! سلام کو عام کرو، کھانا کھلایا کرو، رات کو جب لوگ سو رہے ہوں تو تم نماز پڑھا کرو، سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔[4]

عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فتنوں سے کنارہ کشی اختیار کی، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نصیحت کی کہ وہ عراق نہ جائیں بلکہ مدینہ ہی میں قیام کریں، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی بات نہ مانی۔

[256] سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے پاس عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ آئے جبکہ میں نے اپنے پاؤں رکاب میں رکھ دیے تھے، (یعنی کوچ کے لیے تیار تھا)، تو انھوں نے مجھ سے کہا: عراق کی طرف مت جانا، کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ وہاں تمھیں تلوار کی چمک پہنچے گی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قسم بخدا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مجھے یہی بات بتائی تھی۔ ابو الاسود کہتے ہیں: آج تک میں نے ایسا منظر نہیں دیکھا کہ کوئی جنگجو خود اپنی ہلاکت کی خبر دے رہا ہو![1]

---

[1] الاستیعاب (۹۲۱/۳، ترجمة: ۱۵٦۱) الإصابة (۱۱۸/٤)

[2] اور امام احمد نے ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے: ''تو میں بھی ان لوگوں میں سے تھا جو دوڑ کر گئے۔''

[3] امام احمد کے لفظ ہیں: ''فَكَانَ أَوَّلُ شَيْءٍ سَمِعْتُهُ يَقُولُ'' یعنی: یہ پہلا کلام تھا جو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔

[4] سنن ابن ماجه (۱۳۳٤) علامہ البانی اور شعیب الارناؤط نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

یحییٰ بن سعید: یہ یحییٰ بن سعید القطّان ہیں، جو ثقہ اور مشہور محدث ہیں۔ ابن ابی عدی: محمد بن ابراہیم، یہ بھی ثقہ اور معتبر راوی ہیں۔ عبدالوہاب: عبدالوہاب بن عبدالمجید ثقفی، ثقہ محدث تھے۔ محمد بن جعفر: غُندر کے نام سے مشہور ہیں، جلیل القدر محدث تھے۔

تخریج: اس حدیث کو امام احمد نے اپنی المسند (۲۳۷۸٤) میں روایت کیا ہے۔ انھوں نے یحییٰ بن سعید القطان اور محمد بن جعفر غُندر کے واسطے سے عوف بن ابی جمیلہ سے، اسی سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔

[1] مسند أبي يعلىٰ (٤۹۱) اس کی سند حسن ہے۔ اسحاق: ابن ابی اسرائیل، ابراہیم بن کا مجر۔ سفیان: ابن عُیَینہ۔ ←

[257] عبداللہ بن مغفل بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن اپنی زمین سے گدھے پر سوار ہو کر مسجد آتے اور نماز پڑھتے، جب نماز ختم ہو جاتی تو اپنی زمین کی طرف واپس چلے جاتے۔ جب عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف لوگ مشتعل ہو گئے تو عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے لوگو! عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل نہ کرو بلکہ انھیں سمجھاؤ اور ان سے اصلاح کی درخواست کرو۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! کبھی بھی کسی امت نے اپنے نبی کو قتل نہیں کیا مگر اللہ نے ان کے درمیان فساد ڈال دیا، یہاں تک کہ ستر ہزار کا خون بہایا گیا۔ اور کبھی کسی امت نے اپنا خلیفہ قتل نہیں کیا مگر اللہ نے ان کے درمیان فساد ڈال دیا، یہاں تک کہ چالیس ہزار کا خون بہایا گیا۔ اور کبھی کوئی امت ہلاک نہیں ہوئی مگر یہ کہ انھوں نے قرآن کو (بطور ہتھیار) حکومت کے خلاف بلند کر دیا۔ پھر انھوں نے دوبارہ کہا: انھیں قتل نہ کرو بلکہ سمجھاؤ۔ لیکن لوگوں نے ان کی بات کو کوئی اہمیت نہ دی اور عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ اس کے بعد عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے راستے میں بیٹھ گئے، جب علی رضی اللہ عنہ ان کے پاس سے گزرے تو انھوں نے پوچھا: کہاں جا رہے ہو؟ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عراق جا رہا ہوں۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا: عراق نہ جاؤ، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کو لازم پکڑو، اللہ بہتر جانتا ہے کہ تمھیں کون نجات دے سکتا ہے، اگر تم نے منبر چھوڑ دیا، تو پھر تم کبھی اسے نہ دیکھ سکو گے۔ تو جو لوگ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے گرد کھڑے تھے، انھوں نے کہا: ہمیں اجازت دیجیے کہ ہم انھیں قتل کر دیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دو، وہ ہم میں سے ایک نیک آدمی ہے۔

ابن مغفّل رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا[1] کہ اُن کی زمین کے قریب جو زمین ہے، میں اُسے خرید لوں۔ تو انھوں نے کچھ عرصے بعد مجھ سے کہا: یہ چالیسویں سال کا آغاز ہے، اور اس کے آس پاس صلح ہونے والی ہے، چنانچہ انھوں نے مجھے وہ زمین خریدنے کا مشورہ دیا۔

سلیمان نے کہا: میں نے حمید سے پوچھا: لوگ قرآن کو سلطان (حکمران) پر کیسے بلند کریں گے؟

← تخریج: اس حدیث کو حمیدی (۵۳)، ابن ابی عاصم نے الآحاد والمثاني (۱۷۲) میں، عبداللہ نے السنّة (۱۳۰۸) میں، بزار (۲۱۸)، ابن حبّان (۶۷۳۳)، حاکم (۴۶۷۸)، اور ابو نعیم نے معرفة الصحابة (۸۴/۱، رقم: ۳۲۹) میں سفیان بن عیینہ کی سند سے روایت کیا ہے۔ اسے علامہ البانی اور شعیب الارناؤط نے حسن قرار دیا ہے۔ دیکھیے: التعليقات الحسان (٦٦٩٨)

[1] یعنی میں نے مشورہ کیا۔ اور "المطالب العالية" کی روایت میں لفظ ہے: "استأذنتُ"، یعنی میں نے اجازت طلب کی۔

تو انھوں نے کہا: کیا تم نے اہلِ ہواء[1] کو نہیں دیکھا، جو قرآن کی تاویل کر کے حکمرانوں کے خلاف استعمال کرتے ہیں؟[2]

اصحابِ اہواء سے مراد خوارج ہیں۔

ابن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''زمانہ چالیسویں سال کی سرحد ہے، اور اس کے قریب ایک صلح واقع ہوگی۔'' یہ ایک صریح دلیل ہے کہ حضرت حسن اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی صلح کا ذکر اہلِ کتاب کی کتب (یعنی اسرائیلیات) میں موجود تھا۔ اور دوسرے الفاظ میں: بنی اسرائیل کے بعض انبیاء نے حضرت حسن اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان ہونے والی صلح کی بشارت دی تھی۔

22- سیدنا زید بن ثابت بن ضحاک خزرجی انصاری رضی اللہ عنہ

یہ بڑے درجے کے امام، قاریوں اور علمِ فرائض (وراثت) کے شیخ، مدینہ کے مفتی، وحی کے کاتب تھے۔ نہایت ذہین شخص تھے۔ انھوں نے خندق اور اس کے بعد کے تمام غزوات میں شرکت کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں حکم دیا کہ یہودیوں کی زبان سیکھیں، تاکہ ان کے خطوط کو پڑھا جا سکے، تو انھوں نے آدھے مہینے میں وہ زبان سیکھ لی۔ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جب حج کے لیے جاتے تو مدینہ میں ان کو اپنا

---

[1] محمد بن مخلد اور ابن راہویہ کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں: ''کیا تم نے خوارج کو نہیں دیکھا؟''

[2] معجم الصحابة للبغوي (٤/١٠٤، رقم: ١٦٣٨) اس کی سند صحیح ہے۔ شیبان: ابن فروخ الحبطی۔

مطبوعہ نسخے میں بعض تصحیفات (کاتب یا طابع کی غلطیاں) واقع ہوئی تھیں جنھیں میں نے تفصیل سے ذکر کرنے کے بجائے نظر انداز کیا، اور ان کی درستی ''تاریخ دمشق'' اور ''المطالب العالية'' سے کی۔

تخریج: ابن عساکر نے اسے اپنی کتاب تاریخ دمشق (٣٩/٣٥١) میں امام بغوی سے روایت کیا ہے۔

امام اسحاق بن راہویہ نے اسے اپنی مسند میں نقل کیا ہے، جیسا کہ المطالب العالية (٤٣٧٦) میں آیا ہے۔ محمد بن مخلد الدوری العطار نے اسے اپنے فوائد کے ایک جزء (حدیث: ٩) میں روایت کیا، اور ابن عساکر نے بھی اسے ان کے واسطے سے تاریخ دمشق (٣٩/٣٥٣) میں نضر بن شمیل کے واسطے سے نقل کیا ہے۔ امام خلال نے اپنی کتاب السنة (٧١١) میں قراد عبدالرحمان بن غزوان کے واسطے سے روایت کیا ہے۔ امام طبرانی نے اسے اپنی کتاب المعجم الكبير (٣٦٦) میں محمد بن حسن بن الزبیر الاسدی کے واسطے سے روایت کیا ہے۔ ان سب راویوں (نضر، قراد، اسدی) نے یہ روایت سلیمان بن مغیرہ سے نقل کی ہے۔ طبرانی نے اس روایت کو اختصار سے ذکر کیا ہے، اور یہ مختصر تاریخ دمشق (١٦/٢٠٧) میں بھی موجود ہے۔ مکمل تخریج کے لیے دیکھیں: ''المطالب العالية''

آخر میں آپ نے فرمایا: مجھے فوائدِ ابن مخلد العطار ''موارد ابن عساكر في تاريخ دمشق'' کے ضمن میں نہیں ملی۔

جانشین مقرر کرتے۔ اور جنگِ یرموک کے دن انھیں مالِ غنیمت کی تقسیم کا ذمّے دار بنایا گیا۔ اور یہی وہ شخصیت ہیں جنھیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآنِ کریم کو جمع کرنے کا کام سونپا۔[1]

حضرت زید رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کے بعد فتنوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی، اور امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے معرکوں (جنگوں) میں شریک نہ ہوئے۔[2]

[258] عروہ روایت کرتے ہیں کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ خلافتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں وظیفہ عطیہ لیا کرتے تھے۔[3]

23- سیدنا ابوعبداللہ عثمان بن ابی العاص ثقفی طائفی رضی اللہ عنہ

عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ ایک فاضل، امانت دار اور باوقار امیر تھے۔ وہ ۹ھ میں وفدِ ثقیف کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو سب اسلام لے آئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی عقل، دینی جوش اور خیر کے شوق کو دیکھ کر انھیں ان پر امیر مقرر فرمایا، حالانکہ وہ وفد کے سب سے کم عمر فرد تھے۔ پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی انھیں طائف پر قائم رکھا، اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں عمان اور بحرین کا گورنر بنایا، اور ایک لشکر کا قائد مقرر کیا جس نے توّج شہر کو فتح کیا اور اسے آباد کیا۔ بعد ازاں وہ بصرہ میں مقیم ہو گئے۔ یہ وہی شخص تھے جنھوں نے قبیلہ ثقیف کو ارتداد سے روکا، اور انھیں خطبہ دیا: تم اسلام لانے میں سب سے آخر میں تھے، تو مرتد ہونے میں سب سے پہلے نہ بنو۔ ان کی والدہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت موجودگی کا شرف حاصل کیا تھا۔ عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سنہ ۵۱ھ میں بصرہ میں وفات پا گئے۔[1]

---

[1] سير أعلام النبلاء (٤٢٦/٢)

[2] الاستيعاب (٥٤٠/٢)

[3] تاريخ أبو زُرعة الدمشقي (ص: ١٩٠) یہ خبر قرائن کی بنیاد پر مقبول ہے، حالانکہ اس کی سند ضعیف ہے، کیونکہ ابن لہیعہ ضعیف راوی ہے، البتہ باقی تمام راوی ثقہ ہیں۔ عبد الرحمٰن بن ابراہیم: دُحیم۔ ابو الاسود: محمد بن عبد الرحمٰن بن نوفل بن خُویلد بن اسد القرشی الاسدی۔ یہ یتیم عروہ کہلاتے ہیں، کیونکہ ان کے والد نے ان کی کفالت کی وصیت عروہ بن زبیر کو کی تھی۔ یہ روایت عروہ بن زبیر کی کتاب "المغازي" سے نقل کی گئی ہے جسے ابو الاسود نے بیان کیا ہے۔

قرائن و دلائل: اگر حسن اور حسین رضی اللہ عنہما معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے انعامات قبول کرتے تھے، حالانکہ وہ زید رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں تو زید رضی اللہ عنہ کا ان انعامات کو قبول کرنا تو بدرجہ اولیٰ (اور زیادہ مناسب) ہے۔ قبولِ سبطین (یعنی حسن و حسین رضی اللہ عنہما) انعاماتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے دیکھیے: [رقم: ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱]

[1] الطبقات الكبرى (٥٠٨/٥)، (٤٠/٧) سير أعلام النبلاء (٣٧٤/٢) الإصابة (٤٥١/٤)

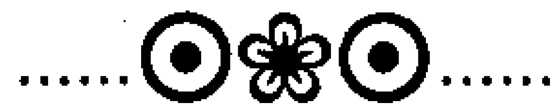
ابن حبان نے اُن کے بارے میں کہا ہے: وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عبادت گزاروں اور زاہدانہ زندگی گزارنے والوں میں سے تھے۔ بصرہ میں جہاد کے لیے سکونت اختیار کی اور فتنوں سے کنارہ کش رہتے تھے۔[1]

انھوں نے تمام فتنوں سے کنارہ کشی اختیار کی اور فتنوں سے کنارہ کش رہنے کے بارے میں اُن کا ایک قول ہے جو اُن سے منقول ہے:

[**259**] عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا: اگر جمعہ اور جماعت نہ ہوتے تو میں اپنے اس مکان کی بالائی منزل پر ایک حجرہ بناتا، اور پھر اس سے نہ نکلتا یہاں تک کہ اپنی قبر کی طرف نکل جاتا۔[2]

24- اُمُّ المومنین عائشہ بنت ابی بکر صدیق تیمیہ رضی اللہ عنہما

آگے چل کر عمار رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کی خبر پر ان کے موقف، اور جنگِ جمل وصفین کے بارے میں ان کے موقف کا ذکر آئے گا۔[3]



---

[1] مشاهير علماء الأمصار (٢٢٤)

[2] الزهد للإمام أحمد بن حنبل (٨٢٣) اس کی سند حسن ہے، کیونکہ اس میں مصعب (بن سلام) کی وجہ سے کچھ کلام ہے؛ وہ صدوق ہے، مگر اسے اوہام ہوتے ہیں اور باقی تمام راوی ثقہ ہیں۔

تخریج الحدیث: اسے امام ابو داود نے الزهد (٣٨٦) اور ابن ابی الدنیا نے العزلة والانفراد (٨٦) میں مصعب کے واسطے سے روایت کیا ہے۔

[3] دیکھیں: [رقم: ٦١١، ٦١٢] اور ان کے بعد آنے والی تعلیق۔

ملحق

اس ضمن میں بعض ایسے صحابہ کے نام بھی شامل کیے گئے ہیں جن کے متعلق مجھ پر واضح نہیں ہو سکا کہ انھوں نے (واقعۂ صفین میں) شرکت کی تھی یا نہیں۔

اوّل: وہب بن عبداللہ، ابو جُحَیفہ سُوائی رضی اللہ عنہ، جنھیں "وَھبُ الخیر" بھی کہا جاتا ہے:

یہ کم عمر صحابہ میں سے شمار ہوتے ہیں، اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو وہب سنِ بلوغ کے قریب تھے۔ ان کی عمر ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ہم عمر لوگوں میں شمار ہوتی ہے۔ وہ علی رضی اللہ عنہ کے پولیس دستے کے افسر (صاحبِ شرطہ) تھے، اور کہا گیا ہے کہ جب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ خطبہ دیتے تو ابو جُحَیفہ رضی اللہ عنہ ان کے منبر کے نیچے کھڑے ہوتے۔ ان کی وفات کے بارے میں اختلاف ہے، لیکن راجح قول یہ ہے کہ وہ ۷۴ھ میں فوت ہوئے۔ ان کی احادیث صحاح ستہ میں موجود ہیں۔[1]

[**260**] ہمیں روح نے بیان کیا، انھوں نے ہمیں شعبہ سے بیان کیا، انھوں نے کہا: ابو جُحَیفہ جنگِ جمل کے دن علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ اہلِ مدینہ کے خلاف تھے۔[2]

خطیب نے کہا: ابو جُحَیفہ نے علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگِ نہروان میں شرکت کی، اور مدائن میں ان کے ہمراہ وارد ہوئے۔[3]

[**261**] ابو جحیفہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس وقت کہا جب ہم حروریوں (خوارج) سے فارغ ہو چکے تھے: بے شک ان میں ایک شخص ہے جس کا بازو مفلوج ہے، اس کے بازو میں ہڈی نہیں، یا اس کے بازو پر ایک گوشت کی گٹھلی ہے جو عورت کے پستان کی مانند ہے، اس پر لمبے، مڑے

---

[1] سير أعلام النبلاء (٣/٢٠٢)

[2] العلل ومعرفة الرجال (٩٥٦) یہ روایت عبداللہ (بن احمد) کی ہے۔ روح: روح بن عبادہ القیسی۔
تخریج: اسے ابو بکر الخلال نے السنة (٧٣٠) میں روایت کیا ہے؛ ہمیں عبد اللہ بن احمد نے اسی سند سے خبر دی۔

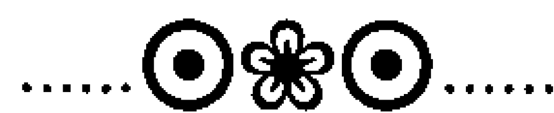
[3] تاريخ بغداد (١/٢١٣)

ہوئے بال ہیں، پس اسے تلاش کرو، اسے تلاش کرو۔ مگر وہ نہ ملا، اور میں بھی اُن لوگوں میں شامل تھا جو اسے تلاش کر رہے تھے۔ راوی کہتا ہے: میں نے علی رضی اللہ عنہ کو کبھی اس دن کی گھبراہٹ سے زیادہ گھبرایا ہوا نہیں دیکھا۔ انھوں نے کہا: ہمیں وہ نہیں ملا، اے امیر المومنین! تو علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: افسوس! اس جگہ کا نام کیا ہے؟ انھوں نے کہا: نہرَ وان۔ فرمایا: تم نے جھوٹ بولا، وہ ان ہی میں ہے۔ پھر ہم نے مقتولین کو اُلٹ پلٹ کر دیکھا مگر وہ نہ ملا، ہم دوبارہ ان کے پاس گئے اور کہا: اے امیر المومنین! ہمیں وہ نہیں ملا۔ انھوں نے پھر پوچھا: اس جگہ کا کیا نام ہے؟ کہا: نہروان۔ تو فرمایا: اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا اور تم نے جھوٹ بولا، وہ ضرور انہی میں ہے، اسے تلاش کرو۔ چنانچہ ہم نے پھر تلاش کیا اور ایک نہر کے کنارے اسے پا لیا، پھر ہم اسے لے کر آئے، تو میں نے اس کے بازو کی طرف دیکھا تو اس میں کوئی ہڈی نہ تھی، اور اس پر عورت کے پستان کی طرح ایک گٹھلی تھی، جس پر لمبے، مڑے ہوئے بال تھے۔[1]

ابن عبد البر نے کہا ہے: ابو جُحیفہ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تمام غزوات ومعرکوں میں شریک ہوئے۔[2]

اور ابن عبد البر نے اس (بات) کی کوئی سند ذکر نہیں کی۔

اور غالب گمان ہے کہ ابو جُحیفہ رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ کی پولیس (شرطہ) کے امور کی ذمے داری صفین کے بعد ہی سنبھالی ہو، کیونکہ اس سے پہلے علی رضی اللہ عنہ جنگِ جمل اور پھر صفین کے لیے تیاری میں مصروف تھے۔ پس اگر معاملہ ایسا ہی تھا، تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ابو جُحیفہ رضی اللہ عنہ نے صفین میں شرکت کی ہو۔



---

[1] تاریخ بغداد (۲۱۳/۱) ازہری محدث اور حجت ہیں۔ سير أعلام النبلاء (۵۷۸/۱۷) بکّائی صدوق ہے۔ سير أعلام النبلاء (۳۰۹/۱٦)، حضرمی سے مراد: مطیَّن ہے، اور دارقطنی نے ان کے بارے میں کہا: ثقہ جبل۔ سؤالات حمزة للدارقطني (۲) رہے خالد، عطا، اور میسرہ، تو ان کے تفصیلی تعارف [رقم: ۳۵۳] کے تحت آئیں گے۔

تخریج: اسے ابو الفرج ابن الجوزی نے المنتظم (۱۳٦/۵) میں خطیب کے طریق سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ اور اسے عبد اللہ (بن احمد) نے السنة (۱۵۰۳) میں روایت کیا ہے: مجھے وہب بن بقیہ واسطی نے حدیث سنائی، انھوں نے خالد بن عبد اللہ سے، اسی سند سے مگر قدرے اختصار کے ساتھ۔

[2] الاستيعاب (۱٦۲۰/٤)

اس سلسلے میں بعض تابعین کے خیالات ونظریات

1- احنف بن قیس بن معاویہ بن حُصَین تمیمی رحمہ اللہ:

وہ بنوتمیم کے سردار تھے، حلم و بردباری میں ان کی مثال دی جاتی تھی۔ انھوں نے جنگِ جمل سے کنارہ کشی اختیار کی، پھر صفین کے دن علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کے سرداروں میں شامل تھے۔[1] احنف رحمہ اللہ نے عمار رضی اللہ عنہ کے قتل کا واقعہ خود روایت کیا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ احنف صفین میں موجود تھے۔[2]

[262] احنف بن قیس رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ ہم حج کے لیے نکلے اور مدینہ پہنچے۔ ہم اپنے ٹھکانوں میں سامان اتار ہی رہے تھے کہ ایک شخص آیا اور کہا: بے شک لوگ گھبرا گئے ہیں اور مسجد میں جمع ہو چکے ہیں۔ ہم مسجد کی طرف چل پڑے۔۔۔ پھر انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اپیل اور ان کا عثمان رضی اللہ عنہ کے مناقب کے اقرار پر مشتمل حدیث کا ذکر کیا۔ احنف بن قیس رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما سے ملاقات کی اور کہا: مجھے تو لگتا ہے کہ یہ (عثمان رضی اللہ عنہ) قتل کر دیے جائیں گے، تو اب تم مجھے کس کی بیعت کا حکم دیتے ہو؟ انھوں نے کہا: علی رضی اللہ عنہ کی۔ میں نے کہا: کیا تم مجھے ان ہی کی بیعت کا حکم دیتے ہو اور میرے لیے اسے پسند بھی کرتے ہو؟ انھوں نے کہا: ہاں۔ پھر میں مکہ پہنچا ہی تھا کہ خبر ملی کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے ہیں، اور وہاں ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا موجود تھیں۔ میں ان کے پاس گیا اور عرض کی: اللہ کے واسطے بتایئے، آپ مجھے کس کی بیعت کرنے کا حکم دیتی ہیں؟ انھوں نے کہا: علی رضی اللہ عنہ کی۔ میں نے کہا: کیا آپ مجھے ان کی بیعت کا حکم دیتی ہیں اور ان کو میرے لیے پسند کرتی ہیں؟ انھوں نے کہا: ہاں۔ میں واپس مدینہ آیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کی، پھر بصرہ میں اپنے اہل وعیال کے پاس لوٹ آیا، اور میرا خیال تھا کہ اب معاملہ درست ہو گیا ہے۔

---

[1] سير أعلام النبلاء (٨٦/٤)

[2] احنف کی روایت آگے [رقم: ٣٦٤] پر آئے گی۔

ہم اسی حال میں تھے کہ ایک شخص آیا اور بتایا: ام المومنین عائشہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم خریبہ[1] کے قریب آ چکے ہیں۔ میں نے کہا: وہ کس لیے آئے ہیں؟ کہا گیا: انھوں نے تمھیں پیغام بھیجا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون پر مدد چاہتے ہیں، کیونکہ وہ مظلوم شہید کیے گئے ہیں۔ میں سخت پریشانی میں مبتلا ہو گیا اور کہا: ایسے لوگوں کا ساتھ چھوڑ دینا جن کے ساتھ ام المومنین اور حواریِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں، بہت سخت ہے۔ اور ابن عمِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لڑنا، جس کی بیعت کا ان لوگوں نے مجھے خود حکم دیا، وہ بھی سخت ہے۔ میں ان کے پاس گیا اور پوچھا: آپ لوگ کیوں آئے ہیں؟ کہا: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون پر مدد لینے۔ میں نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: اللہ کے واسطے! کیا میں نے آپ سے نہیں پوچھا تھا کہ کس کی بیعت کروں؟ آپ نے علی رضی اللہ عنہ کا نام لیا؟ اور پھر پوچھنے پر آپ نے کہا کہ ہاں، میں نے تمھیں یہی حکم دیا۔ پھر میں نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا: اے حواریِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اور اے طلحہ! اللہ کے واسطے بتائیے، کیا میں نے آپ دونوں سے نہیں پوچھا تھا کہ کس کی بیعت کروں؟ آپ نے کہا تھا: علی رضی اللہ عنہ کی۔ پھر میں نے پوچھا کہ کیا تم مجھے ان کی بیعت کا حکم دیتے ہو اور اسے میرے لیے پسند بھی کرتے ہو؟ تم نے کہا: ہاں۔ انھوں نے کہا: ہاں۔ تو میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں تمھارے ساتھ نہیں لڑوں گا جبکہ تمھارے ساتھ ام المومنین اور حواریِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں، اور نہ ہی ابن عمِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لڑوں گا، جس کی بیعت کا حکم تم نے خود مجھے دیا تھا۔ میرے لیے تین میں سے ایک راستہ چن لو: یا تو پل کا دروازہ کھول دو تاکہ میں فلاں علاقے یعنی عجم کی طرف نکل جاؤں، یہاں تک کہ اللہ اس معاملے کا جو فیصلہ کرے، وہ ہو جائے، یا میں مکہ چلا جاؤں، یا میں تم سے کنارہ کش ہو کر تمھارے قریب ہی رہوں، نہ تمھارے ساتھ نہ تمھارے خلاف۔

انھوں نے کہا: ہم مشورہ کرتے ہیں اور پھر تمھیں خبر دیتے ہیں۔ پھر انھوں نے مشورہ کیا اور کہا: اگر اسے پل کا دروازہ دے دیا جائے تو وہ عجم کی سرزمین چلا جائے گا، وہاں اس کے پاس جدا ہونے والے اور منحرف افراد آکر جمع ہو جائیں گے، اور اگر وہ مکہ چلا گیا تو قریش میں تمھارے خلاف لوگوں کو بھڑکائے گا

---

[1] الخُرَیبَة: خَربہ کی تصغیر ہے، اور یہ بصرہ کا ایک مقام ہے۔ الزجاجی کے بقول اس کا نام اس لیے "الخُرَیبَة" پڑا، کیونکہ مرزبان نے وہاں ایک قصر تعمیر کیا تھا جو بعد میں کھنڈر بن گیا۔ جب مسلمان بصرہ میں اُترے تو انھوں نے اسی جگہ کے قریب عمارتیں بنائیں اور اس مقام کو "الخُرَیبَة" کا نام دیا۔ اسی جگہ علی رضی اللہ عنہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان جنگِ جمل پیش آئی۔ معجم البلدان (٣٦٣/٢)

اور ان تک تمھاری خبریں پہنچائے گا۔ یہ تمھارے حق میں مناسب نہیں، بلکہ اسے یہیں قریب رکھو، تاکہ تم اس پر قابو رکھ سکو۔ چنانچہ میں جلحاء (بصرہ سے دو فرسخ کے فاصلے پر) چلا آیا، میرے ساتھ چھے ہزار کے قریب افراد نے بھی اعتزال اختیار کر لیا۔ پھر دونوں لشکر آپس میں ٹکرا گئے، اور سب سے پہلے حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ کعب بن سور قرآنِ مجید پڑھ رہے تھے اور دونوں طرف والوں کو سمجھا رہے تھے، یہاں تک کہ وہ بھی شہید ہو گئے[1] اور ان کے ساتھ اور بھی کئی لوگ مارے گئے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بصرہ کے مقام سفوان پہنچے، جو قادسیہ کی طرف ہے، وہاں نعر[2] نامی بنو مجاشع کا ایک شخص ملا اور بولا: اے حوارِیِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کہاں جا رہے ہو؟ میرے ساتھ رہو، تم میری امان میں ہو، کوئی تم تک نہیں پہنچ سکتا۔ چنانچہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اس کے ساتھ ہو لیے۔ پھر احنف بن قیس رحمہ اللہ کے پاس کسی شخص نے آ کر خبر دی کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سفوان پہنچ چکے ہیں۔ تو میں نے کہا: انھیں کیا اطمینان ہے؟ وہ مسلمانوں کو آپس میں لڑا گئے یہاں تک کہ ایک دوسرے کی بھنویں تلوار سے کاٹ دی گئیں، اور اب اپنے بیٹوں اور اہل وعیال سے جا ملے ہیں! یہ بات عُوَیمر بن جُرموز،[3] فضالہ بن حابس اور نُفَیع[4] نے سنی، تو وہ تینوں ان کے تعاقب میں نکلے اور زبیر رضی اللہ عنہ کو نعر کے ساتھ جا لیا۔

[263] حصین بیان کرتے ہیں کہ ہمیں بنو تمیم کے ایک آدمی عمر بن جاوان نے بیان کیا: میں نے ان سے پوچھا: احنف بن قیس رحمہ اللہ کے کنارہ کش ہونے کا کیا معاملہ تھا؟ تو انھوں نے کہا: میں نے احنف بن قیس رحمہ اللہ کو یہ کہتے سنا: میں حج کے ارادے سے مدینہ آیا۔ پھر انھوں نے پہلے گزر چکی روایت کے ہم معنی حدیث بیان کی۔ انھوں نے کہا: پس کچھ بگڑے ہوئے لوگوں نے یہ بات سنی، جن میں ابن جرموز، فضالہ اور نُفَیع شامل تھے، تو وہ ان کے پیچھے روانہ ہو گئے۔ وہ انھیں نعر کے ساتھ آتے ہوئے ملے۔

---

[1] انھیں ایک تیر آ لگا اور وہ شہید ہو گئے، رحمہ اللہ۔ جیسا کہ ابن سعد نے روایت کیا ہے: ”أَخبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ إِدْرِيسَ، عَنْ حُصَيْنٍ، عَنْ عُمَرَ بْنِ جَاوَانَ، عَنِ الْأَحْنَفِ بْنِ قَيْسٍ، قَالَ: جب جنگِ جمل کے دن دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے، تو کعب بن سور مصحف کھولے نکلے، ایک فریق کو بھی نصیحت کر رہے تھے اور دوسرے کو بھی یاد دہانی کرا رہے تھے، یہاں تک کہ ان کو ایک تیر آ لگا اور وہ شہید ہو گئے۔“ الطبقات الکبریٰ (۹۲/۷)

[2] یہ نُعَر بن زَمَّام المُجاشِعی ہیں، جیسا کہ ابن سعد کی الطبقات (۱۱۱/۳) میں آیا ہے۔

[3] اس کا اصل نام: عَمرو بن جُرموز تھا، اور اس کی تصغیر شاید (تحقیر یا تذلیل کے) ارادے سے کی گئی ہے۔

[4] یہ دونوں: فَضَالَہ بن حَابِس تمیمی اور نُفَیع بن حَابِس تمیمی ہیں، جیسا کہ طبقات ابن سعد (۱۱۲/۳) میں مذکور ہے۔

تب عمیر بن جرموز پیچھے سے ان کے قریب آیا اور ایک کمزور نیزہ مارا، اس حال میں کہ وہ ایک کمزور گھوڑے پر سوار تھا۔ تو زبیر رضی اللہ عنہ اس پر ایک گھوڑے پر جھپٹے، جسے ذوالخمار کہا جاتا تھا۔ جب ابن جرموز نے گمان کیا کہ زبیر رضی اللہ عنہ اسے قتل کرنے والے ہیں، تو اس نے فضالہ اور نُفیع کو پکارا، چنانچہ ان دونوں نے زبیر رضی اللہ عنہ پر حملہ کر دیا اور انھیں قتل کر دیا۔[1]

---

[1] إتحاف الخيرة المهرة (٧٣٩٢)، المطالب العالية (٤٤٠١) اور الفاظ "المطالب العالية" کے ہیں، تصحیفات کی تصحیح کے ساتھ۔ اس کی سند ضعیف ہے۔

نوٹ: میں نے واقعۂ جمل سے متعلق وارد شدہ روایات کا تفصیلی مطالعہ نہیں کیا، اس لیے میں اس خبر کو قبول یا ردّ کرنے کا حکم نہیں لگا سکتا؛ کیونکہ کسی خبر کو قابلِ قبول قرار دینا اسی وقت ممکن ہوتا ہے جب تمام صحیح روایات کو جمع کر لیا جائے، تب ہی صحیح شواہد کی بنیاد پر رائے قائم کی جا سکتی ہے۔

اور میں نے یہ خبر صرف معلومات کے لیے ذکر کی ہے، پس اگر کسی محقق کو اس خبر کی کوئی صحیح اصل مل جائے تو وہ خبر قابلِ قبول ہوگی۔ والله المستعان۔ حصین: ابن عبدالرحمٰن السلمی، ثقہ راوی ہیں۔

اور عمر بن جاوان (اور بعض روایات میں عمرو) کے بارے میں ابن سعد نے کہا: وہ سعد بن زید مناۃ بن تمیم کے ایک فرد تھے۔ ان سے صرف حصین بن عبدالرحمٰن نے روایت کی ہے، جیسا کہ امام مسلم کی کتاب "المنفردات والوحدان"، اور ذہبی کی "الميزان" میں ذکر ہے۔ جب حصین سے پوچھا گیا: عمر بن جاوان کون ہے؟ تو انھوں نے کہا: ایک شیخ جس نے میرے ساتھ کشتی میں سفر کیا تھا۔ امام بخاری اور ابن ابی حاتم نے ان پر کوئی جرح یا تعدیل نہیں کی (سکوت اختیار کیا)، جبکہ ابن حبان نے ان کو ثقہ قرار دیا اور اپنی صحیح میں روایت لی۔ ابن خزیمہ نے بھی اپنی صحیح میں روایت لی، اور نسائی نے بھی ان سے روایت کی ہے۔ ذہبی نے کہا: "لا يُعرف"، یعنی یہ معروف نہیں، اور ابن حجر نے کہا: مقبول، لیکن "تحرير التقريب" میں ان پر تبصرہ ہے: "بل مجهول" (بلکہ وہ مجہول الحال ہیں)۔

مزید دیکھیے: الطبقات (٢١٨/٧)، التاريخ الكبير (١٤٦/٦)، المنفردات والوحدان لمسلم (٧٦٢)، صحيح ابن خزيمة (٢٤٨٧)، الجرح والتعديل (١٠١/٦)، الثقات لابن حبان (١٦٨/٧)، صحيح ابن حبان (٦٩٢٠)، تهذيب الكمال (٥٦٤/٢١)، ميزان الاعتدال (٢٥٠/٣)، تهذيب التهذيب (١٢/٨)، تقريب التهذيب (٤٩٩٨)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ عمرو بن جاوان مجہول ہے۔ ابن حجر نے فتح الباري (٣٤/١٣) میں کہا: طبری نے حُصین بن عبدالرحمٰن سے، انھوں نے عمرو بن جاوان سے، صحیح اسناد کے ساتھ روایت نقل کی کہ عمرو بن جاوان نے کہا: میں نے ان سے پوچھا: کیا آپ نے احنف کے اعتزال (کنارہ کشی) کے بارے میں سنا ہے کہ وہ کیوں تھا؟ ...... پھر اسے مختصر طور پر ذکر کیا۔

ابنِ جاوان کی خبر کے شواہد:

⊙ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا واقعہ: اسے امام احمد نے اپنی المسند (٤٢٠) میں روایت کیا ہے، انھوں نے کہا: حَدَّثَنَا أَبُو قَطَنٍ، ←

....

➜ حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمَنِ، قَالَ: (انھوں نے کہا): حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے محل (قصر) سے جھانکا جبکہ وہ محصور تھے...... (پھر حدیث کا باقی حصہ ہے)۔ اسے شیخ شعیب الارناؤط نے صحیح قرار دیا ہے۔

⊙ یومِ جمل کے دن احنف کے الگ تھلگ رہنے کے قصے کی اصل روایت یہ ہے: اسے امام بخاری نے (۳۱، ۲۷۶۷، ۲۷۶۶) اور امام مسلم نے (۱۶۹/۸) روایت کیا ہے، اور یہ الفاظ مسلم کے ہیں۔ احنف بن قیس رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: میں نکلا اور میرا ارادہ اس شخص (علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ) کے پاس جانے کا تھا۔ تو مجھے ابوبکرہ ملے، اور کہا: اے احنف! کہاں جا رہے ہو؟ میں نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی (علی رضی اللہ عنہ) کی مدد کے لیے جا رہا ہوں۔ تو انھوں نے کہا: اے احنف! واپس لوٹ جا...... واپس لوٹ جا...... (پھر حدیث آگے چلتی ہے)۔ اور پوری روایت [رقم: ۲۵۲] پر گزر چکی ہے۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے قتل کی اصل روایت: اسے امام احمد نے اپنی مسند (۶۷۹) میں بیان کیا ہے، انھوں نے کہا: حَدَّثَنَا هَاشِمٌ، وَحَسَنٌ، قَالَا: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ زِرِّ بْنِ حُبَيْشٍ، قَالَ، (وہ کہتے ہیں): ابن جُرمُوز نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس داخلے کی اجازت مانگی، تو علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا: ابن جُرمُوز اجازت مانگ رہا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اسے قریب آنے دو، قاتلِ زبیر (جہنم کی) آگ میں داخل ہو! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ہر نبی کا ایک حواری (قریبی ساتھی) ہوتا ہے، اور میرا حواری زبیر ہے۔ شعیب الارناؤط نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے، اور احمد شاکر نے اسے صحیح کہا ہے۔ دیکھیں: مسند أحمد (٦٨٠) طبع دار الحديث.

ابنِ جاوان کی خبر کی تخریج:

اسے ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف (۳۱۲۷۱) اور (۳۸۹۵۳) میں، اور طبری نے اپنی تاریخ (۳/۳۴) میں عبداللہ بن ادریس کے طریق سے، جو حصین سے روایت کرتے ہیں، ذکر کیا ہے۔ ان دونوں کے یہاں ایک منکر زیادتی ہے اور وہ یہ کہ جب احنف رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ، زبیر اور طلحہ رضی اللہ عنہم کو یہ یاد دہانی کروائی کہ قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد کس کی بیعت کی جائے؟ تو انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف راہنمائی کی، اور ان کا جواب یہ تھا: نَعَم، وَلَكِنَّهُ بَدَّل (ہاں، لیکن اس (علی رضی اللہ عنہ) نے تبدیلی کر دی ہے) تو یہ لفظ منکر ہے اور اس میں تنہا عمرو بن جاوان جو مجہول ہے، نے احنف رحمہ اللہ سے روایت کی ہے، حالانکہ یہ صحابہ رضی اللہ عنہم صرف اصلاح کی نیت سے نکلے تھے، جیسا کہ صحیح روایات میں آیا ہے، نہ کہ کسی موہوم تبدیلی کے سبب۔

اسے امام احمد نے اپنی المسند (٥٣٥/١) میں حصین کے طریق سے، جو عمرو بن جاوان کے واسطے سے احنف سے روایت کرتے ہیں، صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے واقعے کے ذکر کے ساتھ روایت کیا ہے، اور شعیب الارناؤط نے اس سند کو عمرو بن جاوان کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے، لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے واقعے کو صحیح شواہد کی بنا پر صحیح کہا ہے۔

طبرانی کی روایت ذکر کرنے کے بعد ابن حجر کے قول "بِسَنَدٍ صَحِيحٍ" پر تعاقب: ➜

← رہا لفظ (وَلَكِنَّهُ بَدَّلَ) : تو یہ چار وجوہات کی بنا پر درست نہیں :

پہلا سبب: کہ یہ ایک منکر لفظ ہے، اور (وَلَكِنَّهُ بَدَّلَ) میں طعن پایا جاتا ہے۔

دوسرا سبب: کہ ابن جاوان راوی مجہول ہے۔

تیسرا سبب: ایک ایسی خبر آئی ہے جو اس لفظ کے خلاف ہے، اور وہ ابن ابی شیبہ کی المصنف (۳۸۹۸۶) میں حسن سند کے ساتھ منقول ہے، اس میں بیان ہے: خالد بن مخلد نے ہمیں حدیث بیان کی، کہا: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ أَبِي الْمُغِيرَةِ، عَنِ ابْنِ أَبْزَى قَالَ (انھوں نے کہا): عبداللہ بن بدیل جنگِ جمل کے دن ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے جب وہ ہودج میں تھیں، تو انھوں نے کہا: اے ام المومنین! میں آپ کو اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں، کیا آپ کو یاد ہے کہ میں آپ کے پاس عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے دن آیا اور میں نے کہا: عثمان قتل ہو چکے، آپ مجھے کیا حکم دیتی ہو؟ تو آپ نے مجھ سے کہا تھا: علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو جاؤ، قسم بخدا! نہ اس نے کوئی تبدیلی کی نہ کچھ بدلا۔ تو وہ خاموش رہیں، پھر اس نے تین مرتبہ سوال دہرایا، لیکن وہ خاموش ہی رہیں، تب اس نے کہا: اونٹ کو مار ڈالو، چنانچہ اونٹ کو مار گرایا گیا۔ راوی نے کہا: پھر میں اور اس (عائشہ رضی اللہ عنہا) کے بھائی محمد بن ابی بکر نیچے اترے اور ہم نے ہودج کو اٹھایا یہاں تک کہ اسے علی رضی اللہ عنہ کے سامنے رکھ دیا، تو علی رضی اللہ عنہ نے حکم دیا، اور ہودج کو عبداللہ بن بدیل کے گھر لے جایا گیا۔

اس روایت کی سند حسن ہے۔ یعقوب: وہ ابن عبداللہ بن سعد القمی ہیں، اور ابن ابزیٰ: وہ عبدالرحمٰن ہیں، جیسا کہ "الفتح" میں آیا ہے۔ ابن حجر نے فتح الباري (۵۷/۱۳) میں اس کی سند کو جید قرار دیا، انھوں نے کہا: ابن ابی شیبہ نے اسے عبدالرحمٰن بن ابزیٰ سے ایک جید سند کے ساتھ روایت کیا ہے، پس اسے ذکر کیا۔

پس یہ خبر جس کے واقعات معرکے کے دوران میں پیش آئے، اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اُم المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت وہ بات فرما رہی تھیں جو عمرو بن جاوان کی اُس روایت کے خلاف ہے جو معرکے سے پہلے کی ہے، اور جب اُم المومنین رضی اللہ عنہا خود جنگ کے درمیان، قتال کے وسط، سخت ترین مخالفت اور معرکے کی گرمی کے عالم میں تھیں، تو عبداللہ بن بدیل رضی اللہ عنہ نے انھیں انھی کے الفاظ یاد دلائے: "علی کو لازم پکڑو، پس اللہ کی قسم! اس نے نہ کوئی تبدیلی کی اور نہ کوئی تغیر۔"، تو انھوں نے (ولكنه بدّل) نہیں فرمایا، بلکہ خاموش رہیں، اور ان کی خاموشی ہمارے لیے بھی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ عراق کی طرف نکلنے پر نادم تھیں، جب انھوں نے اپنی آنکھوں کے سامنے قتل و قتال کو شدت اختیار کرتے دیکھا، اور بلاشبہ جنگ شروع ہونے سے پہلے کا حال ہلکا ہوتا ہے اور اس وقت کا جواب بھی نسبتاً آسان ہوتا ہے۔

چوتھا سبب: یہ ہے کہ خبر کی ابتداء اس کے اختتام کے خلاف جاتی ہے، کیونکہ آغاز میں احنف رحمہ اللہ زبیر رضی اللہ عنہ کی تعظیم کرتے ہیں اور ان کے خلاف قتال کو بہت بڑا معاملہ قرار دیتے ہیں، انھوں نے کہا: پس میرے پاس سب سے ہولناک خبر آئی، میں نے کہا: بے شک میرا ان لوگوں کو چھوڑ دینا جن کے ساتھ اُم المومنین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری موجود ہوں، بہت ہی سنگین بات ہے ...... اور انھوں نے کہا: پس میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں تم سے قتال نہیں کروں گا، جبکہ تمھارے ساتھ اُم المومنین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری موجود ہوں، ...... ←

....

← پھر خبر کے اختتام پر وہ زبیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک ناپسندیدہ بات کہتے ہیں، جب ایک شخص نے آ کر اطلاع دی کہ زبیر رضی اللہ عنہ سفوان کی طرف چلے گئے ہیں، تو احنف نے کہا: تو اُسے کیا اطمینان ہے؟ اُس نے مسلمانوں کو برسرِ پیکار کیا یہاں تک کہ بعض نے بعض کی بھنوؤں پر تلوار ماری، پھر اپنے بیٹوں اور گھر والوں کے پاس جا ملا!۔

اور یہ خبر محققین نے صحیح تاریخ الطبري (۳/۳۸۰) میں ذکر کی ہے اور اس کے بعض حصوں کے لیے صحیح شواہد بھی ذکر کیے ہیں، البتہ (وَلَكِنَّهُ بَدَّلَ) کو دونوں نے ضعیف قرار دیا ہے اور یہ بات واضح کی ہے کہ اس کے لیے کوئی صحیح سند موجود نہیں، چنانچہ ان دونوں نے کہا:

[لفظ: "نَعَمْ، وَلَكِنَّهُ بَدَّلَ" کے بارے میں دل میں کچھ کھٹک ہے، کیونکہ عائشہ، زبیر اور طلحہ رضی اللہ عنہم نے لوگوں کو علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کا مشورہ دیا تھا، اور وہ اس لیے نہیں نکلے تھے کہ علی رضی اللہ عنہ نے کچھ بدل دیا ہو، بلکہ وہ لوگوں کے درمیان صلح کے لیے اور قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص کے مطالبے کے لیے نکلے تھے۔ اس لیے ہم ترجیح دیتے ہیں کہ یہ عبارت (وَلَكِنَّهُ بَدَّلَ) شاذ ہے، اور زیادہ راجح بات یہ ہے کہ وہ خاموش رہے، یہ نہ کہا کہ (بدل دیا)۔ اور ہمیں اس طرف مائل کرنے والی دلیل یہ ہے کہ ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں روایت کیا ہے کہ (عبداللہ بن بدیل خزاعی رضی اللہ عنہ نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: اے ام المومنین! کیا آپ کو یاد ہے کہ جب عثمان رضی اللہ عنہ قتل کیے گئے تو میں آپ کے پاس آیا تھا اور پوچھا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟ تو آپ نے فرمایا تھا: علی کے ساتھ رہو۔ تو اس پر عائشہ رضی اللہ عنہا خاموش رہیں۔) اور ابن حجر نے "فتح الباری" میں اس روایت کی سند کو جید قرار دیا ہے۔ اسی طرح عائشہ رضی اللہ عنہا کا عمار رضی اللہ عنہ کو جواب بھی قابلِ ذکر ہے، جب جنگ کے بعد انھوں نے ان پر خروج کے بارے میں عتاب کیا، تو وہ نہ صرف خاموش رہیں بلکہ عمار رضی اللہ عنہ کی تعریف کی اور انھیں حق گو قرار دیا۔] انتہی!

ان دونوں کا قول: "فلم تسكت فحسب، بل مدحت عماراً ......" سے مراد وہ روایت ہے جسے طبری نے تاریخ الطبري (۳/۶۱) میں نقل کیا ہے: (عمار بن یاسر [illegible] ں کا معاملہ ختم ہو گیا تو عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: اے ام المومنین! یہ سفر اس عہد سے کس قدر دُور ہے جو آپ [illegible] رضی اللہ عنہا نے کہا: کیا تم ابو الیقظان ہو؟ عمار رضی اللہ عنہ نے کہا: جی ہاں۔ تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اللہ کی قسم! جتنا [illegible] م حق گو ہو۔ عمار رضی اللہ عنہ نے کہا: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، جس نے میرے لیے تمھارے منہ سے یہ بات جاری کر دی)۔ یہ روایت صحیح السند ہے، اس کے تمام راوی ثقہ ہیں، اور اس کی شرح و تخریج آگے [رقم: ۶۱۲] پر آئے گی۔

یہ خبر اس بات کی دلیل ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عمار رضی اللہ عنہ (جو علی رضی اللہ عنہ کی فوج کے اکابر میں سے تھے) کے بارے میں حق بات کہی، اور یہ نہ کہا کہ تم نے یا علی نے (بَدَّلَ) "بدل دیا" ان کا قول: "حِينَ فَرَغَ الْقَوْمُ"، یعنی جب لوگ جنگِ جمل سے فارغ ہو چکے تھے۔

یہ بھی قابلِ توجہ ہے کہ محققین نے ابن جاوان کے متعلق کہا: ذہبی نے اسے ثقہ کہا ہے، حالانکہ بات یوں نہیں بلکہ انھوں نے صرف "وُثِّقَ" کہا ہے، جیسا کہ الکاشف (۴۱۳۴) میں ہے، جس سے مراد یہ ہے کہ اس کی توثیق کا قول کمزور ←

2- ابو وائل شقیق بن سلمہ الاسدی الکوفی رحمہ اللہ:

امام کبیر، شیخ الکوفہ، مخضرم، نبی ﷺ کا زمانہ پایا، مگر آپ ﷺ کو دیکھا نہیں، کتبِ ستہ[1] میں ان سے روایت کی جاتی ہے۔ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگوں میں شرکت کی اور یہی وہ راوی ہیں جنھوں نے کہا کہ علی رضی اللہ عنہ نے جنگِ جمل اور نہروان میں کسی کو بھی غلام نہ بنایا تھا۔[2]

[**264**] شقیق بن سلمہ سے کہا گیا کہ کیا آپ نے جنگِ صفین میں شرکت کی تھی؟ جواب دیا کہ ہاں بالکل اور جنگوں میں سے صفین[3] بہت بری تھی۔[4]

[**265**] اعمش بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابو وائل سے پوچھا: تم صفین کی لڑائی میں شریک تھے؟ کہا کہ ہاں ...... اور صفین کی لڑائی بھی کیا بری لڑائی تھی۔[5]

3- علقمہ بن قیس النخعی الکوفی رحمہ اللہ:

کوفہ کے فقیہ، کوفہ کے عالم، علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ صفین میں شرکت کی اور اس جنگ میں ان کے پاؤں زخمی ہوئے تھے۔

[**266**] عامر بیان کرتے ہیں: علقمہ نے علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کے قتال کیا، یہاں تک کہ وہ صفین

← ہے، اور دراصل امام ذہبی کا اشارہ یہ ہے کہ اسے ابن حبان نے "الثقات" میں ذکر کیا ہے۔

اسی طرح ایک اَور خبر جو صفین کے زمانے کی ہے، اس میں بھی آیا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عمار رضی اللہ عنہ کی تعریف کی: زُفَر بن حارث نے کہا: (میں صفین کی لڑائی کی خبر لے کر معاویہ رضی اللہ عنہ کا قاصد بن کر عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا، جب میں ان کے پاس پہنچا تو انھوں نے پوچھا: لوگوں میں سے کون قتل ہوا؟ میں نے کہا: عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما۔ تو وہ بولیں: وہ تو ایسا شخص تھا جس کی دینداری کی لوگ پیروی کرتے تھے، ......" یہ روایت اپنے شواہد کے اعتبار سے صحیح ہے، اور پوری روایت اور اس کی شرح آگے [رقم: ٦١١] پر آئے گی۔

1. سير أعلام النبلاء (١٦١/٤)
2. روایت دیکھیں: [رقم: ٨١]
3. یعنی بہت برا ہے جو کچھ اس جنگ میں ہوا۔
4. مصنف ابن أبي شيبة (٣٩٠١٧) یہ روایت امام مسلم کی شروط پر صحیح ہے۔ اس کے راوی سارے ہی ثقہ ہیں اور رجال الشیخین ہیں۔
5. صحيح البخاري (٦٨٧٨)

عبدان: ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن عثمان بن جبلہ بن ابی رواد الازدی۔ ابو حمزہ: محمد بن میمون السکری۔

میں لنگڑے ہو گئے۔ علقمہ نے کہا: اس امت میں سے یہ گروہ علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اپنے خیالات کی بنیاد پر ویسے ہی ہلاک ہوا جس طرح نصاریٰ عیسیٰ بن مریم کے حوالے سے نظریات رکھنے پر ہلاک ہو گئے۔ [1]

[267] منصور بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابراہیم سے کہا کہ علقمہ جنگِ صفین میں شریک ہوئے تھے؟ انھوں نے کہا: ہاں اور انھوں نے قتال کیا، یہاں تک کہ ان کی تلوار رنگین ہو گئی اور اس جنگ میں ان کا بھائی ابی بن قیس بھی قتل ہوا تھا۔ [2]

[268] منصور بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابراہیم سے سوال کیا: کیا علقمہ جنگِ صفین میں شریک ہوئے تھے؟ فرمایا: ہاں اور ان کی تلوار خون آلود ہو گئی تھی اور ان کا پاؤں لنگڑا ہو گیا تھا۔ ان کا بھائی ابی الصلاۃ اس جنگ میں کام آیا تھا۔ طلق نے کہا کہ ان کے بھائی کو بہت زیادہ نمازیں پڑھنے کی وجہ سے ابی الصلاۃ کہا جاتا تھا۔ [3]

---

[1] السنة للخلال (٣٥٧) اس کی سند صحیح ہے۔ علی: ابن حرب الطائی۔ امام نسائی نے ان کو صالح کہا ہے۔ امام ابو حاتم نے ان کو صدوق کہا ہے۔ امام دارقطنی، سمعانی اور مسلمہ نے ان کی توثیق کی ہے۔ خطیب نے کہا: یہ ثقہ اور ثبت ہیں۔ ابن حجر نے کہا: یہ صدوق ہیں اور "تحریر التقریب" میں ہے کہ یہ ثقہ ہے۔ تهذیب التهذیب (٢٩٤/٧) التقریب (٤٧٠١) ابن فضیل: یہ محمد ہے۔ ابن ابی خالد: یہ اسماعیل ہے۔ عامر: یہ الشعبی ہے۔ علقمہ: یہ النخعی ہے۔

تخریج الحدیث: اس روایت کو خلال نے السنة (٧٤٢) میں اسی سند کے ساتھ پہلے حصے کو مختصر روایت کیا ہے۔ اس میں علقمہ کا قول ذکر نہیں ہے۔ پھر خلال نے اسی سند کے ساتھ (٧٩٦) میں فقط علقمہ کا قول نقل کیا ہے۔

اس روایت کو عبداللہ نے السنة (١٢٧٥، ١٢٨٢) میں ابو معاویہ محمد بن خازم الضریر کی سند سے روایت کیا ہے۔ ابراہیم الحربی نے غریب الحدیث (٥٨١/٢) میں اس روایت کو ہشیم بن بشیر سے روایت کیا ہے۔ پھر ان دونوں ہی نے اسماعیل سے اس روایت کو مختصر ذکر کیا ہے۔ یعنی اس میں صرف علقمہ کا قول ہی ذکر ہے۔

امام احمد نے اس کو فضائل الصحابة (٩٧٤) میں اور ان کے بیٹے عبداللہ نے السنة (١٣٤٠) اور ابن الاعرابی نے معجم (١٤٢٣) میں دو سندوں کے ساتھ مالک بن مغول عن اکیل عن الشعبی کے طریق سے فقط علقمہ کا قول ہی مختصر نقل کیا ہے۔ آئندہ روایت بھی دیکھیں۔

[2] الطبقات الکبری (٨٧/٦) اس کی سند حسن ہے۔ شریک: النخعی۔ فضل بن دکین نے کہا: میں نے قضاء کے بعد ان سے صرف ایک ہی روایت لکھی ہے۔ سیر أعلام النبلاء (٢٠٤/٨) اس سند کے باقی راوی ثقہ ہیں۔ منصور: ابن معتمر۔ ابراہیم: ابن یزید النخعی۔ آئندہ تین اور سابقہ روایت بھی دیکھیں۔

تخریج: اس روایت کو ابن ابی شیبہ (٣٩٠٢٤) نے شریک سے اسی سند سے بیان کیا ہے۔

[3] الطبقات الکبری (٨٨/٦) سابقہ روایت کی طرح اس کی سند بھی حسن ہے۔ پچھلی اور اگلی روایت بھی دیکھیں۔ ←

[269] عبداللہ بن احمد بن حنبل نے کہا: میں نے اپنے باپ پر یہ روایت پڑھی تو انھوں نے اس کا اقرار کیا: انھیں ابن نمیر نے شریک سے بیان کیا، وہ منصور سے بیان کرتے ہیں، منصور نے کہا: میں نے ابراہیم سے سوال کیا کہ کیا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگِ صفین میں علقمہ نے بھی شرکت کی تھی؟ فرمایا: ہاں اور ان کی تلوار خون آلود ہو گئی تھی۔[1]

[270] ابوالبختری روایت کرتے ہیں کہ علقمہ رضی اللہ عنہ جنگِ صفین کے دن واپس آئے تو ان کی تلوار علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ لشکر میں خون آلود تھی۔[2]

[271] غالب ابو ہذیل روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابراہیم سے علقمہ اور اسود کے بارے میں پوچھا، ان دونوں میں سے کون زیادہ فضیلت رکھتا ہے؟ جواب دیا: علقمہ، کیونکہ وہ جنگِ صفین میں شریک ہوئے تھے۔[3]

4- مالک بن الحارث نخعی اشتر:

بہادروں اور بڑے لوگوں میں ایک نام رکھنے والے، جنگِ یرموک میں ان کی ایک آنکھ پھوڑ دی گئی تھی۔ مضبوط جسم کے مالک تھے اور قبیلے میں مطاع تھے، اختلافی اور ضدی طبیعت رکھتے تھے، عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف قتال کیا، صاحبِ فصاحت اور بلاغت آدمی تھے۔[4] سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جمل وصفین میں شرکت کی۔

[272] ہمیں ابن ادریس نے حسن بن فرات سے بیان کیا، وہ اپنے باپ سے اور وہ عمیر بن سعید سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگِ جمل سے واپس ہوئے اور صفّین کی تیاری کرنے لگے تو

← تخریج: اس روایت کو خلیفہ بن خیاط نے اپنی التاریخ (ص: ۱۹٦) میں روایت کیا اور کہا: ہمیں ابوعبداللہ نے شریک سے ایسی ہی حدیث بیان کی۔

[1] العلل ومعرفة الرجال (۲۸۵۱) روایت صحیح ہے۔ ابن نمیر: عبداللہ الہمدانی۔ پچھلی اور اگلی روایت بھی دیکھیں۔

[2] مصنف ابن أبي شيبة (۳۹۰۲۵) اس کی سند صحیح ہے۔ اس سند کے راوی سارے ثقہ ہیں اور امام بخاری و مسلم کے راوی ہیں۔ میرے علم میں یہ بات نہیں ہے کہ ابوالبختری نے اس روایت کو علقمہ سے سنا ہوا ہے۔ مسلم: ابوعمران البطین۔ ابوالبختری: سعید بن فیروز الطائی۔

[3] الطبقات الكبرى (۹۱/٦) اس کی سند غالب کی وجہ سے حسن ہے۔ اس کا نام ابن الہدیل الاودی ہے۔ یہ صدوق ہے اور اس پر رفض کی تہمت ہے۔ باقی سارے ہی راوی ثقہ ہیں۔ سابقہ پانچ روایات بھی دیکھیں۔

[4] سير أعلام النبلاء (۳٤/٤)

قبیلہ نخع والے جمع ہو کر اشتر کے پاس پہنچ گئے۔ پوچھا کہ اس گھر میں قبیلہ نخع کے لوگوں کے علاوہ کوئی آدمی تو نہیں؟ انھوں نے نفی میں جواب دیا، آپ نے فرمایا: بے شک اس جماعت نے اپنے بہترین آدمی کو قتل کر دیا، اور ہم نے اہلِ بصرہ کی طرف پیش قدمی کی جن پر ہمارا بیعت کا حق تھا۔ پس ان کی عہد شکنی کے ساتھ ہماری مدد کی گئی، بے شک تم لوگ عنقریب اہلِ شام کی طرف کوچ کرو گے جن پر تمھیں بیعت کا حق حاصل نہیں ہے، اس لیے ہر آدمی کو چاہیے کہ دیکھ لے اور خوب سوچ لے کہ اپنی تلوار کہاں چلائے گا۔[1]

[**273**] عمیر بن سعید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شام کی جانب صفین جانے کا ارادہ کیا تو قبیلہ نخع کے کچھ لوگ جمع ہو کر اشتر کے گھر گئے، اشتر نے پوچھا: گھر میں قبیلہ نخع سے تعلق رکھنے والوں کے علاوہ تو کوئی شخص نہیں ہے؟ لوگوں نے جواب دیا: نہیں۔ تب اشتر نے کہا: ان لوگوں نے اس امت کے سب سے نیک انسان (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) کو شہید کر ڈالا ہے، ہم نے اہلِ بصرہ کے ساتھ معاہدہ ہونے کے باوجود قتال کیا کہ معاہدہ کی وجہ سے تو کوئی تاویل بھی ممکن تھی۔ جبکہ تم لوگ ایسی قوم کے پاس جا رہے ہو کہ ہمارا ان کے ساتھ کوئی معاہدہ بھی نہیں ہے، اس لیے تم میں ہر شخص اس بات پر غور کر لے کہ وہ اپنی تلوار کہاں رکھے گا۔[2]

---

[1] مصنف ابن أبي شيبة (٣١٢٥٧) اس کی سند حسن بن فرات کی وجہ سے حسن ہے، یہ صدوق راوی تھا اور وہم کر جاتا تھا۔ امام مسلم نے اس سے روایت لی ہے۔ اس سند کے باقی راوی ثقہ ہیں۔
ابن ادریس: عبداللہ۔ عمیر بن سعید: ابو یحییٰ النخعی الکوفی۔
تخریج: اس روایت کو ابن ابی شیبہ (٣٨٩٣٩) نے اسی سند اور متن کے ساتھ بیان کیا ہے۔
ابن دیزیل نے اپنی کتاب صفین [رقم: ٣٢] میں (میری تحقیق اور جمع کے مطابق) اس کو بیان کیا ہے اور یہی روایت تاريخ دمشق (٥٦/٣٨٦) میں بھی موجود ہے۔ ہمیں یحییٰ بن سلیمان الجعفی نے بیان کیا، کہا: ہمیں عبداللہ بن ادریس نے بیان کیا، پھر آگے یہ روایت ایسے ہی ذکر کی۔ دیکھیے: مختصر تاريخ دمشق (٢٤/٢٠) موارد ابن عساكر (١/٣٩٨) آئندہ روایت بھی دیکھیں۔

[2] المستدرك للحاكم (٤٥٧١) روایت حسن ہے، اس سند میں احمد بن عبدالجبار ہے، جو ابو عمر العطاردی ہے۔ مختلف فیہ راوی ہے۔ امام ذہبی نے اس کا دفاع کیا ہے، ابن حجر نے کہا کہ یہ ضعیف ہے اور سیرت کے بارے میں اس کا سماع صحیح ہے۔ سير أعلام النبلاء (١٣/٥٥) التقريب (٦٤)
امام حاکم نے کہا: یہ روایت صحیح الاسناد ہے اور ذہبی نے کہا کہ یہ روایت امام مسلم کی شروط پہ صحیح ہے۔ ابو العباس: محمد بن یعقوب بن یوسف نیشاپوری الاصم۔ امام سمعانی اور ذہبی نے ان کی توثیق کی ہے۔ ان کا تعارف [رقم: ٢٥] کے تحت گزر گیا ہے، سابقہ روایت بھی دیکھیں۔

اس روایت پر ایک مستقل بحث کی صورت میں تعلیق آگے ذکر ہوگی، جس میں اشتر کا جنگِ صفین میں تردّد بھی زیرِ بحث آئے گا، تو اس کو لازماً دیکھو۔[1]

5- ابو اسماعیل مُرَّہ بن شراحیل ہمدانی بکیلی کوفی رحمہ اللہ:

یہ مرہ الطیب اور مرہ الخیر کے نام سے معروف تھے۔ اپنی عبادت، نیکی اور علم کی بنا پر یہ القاب پائے۔ تابعی مخضرم تھے، بڑی شان و مرتبت والے تھے۔ یحییٰ بن معین نے انھیں ثقہ قرار دیا اور وہ کوفہ میں سنہ اسّی (۸۰ھ) کے کچھ اوپر وفات پا گئے۔ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی انھیں ثقہ کہا ہے (ع)۔[2]

انھوں نے جنگِ جمل اور صفین سے کنارہ کشی اختیار کی، اور ایامِ جمل میں فتنوں سے بچنے کے لیے دیلم چلے گئے۔

[274] زید الیامی نے مرہ بن شراحیل طیب سے کہا: کیا آپ صفین میں علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہیں جاؤ گے؟ انھوں نے کہا: علی رضی اللہ عنہ بدر اور اس جیسے دیگر معرکوں میں اپنی نیکیوں کے ساتھ مجھ سے آگے نکل چکے ہیں، اور میں نہیں چاہتا کہ اب اس معاملے میں ان کا شریک بنوں جس میں وہ داخل ہو چکے ہیں۔[3]

[275] ابو عبد اللہ (امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ) نے کہا: مسروق نے جنگِ جمل میں شرکت کی اور نہ مرہ نے، مرہ تو دیلم[4] چلے گئے تھے اور جمل میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ پھر فرمایا[5]: اہلِ کوفہ اگر قدرت رکھتے تو ہر ایک کو (جھوٹ میں) لتھیڑ[6] دیتے۔[7]

---

(1) [رقم: ۲۸۹، ۲۹۰] اور ان کے بعد کی تعلیق بھی دیکھیں۔

(2) سير أعلام النبلاء (٧٤/٤) التقريب (٦٥٦٢)

(3) أنساب الأشراف (٣٥٧/٢) بتحقيق المحمودي (١٣١/٣) تحقيق زكّار، اس کی سند صحیح ہے۔ اس کے راوی ثقہ ہیں اور صحیح بخاری کے راویوں میں سے ہیں۔ اور یہ روایت آگے بھی [رقم: ۲۹۱] پر دوبارہ آئے گی۔

(4) الدَّيْلَمُ: یہ بنو عبس کا ایک چشمہ (پانی کا مقام) ہے۔ اور ایک قول کے مطابق یہ یمامہ کے علاقے میں واقع ایک چشمہ ہے۔ معجم البلدان (٥٤٤/٢)

(5) یعنی احمد بن حنبل نے۔

(6) یعنی وہ جھوٹ کے ساتھ اُس (مرہ بن شراحیل) کی جمل اور صفین میں شمولیت کا دعویٰ کرتے ہیں۔

(7) مسائل الامام احمد بن حنبل، اسحاق بن ابراہیم بن ہانی نیشاپوری کی روایت (۲۰۲۹) میں مذکور ہے، اور اس کی تخریج [رقم: ۳۶] میں گزر چکی ہے۔ مسروق: ابن الاجدع۔ مرہ: مرہ الطیب ہیں۔

6- ابو العالیہ رُفَیع بن مِہران الرِّیاحی بصری رحمہ اللہ:

امام، قاری، حافظِ قرآن اور مفسر، جلیل القدر علماء میں سے ایک تھے، انھوں نے دورِ جاہلیت کو پایا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دو سال بعد اسلام قبول کیا۔ پھر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی۔ قرآنِ کریم حفظ کیا اور انھوں نے قرآن اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کے سامنے پڑھا، نیز اسی طرح عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے بھی تین مرتبہ قرآن پڑھا۔[1]

[276] حفصہ رحمہا اللہ نے کہا کہ ابو العالیہ نے مجھے بتایا کہ میں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر تین مرتبہ قرآن پڑھا ہے۔[2] [3]

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ابو العالیہ صفین کے دن علی رضی اللہ عنہ کے لشکر سے آ ملے تھے، لیکن وہ واپس لوٹ گئے اور قتال میں شریک نہ ہوئے اور انھوں نے اپنے واپس لوٹنے کا سبب بھی بیان کیا:

[277] ابو العالیہ بیان کرتے ہیں: جب علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کا دور تھا، اور میں اس وقت جوان تھا

---

[1] بغية الطلب (٣٦٧٩/٨)، تهذيب الكمال (٢١٥/٩)، تاريخ الإسلام (٥٢٩/٦)، سير أعلام النبلاء (٢٠٧/٤)، تهذيب التهذيب (٢٨٤/٣) تقريب التهذيب (١٩٥٣)

[2] اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ پورے قرآنِ کریم کو حفظ کیے ہوئے تھے۔

[3] تاریخ دمشق (١٦٨/١٨- ١٦٩) اس کی سند صحیح ہے، اور اسے امام ذہبی اور ابن الجزری دونوں نے صحیح قرار دیا ہے، جیسا کہ تخریج میں آگے آئے گا۔ اور دیکھیں: موارد ابن عساكر في تاريخ دمشق (٩٥١/٢)

النَّضر: ابن شُمَیل۔ ہشام: ابن حسّان الازدِی القُردوسی۔ حفصہ: بنت سیرین۔

تخریج: اس روایت کو امام ذہبی نے تاریخ الإسلام (١١٠/٤٤) میں اپنی سند کے ساتھ المحاملی کے طریق سے بیان کیا ہے۔

اسی طرح امام ذہبی نے اسے التاريخ (٥٣٠/٦)، سير أعلام النبلاء (٢٠٨/٤)، اور معرفة القراء الكبار (٦١/١) میں معتمر بن سلیمان وغیرہ کے واسطے سے، ہشام بن حسان کے طریق سے روایت کیا ہے۔ اور "معرفة القراء" میں کہا: یہ حدیث صحیح اور غریب ہے، اسے ایک جماعت نے ہشام بن حسان سے روایت کیا ہے۔

ابن الجزری نے بھی اسے غاية النهاية (٥٩١/١) میں ثقہ راویوں کی ایک جماعت کے ذریعے ہشام بن حسان سے نقل کیا، اور پھر کہا: یہ سند صحیح ہے، اس میں کوئی شک نہیں۔

نیز انھوں نے غاية النهاية (٢٨٥/١) میں یہ بھی لکھا: اور دارقطنی نے ابو حاتم کے واسطے سے، وہ یعقوب سے، وہ مہدی بن میمون سے، وہ شعیب بن الحبحاب سے، وہ ابو العالیہ سے روایت کرتے ہیں کہ ابو العالیہ نے کہا: میں نے قرآن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ پر چار مرتبہ پڑھا، اور ان کے ساتھ گوشت کھایا۔

اس روایت کے راوی ثقہ ہیں۔ ابو حاتم: سہل بن محمد بن عثمان السجستانی۔ یعقوب: ابن اسحاق بن زید الحضرمی۔

اور لڑائی مجھے پسندیدہ کھانے سے بھی زیادہ محبوب تھی، تو میں نے بہترین سازوسامان کے ساتھ تیاری کی، یہاں تک کہ ان کے پاس پہنچا۔ پس میں نے دیکھا کہ دونوں صفیں ایسی تھیں کہ ان کے کنارے نظر نہ آتے تھے۔ جب ایک طرف کے لوگ تکبیر کہتے تو دوسری طرف والے بھی تکبیر کہتے، اور جب یہ لوگ تہلیل "لا إله إلا الله" کہتے تو وہ بھی تہلیل کہتے۔ تو میں نے اپنے دل سے مشورہ کیا اور کہا: میں دونوں گروہوں میں سے کس کو کافر قرار دوں؟ اور مجھے اس (فیصلے) پر کس نے مجبور کیا ہے؟ چنانچہ شام ہونے سے پہلے ہی میں واپس لوٹ آیا اور انھیں چھوڑ دیا۔[1]

[**278**] ہمیں ابو حامد بن جبلہ[2] نے بیان کیا، ....

---

[1] الطبقات الکبری (۱۱۴/۷) کی یہ روایت صحیح ہے، اور اس کی سند متابعت کی بنا پر حسن ہے۔ یحییٰ بن خلیف بن عقبہ السعدی کے بارے میں ابن عدی نے الکامل (۲۴۵/۷) میں کہا ہے: ان کی منکر روایتیں وہ ہیں جو سفیان ثوری کی طلحہ بن یحییٰ سے مروی ہیں، اور یہ روایت ان میں سے نہیں۔ اور آئندہ کی دونوں روایتوں میں اس کی متابعت ہوئی ہے، باقی تمام راوی ثقہ ہیں۔ ابو خَلدَہ: ان کا پورا نام خالد بن دینار تمیمی السعدی ہے۔

تخریج: یہ روایت ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۱۸۱/۱۸- ۱۸۲) میں ابن سعد کے طریق سے روایت کی ہے۔ اسی خبر کو الذہبی نے تاریخ الإسلام (۵۳۱/۶) اور سیر أعلام النبلاء (۲۰۹/۴- ۲۱۰) میں ابو خلدۃ کے طریق سے نقل کیا ہے۔ مزید تفصیل کے لیے اگلی روایت ملاحظہ فرمائیں۔

[2] یہ احمد بن محمد بن عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب بن محمد بن یزید بن سنان بن جبلہ ہیں، کنیت ابو حامد، لقب الصائغ، نسبتاً نیشاپوری۔ وہ امام ابو نعیم اصفہانی کے شیخ (استاد) تھے۔ ابو نعیم نے ان سے بہت زیادہ روایتیں نقل کیں، حتیٰ کہ صرف کتاب "الحلیة" میں ان سے پانچ سو سے زائد روایتیں موجود ہیں۔ اسی وجہ سے ابو نعیم انھیں کبھی ابو حامد اور کبھی ابن جبلہ کہہ کر یاد کیا کرتے تھے۔

امام سمعانی اور امام ذہبی دونوں نے ان کا ترجمہ ذکر کیا ہے، اور ان دونوں نے نہ ان کے بارے میں کوئی جرح (تنقید) بیان کی اور نہ تعدیل (توثیق)۔ سمعانی نے ان کا نام ذکر کرنے کے بعد کہا: (یہ نیشاپور کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے نیشاپور میں ابو بکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ، ابو العباس محمد بن اسحاق السراج اور ابو قریش محمد بن جمعہ بن خلف القہستانی سے حدیث سنی۔ اور بغداد میں ابو الحسین حجاجی کے ساتھ ابو القاسم عبد اللہ بن محمد بن عبد العزیز الحافظ اور یحییٰ بن محمد بن صاعد اور ان جیسے طبقے کے لوگوں سے حدیث لکھی۔ ان سے امام حاکم ابو عبد اللہ، اور ابو العباس جعفر بن محمد بن معتز مستغفری نے حدیث سنی۔ امام حاکم نے ان کا ذکر تاریخ نیشاپور میں ان الفاظ میں کیا: ابو حامد الصائغ نے خراسان اور عراق میں بہت زیادہ احادیث سنی تھیں۔ اور انھوں نے نیشاپور میں کئی سال تک حدیث روایت کی۔ ان کا ایک بیٹا بخارا میں مقیم تھا، چنانچہ وہ ان کو بخارا لے گیا، اور وہیں سنہ ۳۷۴ھ میں ان کا انتقال ہوا۔) الأنساب (۲۶۸/۸) اور دیکھیے: تاریخ الإسلام (۵۵۲/۲۶) ان کا ذکر تلخیص تاریخ نیشاپور (تالیف: خلیفہ نیشاپوری، ص: ۸۰) ←

کہا: ہمیں محمد بن اسحاق[1] نے بیان کیا، کہا: ہمیں سوار بن عبداللہ عنبری نے بیان کیا، کہا: ہمیں ابو داود طیالسی نے بیان کیا، کہا: ہمیں ابو خلدہ نے ابو العالیہ سے روایت کیا کہ جب علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین قتال کا وقت آیا تو میں (ابو العالیہ) اس وقت ایک نوجوان تھا۔ میں نے تیاری کی اور اپنا ہتھیار پہنا، پھر ان لوگوں کی طرف گیا (یعنی لشکر تک پہنچا)، تو دیکھا کہ دونوں صفیں ایسی ہیں جن کے کنارے نظر نہیں آتے۔ میں نے یہ آیت تلاوت کی:

﴿ وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهُ جَهَنَّمُ ﴾ [النساء: ۹۳]

''اور جو کوئی کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے، تو اس کی سزا جہنم ہے، وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔''

چنانچہ میں واپس لوٹ آیا اور انھیں چھوڑ دیا۔[2]

← میں بھی ان لوگوں کے ساتھ آیا ہے جن سے امام حاکم نے طبقہ ششم کے طور پر سماع کیا تھا، مگر صرف ان کا نام ذکر کیا ہے۔ ان کا نام ''تاریخ الإسلام'' میں غلط لکھا گیا جس کی وجہ سے کئی محققین ان کا ترجمہ نہ پا سکے۔ اس میں ان کا نام اس طرح بگڑ کر آیا: احمد بن محمد بن عبد اللہ بن حامد الصائغ یہ تحریف درج ذیل دونوں مطبوعہ نسخوں میں پائی جاتی ہے:

– دار الکتاب الاسلامی (تحقیق: ڈاکٹر عمر بن عبد السلام تدمری)، اسی مطبوعہ پر میں نے اعتماد کیا ہے۔

– المکتبۃ التوفیقیۃ (۲۶/۴۰۶)

جبکہ دار الغرب الاسلامی کی طباعت (۸/ ۳۹۷) جو ڈاکٹر بشار بن عواد بن معروف کی تحقیق سے ہے، اس میں نام اس طرح درست درج ہے: (احمد بن محمد بن عبداللہ، ابو حامد الصائغ) اور یہی درست نام ہے۔

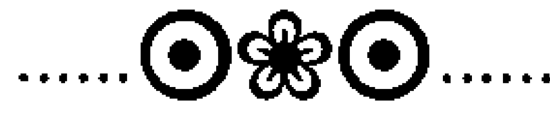
اسی طرح اس کے فوراً بعد آنے والے راوی کی ترجمہ میں بھی تحریف واقع ہوئی ہے! ڈاکٹر بشار عواد نے اپنی کتاب في تحقيق النص (ص: ۲۷۵) میں تاریخ الاسلام کی دیگر طبعات میں کئی تحریفات کی نشاندہی کی ہے، اور (ص: ۲۷۵ - ۳۳۱): [۱۱۴۴] ایسے تراجم (سوانح) کا ذکر کیا ہے جو طبعہ تدمری میں سرے سے ساقط (چھوٹ) گئی ہیں، نیز دیگر کئی امور بھی بیان کیے ہیں۔

[1] محمد بن اسحاق بن ابراہیم بن مہران، ابو العباس السراج ثقفی، ان کے مولیٰ خراسانی، نیشاپوری، وہ امام، حافظ، ثقہ، شیخ الاسلام، خراسان کے محدث اور کتاب (المسند الكبير) على الأبواب والتاريخ کے مولف تھے۔ سير أعلام النبلاء (۱۴/۳۸۸)

[2] حلية الأولياء (۲/۲۱۹) یہ روایت صحیح ہے، اور اس کی سند متابعت کی وجہ سے حسن ہے، خاص طور پر ابو حامد ابن جبلہ کی وجہ سے، جبکہ باقی تمام راوی ثقہ (قابلِ اعتماد) ہیں۔

تخریج: اس روایت کو ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۱۸/۱۸۲) میں اور ابن العدیم نے بغیة الطلب (۸/۳۶۸۰) میں ←

[279] ابو العالیہ بیان کرتے ہیں کہ جب علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے زمانے میں جنگ کا موقع آیا، تو میں ان کے پاس گیا، تو کیا دیکھتا ہوں کہ دونوں لشکر صف آرا ہیں جن کے دونوں کنارے نظر نہیں آتے، جب ایک طرف کے لوگ تکبیر کہتے تو دوسری طرف بھی تکبیر کہی جاتی، اور جب ایک طرف کے لوگ تہلیل کہتے تو دوسری طرف بھی تہلیل کہی جاتی۔ میں نے کہا: تم کس فریق کو کافر سمجھتے ہو؟ اور کس فریق کو مومن؟ چنانچہ شام ہونے سے پہلے میں واپس لوٹ آیا۔[1]



← روایت کیا ہے، اور دونوں نے ابونعیم اصفہانی کی سند سے یہی روایت نقل کی ہے۔ نیز اس سے پہلے اور بعد کی روایات بھی ملاحظہ کیجیے۔

[1] تاریخ دمشق (۱۸۲/۱۸) کی یہ روایت سنداً صحیح ہے۔ ابو داود سے مراد یہاں ابو داود الطیالسی ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: موارد ابن عساکر في تاریخ دمشق (۱۱۹/۱) اور اسی موضوع سے متعلق پچھلی دونوں روایات بھی ملاحظہ ہوں۔

تخریج: ابن عدیم نے بغیة الطلب (۳۱۳/۱) میں اپنی سند سے ہیثم بن عدی کے واسطے سے نقل کی ہے: ہمیں یونس بن ابی اسحاق نے خبر دی، وہ کہتے ہیں: مجھ سے میرے والد نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: میں نے اپنے والد سے کہا: ابا جان! کیا آپ نے صفین میں شرکت کی تھی؟ انھوں نے کہا: ہاں، میں نے عجیب منظر دیکھا۔ ایک دن میں ان کے ساتھ موجود تھا، تو انھوں نے ہمیں نیزوں سے جھاڑ دیا، اور ہم نے انھیں نیزوں سے جھاڑ دیا، یہاں تک کہ اگر کوئی شخص ان نیزوں پر چلنا چاہتا تو بآسانی چل سکتا تھا۔ ایک جانب سے آواز آتی: "لا إله إلا الله والله أكبر"، اور دوسری جانب سے بھی یہی آواز آتی: "لا إله إلا الله والله أكبر" پھر انھوں نے واقعہ ذکر کیا۔

تیسری فصل:

صفین میں جنگ اور تحکیم کی دعوت

اس میں چودہ مباحث شامل ہیں:

پہلا مبحث: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہلِ شام کو بیعت کی دعوت دینا۔

دوسرا مبحث: صفین کی طرف پیش قدمی اور پانی پر جنگ۔ (اس میں ۶ مطالب ہیں)

تیسرا مبحث: سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا اہلِ شام کے لشکر اور ان کے پیروکاروں پر قنوت پڑھنا۔

چوتھا مبحث: سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا لعنت، گالی گلوچ اور اہلِ شام پر طعن و تشنیع سے متعلق موقف۔

پانچواں مبحث: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ایک دلیرانہ موقف جو روم کی بنیادوں کو ہلا دیتا ہے۔

چھٹا مبحث: سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا اہلِ شام سے باغیوں کے احکام کے مطابق معاملہ کرنا۔

ساتواں مبحث: صفین میں جنگ کا بھڑک اٹھنا۔ (اس میں دو مطالب ہیں)

آٹھواں مبحث: سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی شہادت۔ (اس میں ۸ مطالب ہیں)

نواں مبحث: وہ اسباب جنھوں نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو کتاب اللہ کے ذریعے جنگ روکنے کے لیے تحکیم پر آمادہ کیا۔

دسواں مبحث: تحکیم کی دعوت اور جنگ کا خاتمہ۔ (اس میں ۶ مطالب ہیں)

گیارھواں مبحث: صفین کے دن صلح کے بارے میں خوارج (قراء) کا موقف اور ان کی تعداد۔ (اس میں دو مطالب ہیں)

بارھواں مبحث: صفین میں جنگ ختم ہونے کے بعد امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا موقف۔

تیرھواں مبحث: ابومیسرہ عمرو بن شرحبیل ہمدانی کوفی کا خواب۔

چودھواں مبحث: صفین میں قتل ہونے والوں کی تعداد۔

صفین میں جنگ اور تحکیم کی دعوت

[**280**] سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسلام کی چکی پینتیس،[1] چھتیس یا سینتیس تک چلے گی۔ پھر اگر ہلاک ہوئے تو ہلاک ہونے والوں کی یہی راہ ہوگی اور اگر ان کا دین قائم رہا تو ستر سال تک قائم رہے گا۔'' سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے عرض کی: کیا یہ ستر سال مزید ہوں گے یا سابقہ مدت بھی اس میں شامل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''گزشتہ مدت کے ساتھ۔''[2]

''اسلام کی چکی چلے گی'' یعنی: اسلام کا نظام قائم و برقرار رہے گا اور اس کا سلسلہ جاری رہے گا۔ یہاں چکی کے گھومنے کو اس حالت کے لیے بطور استعارہ استعمال کیا گیا ہے جو کسی کے لیے قائم ہو اور مسلسل باقی رہے، کیونکہ چکی اسی وقت کامل اور مفید سمجھی جاتی ہے جب وہ مسلسل گھوم رہی ہو۔

''لِخَمْسٍ وَّثَلَاثِينَ'' میں لام وقت کے لیے ہے، جیسے کوئی کہے: ''أنتِ طالقٌ لرمضان'' یعنی رمضان کے وقت طلاق واقع ہوگی۔ یا یہ لام بمعنی ''إلی'' (یعنی تک) بھی ہوسکتی ہے۔

تورپشتی نے کہا: (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود امت کے معاملے کی درستی تھا، یعنی یہ کہ امت حکمرانوں کی اطاعت میں رہے گی، حدود و احکام کو قائم رکھے گی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ابتداء ہجرت کے ابتدائی زمانے سے کی۔ آپ نے انھیں خبر دی کہ وہ جس حالت پر ہیں، اس پر پینتیس، یا چھتیس، یا سینتیس سال تک قائم رہیں گے، پھر خلافت کی رسی کو توڑ ڈالیں گے اور ان کا کلمہ اختلاف کا شکار ہو جائے گا۔ اگر وہ ہلاک ہو گئے تو ان کا انجام بھی انہی لوگوں جیسا ہوگا جو ان سے پہلے ہلاک ہو چکے اور اگر ان کا معاملہ

---

[1] اور ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں: پینتیسویں سال کے آغاز پر۔ (المسند: ٣٧٠٧)، اور ایک اور روایت میں ہے: پینتیس سال کے ساتھ (المسند: ٣٧٣٠)

[2] سنن أبي داود (٤٢٥٤) امام البانی اور شعیب ارناؤط نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھو: عون المعبود (١١/٢٢٠، رقم: ٤٢٥٤)، السلسلة الصحيحة (٩٧٦)

دوبارہ اطاعت کو ترجیح دینے اور حق کی نصرت کی طرف لوٹ آیا تو وہ ان کے لیے مکمل ہو جائے گا یہاں تک کہ ستر سال پورے ہو جائیں گے۔)

تورپشتی نے مزید کہا: ''ان تین سنین کے ذکر سے نبی ﷺ نے تین فتنوں کی طرف اشارہ فرمایا: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل جو پینتیسویں سال میں ہوا، جنگِ جمل، جو چھتیسویں سال میں ہوئی، اور جنگِ صفین جو سینتیسویں سال میں پیش آئی۔ یہ تینوں فتنے انہی تین برسوں میں پے در پے واقع ہوئے تھے۔[1]

''أَمِمَّا بَقِيَ''، یعنی: کیا (۳۵ یا ۳٦ یا ۳۷ کے بعد) ایک نئی گنتی کا آغاز ۳۷ ہوگا؟ یعنی شمار کا آغاز ۳۷ کے بعد سے اس طرح ہوگا: ۱، ۲، ۳، ...... ۷۰؟

دوسرے الفاظ میں: کیا ۳۷ کے بعد ستر باقی رہیں گے؟

''أَوْ مِمَّا مَضَى''، یعنی: کیا (۳۵)، یا (۳٦)، یا (۳۷) کو بھی ستر (سال) میں شمار کیا جائے گا؟ اور ان کے بعد کوئی نئی گنتی شروع نہ کی جائے؟

بلکہ شمار اسی طرح جاری رہے: ۳۸، ۳۹، ۴۰ ...... یہاں تک کہ ۷۰۔[2]

دوسرے الفاظ میں: کیا (۳۷) گزر چکی ہوگی اور ستر (سال) میں سے کم ہو چکی ہوگی؟

[**281**] سیدنا سفینہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: خلافت تیس سال ہوگی، اس کے بعد بادشاہت ہوگی۔ سفینہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: گنتی کرو: ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت دو سال، عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت دس سال، عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت بارہ سال، اور علی رضی اللہ عنہ کی خلافت چھے سال، (یہ سب ملا کر تیس سال بنتے ہیں)۔[3]

اس کے قول: ''اور علی رضی اللہ عنہ کی خلافت چھے سال'' سے مراد ہے: ان کے بیٹے حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ساتھ، جو چھے ماہ پر مشتمل تھی۔

[**282**] ابو حازم سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں: یقیناً یہ امت امتِ مرحومہ ہے، اس پر کوئی عذاب نہیں، سوائے اس کے جو وہ خود اپنے آپ کو عذاب دے۔ میں نے کہا: وہ اپنے آپ کو کیسے

---

[1] الميسر في شرح مصابيح السنة (٤/١١٤٧، رقم: ٤٠٤٢)

[2] الميسر في شرح مصابيح السنة (٤/١١٤٧، رقم: ٤٠٤٢)

[3] مسند أحمد (٢١٩١٩) اسے امام احمد بن حنبل اور علامہ البانی نے صحیح قرار دیا ہے اور شعیب الارناؤط نے اسے حسن کہا ہے۔ السنة للخلال (٦٢٦)، المنتخب من علل الخلال (١٢٨)، السلسلة الصحيحة (٤٥٨)

عذاب دیتی ہے؟ انھوں نے فرمایا: کیا یوم النہر عذاب نہیں تھا؟ کیا یوم الجمل (جنگِ جمل کا دن) عذاب نہیں تھا؟ کیا یومِ صفین (جنگِ صفین کا دن) عذاب نہیں تھا؟[1]

[283] سیدنا مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: اللہ کی قسم! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: بے شک کامیاب وہی ہے جسے فتنوں سے دور رکھا گیا، بے شک کامیاب وہی ہے جسے فتنوں سے بچا لیا گیا، بے شک کامیاب وہی ہے جسے فتنوں سے بچا لیا گیا، اور جو شخص آزمائش میں ڈالا گیا اور صبر کیا، تو واہ واہ (کیا ہی خوش نصیب ہے)۔[2]

بے شک امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے محبوب رکھا تو انھیں آزمائش میں ڈالا، سو انھوں نے صبر کیا، اور وہ صبر وحق پر ثابت قدمی میں ایک عجیب و بے مثال نمونہ تھے۔



[1] مسند أبي يعلىٰ (٦٢٠٤) اس کی سند موقوف اور صحیح ہے۔ ابو داود حفری سے مراد عمر بن سعد ہیں، ابن ابی زائدہ سے مراد یحییٰ بن زکریا ہیں اور ابو حازم سے مراد سلمان اشجعی ہیں۔

تخریج: اسے ابن راہویہ نے اپنی مسند (۲۲۷) میں ابو داود حفری کی سند سے روایت کیا ہے۔ اور ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے المطالب العالية (٤١٨٦) اور بذل الماعون (ص: ۲۱٤) میں ابو یعلیٰ کے حوالے سے ذکر کیا ہے، اور "بذل الماعون" میں اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ مزید دیکھیں: السلسلة الصحيحة (۹۵۹)

[2] سنن أبي داود (٤٢٦٣)، اسے علامہ البانی اور شعیب ارناؤط دونوں نے صحیح قرار دیا ہے۔

پہلا مبحث:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہلِ شام کو بیعت کی دعوت

جب امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی بیعت ہو چکی، تو آپ مدینہ سے لشکر لے کر معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہلِ شام کی طرف روانہ ہوئے اور کوفہ کا قصد کیا، تا کہ اہلِ شام کے قریب رہیں۔ لیکن راستے میں آپ رضی اللہ عنہ کو خبر ملی کہ طلحہ، زبیر اور اُم المومنین عائشہ رضی اللہ عنہم ایک لشکر کے ساتھ مکہ سے بصرہ کی طرف روانہ ہو چکے ہیں۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا رُخ بصرہ کی طرف موڑ دیا اور طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کا پیچھا کیا، اور اہلِ شام کے معاملے کو اس وقت تک موخر کر دیا جب تک طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما کے معاملے سے فارغ نہ ہو جائیں۔[1]

جب جمادی الآخرة ۳۶ھ کے وسط میں جنگِ جمل ختم ہوئی،[2] تو امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے اہلِ شام اور ان کی بغاوت کے معاملے پر دوبارہ توجہ دی، چنانچہ آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہلِ شام کی طرف قاصد بھیجے اور انھیں بیعت کی دعوت دی لیکن یہ مراسلات کوئی نتیجہ نہ دے سکیں۔

[**284**] عبید حنفی بیان کرتے ہیں کہ ابو مسلم الخولانی اور کچھ لوگ ان کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے کہا: کیا آپ علی رضی اللہ عنہ سے (خلافت کے بارے میں) نزاع کرتے ہیں، یا آپ ان کے برابر ہیں؟ تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں! اللہ کی قسم، میں جانتا ہوں کہ علی رضی اللہ عنہ مجھ سے افضل ہیں اور وہ اس معاملے[3] کے مجھ سے زیادہ حق دار ہیں۔ لیکن کیا تم نہیں جانتے کہ عثمان رضی اللہ عنہ مظلوم قتل کیے گئے؟ اور میں ان کا چچازاد بھائی ہوں، میں تو صرف خونِ عثمان کا مطالبہ کر رہا ہوں۔ تم علی رضی اللہ عنہ کے پاس

---

[1] پروفیسر ڈاکٹر خالد بن محمد الغیث نے اپنی کتاب "استشهاد عثمان رضي الله عنه ووقعة الجمل" میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سفر پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔

[2] تاريخ خليفة (ص: ١٨٤ - ١٨٥)، اور ڈاکٹر خالد الغیث نے اسی کتاب "استشهاد عثمان رضي الله عنه ووقعة الجمل" میں اسی روایت کو ترجیح دی ہے۔

[3] یعنی خلافت کے۔

جاؤ اور ان سے کہو کہ وہ قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ کو میرے حوالے کر دیں، تب میں ان کی بیعت کر لوں گا۔ وہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے یہ بات کی، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کے حوالے نہ کیا۔[1]

[**285**] ابن حجر رحمہ اللہ نے یہ روایت نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں: یحییٰ بن سلیمان الجعفی جو امام بخاری کے شیوخ میں سے ہیں، نے اپنی تصنیف کتاب صفّین میں ایک جید سند کے ساتھ ابومسلم خولانی سے روایت کی ہے کہ انھوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے خلافت میں نزاع کرتے ہیں؟ یا آپ ان جیسے ہیں؟ تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: نہیں، اللہ کی قسم! میں خوب جانتا ہوں کہ وہ مجھ سے افضل ہیں اور خلافت کے زیادہ حق دار ہیں، لیکن کیا تم نہیں جانتے کہ عثمان رضی اللہ عنہ مظلوم شہید کیے گئے، اور میں ان کا چچا زاد اور ولی ہوں، اور ان کے خون کا بدلہ طلب کر رہا ہوں؟ تو تم علی رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ وہ قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ کو ہمارے حوالے کریں۔ چنانچہ وہ لوگ علی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے بات کی، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ (یعنی اہلِ شام) پہلے بیعت میں داخل ہوں، پھر وہ ان (قاتلین) کے بارے میں مجھ سے فیصلہ طلب کریں۔ لیکن معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات قبول نہ کی، تو علی رضی اللہ عنہ عراق سے لشکر لے کر صفین کی جانب روانہ ہوئے اور معاویہ رضی اللہ عنہ بھی وہاں پہنچے۔ یہ ذوالحجہ ۳۶ھ کا واقعہ ہے۔ دونوں طرف سے خط کتابت ہوئی لیکن کوئی بات طے نہ ہو سکی۔ پھر جنگ واقع ہوئی۔[2]

غیر صحیح روایت:

کچھ وہ روایات جو صحیح نہیں ہیں:

[**286**] یہ خبر ابن دیزیل اور نصر بن مزاحم نے روایت کی ہے، اور یہ ایک طویل روایت ہے، جس میں یہ واقعہ مذکور ہے: ''ابو الدرداء اور ابو امامہ (باہلی رضی اللہ عنہما) معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے کہا: اے معاویہ! آپ اس شخص (علی رضی اللہ عنہ) سے کس بنیاد پر قتال کر رہے ہیں؟ اللہ کی قسم! وہ آپ اور آپ کے والد سے پہلے اسلام لائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے مقابلے میں زیادہ قریب ہیں، اور اس معاملے (خلافت)

---

[1] تاریخ دمشق (۵۹/۱۳۲)، (کتاب ''صفین'' از ابن دیزیل، [رقم: ۳۳]، میری تحقیق و جمع کے ساتھ)۔ حافظ ابن حجر نے اس کی سند کو جید قرار دیا ہے۔ دیکھیے اگلی روایت اور اس کی تخریج پہلے بھی ہو چکی ہے [رقم: ۱]

[2] فتح الباري (۱۳/۸۶)، (کتاب ''صفین'' از یحییٰ بن سلیمان الجعفی، [رقم: ۱۴]، میری جمع و ترتیب کے مطابق)، اور ابن حجر نے اس کی سند کو جید قرار دیا، جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں۔ اس کی تخریج پہلے گزر چکی ہے۔ [رقم: ۲]

میں آپ سے زیادہ حق دار ہیں۔ تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میں ان سے عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کے بارے میں لڑ رہا ہوں، کیونکہ انھوں نے ان کے قاتلوں کو پناہ دی ہے۔ تم دونوں ان کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہمیں عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے قصاص لینے دیا جائے، پھر میں شام والوں میں سے سب سے پہلے ان کی بیعت کرنے والا ہوں۔ چنانچہ وہ دونوں علی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے یہ بات کہی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ لوگ جنھیں تم دیکھ رہے ہو (عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل یہی لوگ ہیں)۔ اس پر بہت سے لوگ نکل آئے اور کہنے لگے: ہم سب نے ہی عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا ہے، جو چاہے ہم پر تیر برسائے اور ہمیں قصاص میں قتل کرے! یہ سن کر ابو الدرداء اور ابو امامہ واپس لوٹ گئے اور اس جنگ میں شریک نہ ہوئے۔"[1]

میں نے ایک طویل خبر دیکھی جو کچھ عمدہ تاریخی معلومات پر مشتمل تھی، جن میں سے بعض کا اصل صحیح ہے، لیکن اس میں طعن و تشنیع، گالی گلوچ اور تحریف شامل کر دی گئی تھی۔

یہ خبر ابن دیزیل، یحییٰ کے واسطے سے، نصر بن مزاحم کے ذریعے روایت کرتے ہیں، جو متروک اور متہم راوی ہے، اپنی سند سے نقل کرتا ہے۔ اس خبر میں صحیح اور ضعیف دونوں اقسام کی روایات شامل ہیں، جنھیں مورخین اکثر ایک ہی خبر میں ملا دیتے ہیں۔ چنانچہ میں نے ارادہ کیا کہ اس خبر کو نقل کروں اور متن میں صرف وہی باتیں درج کروں جو شواہد سے صحیح ثابت ہوں، اسی طرح جو (مقبول) روایتیں ہیں وہ بھی، اور جو باتیں گھڑی گئی ہوں یا جن میں تحریف ہو، انھیں حاشیے میں درج کروں۔ اس کے دو اسباب ہیں:

⦿ تاکہ صحیح روایت کو گھڑی ہوئی (مدسوس) روایت سے چھان کر الگ کیا جا سکے۔

⦿ تاکہ معزز قاری یہ دیکھ سکے کہ بدعتی لوگ روایات میں کس طرح تحریف کرتے ہیں، یہاں تک کہ وہ مناقب، خوبیاں اور حقائق گالیوں، عیوب، طعن و تشنیع، مسخ اور حقیقت کو الٹ دینے میں بدل جاتی ہیں۔

---

[1] وقعة صفين (ص: ١٩٠)، البداية والنهاية (٢٨٨/٧) اور یہی الفاظ اسی کے ہیں، جبکہ قوسین کے درمیان میں جملے واقعۂ صفین سے اضافی ہیں۔ ابن کثیر نے اسے ابن دیزیل کی طرف منسوب کیا ہے، اور یہ روایت (کتاب صفین لابن ديزيل [رقم: ٤٢] میری جمع و تحقیق کے مطابق) میں موجود ہے۔

یہ خبر منکر (قابلِ ردّ) ہے، کیونکہ ابو الدرداء رضی اللہ عنہ صفین سے پہلے خلافتِ عثمان رضی اللہ عنہ میں ۳۲ھ میں وفات پا چکے تھے، دیکھیں: تاريخ الإسلام (٤٠٤/٣) سير أعلام النبلاء (٣٥٣/٢)

رہی بات ابو اُمامہ صُدی بن عجلان الباہلی رضی اللہ عنہ کی تو وہ کنارہ کش نہیں ہوئے، بلکہ انھوں نے صفین میں علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شرکت کی، جیسا کہ ہم نے اسے "مواقف الصحابة" میں ذکر کیا ہے، دیکھیے: [رقم: ۳۲۱]

[287] ابن دیزیل نے اپنی کتاب ”صفین“ میں جیسا کہ ”تاریخ دمشق“ میں ہے، یہ روایت نقل کی ہے کہ ہمیں ابوسعید یحییٰ بن سلیمان جعفی نے بیان کیا، کہا: ہمیں نصر بن مزاحم نے بیان کیا، کہا: ہمیں عمر بن سعد اسدی نے بیان کیا، وہ نمیر بن وعلہ سے، وہ عامر شعبی سے روایت کرتے ہیں: جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ تشریف لائے تو انھوں نے جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کو ہمدان کی گورنری سے معزول کر دیا۔ جریر رضی اللہ عنہ کوفہ آئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا کہ وہ شام میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک قاصد اور خط بھیجیں۔

جریر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے امیرالمومنین! مجھے بھیجیں، کیونکہ وہ (معاویہ رضی اللہ عنہ) میرے ساتھ ہمیشہ خیرخواہی اور محبت سے پیش آتے رہے ہیں۔ میں ان سے کہوں گا کہ وہ آپ کے ہاتھ پر خلافت سپرد کریں، حق پر آپ کا ساتھ دیں اور آپ کے تابع ایک امیر یا گورنر کی حیثیت سے رہیں جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور قرآن کی پیروی پر قائم رہیں۔ نیز میں اہلِ شام کو بھی آپ کی اطاعت اور ولایت کی طرف بلاؤں گا، کیونکہ ان میں سے اکثر میرے اپنے قبیلے کے لوگ ہیں اور مجھے امید ہے کہ وہ میری بات نہیں ٹالیں گے۔ اس پر اشتر نخعی نے کہا: انھیں نہ بھیجیں اور ان پر اعتماد نہ کریں، کیونکہ مجھے یقین ہے کہ ان کی نیت اور جھکاؤ ان (اہلِ شام) ہی کی طرف ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جانے دو، دیکھتے ہیں وہ کیا جواب لے کر آتے ہیں۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انھیں معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس روانہ کیا اور روانگی سے پہلے فرمایا: تم جانتے ہو میرے اردگرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے اہلِ دین اور اہلِ رائے موجود ہیں، لیکن میں نے تمھیں ان سب پر اس لیے ترجیح دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمھارے بارے میں فرمایا تھا: ”یمنیوں میں سے بہترین شخص۔“ جاؤ، میرا خط معاویہ کو دو، اگر وہ مسلمانوں کے اجماع میں شامل ہو جائے تو بہتر، ورنہ اس سے برابری کی سطح پر علاحدگی کا اعلان کر دینا،[1] اور بتا دینا کہ میں نہ اسے امیر تسلیم کرتا ہوں اور نہ ہی عوام اسے خلیفہ مانتی ہے۔

چنانچہ جریر رضی اللہ عنہ گئے اور معاویہ رضی اللہ عنہ سے ملے۔ پھر جریر کھڑے ہوئے، اللہ کی حمد و ثنا بیان کی، پھر کہا: اما بعد، اے معاویہ! بے شک تمھارے ابن عم (علی رضی اللہ عنہ) کے لیے اہلِ حرمین، اہلِ مصرین، اہلِ حجاز، یمن، مصر، عمان، بحرین اور یمامہ سب نے اجتماع کر لیا ہے۔ پس اب صرف یہی قلعے باقی رہ گئے ہیں جن

---

[1] یعنی: اُسے ایسی عام اطلاع دے دے جو سب پر برابر ہو، اور کسی ایک فرد کو مخصوص نہ کرے کہ میں اور وہ اب حالتِ جنگ میں ہیں اور ہمارے درمیان کوئی صلح باقی نہیں۔

میں تُم ہو۔ اگر ان پر وادیوں سے کوئی سیلاب آ جائے تو انھیں غرق کر دے گا۔ میں تمھارے پاس آیا ہوں تا کہ تمھیں ایسی بات کی طرف بلاؤں جو تمھیں راہ دکھائے اور ہدایت دے، یعنی امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی پیروی کی طرف۔ پھر انھوں نے علی رضی اللہ عنہ کا خط معاویہ رضی اللہ عنہ کو دیا اور کہا (اس خط کا متن یہ تھا):

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

(یہ خط) اللہ کے بندے، علی امیر المومنین کی جانب سے معاویہ بن ابوسفیان کے نام۔ اما بعد!

بے شک میری بیعت تُم پر لازم ہے، اگرچہ تم شام میں ہو، کیونکہ میری بیعت انہی لوگوں نے کی ہے جنھوں نے ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے ہاتھ پر بھی اُسی اصول پر بیعت کی تھی۔ پس نہ کسی موجود کو اختیار ہے کہ انکار کرے اور نہ کسی غیر موجود کو حق ہے کہ ردّ کرے۔ مشورہ تو صرف مہاجرین و انصار کا حق ہے، جب وہ کسی ایک شخص پر جمع ہو جائیں اور اسے امام مقرر کر دیں، تو یہی اللہ کی رضا ہوتی ہے۔[1] اگر کوئی شخص ان کے فیصلے سے روگردانی کرے، طعن یا حرص کے ساتھ، تو وہ اس راہ کی طرف لوٹایا جائے جس سے نکلا تھا، اور اگر وہ انکار کرے، تو مسلمانوں کے راستے کے خلاف چلنے پر اس سے قتال کیا جائے گا، اور اللہ اسے اسی کے حوالے کرے گا، اور وہ جہنم میں جائے گا، جو بہت بُرا ٹھکانہ ہے، ......[2] پس تم بھی ان امور میں شامل ہو جاؤ جن میں مسلمان داخل ہو چکے ہیں، کیونکہ میں تم سے سب سے زیادہ عافیت کو پسند کرتا ہوں، مگر اگر تم بلاء (فتنہ) میں داخل ہوئے، تو میں تم سے قتال کروں گا، اور اللہ سے تمھاری مخالفت میں مدد طلب کروں گا۔ تم نے قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ کے معاملے کو بہت اچھالا ہے، تم بھی وہی اختیار کرو جو سب نے کیا ہے، پھر ان قاتلوں کو میرے پاس لے آؤ، تا کہ میں اور تم سب کو اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلہ پر آمادہ کریں، ......۔[3]

---

[1] (لِلّٰہِ) مطبوعہ "تاریخ دمشق" میں موجود نہیں ہے، میں نے اسے "وقعة صفين" سے مکمل کیا ہے۔

[2] بے شک طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما نے میری بیعت کی، پھر انھوں نے اس بیعت کو توڑ دیا، اور ان کا (بیعت کو) توڑنا ایسا ہی تھا جیسے انھوں نے (ابتداءً) انکار کیا ہو، تو میں نے اس (انکار) پر ان سے جہاد کیا، یہاں تک کہ حق آ گیا اور اللہ تعالیٰ کا حکم غالب آ گیا، حالانکہ وہ اسے ناپسند کرتے تھے۔

[3] رہی وہ بات جس کا تم ارادہ رکھتے ہو، اے معاویہ! تو وہ تو ایسے ہی ہے جیسے بچہ دودھ کے لیے فریب دیا جائے، اور قسم ہے میری جان کی! اگر تم اپنی خواہش کے بجائے عقل سے دیکھو، تو مجھے قریش میں سب سے زیادہ عثمان رضی اللہ عنہ کے خون سے بری پاؤ گے۔ اور جان لو اے معاویہ! تم ان آزاد کردہ غلاموں (طُلَقَاء) میں سے ہو جن کے لیے خلافت حلال نہیں، اور نہ ہی ان میں مشورے (شوریٰ) کا حق ہے۔

میں نے تمھارے پاس اور تمھارے متعلقین کی طرف جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا ہے، جو ایمان اور ہجرت والوں میں سے ہیں، پس انھوں نے بیعت کر لی ہے۔ اور اللہ کے سوا کوئی طاقت وقوت نہیں۔

جب معاویہ رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ کا خط پڑھا، اس وقت ان کے پاس لوگوں کی ایک جماعت بھی موجود تھی، تو جریر رضی اللہ عنہ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور کہا: ہر قسم کی حمد اس اللہ کے لیے ہے جس کی عنایات ہمیشہ سے قابلِ تعریف ہیں، جس سے خیر و برکت کی اُمید رکھی جاتی ہے، جس سے اجر کی توقع اور عذاب کا خوف ہوتا ہے، وہی مصیبتوں میں مدد دینے والا ہے۔ میں اسی کی حمد کرتا ہوں اور انھی امور میں اس سے مدد چاہتا ہوں جن میں عقلیں حیران ہو جاتی ہیں اور اسباب مفقود ہو جاتے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔

﴿ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ۚ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴾ [القصص: ۸۸]

''ہر چیز فنا ہو جائے گی سوائے اس کی ذات کے، اسی کے فیصلے نافذ ہوتے ہیں اور اسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے۔''

اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں، جنھیں اُس نے اس وقت بھیجا جب ایک طویل مدت سے رسول نہیں آئے تھے، سابقہ رسولوں، گزری ہوئی قوموں، بوسیدہ جسموں اور سرکش فطرتوں کے بعد۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغامِ رسالت پہنچایا، امت کو نصیحت کی، وہ حق ادا کیا جو آپ کے سپرد کیا گیا تھا، اور جسے آپ کو آپ کی امت تک پہنچانے کا حکم دیا گیا تھا۔ اے لوگو! عثمان رضی اللہ عنہ کا معاملہ تو اُن لوگوں کو بھی مشکل لگتا ہے جنھوں نے خود اس واقعے کو دیکھا، تو تم اُن لوگوں کا کیا گمان رکھتے ہو جو اس سے غیر حاضر تھے؟ لوگوں نے علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کی ہے، نہ کسی کے ساتھ دشمنی رکھتے ہوئے اور نہ کسی انتقام کی بنیاد پر...... [1] جان لو کہ دین فساد کو برداشت نہیں کرتا، اور عرب تلوار کو برداشت نہیں کرتے۔ بصرہ میں کل جو جنگ ہوئی، اگر اس جیسی کوئی اَور جنگ ہوئی تو اس کے بعد لوگوں کا باقی رہنا مشکل ہوگا۔ عوام نے علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی ہے، اور اگر ہمیں اپنے امور پر اختیار ہوتا تو ہم اس کے لیے علی رضی اللہ عنہ کے سوا کسی کو منتخب نہ کرتے۔ جو اس سے اختلاف کرے، اسے سمجھایا جائے۔ پس اے معاویہ! تم بھی وہی اختیار کرو جو لوگوں نے کیا ہے۔

---

[1] اور طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما اُن لوگوں میں سے تھے جنھوں نے اس (علی رضی اللہ عنہ) کی بیعت کی تھی، پھر بغیر کسی نئے واقعے کے اپنی بیعت توڑ دی۔

اگر تم یہ کہو کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے مجھے عامل مقرر کیا تھا اور مجھے معزول نہیں کیا، تو یہ ایسا دعویٰ ہے کہ اگر مان لیا جائے تو دینِ الٰہی قائم ہی نہ ہو، اور ہر شخص اپنے ہاتھ کے مال کا مالک بن بیٹھے۔ لیکن اللہ نے بعد والوں کو پہلوں کے معاملات کا حق دار بنایا ہے، اور ان معاملات کو ایسا نظام دیا ہے کہ بعض امور، بعض پر فوقیت رکھتے ہیں اور بعض کو منسوخ کر دیتے ہیں۔

پھر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں غور کروں گا، انتظار کروں گا اور اہلِ شام کی رائے معلوم کروں گا۔ پھر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک منادی کو حکم دیا، تو اُنھوں نے اعلان کیا: نماز کے لیے سب جمع ہو جائیں۔ جب لوگ جمع ہو گئے، تو معاویہ رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھے اور خطبہ دیا، کہا: تمام تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے اسلام کے ستونوں کو ارکان بنایا، اور ایمان کی شریعتوں کو دلیل اور برہان ٹھہرایا۔ اس کا نور، اس کی روشنی اس مقدس سرزمین میں چمکتی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور اپنے نیک بندوں کا مسکن بنایا، پس اللہ تعالیٰ نے اسے شام میں قرار دیا، اور ان (شامیوں) کو اس سرزمین کے لیے پسند کیا اور اس سرزمین کو ان کے لیے، جیسا کہ اس کے مخفی علم میں ان کی فرمانبرداری اور اس کے اولیاء کے ساتھ وفاداری پہلے سے طے شدہ تھی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان (اہلِ شام) کو اس امت کے لیے نظم ونسق کا ذریعہ بنایا، اور بھلائی کی نشانیوں میں عظمت عطا کی، جن کے ذریعے اللہ عہد توڑنے والوں کو روکتا ہے، اور مومنین کی وحدت انہی کے ذریعے قائم کرتا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے مدد چاہتے ہیں ان مسائل کے حل کے لیے جو مسلمانوں کے درمیان تفرقے اور بگاڑ کا باعث بنے، اور جنھوں نے ان کے درمیان قربت اور محبت کے بعد دوری پیدا کر دی۔ اے اللہ! ہمیں ان لوگوں پر غلبہ عطا فرما جو ہمارے سونے والوں کو جگاتے ہیں، ہمارے پُرامن لوگوں کو خوف میں ڈالتے ہیں، اور ہمارے خون بہانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اور ہمارے راستے کو خوف زدہ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، حالانکہ اللہ جانتا ہے کہ ہم ان کے لیے نہ کوئی سزا چاہتے ہیں، نہ ان کی حرمت پامال کرنا چاہتے ہیں، لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمیں عزت کا لباس پہنایا ہے، اور جب تک گونج جواب دیتی رہے، شبنم گرتی رہے، اور ہدایت پہچانی جاتی رہے، ہم اسے رضا کارانہ طور پر نہیں اتاریں گے۔ ......[1] اے لوگو! تم جانتے ہو کہ میں امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا جانشین ہوں، اور تم پر امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کا خلیفہ بھی ہوں، اور میں نے تم میں سے کسی کو کبھی ذلت ورسوائی پر مقرر نہیں کیا، اور میں عثمان رضی اللہ عنہ کا ولی اور ان کا چچا زاد بھائی ہوں۔ اللہ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے:

---

[1] انھیں ہمارے خلاف بغاوت اور حسد نے آمادہ کیا، پس ہم اللہ سے ان پر مدد چاہتے ہیں۔

﴿ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا ﴾ [بني إسرائيل: ٣٣]

''جسے ظلم سے قتل کیا گیا، ہم نے اس کے ولی کو اختیار دیا۔''

اور تم جانتے ہو کہ عثمان رضی اللہ عنہ مظلومانہ قتل ہوئے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اپنے دلوں سے مجھے بتاؤ کہ ان کے قتل کے بارے میں تمھارا کیا رویہ ہے؟

اہلِ شام سب نے یک زبان ہو کر کہا: ہم ان کے خون کا بدلہ لیں گے۔ چنانچہ انھوں نے اس مطالبے پر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کی اور وعدہ کیا کہ وہ اپنی جان و مال اس کام میں لگا دیں گے، یا تو عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لیں گے یا اللہ ان کی روحیں اس سے پہلے قبض کر لے گا۔[1]

پھر جریر رضی اللہ عنہ واپس علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہلِ شام کا موقف بتایا، تو اشتر نے جریر پر سخت کلام کیا، جس پر جریر رضی اللہ عنہ ناراض ہو کر قرقیسیاء چلے گئے اور فتنے سے کنارہ کش ہو گئے۔

---

[1] تاریخ دمشق (٥٩/١٢٧- ١٣٠)، (کتاب صفین از ابن دیزیل، [رقم: ٣٦]، میری تحقیق و جمع کے ساتھ)، وہ حصہ جو ہم نے متن میں درج کیا ہے وہ شواہد اور متابعات کے لحاظ سے صحیح کے اور قرائن کے اعتبار سے مقبول کے مابین درجے میں آتا ہے۔

نصر: جس پر جھوٹ بولنے کا الزام ہے، اس کا ترجمہ (ص: ٤٣) پر گزر چکا ہے۔

اور عمر بن سعد بن ابی الصید الاسدی، نصر بن مزاحم کا شیخ ہے، نصر نے ''وقعة صفين'' میں اس سے بہت زیادہ روایتیں نقل کی ہیں، جن کی تعداد ١٤٥ سے زائد ہے۔ ابن ابی حاتم نے کہا: (عمر بن سعد الاسدی: اس نے اعمش سے روایت کی ہے، ۔۔۔ میں نے اپنے والد سے اس کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا: پرانا شیخ ہے، شیعہ میں سے ہے، اس کی حدیث ترک کی جاتی ہے) اور ذہبی نے کہا: (بغض رکھنے والا شیعہ)۔ اس کا ترجمہ: وقعة صفين (ص: ٣)، الجرح والتعديل (٦/١١٢)، ميزان الاعتدال (٣/١٩٩)، لسان الميزان (٤/٣٠٧)

اور عمر بن سعد کی اعمش سے روایت: ''وقعة صفين'' کے (ص: ٣٦٢-٣٦٣) اور (ص: ٣٦٦) میں وارد ہوئی ہے۔

اور نُمیر بن وعلہ: ذہبی نے اس کے بارے میں کہا: مجہول ہے، دیکھیں: ميزان الاعتدال (٤/٢٧٣)، ديوان الضعفاء (٤٤٠٥)، المغني في الضعفاء (٦٦٧٠)، لسان الميزان (٦/١٧١)، اور اس میں تصحیف ہو کر ''نمیر بن دعلمہ'' ہو گیا ہے۔

تخریج: یہ روایت ابن مزاحم کی ''وقعة صفين'' (صفحہ ٢٧ تا ٣٢) میں اسی سند کے ساتھ، تقریباً انھی الفاظ میں موجود ہے۔

متابعات وشواہد:

⦿ مرفوع حدیث: ''یمن کے بہترین'' شخص اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے الأدب المفرد (٢٥٠) میں روایت کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: اس دروازے سے ایک شخص داخل ہوگا جو یمن کے بہترین لوگوں میں سے ہے، اس کے چہرے پر فرشتے کی سی چمک ہوگی۔'' تو (اسی وقت) جریر رضی اللہ عنہ داخل ہوئے۔ اس حدیث کو البانی اور شعیب الارناؤط نے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھیں: السلسلة الصحيحة (٣١٩٣)، مسند أحمد (١٩١٨٠)

←

[288] ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جریر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس واپس آئے اور ان کو ان لوگوں کی باتوں سے آگاہ کیا۔ اس پر مالک اشتر نے کہا: اے امیر المومنین! کیا میں نے آپ کو منع نہیں کیا تھا کہ جریر کو (سفیر بنا کر) نہ بھیجیں؟ اگر آپ مجھے بھیجتے تو میں معاویہ رضی اللہ عنہ کو کوئی دروازہ کھولنے نہ دیتا مگر میں اُسے بند کر دیتا۔ جریر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اگر تم وہاں ہوتے تو وہ تمھیں عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کے بدلے میں قتل کر دیتے۔ اشتر نے کہا: اللہ کی قسم! اگر مجھے بھیجا جاتا تو مجھے معاویہ رضی اللہ عنہ کا جواب دینا مشکل نہ ہوتا، بلکہ میں اسے سوچنے کی مہلت بھی نہ دیتا۔ اور اگر امیر المومنین (حضرت علی رضی اللہ عنہ) میری بات مانتے، تو تمھیں اورتم جیسے دوسروں کو قید کر لیتے، یہاں تک کہ اس امت کا معاملہ درست ہو جاتا۔ اس پر جریر رضی اللہ عنہ غصے میں اٹھ کر چلے گئے اور قرقیسیاء میں جا کر قیام کیا۔[1] [2]

معاویہ رضی اللہ عنہ کے خطبے میں آیا ہے: ''اے اللہ! ہمیں ان لوگوں پر فتح عطا فرما، جو ہمارے سونے والوں کو جگاتے ہیں، ہمارے پُر امن لوگوں کو خوفزدہ کرتے ہیں، ہمارا خون بہانا چاہتے ہیں، اور ہمارے راستے کو پرخوف بنانا چاہتے ہیں، حالانکہ اللہ جانتا ہے کہ ہم ان پر کوئی عذاب نازل کرنا نہیں چاہتے، نہ ہی

⊙ رہی بات معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام کی گورنری سے معزول کرنے کی، اور ان کے اس قول کی: (اے لوگو! تم جانتے ہو کہ میں امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا جانشین ہوں، اور میں ......) تو یہ (قول) صحیح ہے، ہم نے اسے [رقم: ۱۱] کے تحت اس کے شواہد کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

⊙ رہی بات جریر رضی اللہ عنہ کو معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجنے کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اُس خط کے مضمون کی جس میں ہے: (اُن لوگوں نے میری بیعت کی ہے جنھوں نے ابوبکر، عمر، اور عثمان رضی اللہ عنہم کی بیعت کی تھی، ......) تو یہ روایت مورخین کے ہاں مشہور ومعروف ہے اور اس میں کوئی انکار کی بات نہیں، لہٰذا یہ خبر قرائن کی بنا پر مقبول ہے۔

⊙ رہا اشتر کا جریر رضی اللہ عنہ کو بھیجنے سے انکار کرنا، تو ممکن ہے کہ یہ اس کی سخت مزاجی (یا تندی وتیزی) کی وجہ سے ہو، اور اس واقعے کی حیثیت پچھلے واقعے جیسی ہی ہے، یعنی جریر کو بھیجنے اور خط کے مضمون جیسی، پس یہ بھی قرائن کے ساتھ ایک مقبول خبر ہے۔

[1] قرقیسیاء: عراق کا ایک شہر ہے جو فرات کے کنارے واقع ہے، جہاں ندی خابور آ کر ملتی ہے۔ معجم البلدان (۳۲۸/٤)

[2] البداية والنهاية (۲۸۲/۷) یہ مقدار جو ہم نے ذکر کی ہے، قرائن کی بنا پر قابلِ قبول ہے۔ بے شک اشتر کے کلام پر جریر رضی اللہ عنہ کا غصے میں آنا، پھر قرقیسیاء میں گوشہ نشینی اختیار کرنا ایک مشہور واقعہ ہے۔ اور اس بات کا قرینہ بھی موجود ہے کہ جریر رضی اللہ عنہ پہلے معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، پھر علی رضی اللہ عنہ کے پاس واپس آئے اور بعد ازاں فتنہ سے کنارہ کش ہو گئے۔ پس اشتر کے ساتھ ان کے واقعے سے ان کے اعتزال (کنارہ کشی) کی وجہ واضح ہوتی ہے۔

ان کی عزت کے پردے چاک کرنا چاہتے ہیں۔" یہ (دعا) اس بات کی دلیل ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کا موقف درج ذیل تھا:

۱۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا ان اوصاف سے مراد وہ ظالم لوگ ہیں جنھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر ظلم کیا، پھر بعد میں وہ عراق کے لشکر میں شامل ہو گئے۔

۲۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ بھی خیال تھا کہ عراق کے لشکر میں ایسے ظالم موجود ہیں جو معاویہ رضی اللہ عنہ پر اور اہلِ شام پر اسی طرح زیادتی کرنا چاہتے ہیں جیسے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر کی تھی۔

۳۔ اور یہ کہ صفین کے دن معاویہ رضی اللہ عنہ کو جنگ کی کوئی خواہش نہ تھی، لیکن وہ اور اہلِ شام اس پر مجبور ہو گئے۔

۴۔ اور معاویہ رضی اللہ عنہ یہ رائے رکھتے تھے کہ صفین کے دن اہلِ عراق کی فوج سے جنگ دفاعی جنگ تھی، کیونکہ اہلِ عراق کی فوج ان پر حملہ آور ہوئی تھی، اور حملہ آور کے خلاف لڑائی جائز ہے۔ پس نہ تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے اور نہ ہی اہلِ شام نے جنگ کی ابتداء کی، بلکہ اہلِ عراق نے ہی پہلے جنگ شروع کی۔[1]

اس خبر میں آیا ہے: "تو اہلِ شام سب کے سب بول اٹھے: بلکہ ہم عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لیں گے۔ پس انھوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس پر جواب دیا: (یعنی رضامندی ظاہر کی)، اور ان سے بیعت کی، اور اس بات پر ان کے ساتھ پختہ عزم کیا کہ وہ اس مقصد میں اپنی جانیں اور مال لگا دیں گے، یا تو وہ اس کا بدلہ لے لیں گے، یا اللہ ان کی روحیں اس سے پہلے قبض کر لے۔" یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اہلِ شام کا موقف معاویہ رضی اللہ عنہ کے موقف جیسا ہی تھا۔ وہ بھی ان چار امور کو درست سمجھتے تھے جنھیں معاویہ رضی اللہ عنہ درست سمجھتے تھے۔ اس کی دلیل وہ الفاظ ہیں: "پس انھوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس پر جواب دیا" یعنی انھوں نے اس بات کو قبول کیا جو معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبے میں کہی۔

اور یہ اس بات پر بھی دلالت کرتا ہے کہ اہلِ شام نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے خلافت کی بیعت نہیں کی تھی، بلکہ صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینے کے لیے بیعت کی تھی، جیسا کہ ہم پہلے واضح کر چکے ہیں۔[2]

حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبے میں فرمایا: اور بے شک لوگوں نے علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کی، وہ نہ کسی کا قاتل ہے اور نہ ہی مقتول کا وارث۔ یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون سے بری ہیں۔

---

[1] منهاج السنة (٣٨٣/٤) الإنصاف فيما وقع في العصر الراشدي من الخلاف لحامد الخليفة (ص: ٦٣٩)

[2] دیکھو: [رقم: ۱۱۱]

دوسرا مبحث:

صفین کی طرف پیش قدمی اور پانی پر لڑائی

① اشتر نخعی کا اپنی مذحجی فوج کے ساتھ لشکرِ خلافت سے علاحدہ ہونا، پھر اس کا واپس آنا

[**289**] عمیر بن سعید روایت کرتے ہیں: جب علی رضی اللہ عنہ جنگِ جمل سے واپس آئے اور صفین کی طرف روانگی کی تیاری کرنے لگے، تو قبیلہ نخع کے لوگ جمع ہو گئے یہاں تک کہ اشتر کے پاس آئے۔ اشتر نے پوچھا: کیا گھر میں صرف نخعی لوگ ہی موجود ہیں؟ انھوں نے کہا: جی ہاں۔ تو اشتر نے کہا: یقیناً اس امت نے اس کے سب سے بہتر شخص کو قتل کر دیا،[1] اور ہم اہلِ بصرہ کی طرف گئے، وہ لوگ جن پر ہماری بیعت تھی، تو ہم ان پر ان کے اپنے ہی جرم کے سبب غالب آئے۔ اور اب تم لوگ اہلِ شام کی طرف روانہ ہو رہے ہو، وہ لوگ جن پر تمھاری کوئی بیعت نہیں ہے، تو ہر شخص کو سوچنا چاہیے کہ وہ اپنی تلوار کہاں چلاتا ہے۔[2]

یہ خبر درج ذیل باتوں پر دلالت کرتی ہے:

- یہ کہ نخع قبیلے کا اجتماع اشتر کے گھر میں جنگِ جمل کے بعد قریبی وقت میں ہوا۔
- یہ کہ اشتر جنگِ صفین میں شریک ہونے کے بارے میں متردّد تھا، کیونکہ وہ شام جانے کے بجائے بصرہ میں گورنر بن کر وہیں رکنا چاہتا تھا۔[3]
- جب اشتر کو گمان ہوا کہ بصرہ کی ولایت لازماً اسے ملنے والی ہے، تو اس نے نخع کے سواروں کو صفین کی طرف روانہ ہونے سے روکنے کی کوشش کی، تاکہ وہ اس کے ساتھ وہیں رہیں؛ تاکہ وہ ان کے

---

① یعنی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ۔

② مصنف ابن أبي شیبة (۳۱۲۵۷) اس کی سند حسن ہے۔ اور یہ [رقم: ۲۷۲] میں تخریج کے ساتھ گزر چکی ہے۔

③ اس کی تفصیل اگلی روایت اور اس پر کیے گئے تبصرے میں آئے گی۔

ذریعے اپنی متوقع ولایت میں تقویت حاصل کرے۔ اور اس نے یہ کوشش اشارے اور کنائے سے کی، نہ کہ صاف الفاظ اور کھلے اعلان کے ساتھ۔

- اشتر امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کو ناپسند کرتا تھا، اور اپنے قبیلہ نخع کو فتنوں کے دور میں ایسی غلطیوں میں مبتلا ہونے سے ڈراتا تھا۔ حالانکہ اشتر انہی لوگوں میں سے تھا جنھوں نے امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ پر کھانے پینے کی چیزیں بند کر دی تھیں، یہاں تک کہ انھیں بھوک اور پیاس سے مار ڈالنے کے قریب کر دیا تھا۔[1] تو ممکن ہے کہ اشتر کو ان کے قتل پر ندامت ہوئی ہو۔

---

[1] علی بن جعد نے اپنی مسند میں، جیسا کہ سیر أعلام النبلاء (۱۸۱/۸- ۱۸۲) میں ہے، روایت کیا کہ ہمیں زہیر نے کنانہ سے روایت کیا کہ اس نے کہا: میں اُن لوگوں میں سے تھا جو حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو زخمی حالت میں عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر سے اٹھا کر لے گئے تھے، اور میں صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا کو لے کر آیا، تا کہ وہ عثمان رضی اللہ عنہ کی حمایت کریں۔ تو ان کو اشتر ملا، اور اس نے ان کی خچر کے منہ پر مارا، یہاں تک کہ خچر جھک گیا۔ صفیہ نے کہا: مجھے واپس لے چلو، کہیں یہ کتا مجھے رسوا نہ کر دے! راوی کہتا ہے: چنانچہ انھوں نے اپنے گھر اور عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کے درمیان ایک لکڑی کا پل بنایا، جس پر سے وہ کھانے پینے کی اشیاء منتقل کرتی تھیں۔

اس روایت کی سند حسن ہے، اور ابن حجر نے اسے الإصابة (۷۴۱/۷) میں حسن قرار دیا ہے۔ مزید ملاحظہ کریں: المعجم المفهرس (۱۰۶۹)

جہاں تک علامہ البانی کا تعلق ہے تو وہ اسے متصل سند کے ساتھ نہیں پا سکے، بلکہ انھوں نے اسے ابن عبد البر کی "الاستیعاب" میں اسد بن موسیٰ کے حوالے سے معلق پایا۔ البانی نے تسلیم کیا کہ اسد بن موسیٰ سے کنانہ تک سند حسن ہے مگر چونکہ روایت معلق ہے، اس لیے انھوں نے توقف کیا اور اسے حسن نہیں کہا۔ کیونکہ ابن عبد البر نے اسد بن موسیٰ سے اسے معلق بیان کیا۔

میں (فواز) کہتا ہوں: یہ روایت جیسا کہ مذکورہ مصادر میں ہے، متصل سند کے ساتھ موجود ہے، والحمد للہ۔ اور اسد بن موسیٰ کی روایت متصل صورت میں اگلی روایت کی تخریج میں اسی حاشیے میں آئے گی۔

ملاحظہ کریں: موسوعة الإمام الألباني، مرتّب از شادی آل نعمان (۳۸۲/۸- ۳۸۵، رقم: ۱۴۳۴) یہ ایک زبانی گفتگو ہے جو شیخ ذیاب بن سعد الغامدی کے ساتھ منعقدہ مجلس میں ہوئی، جس میں شیخ پر ان کی کتاب "تسديد الإصابة فيما شجر بين الصحابة" کے بعض مندرجات پیش کیے گئے۔

زہیر: ابن معاویہ بن حدیج جعفی، ابوخیثمہ ہیں، اور یہ ثقہ (قابلِ اعتماد) راوی ہیں۔

کنانہ: اُمّ المومنین صفیہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام (مولی) تھے۔ امام عجلی نے ان کے بارے میں کہا: یہ مدنی تابعی اور ثقہ (قابلِ اعتماد) ہیں۔ امام بخاری اور ابن ابی حاتم نے ان پر کلام نہیں کیا (یعنی سکوت اختیار کیا)، اور ابن حبان نے انھیں اپنی کتاب "الثقات" (ثقہ راویوں کی فہرست) میں ذکر کیا۔ امام ذہبی نے بھی ان کو موثق (قابلِ اعتماد) کہا۔ ←

....

← جبکہ ابن حجر نے "التہذیب" میں لکھا کہ کنانہ کو ازدی نے "الضعفاء" (کمزور راویوں) میں ذکر کیا ہے اور کہا: اس کی روایت کی سند قائم نہیں ہوتی۔ امام ترمذی نے بھی، ہاشم بن سعید کی سند سے ان کی روایت نقل کرنے کے بعد کہا: اس کی سند کچھ خاص نہیں۔ ایک اور مقام پر فرمایا: اس کی سند معروف نہیں ہے۔ ابن حجر نے "التقریب" میں کہا: یہ مقبول ہیں، ازدی نے انھیں بلا دلیل ضعیف کہا ہے، پس وہ معتبر تضعیف نہیں۔ نخ ت۔

میں (فواز شمری) کہتا ہوں: امام ذہبی نے کنانہ کو "المیزان" (کتاب الضعفاء) میں ذکر نہیں کیا، بلکہ "الکاشف" میں ان کے بارے میں فرمایا: "وثق" (یعنی ان کی توثیق کی گئی ہے)، اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امام ذہبی نے انھیں ضعیف نہیں سمجھا۔ رہی بات جو ابن حجر رحمہ اللہ نے امام ترمذی سے نقل کی ہے، تو اس میں کنانہ سے روایت کرنے والا راوی ہاشم بن سعید الکوفی ہے، جو ضعیف ہے۔ دیکھیں: التقریب (٧٢٥٤)

لہٰذا کمزوری کا سبب وہ راوی ہے، کنانہ نہیں۔ اس سے کنانہ کی بریت ثابت ہوتی ہے (یعنی سند کی کمزوری کا بوجھ کنانہ پر نہیں بلکہ ہاشم پر ہے)۔

امام ترمذی (۳۵۵۴، تحقیق: احمد محمد شاکر) نے فرمایا: یہ حدیث غریب ہے، ہم صفیہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت صرف اسی طریق سے جانتے ہیں، یعنی ہاشم بن سعید کوفی کی روایت سے۔ اور اس کی سند معروف (مضبوط یا مشہور) نہیں ہے۔

ترمذی نے (۳۸۹۲) میں فرمایا: یہ حدیث غریب ہے، ہم صفیہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث صرف ہاشم کوفی کے طریق سے جانتے ہیں اور اس کی سند قوی نہیں ہے۔

کنانہ کی حالاتِ زندگی ملاحظہ ہو: الثقات للعجلي (١٥٦٠)، التاريخ الكبير (٧/٢٣٧)، الجرح والتعديل (٧/١٦٩)، الثقات لابن حبان (٥/٣٣٩)، تهذيب الكمال (٢٤/٢٣٠)، الكاشف (٤٦٧٩)، تهذيب التهذيب (٨/٤٤٩)، التقريب (٥٦٦٩)، التذييل على كتب الجرح والتعديل (٦٧٨)

تخریج: یہ روایت مسند ابن الجعد (٢٦٦٦) میں ہے اور ابن شبّہ نے تاریخ المدینة (٤/١٣١١) میں اسے ابن الجعد کے واسطے سے بیان کیا ہے لیکن اس میں حسن رضی اللہ عنہ کو اٹھانے کا ذکر نہیں ہے۔

اور اسے ابن سعد نے (۸/ ۱۲۸) پر روایت کیا: ہمیں مالک بن اسماعیل اور حسن بن موسیٰ نے بیان کیا، ان دونوں نے کہا کہ ہمیں زہیر نے یہ روایت بیان کی ہے۔

اس خبر کو امام بخاری نے التاريخ الكبير (٧/٢٣٧) میں تعلیقاً نقل کیا ہے، انھوں نے کہا: اور احمد بن یونس نے کہا کہ ہمیں زہیر نے حدیث سنائی اور اسی سند سے روایت کی، لیکن آخر میں یہ اضافہ کیا: (اور میں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل کو اہلِ مصر میں سے دیکھا، اس کا نام جبلہ تھا)۔ یہ اضافہ ابن الجعد نے اپنی مسند (۲۶۶۵) میں اور ان سے ابن عساکر نے تاریخ دمشق (٣٩/٤١٢) میں زہیر کے طریق سے روایت کیا۔ نیز عمر بن شبہ نے تاريخ المدينة (٤/١٣٠٨) میں عاصم بن علی کے طریق سے، اور ابن سعد (۳/ ۸۳) نے احمد بن یونس کے واسطے سے یہی روایت زہیر سے بیان کی۔

ابن سعد کے الفاظ کچھ یوں ہیں: ←

....

← ''میں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل کو دارالخلافہ میں دیکھا، وہ ایک سیاہ فام مصری آدمی تھا جس کا نام جبلہ تھا، اس نے اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے تھے - یا کہا: ہاتھ بلند کیے ہوئے تھے - اور وہ کہہ رہا تھا: میں نَعْثَل (عثمان رضی اللہ عنہ) کا قاتل ہوں۔''
جبکہ ابن الجعد نے اپنی روایت میں قاتل کا نام (جبلہ) ذکر نہیں کیا۔
یہ روایت سیر أعلام النبلاء (۲۳۷/۲) میں موجود ہے۔
اسے طبری نے اپنی التاریخ (۶۷۲/۲) میں سیف بن عمر کے واسطے سے تفصیل سے نقل کیا ہے، جس میں ''صفیہ'' کی جگہ ''حبیبہ'' کا ذکر ہے۔
حسن رضی اللہ عنہ کو اٹھا کر لانے کی روایت ابن الجعد نے اپنی مسند (۲۶۶۵) میں، ابن شبہ نے تاریخ المدینة (۱۱۳۱/۳) (۱۲۷۵/٤) میں، اور حاکم نے المستدرك (٤٥٦٨) [دار التأصیل ایڈیشن (۲۹۷/۵، ح: ٤٦٢٥)] میں زہیر بن معاویہ، عن کنانہ کے طریق سے نقل کی ہے۔ مستدرک میں ''کنانہ'' کی جگہ غلطی سے ''قتادہ'' درج ہوا ہے جو تصحیف (تحریری غلطی) ہے۔
یہ خبر ابن راہویہ نے بھی تفصیل کے ساتھ نقل کی ہے:
اسحاق بن راہویہ اپنی مسند (۲۰۸۸) میں کہتے ہیں، ہمیں ابو عامر العقدی نے حدیث سنائی، انھوں نے محمد بن طلحہ بن مصرف سے، اور انھوں نے کنانہ مولیٰ صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا سے روایت کی: میں قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ کے وقت موجود تھا، اور میری عمر اُس وقت چودہ سال تھی۔ صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا نے ہمیں حکم دیا کہ خچر پر ہودج رکھیں، چنانچہ ہم نے تیار کیا اور پھر ہم اُس کے گرد چلتے ہوئے دروازے تک آئے۔ وہاں الاشتر اور اُس کے ساتھ کچھ لوگ موجود تھے۔ اشتر نے صفیہ رضی اللہ عنہا سے کہا: اپنے گھر واپس جاؤ۔ صفیہ رضی اللہ عنہا نے انکار کیا، تو الاشتر نے اپنے نیزے یا برچھی سے خچر کے پچھلے حصے پر ضرب لگائی، جس سے خچر بدک گیا اور ہودج ایک طرف جھک گیا، حتیٰ کہ گرنے کے قریب ہو گیا۔ جب صفیہ رضی اللہ عنہا نے یہ منظر دیکھا تو کہنے لگیں: مجھے واپس لے چلو، مجھے واپس لے چلو۔
پھر دارالخلافہ سے چار قریشی زخمی حالت میں باہر لائے گئے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دفاع کر رہے تھے: حسن بن علی، عبداللہ بن زبیر، ابن حاطب، اور مروان بن حکم رضی اللہ عنہم۔ میں (راوی) نے پوچھا: کیا محمد بن ابی بکر نے عثمان رضی اللہ عنہ کے خون میں کوئی حصہ لیا؟ اس نے کہا: اللہ کی پناہ! وہ عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تیرا ہدف نہیں ہوں۔ پھر عثمان رضی اللہ عنہ نے کچھ باتیں کیں، تو محمد چلا گیا اور اس نے اُن کے خون میں کوئی حصہ نہ لیا۔ میں نے پوچھا: تو پھر انھیں قتل کس نے کیا؟ اس نے کہا: ایک مصری آدمی جس کا نام جبلہ بن ایہم تھا۔ پھر وہ تین مرتبہ کہتا رہا: میں نعثل (عثمان رضی اللہ عنہ) کا قاتل ہوں۔ میں نے پوچھا: اس وقت عثمان رضی اللہ عنہ کہاں تھے؟ اس نے کہا: گھر میں۔ اس روایت کی سند حسن ہے، اور اس میں موجود تصحیفات (تحریری غلطیوں) کی تصحیح کر دی گئی ہے۔ جہاں تک (جبلہ بن ایہم) کا تعلق ہے، تو ابن حجر نے اپنی کتاب ''المطالب العالیة'' میں اس کا ذکر نہیں کیا۔
ابو عامر العقدی: یہ عبدالملک بن عمرو القیسی ہیں، ثقہ (قابلِ اعتماد) راوی ہیں۔ اور محمد بن طلحہ بن مصرف الیامی کے ←

← بارے میں ابن حجر نے کہا ہے: یہ صدوق (سچے) ہیں، لیکن ان سے وہم (غلطی) بھی ہو جاتی تھی۔ امام ذہبی نے کہا: یہ صدوق اور مشہور راوی ہیں، اور ان سے صحیحین (بخاری ومسلم) میں حجت کے طور پر روایت لی گئی ہے۔ میزان الاعتدال (۵۸۷/۳) التقریب (۵۹۸۲)

تخریج: اس روایت کو ابن حجر نے المطالب العالیة (٤٣٩٢) میں ابن راہویہ کے واسطے سے نقل کیا ہے اور محقق نے کہا ہے کہ اس کی سند حسن ہے۔ خلیفہ بن خیاط نے اسے تاریخ (ص: ۱۷۵) میں ذکر کیا، اور انہی کے طریق سے ابن عساکر (۴۰۸/۳۹) نے، ابو داود طیالسی کے واسطے سے روایت کیا۔ اسی روایت کو عمر بن شبہ نے تاریخ المدینة (١٢٩٨/٤، ۱۳۱۱) میں اسد بن موسیٰ کے واسطے سے روایت کیا۔ ابو القاسم بغوی نے اسے معجم الصحابة (٣٣٥/٤) میں اور ان کے طریق سے ابن عساکر (۴۱۲/۳۹) نے ذکر کیا۔ ابونعیم نے اسے معرفة الصحابة (٦٦/١) میں محمد بن بکار بن ریان الرصافی کے ذریعے نقل کیا۔ حاکم نے المستدرك (٤٥٦٨) میں شبابہ بن سوار کے طریق سے روایت کیا۔ ابونعیم نے معرفة الصحابة (٦٦/١) میں اسد بن موسیٰ کے واسطے سے روایت کیا، اور انہی کے طریق سے ابن عساکر (۴۰۷/۳۹) نے اسد بن موسیٰ کے طریق سے روایت کیا۔ عمر بن محمد بن الحسن بن الزبیر الاسدی ابن التل نے اپنے والد سے نقل کیا، ان تمام کی سند محمد بن طلحہ تک پہنچتی ہے، بعض نے روایت کو کم یا زیادہ اختصار سے ذکر کیا۔ محمد بن بکار (جو ثقہ راوی ہیں) نے اس کے آخر میں یہ اضافہ کیا: ''میں نعثل (عثمان رضی اللہ عنہ) کا قاتل ہوں، اور لوگوں میں سے کسی نے اس کو کچھ نہ کہا۔''

یہ روایت أنساب الأشراف (٥٧١/٥- ٥٧٢) میں مدائنی کے قول سے بغیر سند کے نقل کی گئی، اور الاستیعاب (١٠٤٦/٣، ١٣٦٧) میں اسد بن موسیٰ سے، اور تهذیب الکمال (٤٥٦/١٩) میں محمد بن طلحہ کے طریق سے ذکر کی گئی۔

⊙ عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل کا نام جبلہ ہونے کی تحقیق:

یہ روایت کنانہ سے دو افراد نے روایت کی ہے:

اوّل: زہیر بن معاویہ جنھوں نے کہا: (جبلہ) اور ان کی روایت پہلے اسی حاشیہ میں "التاریخ الکبیر" اور "الطبقات الکبریٰ" میں گزر چکی ہے۔

دوم: محمد بن طلحہ بن مصرف جن کے بارے میں اختلاف ہے۔

اسد بن موسیٰ اور شبابہ بن سوار دونوں نے محمد بن طلحہ سے نقل کیا کہ قاتل کا نام جبلة بن الایہم تھا۔ ان دونوں کے خلاف عمر بن محمد بن الحسن بن الزبیر الاسدی ابن التل نے اپنے والد سے نقل کیا کہ قاتل کا نام ''جبلة بن الایہم'' تھا۔

ابو داود طیالسی نے اسے (حمار) کے لفظ سے روایت کیا۔

محمد بن بکار نے قاتل کا نام ذکر نہیں کیا۔

ترجیح: ''ابن الایہم'' کا اضافہ شاذ (غیر معروف یا غیر محفوظ) ہے، اس میں محمد بن طلحہ منفرد ہے اور اس نے مشہور معروف راستہ اختیار کیا ہے، کیونکہ (جبلة بن الایہم الغسانی) مشہور ہے جو خلافتِ عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مرتد ہو گیا تھا۔ ←

اشتر نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کا تذکرہ نخع قبیلے کے سامنے اس غرض سے کیا، تاکہ انھیں صفین جانے سے روکے، تاکہ اپنی متوقع حکومت میں ان کے ذریعے قوت حاصل کر سکے۔

[**290**] ہمیں ابو اسامہ نے حدیث سنائی، وہ کہتے ہیں: ہمیں علاء بن منہال[1] نے بیان کیا، کہا: ہمیں عاصم بن کلیب جرمی نے بیان کیا، کہا: مجھے میرے باپ نے بیان کیا، انھوں نے کہا: ...... راوی کہتا ہے: پھر میرے والد اس کے قریب آئے اور کہا: اے بصرہ کے صاحب![2] میری سفارش کرنا،[3] ....

← زہیر بن معاویہ نے یہ اضافہ ذکر نہیں کیا، حالانکہ وہ محمد بن طلحہ کی نسبت کئی درجے زیادہ ثقہ (قابلِ اعتماد) راوی ہیں۔ مزید یہ کہ محمد بن طلحہ سے اس بارے میں راویوں کا اختلاف بھی ہو چکا ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

رہی بات عمر بن محمد بن الحسن الاسدی کی، تو ان کا وہم (غلطی) بالکل واضح ہے اور وہ صدوق (سچا راوی) ہے، لیکن کبھی کبھار وہم (غلطی) کر جاتا تھا۔ ابن حاتم نے اس کے بارے میں کہا: وہ تصحیف کیا کرتا تھا، چنانچہ معاد بن خیل کہتا، حجاج بن فراقصہ، اور علقمہ بن مرتد۔ تو میں نے اس سے کہا: کیا تمھارے والد نے تمھیں کُتّاب کے سپرد نہیں کیا تھا؟ تو اس نے جواب دیا: ہمارے ذمے بوجھ تھے جنھوں نے ہمیں حدیث سے مشغول رکھا۔ انتہیٰ۔ جہاں تک اس کے والد کا تعلق ہے: وہ بھی صدوق تھا مگر اس میں کچھ نرمی (ضعف) تھی۔

رہے ابو داود الطیالسی، تو وہ ثقہ حافظ تھے لیکن بعض احادیث میں انھوں نے غلطی کی ہے۔ مثال کے طور پر ان کی ایک غلطی حاشیہ نمبر (۳۴۸) میں دیکھی جا سکتی ہے، جہاں ان سے ''جبلہ'' (نام) کا لفظ تصحیف ہو کر ''حمار'' (گدھا) بن گیا۔

میں نے اس تصحیف کے مطالعے میں اپنے شیخ، پروفیسر ڈاکٹر خالد الغیث کی کتاب ''استشهاد عثمان رضی اللہ عنہ ووقعة الجمل'' سے فائدہ اٹھایا ہے۔

① الغنوی کوفی راوی تھے۔ امام ابو زُرعہ رازی نے ان کے بارے میں کہا: یہ ثقہ (قابلِ اعتماد) ہیں۔ امام عجلی نے بھی کہا: یہ کوفی اور ثقہ ہیں۔ اور امام ابن حبان نے انھیں اپنی کتاب ''الثقات'' میں ذکر کیا ہے۔
عقیلی نے قطبہ بن العلاء بن المنہال کے ذریعے، ان کے والد سے، اپنی سند کے ساتھ ایک مرفوع حدیث نقل کی: (جو شخص لوگوں کی تعریف کا طالب ہو، ......) پھر عقیلی نے اس حدیث کو العلاء پر منکر (یعنی ناقابلِ قبول) قرار دیا، لیکن امام بخاری نے اس انکار کو قطبہ (بیٹے) پر کیا، نہ کہ ان کے والد العلاء پر، جیسا کہ ابن عدی نے ذکر کیا۔ چنانچہ اس وضاحت کے ذریعے العلاء بن المنہال بری الذمہ ہو گئے۔ مزید دیکھیں: الثقات للعجلي (١٢٨٧)، الجرح والتعديل (٣٦١/٦)، الضعفاء الكبير (٤٣٦/٤، ١٤٦/٥)، الثقات لابن حبان (٥٠٢/٨)، الكامل في الضعفاء (٥٣/٦)، الثقات ممن لم يقع في الكتب الستة (٤٣٢/٧)، التذييل على كتب الجرح والتعديل (٥٥٤)

② یعنی عاصم نے کہا: پھر میرے والد الاشتر کے قریب آئے اور الاشتر نے کہا: ...... اور یہ واقعہ جنگِ جمل کے بعد کا ہے۔

③ ''صاحب البصرة'' سے مراد امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ ''الاشتر'' کا مطلب یہ تھا کہ کلیب، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے میرا تذکرہ کرے، تاکہ مجھے بصرہ کی ولایت (گورنری) دی جائے۔

کیونکہ میرے بعد بھی کوئی مقام باقی ہے۔[1] راوی کہتا ہے: اس نے جواب دیا: اگر بصرہ کا امیر تمھیں دیکھ لیتا تو یقیناً تمھیں عزت دیتا۔ راوی کہتا ہے: گویا وہ خود کو امیر سمجھ رہا تھا۔[2] راوی کہتا ہے: پھر میرے والد وہاں سے نکلے تو راستے میں ایک شخص ملا، اس نے کہا: امیر المومنین پہلے خطبہ دے چکے ہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اہلِ بصرہ کا گورنر مقرر کیا ہے، اور دعویٰ کیا ہے کہ وہ فلاں تاریخ کو شام روانہ ہوں گے۔ راوی کہتا ہے: میرے والد واپس گئے اور اشتر کو یہ اطلاع دی، تو اشتر نے پوچھا: کیا تم نے خود یہ بات سنی ہے؟ میرے والد نے کہا: نہیں۔ تو اشتر نے انھیں جھڑک دیا اور کہا: بیٹھ جاؤ، یہ جھوٹ ہے۔ راوی کہتا ہے: میں ابھی وہیں تھا کہ ایک اور شخص آیا اور وہی خبر دی جو میں نے دی تھی۔ اشتر نے اس سے بھی پوچھا: کیا تم نے خود سنا ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ تو اشتر نے اسے بھی جھڑک دیا، مگر نسبتاً کم، اور میری طرف دیدے گھمائے، گویا کہتا ہو کہ اس نے بھی وہی خبر دی ہے جو تم نے دی۔ راوی کہتا ہے: اسی وقت عتاب تغلبی آیا جبکہ اس کی تلوار گردن کے ساتھ ہل رہی تھی، یا لٹک رہی تھی، اس نے کہا: یہ ہیں تمھارے امیر المومنین، انھوں نے اپنے چچا زاد بھائی کو بصرہ کا گورنر مقرر کیا ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ وہ فلاں تاریخ[3] کو شام روانہ ہوں گے۔ اشتر نے اس سے کہا: اے اعور! کیا تم نے خود سنا ہے؟ اس نے جواب دیا: ہاں، اللہ کی قسم! اے اشتر! میں نے خود ان دونوں کانوں سے سنا ہے۔ راوی کہتا ہے: اشتر مسکرایا، ایسی مسکراہٹ جس میں طنز کی جھلک تھی۔ پھر اشتر نے کہا: تو اب ہم نہیں جانتے کہ پھر مدینہ میں ہم نے اس شیخ[4] (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) کو کس بنیاد پر قتل کیا تھا؟ پھر اشتر نے اپنی قوم مذحج والوں[5] سے کہا: اٹھو اور سوار ہو جاؤ،[6] چنانچہ وہ سوار ہو گئے۔

---

[1] اس (الاشتر) کا مطلب یہ تھا کہ وہ بصرہ میں ٹھہر کر اس کی نگرانی ونظم وضبط سنبھالے گا، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی فوج کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوں گے، کیونکہ واقعۂ جمل اس سے تقریباً دو ماہ پہلے پیش آیا تھا لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ الاشتر ان کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہو، اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے بصرہ کی گورنری نہیں دی۔

[2] یعنی اشتر کو پورا یقین تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اسے بصرہ کا والی مقرر کریں گے۔

[3] وہ دن پیر کا تھا، جیسا کہ خبر کے آخر میں آئے گا۔

[4] مراد ہے: امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ۔ اشتر (مالک بن حارث) کا دعویٰ تھا کہ اس نے اور اس کے پیروکاروں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو اس وجہ سے قتل کیا کہ وہ اپنے رشتہ داروں کو (عہدوں پر) مقرر کرتے تھے، مگر جب خود اشتر کے گمان میں علی رضی اللہ عنہ خلافت پر فائز ہوئے تو انھوں نے بھی اپنے رشتہ داروں کو عہدے دیے۔

[5] ''نخع'' قبیلہ مذحج کی شاخ ہے، یعنی اشتر نے اپنی قوم نخع کے لوگوں سے (جو اس کے قبیلے کے تھے) کہا۔

[6] یعنی: اپنے گھوڑے اور سواریاں تیار کرو۔

راوی کہتا ہے: مجھے معلوم ہوتا ہے کہ اس دن اس کا ارادہ صرف معاویہ رضی اللہ عنہ ہی تھا۔[1] اس پر علی رضی اللہ عنہ ارادہ کرنے لگے کہ ایک سوار فوج روانہ کریں جو اشتر سے جنگ کرے،[2] لیکن پھر انھوں نے اشتر کو خط لکھا: مجھے تمھیں (بصرہ پر) امیر بنانے سے کوئی چیز اس لیے نہیں روکتی کہ تم اس کے اہل نہیں ہو، بلکہ میرا ارادہ شام کے لوگوں سے (میدانِ جنگ میں) ملاقات کا ہے اور وہ تمھاری اپنی قوم کے لوگ ہیں، تو میں چاہتا تھا کہ ان کے خلاف تمھاری مدد حاصل کروں۔ اس کے بعد علی رضی اللہ عنہ نے لشکر میں کوچ کا اعلان کرا دیا۔[3] اشتر وہیں رکا رہا یہاں تک کہ لشکر کے ابتدائی حصے اس تک پہنچ گئے۔[4] اور علی رضی اللہ عنہ نے، جیسا کہ راوی کا گمان ہے، ان سے روانگی کے لیے پیر (یوم الاثنین) کا دن مقرر کر رکھا تھا، لیکن جب اشتر نے اپنی من مانی کی، تو علی رضی اللہ عنہ نے اس مقرر دن سے پہلے ہی لشکر میں کوچ[5] کا اعلان کرا دیا۔[6]

---

1. یعنی: معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جا ملنا، تاکہ وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے انصار میں شامل ہو جائے اور جب علی رضی اللہ عنہ نے اسے بصرہ کی ولایت سے محروم رکھا تو وہ اس کے بدلے معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں مقام و مرتبہ حاصل کرے۔
2. کیونکہ اس نے لشکرِ خلافت سے علاحدگی اختیار کی۔
3. یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج میں شام کی طرف کوچ کرنے کا اعلان کیا۔
4. یعنی الاشتر راستے میں رک گیا، تاکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج کا انتظار کرے، یہاں تک کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج کے دستے اس تک پہنچ گئے۔
5. یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو شام کی طرف روانگی کی تاریخ بتا دی تھی اور یہ تاریخ آئندہ پیر کا دن مقرر کی گئی تھی، لیکن جب اشتر اپنے قبیلے کی فوج، یعنی مذحجیہ کے لشکر کے ساتھ بغاوت کر کے الگ ہوا اور پھر دوبارہ اطاعت میں واپس آیا، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ وہ مقررہ تاریخ سے پہلے، یعنی پیر سے پہلے ہی شام کی طرف روانہ ہو جائیں، تاکہ مذحجیہ کا لشکر مرکزی فوج کے درمیان میں آ جائے اور یوں وہ خلیفہ کے مکمل قابو اور نگرانی میں رہے۔
6. مصنف ابن أبي شيبة (٣٨٩١٢) اس کی سند حسن ہے۔ ابو اسامہ سے مراد حماد بن اسامہ کوفی ہیں۔

تخریج: اس روایت کو ابن ابی شیبہ (٣٤٥٢٠) نے اسی سند کے ساتھ مختصر طور پر نقل کیا ہے، جس میں خبر کے آغاز کا ذکر ہے جو یہاں بیان نہیں کیا گیا۔ اسی طرح اسے امام طبری نے اپنی تاریخ (٣/٣٠- ٣١) میں بیان کیا، جہاں انھوں نے کہا: میں نے زیاد بن ایوب بن زیاد طوسی سے لکھا۔ انھوں نے کہا: ہمیں مصعب بن سلام تمیمی نے حدیث سنائی، کہا: ہمیں محمد بن سوقہ نے، انھوں نے عاصم بن کلیب الجرمی سے اسی کے ہم معنی طویل روایت بیان کی، لیکن اس کے بعض حصے منکر ہیں، اور اس خرابی کا سبب مصعب بن سلام ہیں۔ انھیں امام ابن المدینی نے ضعیف کہا ہے اور فرمایا کہ وہ شیعہ تھے۔ تهذيب الكمال (٢٨/٢٨)

معمر بن راشد نے اپنی جامع (٢٠٩٧٠) میں اشتر کا ایک واقعہ تقریباً اسی مفہوم کے ساتھ بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: ابن طاؤس، عن عکرمہ بن خالد سے روایت ہے کہ مالک اشتر، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: لوگوں نے کچھ ←

معاملات پر اعتراض کیا ہے اور کہا ہے کہ آج کی رات بالکل کل رات جیسی لگ رہی ہے؛ ہم ایک معاملے سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ پھر اسی جیسے معاملے میں پڑ گئے ہیں۔ اس وقت وہاں حسن بن علی اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم موجود تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے لڑکے! میرے پاس جامعہ (بیڑی یا باندھنے کی زنجیر) اور تلوار لے آؤ۔ اس پر حسن بن علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کھڑے ہوگئے اور کہا: اے امیر المومنین! ہم آپ کو اللہ کا واسطہ دیتے ہیں۔ وہ دونوں برابر بات کرتے رہے یہاں تک کہ آپ نے ارادہ ترک کر دیا اور اشتر سے کہا: چلے جاؤ۔ اشتر فوراً باہر نکل گئے اور گھر کی سیڑھیوں سے اترتے ہوئے خوفزدہ دکھائی دیے۔ جب وہ جا چکے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس نے ہمیں خوفزدہ کیا تو ہم نے بھی اسے خوفزدہ کر دیا، تو ہم میں سے کون اپنے ساتھی سے زیادہ ڈرا ہوا تھا؟ اس روایت کی سند ضعیف ہے کیونکہ یہ مرسل ہے، اور اس کے متن میں بھی نکارت ہے، کیونکہ اشتر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس نہیں آئے تھے بلکہ شام کی طرف نکل گئے تھے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس قاصد بھیجا تھا جیسا کہ اس باب کی پچھلی خبر میں گزر چکا ہے۔ یہ روایت صرف واقفیت اور وضاحت کی غرض سے ذکر کی گئی ہے۔

شرح الخبر : یہ واقعہ جسے معمر نے روایت کیا، ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بصرہ کا گورنر مقرر کرنے کے بعد پیش آیا۔

اس کا قول: ''مالک اشتر علی رضی اللہ عنہ پر داخل ہوا۔'' یعنی وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے گھر میں ان کے پاس داخل ہوا، جیسا کہ خبر کے آخر میں وضاحت سے آیا ہے۔

الاشتر کا قول: ''لوگوں نے کچھ معاملات پر اعتراض کیا ہے۔'' یعنی اس کا مطلب یہ تھا کہ (اس کے گمان میں) علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بعض رشتہ داروں کو عہدے دیے ہیں۔

اس کا قول: ''آج کی رات بالکل کل رات جیسی ہے۔'' یعنی اس کا مطلب یہ تھا کہ (اس کے زعم کے مطابق) علی رضی اللہ عنہ بھی اپنے رشتہ داروں کو مناصب دے رہے ہیں، جیسے پہلے عثمان رضی اللہ عنہ کیا کرتے تھے۔

اس کا قول: ''ہم ایک معاملے سے فارغ ہوئے۔'' یعنی یہاں امر سے مراد ہے رشتہ داروں کو عہدے دینا۔

اس کا قول: ''میرے پاس جامعہ (بیڑی یا باندھنے کی زنجیر) اور تلوار لاؤ۔'' یعنی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ارادہ تھا کہ اشتر کی گردن مار دیں۔ جامعہ سے مراد بیڑی ہے، اس کی جمع ''اغلال'' ہے، اور یہ ایک لوہے کا قید ہے۔ اسے جامعہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ دونوں ہاتھوں کو گردن کے ساتھ باندھ دیتی ہے۔ لسان العرب (۵۹/۸) مادة: جمع، (۵۰۴/۱۱) مادة: غلل.

ان کے قول: ''اور علی رضی اللہ عنہ نے اس سے، یعنی اشتر سے، کہا: چلے جاؤ، تو اشتر فوراً نکل گیا، اور نیچے اُتر گیا، ......'' کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کی اشتر کے بارے میں سفارش قبول کر لی، لہٰذا اسے رہا کر دیا اور قتل نہیں کیا۔

ان کے قول: ''اس نے ہمیں ڈرایا، تو ہم نے اسے ڈرا دیا، اب بتاؤ ہم دونوں میں سے کس نے اپنے ساتھی کو زیادہ ڈرایا؟'' میں ''تفریق'' کا مطلب ہے ڈرانا یا خوف دلانا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اشتر نے ہمیں خوف زدہ کیا، تو ہم نے بھی اسے خوف زدہ کر دیا، اب سوال یہ ہے کہ ہم دونوں میں سے کس نے اپنے ساتھی کو زیادہ ڈرایا۔ دیکھو: لسان العرب (۳۰۵/۱۰) تاج العروس (۲۹۶/۲۶) مادة: فرق.

اس خبر کے اس حصے میں ذکر کیے گئے تمام واقعات اشتر کے گھر میں نخع قبیلے کے جمع ہونے کے تقریباً دو ماہ بعد پیش آئے۔

اشتر نے کہا: (یہ تو باطل ہے)، اور اس کی باطل سے مراد یہ تھی کہ علی رضی اللہ عنہ نے اپنے چچا زاد بھائی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بصرہ کا گورنر مقرر کیا ہے۔

پھر اشتر نے مزید کہا: (تو پھر ہمیں معلوم نہیں ہوا کہ ہم نے مدینہ میں اُس بزرگ کو کس لیے قتل کیا تھا)، اور اُس کی بزرگ سے مراد امیرالمومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے۔ اشتر کا دعویٰ یہ تھا کہ اس نے اور اس کے ساتھیوں نے عثمان رضی اللہ عنہ سے اس لیے قتال کیا تھا کہ وہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو مناصب پر مقرر کرتے تھے۔ پھر جب علی رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو (اس کے گمان کے مطابق) انھوں نے بھی اپنے رشتہ داروں کو عہدے دیے۔ اشتر کی بات میں اشارہ تھا کہ وہ علی رضی اللہ عنہ سے بھی ان کے رشتہ داروں کو مناصب دینے پر قتال کرے گا، جیسے پہلے عثمان رضی اللہ عنہ سے کیا تھا۔ اسی لیے اشتر نے اپنے قبیلہ مذحج کے لوگوں سے کہا: (اٹھو اور سوار ہو جاؤ)۔ راوی کہتا ہے: (اور میں نہیں سمجھتا کہ اُس دن اس کا ارادہ کسی اور کی طرف تھا سوائے معاویہ رضی اللہ عنہ کے۔ پھر بیان کیا کہ علی رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا کہ گھوڑ سواروں کا ایک دستہ بھیج کر اس سے قتال کریں)۔

اشتر نے کلیب سے کہا: (بصرہ کے حاکم سے میری سفارش کرنا، کیونکہ تمھارے بعد میرا یہاں قیام ہوگا)۔ کلیب نے اشتر کی حالت بیان کرتے ہوئے کہا: (گویا وہ خود کو امیر سمجھ رہا تھا)۔ پھر اشتر کو خبر ملی کہ (امیرالمومنین اس سے پہلے خطبہ دے چکے ہیں اور اہلِ بصرہ پر ابن عباس رضی اللہ عنہما کو مقرر کر دیا ہے) تو اشتر نے اعتراض کرتے ہوئے کہا: (یہ تو سراسر باطل ہے، ...... پھر ہمیں معلوم نہیں کہ مدینہ میں ہم نے اُس بزرگ کو کس لیے قتل کیا تھا۔) یہ تمام باتیں اس بات کی دلیل ہیں کہ اشتر بصرہ کی گورنری کے لیے انتہائی حریص تھا، بلکہ یہ اُس کا مقصد تھا اور اسے یقین تھا کہ بصرہ کی حکومت لازمی طور پر اُسے ہی ملے گی۔

مگر وہ بات پیش آ گئی جس کا اشتر کے وہم و گمان میں بھی گزر نہ تھا۔ جب اشتر کو یہ خبر ملی کہ بصرہ کی گورنری اس کے ہاتھ سے نکل کر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ہاتھ میں چلی گئی ہے تو وہ سخت حیران اور ششدر رہ گیا۔ اس نے علی رضی اللہ عنہ کے فیصلے پر اعتراض کرتے ہوئے کہا: (یہ تو سراسر باطل ہے، ...... پھر ہمیں معلوم نہیں کہ مدینہ میں ہم نے اُس بزرگ کو کس لیے قتل کیا تھا۔) بزرگ سے اس کی مراد امیرالمومنین عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ ایک سخت جملہ تھا جس میں اشتر نے بیک وقت عثمان اور علی رضی اللہ عنہما دونوں پر طعن کیا۔ اللہ تعالیٰ اشتر کو معاف فرمائے! یہ بات اس نے شدید غصے اور بصرہ کی گورنری کے ہاتھ سے نکل جانے کے

صدمے میں کہی۔ مگر اس جملے میں اس نے دو باتوں کا اعتراف کیا:

⦿ ایک یہ کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون میں مبتلا ہے، چنانچہ اشتر نے کہا: (ہم نے قتل کیا)۔

⦿ دوسرا یہ اعتراف کہ اس نے بصرہ کی ولایت کے لالچ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے جنگ کی اور ان کے خلاف لوگوں کو اُکسایا۔

اشتر اس وقت غضبناک ہو گیا جب اسے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بصرہ کا گورنر مقرر کر دیا ہے۔ اس پر اس نے اپنے قبیلہ مذحج کے لوگوں کو حکم دیا کہ سوار ہو جاؤ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس جا پہنچو، تا کہ وہاں ان کی عزت اور قربت حاصل کر سکے، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے بصرہ کی گورنری سے محروم رکھا تھا۔ چنانچہ اشتر اپنی فوج کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کے اس ارادے کی خبر ملی تو انھوں نے سوچا کہ اشتر کے معاویہ رضی اللہ عنہ تک پہنچنے سے پہلے اس کے خلاف گھڑسوار لشکر روانہ کریں، مگر پھر اس ارادے سے باز آ گئے اور اشتر کے ساتھ نرمی اور حکمت سے معاملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس مقصد کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے ایک خط لکھا جس میں وضاحت کی کہ اسے بصرہ کی ولایت کیوں نہیں دی گئی۔

اشتر کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خط شام کے راستے میں ملا، تو اس کا دل مطمئن ہو گیا اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت میں واپس آ گیا۔ خبر کے سیاق سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اشتر کو حکم دیا کہ وہ شام کے راستے ہی میں رُک جائے اور واپس نہ لوٹے، اور یہ بھی کہ وہ اس وقت تک حرکت نہ کرے جب تک عراق کا لشکر اس کے پاس نہ پہنچ جائے۔ اس مقصد کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کو نخیلہ سے اس طے شدہ وقت سے پہلے روانہ ہونے کا حکم دیا جو پہلے ان کے لیے مقرر کیا گیا تھا، تا کہ وہ اشتر تک پہنچ جائیں اور اسے اپنے درمیان میں لے کر قابو میں رکھیں۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کے ابتدائی دستے اشتر تک پہنچ گئے تو اشتر ان کے ساتھ روانہ ہو گیا۔

مندرجہ بالا بیان سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اشتر کو بصرہ کی گورنری دو وجوہات کی بنا پر نہیں دی:

اول: حضرت علی رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ اشتر بصرہ کی ولایت (گورنری) کا بہت حریص ہے، اور اگر اشتر کو بصرہ دے دیا جاتا تو وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ صفین نہ جاتا۔

دوم: اشتر کی ولایت کے مقابلے میں جنگ میں زیادہ افادیت ہے۔

اور یہ بھی نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ اشتر اپنے قبیلے مذحج کے ساتھ ایک ایسی طاقت رکھتا تھا جسے کم نہیں سمجھا جا سکتا۔ وہ بہادروں میں سے ایک بہادر اور اپنی قوم مذحج میں سردار اور مطاع تھا، اور مذحج ایک بڑا قبیلہ تھا۔ اس پر مزید یہ کہ اشتر ضدی، مشکل سے قابو میں آنے والا اور قیادت و سرداری کا شوقین تھا۔ انہی وجوہات کی بنا پر علی رضی اللہ عنہ اسے خلافت کی فوج کے بڑے سرداروں میں شامل رکھتے تھے، تاکہ اس کے ساتھ نرمی و حکمت کا برتاؤ کیا جائے، حالانکہ اشتر ان لوگوں میں سے تھا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون میں مبتلا ہوئے۔ اگر علی رضی اللہ عنہ اس کے ساتھ یہ طرزِ عمل نہ اپناتے تو فتنہ اور بغاوت دو میں سے کسی ایک یا دونوں صورتوں میں بڑھ جاتی:

⊙ پہلا امر یہ ہے کہ اشتر (مذحجی فوج) اور خلیفہ کی فوج کے درمیان جنگ چھڑ جاتی۔

اور یہ معاملہ قریب تھا کہ پیش آ جائے، اگر اللہ تعالیٰ اور پھر امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی حکمت نہ ہوتی۔ انھوں نے اشتر سے مقابلہ کرنے سے گریز کیا اور اس کو ایک خط بھیجا جس میں بصرہ کی گورنری نہ دینے کا سبب بیان کیا۔ اس پر اشتر کا دل مطمئن ہو گیا۔ خبر میں آیا ہے: (پس علی رضی اللہ عنہ کا ارادہ ہوا کہ گھڑ سوار لشکر بھیج کر اس سے قتال کریں، پھر انھوں نے اس کو خط لکھا، ......)

⊙ دوسرا امکان یہ تھا کہ اشتر اپنی مذحجی فوج کے ساتھ خلافت کی فوج سے علاحدہ ہو کر شام میں معاویہ رضی اللہ عنہ سے جا ملتا۔

اور یہ واقعہ حقیقت میں پیش آ چکا تھا، مگر امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے اس معاملے کو حکمت کے ساتھ سنبھالا، اور جب انھوں نے اشتر کو ایک خط بھیجا جس میں بصرہ کی ولایت نہ دینے کا سبب بیان کیا، تو وہ اسے دوبارہ اطاعت میں لانے میں کامیاب ہو گئے۔ پھوٹ تو پڑی لیکن علی رضی اللہ عنہ نے معاملہ اس سے پہلے سنبھال لیا کہ وہ معاویہ رضی اللہ عنہ سے جا ملتا۔

② دونوں لشکروں کی صفین کی طرف پیش قدمی

جمل کی لڑائی کے ختم ہونے کے بعد جو جمادی الآخرہ کے وسط (سنہ ۳۶ھ) میں واقع ہوئی،[1] امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ بصرہ سے کوفہ منتقل ہوئے اور بارہ راتیں گزارنے کے بعد ماہِ رجب[2] سنہ ۳۶ھ میں

---

[1] تاریخ خلیفة (ص: ۱۴۸- ۱۸۵)، اور اسے ڈاکٹر خالد الغیث نے اپنی کتاب "استشهاد عثمان رضی اللہ عنہ ووقعة الجمل" میں راجح قرار دیا ہے۔

[2] یہ روایت نصر نے وقعة صفين (ص: ۳) پر ابوالکنود وغیرہ سے نقل کی ہے، اور اسی مفہوم کے ساتھ ←

وہاں داخل ہوئے۔ آپ وہاں ٹھہرے، یہاں تک کہ جب شوال[1] آیا تو امیر المومنین رضی اللہ عنہ نخیلہ[2] کے مقام پر لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے، اپنی فوج کو جمع کرنے اور شام کی طرف روانگی کی تیاری کرنے لگے۔ پھر غالباً شوال کے اواخر سنہ ۳۶ھ[3] میں وہ شام کی طرف روانہ ہوئے۔ جب معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس حرکت کا علم ہوا تو وہ اپنے لشکر کے ساتھ نکلے اور صفین پہنچنے میں سبقت لے گئے۔ وہاں انھوں نے لشکر کے قیام کے لیے زمین منتخب کی اور وہاں کے پانی پر قبضہ کر لیا۔ پھر دونوں لشکر صفین میں ذی الحجہ کے اوائل[4] میں آمنے سامنے ہوئے اور پورا مہینا لڑائی جاری رہی۔[5]

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے جب صفین کی طرف روانگی اختیار کی تو کوفہ پر ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ اور معاویہ رضی اللہ عنہ نے دمشق پر فضالہ بن عبید بن نافذ انصاری رضی اللہ عنہ کو جانشین مقرر کیا۔[6]

خیثمہ بن عبدالرحمان نے کہا: جب علی رضی اللہ عنہ صفین کی طرف روانہ ہوئے تو انھوں نے کوفہ پر عقبہ بن عمرو ابو مسعود رضی اللہ عنہ کو جانشین مقرر کیا۔[7]

← البداية والنهاية (۲۸۲/۷) میں بھی ہے۔ نصر نے وقعة صفين (ص: ۸۰) پر شعبی سے یہ بھی روایت کی ہے کہ علی رضی اللہ عنہ یکم رجب کو کوفہ میں داخل ہوئے۔

(1) وقعة صفين (ص: ۳۱۳)، اور اگلے کے بعد کا حاشیہ ملاحظہ کریں۔

(2) تاريخ الطبري (۷۱/۳) اور النخَيْلة: نخلہ کی تصغیر ہے، یہ ایک مقام ہے جو کوفہ کے باہر اس کے قریب شام کی سمت میں واقع ہے۔ معجم البلدان (۲۷۸/۵)

(3) نصر نے وقعة صفين (ص: ۱۳۱) پر ابو الکنود سے روایت کیا ہے کہ جب علی رضی اللہ عنہ نخیلہ سے شام روانہ ہونے کا ارادہ رکھتے تھے تو پانچ شوال کو لوگوں کے سامنے خطبہ دیا۔ تاہم راجح یہ ہے کہ آپ شوال کے اواخر میں روانہ ہوئے، کیونکہ صفین تک کا سفر دو مہینے نہیں بلکہ ایک مہینہ کافی ہوتا ہے۔ اور علی رضی اللہ عنہ صفین سنہ (۳۶ھ) کے اوائل ذی الحجہ میں پہنچے، جیسا کہ آگے آئے گا۔

(4) البداية والنهاية (۲۸٤/۷)

(5) تاريخ الطبري (۷۸/۳)

(6) ابو محمد الاوسی، جو قاضی اور فقیہ تھے، انھوں نے اُحد، خندق اور تمام جنگوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شرکت کی، پھر مصر کی فتح میں حاضر ہوئے، اس کے بعد شام تشریف لے گئے اور وہاں مقیم ہوئے۔ انھوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے لشکر کی قیادت کی، پھر دمشق کے قاضی مقرر ہوئے، اور جب بھی معاویہ رضی اللہ عنہ غیر حاضر ہوتے تو ان کی جگہ حکمرانی نائب مقرر ہوتے۔ آپ کا انتقال سنہ (۵۳ھ) میں ہوا۔ سير أعلام النبلاء (۱۱۳/۳)

(7) ملاحظہ کریں [رقم: ۱۹۲]، اور اس کی سند صحیح ہے۔

سعید بن عبدالعزیز التنوخی نے کہا: جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ صفین کی طرف روانہ ہوئے تو انھوں نے فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کو دمشق کا جانشین مقرر کیا۔[1]

[291] زید الیامی روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے مرہ بن شراحیل طیب سے کہا: کیا تم علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ صفین پہنچو گے؟ اس نے جواب دیا: علی رضی اللہ عنہ نے بدر اور اس جیسے مواقع میں میرے سے بہتر عمل کیا ہے، اور میں نہیں چاہتا کہ اس میں شریک ہوں جو انھوں نے کیا۔[2]

[292] ابو العالیہ نے کہا کہ جب علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کا زمانہ تھا، تو مجھے لڑائی میں حصہ لینا کھانے پینے سے زیادہ محبوب تھا۔ میں نے اچھی تیاریاں کیں اور ان کے پاس پہنچ گیا۔ وہاں صفین کا میدان تھا جہاں دونوں طرف کے لشکر دکھائی نہیں دیتے تھے۔ جب ایک طرف تکبیر کہتی تو دوسری طرف بھی تکبیر کرتی، اور جب ایک طرف اللہ اکبر کا وِرد کرتی تو دوسری طرف بھی ایسا ہی ہوتا۔ میں اپنے آپ سے پوچھنے لگا: میں ان دونوں میں سے کس کو کافر کہوں؟ اور کون مجھے اس پر مجبور کرتا ہے؟ آخر کار میں واپس پلٹ گیا اور انھیں چھوڑ دیا۔[3]

③ صفین کے مقام پر دونوں لشکروں کی تعداد

لشکروں کی تعداد جو مورخین نے یومِ صفین کے حوالے سے بیان کی ہے، اس میں بہت اختلاف اور مبالغہ آرائی پائی جاتی ہے، اور اس کا حال بالکل یوں ہے جیسے صفین میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد کا ذکر ہے جس میں شدت سے مبالغہ کیا جاتا ہے، تاکہ ایک فریق کو دوسروں پر برتری اور فتح دلائی جا سکے۔ میں ان ضعیف خبروں میں پائے جانے والے اعداد و شمار کا موازنے اور مطالعے کے لیے ذکر کرنے والا ہوں۔

تو لیجیے ضعیف خبریں دیکھیں[4]:

---

① تاریخ أبو زرعة الدمشقي (ص: ۱۹۹) قرائن کے لحاظ سے یہ ایک مقبول خبر ہے، اور اس کی سند و تخریج [رقم: ۶۲۷] پر آئے گی۔

② أنساب الأشراف (۳۵۷/۲) اس کی سند صحیح ہے اور اس کے راوی ثقات اور رجال الصحیح ہیں۔ یہ روایت پہلے بھی ذکر ہو چکی ہے [رقم: ۲۷۴] اور ہم وہاں مرہ الطیب کا تعارف بیان کر چکے ہیں۔

③ الطبقات الکبری (۱۱۴/۷) سند صحیح ہے۔ یہ روایت پہلے [رقم: ۲۷۷] پر تخریج کے ساتھ ذکر ہو چکی ہے اور اس پر گفتگو بھی ہو چکی ہے۔

④ تاریخ خلیفة (ص: ۱۹۳)، المعرفة والتاریخ (۳۱۳/۳)، مروج الذهب (۲۹۲/۲، ۳۰۶)، بغیة الطلب في ←

⦿ علی رضی اللہ عنہ کی فوج کی تعداد مختلف اندازوں میں بتائی گئی ہے؛ بعض نے اسے ایک لاکھ بیس ہزار، کچھ نے ایک لاکھ، اور کچھ نے نوے ہزار قرار دیا ہے۔

⦿ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا لشکر (ساٹھ ہزار) اور کہا گیا: (ستّر ہزار) تھا۔ ابن اعثم نے کہا: معاویہ رضی اللہ عنہ نے گھڑ سواروں اور پیادوں کی قیادت کرتے ہوئے صفین کی طرف پیش قدمی فرمائی، جن کی تعداد تقریباً تراسی ہزار تھی۔ ملک کے مختلف گوشوں سے ان کی فوج میں مزید لشکر شامل ہوتے گئے، یہاں تک کہ ان کی تعداد بیس لاکھ تک پہنچ گئی۔[1] المسعودی نے لشکر کی تعداد پچاسی ہزار بتائی ہے، جبکہ ایک اور مقام پر انھوں نے ایک لاکھ پچاس ہزار کی بھی تعداد ذکر کی ہے۔[2]

ڈاکٹر عبدالحمید فقیہی[3] نے صفوان بن عمرو بن ہرم السکسکی کی روایت کو راجح قرار دیا ہے، مگر اس میں نکارت[4] ہے، لہٰذا یہ روایت درست نہیں ہے۔

← تاریخ حلب (۳۱۰/۱- ۳۱۱) اور پروفیسر ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری نے لشکروں کی تعداد کے حوالے سے دیگر مصادر اور اقوال کا بھی ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ کریں: عصر الخلافة الراشدة (ص: ٤٦٥- ٤٦٦)

[1] كتاب الفتوح لابن أعثم (۵۳۸/۲) بغیر سند کے۔

[2] مروج الذهب (۲۹۲/۲، ۳۰۳) بغیر سند کے۔

[3] خلافة علي بن أبي طالب رضی اللہ عنہ (ص: ۱۹٤)، نقلًا عن سيرة علي رضی اللہ عنہ للصلابي [(٦٣٢/٢) مكتبة الصحابة، الشارقة]

[4] یعقوب بن سفیان نے "المعرفة والتاريخ" میں اس کو روایت کیا ہے جیسا کہ دلائل النبوة للبيهقي (٤١٩/٦) میں بھی ہے: ابو یمان نے ہم سے بیان کیا، صفوان بن عمرو نے کہا: شام کے لوگ ساٹھ ہزار تھے جن میں سے بیس ہزار مارے گئے، اور عراق کے لوگ ایک لاکھ بیس ہزار تھے جن میں سے چالیس ہزار ہلاک ہوئے۔ اور اس روایت کو محقق المعرفة والتاريخ (۳۱۳/۳) نے بھی شامل کیا ہے۔

اس کی سند ضعیف ہے، کیونکہ یہ منقطع ہے، صفوان نے یہ واقعہ نہیں پایا، اور اس کے متن میں نکارت پائی جاتی ہے، بالخصوص لشکروں اور مقتولین کی تعداد میں مبالغہ کیا گیا ہے؛ کیونکہ مقتولین کی تعداد افسانوی اور انتہائی مبالغہ آمیز ہے، حالانکہ قتل تو زیادہ تر اہلِ شام میں ہوا تھا۔ دیکھیے: [رقم: ۳۷۷]، تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ عراق کے لشکر کے مقتولین کی تعداد شام کے مقتولین سے دوگنی ہو؟!!

یہ خبر ابن کثیر (۲۳۹/۶) نے یعقوب سے اور (۳۰۴/۷) بیہقی سے یعقوب کے واسطے سے ذکر کی ہے۔ اسی سے محقق المعرفة والتاريخ (۳۱۳/۳) نے بھی نقل کیا ہے۔ اور اسے ابن دیزیل نے اپنی کتاب صفین میں (میری جمع واہتمام سے، رقم: ۲۷، ۵۷) روایت کیا ہے، جیسا کہ بغية الطلب في تاريخ حلب (۲۸۰/۱، ۲۸۱، ۳۱۰) میں ہے: حدّثنا ابو الیمان۔۔۔ اور اس کی ابتداء میں ایک زیادتی ہے جو پہلے مقام پر صرف کعب الاحبار کے قول سے آئی ہے۔

تنقید اور تبصرہ:

خلفائے راشدین کے دور میں جب اسلامی فتوحات کی جنگیں لڑی جا رہی تھیں، اس وقت لشکر کبھی ایک لاکھ یا ستر ہزار فوجیوں کے ساتھ اکٹھا نہیں ہوا، حالانکہ وہ جنگیں بالکل حق پر مبنی تھیں اور مسلمانوں اور کافروں کے درمیان لڑی جا رہی تھیں جن میں کسی قسم کا شک و شبہہ نہیں تھا۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ عراق سے ایک لاکھ آدمی کسی خانہ جنگی کی لڑائی کے لیے اکٹھے ہو جائیں؟! اور جب اصل فتوحات کا وقت تھا تو یہ لشکروں کی اتنی بڑی تعداد کہاں تھی؟! اسی طرح شام کے بارے میں بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ بھلا وہاں سے ستر ہزار کا لشکر کہاں سے جمع ہو گیا؟ اور جب فتوحات کا زمانہ تھا تو یہ سب کہاں تھے؟!

اس دور میں ذرا دیکھیے تو، بصرہ اور کوفہ اور ان کے نواحی علاقوں کی آبادی کتنی تھی اور دمشق و حمص اور ان کے گرد و نواح میں کتنے لوگ رہتے تھے، جو وہاں سے یہ حیران کن لشکر نکال لائے جائیں جن کا ذکر مورخین کرتے ہیں! تاریخی روایات اور تذکروں کی کتابوں سے صاف پتا چلتا ہے کہ صفین میں شریک ہونے والے دونوں فریقوں کے زیادہ تر لوگ انہی چار شہروں سے نکلے تھے۔[1]

لہٰذا یہ جو اعداد و شمار بیان کیے جاتے ہیں وہ درست نہیں، کیونکہ ان میں مبالغہ کیا گیا ہے اور ایسے حساب کتاب دیے گئے ہیں جو اس زمانے کی حقیقت سے میل نہیں کھاتے۔

درست بات یہ ہے:

[**293**] عن ابی الوزیر[2] شعبی روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

---

[1] یہاں چار شہروں سے مراد: بصرہ، کوفہ، حمص اور دمشق ہیں۔

[2] عمر بن مطرف بن محمد بغدادی، جنھیں ابو الوزیر کاتب کے لقب سے جانا جاتا تھا، قبیلہ عبدالقیس کے آزاد کردہ غلام تھے اور دیوان المہدی کے منتظم تھے۔ اصل میں مرو کے رہنے والے تھے۔ خلافتِ مہدی کے دور میں، جب وہ ولی عہد تھے، آپ مشرقی دیوان کے انچارج رہے۔ بعد میں مہدی کی خلافت، اور پھر ہادی و رشید کے زمانے میں بھی ان کے لیے کتابت کا کام کرتے رہے۔ اس سے پہلے منصور اور مہدی کے لیے بھی لکھتے تھے۔ آپ کی تحریروں میں "کتاب مفاخرة العرب ومنافرة القبائل في النسب"، "كتاب منازل العرب وحدودها وأين كانت محلة كل قوم وإلى أين انتقل منها"، اور "كتاب رسائله" شامل ہیں۔ آپ کا انتقال ہارون الرشید کی خلافت میں سنہ ۱۸۶ھ میں ہوا، اور ایک قول کے مطابق ۱۸۸ھ میں۔ ان کے حالات: الفهرست (ص: ۱۵۹)، تاريخ بغداد (۱٤/٤٠٦)، معجم الادباء لياقوت حموي (۲۰۹۹/۵، ترجمة ۸۷۰)، ذيل تاريخ بغداد لابن النجار (۱۲٦/۲۰)، الأعلام للزركلي (٦٧/٥)، اور طبقات النسابين بكر أبو زيد (۸۵، ٦٠) میں ملتا ہے۔

پچاس ہزار[1] (کے لشکر) کے ساتھ روانہ ہوئے۔ یہ تعداد جو شعبی نے بیان کی ہے، ان قرائن کے مطابق درست ہے جنھیں ہم آگے ذکر کریں گے، اور جب عراق کے لشکر کی تعداد معلوم ہو جائے تو شام کے لشکر کی تعداد جاننا بھی آسان ہو جاتا ہے۔

اور قرائن درج ذیل ہیں:

1 یہ بات راجح ہے کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا لشکر نہروان کے دن چودہ ہزار (۱۴۰۰۰)[2] کا تھا، اور امیر المومنین اسی تعداد کے ساتھ شام پر چڑھائی کی تیاری کر چکے تھے جب حکمین کا معاملہ ختم ہوا۔ ان کا اسی تعداد کے ساتھ شام کا قصد کرنا ظاہر کرتا ہے کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی مضبوط رائے تھی کہ یہ تعداد شام میں فتح حاصل کرنے کے لیے کافی ہے۔ صفین میں شام کے لشکر کی تعداد چالیس ہزار (۴۰۰۰۰) تھی جن میں سے تقریباً پانچ ہزار (۵۰۰۰)[3] مارے گئے، کچھ زخمی ہوئے۔

اور بعض کے لڑائی میں حوصلے پست ہو گئے۔ چنانچہ اگر علی رضی اللہ عنہ شام کی طرف روانہ ہوتے تو ان کا سامنا تقریباً تیس ہزار یا اس سے کم فوج سے ہوتا، یعنی عراق کے لشکر کے لگ بھگ دو گنا لشکر سے۔ اسی وجہ سے علی رضی اللہ عنہ نے چودہ ہزار (۱۴۰۰۰) کا لشکر فتح کے لیے کافی سمجھا۔

2 ڈاکٹر صالح العلی نے ذکر کیا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آغاز میں دیوانُ الجند میں بصرہ اور کوفہ کے ایک لاکھ مجاہد درج تھے،[4] اور یہ شمار اُن مبالغہ آمیز اعداد و شمار پر مبنی ہے جو مورخین نے یومِ صفین میں عراقی لشکر کی تعداد کے بارے میں بیان کیے ہیں،[5] اس لیے یہ اعداد و شمار درست نہیں ہیں۔

اور غالب گمان یہ ہے کہ دیوانِ جند میں تقریباً (۵۰۰۰۰) جنگجو بصرہ اور کوفہ کے شامل تھے، کیونکہ قادسیہ اور نہاوند کی جنگوں میں عراق، مدینہ اور دیگر شہروں سے مسلمانوں کی تعداد تیس اور چند ہزار ہوا کرتی تھی۔ لہٰذا اگر یومِ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بصرہ اور کوفہ کے لشکر سے چالیس ہزار افراد آ ملے، اور

---

[1] تاریخ خلیفة بن خیاط (ص: ۱۹۳) یہ خبر اپنے قرائن کے ساتھ مقبول ہے، اور ہم اس کے قرائن متن میں ذکر کریں گے۔ یہ سند ضعیف ہے، کیونکہ اس میں انقطاع ہے۔ ابن اسحاق، یعنی محمد بن اسحاق صاحبِ سیرت، اور اسماعیل دونوں نے شعبی کو نہیں پایا۔ اور ابو الحسن سے مراد علی بن محمد المدائنی ہیں۔

[2] پانچویں فصل کی پہلی مبحث دیکھیے: (ص: ۲۶۴)

[3] دیکھو: صفحہ (۵۰۰)

[4] امتداد العرب في صدر الإسلام (ص: ۲۵، ۲۶)، نقلاً از: عصر الخلافة الراشدة (ص: ٤٦٥- ٤٦٦)

[5] دیکھیے: عصر الخلافة الراشدة (ص: ٦٥- ٦٦)

اس طرح دس ہزار افراد ایسے باقی رہ گئے جو ملک کی حفاظت پر مامور تھے یا جو لڑائی میں شریک ہونا نہیں چاہتے تھے، پھر دیگر شہروں سے دس ہزار مزید افراد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شامل ہوئے، تو کل تعداد پچاس ہزار بنتی تھی۔

3 مورخین اس طرف اشارہ کرتے ہیں کہ بصرہ کے قبیلۂ اَزد کے لوگ پیچھے رہ گئے تھے، اور یہ بھی کہ اشتر کا جنگ کے لیے جوش کمزور پڑ گیا تھا، بلکہ اس نے اپنے لوگوں کو صفین میں شرکت سے قبل اچھی طرح غور کرنے کا مشورہ دے کر ان کا حوصلہ بھی ٹھنڈا کر دیا تھا۔[1]

4 یہ بات ثابت ہے کہ کوفہ کے کچھ لوگ اس لیے چالاکی سے بہانے بنانے لگے، تاکہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ صفین نہ جائیں۔

ابن سعد نے خیثمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ صفین کے لیے روانہ ہوئے تو آپ نے عقبہ بن عمرو ابومسعود رضی اللہ عنہ کو کوفہ پر اپنا جانشین مقرر کیا۔ خیثمہ کہتے ہیں: کچھ لوگ چھپ گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہ نکلے۔ عقبہ بن عمرو منبر پر کھڑے ہوئے اور کہا: اے لوگو! جو کوئی چھپا ہوا ہے وہ سامنے آ جائے، قسم ہے میری جان کی! اگر بات کثرت کی ہے تو ہمارے ساتھی بہت زیادہ ہیں۔[2]

ابن سعد نے (شعبی سے روایت کیا ہے کہ جب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ صفین کے لیے روانہ ہوئے تو آپ نے ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ کو کوفہ پر اپنا جانشین مقرر کیا۔ اس وقت کوفہ کے کچھ لوگ چھپے ہوئے تھے، مگر جب علی رضی اللہ عنہ روانہ ہو گئے تو وہ ظاہر ہو گئے، ......۔"[3]

ابن ابی شیبہ نے عبدالعزیز بن رفیع روایت کیا ہے کہ جب علی رضی اللہ عنہ صفین کی طرف روانہ ہوئے تو انھوں نے ابومسعود رضی اللہ عنہ کو لوگوں پر اپنا جانشین مقرر کیا۔ ابومسعود رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن انھیں خطاب کیا اور دیکھا کہ ان کی تعداد کم ہے۔ اس پر انھوں نے کہا: اے لوگو! نکل آؤ۔ جو بھی نکلے گا وہ محفوظ رہے گا۔ اللہ کی قسم! ہم یہ جانتے ہیں کہ تم میں سے کچھ لوگ اس معاملے کو ناپسند کرتے ہیں اور اس سے گریزاں ہیں، لہٰذا نکل آؤ، جو بھی نکلے گا وہ محفوظ رہے گا۔[4]

---

1. عصر الخلافة الراشدة (ص: ٤٦٦) اور اشتر کا قول [رقم: ۲۷۲، ۲۷۳] پر گزر چکا ہے۔
2. یہ روایت [رقم: ۱۹۲] مکمل طور پر گزر چکی ہے اس کے الفاظ کی وضاحت کے ساتھ، اور اس کی سند صحیح ہے۔
3. دیکھیے: [رقم: ۱۹۳] اور اس کی سند حسن لغیرہ ہے۔
4. دیکھیے [رقم: ۱۹۴] اور یہ صحیح ہے۔

5 تاریخی روایات سے اشارہ ملتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا لشکر، شام کے لشکر سے تعداد میں زیادہ تھا، مگر یہ زیادتی دس ہزار سے زیادہ نہ تھی، کیونکہ دونوں فوجیں قوت میں تقریباً برابر تھیں۔

6 حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا لشکر جس کے ساتھ آپ شام کی طرف نکلے، تقریباً ستر ہزار یا اس سے زیادہ[1] افراد پر مشتمل تھا۔ ان کا لشکر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس لشکر سے جو آپ کے ساتھ جنگِ صفین کے دن نکلا تھا، تعداد میں نمایاں طور پر زیادہ تھا۔ اس لیے قرینِ قیاس یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا لشکر، حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے لشکر سے تقریباً بیس ہزار کم ہو، تاکہ یہ کمی واضح محسوس ہو۔

اور حسن رضی اللہ عنہ کے لشکر کی نمایاں کثرت پر دلالت کرنے والی باتوں میں سے یہ ہے: ابن کثیر کا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے لشکر کے بارے میں یہ بیان ہے: وہ اس قدر بڑی تعداد میں جمع ہوئے کہ اس جیسی مثال پہلے کبھی نہ سنی گئی۔[2]

بخاری کی روایت: اللہ کی قسم! حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے معاویہ رضی اللہ عنہ کا استقبال ایسے لشکروں کے ساتھ کیا جو پہاڑوں کی مانند تھے۔[3] عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا: میں ایسے لشکر دیکھ رہا ہوں جو اپنی صفوں کے ہم رتبہ لوگوں کو قتل کیے بغیر پیچھے نہیں ہٹیں گے۔[4]

راجح بات: یہ ہے کہ صفین کے دن سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کی تعداد تقریباً (چالیس ہزار) تھی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کی تعداد تقریباً (پچاس ہزار) تھی۔

④ صفین کی سرزمین کا تعارف اور اس کی کیفیت

صفین: یہ ایک مقام ہے جو موجودہ ملک شام میں شہرِ رقہ کے قریب واقع ہے۔

یاقوت حموی نے کہا: یہ ایک مقام ہے جو رقہ کے قریب دریائے فرات کے مغربی کنارے پر، رقہ اور بالس کے درمیان واقع ہے۔[5]

---

① دیکھیے: [۵۹۰، ۵۹۱]

② دیکھو: [۵۶۵]

③ یعنی ان کی کثرت کی وجہ سے ان کا کوئی سرا نظر نہیں آتا، جیسے پہاڑ کے سامنے کھڑے شخص کو اس کا کنارہ نظر نہیں آتا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے مراد ان کی شدید جنگی قوت ہو۔

④ دیکھیے: [رقم: ۵۶۶]

⑤ معجم البلدان (۳/۴۱۴)

صفین کی زمین کی نوعیت اور اس میں دریائے فرات کا پانی:

زکریا القزوینی صفین کے متعلق تفصیل کو یوں بیان کرتے ہیں: ''صفین ایک قدیم ویران گاؤں ہے جو رومیوں کے زمانے کی تعمیرات پر مشتمل ہے، رقہ کے قریب دریائے فرات کے مغربی کنارے پر واقع ہے۔ اور اس کے ساتھ ایک گھنا جنگل ہے جو چھوٹے درختوں اور جھاڑیوں سے گھرا ہوا ہے۔ اور بیچ دار کھارے پانی کا چشمہ ہے جس کی لمبائی تقریباً دو فرسخ ہے۔[1] ان دو فرسخوں کے درمیان پانی تک جانے کا صرف ایک ہی راستہ ہے جو پتھروں سے فرش کیا گیا ہے، اور باقی جگہیں کھلی زمین اور گھنی جھاڑیوں سے بھری ہوئی ہیں۔''[2]

پس وہ زمین جہاں معرکہ پیش آیا، ایک وسیع میدان تھا جسے فرات سے ایک پٹی جدا کرتی تھی، جو قدرے پُر پیچ اور دشوار گزار تھی۔ یہ پٹی اتھلے پانی کے تالابوں پر مشتمل تھی، جن میں گھنا جنگلی درخت (غَیضَہ) اگا ہوا تھا۔ اس پٹی کی زمین نرم اور کسی قدر چکنی مٹی جیسی تھی۔ یہ پٹی فرات کے ساتھ ساتھ تقریباً دو فرسخ (یعنی تقریباً ۹۶۵۴ میٹر یا قریباً ساڑھے نو کلو میٹر) تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس پٹی میں فرات تک جانے کا صرف ایک ہی راستہ تھا جو پتھروں سے بچھا ہوا تھا، اور آنے والوں کے لیے فرات تک پہنچنے کا اس سے آسان کوئی راستہ نہ تھا۔ پھر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسی واحد راستے پر قبضہ کر لیا۔

اور گاؤں کی زمین بھی میدانِ جنگ کا ایک حصہ تھی۔

اس زمین کا بیان جہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اترے اور اپنے لشکر سمیت پڑاؤ کیا:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کا لشکر ایک کھلے اور وسیع میدان میں اُترے، جو چراگاہ کے لیے موزوں تھا اور پانی کے قریب واقع تھا۔ یہ جگہ دریائے فرات سے ایک ایسے پتھروں سے جَمے ہوئے راستے کے ذریعے جُڑی ہوئی تھی جو پانی تک پہنچنے کے لیے فرات کے کنارے کا سب سے آسان راستہ تھا۔

[294] مسعودی نے کہا: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پہلے صفین پہنچ گئے اور ایک کھلے اور وسیع میدان میں لشکر اتارا، جسے انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آمد سے قبل ہی منتخب کر لیا تھا۔ یہ جگہ ایک

---

[1] فرسخ: اس کی جمع فراسخ ہے۔ یہ ایک طول کی پیمائش ہے جس کی مقدار تقریباً تین میل (۴۸۲۷ میٹر) یا (۱۸۰۰۰ فٹ) کے برابر ہوتی ہے۔ دیکھیے: معجم اللغة العربية المعاصرة (۱۶۹۰/۳)

[2] آثار البلاد وأخبار العباد (ص: ۲۱۴)

ایسے گھاٹ پر واقع تھی جو اس مقام پر دریائے فرات کے کنارے پانی تک پہنچنے کا سب سے آسان راستہ تھا۔ اس کے علاوہ باقی تمام جگہیں یا تو اونچی ڈھلوانیں تھیں، یا پھر پانی تک پہنچنے کے لیے سخت اور کٹھن راستے تھے۔[1]

ان کے قول: ''اور اس کے علاوہ اونچی ڈھلوانیں اور پانی تک جانے کے مقامات (راستے) دشوار گزار ہیں'' سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کی طرف سے پانی تک جانے کے کچھ مقامات (راستے) موجود تو تھے، لیکن وہ پُر مشقت اور کٹھن تھے جن کے ذریعے پانی کو لاکھوں نہیں تو کم از کم ہزاروں کی تعداد میں موجود افراد تک پہنچانا نہایت مشکل تھا۔

[**295**] جہاں تک ابن اعثم کا بیان ہے تو انھوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی زمین کو تین اہم اوصاف سے متصف کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے گھڑ سوار اور پیدل لشکر کے ساتھ چلتے ہوئے صفین میں اترے، اس وقت ان کے ہمراہ تراسی ہزار (۸۳۰۰۰) افراد تھے، اور یہ محرم کے چند دن گزر جانے کے بعد کا واقعہ ہے۔ انھوں نے سبقت حاصل کی: ہموار زمین کی طرف، وسیع چراگاہ کی طرف، اور دریائے فرات کے قریب جگہ کی طرف، چنانچہ وہیں قیام کیا۔[2]

[**296**] امام طبری بیان کرتے ہیں: ابومخنف نے کہا، مجھے یوسف بن یزید نے عبداللہ بن عوف بن احمر سے بیان کیا، انھوں نے کہا: جب ہم صفین میں معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہلِ شام کے پاس پہنچے، تو ہم نے انھیں ایک جگہ اُترے ہوئے پایا جسے انھوں نے خود منتخب کیا تھا، وہ جگہ ہموار، بچھی ہوئی اور کشادہ تھی۔ انھوں نے پانی کے کنارے پر قبضہ کر رکھا تھا جو اس وقت ان کے اختیار میں تھا، ......۔[3]

---

(1) مروج الذهب (۲/۲۹۲) میں یہ عبارت ہے: یہ خبر مقبول ہے۔ اگلی سے متصل آنے والی خبر کو دیکھیں۔

(2) كتاب الفتوح لابن أعثم (۲/۵۳۸) یہ حصہ قابلِ قبول ہے سوائے لشکر کی تعداد اور محرم کے مہینے کے ذکر کے۔ مزید دیکھیں اگلا واقعہ۔

(3) تاريخ الطبري (۳/۷٦) کا یہ حصہ جو ہم نے نقل کیا ہے، قابلِ قبول خبر ہے، مگر اس کی سند کمزور ہے، اور ہم نے اس سے زمین کی جغرافیائی کیفیت کا بیان حاصل کیا ہے۔

شواہد: یہ خبر دو اہم واقعات بیان کرتی ہے: پہلا یہ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صفین کی زمین پر پہنچنے میں سبقت لے گئے۔ دوسرا یہ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پانی پر قبضہ کر لیا، اور انھوں نے پانی پر تب ہی قبضہ کیا جب وہ عراقی لشکر سے پہلے پہنچ گئے۔ یہ واقعہ آئندہ آنے والی خبروں میں بھی بیان ہوا ہے۔

تخریج: اسے نصر بن مزاحم نے وقعة صفين (ص: ۱٦۰) میں عمر بن سعد سے، اور انھوں نے یوسف بن یزید سے، اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

[**297**] نصر بن مزاحم بیان کرتے ہیں: عمر بن سعد نے کہا، مجھے ایک آدمی نے ابو زہیر عبسی سے بیان کیا، وہ صالح بن سنان بن مالک سے، وہ اپنے باپ سے روایت کرتا ہے کہ اس نے کہا: ...... ہم صبح کے وقت روانہ ہوئے،[1] اور وہ[2] معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھے، تو دیکھا کہ ابو الاعور سلمی رضی اللہ عنہ زمین کی ہمواری، قیام گاہ کی کشادگی، اور پانی کے کنارے پر سبقت لے جا چکے ہیں، یہ ایک کشادہ جگہ تھی، اور وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی مقدمہ فوج کے کمانڈر[3] تھے۔

زمین کے اس حصے کا بیان جس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے ساتھ اُترے:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے ساتھ ایک وسیع بیابان میں اُترے، جہاں چراگاہ کم تھی، جو دریائے فرات سے زیادہ فاصلے پر واقع تھا، اور ہمواری اور آسانی کے اعتبار سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پڑاؤ سے کم تھا۔ اس جگہ کو دریائے فرات سے ایک پٹی حائل تھی جو دشوار گزار تھی اور جس میں اتھلے (کم گہرے) پانی کے تالاب موجود تھے جن میں گھنا درخت اگا ہوا تھا۔ یہ پٹی نرم، کسی قدر چکنی مٹی کی سی زمین پر مشتمل تھی۔

⑤ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا پانی پر قبضہ اور اُن کا اہلِ عراق کی فوج کو پانی پینے سے روک دینا، اور اس رکاوٹ کی حقیقت

طویل سفر کی مشقت جب اہلِ عراق کی فوج پر غالب آ گئی تو وہ اس بات پر حیران رہ گئے کہ اہلِ شام نے پانی پر قبضہ کر لیا ہے اور انھیں پانی پینے سے روک دیا ہے، اسی طرح وہ اس بات پر بھی حیران ہوئے

---

① یعنی: انھوں نے صبح کے آغاز میں حملہ کیا۔

② اس سے مراد اشتر نخعی ہے۔

③ وقعة صفين (ص: ۱۵۵- ۱۵۶) میں بیان کیا گیا یہ حصہ پچھلے کی طرح قابلِ قبول ہے، البتہ اس کی سند ناقص ہے اور اس سے ہمیں زمین کی جغرافیائی کیفیت معلوم ہوئی۔

سلسلۂ سند ابو حاتم کے ہاں مختلف ہے۔ ابو حاتم نے کہا: نضر بن صالح العبسی، جن کی کنیت ابو زہیر ہے، انھوں نے سنان بن مالک سے، اور انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ ان سے ابو مخنف نے روایت لی، لیکن نضر اور سنان دونوں مجہول ہیں۔ الجرح والتعديل (۴۷۷/۸)

امام ذہبی نے کہا: نضر بن صالح، سنان بن مالک سے روایت کرتے ہیں اور وہ مجہول ہیں۔ میزان الاعتدال (۲۵۸/۴)

تخریج: اس روایت کو ابن دیزیل نے اپنی کتاب صفین میں روایت کیا ہے (میری تحقیق و جمع کے مطابق [رقم: ۷۳]) جیسا کہ تاریخ دمشق (۵۷/۴۶- ۵۸) میں ہے، یحییٰ بن سلیمان الجعفی نے کہا: نصر، یعنی نصر بن مزاحم، نے اسے اسی سند سے بیان کیا۔ مزید دیکھیں: موارد ابن عساكر في تاريخ دمشق (۳۹۸/۱)

کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرات کے قریب اُس زمین پر قبضہ کر لیا ہے جو کھلے اور وسیع میدان اور فراخ چراگاہ کی حامل تھی۔

اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی وہ تھے جنھوں نے پانی روکنے کا حکم دیا، تاکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی فوج کو جنگ کے بغیر عراق واپس جانے پر مجبور کر دیا جائے اور خون بہنے سے بچ جائے۔

[298] حجر بن عنبس بیان کرتے ہیں: صفین کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: ہمارے اور پانی کے درمیان رکاوٹ ڈال دی گئی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اشعث کے پاس پیغام بھیجو۔ چنانچہ اشعث آئے اور کہا: میرے پاس ابن سہر کی زرہ لاؤ، جو بنو براء کا ایک شخص تھا، تو اس زرہ کو انھوں نے پہن لیا۔ پھر وہ ان (اہلِ شام) کے پاس گئے اور ان سے قتال کیا یہاں تک کہ انھیں پانی سے ہٹا دیا۔[1]

یہ خبر اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ روکنا ایک ظاہری اور رسمی سی رکاوٹ تھی، حقیقی نہیں تھی،[2] کیونکہ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ واقعی پانی روکنا چاہتے تو وہ پانی پر اپنی فوج کو مزید مضبوطی سے تعینات کرتے، پانی کا راستہ اپنے پیچھے رکھتے اور اس پر مکمل قبضہ کر لیتے، جیسا کہ جنگوں میں لشکروں کی حکمتِ عملی ہوتی ہے کہ دشمن کو محاصرہ، بھوک اور پیاس سے ختم کیا جائے، جیسے صلاح الدین ایوبی نے حطین[3] کی لڑائی میں صلیبیوں کو پانی سے محروم کر کے پیاس سے ہلاک کیا۔ لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے صرف ایک چھوٹی سی جماعت بھیجی جس کی قیادت اَعور سُلمی رضی اللہ عنہ کر رہے تھے، اور ان کا مقصد اہلِ عراق کو پیاس سے ختم کرنا نہیں بلکہ بغیر جنگ کے ان کو عراق واپس جانے پر مجبور کرنا تھا۔ اور جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ اہلِ عراق سخت پیاس میں مبتلا ہیں اور واپس جانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے، تو آپ نے پانی تک ان کی رسائی کھول دی۔ یہ سب (پانی روکنے اور پھر چھوڑ دینے کا معاملہ) دونوں لشکروں کے صفین پہنچنے کے

---

[1] مصنف ابن أبي شيبة (٣٩٠١٠)، اس کی سند حسن ہے۔
تخریج: اسے خلیفہ نے اپنی التاریخ (ص: ١٩٣) میں مختصراً فضل بن دکین سے اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

[2] اور یہی بات محبّ الدین الخطیب نے اپنی کتاب العواصم من القواصم (ص: ١٧٥) پر اپنی تعلیق میں موکد کی ہے۔ پھر محبّ الدین الخطیب نے پانی روکنے کی ایک اور وجہ بھی ذکر کی، اور وہ یہ کہ اہلِ شام یہ چاہتے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی فوج کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے ہولناک واقعے کی یاد دلائیں، جب انھیں پانی سے محروم کر دیا گیا تھا اور وہ سخت پیاس سے تڑپے تھے۔ اہلِ شام کا مقصد یہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے لشکر کو اس بات کی یاد دہانی کرائی جائے کہ ان مجرموں سے جلد بدلہ لینا کس قدر ضروری ہے۔

[3] صلاح الدين أيوبي لعلي الصلابي (ص: ٤٦٠- ٤٦١)

ابتدائی دنوں میں ہوا، اور یہ ذی الحجہ کے اوائل کے دن تھے، کیونکہ کوئی لشکر چند دن بھی بغیر پانی کے زادِ راہ کے نہیں رہ سکتا۔

اور بعض روایات میں یہ بات آئی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا تھا کہ وہ عراقی لشکر کو پانی پینے کی اجازت دے دیں، اور یہ روایت ایک عینی شاہد نے بیان کی ہے:

پہلا عینی شاہد: ابوصلت سلیم الحضرمی:

[299] عبداللہ بن احمد بن حنبل نے اپنی "کتاب صفین" میں، جیسا کہ "تاریخ دمشق" میں مذکور ہے، روایت کیا: ابوصلت سلیم حضرمی بیان کرتے ہیں: ہم جنگِ صفین میں موجود تھے اور ہم نے اہلِ عراق اور پانی کے درمیان رکاوٹ ڈال رکھی تھی۔ اتنے میں ایک سوار ہمارے پاس آیا جو ایک خچر پر سوار تھا، لوہے کے خود میں پوری طرح ڈھکا ہوا۔ اس نے کہا: "السلام علیکم" ہم نے کہا: "وعلیك"[1] اس نے پوچھا: معاویہ کہاں ہیں؟ ہم نے کہا: وہ سامنے ہیں۔ وہ ان کے پاس پہنچا اور آ کر رُکا، پھر اپنا خود اتارا تو معلوم ہوا کہ وہ اشعث بن قیس کندی ہیں، ایک گنجے آدمی جن کے سر پر صرف چند بال تھے۔ انھوں نے کہا: اے معاویہ! اللہ سے ڈرو، محمد ﷺ کی امت کے بارے میں سوچو۔ فرض کرو کہ تم نے اہلِ عراق کو قتل کر دیا، تو پھر ان کے لشکروں اور عورتوں اور بچوں کا کون ذمے دار ہوگا؟ اور فرض کرو کہ ہم نے اہلِ شام کو قتل کر دیا، تو ان کے لشکروں اور عورتوں اور بچوں کا کون ذمے دار ہوگا؟ اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ فرماتا ہے:

---

[1] سلام کا جواب اس انداز میں دینا (وعلیك) یا (وَعَلَيْكُمْ)، بغیر اس کے کہ اس کے بعد لفظ السلام کا اضافہ کیا جائے، یہ جائز امر ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے:

امام بخاری رحمہ اللہ نے الأدب المفرد (۱۰۳۵) میں اور یہ الفاظ اسی کے ہیں، اور مسلم نے اپنی الصحیح (۱۵٤/۷) میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں: "میں نبی ﷺ کے پاس آیا، جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے اور میں پہلا شخص تھا جس نے آپ ﷺ کو اسلام کے تحیے کے الفاظ سے سلام کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "وَعَلَيْكَ، وَرَحْمَةُ اللّٰهِ" (تم پر بھی سلامتی اور اللہ کی رحمت ہو) پھر پوچھا: تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ میں نے کہا: غِفار قبیلے کا۔" اور مسلم کے الفاظ یہ ہیں: "میں نے کہا: السلام علیك یا رسول الله، تو آپ ﷺ نے فرمایا: وَعَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ ......"

اسی طرح بخاری نے الأدب المفرد (۱۰۳۳) میں بھی حضرت ابوجمرہ رحمہ اللہ سے روایت کی ہے: میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو سنا کہ جب ان پر سلام کیا جاتا تو وہ کہتے: (وَعَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ) اس روایت کو ابن حجر اور البانی نے صحیح قرار دیا ہے۔ ملاحظہ کریں: فتح الباري (۳۷/۱۱)

﴿ وَإِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَإِنْ بَغَتْ إِحْدٰهُمَا عَلَى الْأُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ إِلٰٓى أَمْرِ اللّٰهِ ۚ ﴾ [الحجرات: ۹]

''اور اگر مومنوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دو، پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کر رہا ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔''

معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: پھر آپ کیا چاہتے ہیں؟ اشعث نے کہا: ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے اور پانی کے درمیان سے رکاوٹ ہٹا دیں۔ اللہ کی قسم! یا تو آپ پانی تک ہمارا راستہ کھول دیں گے یا ہم اپنی تلواریں میان سے نکال کر جنگ کریں گے، یہاں تک کہ یا تو پانی تک پہنچ جائیں یا اس پر جان دے دیں۔ تب معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابو الاعور عمرو بن سفیان رضی اللہ عنہ سے کہا: اے ابو عبد اللہ! اپنے بھائیوں اور پانی کے درمیان سے رکاوٹ ہٹا دو۔ ابو الاعور رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا: ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! اے ام عبداللہ![1] ہم ان کے اور پانی کے درمیان سے رکاوٹ نہیں ہٹائیں گے۔

اے اہلِ شام! یہ موقع ہے،[2] اللہ نے تمھیں ان پر قابو دے دیا ہے۔ مگر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اصرار کیا، یہاں تک کہ ابو الاعور رضی اللہ عنہ نے راستہ چھوڑ دیا اور پانی تک رسائی دے دی۔ اس کے بعد زیادہ وقت نہ گزرا کہ دونوں کے درمیان صلح ہوگئی، پھر معاویہ رضی اللہ عنہ اہلِ شام کے ساتھ شام لوٹ گئے اور علی رضی اللہ عنہ اہلِ عراق کے ساتھ عراق واپس چلے گئے۔[3]

---

① (يَا أُمَّ عَبدِ اللّٰهِ) میں ماں کا ذکر کرنے سے مقصد یہ تھا کہ اس سے اس بات کو دور اور ناممکن ظاہر کرے جو اس سے طلب کی گئی تھی، گویا وہ کہہ رہا ہو: یہ کہاں ممکن ہے کہ وہ پانی پئیں!

② یعنی: اے اہلِ شام! موقع سے فائدہ اٹھاؤ اور انھیں پیاس سے مار ڈالو، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے انھیں پیاس کے ذریعے ہلاک کیا ہے۔

③ تاریخ دمشق (۹/۱۳۷۔ ۱۳۸) اس کی سند متابعات میں حسن ہے، اس کے راوی سب ثقہ ہیں سوائے ابوصلت سلیم حضرمی شامی کے، جو تابعی تھے، جنگِ صفین میں شریک ہوئے اور اس واقعے کے عینی شاہد تھے۔ امام بخاری اور ابن ابی حاتم نے ان کے بارے میں سکوت کیا ہے، البتہ یہ روایت انھوں نے اکیلے بیان نہیں کی، بلکہ ان کی متابعت ایک اَور عینی شاہد نے کی ہے، جسے طبرانی نے ''الزيادات'' میں ذکر کیا ہے، اور وہ ہیں ابو حفصہ حبشی۔

ابوصلت کا تعارف: التاريخ الكبير (۹/٤٤)، الجرح والتعديل (٤/۲۱۲)، تاريخ دمشق (۷۲/۲۸۳)، مختصر تاريخ دمشق (۱۰/۲۰٤) میں آیا ہے۔

←

[300] ابو صلت حضرمی بیان کرتے ہیں: ہم نے اہلِ عراق اور پانی کے درمیان حائل ہو کر پانی پر قبضہ کر رکھا تھا کہ ایک سوار ہمارے پاس آیا، پھر اس نے اپنا چہرہ کھولا تو دیکھا کہ وہ اشعث بن قیس ہے۔ اس نے کہا: اے معاویہ! محمد ﷺ کی امت کے بارے میں اللہ کا خوف کرو۔ فرض کرو کہ تم نے اہلِ عراق کو قتل کر دیا، تو لشکروں اور عورتوں اور بچوں کا سہارا کون ہو گا؟ یا یہ فرض کر لو کہ ہم نے تمھیں قتل کر دیا، تو لشکروں اور عورتوں و بچوں کا سہارا کون دے گا؟ بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَإِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ﴾ [الحجرات: ٩]

''اور اگر مومنوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو۔''

معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تو تم کیا چاہتے ہو؟ اس نے کہا: ہمارے اور پانی کے درمیان سے رکاوٹ ہٹا دو۔ تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابو الاعور رضی اللہ عنہ سے کہا: اپنے ان بھائیوں اور پانی کے درمیان رکاوٹ کو ختم کر دو۔[1]

دوسرا عینی شاہد: ابو حفصہ حبیش بن شریح الحبشی:

[301] ہمیں عبداللہ بن وہب نے بیان کیا،[2] ....

← امام بخاری نے کہا: ابو صلت، عیسیٰ بن معمر کے دادا ہیں جو کعب سے روایت کرتے ہیں۔ ان سے روایت کرنے والے صفوان ہیں۔ ابو مغیرہ خولانی کا نام: عبدالقدوس بن الحجاج ہے اور صفوان بن عمرو کا پورا نام ابو عمرو السکسکی الحمصی ہے۔

تخریج: اسے ابن العدیم نے بغية الطلب (١٩١٣/٤) میں روایت کیا ہے، اور المزی نے تهذيب الكمال (٢٩٢/٣) میں اسے عبداللہ بن احمد بن حنبل کی ''كتاب صفين'' سے، ان کے والد کے واسطے سے ابو مغیرہ سے بہ سند مذکور نقل کیا ہے۔ یہ روایت مختصر تاریخ دمشق (٤١٥/٤) میں بھی موجود ہے۔

اسی کو الدولابی نے الكنى والأسماء (٤٥/١) (٦٦٣/٢) میں روایت کیا ہے، اور ان کے طریق سے ابن عساکر (٢٨٣/٧٢) نے، عمران بن بکار کلاعی کے واسطے سے، ابو مغیرہ سے نقل کیا ہے، بسند مذکور۔ پھر ابن عساکر نے کہا: اسے نسائی نے عمران بن بکار سے روایت کیا ہے۔۔۔

اسی کو ابن سعد نے طبقات کبریٰ، حصہ متمم، طبقہ چہارم، (ص: ٦٨١-٦٨٢) میں اس طرح ذکر کیا ہے: مجھے ابو الیمان الحمصی نے صفوان بن عمرو سے خبر دی، اسی کے ہم معنی الفاظ میں، نیز اگلی دو روایات کو بھی ملاحظہ کریں۔

[1] سير أعلام النبلاء (٤١/٢) پہلے کی طرح یہ روایت حسن ہے اور یہ سند معلق ہے۔

[2] عبداللہ بن وہیب (اور کہا جاتا ہے: عبداللہ بن محمد بن وہیب) بن عبدالرحمٰن بن عمر بن حفص، کنیت ابو العباس، الجُذامی الغزّی، طبرانی کے شیوخ میں سے ہیں۔ طبرانی نے اپنی ''معاجم'' میں ان سے روایت کی ہے۔ اور ابن عدی نے بھی ان سے روایت کی لیکن اپنی کتاب ''الكامل'' میں ان کا ذکر نہیں کیا۔ ←

کہتے ہیں: ہمیں محمد بن ابی السری [1] نے بیان کیا، ....

← ابن عدی نے اپنی مقدمہ میں کہا ہے: میں اپنی اس کتاب میں ہر اس شخص کا ذکر کروں گا جس کے بارے میں کسی قسم کی کمزوری کا ذکر کیا گیا ہو، یا جن کے بارے میں اختلاف ہو کہ بعض نے جرح کی اور بعض نے تعدیل، اور میں اپنے علم کی حد تک ان میں سے کسی ایک قول کو بغیر کسی جانبداری کے ترجیح دوں گا۔ اور جو رواۃ اس کتاب میں ذکر نہ ہوں گے، وہ یا تو ثقہ ہوں گے یا صدوق، چاہے ان پر کسی خاص رجحان (هَوٰی) کا الزام ہو، مگر وہ اس میں متاوّل ہوں۔ میں امید کرتا ہوں کہ میں اپنی اس کتاب کو مکمل طور پر بھر دوں گا اور اس کے دیکھنے والے کو تشفی دوں گا، اور اس میں وہ چیز بھی شامل کروں گا جو اس موضوع پر لکھنے والوں میں سے کسی نے ذکر نہیں کی۔ میں نے اس کا نام رکھا: "الكامل في ضعفاء الرجال"۔" الكامل في الضعفاء (۷۸/۱- ۷۹) اختصار کے ساتھ۔

الضیاء نے بھی اپنی المختارة (۱۸۷۷، ۱۸۷۸، ۲۲۷۷، تحقيق: ابن دهيش) میں ان سے روایت کی ہے، اور عبدالملک بن دہیش نے پہلی جگہ پر حاشیہ میں کہا: (عبداللہ بن وہیب، میں ان پر واقف نہیں ہوا، مگر وہ طبرانی کے ان شیوخ میں سے ہیں جن پر "المیزان" میں کوئی جرح نہیں کی گئی، اور ان کا حال یہ ہے کہ وہ یا تو ثقہ ہیں یا صدوق۔)

انھیں ابن ماکولا نے "الإكمال" میں اور سمعانی نے "الأنساب" میں ذکر کیا ہے، اور دونوں نے ان پر نہ جرح کی نہ تعدیل۔ جبکہ ابوالحسن سلیمانی نے اپنی کتاب "إرشاد القاصي والداني" کے خلاصے میں کہا: (مجهول الحال) میں کہتا ہوں: وہ اس درجے تک نہیں گرتے، ابن عدی نے ان کے حال کو مجہول قرار نہیں دیا، اور ان سے الضیاء نے روایت کی ہے، لہٰذا وہ ان شاء اللہ صدوق ہیں۔

مزید مراجع: الإكمال لابن ماكولا (۱۱۲/۷)، الأنساب للسمعاني (۲۹۳/٤)، تاريخ دمشق (۲۷۳/۳۳)، تاريخ الإسلام (٦٩/٢٣)، مختصر تاريخ دمشق (٩٢/١٤)، تراجم رجال الدارقطني في سننه لمقبل الوادعي (ص: ٦٧)، إرشاد القاصي والداني إلى تراجم شيوخ الطبراني (ص: ٦١٨)، الفرائد على مجمع الزوائد، ترجمة الرواة الذين لم يعرفهم الحافظ الهيثمي (ص: ١٦٢)

[1] محمد بن ابی السری متوکل العسقلانی کو ابن معین اور ذہبی نے ثقہ کہا، جبکہ ابو حاتم نے فرمایا: ان کی حدیث میں نرمی (کمزوری) ہے۔ ابن حجر نے کہا: یہ صدوق اور فنِ حدیث کے ماہر تھے، مگر ان سے بہت زیادہ وہم واقع ہوئے ہیں۔ تاہم علی بن القطان نے کہا: یہ ثقہ اور حافظ تھے، لیکن کثرتِ محفوظات (بہت زیادہ احادیث یاد ہونے) کی وجہ سے ان پر کچھ وہم لازم آ گئے جنھیں زیادہ وہم شمار نہیں کیا گیا، بلکہ یہ کسی جلیل القدر شخص پر گنی جانے والی چند خامیاں اور کسی فاضل پر شمار کی جانے والی چند لغزشیں ہیں۔ بيان الوهم والإيهام (۲۱۸/۵)

"تحرير التقريب" میں آیا ہے: بلکہ یہ صدوق اور حسن الحدیث ہیں اور صرف اپنے وہموں کی وجہ سے اس درجے تک نیچے آئے، ورنہ ابن معین نے انھیں ثقہ کہا ہے اور ابو داود نے ان سے روایت کی ہے، اور وہ (ابو داود) صرف ثقہ سے ہی روایت کرتے ہیں۔ ابن حبان نے "الثقات" میں کہا: یہ حفاظ میں سے تھے۔ ذہبی نے کہا: ثقہ ہیں۔ ابو حاتم نے کہا: حدیث میں نرمی ہے لیکن عجیب بات یہ ہے کہ ابو حاتم اور ابو زرعہ رازی دونوں نے ان سے روایت کی ہے۔ ←

کہا: ہمیں ضمرہ [1] نے بیان کیا، وہ علی بن ابی حملہ [2] سے بیان کرتے ہیں، وہ ابوحفصہ حبشی [3] سے بیان کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میں نے صفین میں اشعث بن قیس کو دیکھا کہ وہ آئے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس جا کھڑے ہوئے اور کہا: اے معاویہ! ہمارے اور پانی کے درمیان سے رکاوٹ ہٹا دو۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: جی ہاں، اے ابومحمد! کیا ہم تمھارے لیے کوئی مشروب نہ منگوا دیں؟ پھر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے ستو کا مشروب منگوایا، تو وہ پی کر واپس چلے گئے۔[4]

یہ دونوں واقعات اس بات کی نفی نہیں کرتے کہ پانی پر لڑائی ہوئی تھی، بلکہ اصل معاملہ یہ تھا کہ اشعث اور ابوالاعور سلمی کے درمیان کچھ مناقشہ اور تکرار پیش آیا جو تقریباً ایک گھنٹے تک جاری رہا۔ اشعث کو یہ بات سخت ناگوار گزری کہ معاملہ پانی پر جنگ تک پہنچ جائے، چنانچہ وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے گفتگو کی۔ معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ بات واضح ہوگئی کہ عراقی لشکر کا پیچھے ہٹنے کا کوئی ارادہ نہیں۔ تو انھوں نے ابوالاعور سلمی سے کہا: (ہمارے بھائیوں اور پانی کے درمیان سے ہٹ جاؤ۔) اس کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ نے اشعث کی عزت افزائی کی اور ان کے لیے ستو کا مشروب منگوایا، جسے انھوں نے پیا اور پھر پانی کی طرف روانہ ہوگئے۔ وہاں پہنچ کر اشعث نے دوبارہ ابوالاعور کے لشکر سے لڑائی کی، پھر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم سے

← ابن عدی نے کہا: یہ کثیر الغلط (زیادہ غلطی کرنے والے) تھے۔ مسلمہ بن قاسم نے کہا: یہ کثرتِ وہم کے شکار تھے لیکن کوئی حرج کی بات نہ تھی۔ مزید مراجع: الجرح والتعديل (١٠٥/٨)، من تكلم فيه وهو موثق: (ص: ٣١٤)، ديوان الضعفاء (٣٩٥١)، إكمال تهذيب الكمال (٣٢٨/١٠)، التقريب (٦٢٦٣)

[1] ضمرہ بن ربیعہ، ابوعبداللہ رَملی: صدوق ہیں، کبھی کبھار وہم کا شکار ہو جاتے ہیں۔ التقريب (٢٩٨٨)

[2] علی بن ابی حملۃ، جن کا نام سعید اور کنیت ابونصر القرشی مولاہم ہے۔ امام احمد نے کہا: ثقہ ہیں اور ثقہ لوگوں میں سے ہیں۔ عجلی نے کہا: شامی تابعی اور ثقہ ہیں۔ ابن حبان نے "المشاهير" میں کہا: مضبوط حافظے والے لوگوں میں سے ہیں۔ مراجع: العلل ومعرفة الرجال (٤٣١٣) روایت عبد الله بن احمد، ثقات العجلي (١٢٩٢)، مشاهير علماء الأمصار (١٤٣٢)، الثقات (١٢٩٢)

[3] یہ حُبَیش بن شریح ہیں۔ عجلی نے کہا: شامی تابعی اور ثقہ ہیں۔ ابن حبان نے اپنی کتاب "الثقات" میں ان کا ذکر کیا، اسی طرح ابن خلفون نے بھی اپنی "الثقات" میں ذکر کیا۔ ابن حجر نے کہا: مقبول ہیں۔ ابوداود نے ان سے روایت کی ہے۔ مراجع: ثقات العجلي (٢١٢١)، ثقات ابن حبان (١٩٠/٤)، إكمال مغلطاي (٣٨٤/٣)، التقريب (١١١٦)

[4] الزيادات في كتاب الجود والسخاء للطبراني (٤٠) اس کی سند متابعت کی وجہ سے حسن ہے، اور پچھلی دو روایات بھی دیکھو۔

ابو الاعور کے سپاہی بتدریج پیچھے ہٹ گئے اور پانی کا راستہ عراقی لشکر کے لیے چھوڑ دیا۔ اس پر محمد بن مخنف کا یہ قول بھی دلالت کرتا ہے: ''ہم نے ان سے کچھ دیر لڑائی کی، پھر میں گواہی دیتا ہوں کہ انھوں نے ہمارے لیے پانی کا راستہ چھوڑ دیا۔''[1]

اور محمد بن مخنف نے جیسا کہ انھوں نے خود پوری داستان میں اپنے بارے میں بیان کیا، پانی پر ہونے والی لڑائی میں شرکت کی تھی، اسی لیے انھوں نے لشکرِ شام کے پیچھے ہٹنے کو زبردستی نہیں بلکہ اپنی مرضی سے قرار دیا۔

رہا حُجر بن عَنبس کا یہ قول کہ اشعث نے ان سے لڑائی کی یہاں تک کہ انھیں پانی سے ہٹا دیا،[2] تو یہ ابتدائی طور پر اس بات کی دلیل ہے کہ وہ صفین میں موجود تھے، لیکن انھوں نے پانی پر ہونے والی لڑائی نہیں دیکھی۔ وہ صرف وہی بات روایت کر رہے ہیں جو ان کے علم تک پہنچی، اور انھیں اشعث اور معاویہ رضی اللہ عنہما کی ملاقات کا علم نہ تھا۔ اس لیے انھوں نے ظاہرِ حال کی بنیاد پر یہ گمان کیا کہ لشکرِ شام کو پانی سے زبردستی ہٹایا گیا، نہ کہ وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم سے پیچھے ہٹے۔

اشعث کا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس جانا اس وجہ سے تھا کہ یہ علی رضی اللہ عنہ کی اجازت سے ہوا، جیسا کہ اس خبر سے واضح ہے: صفین کے دن علی رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: ہمارے اور پانی کے درمیان رکاوٹ ڈال دی گئی ہے، تو انھوں نے فرمایا: اشعث کو بھیجو۔[3] ان کا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس جانا دراصل اس خط کتابت میں شامل تھا جو دونوں لشکروں کے درمیان صلح کی امید میں جاری تھی، اور پانی پر صلح کے معاملے میں ان کے درمیان تیزی سے بات چیت ہوئی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نہ علی رضی اللہ عنہ اور نہ ہی معاویہ رضی اللہ عنہ میں سے کوئی ایک دوسرے کو ختم کرنا چاہتا تھا۔ علی رضی اللہ عنہ صرف بیعت لینا چاہتے تھے جبکہ معاویہ رضی اللہ عنہ صرف امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے قصاص لینا چاہتے تھے۔

چنانچہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ فریقین کے درمیان پہلا معاہدہ پانی پر صلح کا تھا، پھر دوسرا معاہدہ ہوا جو پورے محرم کے مہینے تک کے لیے صلح (جنگ بندی) تھا۔

---

[1] دیکھو: [رقم: ۳۰۳]

[2] دیکھو: [رقم: ۲۹۸]

[3] دیکھو: [رقم: ۲۹۸]

⑥ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا پانی پر غلبہ پانے کے بعد موقف

جب شامی لشکر پانی سے پیچھے ہٹ گیا اور اس کی جگہ عراقی لشکر نے لے لی۔ اور مکمل اختیار سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں آگیا تو انھوں نے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ اہلِ شام کو پانی پینے کی اجازت دے دی جائے۔ اس طرح دونوں لشکر پانی کی جگہ پر رش کرتے۔ لیکن کوئی کسی کو اذیت نہیں دیتا تھا نہ اس کو پانی سے منع کرتا تھا۔[1]

[302] ابن ابی ذئب نے اس راوی سے بیان کیا[2] جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے: جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے بذریعہ لڑائی پانی پر غلبہ پا لیا تو فرمایا[3]: ان کو پانی کی اجازت دے دو۔ کیونکہ پانی سے منع نہیں کیا جاتا۔[4]

[303] امام طبری نے پانی پر قتال کے بارے میں ابو مخنف کی سند سے ایک روایت بیان کی ہے کہ محمد بن مخنف[5] بیان کرتے ہیں جو صفین میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے ایک گھڑی قتال کیا، پھر میں گواہی دیتا ہوں کہ انھوں نے ہمارے لیے پانی چھوڑ دیا۔ مگر جب شام ہوئی تو ہم نے دیکھا کہ ہمارے پانی پینے والے اور ان کے پانی پینے والے پانی کی جگہ پر رش کر رہے ہیں اور کوئی انسان دوسرے انسان کو تکلیف نہیں دے رہا۔[6]

---

① البداية والنهاية (٢٨٥/٧)

② یہ قائل کوئی مبہم راوی ہے جو عینی شاہد ہے نہ کہ علی رضی اللہ عنہ۔

③ یعنی جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے قتال کیا تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پانی کی طرف بڑھے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے پانی پر غلبہ پانے کے بعد فرمایا: ...... ۔

④ مصنف ابن أبي شيبة (٣٩٠٠٥) یہ روایت مقبول ہے۔ اس کا ابتدائی حصہ شواہد کے ساتھ مقبول ہے اور آخری حصہ قرائن کے ساتھ۔ اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ راوی مجہول ہے۔

ابن ابی ذئب سے مراد: محمد بن عبدالرحمٰن بن مغیرہ بن حارث بن ابی ذیب ہے۔ ابو الحارث العامروی۔ یہ بھی ثقہ ہے۔

شواہد: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا پانی کی طرف جانے کا واقعہ تو اشعث بن قیس کے قصے میں ملتا ہے۔ [رقم: ٢٩٩، ٣٠٠، ٣٠١]

جبکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا اہلِ شام کو پانی پر آنے کی اجازت دینے کا قصہ، اس قرینے کی بنیاد پر صحیح ہے کہ تمام تاریخی مصادر اتفاق کرتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے پانی منع نہیں کیا تھا۔

⑤ مجہول راوی ہے۔ دیکھیں: ميزان الاعتدال: (٣٢/٤) لسان الميزان (٣٧٥/٥)

⑥ تاريخ الطبري (٧٥/٣) جس قدر روایت ہم نے بیان کی ہے، قرائن کی بنا پر مقبول ہے۔

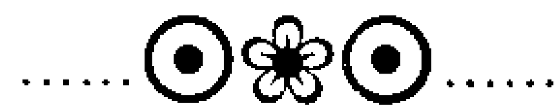
[304] ابن الاثیر نے اسی طرح نقل کیا ہے، اس میں ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کی طرف پیغام بھیجا کہ پانی سے اتنا لے لو جتنی تمھاری حاجت ہے اور باقی ان کے لیے چھوڑ دو۔[1]

مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اہلِ شام سے پانی منع نہیں کیا تھا اور کسی نے بھی اس کے خلاف نقل نہیں کیا۔

اس قصے سے معلوم ہوا ہے کہ سیدنا معاویہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما دونوں کی طرف سے اپنے لشکروں کو حکم جاری ہوا تھا کہ پانی سے منع نہیں کیا جائے گا۔ جیسا کہ امام طبری رحمہ اللہ کی روایت میں ہے کہ ہم نے اپنے پینے والوں اور ان کے پینے والوں کو دیکھا۔ وہ پانی پینے کی جگہ پر رش کر رہے ہیں اور کوئی انسان دوسرے انسان کو تکلیف نہیں دے رہا۔[2]

قتال کے متعلق صحیح روایات جو ہمارے سامنے مصادر میں موجود ہیں، وہ یہی ہیں۔ پھر امام طبری رحمہ اللہ چھے روایات پانی پر لڑائی[3] کے بارے میں لائے ہیں جو ساری کی ساری ابو مخنف روایت کرتا ہے اور اس کی روایات گالیوں پر مشتمل ہیں۔

اسی طرح وہ روایات نصر بن مزاحم نے "وقعة صفين"[4] میں بیان کی ہیں۔ وہ بھی ابو مخنف کی روایات کی طرح ہیں، ان میں صحابہ رضی اللہ عنہم پر طعن ہے۔ اور ابو مخنف اور نصر دونوں متہم ہیں۔



← تخریج: اس روایت کو نصر بن مزاحم نے وقعة صفين (ص: ١٨٤) میں ابو مخنف کی سند سے بیان کیا ہے۔ یہ روایت البداية والنهاية (٢٨٥/٧) میں ہے۔

[1] الكامل في التاريخ (١٦٧/٣) جس قدر ہم نے بیان کی ہے یہ سابقہ روایت کی طرح قرائن کی بنیاد پر مقبول ہے۔ اس روایت کو ابن الاثیر نے طبری سے ابو مخنف کی سند سے بیان کیا ہے۔ (٧٦/٣)

[2] دیکھیں: [رقم: ٣٠٣]

[3] تاريخ الطبري (٧٤/٣-٧٦)

[4] (ص: ١٥٧، ١٦١، ١٨٤، ١٨٨، ١٩٢، ١٩٣)

تیسرا مبحث:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا لشکرِ شام کے سرکردہ لوگوں اور ان کے متبعین پر قنوت کرنا

یہ روایت صحیح ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے لشکرِ شام کے سرکردہ لوگوں اور ان کے متبعین پر صفین کے معرکے کے درمیان، یعنی صرف جنگ کی حالت میں قنوت کی۔ پھر قنوت چھوڑ دی اور عملی حل تحکیم کا راستہ اپنایا۔

[**305**] شعبی بیان کرتے ہیں: جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فجر کی نماز میں قنوت کی تو لوگوں نے اس پر انکار کیا۔ اس پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم اپنے دشمن پر مدد مانگتے ہیں۔[1]

[**306**] ابن شبرمہ بیان کرتے ہیں: میں نے شعبی سے فجر کی نماز میں قنوت کے بارے میں سوال کیا، تو انھوں نے کہا: ہر نماز میں قنوت کی جائے گی۔ میں نے کہا: آپ جو چاہتے ہیں وہ میں سمجھتا ہوں، سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنے دشمنوں پر قنوت کرتے تھے۔ تو انھوں نے کہا: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے صرف اسی وقت قنوت کی جب دونوں گروہ ایک دوسرے پر بددعا کرنے لگے۔[2]

---

[1] مصنف ابن أبي شيبة (٧٠٥٥) یہ روایت اپنے شواہد کے ساتھ صحیح ہے۔
میری مراد یہ ہے کہ منہجِ محدثین کے مطابق صحیح ہے۔ یہ سند صحیح، متصل ہے اور تاریخی منہج کے مطابق مقبول ہے۔ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ شیخین کے راوی ہیں۔ شعبی صفین میں حاضر نہیں ہوئے تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے یہ کلام صفین کی زمین پر جنگ کے زمانے میں کیا تھا، لیکن شعبی اس تاریخی واقعہ کے معاصر ہیں۔
شواہد: اس کی شاہد اگلی روایات ہیں۔

[2] تهذيب الآثار (١/٣٨٢، رقم: ٦٩٤) مسند ابن عباس، یہ شواہد کے ساتھ صحیح ہے، یہ سند حسن ہے اور تاریخی منہج کے مطابق متصل ہے اور یہ شعبی کا فتویٰ ہے۔
ابن شبرمہ سے مراد: عبداللہ الضبی ہیں، جو ثقہ ہیں۔

ان پر فجر، مغرب اور عشاء میں قنوت کی خبر عبدالرحمٰن بن معقل نے بیان کی ہے اور ان سے تین ثقہ راویوں نے بیان کی ہے۔

[**307**] عبدالرحمٰن بن معقل بیان کرتے ہیں: میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ فجر کی نماز ادا کی تو انھوں نے قنوت کی اور قنوت میں کہا: اللہ تو معاویہ اور ان کے ساتھیوں کے لیے کافی ہو جا، عمرو بن عاص اور ان کے ساتھیوں کے لیے کافی ہو جا، ابو الاعور سلمی اور ان کے ساتھیوں کے لیے کافی ہو جا۔ عبداللہ بن قیس اور ان کے ساتھیوں کے لیے کافی ہو جا۔[1]

روایت کے الفاظ: ''عبداللہ بن قیس اور اس کے ساتھیوں پر کافی ہو جا۔'' میں عبداللہ بن قیس سے

---

[1] مصنف ابن أبي شيبة (۷۱۲۳) اس کی سند صحیح ہے سوائے اس قول کے ''عبداللہ بن قیس اور اس کے ساتھیوں کے لیے کافی ہو جا۔'' عبدالرحمٰن بن معقل سے مراد: ابو عاصم مزنی ہیں۔

تخریج: اس روایت کو ابن منذر نے الأوسط (۱۵۸۰) میں ابن ابی شیبہ کی سند سے بیان کیا ہے۔

اور اس کے الفاظ ہیں: ''میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ فجر کی نماز ادا کی تو آپ نے قنوت کی اور قنوت میں کہا: اللہ تو فلاں اور اس کے ساتھیوں کے لیے کافی ہو جا اور ابو الاعور اور اس کے ساتھیوں کے لیے کافی ہو جا، عبداللہ بن فلاں اور اس کے ساتھیوں پر کافی ہو جا۔''

اس روایت کو امام طبری تهذيب الآثار (۱/۳۴۵)، رقم: ۵۷۷) میں بھی لائے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: ہمیں تمیم بن منتصر واسطی نے بیان کیا، کہا: ہمیں اسحاق ازرق نے شریک سے، اس نے حصین سے، اس نے عبدالرحمٰن بن معقل مزنی سے خبر دی، عبدالرحمٰن بن معقل مزنی بیان کرتے ہیں: میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ فجر کی نماز ادا کی۔ انھوں نے سات لوگوں پر قنوت کی، ان میں فلاں، فلاں، ابو فلاں اور ابو فلاں تھے۔

اس روایت کو ابن أبي شيبة (۷۱۳۰) شریک سے اسی سند کے ساتھ لائے ہیں۔ اس کے الفاظ ہیں: میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے مغرب کی نماز ادا کی اور انھوں نے قنوت کی۔

اس کی سند ضعیف ہے، کیونکہ شریک ضعیف ہے اور اس سے مراد: شریک بن عبداللہ النخعی القاضی ہیں، [رقم: ۳۰۸] روایت میں آیا ہے کہ وہ پانچ بندے تھے نہ کہ سات۔

امام ذہبی تنقيح التحقيق (۱/۲۴۶) میں ابو داود طیالسی کی روایت لائے ہیں: عبدالرحمٰن بن معقل بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے مغرب کی نماز ادا کی۔ وہ قنوت کرتے اور ابو الاعور پر نیز بہت سے لوگوں پر بد دعا کرتے تھے۔

امام طحاوی شرح معاني الآثار (۱۴۹۸) میں روایت لائے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن معقل بیان کرتے ہیں، میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے مغرب کی نماز ادا کی، انھوں نے قنوت کی اور بد دعا کی۔

مراد ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ ایک شاذ زیادت ہے جس کو بیان کرنے میں ہشیم منفرد ہیں، وہ حصین سے بیان کرتے ہیں، وہ عبدالرحمٰن بن معقل سے، باقی راویوں نے ابن معقل سے یہ الفاظ ذکر نہیں کیے۔ جبکہ تاریخی واقعہ بھی اس کے مخالف ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ ایسے شخص پر کیسے بددعا کر سکتے ہیں جو معرکے میں ان سے لڑائی ہی نہیں کر رہا۔ بلکہ قنوت تو مشروع ہی باغیوں کے لیے ہے۔ دوسروں کے لیے نہیں جو ہاتھ روک کر رکھے ہوئے ہوں۔

اسی طرح سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے زمانۂ فتنہ میں کوئی ساتھی بھی نہیں تھے، اِلا یہ کہ اس سے مراد یہ ہو کہ وہ فتنے میں داخل ہونے سے رکے رہیں۔ لیکن فتنے سے الگ ہونے والے پر قنوت کرنا مشروع ہی نہیں ہے، بلکہ باغیوں پر قنوت کرنا مشروع ہے۔

اسی طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان کے لیے بددعا کیسے کر سکتے ہیں۔ جبکہ ان کے پیچھے ان کا لشکر آمین کہتا تھا۔ پھر کچھ دنوں کے بعد خود انھوں نے اور ان کے لشکر نے سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو ایک بڑے امر کے لیے چنا اور وہ تحکیم کا معاملہ تھا۔

اسی طرح جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ لوگوں کے سامنے اظہارِ حقیقت کرنے کا ارادہ کریں گے تو ایسے شخص کو اختیار کریں گے جو ان کا حامی ہوگا، یا ان کے متبعین میں سے ہوگا، تاکہ حقیقت ظاہر ہو جائے اور معاملہ نمٹ جائے۔ ایسے شخص کو تو اختیار نہیں کریں گے جس کا نام قنوت میں لیتے رہے ہوں اور ان کے لشکر کے لوگ بھی نمازوں میں یہ سنتے رہے ہوں اور اس پر آمین کہتے رہے ہوں۔

یا دوسری طرح یوں سمجھیے کہ جو اظہارِ حقیقت کرنا چاہ رہا ہو وہ ایسے شخص کو اختیار نہیں کرے گا جس کی رائے کو وہ غلط سمجھتا ہو، تاکہ اس کی وجہ سے حق ثابت ہو جائے، کیونکہ حق تو حق سے ہی صادر ہوتا ہے اور ہاں خطا سے خطا ہی صادر ہو سکتی ہے۔

اسی طرح یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ زیادت شاذ ہے۔ بالفرض اس کو صحیح بھی مان لیا جائے تو اس کی توجیہ موجود ہے جس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔[1]

[**308**] عبدالرحمٰن بن معقل بیان کرتے ہیں: میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ عشاء کی نماز میں حاضر ہوا اور آپ نے رکوع کے بعد پانچ بندوں پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اور ابو الاعور[2] پر قنوت کی۔

---

① [رقم: ۳۹۷] کے بعد اس کا ذکر آئے گا۔

② المعرفة والتاریخ (۱۳۵/۳) اس کی سند صحیح ہے۔

[309] عبدالرحمٰن بن معقل بیان کرتے ہیں: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مغرب کی نماز میں قنوت کی، تو کچھ لوگوں اور ان کے متبعین پر بد دعا کی اور رکوع کے بعد قنوت کی۔ [1]

اس چیز کے دلائل کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے صفین کے سربراہوں پر قنوت چھوڑ دی تھی:

[310] ابو مالک بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے کہا: اے ابا جان! آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہم اور یہاں کوفہ میں تقریباً پانچ برس سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں نمازیں ادا کی ہیں۔ کیا یہ لوگ قنوت کرتے تھے؟ تو انھوں نے کہا: میرا بیٹا یہ تو ایک بدعت ہے۔ [2]

[311] ابو مالک اشجعی اپنے والد سے بیان کرتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز ادا کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قنوت نہیں کی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز ادا کی، انھوں نے قنوت نہیں کی۔ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز ادا کی، انھوں نے قنوت نہیں کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز ادا کی، انھوں نے قنوت نہیں کی۔ حضرت علی کے پیچھے نماز ادا کی، انھوں نے قنوت نہیں کی، پھر کہنے لگے: میرے بیٹے یہ بدعت ہے۔ [3]

اس میں الفاظ: ''آپ نے یہاں کوفہ میں تقریبا پانچ برس سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز ادا کی ہے۔'' اس بات کی دلیل ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کوفہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اور اہلِ شام پر کبھی بھی قنوت نہیں کرتے تھے۔ انھوں نے یہ قنوت بس زمانۂ معرکہ میں صفین کی زمین پر کی تھی، کیونکہ اگر کوفہ میں قنوت کی ہوتی تو اس کو اہلِ کوفہ سن لیتے اور ان سے نقل کرتے۔ لیکن طارق بن اشیم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے کوفہ

← تخریج: اس روایت کو امام بیہقی سنن الکبریٰ (۳۳۲۵) میں لائے ہیں اور ذہبی نے اس کو تنقیح التحقیق (۱/۲٤٥) میں معاذ بن معاذ کی سند سے بیان کیا ہے، لیکن ذہبی کی روایت میں ''عبدالرحمٰن'' کے بجائے ''عبداللہ'' کے الفاظ ہیں۔

(1) الأوسط لابن المنذر (۲۷۲۲) یہ روایت صحیح ہے اور مذکورہ سند حسن ہے، کیونکہ عبداللہ بن ولید بن میمون ابومحمد مکی عدنی صدوق ہے، مگر خطا کر جاتا ہے جبکہ باقی سب راوی ثقہ ہیں۔

تخریج: اس روایت کو امام بیہقی الکبریٰ (۳۳۲٤) میں علی بن حسن کی سند سے لائے ہیں۔ لیکن عبدالرزاق نے اپنی المصنف (٤۹۷٦) میں ان کی مخالفت کی ہے وہ اس کو یحییٰ اور وہ ثوری کی سند سے بیان کرتے ہیں۔ اور اس میں عبداللہ کے بجائے عبدالرحمٰن کہتے ہیں اور کہتے ہیں: انھوں نے رکوع سے قبل قنوت کی۔

(2) مسند أحمد (۱۵۸۷۹) شعیب الارناؤط کہتے ہیں: اس کی سند امام مسلم کی شروط پہ صحیح ہے۔ ابو مالک الاشجعی سے مراد سعد بن طارق بن اشیم الکوفی ہیں۔

(3) سنن النسائي (۱۰۸۰) امام البانی رحمہ اللہ نے اس کو صحیح کہا ہے۔

میں تقریباً پانچ برس نماز ادا کی اور کسی دن بھی کوفہ کے اندر ان کو قنوت کرتے ہوئے نہیں سنا۔ چونکہ طارق بن اشیم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کسی فرض نماز میں قنوت کرتے کبھی نہیں سنا، تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ طارق بن اشیم صفین میں حاضر نہیں ہوئے تھے، کیونکہ قنوت صرف صفین کی زمین میں ہوئی تھی۔

اور یہ الفاظ: ''عبداللہ بن قیس اور ان کے ساتھیوں پر کافی ہو جا۔'' ہم ان کا شذوذ بیان کر چکے ہیں۔[1] بالفرض اگر یہ صحیح بھی ہوں تو یہ اس بات کی دلیل ہیں کہ قنوت کوفہ میں صفین سے لوٹنے کے بعد کبھی نہیں ہوئی، کیونکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خود حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو حکم مقرر کر دیا تھا اور اس وقت امت حکمین کے فیصلے کا انتظار کر رہی تھی۔ ایسی صورت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ان پر کیسے قنوت کر سکتے ہیں، حالانکہ وہ خود ان کو متعین کر چکے ہیں۔

جہاں تک حکمین کی جدائی کے بعد کا معاملہ ہے تو اس کے بعد سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ ایک بستی میں چلے گئے تھے، وہ کوفہ میں رہے ہی نہیں۔

جب خوارج نے لوگوں میں خوف پھیلایا اور جنگِ نہروان کی تیاری کرنے لگے، تاکہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑائی کر سکیں تو انھوں نے جنگ کی یہ تیاری اسی وقت شروع کر دی تھی جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دومۃ الجندل میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا تھا۔ ان سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتال شروع نہیں کیا بلکہ ان کو اطاعت میں واپس بلایا، یا اس بات کی طرف بلایا کہ دوبارہ سے اہلِ شام پر حملہ کیا جائے۔ لیکن انھوں نے انکار کر دیا اور شرط یہ رکھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے آپ پر کفر کو قبول کریں اور توبہ تائب ہوں۔

پھر خوارج لوگوں کے خون اور مال پر حملہ آور ہونے لگے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نہروان میں ان کے ساتھ قتال پر مجبور ہو گئے۔ اور ان کے فتنے کی وجہ سے شام کے معاملے کے لیے کبھی فارغ ہی نہیں ہو سکے۔

اس زمانے[2] کی سیاسی صورتحال کا خلاصہ یہ ہے کہ اس وقت لوگ خوارج کے ساتھ جنگ میں مشغول ہو چکے تھے۔ شام کا معاملہ پیچھے چلا گیا تھا۔ تو ایسی صورت میں بہتر تو یہی ہے کہ قنوت خوارج پر ہو لیکن ایسا نہیں ہوا۔

اس طرح حکمین کی جدائی کے بعد نہروان تک معاملہ مضطرب رہا اور نہروان کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ

---

[1] دیکھیے: [رقم: ۳۰۷]

[2] یعنی حکمین رضی اللہ عنہما کی جدائی کے بعد۔

بار بار اہلِ کوفہ پر بد دعا کرنے لگے تھے، کیونکہ وہ آپ کی نافرمانی کرتے، آپ سے عناد رکھنے لگے تھے یہاں تک کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے پاس چلے گئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: اللہ تعالیٰ انھیں میرے بدلے میں مجھ سے زیادہ برا دے۔ اور فرماتے تھے: اللہ تعالیٰ ان کے دل ایسے مار دے جس طرح نمک پانی میں مر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اہلِ کوفہ کے متعلق ان کی دعا قبول کی۔[1]

لہٰذا ایسی صورت میں حتمی طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قنوت اہلِ شام پر صفین کی زمین میں معرکے کے دوران تھی اور بس! معرکے کے بعد انھوں نے قنوت چھوڑ دی تھی۔

ایک ضعیف روایت:

[312] امام طبری کہتے ہیں کہ مجھے عیسیٰ بن عثمان بن عیسیٰ[2] نے بیان کیا، کہا: ہمیں یحییٰ بن عیسیٰ[3] نے اعمش سے بیان کیا۔ وہ عبداللہ بن خالد[4] سے، وہ عبدالرحمٰن بن معقل سے بیان کرتے ہیں: میں نے

---

① چھٹی فصل کی پہلی مبحث (تیسرا حادثہ) میں اس کی تفصیل آئے گی۔

② عیسیٰ بن عثمان بن عیسیٰ بن عبدالرحمان التیمی النہشلی الکوفی الکسائی، صدوق اور یہ یحییٰ بن عیسیٰ رملی کے بھائی کے بیٹے ہیں۔ التقریب (٥٣١٠)

③ ابوزکریا، تمیمی، نہشلی، کوفی، رملی۔ امام ابن معین کہتے ہیں: یہ کچھ نہیں ہے۔ ایک دفعہ کہتے ہیں: یہ ضعیف ہے، اس کی روایت نہیں لکھی جائے گی۔ علامہ عجلی لکھتے ہیں: یہ ثقہ ہے، اس میں تشیع تھا۔ امام نسائی کہتے ہیں: یہ قوی نہیں ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں: عموماً اس کی روایات ایسی ہیں جن پر متابعت نہیں ہوئی۔ امام ابو داود کہتے ہیں: مجھے احمد بن حنبل سے خبر ملی کہ وہ اس کی اچھی تعریف کیا کرتے تھے۔ ابن حجر کہتے ہیں: یہ صدوق ہے خطا کرتا ہے، اس پر تشیع کا الزام ہے۔ مزید دیکھیے: الكامل في الضعفاء (٢١٧/٧) تهذيب الكمال (٤٨٨/٣١) تهذيب التهذيب (٢٦١١) تقريب التهذيب (٧٦١٩)

④ عبداللہ بن خالد العبسی کوفی۔ عبدالرحمان بن معقل، زیاد بن حدیر اور ضحاک سے بیان کرتا ہے۔ اس سے اس کا بیٹا عبدالمومن بن عبداللہ بن خالد العبسی، اعمش اور ثوری بیان کرتے ہیں۔ اس پر امام بخاری اور ابو حاتم نے سکوت کیا ہے۔ اس کے متعلق ابن معین کہتے ہیں: یہ مشہور شیخ ہے۔ ابن حبان نے اس کو ''الثقات'' میں ذکر کیا ہے۔

اس کا تعارف: تاريخ ابن معين (١٣٣/١) رواية ابن محرز، (٤٧٠/٣) رواية الدوري، العلل لأحمد بن حنبل (١٣٨/٣) رواية ابنه عبدالله، التاريخ الكبير (٧٧/٥)، الجرح والتعديل (٤٤/٥) الثقات لابن حبان (١٨/٧) الثقات ممن لم يقع في الكتب الستة (٩/٦)

اور یہ عبداللہ بن عبداللہ بن خالد العنسی الکوفی نہیں ہے۔ جس کی توثیق یعقوب بن سفیان نے کر رکھی ہے، یہ عبداللہ بن عبداللہ وہ ہے جو عبدالرحمٰن ابن اصبہانی سے بیان کرتا ہے، وہ عبداللہ بن معقل سے اور اس سے اعمش بیان کرتا ہے۔ اس کا تعارف المعرفة والتاريخ (١٠٥/٣) میں موجود ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے مغرب کی نماز ادا کی، جب انھوں نے تیسری رکعت سے سر اٹھایا تو کہا: اللہ! فلاں، فلاں، ابو فلاں اور ابو فلاں پر لعنت کر۔ اعمش کہتے ہیں: ہمارے ساتھ ابو بردہ [1] بھی تھے تو میں نے ابو فلاں کا ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ ابو بردہ نے کہا: ابو فلاں ان میں ہی تھا۔ [2]

آگے دو روایتوں [3] میں آرہا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اہلِ شام پر لعنت سے منع کرتے تھے۔ لہٰذا ضعیف منکر اور صحیح روایات کی مخالف روایات کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا۔

---

[1] الامام الفقیہ، ابو بردہ بن ابی موسیٰ الاشعری، الثبت۔ سير أعلام النبلاء (٣٤٣/٤)

[2] تهذيب الآثار (٣٤٦/١، رقم: ٥٧٨) مسند ابن عباس.

یہ روایت باطل ہے، اس کی سند ضعیف ہے۔ اس کی بلاء عبداللہ بن خالد ہے جو مجہول الحال ہے۔ بعض راویوں نے اس کی سند میں وہم کیا ہے۔ انھوں نے یا تو عبداللہ کو گرا دیا ہے، یا اس کو کسی اور کے ساتھ بدل دیا ہے۔

اس روایت کو اعمش نے بیان کیا ہے اور اس سے اختلاف کیا گیا ہے۔

ابو معاویہ الضریر اور یحییٰ بن عیسیٰ نہشلی دونوں نے اس کو اعمش سے بیان کیا ہے، وہ عبداللہ بن خالد سے بیان کرتے ہیں، وہ عبدالرحمٰن بن معقل سے۔ اس کو ابو معاویہ نے مختصر بیان کیا ہے۔

ان دونوں کی مخالفت ابوبکر بن عیاش نے کی ہے، وہ اعمش سے بیان کرتے ہیں، وہ عبدالرحمٰن بن معقل سے، اس نے عبداللہ بن خالد کا سند سے واسطہ گرا دیا ہے اور یعقوب بن سفیان نے اس روایت کو معلقاً اعمش سے بیان کیا ہے۔ وہ عبداللہ بن عبداللہ بن خالد العنسی سے بیان کرتے ہیں، وہ عبدالرحمٰن ابن الاصبہانی سے، وہ عبداللہ بن معقل سے، عبدالرحمٰن بن معقل نہیں بلکہ عبداللہ بن معقل۔ اور العنسی کا ترجمہ پچھلے حاشیے میں گزر چکا ہے جبکہ ابو معاویہ اور النہشلی کا قول درست ہے۔

تخریج: اس روایت کو ابن ابی شیبہ نے (۷۱۳۲) میں بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں: ہمیں ابو معاویہ نے بیان کیا، وہ اعمش سے، وہ عبداللہ بن خالد سے، وہ ابن معقل سے۔ وہ کہتے ہیں: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مغرب میں قنوت کی۔

اسی طرح طبری نے تهذيب الآثار (٣٤٥/١، رقم: ٥٧٧) میں بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں: ہمیں ابو کریب نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں ابوبکر یعنی ابن عیاش نے، وہ کہتے ہیں: ہمیں اعمش نے، وہ عبدالرحمٰن بن معقل سے، وہ کہتے ہیں: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مغرب کی نماز پڑھائی جب تیسری رکعت سے سر اٹھایا تو کہا: اللہ! فلاں، فلاں اور فلاں پر لعنت کر۔

ابو بردہ اس وقت موجود تھے وہ بیان کرتے ہیں کہ وہ کہا کرتے تھے: اللہ کی قسم! پھر ابو سفیان کا نام لیتے تھے۔

اس روایت کو یعقوب بن سفیان نے المعرفة والتاريخ (١٠٥/٣) میں بھی معلق بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: اعمش نے عبداللہ بن عبداللہ بن خالد العنبسی سے روایت کی ہے، وہ عبدالرحمٰن سے، وہ عبداللہ بن معقل سے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے قنوت کی اور فلاں فلاں پر لعنت کی۔

[3] [رقم: ۳۱۳، ۳۱۴] روایات دیکھیں۔

چوتھا مبحث:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا اہلِ شام پر لعنت کرنے اور انھیں برا بھلا کہنے سے متعلق موقف

[313] صفوان بن عبداللہ بن صفوان بیان کرتے ہیں: صفین کے دن ایک شخص نے کہا: اے اللہ! اہلِ شام پر لعنت کر تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: سب اہلِ شام کو لعنت نہ کرو، ان میں تو ایسے لوگ بھی ہیں جو ان چیزوں کو ناپسند کرتے ہیں اور ان میں ابدال بھی موجود ہیں۔[1]

[314] محمد بن مروان سعیدی نے اپنی کتاب "المجالسة" میں بیان کیا ہے، جیسا کہ "تاریخ دمشق" میں ہے کہ عبداللہ بن زریر الغافقی بیان کرتے ہیں: انھوں نے علی رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اہلِ شام کو گالی نہ دو، کیونکہ ان میں ابدال ہیں اور ان کے ظالموں کو گالی دو۔[2]

یہ روایات دلیل ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنے متبعین کو لعنت اور گالی سے منع کرتے تھے۔

کبھی "گالی" کا معنی خطا کا بیان اور خطا کا ذکر ہے تو اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے منع نہیں کیا، بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کی اجازت دی، تاکہ حق واضح ہو جائے۔ اس پر جو اس سے جاہل ہو اور اہلِ شام کی

---

[1] الجهاد لابن المبارك (۱۹۲) اس کی سند موقوفاً صحیح ہے۔ [رقم: ۱۳۸] میں اس کی تخریج اور اس پہ کلام ہو چکا ہے۔

[2] تاریخ دمشق (۱/۳۳۵) یہ روایت صحیح ہے اور اس کے لیے سند متابعت کے ساتھ حسن ہے۔ اس کے رجال ثقہ ہیں۔

تخریج: اس روایت کو امام حاکم (۸۶۵۸) نے بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں: ہمیں احمد بن محمد بن سلمہ عنزی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عثمان بن سعید الدارمی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سعید بن ابی مریم نے، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں نافع بن یزید نے، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عیاش بن عباس نے بیان کیا کہ انھیں حارث بن یزید نے بیان کیا اور پھر انھوں نے روایت ذکر کی ہے اور اس میں ایک قصہ زائد بیان کیا ہے۔

امام حاکم کہتے ہیں: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے، لیکن امام بخاری اور مسلم اس کو نہیں لائے۔ حافظ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے اور علامہ البانی نے اس کو موقوفاً صحیح قرار دیا ہے۔ السلسلة الضعيفة (۱۰/۳۲۰، رقم: ۴۷۷۹) کے ضمن میں۔

خطا اور بغاوت کھل جائے، کیونکہ فتنے کے دنوں میں کبھی حق باطل کے ساتھ گڈ مڈ ہو جاتا ہے اور خطا درستی کے ساتھ مختلط ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت میں لوگوں کو تنبیہ کرنا اور حق واضح کرنا اچھا مقصد ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ان کے ظالموں کو گالی دو، تو اس کی تفصیل نصر کی روایت بیان کر رہی ہے جس کے واقعات جنگِ صفین کے دنوں میں ہوئے تھے۔

[315] عبداللہ بن شریک بیان کرتے ہیں کہ حجر بن عدی اور عمر بن الحمق براءت کا اظہار کرتے ہوئے نکلے اور اہلِ شام پر لعنت کرنے لگے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو بلا بھیجا اور کہا: اس کام سے باز آجاؤ، وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے: امیر المومنین! کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: کیوں نہیں؟ انھوں نے کہا: کیا وہ باطل پر نہیں ہیں؟ تو کہا: کیوں نہیں؟ پھر کہنے لگے: پھر آپ ہمیں ان کو گالی دینے سے کیوں منع کرتے ہیں؟ فرمایا: مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ تم لعنتیں کرنے والے، گالیاں دینے والے بنو، تبرے کرو، اگر تم ان کے بُرے اعمال کا ذکر کرو، ان کی سیرتوں کا ذکر کرو اور ان کے اعمال کا ذکر کرو تو یہ زیادہ بہتر اور زیادہ اچھا عذر ہوگا اور اگر تم لعنت اور تبرے کے بجائے یہ کہو کہ اللہ ہمارے اور ان کے خون بچا لے۔ ہمارے اور ان کے درمیان صلح کروا دے۔ انھیں گمراہی سے ہدایت دے دے، یہاں تک کہ ان پر حق اور جہالت واضح ہو جائے اور جو سرکشی اور بغاوت میں پڑا ہوا ہے وہ لوٹ آئے تو یہ مجھے زیادہ محبوب ہوگا اور یہ تمھارے لیے بہتر ہوگا تو وہ کہنے لگے: امیر المومنین! ہم آپ کا وعظ قبول کرتے ہیں اور آپ کا ادب کرتے ہیں۔[1]

[316] ابو حنیفہ دینوری نے اس روایت کو بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خبر پہنچی کہ حجر بن عدی اور عمر بن حمق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیتے ہیں اور اہلِ شام کو لعنت کرتے ہیں۔ آپ نے ان کو پیغام بھیجا کہ اس کام سے رُک جاؤ، وہ آئے اور کہنے لگے: ......۔[2] آگے اسی قصے کو ذکر کیا ہے۔

[317] "النهج البلاغة" میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کلام ہے کہ انھوں نے اپنے ساتھیوں کے ایک

---

[1] وقعة صفين (ص: ۱۰۲- ۱۰۳) یہ روایت مقبول ہے اور اس کی یہ سند ضعیف ہے۔

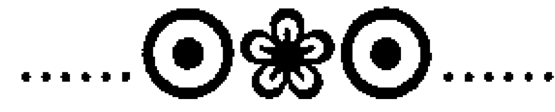
شواہد: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کی اصل موجود ہے جو سابقہ روایات میں گزر چکی ہے۔ وہ یہ ہے کہ انھوں نے اہلِ شام کو لعنت کرنے اور ان کو گالی دینے سے منع کیا تھا اور ان کی خطائیں بیان کرنے کی اجازت دی تھی۔

تخریج: اس روایت کو ابن اعثم نے کتاب الفتوح (۲/۵۴۳) میں بیان کیا ہے۔

[2] الأخبار الطوال (ص: ۱٦٥) سابقہ روایت کی طرح مقبول ہے۔

گروہ کو اہلِ شام کو جنگِ صفین کے دنوں میں گالیاں دیتے ہوئے سنا تو کہا: میں تو ناپسند کرتا ہوں کہ تم گالیاں دینے والے بنو، ہاں ان کے اعمال کا ذکر کرو، ان کے حالات کا ذکر کرو تو یہ زیادہ بہتر اور زیادہ اچھا عذر ہوگا، ......[1] پھر اس کو ذکر کیا۔

ان کا یہ کہنا: ''ان کے ساتھ جنگِ صفین کے دنوں میں'' اس واقعے کے وقت کی وضاحت ہے۔



[1] نهج البلاغة (۲/۱۸۵-۱۸۶، خطبة رقم: ۲۰۶) سابقہ روایت کی طرح مقبول ہے۔

پانچواں مبحث:

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا بہادرانہ موقف جس نے رومیوں کو ہلا کر رکھ دیا

معاویہ بن ابی سفیان روم کے بادشاہ کو بہت دفعہ ذلیل و رسوا کر چکے تھے اور کئی دفعہ انھیں تباہ کن شکستوں کا مزہ چکھا چکے تھے۔ آپ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قیساریہ، بیروت وغیرہ کو فتح کیا۔ تو ان فتوحات کی وجہ سے روم کا بادشاہ غیظ سے جلتا رہتا تھا، کیونکہ اس کو سب سے زیادہ تکلیف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے یہ تھی کہ انھوں نے قیساریہ کو فتح کیا ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کا محاصرہ کیا تھا اور ان سے شدید قتال کیا تھا، یہاں تک کہ اس کو فتح کر لیا، یہ بہت بڑی فتح تھی۔ اس معرکے اور محاصرے کی مدت میں بہت زیادہ رومی قتل ہوئے۔ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ روم کے ایک لاکھ لوگ قتل ہوئے۔[1]

فتنے کے دوران میں روم کے بادشاہ نے حضرت معاویہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی جنگ کے درمیان لڑائی کرنے کی کوشش کی۔ اس کی خواہش یہ تھی کہ جو زمینیں مسلمان فتح کر چکے ہیں وہ واپس لے لی جائیں۔ اس کے لیے اس نے بہت بڑی فوج تیار کی اور اسے متحرک کرنے لگا، ابھی وہ اس کو متحرک کرنے ہی والا تھا اور کسی مسلمان ملک کی طرف لے جانے ہی والا تھا کہ اس کی خبر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تک پہنچ گئی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو ایک شدید قسم کا خط لکھا جس میں بہت ڈانٹ تھی۔

آپ نے کہا: اے لعین! اللہ کی قسم! اگر تو باز نہ آیا اور اپنے ملک میں واپس نہ گیا، تو میں اور میرے چچا زاد[2] صلح کر لیں گے اور تجھے تمام شہروں سے نکال دیں گے اور تجھ پر زمین تنگ کر کے رکھ دیں گے۔

اس خطاب سے رومی بادشاہ بہت زیادہ گھبرا گیا اور اپنی فوجوں کے ساتھ پسپائی اختیار کر لی اور

---

[1] تاريخ الطبري (٢/٤٤٦) البداية والنهاية (٧/٦٣) معاوية بن أبي سفيان للصلابي (ص: ٤٩)

[2] ان کی مراد سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح طلب کرنے لگا۔[1] اس روایت کو ابن کثیر رحمہ اللہ بغیر سند کے لائے تھے، نہ ہی اس کا مصدر انھوں نے ذکر کیا تھا، پھر مجھے اس کی سند مل گئی۔

[318] ابو القاسم زجاجی[2] اس روایت کو لائے ہیں، انھوں نے کہا کہ ہمیں ابو محمد عبداللہ بن مالک الضریر[3] نے بیان کیا، کہا: مجھے ثعلب[4] نے عمر بن شبہ[5] سے بیان کیا: حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کا ایک جاسوس بلادِ روم میں تھا۔ اس نے آپ کو خط لکھا کہ یہ زانیہ کا بیٹا[6] اپنی مجلس میں کہتا ہے کہ یہ وقت ہے جس میں، میں عربوں کی جڑ کاٹ دوں گا، کیونکہ ان میں اختلاف ہو گیا ہے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو خط لکھا اور قسم اٹھا کر کہا کہ اگر تو نے ایسا کوئی عزم کیا جیسا تو نے اپنی مجلس میں ظاہر کیا ہے تو میں اپنے ساتھی سے صلح کر لوں گا اور اس لشکر کا مقدمہ تیری طرف لے جاؤں گا اور پھر قسطنطنیہ تک پہنچ جاؤں گا اور جرامقہ قوم کو فتح کروں گا۔ تجھے خادم بنا کے رکھ دوں گا، جیسے تو پہلے خنزیر چرایا کرتا تھا۔ اس پہ ملک روم نے آپ کو خط لکھا جس میں قسم اٹھائی کہ اگر میں نے ایسا کوئی ارادہ کیا ہو تو میں عیسائیت سے بری ہو کر دینِ حنیف (اسلام) میں داخل ہو جاؤں۔ اس نے کہا: میں نے ایسا نہ کوئی ارادہ کیا ہے، نہ کوئی ایسی بات کی ہے، پھر اس نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بہت سے تحائف بھیجے، ان میں اکثر تحائف الیزبون[7] تھے۔

---

[1] البداية والنهاية لابن كثير (١٢٧/٨) سيرة علي رضي الله عنه للصلابي (ص: ٤٨٩)

[2] شیخ العربیہ، ابو القاسم عبدالرحمٰن بن اسحاق الزجاجی النہاوندی البغدادی النحوی۔ ان کی ایک کتاب "الجمل" کے نام سے ہے اور ایک کتاب کا نام "الإيضاح في علل النحو" ہے۔ ابو اسحاق ابراہیم بن السری زجاج کی بہت زیادہ صحبت رکھنے کی وجہ سے ان کو زجاجی کہا جاتا ہے۔ مزید دیکھیے: طبقات النحويين واللغويين (ص: ١١٩) تاريخ بغداد (١١٦/٢١) تاريخ دمشق (٢٠٢/٣٤) إنباه الرواة على أنباه النحاة (١٦٠/٢) وفيات الأعيان (١٩١/٢٥) تاريخ الإسلام (١٩١/٢٥) سير أعلام النبلاء (٤٧٥/١٥) الأعلام (٢٩٩/٣)

[3] امام خطیب نے تاریخ بغداد (١٧٨/١٠) میں اس کا تعارف پیش کیا ہے۔

[4] احمد بن یحییٰ بن زید بن سیار، ابو العباس النحوی الشیبانی مولاہم، یہ ثعلب کے نام سے معروف ہیں اور نحو اور لغت میں کوفیوں کے امام ہیں۔ امام دارقطنی، خطیب، مسلمہ بن قاسم الاندلسی نے اس کی توثیق کی ہے۔ سؤالات السلمي للدارقطني (٢٦)، تاريخ بغداد (٤١٤/٥) الثقات ممن لم يقع في الكتب الستة (١٣٢/٢)

[5] عمر بن شبہ بن عبیدہ نمیری ابو زید البصری النحوی الاخباری۔ یہ صدوق ہیں۔ التقریب (٤٩١٨)

[6] روم کے بادشاہ کا ارادہ تھا۔

[7] أخبار أبي القاسم الزجاجي (ص: ٩٨- ٩٩) خبر قرائن کے ساتھ مقبول ہے، اس کی سند منقطع ہے۔
شواہد اور قرائن: رومی بادشاہ کا فتنے کے زمانے میں اس طرح کی حرکتیں کرنا تو معروف ہے۔

......⊙❀⊙......

← مورخین کے ہاں دوسرا قرینہ یہ ہے کہ رومی بادشاہ ان فتنوں میں جنگ کرنے میں حریص تھا تا کہ اس کے مقاصد پورے ہوسکیں۔

شواہد: اس روایت کے شواہد بھی ہیں۔

امام طبری اپنی التاریخ (٢٦٦/٣) میں روایت لائے ہیں۔ حرملہ بن عمران بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک رات یہ خبر آئی کہ قیصر نے اپنے لوگوں کے ساتھ مل کر ان کی طرف (حملے کی غرض سے) آنے کا قصد کر لیا ہے، ...... پھر راوی نے ذکر کیا کہ انھوں نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا اور اس میں مکمل تفصیل ہے۔ اس قصے کا سیاق یہی دلالت کرتا ہے کہ یہ واقعہ جنگِ جمل کے بعد کا ہے۔

اس کے راوی ثقہ ہیں، البتہ حرملہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دور میں موجود نہیں تھے۔ لیکن محققین نے اس روایت کو صحیح تاریخ الطبري (٤٠/٤) میں بیان کیا ہے۔

اسی طرح ابوحنیفہ دینوری نے الأخبار الطوال (ص: ١٥٠) میں ذکر کیا ہے اور اس میں یہ الفاظ زائد ہیں کہ جمل کے بعد امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے جریر بن عبداللہ کو اپنا خط دے کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا اور انھیں بیعت کی طرف بلایا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خط پڑھا، اس میں تھا کہ میری بیعت ان لوگوں نے کی ہے جنھوں نے حضرت ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم کی بیعت کی تھی تو کسی موجود کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنی مرضی سے اختیار کرے، یا کوئی غائب اپنی مرضی سے رد کر دے۔ اس معاملے میں حکم مہاجرین و انصار کا ہی چلے گا۔ جب وہ کسی بندے پر اجتماع کر لیں اور اسے امام قرار دے دیں تو یہ اللہ تعالیٰ ہی کی رضا ہوگی۔ پھر اس میں ذکر کیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا تو ان سے کہا: قیصرِ روم نے اپنی فوج جمع کر رکھی ہیں تا کہ ہماری طرف آئے اور شام میں ہم سے جنگ کرے۔

یہ جو ابوحنیفہ نے روایت ذکر کی ہے اس کو نصر بن مزاحم نے وقعة صفين (ص: ٣٤- ٣٧) میں عمر بن سعد سے اور محمد بن عبیداللہ سے ذکر کیا ہے، وہ دونوں کہتے ہیں: آگے پھر اسی کے مطابق روایت ذکر کی ہے۔

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف خط کا ذکر گزر چکا ہے۔ [رقم: ٢٨٧]

زبیر بن بکار نے الأخبار الموفقيات (ص: ٢٥٠- ٢٥٢) میں روایت بیان کی ہے کہ عبداللہ بن ابی عبیدہ بن محمد بن حماد بن یاسر بیان کرتے ہیں کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے، پھر انھوں نے اس کے مطابق ایک لمبی روایت بیان کی ہے، پھر انھوں نے ذکر کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ سے رومی بادشاہ کے شام پر حملے کو روکنے کے حوالے سے مشورہ کیا۔

تخریج: اس روایت کو خطابی نے غريب الحديث (٥٣٥/٢) میں، زمخشری نے الفائق في غريب الحديث (٤٦/١) میں، ابن الاثیر نے النهاية في غريب الحديث والأثر (٣٨/١) میں ابن کثیر اور زجاجی کی مثل روایت کیا ہے۔

مزید دیکھیے: مجموعة الوثائق الساسية للعهد النبوي والخلافة الراشدة (ص: ٥٤٤)

چھٹا مبحث:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ اہلِ شام سے باغیوں والا معاملہ کرتے تھے

سیدنا علی رضی اللہ عنہ اہلِ شام کی تکفیر کرتے تھے نہ ہی بھاگنے والے کا پیچھا کرتے تھے۔ کسی زخمی کو تلوار مار کے شہید کرتے تھے نہ ہی ان سے غنیمت لیتے تھے اور نہ ہی ان کے قیدیوں کو قتل کرتے تھے۔ اور یہی باغیوں کے احکامات ہیں۔

[**319**] ریاح بن حارث بیان کرتے ہیں کہ میں جنگِ صفین میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھا۔ میرا گھٹنا ان کے گھٹنے کو مس کر رہا تھا تو ایک شخص کہنے لگا: اہلِ شام نے کفر کیا سیدنا عمار رضی اللہ عنہ نے کہا: ایسا نہ کہو، ہمارا اور ان کا نبی ایک ہے، ہمارا اور ان کا قبلہ ایک ہے، لیکن یہ ایسی قوم ہے جو فتنے میں مبتلا ہوگئی ہے اور حق سے ہٹ گئی ہے، تو ہم پر لازم ہے کہ ہم ان سے قتال کریں یہاں تک کہ حق کی طرف واپس لوٹ آئیں۔[1]

---

[1] مصنف ابن أبي شیبہ (۳۸۹۹۶) یہ روایت صحیح ہے اور رجالِ سند ثقہ ہیں۔

خبر میں اختلاف: یہ روایت دو الفاظ کے ساتھ بیان ہوئی ہے:

اوّل: ''یہ قوم فتنے میں پڑ گئی ہے۔'' یہ الفاظ راویِ حدیث حسن بن حکم نے ریاح بن حارث نخعی سے بیان کیے ہیں۔

دوم: ''لیکن تم کہو کہ انھوں نے فسق کیا اور ظلم کیا۔'' یہ الفاظ حنش بن الحارث اور عبداللہ بن ریاح القرشی نے ریاح بن حارث النخعی سے بیان کیے ہیں۔

- حنش نے پہلے حسن بن حکم سے الفاظ بیان کیے ہیں۔ پھر حنش کو شک ہو گیا ہے کہ کیا پہلے الفاظ انھوں نے ریاح سے خود سنے ہیں؟
- اس کی سند میں یحییٰ بن سلیمان الجعفی کو وہم ہوا ہے۔
- اور اس کی مطبوعات میں موجود سندوں میں عبداللہ بن ریاح عن ریاح بن حارث والی روایت میں سوائے ''مصنف ابن أبي شیبة'' اور ''تلخیص المتشابة'' کی روایت کے تصحیفات ہوئی ہیں۔

تخریج: اس روایت کو یعقوب بن شیبہ اپنی ''مسند'' میں لائے ہیں، جیسا کہ تاریخ دمشق (۳۴۸/۱) میں ہے کہ ہمیں یزید نے بیان کیا۔ اسی طرح محمد بن نصر المروزی اسے اپنی کتاب تعظیم قدر الصلاۃ (۵۹۸) میں لائے ہیں: ←

[320] حنش بن حارث ایک شیخ سے بیان کرتے ہیں جس کو ریاح کہا جاتا ہے، اس نے کہا کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے کہا: تم یہ نہ کہو کہ اہلِ شام نے کفر کیا، بلکہ تم کہو کہ انھوں نے فسق کیا اور ظلم کیا۔[1]

← وہ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن یحییٰ ذہلی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن عبید بن ابی امیہ الطنافسی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں حسن نے بیان کیا، اس روایت کی ابتدا میں ہے کہ میں وادی ظمی میں تھا اور میرا گھٹنا۔۔۔

پھر اسی کتاب (۵۹۹) میں اس روایت کو یعقوب بن شیبہ لائے ہیں، وہ کہتے ہیں: ہمیں محمد بن یحییٰ نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں قبیصہ نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں سفیان نے بیان کیا، پھر اسی روایت کو مختصراً بیان کرتے ہیں۔

نیز یعقوب بن شیبہ اپنی ''مسند'' میں روایت لائے ہیں جیسا کہ تاریخ دمشق (۳۴۷/۱ - ۳۴۸) میں ہے:

وہ کہتے ہیں: ہمیں ابونعیم فضل بن دکین نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں حنش یعنی ابن الحارث نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں الحسن بن الحکم النخعی نے بیان کیا، وہ ریاح بن الحارث سے بیان کرتے ہیں۔ حنش کہتے ہیں: میرا خیال ہے کہ میں نے یہ الفاظ ریاح بن الحارث سے سنے تھے کہ اہلِ کوفہ کے ایک شخص نے کہا: اہلِ شام نے کفر کر لیا ہے۔ اس طرح حنش نے ان کے اور ریاح کے درمیان ''حسن بن حکم'' کو داخل کر دیا ہے اور اس کو شک ہے اس خبر کے بعینہٖ یہ الفاظ ریاح سے سننے میں۔

درست یہ ہے کہ یہ الفاظ حنش نے ابن الحکم سے سنے ہیں لیکن ریاح سے نہیں سنے۔ مراد یہ خاص الفاظ ہیں، کیونکہ ''وہ مفتون قوم ہے'' حسن بن حکم کے الفاظ ہیں جنھیں وہ ریاح سے بیان کرتا ہے، جبکہ حنش کی ریاح سے بغیر واسطہ کی روایت یوں ہے جس میں الفاظ ہیں: ''تم یوں کہو: انھوں نے فسق کیا اور ظلم کیا'' وہ اگلی روایت [رقم: ۳۲۰] ہے جو آگے آرہی ہے۔

پھر اسی روایت کو یعقوب بن شیبہ نے اپنی ''مسند'' میں بیان کیا ہے جیسا کہ تاریخ دمشق (۳۴۷/۱) اور بغیة الطلب (۳۰۳/۱) میں ہے۔ وہ کہتے ہیں: ہمیں ابن الاصبہانی نے بیان کیا جو محمد بن سعید ہیں، وہ کہتے ہیں: ہمیں شریک نے حنش سے بیان کیا، وہ ریاح بن الحارث سے بیان کرتے ہیں۔ انھوں نے ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے کہ ''یہ قوم مفتون ہے۔'' اور یہ وہم ہے، کیونکہ درست بات یہی ہے کہ حنش اور ریاح کے درمیان واسطہ موجود ہے اور وہ ہے ''حسن بن حکم'' کا، جیسا کہ اس کا بیان تھوڑی دیر پہلے گزر چکا ہے، لہٰذا یہ الفاظ ابن الحکم کے الفاظ ہیں اور بس۔

دیکھیں: مسند یعقوب بن شيبة: موارد ابن عساكر في تاريخ دمشق (۵۸۷/۱)

[1] مصنف ابن أبي شيبة (۳۸۹۹۷) اس کی سند صحیح ہے، اس کے راوی ثقہ ہیں۔ حنش بن الحارث بن لقیط النخعی الکوفی۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ تحرير التقريب (۳۳۲/۱) میں ہے: بلکہ یہ ثقہ ہے۔ اس کو ابونعیم فضل، یعقوب، ابن سعد، العجلی اور ابن خلفون نے ثقہ کہا ہے۔ امام ابو حاتم کہتے ہیں: یہ صالح الحدیث ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔ ابن حبان نے اس کو ''ثقات'' میں ذکر کیا ہے۔ ریاح سے مراد ابن الحارث ابو المثنی النخعی الکوفی ہیں۔

تخریج: اس روایت کو یعقوب بن شیبہ اپنی ''مسند'' میں لائے ہیں، جیسا کہ تاریخ دمشق (۳۴۶/۱) اور بغیة الطلب (۳۰۳/۱) میں ہے۔ ابن دیزیل اپنی کتاب صفین (رقم: ۱۱۸، میری جمع و تحقیق کے مطابق) میں لائے ہیں جیسا کہ تاریخ دمشق (۳۴۷/۱) میں وکیع کی سند سے ہے۔

اس مقام پر ''فسق'' کا لفظ اپنے لغوی معنی میں ہے اور وہ ہے: اطاعت اور ولی الامر سے خروج۔[1]

سو اہلِ شام نے خلیفہ کے اتحاد سے خروج کیا اور اس کے حکم سے خروج کیا اور ظلم سے مراد خلیفہ پر بغاوت ہے لیکن وہ مجتہد تھے ان کو اجر دیا گیا۔

حافظ نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہ روایات صریح ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی حق پر اور درست تھے اور دوسرا گروہ جو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا گروہ تھا وہ باغی تھے، لیکن تاویل کرنے والے تھے، اس میں تصریح ہے کہ دونوں گروہ مومن ہیں، وہ قتال کرنے سے ایمان سے نہیں نکلیں گے اور نہ ہی وہ فاسق ہوں گے۔ یہ ہمارا مذہب ہے۔[2]

← اس کو ابن ابی شیبہ اپنی مصنف (۳۸۹۹۸) میں لائے ہیں۔ یعقوب بن شیبہ اپنی ''مسند'' میں جیسا کہ تاریخ دمشق (۳۴٦/۱) میں ہے۔ امام مروزی اس کو تعظیم قدر الصلاۃ (٦۰۰) میں، امام بیہقی الکبری (١٦٧٢١) میں اور انہی کی سند سے ابن عساکر (۳۴٦/۱-۳۴۷) لائے ہیں۔

خطیب نے یہ روایت تلخیص المتشابه في الرسم (۱۹۷/۱) میں ''مسعر بن کدام عن عبداللہ بن رباح عن رياح بن الحارث'' کی سند سے ایسے ہی ذکر کیا ہے۔ اس کے راوی ثقہ ہیں سوائے عبداللہ بن رباح کے اور یہ ابو رباح القرشی الکوفی ہے۔ اس سے امام بخاری اور ابو حاتم نے سکوت کیا ہے۔ اس کو ابن حبان نے ''الثقات'' میں ذکر کیا ہے لیکن حنش کی طرف سے اس کی متابعت ہوئی ہے۔

تعظیم قدر الصلاۃ، سنن البیهقي اور تاریخ دمشق میں اس روایت کی سند میں تصحیف ہوئی ہے جس کی ''تلخیص المتشابه'' سے تصویب کی گئی ہے۔ بعض مواقع پہ تصحیف یوں ہوئی ہے: (عن مسعر، عن عبداللہ بن رياح عن عمار) جبکہ درست (عن عبداللہ عن رياح) ہے جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے۔

عبداللہ بن رباح القرشی کا تعارف: التاریخ الکبیر (۸۵/۵) الجرح والتعدیل (۵۲/۵) الثقات (۳٤/۷) تلخیص المتشابه في الرسم (۱۹۷/۱) الثقات ممن لم یقع في الکتب الستة (١٤/٦)

اس روایت کو ابن دیزیل نے (اپنی کتاب صفین، رقم: ١١٧) (میری جمع وتحقیق کے مطابق) میں جیسا کہ یہ روایت تاریخ دمشق (۳٤٧/۱) میں یحییٰ بن سلیمان جعفی نے بیان کی، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یعلیٰ نے مسعر بن کدام سے، وہ عبداللہ بن رباح بن حارث النخعی سے اور وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ عمار بن یاسر نے کہا، پھر آگے یہ روایت ذکر کی۔ تو یہ یحییٰ بن سلیمان کا وہم ہے کہ اس نے عبداللہ بن ریاح کو (باء کے ساتھ) لکھا اور یہ ریاح کا بیٹا ہے۔ دیکھیں: کتاب صفین از ابن دیزیل: موارد ابن عساکر في تاریخ دمشق (۳۹۸/۱)

[1] لسان العرب (۳۰۸/۱۰) مادة: فسق.

[2] المنهاج شرح صحیح مسلم (١٦٨/٧)

[321] سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں صفین میں حاضر ہوا، وہ کسی زخمی کو تلوار نہیں مارتے تھے اور نہ ہی کسی بھاگنے والے کا پیچھا کرتے تھے اور نہ ہی کسی مقتول کا مالِ غنیمت اٹھاتے تھے۔ [1]

آگے خوارج کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مناظرے میں آ رہا ہے کہ انھوں نے خوارج سے کہا: یہ جوتم کہتے ہو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتال کیا لیکن نہ کسی کو قیدی بنایا اور نہ ہی مالِ غنیمت لیا۔ [2]

[322] ہمیں ابو الحسن محمد بن عبدالواحد بن محمد بن جعفر [3] نے بیان کیا، کہا: ہمیں عمر بن محمد الناقد [4] نے بیان کیا، کہتے ہیں: ہمیں احمد بن حسن بن عبدالجبار صوفی [5] نے بیان کیا، کہتے ہیں: ابو زکریا یحییٰ بن یوسف الزمی نے بیان کیا: ہم سفیان کے پاس تھے تو ان کے پاس ایک بلخی آیا اور لکھنے لگا: سفیان نے تختی پر

---

[1] مصنف ابن أبي شيبة (٣٣٩٥٣) اس کی سند صحیح ہے۔ ابو امامہ سے مراد: صدی بن عجلان الباہلی ہیں۔ بغية الطلب في تاريخ حلب (٤٣٢٨/١٠)

تخریج: اس روایت کو حاکم (٢٦٦٠) نے بیان کیا ہے اور ان سے بیہقی نے السنن الكبرى (١٦٧٥٣) میں بیان کیا ہے اور اسی طرح معرفة السنن والآثار (١٦٤٩٢) میں حارث بن ابی اسامہ کی سند سے بیان کیا ہے۔

اسی طرح لالکائی نے شرح أصول الاعتقاد (٢٠١٤) میں عباس بن محمد الدوری سے بیان کیا ہے۔

یہ دونوں جعفر بن برقان سے بیان کرتے ہیں۔ حارث (يطلبون) کے بجائے (ولا يقتلون موليا) کے لفظ بولتے ہیں۔

امام حاکم کہتے ہیں: اس باب میں یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور اس کا ایک صحیح شاہد ہے۔ ذہبی کہتے ہیں: یہ روایت صحیح ہے اور اس کو امام ابن کثیر اور علامہ البانی نے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھیے: إرشاد الفقيه لابن كثير (٢٨٩/٢) إرواء الغليل (٢٤٦٣)

[2] [رقم: ۴۸۲] روایت دیکھو۔

[3] المعروف بابن زوج الحرة، امام خطیب کہتے ہیں: ہم نے ان سے لکھا ہے، یہ سچے آدمی تھے۔ متوفی: ۴۴۲ھ۔ دیکھیے: تاريخ بغداد (١٦٤/٣) تاريخ الإسلام (٧١/٣٠) الثقات ممن لم يقع في الكتب الستة (٤٤٤/٨) ترجمة: (١٠١٧٦)

[4] شیخ، حافظ، ثقہ، ابوحفص عمر بن محمد بن علی بن یحییٰ بغدادی، ابن الزیات، الناقد، امام دارقطنی نے ایک دفعہ ان کو صدوق اور ایک دفعہ ثقہ کہا ہے۔ ابن ابی الفوارس اور العتیقی نے بھی ان کو ثقہ کہا ہے۔ تاريخ الإسلام (٥٧٩/٢٦) سير أعلام النبلاء (٣٢٣/١٦) الدليل المغني لشيوخ الدارقطني (٣٤٨)

[5] الشیخ المحدث الثقہ المعمر ابوعبداللہ احمد بن الحسن بن عبدالجبار بن راشد بغدادی الصوفی الکبیر ایک جماعت نے ان کی توثیق کی ہے، ان میں الدارقطنی، الخطیب وغیرہ ہیں۔ متوفی: ۳۰۶ھ۔ اس کی تفصیل منصوری کی کتب میں دیکھیں۔

اس کا تعارف ملاحظہ ہو: سير أعلام النبلاء (١٥٢/١٤) الثقات ممن لم يقع في الكتب الستة (٣١٠/١) إرشاد القاصي والداني إلى شيوخ الطبراني (٨٢)

قلم چلنے کی آواز سنی تو ان کی طرف توجہ کی اور اس کی تختی لے لی اور کہنے لگے: کیا میرے پاس لکھا جائے گا؟ ہم نے اس سے کہا: خاموش ہو جا۔ جب وہ حدیث سے فارغ ہوئے اور اپنی مجلس سے اٹھنے لگے تو اس بندے سے کہا: بلخی! بات سن، کیا تو جانتا ہے میری اور آپ کی مثال کیا ہے؟ کہنے لگا: نہیں جانتا تو حضرت نے کہا: ہمیں عمرو بن دینار نے بیان کیا، انھوں نے ابو فاختہ سعید بن علاقہ سے سنا، وہ کہتے ہیں: مجھے میرے ہمسائے نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس صفین کے دن ایک قیدی لایا، وہ قیدی کہنے لگا: مجھے باندھ کر مت مارنا، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: میں آپ کو باندھ کر نہیں ماروں گا۔ میں اللہ سے ڈرتا ہوں، کیا تو بیعت کرتا ہے۔ کیا تیرے اندر کوئی خیر ہے؟ وہ کہنے لگا: جی ہاں، میں بیعت کرتا ہوں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے کہا جو اس کو لایا تھا: اس کا اسلحہ لے لو۔ سفیان کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے مالِ غنیمت نہیں بنایا، کیونکہ مسلمان کا مال حلال نہیں ہے۔ البتہ انھوں نے یہ کہا: اس کا اسلحہ لے لو، تاکہ وہ دوسری دفعہ ہم سے نہ لڑے، یہاں تک کہ جنگ رُک جائے۔ تو میں نے آپ کا اسلحہ، یعنی آپ کی تختی لے لی تھی۔ اب میں آپ کو واپس کر رہا ہوں۔[1]

---

[1] الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع للخطيب بغدادي (١/٢٢٩، رقم: ٤٤٤) یہ روایت مقبول ہے اور اس سند کے رجال ثقہ ہیں، سوائے ایک مبہم بندے کے۔ الزمی ثقہ ہے۔ التقریب (٧٦٨٠)
سفیان سے مراد: ابن عیینہ ہے اور ابن عیینہ کا بلخی کے ساتھ قصہ صحیح السند ہے۔

شواہد: اس روایت میں بیان ہوا ہے کہ اسیروں کو قتل نہیں کیا جائے گا اور باغیوں سے مالِ غنیمت نہیں لیا جائے گا۔
اس کا شاہد ابو امامہ کا قول ہے، وہ کہتے ہیں: میں صفین میں حاضر ہوا... اور دیکھیں سابقہ روایت جو پیچھے [رقم: ٣٢١] گزر چکی ہے۔
اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہما کا خوارج کے ساتھ مناظرہ دیکھیں جس میں انھوں نے کہا ہے کہ یہ جو تم نے کہا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے قتال کیا لیکن نہ کسی کو قیدی بنایا اور نہ مالِ غنیمت اکٹھا کیا۔ [رقم: ٤٨٢]

تخریج: یہ روایت امام شافعی نے الأم (٤/٢٣٧) میں، عبدالرزاق (١٨٥٩٢) نے، سعید بن منصور (٢٩٥١) نے، ابن ابی شیبہ (٣٣٩٦٥) نے، بیہقی نے الکبری (١٦٧٥٤) میں اور معرفة السنن والآثار (١٦٤٩٥) میں اور رامہرمزی نے المحدث الفاصل بین الراوي والواعي (ص: ٥٨٠) میں سفیان بن عیینہ کی سند سے بیان کی ہے۔
اسی طرح اس روایت کو ابن دیزیل نے اپنی کتاب صفین (رقم: ١٣٣، میری جمع وتحقیق کے مطابق) میں بیان کیا ہے، جیسا کہ بغیہ الطلب (١/٣٠١) اور (١٠/٤٥٥٨) میں ہے۔
وہ کہتے ہیں: ہمیں یحییٰ جعفی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: مجھے سفیان بن عیینہ نے بیان کیا، وہ عمرو بن دینار سے بیان کرتے ہیں، وہ ابو فاختہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس صفین کے دن ایک قیدی لایا، ←

[323] ابوجعفر بیان کرتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس صفین کے دن جب کوئی قیدی لایا جاتا تو اس کی سواری لے لیتے اور اس کا اسلحہ لے لیتے اور اس لیے لیتے تاکہ وہ دوبارہ ایسا کام نہ کرے، پھر اس کا رستہ چھوڑ دیتے۔ ①

مراد یہ ہے کہ اس سے وعدہ لیتے کہ اب دوبارہ قتال نہیں کرے گا جب وہ وعدہ کر لیتا تو اس کو چھوڑ دیتے، یعنی اس کی بیڑیاں کھول دیتے۔

[324] یزید بن بلال بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ صفین میں تھا جب ان کے پاس کوئی قیدی لایا جاتا تو وہ کہتے: میں آپ کو باندھ کر نہیں ماروں گا، میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں، جب وہ کسی اسیر کو پکڑتے تو اس کا اسلحہ لے لیتے اور اس سے قسم لیتے کہ وہ دوبارہ قتال نہیں کرے گا، پھر اس کو درہم دیتے اور اس کا راستہ چھوڑ دیتے۔ ②

آگے روایت آرہی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اہلِ شام کے مقتولین کے لیے استغفار کیا اور ان کے لیے جنت کی گواہی دی۔ ③

اس روایت میں درہم دینے کا ذکر آیا ہے، تو یہ اس لیے دیتے تھے تاکہ وہ شام کی طرف جاتے ہوئے زادِ راہ بنا سکے، کیونکہ اس نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے معاہدہ کر لیا ہے کہ وہ دوبارہ قتال نہیں کرے گا لہٰذا اب دوبارہ اس کا شامی لشکر میں داخل ہونا ممکن نہیں ہے۔

← اس طرح جو شخص قیدی لایا تھا، وہ ابو فاختہ خود تھا لیکن یہ بات شاذ ہے، کیونکہ اس میں یحییٰ نے ثقات کی مخالفت کی ہے۔ یحییٰ سے مراد: یحییٰ بن سلیمان الجعفی ہے جو صدوق تو ہے مگر خطا کرتا ہے۔

① مصنف ابن أبي شيبة (٣٣٩٤٤) یہ سند اور متن کے ساتھ مکرر آئی ہے۔ یہ سابقہ روایت کی طرح مقبول ہے لیکن یہ سند ضعیف ہے، کیونکہ شریک النخعی ضعیف ہے اور ابن اسحاق کا عنعنہ ہے اور ابوجعفر نے اس میں ارسال کیا ہے۔ ابوجعفر سے مراد: محمد الباقر بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب ہیں۔

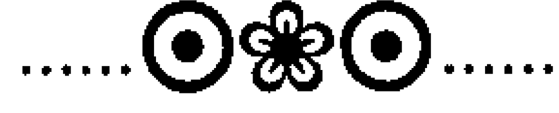
② الکنیٰ والأسماء للدولابي (٧٧٣/٢، رقم: ١٣٤١) یہ سابقہ روایت کی طرح مقبول ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔ یزید بن بلال ضعیف ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں: منکر الحدیث ہے۔ علی رضی اللہ عنہ سے ایسی روایات بیان کرتا ہے جو ان کی روایات کے مشابہ نہیں ہیں، اس سے حجت لینا جائز نہیں جب منفرد ہو اور جب کسی معاملے میں اس کو بطور اعتبار لیا جائے، اور ثقات کی موافقت کر رہا ہو تو ایسی صورت میں روایت لینے میں حرج نہیں لیکن حجت نہیں لی جائے گی۔ میں کہتا ہوں کہ اس کی متابعت کی گئی ہے۔ دیکھیے: المجروحین لابن حبان (١٠٥/٣) التقريب (٧٦٩٦)

تخریج: اس روایت کو ابن ابی شیبہ (٣٩٠١٦) نے محمد بن عبداللہ اسدی، حدثنا کیسان سے ایسے ہی بیان کیا ہے۔

③ [رقم: ٣٩٣، ٣٩٤، ٣٩٥] روایات دیکھیں۔

اور راستہ چھوڑنے سے مراد یہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس کا راستہ تبھی چھوڑتے تھے، جب اس سے وعدہ لے لیتے تھے کہ وہ اب قتال نہیں کرے گا اور اس پر قسم دے گا۔

علی رضی اللہ عنہ نے ہر دفعہ قیدیوں کے ساتھ یہی کیا، تا کہ فتنہ ختم ہو جائے۔



ساتواں مبحث:

صفین میں جنگ بھڑکنا

① مکمل لڑائی سے اجتناب اور محرم کے دوران باہمی صلح

فریقین مکمل جنگ سے اجتناب کر رہے تھے، کیونکہ ہلاکتوں کا خدشہ تھا۔ انھوں نے جنگ اس صورت میں جاری رکھی کہ چھوٹے چھوٹے دستے لڑتے تھے، یا افرادی مبارزات جاری تھیں۔ ذی الحجہ ۳۶ھ کا پورا مہینا ایسا ہی رہا۔ پھر جب ۳۷ھ کا محرم آیا تو انھوں نے باہم معاہدہ کر لیا اور محرم کے مہینے میں قتال روک دیا، تاکہ صلح کی کوئی سبیل بن جائے۔ اس دوران میں ان کے درمیان آپس میں مراسلے اور مباحثات چلتے رہے لیکن یہ تمام تر کوششیں کامیاب نہ ہوسکیں۔ یہاں تک کہ محرم گزر گیا اور ماہِ صفر داخل ہو گیا، یہاں قتال دوبارہ چھوٹے دستوں کی صورت میں اور مبارزات کی صورت میں شروع ہو گیا۔ ایک ہفتہ اسی حالت میں گزرا۔

[325] امام طبری بیان کرتے ہیں کہ پھر سنہ ۳۷ھ شروع ہوا۔ اس سال محرم کی ابتدا میں سیدنا علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جنگ بندی رہی۔ انھوں نے اس دوران میں جنگ بندی اس لیے کی تھی، تاکہ صلح کی کوئی سبیل بن سکے۔[1]

② مکمل مڈھ بھیڑ

محرم کا مہینہ گزرنے کے بعد صفر کے پہلے دن سے ہی دوبارہ جنگ شروع ہوگئی۔ لیکن ابھی تک دونوں فریق مکمل جنگ سے پرہیز کر رہے تھے، تاکہ زیادہ ہلاکتیں نہ ہوں اور صلح کی کوئی سبیل نکل جائے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو محسوس ہوا کہ جنگ لمبی ہو رہی ہے اور اہلِ شام کی طرف سے صلح کے کوئی آثار بھی نظر

---

[1] تاريخ الطبري (۷۹/۳) یہ روایت اپنے قرائن کے ساتھ مقبول ہے۔
قرائن: ''محرم کی صلح'' مورخین کے ہاں مشہور ہے۔ اور دوسرا قرینہ اس کا یہ ہے کہ صحیح روایات کے مطابق صفر کے مہینے میں مکمل جنگ شروع ہوئی تھی۔

نہیں آ رہے، کیونکہ وہ اس پر اصرار کر رہے تھے کہ بیعت سے پہلے قصاص لیا جائے گا تو اس وقت سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے حکم جاری کیا کہ کل یعنی بدھ کے روز ۸/صفر ۳۷ھ[1] میں مکمل جنگ شروع ہو جائے گی۔ آپ نے اپنے لشکر کو اس کے لیے تیار کر لیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر تک بھی اس کی خبریں پہنچ گئیں تو انھوں نے بھی تیاری کا حکم دے دیا۔

بدھ کی صبح ایک شدید جنگ شروع ہوئی اور غروبِ شمس تک چلتی رہی۔ پھر اگلے دن جمعرات کے دن ۹/صفر کو صبح سے لے کر سورج غروب ہونے تک جنگ جاری رہی۔ اس دن لڑائی پچھلے دن سے بھی زیادہ سخت تھی۔ جنگ جاری رہی یہاں تک کہ بروز جمعہ ۱۰/صفر کا سورج طلوع ہوا، اس رات کو لیلۃ الہریر[2] کا نام دیا گیا۔ اس طرح مکمل جنگ کی مجموعی گھڑیاں (گھنٹے) تقریباً ۳۵ سے ۳۸ بنتی ہیں۔

جمعہ کی رات کی جنگ سب سے شدید جنگ تھی جو صفین کے دونوں فریقوں کے درمیان ہوئی، انھوں نے اشاروں کے ساتھ نمازِ فجر ادا کی، ابونصر زیاد بن نضر الحارثی جو عینی شاہد ہے اس نے معرکے کے تیسرے دن کا المیہ بیان کیا ہے:

[326] زیاد بن نضر حارثی (جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مقدمۃ الجیش میں تھے) روایت کرتے ہیں: میں صفین میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ حاضر ہوا، ہم نے تین دن اور تین راتوں تک لڑائی کی، حتی کہ نیزے ٹوٹ گئے اور تیر ختم ہو گئے، پھر ہم آمنے سامنے ہو کر لڑنے لگے اور آدھی رات تک ایک دوسرے سے لڑتے رہے۔ یہاں تک کہ ہم اور اہلِ شام تیسرے دن میں داخل ہو گئے۔ ہم ایک دوسرے کے بالکل قریب تھے، میں نے اس رات تمام تر اسلحہ کے ساتھ لڑائی کی، جو بھی اسلحہ موجود تھا میں نے اس کے ساتھ لڑائی کر لی حتی کہ ہم ایک دوسرے پر مٹی پھینکنے لگے اور منہ کے ساتھ کاٹنے لگے۔ یہاں تک کہ ہم کھڑے ہو گئے اور ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ دونوں فریقوں میں سے کوئی بھی یہ طاقت نہیں رکھتا تھا کہ وہ اپنے سامنے والے پر حملہ کرے۔ وہ اب لڑ نہیں رہے تھے۔[3]

---

[1] یہاں تاریخ کو لے کر ایک اشکال ہے جس کی تفصیل ہم نے (ص: ۴۷۶، ۴۷۷) میں ذکر کر دی ہے۔

[2] تاریخ الطبري (۳/۹۵- ۹۶) یہ روایت اپنے قرائن کے ساتھ مقبول ہے۔

قرائن: یہ تفاصیل مورخین کے ہاں مشہور ہیں اور اس کا دوسرا قرینہ یہ ہے کہ صحیح روایات ذکر کرتی ہیں کہ صفر کے مہینے میں ایک مکمل جنگ چھڑ گئی تھی اور ایک "لیلة الهرير" کے نام کی رات بھی آئی۔

[3] وقعة صفين (ص: ۳۶۹) یہ روایت مقبول ہے۔

شواہد: یحییٰ بن سعید کا چچا کہتا ہے کہ جس دن سیدنا عمار رضی اللہ عنہ شہید ہوئے یہ ایسا دن تھا کہ دو بندے مسلسل تلواروں کے ←

[327] ابن کثیر رحمہ اللہ نے ''لیلۃ الہریر'' کا المیہ ذکر کیا ہے، وہ کہتے ہیں: اس پوری رات جنگ کا الاؤ بھڑکتا رہا، یہ مسلمانوں کے درمیان شر کے حساب سے سب سے بڑی رات تھی۔ اس رات کا نام لیلۃ الہریر[1] رکھا گیا۔ یہ جمعہ کی رات تھی۔

← ساتھ لڑتے رہے، یہاں تک کہ تھک گئے پھر وہ بیٹھ گئے، آرام کیا، پھر دوبارہ لڑنے لگے، اس طرح آدھا دن گزر گیا، سبھی لوگ تھک چکے تھے اور کوئی بھی اب حرکت نہیں کر رہا تھا۔ دیکھو: [رقم: ۳۳۵] اور [رقم: ۳۵۷] پہ اس کا تکرار ہو رہا ہے۔

دوسرا قرینہ یہ ہے کہ لشکر دن رات لڑتے رہے اور تھک گئے، یہاں تک کہ بس ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے، کوئی بھی اب دفاع کی طاقت نہیں رکھتا تھا۔

سند کے راوی: عمر سے مراد: عمر بن سعد بن ابوسعید الاسدی ہے۔ ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ یہ قدیم شیخ ہے، پرانے شیعوں میں سے متروک الحدیث ہے۔ ذہبی کہتے ہیں: یہ بغض رکھنے والا شیعہ تھا۔ [رقم: ۲۸۷] میں اس کا تعارف گزر چکا ہے۔

مجالد سے مراد: ابن سعید بن عمیر بن بسطام ہمدانی ہے، ضعیف ہے، شیعہ ہے۔ دیکھیے: الضعفاء الكبير للعقيلي (۲۳۲/٤) الضعفاء الصغير (۳٦۸) الكامل في الضعفاء ٦ /٤۲۰) تاريخ أسماء الضعفاء والكذابين لابن شاهين (٦۳۸) تهذيب الكمال (۲۱۹/۲۷) ميزان الاعتدال (۲۳/٦)

زیاد بن النظر الحارثی سے مراد ابو النضر ہے۔ ذہبی اپنی ''تاریخ'' میں کہتے ہیں: زیاد بن النضر ابو النضر محمد بن حنفیہ وغیرہ سے روایت کرتا ہے اور اس سے شعبی، منصور بن معتمر اور حجاج بن ارطاۃ بیان کرتے ہیں یہ صدوق ہے۔

اس کی سوانح: التاريخ الكبير (۳۷٦/۳) الكنىٰ والأسماء لمسلم بن الحجاج (۸٤۰/۲) الكنىٰ والأسماء للدولابي (۳۵۷/۱- ۳۵۹) الجرح والتعديل (۵٤۷/۳) الثقات لابن حبان (۲٤۸/۸) المؤتلف والمختلف للدارقطني (۲۲۲۱/٤) الإكمال لابن ماكولا (۲٦۷/۷) اور تاريخ دمشق (۲٤۲/۱۹) میں ہے۔ ''تاريخ دمشق'' میں اس کی کنیت: ابو الاوبر بیان کی ہے۔ مختصر تاريخ دمشق (۱۰۱/۹) بغية الطلب في تاريخ حلب (۳۹٤۳/۹) تاريخ الإسلام (۳٦٦/۷) المقتنى في سرد الكنى للذهبي (٦۲۱۰) الإصابة لابن حجر ٦٤۳/۲) مغاني الأخيار للعيني (۷۳٦) الثقات ممن لم يقع في الكتب الستة (۳٦۳/٤) المعجم الصغير لرواة الإمام ابن جرير لمحمد بن أكرم زياد العمري (۱۲۵۰) اس کا ذکر صحاری کی ''الأنساب'' میں بھی ہے۔ (مذحج مازن کے انساب میں) لیکن اس وقت میں اس تک نہیں پہنچ سکا۔

ظاہر یہ ہوتا ہے کہ ابو نضر ابو الاوبر کے علاوہ دوسرا راوی ہے، کیونکہ دوسرے راوی نے تو جاہلیت کا زمانہ پایا ہے اور پہلے کی وفات ۱۱۱ھ میں ہوئی ہے۔ جیسا کہ ''تاريخ الإسلام'' میں ہے۔

[1] الهرير: ایک کتے کی آواز کو کہتے ہیں جس میں چیخنا ہو۔ اس رات کا یہ نام گھڑ سواروں کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے رکھا گیا ہے۔ جب وہ ایک دوسرے پر غرا رہے تھے جیسے درندے غراتے ہیں، کیونکہ جب تکلیف اور مشقت سے جنگ میں ان کی آوازیں کٹ جاتی تھیں تو صرف ان کی غوں غوں ہی سنائی دیتی تھی۔

کئی علمائے سیر نے ذکر کیا ہے کہ انھوں نے نیزوں کے ساتھ لڑائی کی یہاں تک کہ نیزے ٹوٹ گئے، تیروں کے ساتھ لڑائی کی تیر ختم ہو گئے، تلواروں کے ساتھ لڑائی کی یہاں تک کہ تلواریں اپنی دھار کھو بیٹھیں، پھر وہ ہاتھوں کے ساتھ، پتھروں کے ساتھ، مٹی کے ساتھ لڑنے لگے اور چہروں پر مٹی پھینکنے لگے، پھر دانتوں کے ساتھ لڑنے لگے، دو بندے لڑتے تھے یہاں تک کہ وہ تھک جاتے، پھر بیٹھتے سانس لیتے۔ دونوں ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہوتے اور پھر لڑنا شروع کر دیتے، کوئی بھی دوسرے سے فرار اختیار نہیں کر رہا تھا۔ إنا لله وإنا إليه راجعون.

یہی سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ جمعہ کے دن صبح ہو گئی، یہ ایسے ہی کر رہے تھے۔ لوگوں نے صبح کی نماز اشاروں کے ساتھ ادا کی اور دن چڑھنے لگا اور نصرت اہلِ عراق کو ملنے لگی اور اہلِ شام پیچھے ہٹنے لگے۔[1]

[**328**] ہمیں محمد بن اسحاق بن راہویہ[2] نے بیان کیا، کہا: ہمیں میرے باپ نے بیان کیا، کہا: ہمیں عطا بن مسلم خفاف نے بیان کیا، وہ اعمش سے، وہ ابوعبدالرحمٰن سلمی سے بیان کرتے ہیں کہ ہم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ صفین میں حاضر ہوئے۔ ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کے ساتھ دو بندے چھوڑ دیے تھے تو جب کسی ایک بندے میں غفلت نظر آتی، سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس کے گھوڑے پر مارتے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ لشکر میں چلے گئے۔ جب واپس لوٹے تو ان کی تلوار خون سے بھری ہوئی تھی اور کہہ رہے تھے۔ اے میرے ساتھیو! میرا عذر قبول کرنا۔ جب ہمارے درمیان جنگ بندی ہوتی تو اس لشکر کے لوگ دوسرے لشکر میں چلے جاتے، دوسرے لشکر کے لوگ اس لشکر میں آجاتے تھے۔ اس وقت حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نشانی تھے۔

---

1. البداية والنهاية (٣٠٢/٧) [(٥٤٢/١٠- ٥٤٣) دار هجر] [(٤٦٢/٧- ٤٦٣) دار ابن كثير دمشق، طبع ثانية] یہ روایت سابقہ روایت کی طرح مقبول ہے۔ میں نے کوشش کی ہے کہ ان تین طبعات سے نص بیان کروں۔
2. ابوالحسن الحنظلی المروزی۔ خطیب کہتے ہیں: یہ فقہ کے عالم تھے۔ حسن الطریق اور مستقیم الحدیث تھے۔ خلیلی کہتے ہیں: حفاظ اس سے راضی نہیں تھے، اہلِ خراسان ان پر متفق نہیں تھے۔ اس کا جواب ابن حجر نے یہ دیا ہے کہ یہ بات جو خلیلی نے کہی ہے اس سے ان کی مراد جرح نہیں ہے بلکہ ان کی مراد یہ ہے کہ وہ رافع بن ہرثمہ اللیثی کے ولی القضاء تھے۔ وہ ثقات میں سے ایک تھے، قرامطہ نے ان کو سنہ ۲۹۴ھ میں حج سے لوٹتے ہوئے قتل کر دیا تھا۔
مزید دیکھیے: الإرشاد للخليلي (٩١١/٣)، تاريخ بغداد (٢٥٩/١)، المنتظم (٥٣/١٣)، ميزان الاعتدال (٤٧٥/٣)، سير أعلام النبلاء (٥٤٤/١٣)، لسان الميزان (٦٥/٥)، الثقات ممن لم يقع في الكتب الستة (١٧٥/٨)، إرشاد القاصي والداني إلى تراجم شيوخ الطبراني (٨٢٣)

آپ جس وادی میں جاتے اصحابِ محمد ﷺ بھی ان کے پیچھے جاتے۔ ہم ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص[1] کے پاس پہنچے، وہ جھنڈا گاڑھ چکے تھے تو انھوں نے کہا: ہاشم آپ کو کیا ہوا؟ کم ہمتی اور بزدلی۔ ایسے اعور میں کوئی خیر نہیں، جو مصیبتیں برداشت نہیں کرتا، تو ہاشم نے اپنا جھنڈا اکھاڑ لیا اور کہہ رہا تھا:

أَعْــوَرُ يَبْــغِـي أَهْـلَهُ مَـحَــلَّا　　　قَدْ عَـالَجَ الْحَـيَاةَ حَتَّى مَلَّا

لَا بُــدَّ أَنْ يَّــفُــلَّ أَوْ يُــفَــلَّا

''ایک اعور ہے جو اپنے اہل کے لیے محل کی تلاش میں ہے، اس نے ایک طویل عرصے تک زندگی کے مصائب کا سامنا کیا۔ اب غالب آئے یا مغلوب ہوئے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔''

تو سیدنا عمار رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: آگے بڑھو، کیونکہ جنت تلواروں کے سائے میں ہے۔ حور عین تیار ہو چکی ہیں، محمد ﷺ کے ساتھ اور ان کے لشکر کے ساتھ الرفیق الاعلیٰ کے ہاں۔

پھر وہ دونوں آگے بڑھے اور تب تک نہیں لوٹے جب تک انھیں قتل نہیں کر دیا گیا۔ جب جنگ بندی ہوتی تھی تو ہم ایک دوسرے کے لشکروں میں چلے جاتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ میں چار لوگوں کے درمیان جا رہا ہوں: حضرت معاویہ، ابو الاعور سلمی، عمرو بن العاص اور ان کا بیٹا۔ میں نے دل میں کہا کہ اگر میں دائیں طرف رہا تو کلام نہیں سن سکوں گا تو میں نے ان کے درمیان اپنا گھوڑا ڈال دیا۔ دو بندے میری دائیں طرف تھے اور دو بندے میری بائیں طرف۔ میں کبھی اس طرف کان لگاتا معاویہ اور ابو الاعور کی طرف اور کبھی عمرو بن عاص اور ان کے بیٹے عبداللہ بن عمرو کی طرف کان لگاتا۔ میں نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کو سنا، وہ اپنے والد سے کہہ رہے تھے۔ ابا جان! ہم نے اس شخص کو قتل کر دیا ہے جس کے بارے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا۔ تو انھوں نے پوچھا: کون سا شخص؟ کہا: عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما، کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا نہیں، جس دن مسجد بنا رہے تھے۔ ہم ایک ایک اینٹ لا رہے تھے اور عمار دو دو اینٹیں لا رہے تھے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرے تو آپ ﷺ نے کہا: تو دو دو اینٹیں لا رہا ہے اور پسینے سے بھرا ہوا ہے۔ خبردار! تجھے ایک باغی گروہ قتل کرے گا، تو اہلِ جنت میں سے ہے۔ میں نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہتے ہوئے سنا: ہم نے اس شخص کو قتل کر دیا ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے یہ یہ کہا تھا، تو انھوں نے پوچھا: کون سے شخص کی بات کر رہے ہو؟

---

[1] اس راوی کا تعارف اگلی روایت میں آ رہا ہے۔

تو کہا: عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن جب مسجد بنائی گئی، فرمایا تھا، جب ہم ایک ایک اینٹ لا رہے تھے اور عمار رضی اللہ عنہ دو دو اینٹیں لا رہے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے سیدنا عمار رضی اللہ عنہ گزرے تو آپ نے کہا: اے ابو الیقظان! کیا تو دو اینٹیں اٹھا رہا ہے اور تو پسینے میں بھرا ہوا ہے، خبردار تجھے باغی گروہ قتل کرے گا اور تو جنت والوں میں سے ہے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: خاموش ہو جا، اللہ کی قسم! تو ہمیشہ اپنے پیشاب میں ڈوبا رہتا ہے، کیا ہم نے اسے قتل کیا ہے؟!

انھیں قتل کرنے والے تو وہ ہیں جو ان کو لے کر آئے اور ہمارے نیزوں کے سامنے پھینک دیا، کہا: پھر انھوں نے لشکرِ معاویہ میں منادی کروا دی کہ عمار رضی اللہ عنہ کا قاتل وہ ہے جو انھیں جنگ میں لایا ہے۔[1]

---

[1] المعجم الكبير [(٤٦١/١٣)، رقم:١٤٣٢٧)، ط: سعد الحميد والجريسي] شواہد اور متابعات کے ساتھ اس کی سند صحیح ہے۔

عطاء: صدوق راوی ہیں، بہت زیادہ خطا کرتے ہیں۔ ابو عبدالرحمٰن سلمی سے مراد عبداللہ بن حبیب بن ربیعہ الکوفی المقری ہیں۔ ابن حجر کہتے ہیں: یہ ثقہ ثبت ہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ صفین میں شامل ہوئے۔ یہ بات واقدی اور ابن العدیم نے کہی ہے۔ بغية الطلب (٤٥١٨/١٠) تهذيب التهذيب (١٨٤/٥)

تخریج: اس روایت کو امام طبری اپنی تاریخ (٩٩/٣) میں لائے ہیں اور ان کا ذکر ہم اگلی روایت میں کریں گے۔

اس کو امام حاکم نے روایت کیا ہے اور اس لمبی خبر کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے:

⊙ وہ اس روایت کو المستدرك (٥٦٦٠) میں لائے ہیں اور ان سے امام بیہقی دلائل النبوة (٥٥١/٢- ٥٥٢) میں لائے ہیں۔ اور بیہقی کی سند سے ہی ابن عساکر (٤١٤/٤٣) لائے ہیں۔

امام حاکم کہتے ہیں: ہمیں ابو زکریا العنبری نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں محمد بن عبدالسلام نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں اسحاق نے بیان کیا، اس میں یہ ذکر کیا ہے کہ یہ لشکر دوسرے لشکر میں اور وہ لشکر اس لشکر میں داخل ہو جاتے تھے اور اس میں حضرت معاویہ، حضرت عمرو اور ان کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہم سبھی کا بیان کیا ہے اور یہ روایت مرفوع ہے۔

"المستدرك" کے مطبوع نسخے میں بہت زیادہ تصحیفات ہوگئی ہیں جو دار التأصیل کے طبع (١٨٢/٦) میں درست کر دی گئی ہیں۔

ابو زکریا عنبری سے مراد: یحییٰ بن محمد بن عبداللہ نیشاپوری ہیں۔ ذہبی نے ان کی توثیق کی ہے۔ سير أعلام النبلاء (٥٣٣/١٥)

اس کے شیخ ابو عبداللہ محمد بن عبدالسلام بن بشار نیشاپوری الوراق الزاہد ہیں۔ حافظ ذہبی کہتے ہیں: یہ نیشاپور کے محدث ہیں اور بہت زیادہ روزے دار، بہت زیادہ قیام کرنے والے ربانی اور ثقہ تھے۔ (ت: ٢٨٦) تذكرة الحفاظ (١٦٤/٢) اور ان کا تعارف سير أعلام النبلاء (٤٦٠/١٣) میں بھی مذکور ہے۔ اسحاق سے مراد ابن راہویہ ہیں۔

⊙ اس روایت کو حاکم نے المستدرك (٥٦٨٧) میں بھی بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: مجھے ابو عبداللہ محمد بن عباس بن ←

← محمد بن عصم بن بلال الضبی الشہید نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں احمد بن محمد بن علی بن رزین نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں علی بن خشرم نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں ابومخلد عطاء بن مسلم نے بیان کیا۔ اس میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا قصہ، آپ کی حفاظت پر مامور دو بندوں کا قصہ، اسی طرح عمار، اور ہاشم اور اس کے بالوں کا قصہ بھی ذکر کیا ہے۔ نیز عمار رضی اللہ عنہ کے لیے اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا ذکر بھی کیا ہے۔

ابن حجر نے الإصابة (٥١٦/٦) میں اس کی نسبت ابن السکسکی کی طرف کی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ابن سکسکی نے الاعمش کی سند سے روایت بیان کی ہے۔

ابوعبداللہ الضبی شہید سے مراد: ابن ابی ذہل العصمی الہروی ہیں۔ امام حاکم اور خطیب نے ان کی توثیق کی ہے۔ دیکھیں: الإرشاد للخليلي (٨٧٩/٣)، تاريخ بغداد (٣٣٥/٣)، الثقات ممن لم يقع في الكتب الستة (٣٥٩/٨)، الدليل المغني لشيوخ الدارقطني (٤٤١) اور منصوری سے حاکم کی توثیق رہ گئی ہے۔

ابن رزین سے مراد: ابوعلی الباشانی الہروی ہیں۔ ان کے متعلق ذہبی کہتے ہیں: المحدث الثقہ۔ سير أعلام النبلاء (٥٢٣/١٤) اسی طرح اپنی تاریخ میں بھی اس کی توثیق کی ہے اور علی بن خشرم ثقہ ہیں۔ التقريب (٤٧٢٩)

متابعات اور شواہد: عطاء کی متابعت کی گئی ہے۔ ابویعلیٰ (۷۳۵۱) روایت لائے ہیں عبداللہ بن الحارث بن نوفل کی سند سے، وہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اسی طرح بیان کرتے ہیں، جیسے حاکم نے (۵۶۶۰) میں روایت کیا ہے۔ لیکن ابویعلیٰ نے یہ الفاظ ذکر نہیں کیے کہ "جب ہم صلح کے وقفے میں ہوتے تو ایک دوسرے کے لشکروں میں چلے جاتے تھے۔" اس روایت کو شعیب الارناؤط نے صحیح قرار دیا ہے اور آگے [رقم: ۳۷۳، ۳۷۴] میں آرہی ہے۔

آگے یہ جو الفاظ ہیں: "جب ہم صلح کے وقفے میں ہوتے تو ایک دوسرے کے لشکروں میں شامل ہو جاتے تھے" اس کا شاہد یحییٰ بن سعید الانصاری کے چچا کی روایت ہے، اس میں ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عمرو رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا کہ مقتولین زیادہ ہو گئے ہیں تو آپ رک جائیں، یہاں تک کہ سارے اپنے مقتولین کو دفنا لیں تو انھوں نے اس کو قبول کر لیا۔ پھر لوگ ایک دوسرے کے ساتھ ملنے جلنے لگے یہاں تک کہ یوں ہو گئے، پھر انھوں نے اپنی انگلیوں کو آپس میں ملایا۔ دیکھیے: [رقم: ۳۳۶]

ملاحظہ: ذہبی نے "المستدرك" کی تلخیص میں اس حدیث پر تعلیق لگائی ہے، وہ کہتے ہیں: آپ جانتے ہیں کہ یہ خطا ہے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ اور ان کا بیٹا مسجد بنانے کے وقت کہاں تھے؟ عطاء کو ابوداود نے ضعیف قرار دیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ مسجدِ نبوی تو پہلی ہجری میں بنائی گئی تھی اور عبداللہ رضی اللہ عنہ غزوۂ خندق ۵ھ کے بعد اسلام لائے ہیں اور ان کے والد ان کے بعد اسلام لائے ہیں۔ حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہما کے قبولِ اسلام کے لیے دیکھیں: معجم الصحابة للبغوي (٤٩٥/٣)

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں مسجدِ نبوی کی پہلی تعمیر کا قصہ نہیں بلکہ دوسری تعمیر کا قصہ ہے جس میں مسجد کی توسیع کی گئی تھی اور یہ توسیع فتح خیبر ۷ھ کے بعد ہوئی تھی، اسی کو ابن رجب نے راجح قرار دیا ہے۔ اس کے بارے میں، میں نے پوری تفصیل حاشیہ [رقم: ۳۴۷] میں ذکر کی ہے۔ سو اس بنا پر یہ روایت خطا نہیں ہے۔ الحمد لله.

[329] ابو عبدالرحمٰن سلمی بیان کرتے ہیں: ہم صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کے ساتھ دو بندوں کو چھوڑ دیا تھا جو ان کی حفاظت کرتے تھے اور انھیں حملہ کرنے سے روکتے تھے۔ جب ان میں سے کوئی غافل ہوتا تو آپ حملہ کر دیتے اور تب تک نہیں لوٹتے تھے جب تک ان کی تلوار خون آلود نہ ہو جاتی۔

ایک دن آپ نے حملہ کیا اور تب تک نہیں لوٹے جب تک ان کی تلوار خراب نہیں ہو گئی، پھر انھوں نے وہ تلوار پھینک دی اور کہا: اگر یہ خراب نہ ہوتی تو میں نے واپس نہیں آنا تھا۔ اعمش کہتے ہیں: اللہ کی قسم! یہ ایسے بندے کی ضرب ہے، جو بغیر شک کے اپنی رائے پر یقین رکھتا ہے۔ ابو عبدالرحمٰن کہتے ہیں: لوگوں نے کچھ سنا اور آگے بیان کر دیا، وہ جھوٹے نہیں تھے۔ راوی بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو دیکھا، وہ صفین کی جس وادی میں جاتے، وہاں موجود اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پیچھے چلے جاتے۔ میں نے دیکھا کہ وہ المرقال ہاشم بن عتبہ[1] کے پاس آئے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جھنڈا بردار تھے۔ ان سے کہا: ہاشم! کیا بزدلی اختیار کر رہے ہو؟ ایسے اعور میں کوئی خیر نہیں جو تکلیف برداشت نہیں کر سکتا۔ تو صفوں کے درمیان سے ایک شخص کہنے لگا: یہ بخدا! اپنے امام کو پیچھے چھوڑے گا، اپنے لشکر کو رسوا کرے گا، اور اپنی طاقت پر صبر کرے گا۔ ہاشم! سوار ہو جاؤ، وہ سوار ہو گئے تو ہاشم کہنے لگے:

أَعْـوَرُ يَبْغِـي أَهْـلَهُ مَـحَـلًّا   قَـدْ عَـالَـجَ الْـحَـيَـاةَ حَتَّى مَلَّا
لَا بُـدَّ أَنْ يَـفُـلَّ أَوْ يُـفَـلَّا

← اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ عطاء نے خطا کی ہے اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور ان کے والد عمرو رضی اللہ عنہ کی طرف مسجد کی تعمیر میں حاضر ہونے کی نسبت کر دی ہے تو باقی روایت اور حدیث تو ثابت ہے اس میں تو کوئی اشکال نہیں ہے، لہٰذا اس صورت میں حدیث کا حکم یہ ہوگا کہ یہ روایت حسن ہے، سوائے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے کی مسجد کی تعمیر کے وقت موجودگی کے بیان کے۔

[1] ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص الزہری، ابن اخی سعد بن ابی وقاص ان کو ہشام المرقال کہا جاتا ہے۔ آپ بہت دلیر اور بطل تھے۔ دمشق کی فتح میں شامل تھے، یرموک میں آپ کی آنکھ پھوڑ دی گئی۔ اس لیے اعور ہو گئے تھے۔ قادسیہ میں اپنے چچا حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے ساتھ حاضر ہوئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شہید ہوئے۔ دیکھیں: مشاهير علماء الأمصار (٤٠)، تاريخ دمشق (٣٣٧/٧٣)، تاريخ الإسلام (٥٨٤/٣)

الإرقال: ایک قسم کی دوڑ کا نام ہے، ان کو "المرقال" اس لیے کہا جاتا تھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کو صفین میں جھنڈا دیا تھا تو اسے لے کر تیزی سے دوڑتے تھے۔ تاج العروس (٩٤/٢٩- ٩٥) مادة: ر ق ل.

''ایک اعور ہے جو اپنے اہل کے لیے محل کی تلاش میں ہے، اس نے ایک طویل عرصے تک زندگی کے مصائب کا سامنا کیا۔ اب غالب آئے یا مغلوب ہوئے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔''

تو حضرت عمار رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ہاشم! آگے بڑھو، جنت تلواروں کے سائے میں ہے اور موت نیزوں کے اطراف میں ہے، جنت کے دروازے کھول دیے گئے ہیں اور حور عین سجا دی گئی ہے۔

اَلْيَوْمَ أَلْقَى الْأَحِبَّةَ مُحَمَّدًا وَحِزْبَهُ

''آج ہم محبوبوں سے ملیں گے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی جماعت سے۔''

پھر وہ تب تک نہیں لوٹے جب تک ان دونوں کو شہید نہیں کر دیا گیا۔

راوی کہتے ہیں: آپ کو یہ بات فائدہ دے گی کہ وہاں موجود اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ یہ دونوں علم[1] ہیں۔

جب رات کا وقت تھا تو میں نے ان کے لشکر میں جانے کا ارادہ کیا، تاکہ معلوم ہو سکے کہ آیا ان کو بھی حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کی خبر مل گئی ہے، جیسا کہ ہمیں ملی ہے، کیونکہ ان دنوں جب لڑائی رک جاتی تو ان کے لوگ ہماری طرف آ کر گفتگو کرتے اور ہم ان کے پاس چلے جایا کرتے تھے، میں گھوڑے پر سوار ہوا، جنگ رُک چکی تھی، میں گیا تو چار لوگوں کو دیکھا جو چل رہے تھے: سیدنا معاویہ، ابو الاعور السلمی، عمرو بن العاص اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما ان چاروں میں سے سب سے بہتر تھے۔ میں نے اپنا گھوڑا ان کے درمیان ڈال دیا، تاکہ میں سب کی باتیں سن لوں، کسی ایک جانب کی بات بھی رہ نہ جائے، میں نے سنا کہ عبداللہ اپنے والد سے کہنے لگے: آپ نے آج اس شخص کو قتل کر دیا ہے جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا۔ تو انھوں نے پوچھا، کیا: فرمایا تھا؟ کہا: کیا آپ ہمارے ساتھ نہیں تھے، جب ہم مسجد بنا رہے تھے، لوگ ایک ایک پتھر اٹھا رہے تھے اور عمار دو دو اینٹیں لا رہے تھے، ان کو غشی طاری ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے، آپ ان کے چہرے سے مٹی اتارنے لگے اور کہنے لگے: ابن سمیہ! لوگ ایک ایک پتھر، ایک ایک اینٹ منتقل کر رہے ہیں اور تو دو دو اینٹیں اور دو دو پتھر منتقل کر رہا ہے اور تو اجر چاہتا ہے، حالانکہ اس کے باوجود تجھے ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔ تو سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے اپنے گھوڑے کے سینے پر مارا اور اسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف لے گئے اور کہا: معاویہ! کیا سنتے نہیں، جو

---

[1] اسی طرح ''تاريخ الطبري'' اور ''البداية والنهاية'' میں ہے، اس وقت سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے اہلِ شام پر یکبارگی حملہ کیا، گویا وہ دونوں یعنی حضرت عمار اور ہشام ان کے لیے علم تھے۔

عبداللہ بیان کر رہے ہیں۔ انھوں نے کہا: کیا بیان کر رہے ہیں؟ پھر انھوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حدیث سنائی تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تو احمق شیخ ہے، تو ایسی حدیث بیان کرتا ہے اور اپنے بول میں لتھڑا رہتا ہے، کیا ہم نے عمار کو قتل کیا ہے؟ عمار رضی اللہ عنہ کو انھوں نے قتل کیا ہے جو انھیں لے کر آئے ہیں تو لوگ[1] اپنے خیموں سے نکلے اور کہنے لگے: عمار رضی اللہ عنہ کو انھوں نے قتل کیا ہے جو ان کو لائے ہیں، میں نہیں جانتا کہ زیادہ تعجب کس پر کیا جائے حضرت معاویہ پر یا ان لوگوں پر![2]

میں نے تکرار کے باوجود طبری کی روایت اس لیے ذکر کی ہے، کیونکہ اس میں مزید توضیح ہے۔

[**330**] عبداللہ بن سنان الاسدی[3] بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صفین میں دیکھا۔ ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار ذوالفقار تھی، آپ ان پر حملہ کرتے۔ ہم ان کو روکتے لیکن وہ ہم سے نکل جاتے اور ان پر حملہ کرتے اور اپنی تلوار کے ساتھ مارتے یہاں تک کہ اس حالت میں آئے کہ تلوار خراب ہو چکی تھی تو کہنے لگے: یہ تمھاری طرف معذرت کرتی ہے۔[4]

---

① الناس: یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا لشکر۔

② تاريخ الطبري (۹۹/۳) یہ بھی سابقہ روایت کی طرح حسن ہے سوائے ان الفاظ کے ''تم بوڑھے احمق ہو۔'' یہ لفظ منکر ہے، اس کو بیان کرنے میں احمد بن محمد منفرد ہیں جو ابن نیزک بن حبیب البغدادی ابوجعفر الطّوسی ہیں۔ ان کے متعلق ذہبی کہتے ہیں: ان میں کلام ہے۔ ابن حجر کہتے ہیں: سچے ہیں لیکن ان کے حفظ میں مسئلہ ہے۔ الكاشف (۸۲) التقريب (۱۰۱) معجم شيوخ الطبري لأكرم زيادة (۳۱)

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ دھاۃ العرب میں سے تھے، ان کے لیے "القاصي والداني" نے ان کی حکمت کے دلائل پیش کیے ہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے صفین کے دن ان کو اپنے لشکر کا امیر بنایا تھا۔

تخریج: ابن کثیر البداية والنهاية (۲۲۹/۷) میں اس کو طبری سے لائے ہیں۔

③ ابو سنان الکوفی عبدالرحمٰن بن یوسف بن خراش کہتے ہیں: ان کی کنیت ابومریم ہے۔ ابن سعد کہتے ہیں: یہ ثقہ تھے اور ان کی احادیث صحیح ہیں۔ ابن معین کہتے ہیں: یہ ثقہ ہیں جبکہ ابن حبان نے "الثقات" میں ان کو ذکر کیا ہے۔ حجاج کے زمانے میں فوت ہوئے۔ دیکھیے: الطبقات الكبرىٰ (۱۷۸/٦)، الجرح والتعديل (٦٨/٥)، الثقات لابن حبان (١١/٥)، تلخيص المتشابه في الرسم (٣٤٩/١) الثقات ممن لم يقع في الكتب الستة (٣٤/٦)

④ مكارم الأخلاق لابن أبي الدنيا (١٦٠) یہ اپنے شواہد کے ساتھ حسن ہے۔ سوائے اس قول کے کہ ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار ''ذوالفقار'' تھی۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ اس کے راوی الاعمش نے شمر سے نہیں سنا۔ یہ بات امام احمد رحمہ اللہ نے کہی ہے۔ جیسا کہ ابن ابی حاتم کی المراسیل (ص: ۸۲، رقم: ۲۹٦) میں ہے۔

ذوالفقار نامی تلوار کا ذکر اس روایت میں صحیح نہیں ہے، کیوں کہ یہ ان افواہوں میں سے ہے جو کوفہ کے شیعہ ←

[331] مجھے محمد بن عمر نے بیان کیا، کہا: مجھے احمد بن خازم[1] نے بیان کیا، ....

← نے پھیلائی تھیں۔ [رقم: ۳۲۹] میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنی تلوار کے ساتھ لڑتے تھے اور ایک دفعہ تو تبھی لوٹے جب یہ تلوار ٹوٹ گئی۔

روایت میں ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ حملہ کرتے اور تب تک نہیں لوٹتے تھے جب تک تلوار خون سے نہ بھیگ جاتی اور ایک دفعہ انھوں نے حملہ کیا تو تب تک نہیں لوٹے جب تک ان کی تلوار خراب نہیں ہوگئی۔ پھر انھوں نے اس تلوار کو پھینک دیا اور کہا: اگر یہ خراب نہ ہوتی تو میں نہ لوٹتا۔

فألقاه إليهم: کا معنی ہے کہ آپ نے اپنی تلوار کو پھینک دیا، اس سے حتمی طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ انھوں نے ایک اور تلوار لی، تاکہ جنگ جاری رکھ سکیں، اگر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار ہوتی تو اسے کبھی نہ پھینکتے۔

تخریج: اس روایت کو ابن ابی شیبہ لائے ہیں۔

[1] احمد بن خازم المعافری المصری الاندلسی کے متعلق ابن یونس کہتے ہیں: یہ اندلس میں فوت ہوئے اور وہیں پیدا ہوئے۔ حافظ ذہبی "میزان الاعتدال" میں کہتے ہیں: آپ مصر میں جوانی کی حالت میں فوت ہوئے۔ انھوں نے ان کا ذکر اپنی تاریخ میں پندرھویں طبقے میں کیا ہے۔ (وفیات: ۱۴۱ھ تا ۱۵۰ھ)

آپ سے عبداللہ بن لہیعہ اور واقدی بیان کرتے ہیں۔ ان کا ایک نسخہ ہے جن سے ابن حجر نے الإصابة (۱۸۲/۷) میں نقل کیا ہے۔ ابن حجر نے المجمع المؤسس (۲۶۱/۱، رقم: ۱۷۲) اور المعجم المفهرس (۱۱۳۹) میں ذکر کیا ہے کہ طبرانی نے ان کی ایک مسند جمع کی اس کا نام ابن حجر نے "مسند أحمد بن خازم المعافري" بتایا ہے، اسی طرح دارقطنی نے اپنی السنن (۲۳۱۷) میں ان کی ایک حدیث ذکر کی۔

ابن عدی کہتے ہیں: یہ معروف نہیں ہے، ان سے ابن لہیعہ نے جو احادیث بیان کی ہیں، زیادہ تر صحیح ہیں۔ ذہبی تاریخ میں کہتے ہیں: ان سے ابن لہیعہ اور الواقدی نے روایت لی ہے۔ اس کی روایات مستقیم ہیں ان کا ایک معروف نسخہ تھا، جو ہم نے سنا ہے۔

"میزان الاعتدال" میں ہے: یہ معروف نہیں ہے۔ اس نے جزء سے بیان کیا ہے جو اس سے ابن لہیعہ بیان کرتا ہے۔ لیکن بہرحال یہ نسخہ حسن ہے اور میں نے اس کو اس لیے ذکر کیا ہے کہ ابن عدی نے اس کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی اکثر احادیث صحیح ہیں۔ "دیوان" میں ذہبی کہتے ہیں: مجہول ہے اور اس کا نسخہ صحیح ہے۔ ابن قطلو بغا نے "الثقات" میں کہا ہے کہ ان سے ابن لہیعہ نے ایک حسن نسخہ روایت کیا ہے اور ابن علی نے جس کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے: اس کی اکثر احادیث مستقیم ہیں لیکن انھوں نے یہ ذکر نہیں کیا کہ یہ بندہ مجہول ہے۔

تحقیقی قول: احمد بن خازم کا مجہول یا غیر معروف ہونا نہیں بنتا، کیونکہ طبرانی نے ان کی ایک مسند بیان کی ہے۔ اس کا ایک نسخہ ابن حجر کے پاس بھی موجود تھا، جس سے اس کی جہالت ختم ہو جاتی ہے۔ ورنہ طبرانی ایسے شخص کی مسند کیسے بیان کر سکتے ہیں جس کو وہ جانتے ہی نہیں؟۔ اگر اس کو ابن عدی اور ذہبی نہیں جانتے تو بھی یہ طبرانی کے ہاں معروف ہے۔ ذہبی نے اس کے نسخے کے متعلق کہا ہے کہ معروف نسخہ ہے اور انھوں نے سنا ہے۔ ←

وہ عمرو بن شراحیل سے،[1] وہ حنش بن عبداللہ صنعانی سے، وہ عبداللہ بن زریر الغافقی سے بیان کرتے ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ صفین میں شامل ہوئے تھے: میں دیکھتا ہوں کہ اس دن جب ہم اور

← جیسا کہ اس میں تعدیل کی ایک قسم ہے، ابن عدی نے ان کے نسخہ کے متعلق کہا ہے کہ اس کی اکثر روایات صحیح ہیں اور ذہبی نے اس کے متعلق کہا ہے کہ یہ نسخہ حسن ہے۔ ابن قطلو بغانے اس کا مجہول ہونا ذکر نہیں کیا بلکہ اس بندے نے دو لوگوں سے روایت کی ہے۔ ایک صدوق ہے اور آخر میں مختلط ہو گیا تھا، یعنی ابن لہیعہ اور دوسرا متروک ہے، یعنی واقدی۔

خلاصہ: وہ شخص جس کے لیے طبرانی نے مسند بیان کی ہے، اس کی اکثر روایات مستقیم اور حسن ہیں، وہ صدوق کے درجے سے نیچے نہیں ہے، وہ مشہور شاید اس لیے نہیں ہو سکا کہ جوانی میں فوت ہو گیا تھا لیکن اس کا نسخہ بہر حال مشہور ہے۔

اس کی حالات زندگی: تاریخ ابن یونس (۹/۱)، الكامل في الضعفاء (۱۶۷/۱)، المؤتلف والمختلف للدارقطني (۶۵۳/۲)، تاريخ العلماء والرواة للعلم بالأندلس لابن الفرضي (۳۳/۱)، تلخيص المتشابه في الرسم للخطيب (۲۱۱/۱)، الإكمال لابن ماكولا (۲۸۷/۲)، جذوة المقتبس في ذكر ولاة الأندلس (ص: ۱۲۰)، ذخيرة الحفاظ لابن قيسراني (۱۱۰۵/۲)، بغية الملتمس في تاريخ رجال أهل الأندلس (ص: ۱۷٤)، ديوان الضعفاء (۳۱)، المغني في الضعفاء (۲۷۷)، تاريخ الإسلام (۶۳/۹)، ميزان الاعتدال (۹۵/۱)، توضيح المشتبه (۱۶/۳)، مختصر الكامل في الضعفاء (ص: ۱۰۲، ترجمة: ۳) لسان الميزان (۱۶۵/۱)، تبصير المنتبه (۳۸۶/۱)، الثقات ممن لم يقع في الكتب الستة (۳۲۸/۱)، سلسلة أحاديث الضعيفة (۲۰٤/۱۳، رقم: ۶۰۹۰)، تراجم رجال الدارقطني في سننه (۱۶۵)

[1] ابو حفص سے مراد: عمرو بن شراحیل بن محمد المعافری ہیں۔ یہی ابن الفرضی اور خشنی نے ان کی کنیت ذکر کی ہے۔ خشنی کہتے ہیں: ان کی اصل باجہ سے ہے۔ قرطبہ میں رہائش پذیر تھے، ان کو عبدالرحمٰن الداخل نے قرطبہ کا قاضی بنایا تھا، معاویہ بن صالح بن حدیر کے بعد پھر ان کو معزول کر کے معاویہ کو دوبارہ قاضی بنا دیا۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے بعد قاضی بنتے رہے، ایک سال معاویہ اور دوسرے سال یہ۔

ابن یونس کہتے ہیں: یہ اندلس گئے اور اس کو اپنا وطن بنا لیا، اندلس میں ان کی اولاد معروف ہے۔ یہ ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن یزید المعافری الحبلی المصری اور ابو زید الغافقی المصری سے روایت کرتے ہیں۔ ان سے ابو وہب عامر بن عبداللہ المصری اور احمد بن خازم المعافری روایت کرتے ہیں۔

ان کا ایک بیٹا بھی ہے جس کا نام محمد ہے، اس کی کنیت ابو سعید ہے۔ یہ اہلِ قرطبہ میں سے تھا، اس کو جیان اور استجہ کا قاضی بنایا گیا، جیسا کہ ابن الابار نے ذکر کیا ہے۔

عمرو کے حالات: أخبار القضاة لوكيع (۳۲۵/۳)، تاريخ ابن يونس (۳۷۳/۱)، قضاة قرطبة وعلماء أفريقية للخشني (ص: ۳۷)، تاريخ العلماء والرواة للعلم بالأندلس لابن الفرضي (۳۶۲/۱)، بغية الملتمس في تاريخ رجال أهل الأندلس (ص: ٤۲۸)، إكمال تهذيب الكمال (۲۷۲/۱۱)، ترجمة معاوية بن صالح بن حدير.

ان کے بیٹے کے حالات: التكملة لكتاب الصلة لابن الأبار (۲۸۵/۱)

اہلِ شام آمنے سامنے ہوئے، ہم نے ایک دوسرے کو قتل کیا یہاں تک کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ اب کوئی بھی باقی نہیں بچے گا، سو میں نے ایک چلانے والے کی آواز سنی، وہ کہہ رہا تھا: مسلمانو! اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو، عورتوں کا کیا حال ہوگا؟ بچوں کا کیا حال ہوگا؟ رومیوں کا مقابلہ کون کرے گا؟ کون ترکوں کا مقابلہ کرے گا؟ اہلِ دیلم[1] کے لیے کون ہوگا؟ اللہ سے ڈرو، اور اپنی بقا کو یقینی بناؤ۔ میں نے اپنے پیچھے ایک حرکت سنی، مڑ کے دیکھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے جھنڈے کے ساتھ تیزی سے آگے بڑھ رہے تھے، وہ رُک گئے۔ ان سے ان کا بیٹا محمد ملا، میں نے ان کو کہتے ہوئے سنا، بیٹا! اپنے جھنڈے کو لازم پکڑو، میں قوم میں آگے بڑھ رہا ہوں۔ میں ان کی طرف دیکھ رہا تھا کہ وہ تلوار سے لڑ رہے تھے۔ یہاں تک کہ ان کے لیے راستہ خالی ہو گیا، پھر وہ انہی میں لوٹ آئے۔[2]

[**332**] نصر بن مزاحم روایت لائے ہیں، امام طبری کہتے ہیں: پھر طفیل بن ادہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف کھڑا ہوا اور شریح جذامی میمنہ کی طرف اور ورقاء بن معمر میسرہ کی طرف کھڑا ہوا۔ وہ آوازیں لگانے لگے: اے عرب! اپنی عورتوں اور بچوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو، جب تم ہی فنا ہو گئے تو کل رومیوں، ترکوں، اہلِ فارس کا مقابلہ کون کرے گا؟ اپنے دین کے معاملے میں اللہ سے ڈرو۔ یہ اللہ کی کتاب ہے جو ہمارے اور تمھارے درمیان فیصلہ کرے گی۔[3]

طفیل بن ادہم، ابو شریح جذامی اور ورقاء بن معمر، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پیروکار تھے۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے لشکر کو جنگ روکنے اور اللہ کی کتاب کے ساتھ فیصلے کے لیے پکارنے لگے۔

---

[1] الدیلم: یہ ایک عجمی قوم ہے جو الدیلم کے پہاڑوں پر رہتی ہے۔ یہ پہاڑ اس زمانے میں ایران کے شہر جیلان کے شمال میں واقع ہیں، شمال سے یہ بحرِ قزوین سے آذربائیجان تک جاتے ہیں۔ دیکھیے: المسالك والممالك للاصطخري (ص: ٢٠٤)، المعجم الوسيط (٢٩٤/١)، المعالم الأثيرة في السنة والسيرة (ص: ١١٧)

[2] الطبقات الكبرى (٩٣/٥- ٩٤)، یہ روایت اپنے شواہد کے ساتھ حسن ہے اور اس سند میں محمد بن عمر واقدی متروک ہیں اور احمد بن خازم کی اکثر روایات مستقیم اور حسن ہیں اور اس روایت پر بھی اس وصف کا انطباق ہوتا ہے۔ یہ ایک تاریخی روایت ہے اور اس کی متابعت موجود ہے اور اس میں کوئی نکارت نہیں ہے۔ اس کے باقی تمام رجال ثقہ ہیں اس کی شرح تفصیل کے ساتھ [رقم: ٣٨٣] کے بعد آگے آئے گی۔

تخریج: یہ روایت تاريخ الإسلام (٥٤٤/٣)، الخلفاء الراشدين للذهبي (ص: ٢٦٦) میں طبقات ابن سعد سے آئی ہے۔

[3] وقعة صفين (ص: ٤٧٨)، یہ روایت سابقہ روایت کی طرح اپنے شواہد کے ساتھ حسن ہے اور یہ سند ضعیف ہے۔ میرے خیال میں ابو جعفر سے محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب، المعروف بالباقر مراد ہیں۔ طفیل، ابو شریح اور ورقاء کا تعارف مجھے نہیں ملا۔

[333] ابن کثیر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ جب اہلِ شام کے پاؤں اُکھڑ گئے اور نصرت عراقی لشکر کو ملنے لگی تو اہلِ شام نے کہا: یہ[1] مصحف ہمارے اور آپ کے درمیان ہے۔ لوگ فنا ہو رہے ہیں۔ ایسی صورت میں سرحدوں کی حفاظت کون کرے گا؟ مشرکین اور کفار کے ساتھ قتال کون کرے گا؟[2]

سابقہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ صفین میں مکمل یکسوئی کے ساتھ قتال کر رہے تھے کہ وہ حق پر ہیں۔ انھیں اس پر ہلکا سا بھی اضطراب نہیں تھا کہ اہلِ شام لڑائی کے مستحق ہیں یہاں تک کہ وہ بغاوت سے باز آجائیں اور خلیفہ کے ماتحت ہو جائیں۔

یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کے قائدین کوشش کرتے تھے کہ آپ کو لڑائی میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔ انھیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جان کا خوف تھا جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ قتال میں شرکت پر اصرار کرتے تھے۔ آپ دیکھتے تھے کہ ان کی حفاظت کرنے والا دستہ غفلت میں ہے تو اپنے گھوڑے کو ایڑ لگاتے اور تب تک نہیں لوٹتے تھے جب تک ان کی تلوار بے کار نہ ہو جاتی۔ ایک دفعہ تو وہ تب تک نہیں لوٹے جب تک ان کی تلوار خراب نہیں ہوگئی اور فرمایا کہ اگر یہ خراب نہ ہوتی[3] تو میں نہ لوٹتا، آپ خود اپنا جھنڈا لے کر جاتے تھے۔[4]

[334] ابوبکر ابن ابی الدنیا روایت لائے ہیں، ابو وائل بیان کرتے ہیں: عمر بن شراحبیل نے کہا: صفین کی رات میں نے رات کو خواب دیکھا ہے کہ گویا ہم اور یہ سارے ایک دوسرے سے لڑتے رہے اور ہم نے ایک دوسرے کو قتل کر دیا، پھر ہم سب کو جنت میں داخل کر دیا گیا۔ راوی کہتے ہیں کہ ابو وائل کہا کرتے تھے: یقیناً ابو میسرہ کا خواب سچ ہے۔ یہ کوئی سند ہے جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں، شقیق اور ابو میسرہ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شامل ہوئے تھے۔ اللہ ان سب کو ان کی سچائی، انصاف پر اور اس روایت کو بیان کرنے پر جزائے خیر دے۔[5]

---

[1] مراد کتاب اللہ ہے۔

[2] البداية والنهاية (٣٠٢/٧) یہ روایت جس قدر ہم نے بیان کی ہے، سابقہ روایت کی طرح اپنے شواہد کے ساتھ حسن ہے۔

[3] [رقم: ٣٢٩] روایت دیکھیں۔

[4] [رقم: ٣٣١] روایت دیکھیں۔

[5] المنامات لابن أبي الدنيا (٢٤٦)، اس کی سند حسن ہے۔ ابو وائل سے مراد: شقیق بن سلمہ الاسدی الکوفی ثقہ ہیں۔ ان کے صفین میں حاضر ہونے کا قصہ دیکھیں: [رقم: ٢٦٤، ٢٦٥، ٣٧٨] اور عمر بن شرحبیل سے مراد ابو میسرہ ہمدانی ←

یہ خواب صفین کی رات میں آیا تھا جیسا کہ روایت میں ہے، گویا شاید ان کی مراد وہ رات تھی جو مکمل جنگ سے پہلے کی تھی یعنی ۷/صفر ۳۷ھ اور صفین کا ذکر جب مطلق ہو تو اس سے مراد ۸/صفر کی مکمل جنگ ہوتی ہے۔

[335] یعقوب بن شیبہ اپنی مسند میں روایت لائے ہیں جیسا کہ "تاریخ دمشق" میں ہے: ہمیں خلف بن سالم نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں وہب بن جریر نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں جویریہ نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن سعید [1] نے اپنے چچا [2] سے بیان کیا، ....

الکوفی، یہ بھی ثقہ ہیں۔ ابن ابی خیثمہ اپنی تاریخ الکبیر (۱۷۲/۳، رقم: ۴۳۳۰) میں کہتے ہیں: "میں نے احمد بن حنبل کو کہتے ہوئے سنا کہ ابو میسرہ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ حاضر ہوا تھا۔" یہاں کچھ دوسرے خواب بھی ہیں جو ابو میسرہ عمر بن شرحبیل نے صفین اور نہروان کے ایک زمانہ بعد دیکھے تھے۔ عنقریب [رقم: ۴۰۰، ۴۰۱] پر ملاحظہ کیجیے۔

[1] "تاریخ دمشق" میں "ابوسعید" لکھا ہے جو تصحیف ہے۔ اور "مختصر تاریخ دمشق" میں "ابن سعید" ہے۔ "أنساب الأشراف"، "السیر"، "التذکرۃ" اور "فیض القدیر" میں "یحییٰ بن سعید" لکھا ہے جو درست ہے۔
ان سے مراد: یحییٰ بن سعید بن قیس بن عمرو ابو سعید الانصاری الخزرجی النجاری، المدنی، القاضی الامام العلامہ المجود، عالم المدینہ فی زمانہ اور عالم مدینہ کے شیخ اور فقہائے سبعہ کے شاگرد ہیں۔ یہ بخاری ومسلم کے راویوں میں سے ہیں اور ثقہ ہیں۔ انھوں نے حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت لی۔ سیر أعلام النبلاء (۴۶۸/۵)

[2] یہ مجہول ہیں جیسا کہ البانی رحمہ اللہ نے إرواء الغلیل (۱۱۰/۸) میں کہا ہے۔ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے محاصرے میں موجود تھے۔ جمل اور صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے، ابن العدیم نے بغیۃ الطلب (۴۷۰۸/۱۰) میں ان کا تعارف ذکر کیا ہے، وہ کہتے ہیں: یحییٰ بن سعید الانصاری کے چچا صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ حاضر ہوئے، پھر انھوں نے یہ اگلی روایت [رقم: ۳۳۸] ذکر کی۔ ان کے جمل میں حاضر ہونے کے لیے دیکھیے: تاریخ خلیفۃ (ص: ۱۸۱)، تاریخ المدینۃ لابن شبۃ (۱۱۷۰/۴، ۱۲۶۷)، المستدرك (۵۵۹۳)، مستدرک کی مطبوعہ کتاب کی سند میں تصحیفات ہوئی ہیں اس کی درستی "السنن الکبری" سے کی جا سکتی ہے۔
بعض محققین کا خیال ہے کہ یحییٰ کے چچا سے مراد یزید بن حیان التیمی الکوفی ہیں جو خطا ہے اور یحییٰ بن سعید کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ وہ یحییٰ بن سعید جو اس سے روایت کرتا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ یحییٰ بن سعید بن حیان ابو حیان التیمی الکوفی ہے جس کا چچا یزید بن حیان ہے۔ جبکہ یحییٰ بن سعید کی نسبت صراحت کے ساتھ الانصاری آئی ہے۔
اور اس کا نام بھی صراحت کے ساتھ تاریخ المدینۃ لابن شبۃ (۱۱۷۲/۴) میں موجود ہے۔ وہ روایت جس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے محاصرہ کا ذکر ہے، کہتے ہیں: ہمیں زہیر بن حرب نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں وہب بن جریر نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں جویریہ نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن سعید الانصاری نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: مجھے میرے چچا نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: اس دوران میں ......۔

وہ کہتے ہیں: جس دن حضرت عمار رضی اللہ عنہ شہید ہوئے، دو بندے آپس میں تلواروں کے ساتھ لڑتے تھے یہاں تک کہ تھک جاتے تھے، پھر بیٹھ جاتے، تھوڑی دیر آرام کرتے، پھر دوبارہ سے لڑنے لگتے۔ بسا اوقات انھوں نے اپنی روایت میں کہا ہے کہ آدھا دن گزر گیا اور سبھی لوگ تھک ہار گئے، کوئی بھی ہلنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا، پھر ایک دوسرے کے ساتھ باہم ملاقاتیں کرنے لگے۔ راوی نے اپنی انگلیاں ایک دوسرے کے ساتھ ملائیں۔ یہاں تک کہ سورج زوال پذیر ہونے لگا، تو اچانک ایک شخص صفوں کے درمیان میں سے ظاہر ہوا، بڑے ڈیل ڈول کا اور ایک بڑے گھوڑے پر سوار، آواز وہ دردناک آواز لگا رہا تھا، اللہ کے بندو! جنت کی طرف آؤ، تین مرتبہ اس نے کہا کہ جنت نیزوں کے سائے میں ہے، لوگ بھاگے تو دیکھا کہ وہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما ہیں۔ پھر حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا۔[1]

روایت میں یہ جو الفاظ ہیں:

''جس دن حضرت عمار رضی اللہ عنہ شہید ہوئے، ...... وہ آواز لگا رہے تھے: اللہ کے بندو! اے اللہ کے بندو! جنت کی طرف جاؤ، انھوں نے تین دفعہ آواز لگائی کہ جنت نیزوں کے سائے میں ہے، ......'' اس حادثے کا ذکر نسخہ حرملہ میں آیا ہے۔ راوی کہتے ہیں: میں نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو صفین میں کہتے ہوئے سنا، جس دن انھیں شہید کیا گیا، وہ آواز لگا رہے تھے: جنت تیار کر دی گئی ہے، جنت سجا دی گئی ہے،

---

[1] تاریخ دمشق (۴۳/۴۷۰)، اس کی سند حسن لغیرہ ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں سوائے یحییٰ کے چچا کے جو مجہول ہے جیسا کہ تھوڑی دیر پہلے گزر چکا ہے۔

جویریہ سے مراد: ابن اسماء الضبعی البصری ہیں، راجح یہی ہے کہ وہ ثقہ ہیں جیسا کہ ذہبی نے کہا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ان کو صدوق کہتے ہیں۔ ''تحریر التقریب'' میں ہے کہ بلکہ وہ ثقہ ہیں۔ التقریب (۹۸۸)

مزید دیکھیں: موارد ابن عساکر في تاریخ دمشق (۱/۵۹۰)

شواہد: حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کا قصہ صحیح ہے جیسا کہ ہم نے اس کو [رقم: ۳۵۱] میں ذکر کیا ہے۔

جنگ بندی کے دوران میں دونوں لشکروں کا ایک دوسرے کے پاس چلے جانے کا واقعہ بھی ہم [رقم: ۳۲۸] میں متابعت اور حسن سند کے ساتھ ذکر کر آئے ہیں۔

اس کے الفاظ یہ ہیں: جب جنگ بندی کا وقفہ ہوتا تو یہ لشکر دوسرے لشکر میں اور ان کا لشکر ہمارے لشکر میں آ جاتا۔

تخریج: امام ذہبی نے اس روایت کو سیر أعلام النبلاء (۱/۴۲۷، ۱۱/۱۵۰) ، تذکرۃ الحفاظ (۲/۵۲) میں بیان کیا ہے۔ اسی طرح مناوی نے الفیض القدیر (۷/۲۰) میں دو سندوں کے ساتھ یعقوب بن شیبہ تک روایت کیا ہے۔ اس میں جنابِ عمار رضی اللہ عنہ کا قصہ ذکر ہے۔ دیکھو اگلی روایت۔

حور عین تیار کر دی گئی ہیں، آج ہم اپنے حبیب محمد ﷺ سے ملیں گے، آپ نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ دنیا میں تیرا آخری کھانا دودھ کی لسی ہوگی۔ ①

روایت کے الفاظ ہیں: ''دو لوگ اپنی تلواروں کے ساتھ لڑتے تھے، یہاں تک کہ تھک جاتے، پھر بیٹھ جاتے اور آرام کرتے، پھر دوبارہ سے لڑنے لگتے۔'' یہ اس بات کی دلیل ہیں کہ اس وقت لوگ شدید تھک گئے تھے۔ زیاد بن نضر الحارثی نے اسی طرح روایت ذکر کی ہے، وہ کہتے ہیں: ہم کھڑے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے، کوئی بھی شخص فریقین میں سے دوسرے پر حملہ کرنے کی طاقت نہیں رکھ پا رہا تھا، نہ ہی وہ لڑ پا رہے تھے۔ ②

ابن کثیر رحمہ اللہ نے اسی طرح روایت کیا، کہتے ہیں: دو بندے لڑتے تھے یہاں تک کہ تھک جاتے، پھر بیٹھتے آرام کرتے اور ہر کوئی دوسرے پر حملہ کرتا، پھر ہر کوئی دوسرے کو برا بھلا کہتا، پھر دونوں کھڑے ہو کر لڑنے لگتے جیسے پہلے لڑ رہے تھے، کوئی بھی دوسرے سے فرار نہیں کر پا رہا تھا۔ إنا لله وإنا إليه راجعون، معاملہ یہاں تک ایسے ہی چلتا رہا یہاں تک کہ جمعہ کا دن آ گیا اور وہ اسی طرح لڑتے رہے۔ ③

راوی کا قول: ''اور دن آدھا گزر گیا، سارے لوگ تھک گئے تھے، کوئی بھی حرکت نہیں کر رہا تھا'' یعنی جب دن ہوا تو وہ حرکت سے ہی رک گئے، لگتا یہی ہے کہ یہ دو سبب سے تھا۔

⦿ پہلا سبب: بہت زیادہ قتل عام ہو جانا، کیونکہ زمین مقتولین سے بھر چکی تھی اور کوئی بھی ہلنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا، نہ لڑائی کی طاقت رکھتا تھا۔ اس لیے لوگ لڑائی سے رُک گئے۔

اس کی تفسیر یحییٰ کے چچا کے قول سے ملتی ہے، وہ کہتے ہیں: جب ہم صفین میں تھے، تو ایک بندہ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں پر شدت سے حملہ کرتا، یہاں تک کہ وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی خندق میں داخل ہو جاتا، پھر اسے قتل کر دیا جاتا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے ایک شخص شدت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں پر حملہ کرتا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خندق میں داخل ہو جاتا تو اسے بھی قتل کر دیا جاتا۔ یہاں تک کہ دونوں لشکر لڑائی سے رک گئے اور گھوڑے باندھ دیے گئے۔ ④

---

① روایت دیکھیں: [رقم: ۳۵۱]

② دیکھیں: [رقم: ۳۲۶]

③ روایت دیکھیں: [رقم: ۳۲۷]

④ [رقم: ۳۳۸] میں آئے گی۔

مراد یہ ہے کہ عراقی لشکر کا لڑائی کرنے والا شام کے لشکر پر حملہ کرتا اور وہاں اس کو قتل کر دیا جاتا، اس کی لاش وہیں پر پڑی رہتی، عراقی اس کی لاش لے جانے کی طاقت بھی نہیں رکھتے تھے۔ یہی معاملہ لشکرِ شام کے ساتھ ہوا کہ وہ حملہ کرتے، ان کا بندہ قتل کر دیا جاتا، اس کی لاش وہیں پڑی رہ جاتی۔ شامی اسے نکالنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے، اس طرح اتنے مقتولین ہو گئے کہ لوگ حرکت کے قابل بھی نہ رہے، نہ ہی لڑنے کے قابل رہے، کیونکہ زمین مقتولین سے بھر چکی تھی۔

⦿ دوسرا سبب: یہ ہے کہ تھکاوٹ بہت زیادہ ہو گئی تھی، کیونکہ جوں ہی لوگوں کو معلوم ہوتا کہ تھوڑی دیر جنگ بندی ہوئی ہے، تو وہ فوراً ہی زمین پر گر جاتے۔ گویا وہ مر چکے ہوں، اتنی شدید تھکاوٹ ہوتی تھی۔

یہاں ایک دوسرا عینی شاہد ابو مروان الاسلمی ہے۔ وہ دن چڑھے کی حکایت بیان کرتا ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو زوال کے بعد کیسے قتل کیا گیا؟ وہ کہتا ہے: اللہ کی قسم! لوگ اپنے اپنے کاموں میں لگے ہوئے تھے۔ کوئی اپنی زین ٹھیک کر رہا تھا، کوئی لگامیں درست کر رہا تھا، کوئی اپنی سواری کو چارا کھلا رہا تھا، یعنی یہ دن کے وقت جنگ بندی کا دورانیہ تھا، ہمیں صرف سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کی چیخ نے جگایا، یعنی ہم حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی آواز سے خوف زدہ ہو گئے، آپ ایک تکلیف دہ آواز کے ساتھ چلا رہے تھے، جو بہت بلند تھی۔ لوگ اس وقت جنگ بندی میں غافل پڑے ہوئے تھے۔ ہر کوئی اپنے کاموں میں لگا ہوا تھا، یعنی اپنی اپنی جگہوں اور مکانات پر اپنی اپنی مصروفیات میں لگے ہوئے تھے کہ انھیں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی چیخوں نے ڈرا دیا۔ مروان کہتے ہیں: ہمیں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی آواز نے ڈرایا۔ لوگو! کون ہے جو جنت کی طرف جائے گا؟ پیاسا پانی کی طرف جاتا ہے، جنت نیزوں کے سائے میں ہے اور کہا: جب سورج نصف النہار پر پہنچنے لگا تو ابو مروان کہتے ہیں: عمار رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا۔ اسی طرح خزیمہ بن ثابت انصاری اور عبدالرحمٰن بن کلدہ رضی اللہ عنہما کو شہید کر دیا گیا، یہ سب ظہر کے وقت کے دخول کے بعد شہید ہوئے، پھر ابو مروان کہتے ہیں کہ ہمارے مقتولین اتنے تھے جیسے کوئی پہاڑ ہوں، [1] مقتولین کی یہ خوفناک تعداد بیان کرتی ہے کہ لوگ اب لڑائی کی طاقت کیوں نہیں رکھ پا رہے تھے، کیونکہ زمین مقتولین سے بھر چکی تھی۔

اور لوگ کسی حرکت یا قتال کی طاقت ہی نہیں پاتے تھے۔ اسی طرح یہ جنگ بندی کا سبب بھی بتاتی ہے جو اوپر نیچے گرے ہوئے مقتولین کو گرانے کے لیے ہوئی تھی اور ان کو ہٹانے کے لیے ہوئی تھی۔

---

[1] [رقم: ۳۵۵، ۳۵۶] پہ ذکر ہو گی۔

اب ہم یحییٰ بن سعید کے چچا کی روایت کی طرف لوٹتے ہیں:

راوی کا کہنا: ''انھوں نے اپنی انگلیاں ملائیں اور اس طرح آپس میں جوڑ دیں۔'' یعنی جنگ بندی کے وقت لوگ ایک دوسرے میں اس طرح شامل ہو جاتے تھے، تاکہ ہر فریق اپنے مقتولین کو وہاں سے نکال لائے اور انھیں دفن کر دے۔ بعض روایات کے الفاظ ہیں کہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح مل جل جاتے جیسے انگلیاں ملی ہوتی ہیں۔[1]

راوی کا قول: ''یہاں تک کہ جب سورج غروب ہونے لگا تو ایک شخص ......'' یہ الفاظ اس بات کی دلیل ہے کہ جنگ بندی نصف النہار کے وقت شروع ہوئی تھی اور زوال کے وقت ختم ہو گئی اور دوبارہ سے جنگ شروع ہو گئی۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے اہلِ شام پر حملے کی ابتدا کی، وہ اپنے ساتھیوں کو بلند آواز کے ساتھ قتال پر ابھار رہے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے متبعین نے ان کی آواز پر لبیک کہا اور وہ اہلِ شام کی طرف حملہ کرنے کے لیے بڑھ گئے۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو اس جنگ بندی کے بعد جلد ہی شہید کر دیا گیا۔

یہاں ہم کچھ مزید روایات بیان کریں گے اور [رقم: ۳۴۳] کے بعد جنگ بندی کے متعلق بحث کریں گے۔

اس روایت کو بلاذری نے بھی پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے جس میں انھوں نے جنگ بندی کا سبب ذکر کیا ہے جو نصف النہار کے وقت شروع ہوئی تھی اور جنگ جاری رکھنے کے متعلق حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے موقف کا بھی ذکر کیا ہے، لیکن انھوں نے اسی سند کے ساتھ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا قصہ الگ سے ذکر کیا ہے۔

[**336**] یحییٰ بن سعید اپنے چچا[2] سے بیان کرتے ہیں، اس نے کہا: ہم صفین میں آمنے سامنے ہوئے اور کچھ دن وہاں پہ ہم نے آپس میں لڑائی کی تو ہمارے درمیان مقتولین بڑھ گئے، گھوڑے باندھ دیے گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا کہ مقتولین زیادہ ہو رہے ہیں، آپ رُک جائیں یہاں تک کہ ہم سب اپنے مقتولین کو دفن کر لیں۔ انھوں نے اس بات کو قبول کر لیا، پھر لوگ

---

[1] دیکھیں: [رقم: ۳۳۶]

[2] مطبوعہ نسخے میں اس کی تصحیف ہو گئی ہے اور ''عتبہ'' لکھا گیا ہے۔ تاریخ کے بڑے بڑے متخصصین اس تصحیف کو ایسے ہی چلاتے رہے ہیں۔ وہ اس کو جان نہیں پائے لیکن مجھے الحمد للہ، اللہ نے سابقہ اور اگلی روایت پر واقف ہونے کی وجہ سے اور ان کے درمیان تطبیق کی وجہ سے درست صورتحال سے آگاہ کر دیا ہے۔

ایک دوسرے کے ساتھ گھل مل گئے جیسے یہ انگلیاں ملی ہوئی ہیں۔ اصحابِ علی رضی اللہ عنہ میں سے ایک شخص حملہ کرتا تھا اور شام کے لشکر[1] میں اسے قتل کر دیا جاتا تھا اور اسے نکال لیا جاتا تھا۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ اپنی خندق کے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے، ان پر فریقین کے مقتولین میں سے کوئی بھی مخفی اور چھپا ہوا نہیں تھا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے ایک شخص ان کے پاس سے لے جایا گیا جس کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں قتل کر دیا گیا تھا تو حضرت عمرو رضی اللہ عنہ رونے لگے، کہنے لگے: یہ تو مجتہد تھا،[2] کتنے ہی لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے معاملے میں بہت نرم تھے[3] لیکن ان کو قتل کر دیا گیا۔ جب کہ حضرت علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ان کے خون سے بری ہیں۔[4]

[**337**] بلاذری روایت لائے ہیں، یحییٰ بن سعید اپنے چچا سے کہتے ہیں کہ جس دن سیدنا عمار رضی اللہ عنہ شہید ہوئے ایک بڑے ڈیل ڈول کا بندہ بڑے گھوڑے پر بیٹھا ہوا دردناک آواز میں ندا لگا رہا تھا: اللہ کے بندو! جنت کی طرف آؤ، جنت تلواروں اور نیزوں کے سائے میں ہے۔ یہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ تھے اور تھوڑی ہی دیر میں ان کو قتل کر دیا گیا۔[5]

---

① یعنی حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے اہلِ شام کے لشکر میں۔

② عبادت میں بہت زیادہ محنت کرنے والا اور سخت۔

③ مطلب یہ ہے کہ کتنے ہی صالحین اور متقی اور اللہ کے بندے جنھوں نے اپنی جانوں کو عبادت میں شدید طرح سے کھپایا اور صفین کے معرکے میں شامل ہوئے اور قتل کر دیے گئے جبکہ علی و معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں سمجھتے ہیں کہ ان نیک اور صالح لوگوں کے قتل کی ذمے داری دوسرے پر ہے اس پر نہیں ہے اور یہ دونوں ان کے خون سے بری ہیں، کیونکہ ہر کوئی سمجھتا تھا کہ وہ حق پر ہے اور دوسرا خطا پر ہے۔ یہ بات حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے روتے ہوئے کہی، اس میں دلالت ہے کہ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ جنگ سے اُکتا چکے تھے، وہ سمجھتے تھے کہ حضرت علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں ہی جنگ میں داخل ہونے کی بنا پر خطا پر ہیں۔ اسی وجہ سے انھوں نے فیصلہ کیا کہ وہ اللہ کی کتاب کے فیصلے کی طرف دعوت دیں۔

ایک اور واقعہ جس نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ پر بہت اثر ڈالا اور ان کی جنگ بندی کی کوشش میں اضافہ کیا، وہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت تھی۔ یہ دونوں واقعات اس روایت میں اور اس سے پچھلی روایت میں موجود ہیں۔

صالح آدمی کا شہید ہونا اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا شہید ہونا دونوں ایک ہی دن میں ہوا۔

④ أنساب الأشراف (۳۲۸/۲)، اس کی سند بھی سابقہ روایت کی طرح حسن ہے۔

عمار رضی اللہ عنہ کا قصہ اسی روایت کا جزو ہے جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے لیکن بلاذری نے ان کو دو روایات بنا دیا ہے، عمار رضی اللہ عنہ کا قصہ انھوں نے الگ سے ذکر کیا ہے جیسا کہ اگلی روایت میں آرہا ہے اور حضرت علی اور عمرو رضی اللہ عنہما کی جنگ بندی کا قصہ الگ بیان کیا ہے اور حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کے رونے اور جنگ جاری رکھنے سے اُکتا جانے کا قصہ الگ ذکر کیا ہے۔

⑤ أنساب الأشراف (۳۱۷/۲)، اس کی سند بھی سابقہ روایت کی طرح حسن ہے۔

[338] یحییٰ بن سعید انصاری اپنے چچا سے بیان کرتے ہیں، وہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ صفین میں حاضر ہوا تھا، وہ کہتا ہے: جب ہم صفین میں تھے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے ایک شخص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں پر حملہ کرتا، یہاں تک کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خندق[1] میں داخل ہو جاتا اور قتل کر دیا جاتا۔ ایک شخص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں پر حملہ کرتا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خندق میں داخل ہو جاتا، اسے قتل کر دیا جاتا یہاں تک کہ دونوں لشکر لڑائی سے رُک گئے، گھوڑے باندھ دیے گئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا کہ ہمارا لشکر تو مقتولین کی وجہ سے ہم سے گم ہو گیا ہے اور مجھے لگتا ہے کہ تمھارے ساتھ بھی یہی صورتحال پیدا ہوئی ہے، تو ہم ایک دوسرے کو امان دے دیں یہاں تک کہ ہم اپنے مقتولین کو دفنا لیں اور تم اپنے مقتولین کو دفنا لو تو حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف پیغام بھیجا کہ میں نے ایسا کر دیا ہے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ خندق کے دروازے پر بیٹھے تھے، ان کے پاس حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے کسی ایک بندے کو گزارا جاتا تو اس کے متعلق پوچھتے، انھیں خبر دی جاتی۔ ان کے پاس حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے ایک شخص کو گزارا گیا جو تہجد گزاروں اور عبادت گزاروں میں سے تھا، گمان ہے کہ شاید انھوں نے اس کا نام بھی لیا، اس کے متعلق حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے سوال کیا، انھیں بتایا گیا تو حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما یہ سمجھتے ہیں کہ یہ اس کے خون سے بری ہیں۔[2]

[339] یعقوب بن سفیان "المعرفة والتاریخ" میں روایت لائے ہیں، جیسا کہ "تاریخ دمشق" میں ہے: مجھے محمد بن ابی زکیر[3] نے بیان کیا، کہا: ہمیں ابن وہب نے بیان کیا، کہتے ہیں:

---

[1] خندق: یہ شاید تصحیف ہے درست لفظ شاید "عسکر" ہے یا "معسکر" ہے۔ کیونکہ روایت [رقم: ۳۳۶] میں گزر چکا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے ایک شخص حملہ کرتا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں قتل کر دیا جاتا، اسی طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے ایک بندہ گزارا گیا جس کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں قتل کر دیا گیا تھا۔

[2] بغية الطلب في تاريخ حلب لابن العديم (٤٧٠٨/١٠) كتاب صفين لابن ديزيل (رقم: ١٣٦، بجمعي وعنايتي)
اس کی سند بھی سابقہ روایت کی طرح حسن ہے۔ دیکھیں: موارد ابن عساكر في تاريخ دمشق (٣٩٩/١، ٤٠٠) حاشیہ۔
تخریج: اس روایت کو ابن ابی الحدید شرح نهج البلاغة (٢٥٦/٥) میں ابن دیزیل سے مختصر لائے ہیں، انھوں نے سند کا ذکر نہیں کیا۔

[3] محمد بن ابی زکیر یحییٰ بن اسماعیل الفقیہ ابو عبداللہ الصدفی مولاہم مصری۔ ابو عمر صدفی کہتے ہیں: میں نے اس کے متعلق ابو جعفر عقیلی سے پوچھا اور ابو بکر حضرمی سے پوچھا، دونوں نے کہا: یہ ثقہ ہیں۔

←

مجھے مالک نے بیان کیا: جب صفین کا آدھا دن گزر گیا تو حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ خیمہ میں بیٹھے تھے، اہلِ عراق اپنے مقتولین کو دفن کر رہے تھے اور اہلِ شام اپنے مقتولین کو چادروں اور کپڑوں میں اٹھا کر دفن کر رہے تھے، تو جب بھی ان کے پاس سے کوئی آدمی گزرتا تو پوچھتے: یہ کون ہے؟ لوگ بتاتے ہیں کہ فلاں ہے، تو حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کہتے: کتنے ہی بندے جو اللہ تعالیٰ کے معاملے میں بہت زیادہ شدت کرنے والے تھے، فلاں اور فلاں ان کے قتل سے نجات نہیں پائے گا۔[1]

[340] ابن دیزیل اپنی کتاب "صفین" میں روایت لائے ہیں جیسا کہ ابن ابی الحدید کی کتاب "شرح نهج البلاغة" میں ہے: حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ صفین میں خیمے میں بیٹھے تھے اور اہلِ عراق اپنے مقتولین کو دفن کر رہے تھے اور اہلِ شام اپنے مقتولین کو چادروں وغیرہ میں اٹھا کر دفن کے لیے قبروں کی طرف لے جا رہے تھے، تو جب بھی ان کے پاس سے کوئی بندہ گزارا جاتا تو پوچھتے: یہ کون ہے؟ بتایا جاتا کہ فلاں ہے، تو حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کہتے: کتنے ہی لوگ ہیں اللہ تعالیٰ کے معاملے میں بہت زیادہ سختی کرنے والے، عظیم الحال ان کے قتل سے فلاں اور فلاں نجات نہیں پائے گا۔ تو راوی کہتے ہیں کہ وہ اس سے حضرت علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کو مراد لیتے تھے۔[2]

راوی کا قول: "فلاں اور فلاں سے مراد علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما ہیں" اس کی تائید حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کا قول ہے، وہ کہتے ہیں کہ کیا علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اس کے خون سے بری ہیں۔[3]

← قاضی عیاض کہتے ہیں: یہ فقیہ تھے اور ابن وہب کے اکابر ساتھیوں میں سے تھے۔ حافظ ذہبی کہتے ہیں: یہ صدوق تھے۔ ایک دفعہ انھوں نے کہا کہ ابن وہب سے زیادہ روایتیں بیان کرنے والے یہی ہیں۔ آپ کی وفات سنہ ۲۳۲ھ میں ہوئی۔ دیکھیں: ترتيب المدارك وتقريب المسالك (٣٦/٤) تاريخ الإسلام (٣٢١/١٧، ٣٥٢)، التذييل على كتب الجرح والتعديل (٧٩٢)

[1] تاريخ دمشق (٧٣/٣٨- ٧٤) یہ سابقہ روایت کی طرح حسن لغیرہ ہے، یہ روایت معضل ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔ یہ اسی روایت کی طرح ہے جس کو یحییٰ بن سعید کے چچا نے بیان کیا ہے۔ ابن وہب سے مراد: عبداللہ ابو محمد المصری ہیں اور مالک سے مراد: مالک بن انس الاصبحی ہیں جو مشہور امام ہیں۔ دیکھیں: موارد ابن عساكر في تاريخ دمشق (١٢٧/١)

[2] شرح نهج البلاغة لابن أبي الحديد (٢٥٦/٥)، كتاب صفين لابن ديزيل (رقم: ١٣٧) یہ سابقہ روایت کی طرح حسن لغیرہ ہے۔

[3] دیکھیں: [رقم: ٣٣٦، ٣٣٨]

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اس کے قتل سے فلاں اور فلاں بری نہیں ہیں، یعنی اس کے قتل کی ذمے داری سے حضرت علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما بری نہیں ہے، یہ دلیل ہے کہ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ سمجھتے تھے کہ مقتولین کی ذمے داری حضرت علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے کندھوں پر ہے۔

[**341**] ابن دیزیل اپنی کتاب ''صفین'' میں روایت لائے ہیں، جیسا کہ ''تاریخ دمشق'' اور ''بغية الطلب'' میں ہے، عبدالرحمٰن بن زیاد بن انعم الافریقی بیان کرتے ہیں، انھوں نے اہلِ صفین کا ذکر کیا اور کہا کہ وہ سب عرب تھے اور جاہلیت میں ایک دوسرے کو جانتے تھے اور اسلام میں بھی ان کو یہ حمیت[1] حاصل ہوئی اور انھوں نے اسلام کی نیت کی،[2] صبر کیا اور فرار سے بچے، یہ جب صلح کی حالت میں ہوتے تو یہ ان کے لشکر میں داخل ہو جاتے اور وہ ان کے لشکر میں حاضر ہو جاتے اس طرح اپنے مقتولین کو نکالتے اور انھیں دفن کرتے۔[3]

[**342**] ابن دیزیل اپنی کتاب ''صفین'' میں روایت لائے ہیں، جیسا کہ ''تاریخ دمشق''

---

[1] اگر حمیت سے مراد جاہلی حمیت ہے تو باطل ہے، درست نہیں ہے اور اگر حمیت دین اور نصرتِ حق پر ہے جس کو ہر گروہ سمجھ رہا تھا تو صحیح ہے، لہٰذا اس روایت کو اسی پر محمول کیا جائے گا۔

[2] ''ونية الإسلام'' یعنی انھوں نے اسلام کا قصد کیا اور اس کی شریعت قائم کرنے کا ارادہ کیا۔ ''البداية والنهاية'' میں ''نیت'' کی جگہ ''سنت'' کا لفظ آیا ہے۔

[3] تاريخ دمشق (٣٩٣/١٧) بغية الطلب في تاريخ حلب (٢٨٧/١- ٢٨٨) كتاب صفين لابن ديزيل، (رقم: ٧١)
جس قدر ہم نے روایت بیان کی ہے مقبول ہے، جبکہ اس کا آخری حصہ شواہد کے ساتھ حسن ہے۔ الافریقی اپنے حفظ میں ضعیف ہے لیکن صالح شخص تھا۔ التقريب (٣٨٦٢)
نیز دیکھیں: موارد ابن عساكر في تاريخ دمشق (٣٧٦٢)

شواہد: روایت کا ابتدائی حصہ دونوں فریقوں کے مومن ہونے کے بارے میں بیان کرتا ہے اور یہ بیان کرتا ہے کہ دونوں اسلام کی حمیت اور نصرتِ حق کے لیے لڑے جو ہر گروہ اپنے طور پر سمجھ رہا تھا، یہ صحیح بات ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے درست ثابت ہے کہ انھوں نے اہلِ شام سے قتال ان کی بغاوت کی بنا پر کیا اور باغیوں سے قتال کرنا حکم شرعی ہے، جبکہ اہلِ شام نے اللہ کی شرع کی اقامت کے مطالبے کے لیے قتال کیا، وہ کیا تھا؟ وہ قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ پر اللہ تعالیٰ کی شرع کی اقامت تھی جبکہ دونوں لشکروں کا ایک دوسرے میں داخل ہونا اس کا ذکر حسن سند کے ساتھ گزر چکا ہے۔

تخریج: اس روایت کو نصر بن مزاحم نے وقعة صفين (٣٣٢- ٣٣٩) میں اسی سند کے ساتھ مفصل بیان کیا ہے، لیکن اس میں کچھ منکر الفاظ زائد بیان کیے ہیں جو ابن دیزیل کے ہاں موجود نہیں ہیں۔ یہی روایت ''البداية والنهاية'' میں عبدالرحمٰن بن زیاد سے ابن دیزیل کی روایت کی طرح موجود ہے۔ دیکھیں اگلی روایت۔

اور "بغية الطلب" میں ہے، ہمیں عبداللہ بن عمر[1] نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں ولید بن بکر تمیمی[2] نے بیان کیا، وہ سیف بن عمر سے، وہ مجالد سے بیان کرتے ہیں کہ عامر شعبی سے جمل اور صفین کے متعلق سوال ہوا تو انھوں نے کہا: وہ اہلِ جنت ہیں، ایک دوسرے سے ملے ہیں تو انھوں نے اس بات سے حیا کیا کہ وہ ایک دوسرے سے بھاگیں۔[3]

[**343**] مسلم بن الاجدع لیثی جو صفین میں حاضر ہوئے تھے، بیان کرتے ہیں: حضرت عمار رضی اللہ عنہ دو صفوں کے درمیان نکلتے تھے، اس وقت جھنڈے نکال دیے گئے تھے، وہ لوگوں کو بلند آواز سے سنا رہے تھے کہ جنت کی طرف آؤ، حور عین تیار ہو چکی ہیں۔[4]

جب عراقی لشکر مقتولینِ شام سے بھر گیا اور شامی لشکر مقتولینِ عراق سے بھر گیا تو لوگ ملنے جلنے اور لڑائی سے عاجز آ گئے، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شامی لشکر کے قائد سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا اور انھیں جنگ بندی کی دعوت دی، تاکہ ہر فریق اپنے مقتولین کو لے جائے۔ یحییٰ بن سعید کے چچا کہتے ہیں: ہم نے صفین میں جنگ لڑی، کچھ دن ہم آپس میں لڑے۔ ہمارے درمیان مقتولین زیادہ ہو گئے، گھوڑے باندھ دیے گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا کہ مقتولین زیادہ ہو گئے ہیں۔ آپ رک جائیں، تاکہ سب اپنے مقتولین کو دفن کر لیں۔ نیز کہتے ہیں: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا جو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کی قیادت کر رہے تھے، کہ ہمارے معسکر مقتولین کی وجہ سے اب

---

1. عبداللہ بن عمر بن محمد بن ابان الاموی، ان کو الجعفی بھی کہا جاتا ہے۔ صدوق ہیں لیکن ان میں تشیع پایا جاتا ہے۔
2. الطہوی، ابو خباب الکوفی، لین الحدیث۔ التقریب (٧٤١٧)
3. تاریخ دمشق (٤٨٨/١١) بغية الطلب (٣٠١/١)، كتاب صفين لابن ديزيل، رقم: ١٥٠۔ یہ روایت سابقہ روایات کی طرح مقبول ہے، لیکن یہ مذکورہ سند ضعیف ہے۔

تخریج: اس روایت کو ابن کثیر البداية والنهاية (٣٠٨/٧) میں بغیر سند کے لائے ہیں، وہ کہتے ہیں: شعبی نے بیان کیا کہ وہ اہلِ جنت ہیں، وہ ایک دوسرے سے ملے اور کوئی ایک دوسرے سے بھاگا نہیں۔

4. مصنف ابن أبي شيبة (٣٨٩٩٣) اس کی سند حسن لغیرہ ہے۔ مسلم بن عویمر بن الاجدع لیثی پر بخاری اور ابن ابی حاتم نے سکوت کیا ہے اور ابن حبان نے "الثقات" میں ذکر کیا ہے۔ مسلم بن الاجدع کا تعارف ملاحظہ ہو: التاريخ الكبير (٢٦٥/٧- ٢٦٩)، الجرح والتعديل (١٩١/٨)، الثقات (٣٩٥/٥)

شواہد: روایت دیکھیں: [رقم: ٣٣٥]

تخریج: اس روایت کو ابن عساکر (٤٦٤/٤٣) ابن ابی شیبہ کی سند سے لائے ہیں۔

تنگ ہو رہے ہیں اور میرا خیال ہے کہ آپ کے ساتھ بھی یہی کچھ ہو رہا ہوگا تو ہم ایک دوسرے کو امان دیتے ہیں، تاکہ ہم اپنے مقتولین کو دفن کر لیں اور تم اپنے مقتولین کو دفن کر لو، تو سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف پیغام بھیجا کہ جی میں ایسا کرنے کو تیار ہوں۔ جنگ بندی دوپہر کے وقت شروع ہوئی جو مقتولین کے دفن کے لیے تھی، پھر کچھ جماعتیں فریقین کی طرف سے معسکروں میں داخل ہو گئیں اور ایک دوسرے کے لشکروں میں جا کر اپنے مقتولین کو نکالنے لگی اور وہ ایک دوسرے سے ملنے لگے۔

یحییٰ بن سعید کے چچا نے ان کا یہ وصف بیان کیا ہے کہ یہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ مل جل گئے، حتی کہ ایسے ہو گئے۔ پھر انھوں نے اپنی انگلیاں ایک دوسری سے ملائیں۔[1] عبدالرحمٰن بن زیاد الافریقی نے ان کا وصف ایسے بیان کیا ہے کہ جب ان کی جنگ بندی ہوتی تو اس لشکر والے اس لشکر میں داخل ہو جاتے اور دوسرے لشکر والے ان کے لشکر میں داخل ہو جاتے، یہ اپنے مقتولین کو نکالتے اور ان کو دفن کرتے۔[2] اسی طرح ابو عبدالرحمٰن السلمی نے الافریقی[3] کے قول کی طرح اس کا وصف بیان کیا ہے۔

جنگ بندی کے دوران میں حضرت عمرو رضی اللہ عنہ اپنی خندق میں بیٹھے فریقین کے مقتولین پر نظر رکھے ہوئے تھے جنھیں وہ نکال رہے تھے، ان پر دونوں فریقوں کا کوئی مقتول بھی مخفی نہیں تھا۔ وہ مقتولینِ شام کو بھی دیکھ رہے تھے جنھیں عراق کے میدانِ جنگ سے نکال کر شام کے میدانِ جنگ میں لایا جا رہا تھا اور مقتولینِ عراق کو بھی دیکھ رہے تھے جنھیں شام کے میدانِ جنگ سے نکالا جا رہا تھا۔ وہ ہر مقتول کے تعلق سے سوال کرتے جسے ان کے پاس سے گزارا جاتا۔ تو انھیں بتایا جاتا کہ یہ فلاں بن فلاں ہے اور یہ فلاں بن فلاں ہے، یہاں تک کہ ایک عراقی کی لاش نکالی گئی جو تقویٰ، عبادت اور صلاح میں معروف تھا، تو حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق پوچھا: ان کو بتایا گیا کہ یہ فلاں بن فلاں ہے۔ آپ نے اس کو پہچان لیا اور رونے لگے، پھر ان نیک اور صالح لوگوں پر رونے لگے جن کی لاشیں فریقین سے نکالی جا رہی تھیں اور ایسی جنگ کے نتیجے میں نکالی جا رہی تھیں جو حضرت علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کی رائے اور اجتہاد سے پیدا ہوئی تھی۔

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ جن پر کوئی بھی مقتول اب چھپا نہیں رہ گیا تھا، انھوں نے اس صالح اور عابد کے قتل کے بعد پریشان ہوتے ہوئے اور روتے ہوئے کہا: یہ تو مجتہد تھا، یعنی عبادت اور اصلاح میں بہت

---

[1] دیکھیے: [رقم: ۳۳۶]

[2] دیکھیے: [رقم: ۳۴۱]

[3] دیکھیے: [رقم: ۳۲۸]

زیادہ محنت کرنے والا تھا۔ دوسرے الفاظ ہیں: ان کے پاس ایک بندے کو لے جایا گیا جو مجتہدین میں سے تھا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے تھا۔ مراد یہ ہے کہ وہ تہجد پڑھتا تھا اور قیام اللیل اور عبادت کرتا تھا۔ پھر حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: کتنے ہی لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے معاملے میں بہت زیادہ سختی کرنے والے تھے، ان کو قتل کر دیا گیا۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں: اللہ تعالیٰ کے معاملے میں بہت زیادہ سختی کرنے والے اور عظیم الحال لوگ، یعنی یہاں دونوں فریقوں کے کتنے ہی صالح لوگ ہیں، جنھوں نے خیر، صلاح اور عبادت میں شدید اجتہاد کیا۔ صلاح اور عبادت میں ان کا حال بہت عظیم تھا۔[1] لیکن اس جنگ میں یعنی جنگِ صفین میں ان کو قتل کر دیا گیا۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے ان کی لاشیں دیکھیں تو ان کا دکھ بڑھ گیا، انھوں نے اس صورت حال سے گھبرا کر کہا: کیا علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما اپنے آپ کو اس نیک آدمی کے خون سے بری سمجھتے ہیں؟ ایک روایت کے الفاظ ہیں: کیا علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما بری ہیں اس کے خون سے؟ اور ایک روایت کے الفاظ ہیں: اس کے قتل سے فلاں اور فلاں بری نہیں ہے؟ مراد حضرت علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما تھے۔[2] یعنی اس کے قتل کی ذمے داری سے حضرت علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما بری نہیں ہو سکتے۔

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کا یہ کلام اس بات کی دلیل ہے کہ وہ مسلسل جنگ جاری رہنے اور جنگ بھڑک اٹھنے سے پریشان تھے، وہ جنگ میں رغبت نہیں رکھتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ صفین میں بہائے جانے والے خون کی ذمے داری حضرت علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما پر پڑتی ہے اور وہ اس کے جواب دہ ہیں۔ اسی لیے انھوں نے کہا: کیا سیدنا علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما سمجھتے ہیں کہ وہ اس کے خون سے بری ہیں؟!

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کے اس قول کی تفصیل گزر چکی ہے، وہاں آپ دوبارہ سے دیکھ لیں تاکہ واقعے کی مکمل صورتحال واضح ہو جائے۔[3]

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کا غم حقیقی تھا، وہ تھا صالحین، علماء، عبادت گزار اور بہترین لوگوں کا صفین میں مرنا۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا کلام ایک فہیم انسان کے دل میں وہی معنی چھوڑتا ہے جو حضرت ابو مسعود البدری رضی اللہ عنہ کا کلام چھوڑتا تھا۔ حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے صفین سے قبل ہی بتا دیا تھا کہ علماء، صالحین، اہلِ خیر اور گھوڑ سوار

---

[1] دیکھیے: [رقم: ۳۳۹]

[2] دیکھیے: [رقم: ۳۴۰]

[3] دیکھیں: (ص: ۶۳۱-۶۳۳) عنوان: ''وہ اسباب جنھوں نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو تحکیم بہ کتاب اللہ کے ذریعے جنگ روکنے پر مجبور کیا''

جنگِ صفین میں قتل ہو جائیں گے اور اسلامی قوت کے بہترین لوگ ختم ہو جائیں گے۔ جنگ کے بعد صرف چھان بورا ہی باقی بچ جائے گا۔ ایسی صورت میں کسی ایک گروہ کے جیتنے کا فائدہ بھی کیا ہو گا؟ جب جنگ ان کے تر و تازہ لوگ کھا چکی ہو گی اور ان کے باسی لوگ باقی رہ جائیں گے۔

والیِ کوفہ حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبے میں کہا تھا: ہم اس کو فتح نہیں شمار کرتے، یہ دو بڑے لشکر کل آپس میں لڑیں اور ایک دوسرے کو قتل کر دیں، یہاں تک کہ ادھر ادھر سے صرف چھان بورا[1] ہی باقی بچ جائے۔ کل ایک گروہ دوسرے پر غالب آ جائے گا۔[2]

صفین میں قتل ہونے والے ذی شان لوگ:

(1) حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما: جو سابقین الاولین میں سے ہیں اور بدری ہیں۔

(2) ذو الشہادتین خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ: جن کی گواہی کو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بندوں کی گواہی قرار دیا تھا۔

(3) عبداللہ بن بدیل بن ورقاء خزاعی رضی اللہ عنہما: یہ خزاعہ قبیلے کے سردار تھے، اسی طرح ان کے والد بھی ایسے ہی تھے۔ یہ تینوں لوگ حضرت عمار، خزیمہ اور ابن بدیل رضی اللہ عنہم ان کا ترجمہ ہم ان کے موقف کے ذیل میں بیان کر چکے ہیں۔

(4) سعد بن الحارث بن الصمہ رضی اللہ عنہ: صحابی ہیں، صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شہید ہوئے۔[3]

(5) اویس بن عامر القرنی: زاہد، عابد اور تابعین کے سردار حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شہید ہوئے۔[4]

(6) حابس بن سعد الطائی: قاضیِ حمص، آپ مخضرم تابعی ہیں۔ انھیں صحابی بھی کہا جاتا ہے۔ عبادت گزاروں میں تھے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے شہید ہوئے۔[5]

---

(1) ابو مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرنا چاہتے تھے کہ جنگ شروع ہونے میں خیر نہیں ہے جس میں بہترین لوگ علماء اور صالحین، سردار، عقلاء، بہادر اور گھوڑ سوار فنا ہو جائیں گے اور دونوں اطراف میں صرف کمزور اور ضعیف لوگ ہی باقی بچیں گے۔ ایسی صورت میں اگر کسی ایک گروہ کو غلبہ مل بھی گیا تو ایسے غلبے کا فائدہ کیا ہو گا۔

(2) روایت دیکھیں: [رقم: ۱۹۲]

(3) الطبقات الکبری (۸۲/۵)

(4) مشاهير علماء الأمصار (۷٤۳)، سير أعلام النبلاء (۱۹/٤)

(5) ان کے صفین میں قتل ہونے کا ذکر گزر چکا ہے (رقم: ۱۱۵) بہ روایۃ یعقوب بن سفیان۔ وہ روایت اپنے شواہد کے ساتھ صحیح ہے۔ دیکھیے: الاستیعاب (۲۷۹/۱) تهذيب الكمال (۱۸۳/۵) تاريخ الإسلام (۵٦۱/۳) تهذيب التهذيب (۱۲۷/۲) تقريب التهذيب (۹۹۲)

⑦ کریب بن الصباح حمیری: تابعی، مذکور ابطال میں سے ایک ہیں۔ آپ شدید جنگجو تھے، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ شہید ہوئے۔[1]

⑧ ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص الزہری ابن اخی سعد بن ابی وقاص: ان کو ہشام المرقال بھی کہا جاتا ہے۔ تابعی ہیں اور بہت بہادر ابطال میں سے ہیں۔ دمشق کی فتح میں حاضر ہوئے، نیز یرموک میں حاضر ہوئے۔ اسی میں ان کی آنکھ نکل گئی جس سے کانے ہو گئے۔ آپ اپنے چچا سعد کے ساتھ جنگِ قادسیہ میں حاضر ہوئے، ہشام سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔[2]

⑨ ابو حسان قیس بن مکشوح المرادی الامیر: یہ عرب کے ان بڑے لوگوں میں سے ہیں جو شجاعت کے ساتھ موصوف ہوتے ہیں۔ انھوں نے اسود عنسی کے قتل پر مدد کی تھی جس نے یمن میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ یرموک کے دن ان کی آنکھ نکل گئی تھی۔ یہ جنگ میں ایک رائے رکھنے والے بہادر شخص تھے۔ یہ جنگِ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے امراء میں سے تھے اور اسی دن ان کی وفات ہوئی۔[3]

⑩ ذو الکلاع حمیری: اپنی قوم کے سردار ہیں، یرموک کے دن حاضر ہوئے اور دمشق فتح کیا۔ یہ صفین میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے میمنہ میں تھے، وہیں پر شہید ہوئے۔[4]

⑪ حوشب ذو ظلیم: تابعی ہیں، جاہلیت اور اسلام میں الہان کے سردار تھے۔ ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسود عنسی کذاب کے قتل میں مدد مانگی تھی اور یہ یرموک میں گھوڑ سواروں کے ایک دستے کے امیر بن کر حاضر ہوئے۔ پھر صفین کے دن پیدل دستوں کے امیر تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ شہید ہوئے۔[5]

⑫ جندب بن زہیر بن الحارث الغامدی الازدی الکوفی: یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کے قائدین میں سے تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ صحابی تھے لیکن ان کی صحبت ثابت نہیں ہے۔[6]

← یہ وہی شخص ہے جس سے حکایت کی جاتی ہے کہ اس نے خواب میں سورج اور چاند کو لڑائی کرتے دیکھا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تو کس کے ساتھ تھا؟ اس نے کہا: چاند کے ساتھ، جس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے عہدۂ قضا سے معزول کر دیا۔ یہ قصہ الاستیعاب اور مصنف ابن أبي شيبة (٣١١٤٥، ٣١٣٤٨، ٣٩٠١٩) اور تاریخ دمشق (٦٨/١٠٣-١٠٥) میں موجود ہے۔

① تاريخ دمشق (١١٧/٥٠) العبر للذهبي (٢٩/١)

② مشاهير علماء الأمصار (٤٠) تاريخ دمشق (٧٣) تاريخ الإسلام (٥٨٤/٣)

③ سير أعلام النبلاء (٥٢٠/٣)

④ تاريخ الإسلام (٥٦٥/٣)

⑤ تاريخ دمشق (٣٤٢/١٥)، الإصابة (١٨٥/٢)

⑥ تاريخ الإسلام (٥٦٠/٣) الإصابة (٥٠٧/١)

تو سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا رونا حق تھا کہ وہ ان بہترین علماء، فضلاء، عبادت گزاروں، صالحین، اشراف اور اپنی قوموں کے سرداروں کی موت پر روئیں، اسی طرح بڑے شجاع اور قادسیہ ویرموک کے ابدال کی موت پر روئیں، اسی طرح دستوں کے قائدین، مجاہدین، فاتحین پر روئیں جنھوں نے مشرق ومغرب کو فتح کیا تھا۔ پھر صفین میں اپنے ہی بھائیوں کے ہاتھوں قتل کر دیے گئے، اور ان ہزاروں لوگوں پر جو اس میں قتل ہوئے۔ اللہ ان پر رحم کرے۔

ظاہر ہوتا ہے کہ یہ جنگ بندی جس پر حضرت علی اور عمرو رضی اللہ عنہما متفق ہوئے تھے اور اس کو مقتولین کے دفن کے لیے خاص کیا گیا تھا۔ بہت تھوڑے دورانیے کی تھی، یہ نصف النہار کے وقت شروع ہوئی اور زوال تک چلی، جو شاید ایک گھنٹہ بھی نہیں بنتا۔ لہٰذا ایسا ممکن نہیں ہے کہ اتنے سے وقفے میں تمام مقتولین کو کسی قبر میں دفن کر دیا جائے۔ واللہ أعلم.[1]

[**344**] ابو اسحاق ابن دیزیل اپنی کتاب "صفین" میں روایت لائے ہیں، جیسا کہ "بغیة الطلب" میں ہے، ہمیں یحییٰ نے بیان کیا، کہا: ہمیں ابن زیاد نے بیان کیا، کہا: ہمیں ابوعبداللہ الشمالی[2] نے بیان کیا، وہ معمر سے، وہ امام زہری سے بیان کرتے ہیں: سیدنا معاویہ اور علی رضی اللہ عنہما کی صفین میں جنگ ہوئی اور وہ ایک وقت تک لڑتے رہے۔ مجھے خبر پہنچی ہے کہ تب قبر میں پچاس لوگوں کو دفن کیا جاتا تھا۔ معمر کہتے ہیں: میں نے ان کی قبروں کو دیکھا جہاں تک نظر جاتی تھی وہاں تک تھیں۔[3]

---

[1] فقہاء کا اس معاملے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ایک قبر میں ایک سے زیادہ لوگوں کو دفن نہیں کیا جائے گا، مگر بوقتِ ضرورت، جیسے کسی وبا یا جنگ کی وجہ سے مقتولین زیادہ ہو جائیں اور ہر ایک کو الگ قبر میں دفن کرنا ممکن نہ ہو یا دیگر ضروریات پیدا ہو جائیں، تو ایسی صورت میں ایک قبر میں زیادہ لوگوں کو دفن کرنا جائز ہے۔ دیکھیے: حاشية الروض المربع (۱۳۲/۳) الموسوعة الفقهية الكويتية (۱۸/۲۱)

[2] مطبوعہ نسخے میں یہ الفاظ ایسے ہی ہیں۔ ابن دیزیل نے اپنی کتاب صفین (رقم: ۱۶۵، میری جمع وتحقیق کے ساتھ) میں یہ روایت بیان کی ہے جیسا کہ تاریخ دمشق (۴۲۸/۴۹- ۴۲۹) میں اسی سند کے ساتھ ہے۔
ہمیں یحییٰ بن سلیمان جعفی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: مجھے عبدالرحمن بن زیاد نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں ابوعبداللہ الیمانی نے بیان کیا جو یمن کے تاجروں میں سے ایک تھا، وہ معمر سے، وہ زہری سے بیان کرتے ہیں، پھر انھوں نے محمد بن ابی بکر کے قتل کی خبر ذکر کی ہے لیکن مجھے اس ابوعبداللہ کا تعارف نہیں ملا۔

[3] بغية الطلب في تاريخ حلب (۳۱۱/۱- ۳۱۲)، كتاب صفين لابن ديزيل (رقم: ۱۴۴، میری جمع وتحقیق کے ساتھ) یہ خبر قرائن کے ساتھ مقبول ہے اور اس کی سند ضعیف ہے، زہری کا قول مرسل ہے۔ ←

آگے ابومروان السلمی کا قول آرہا ہے، وہ کہتے ہیں: ہمارے مقتولین پہاڑ جتنے تھے۔[1]

[345] صحیح بخاری کی روایت ہے، سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی، جب تک دو بڑے گروہ نہیں لڑیں گے، ان کے درمیان بہت زیادہ قتل ہوں گے اوران کا دعویٰ ایک ہوگا، نیز قیامت تب تک قائم نہیں ہوگی، یہاں تک کہ تقریباً تیس کے قریب دجال اور کذاب اٹھائے جائیں گے اور سب دعویٰ کرتے ہوں گے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔''[2]

اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سبھی قبروں میں پچاس پچاس لوگ دفن کیے گئے ہوں، شاید بعض قبریں اس حد تک پہنچ گئی ہوں یا اس حد سے قریب ہوں۔

اور یہ بھی مراد نہیں ہے کہ ان مقتولین کی تعداد ستر ہزار یا اس مبالغہ انگیز تعداد تک پہنچ گئی تھی جس کا ذکر مورخین نے کیا ہے۔ جس چیز نے ایک ہی قبر میں ایک جماعت دفن کرنے پر مجبور کیا تھا، وہ جنگ بندی کی مختصر مدت تھی نہ کہ تعداد کا زیادہ ہونا۔ اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ مقتولین پانچ ہزار ہو گئے تھے، پھر وہ ایک ہی قبر میں ۳۰، ۵۰ لوگوں کو دفن کرنے پر مجبور ہوئے، تاکہ اس تھوڑے سے جنگ بندی کے وقفے میں سب کو دفن کیا جا سکے۔

اسی جنگ بندی کے مختصر وقفے میں شامی لشکر عراق کے لشکروں میں آتے جاتے رہے، عراقی لشکر شام کے لشکروں میں آتے جاتے رہے، ہر گروہ اپنے مقتولین کو دفن کرنے کے لیے لے جا رہا تھا، یہاں تک کہ ایک دوسرے کے ساتھ گھل مل گئے۔ راوی نے ان کا حال اس طرح بیان کیا ہے، جیسے انگلیاں آپس میں مل جاتی ہیں۔ اس طرح کا آپس میں گھل مل جانا اور مڈھ بھیڑ مقتولین کی کثرت پر دلالت کرتا ہے۔ اللہ سب پر رحم کرے!

← ابن زیاد سے مراد: عبدالرحمٰن الرصاصی ہیں۔ ان کا تعارف حاشیہ [رقم: ۵۷٦] میں آرہا ہے، مورخین کے ہاں صفین کے مقتولین کی کثرت مشہور ہے، اس پر قرینہ یہ ہے کہ جنگ بندی کی مدت بہت کم تھی جس وجہ سے انھوں نے کئی مقتولین کو ایک قبر میں دفن کیا۔

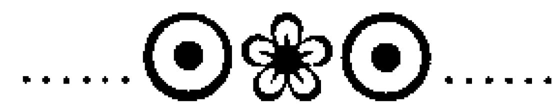
تخریج: امام ابن کثیر البداية والنهاية (۳۰٤/۷- ۳۰۷) میں زہری کا قول بغیر سند کے لائے ہیں۔

[1] روایت دیکھیں: [رقم: ۳۵۵]

[2] صحيح البخاري (۳٤۱۳)

[346] ابوبکر الخلال روایت لائے ہیں، ہمیں ابوبکر المروذی[1] نے خبر دی، وہ کہتے ہیں: ابوعبداللہ سے کہا گیا: ہم اس وقت میدانِ جنگ میں تھے کہ خلیفہ کے بعض پیغامبر آئے، خلیفہ کا ایک پیغامبر، جس کا نام یعقوب تھا، کہنے لگا: ابوعبداللہ! تم حضرت علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے معاملے میں کیا کہتے ہو؟ اللہ ان پر رحم کرے! تو ابوعبداللہ نے کہا: میں ان کے معاملے میں اچھی بات ہی کہتا ہوں، اللہ ان سب پر رحم کرے![2]

میں (شمری) بھی کہتا ہوں: اللہ ان سب پر رحم کرے!



[1] الامام، القدوہ، الفقیہ، المحدث، شیخ الاسلام ابوبکر احمد بن محمد بن الحجاج المروذی، نزیلِ بغداد، صاحبِ امام احمد، امام احمد بن حنبل سے روایت لی اور ان کی ملازمت اختیار کی، آپ امام احمد کے جلیل القدر ساتھیوں میں سے تھے۔ (متوفی: ۲۷۵ھ) سیر أعلام النبلاء (۱۳/۱۷۳)

[2] السنة للخلال (۷۱۳) اس کی سند صحیح ہے۔ ابوعبداللہ سے مراد: الامام احمد بن حنبل ہیں۔

تخریج: اس روایت کو ابن الجوزی مناقب الإمام أحمد (ص: ۲۲۱) میں ابوبکر المروذی کی سند سے لائے ہیں اور یہی روایت تاریخ الإسلام (۱۸/۸۹) میں ہے۔

آٹھواں مبحث:

سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی شہادت

سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کا ایمان تھا کہ حق کو نصرت ملے گی اور وہ خلیفہ کے باغیوں کے خلاف جنگ کو بھی ایمان سمجھتے تھے، ان کے بڑھاپے نے انھیں اس سے منع نہیں کیا تھا۔ ان کے ہاتھ میں نیزہ کانپتا تھا اور بہت زیادہ عمر ہو چکی تھی، تقریباً ۹۰ برس سے زیادہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بتایا تھا کہ ان کو عنقریب باغی گروہ کے ہاتھوں قتل کر دیا جائے گا اور دنیا میں ان کا آخری مشروب دودھ ہوگا۔ وہ آگے بڑھے اور لڑتے رہے حتی کہ ان کو شہید کر دیا گیا۔

① باغی گروہ کے متعلق وارد حدیث جس نے سیدنا عمار کو شہید کیا

[**347**] عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھے اور اپنے بیٹے علی سے کہا کہ تم ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور ان سے روایت سنو۔ جب ہم گئے تو وہ ایک باغ میں موجود تھے اور اسے درست کر رہے تھے۔ انھوں نے اپنی چادر اٹھائی اور اس کو لپیٹ دیا۔ پھر ہمیں حدیث بیان کرنے لگے یہاں تک کہ مسجدِ نبوی بنانے کا ذکر آیا تو کہنے لگے: ہم ایک ایک اینٹ اٹھا رہے تھے اور عمار رضی اللہ عنہ دو دو اینٹیں اٹھا رہے تھے۔ انھیں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو ان سے مٹی ہٹانے لگے اور کہنے لگے: ''ہائے، عمار! آپ کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔ عمار ان کو جنت کی طرف بلائے گا اور وہ اسے آگ کی طرف بلائیں گے۔ راوی کہتے ہیں: اس پر سیدنا عمار رضی اللہ عنہ نے کہا: میں فتنوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں۔''[1]

---

[1] صحيح البخاري (٤٣٦) فتح الباري لابن حجر (١/٥٤١- ٥٤٢) بخاری کی روایت کے الفاظ ہیں کہ یہ واقعہ مسجدِ نبوی کے بنائے جانے کے وقت کا ہے۔

حافظ ابن رجب نے فتح الباري (٣/٣٠٠- ٣٠٩) میں لکھا ہے کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب مسجدِ نبوی کی دوسری دفعہ تعمیر اٹھائی جا رہی تھی۔ یہ فتح خیبر کے بعد کی بات ہے اور سات ہجری کا واقعہ تھا۔ یہ پہلی دفعہ مسجد بنانے کا واقعہ نہیں ہے جو پہلی ہجری میں بنائی گئی تھی اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

←

← حدیث کے راوی سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اُحد میں حاضر نہیں ہوئے، کیونکہ اس وقت وہ چھوٹے تھے گویا تیرہ برس کے۔ تو ایسا ممکن نہیں ہے کہ پہلی دفعہ جب مسجد بنائی گئی ہو اور وہ بنانے میں شریک ہوئے ہوں۔ کیونکہ اس وقت ان کی عمر بہت چھوٹی تھی۔ اس وقت تو شاید وہ دس برس کے تھے یا اس سے بھی چھوٹے تھے۔ البتہ مذکورہ خبر یہ بتاتی ہے کہ وہ دوسری دفعہ مسجد بنائے جانے میں شامل ہوئے تھے اور وہ فتح خیبر کے بعد کا واقعہ ہے۔

ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے یہ روایت بیان کی ہے اور انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی صورت میں دیکھا کہ مسجد بنانے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے کے بال غبار آلود ہو چکے تھے۔ معلوم شد کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے شادی چوتھے برس میں کی تھی اور ان کا گھر مسجد کے پاس ہی تھا۔ لہٰذا اس بنا پر بھی یہ دوسری دفعہ تعمیر کا واقعہ بنتا ہے۔

مسند احمد کی روایت (۲۶۴۸۲) میں ہے کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں۔ مجھے خندق کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نہیں بھولا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساتھیوں کو دودھ دے رہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے کے بال غبار آلود ہو چکے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ رہے تھے: ''اللہ تمام خیر آخرت کی خیر ہے، اللہ تو انصار اور مہاجرین کو معاف کر دے۔'' تو کہتی ہیں: آپ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور کہا: ''اے ابن سمیہ! تجھے ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔''

اس روایت کو شعیب الارناؤط نے صحیح قرار دیا ہے۔ حافظ ابن رجب رحمہ اللہ نے اس پر تعلیق لگاتے ہوئے کہا ہے کہ خندق کھودنے کا ذکر اس روایت میں محلِ نظر ہے۔ درست بات مسجد کے بنائے جانے کی ہی ہے اور اس کی دو وجہیں ہیں:

پہلی بات تو یہ ہے کہ خندق کھودنے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اینٹیں نہیں لے جا رہے تھے، بلکہ مٹی لے جا رہے تھے، کیونکہ اینٹیں تو مسجد بنانے کے لیے لے جائی گئی ہیں۔

دوسری بات یہ کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینۂ مبارک پر وہ غبار نہیں بھولا، آپ اس وقت کہہ رہے تھے: ''اللہ بے شک جو بھی خیر ہے، ......۔''

ام سلمہ رضی اللہ عنہا خندق کھودتے وقت ادھر تھیں ہی نہیں! وہ تو دوسری دفعہ مسجدِ نبوی بنانے کا مشاہدہ کر رہی تھیں، کیونکہ ان کا حجرہ اس وقت مسجد کے قریب تھا۔

حافظ ابن رجب نے جو دلائل ذکر کیے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما اور ان کے والد مسجد کی دوسری تعمیر میں حاضر تھے۔

مسند احمد کی روایت (۶۴۹۹) میں ہے: عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کہنے لگے: اے میرے باپ! آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کے لیے کہتے ہوئے سنا کہ اے ابن سمیہ! تجھے باغی گروہ قتل کرے گا؟ اس روایت کو شعیب الارناؤط نے صحیح قرار دیا ہے۔ [رقم: ۳۷۲،۳۷۳] میں یہ روایات آئیں گی۔

حافظ ابن رجب اس پر تعلیق لگاتے ہوئے کہتے ہیں: اس کی سند میں اعمش سے اختلاف ہے۔ یہ روایت بھی دلیل ہے کہ مسجدِ نبوی کی تعمیر تاخیر سے ہوئی یہاں تک کہ اس میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی حاضر ہوئے۔ فتح الباري (۳۰۸/۳) ←

← **میں کہتا ہوں:** اختلاف سے ان کی مراد وہی ہے جو امام نسائی نے سنن الکبریٰ (۸۴۹۸، ۸۴۹۹، ۸۵۰۰) میں ذکر کی ہے۔
اس روایت کو امام ابو یعلیٰ نے اپنی مسند (۷۳۵۱) میں بیان کیا ہے۔ اس میں ہے: اے میرے باپ! کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا جب مسجد بنائی جا رہی تھی؟ تو حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: کیوں نہیں، میں نے تو سنا ہے۔ اس کی سند حسن ہے۔ [رقم: ۳۷۴]

حافظ ابن رجب رحمہ اللہ نے دوسری دفعہ تعمیر کے واقعہ ہونے پر طلق بن حبیب رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی استدلال کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مسجدِ نبوی بنا رہا تھا اور آپ کہہ رہے تھے: گارا اس یمامی کے قریب کرو، کیونکہ یہ تم سے اچھے طریقے سے لگا رہا ہے اور تم سے زیادہ مضبوط کندھے والا ہے۔ ابن حبان (۱۱۲۲) امام البانی اور شیخ شعیب الارناؤط نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ التعلیقات الحسان (۱۱۱۹)

حافظ ابن رجب رحمہ اللہ کا استدلال ہے کہ طلق بن حبیب رضی اللہ عنہ کا وفد پہلی ہجری میں تو آیا ہی نہیں تھا، یہ وفد نبی کریم ﷺ کے پاس اسلام پھیل جانے کے بعد آیا ہے اور بالجزم انھوں نے یہ بات کی ہے کہ سیدنا طلق رضی اللہ عنہ دوسری تعمیر میں شامل ہوئے تھے۔ فتح الباري (۳/۳۰۳)

میں کہتا ہوں: مسند أحمد (۱۷۷۷۸) میں روایت ہے۔ ہمیں عبدالرزاق نے بیان کیا، کہا: ہمیں معمر نے ابن طاؤس سے بیان کیا، وہ ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم سے، وہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ جب سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو قتل کر دیا گیا تو عمرو بن حزم سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہا: حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ عمار کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔ تو سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ پریشانی سے کھڑے ہوئے اور یہ بات دہراتے رہے یہاں تک کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس چلے گئے۔ معاویہ نے کہا: آپ کو کیا مسئلہ ہے؟ انھوں نے کہا: حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا گیا تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا گیا، پھر کیا ہوا؟ تو حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا تھا: ان کو باغی گروہ قتل کرے گا۔

تو ان سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تو اپنے پیشاب میں ڈوب جائے! کیا ہم نے ان کو قتل کیا ہے، ان کو تو علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے قتل کیا ہے، وہ انھیں لائے اور ہماری تلواروں کے بیچ میں ڈال دیا، یا ہماری تلواروں کے سامنے ڈال دیا۔

شعیب الارناؤط کہتے ہیں: اس کی سند صحیح ہے اور حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کے نبی کریم ﷺ سے سماع کی صراحت کی ہے۔ [رقم: ۳۷۲] میں اس روایت کا تکرار ہوگا۔

حافظ ابن رجب رحمہ اللہ نے دوسری تعمیر پر دلائل ذکر کیے ہیں، جیسے امام ترمذی نے (۶/ ۲۷۶، رقم: ۴۰۳۶) میں روایت بیان کی ہے۔ اس میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے محاصرے کے دن کہا: میں تمھیں اللہ کی قسم دیتا ہوں اور اسلام کی قسم دیتا ہوں! کیا تم جانتے ہو کہ مسجد تنگ تھی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کون ہوگا جو فلاں لوگوں کا گھر خرید لے گا اور اسے مسجد کو دے دے گا تو اس کے لیے جنت میں خیر ہوگی تو میں نے اس کو اپنے مال سے خریدا تھا اور آج تم ←

اس قول: ''وہ انھیں جنت کی طرف بلائیں گے'' سے مراد یہ ہے کہ وہ انھیں جنت کے راستے کی طرف بلائیں گے اور جنت میں داخل ہونے کے سبب کی طرف بلائیں گے اور وہ سبب امام کی اطاعت ہے اور اس کی بغاوت سے اجتناب ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے فرمان: ''وہ انھیں آگ کی طرف بلائیں گے۔'' سے مراد یہ ہے کہ وہ آگ کے راستے اور آگ میں دخول کے سبب کی طرف بلائیں گے اور وہ سبب امام سے بغاوت ہے۔ لیکن ان سے جو بغاوت صادر ہوئی تھی وہ تو تاویل اور اجتہاد سے ہوئی تھی۔ [1]

حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے جو کہا: ''میں فتنوں سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔'' اس بات کی دلیل ہے کہ وہ حدیث سے پہلی مرتبہ یہ سمجھ گئے تھے کہ وہ فتنے کی کسی جنگ میں باغی گروہ کے ہاتھوں قتل ہوں گے۔ اس لیے انھوں نے فتنوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی تھی۔ اس سے مراد یہ ہے کہ سیدنا عمار رضی اللہ عنہ صفین کو فتنے کا قتال سمجھتے تھے اور اس پر دلیل اس حدیث کو بناتے تھے۔

باغی گروہ سے مراد مکمل گروہِ شام ہے یا ایک چھوٹا سا مجموعہ جو سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے درپے تھا؟

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے: پھر سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کو باغی گروہ کا قتل کرنا اس معاملے میں نص نہیں ہے کہ یہ الفاظ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے صحابہ کے لیے ادا ہوئے ہوں بلکہ اس کا امکان موجود

← مجھے ہی منع کرتے ہو کہ میں اس مسجد میں دو رکعت ادا کر لوں تو انھوں نے کہا: بے شک ہم تم کو منع کرتے ہیں، اس روایت کو امام البانی اور شعیب الارناؤط نے حسن قرار دیا ہے۔

واقدی نے روایت بیان کی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے پاس آٹھ ہجری ماہِ صفر میں ہجرت کے لیے آئے۔ الطبقات الکبریٰ (٤٧/٥) مکتبة الخانجي.

مسند أحمد (١٧٧٧٧) میں ایک لمبی خبر ہے، اس میں ہے کہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اپنے اسلام کا قصہ بیان کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ پھر میں رسول اللہ ﷺ کی طرف قصد کرتے ہوئے نکلا تھا کہ اسلام لے آؤں۔ میں حضرت خالد بن ولید سے ملا، یہ فتح مکہ سے تھوڑا پہلے کی بات ہے اور وہ اس وقت مکہ سے آ رہے تھے۔ میں نے کہا: اے ابوسلیمان! کہاں جا رہے ہو؟

اس روایت کو بھی شعیب الارناؤط نے حسن قرار دیا ہے۔ تو یہ بھی دلیل ہے کہ دوسری تعمیر خیبر کے بعد ہوئی تھی اور فتح مکہ سے پہلے ہوئی تھی۔

[1] فتح الباري لابن حجر (٥٤٢/١)

ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس سے وہ گروہ مراد لیا ہو جو حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو ان کی طرف لے کے گیا ہو یہاں تک کہ اسی نے ہی قتل کر دیا ہو اور وہ گروہ اسی شامی لشکر میں موجود ہو۔ جو شخص سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کے قتل پر راضی ہوا اس کا حکم بھی قاتل کے حکم والا ہوگا اور یہ تو معلوم ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے گروہ میں ایسے لوگ موجود تھے جو حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قتل پر راضی نہیں تھے، جیسے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما وغیرہ بلکہ سبھی لوگ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا انکار کرتے تھے، حتی کہ معاویہ اور عمرو رضی اللہ عنہما بھی انکار کرتے تھے۔[1]

اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں: وہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی ہی تھے۔[2]

میں کہتا ہوں: اس سے مراد انھوں نے پورے لشکرِ شام کو لیا ہے۔ درست بات جس پر صحیح دلائل ملتے ہیں وہ یہ ہے کہ باغی گروہ سے مراد پورا لشکرِ شام تھا۔ ذیل میں اس کے دلائل ملاحظہ کیجیے:

پہلا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فہمِ حدیث ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے اس حدیث سے سمجھا کہ باغی گروہ سے مراد مکمل فوج ہے، ایک چھوٹا سا مجموعہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھا کہ باغی گروہ شام کا گروہ ہی ہے جبکہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کی تاویل یہ کی کہ وہ عراق کا گروہ ہے۔ جبکہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قتل ہونے کی خبر دی گئی اور نبی کریم ﷺ کی حدیث بتائی گئی کہ ان کو باغی گروہ قتل کرے گا تو وہ شدید طرح سے پریشان ہوئے، کیونکہ انھوں نے حدیث سے یہ سمجھا تھا کہ اس سے مراد پورا لشکرِ شام ہے۔ اسی لیے وہ پریشانی سے اٹھے اور اُلٹے پاؤں چلتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: آپ کو کیا ہوا ہے؟ تو انھوں نے کہا: حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا گیا ہے۔

کہتے ہیں کہ اس رات قتال نہیں ہوا، یہ جمعرات کی رات[3] تھی، کیونکہ جمعہ کی رات[4] تو "لیلۃ الھریر" تھی جس میں جنگ اپنے زوروں پہ تھی اور جمعہ کے دن[5] تو تحکیم کی بنیاد پہ جنگ بندی ہوگئی تھی۔

---

1. مجموع الفتاویٰ لابن تیمیۃ (۳۵/۷۶-۷۷)
2. مسائل امام احمد بن حنبل و اسحاق بن راہویہ: بہ روایت اسحاق بن منصور الکوسج (۳۵۰۹)
3. یعنی بدھ کا دن، ۸/صفر، ۳۷ھ، جمعرات کی رات۔
4. یعنی جمعرات کا دن، ۹/صفر، ۳۷ھ، جمعہ کی رات۔
5. یعنی جمعہ کا دن، ۱۰/صفر، ۳۷ھ۔

[348] عبداللہ بن سلمہ بیان کرتے ہیں: میں نے جنگِ صفین کے موقعے پر حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو دیکھا، وہ انتہائی بوڑھے، عمر رسیدہ، گندم گوں اور لمبے قد کے آدمی تھے، انھوں نے اپنے ہاتھ میں نیزہ پکڑ رکھا تھا اور ان کے ہاتھ کانپ رہے تھے، انھوں نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے! میں نے تین مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں اس جھنڈے کو لے کر قتال کیا ہے، اور یہ چوتھی مرتبہ ہے، اس ذات کی قسم جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے! اگر یہ لوگ ہمیں مارتے ہوئے ہجر کی چوٹیوں[1] تک بھی پہنچ جائیں، تب بھی میں یہی سمجھوں گا کہ ہمارے مصلحین برحق ہیں اور وہ غلطی پر ہیں۔[2]

---

[1] آپ نے ہجر کا نام اس لیے خاص کیا ہے، کیونکہ وہ مسافت میں بہت دور ہے اور اس میں کھجوریں بہت زیادہ ہیں۔
ھجر: یہ ''ہفوف'' نامی شہر ہے جو سعودی عرب کے مشرقی علاقے احساء میں واقعہ ہے۔ ھجر کے ساتھ بعدِ مسافت اور کھجوروں کی کثرت سے مثال دی جاتی تھی۔

[2] مسند أحمد (١٨٨٨٤) اس کی سند حسن ہے۔ اس کی متابعت اگلی خبر میں کی گئی ہے۔ اس کے راوی ثقہ ہیں اور شیخین کے راوی ہیں۔ سوائے عبداللہ بن سلمہ مرادی کوفی کے۔ وہ مختلط ہو گئے تھے اور عمرو بن مرہ کا ان سے اختلاط کے بعد سماع ہے۔ شعبہ نے عمرو سے بیان کیا ہے کہ انھوں نے کہا: عبداللہ بن سلمہ ہمیں حدیث بیان کرتے تھے تو کچھ ہم پہچان لیتے تھے، کچھ نہیں پہچانتے تھے، وہ بوڑھے ہو گئے تھے۔ اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا: اس کی روایت کی متابعت نہیں کی جاتی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہ صدوق تھے، ان کا حافظہ خراب ہو گیا تھا۔
اس روایت کو امام حاکم نے صحیحین کی شروط پر صحیح قرار دیا ہے اور امام البانی نے حسن قرار دیا ہے۔ التعليقات الحسان (٧٠٣٩) جبکہ شعیب الارناؤط نے ضعیف قرار دیا ہے۔ ان کی تضعیف کا جواب اگلی روایت کی تعلیق میں آ جائے گا۔
ایک شاذ لفظ کا بیان جو درست نہیں ہے:
ابو داود طیالسی نے اس کے متن کی مخالفت کی اور اس روایت کو مسند (٦٧٨) میں بیان کیا ہے، اسی سند سے ابن سعد نے طبقات (٢٥٦/٣) میں بیان کیا ہے۔ بلاذری نے أنساب الأشراف (٣١٧/٢) میں، ابونعیم نے معرفة الصحابة (٢٠٧١/٤، رقم: ٥٢٠٢) میں شعبہ سے اسی سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔
البتہ وہ کہتے ہیں کہ عمار رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا، ان کے ہاتھ میں جھنڈا تھا تو کہا: یہ وہ جھنڈا ہے جس کے ساتھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تین دفعہ لڑتا رہا ہوں۔
اس خبر کے یہ الفاظ شاذ ہیں اور قطعی طور پر خطا ہیں، کیونکہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بدر میں شامل نہیں ہوئے بلکہ وہ اُحد اور خندق میں مشرکین کے ساتھ شامل ہوئے تھے، بعد میں اسلام لائے تھے۔ تو یہ تیسری دفعہ لڑنا کہاں سے آ گیا۔ ابو داود طیالسی کی ''الضعفاء'' سے اس لفظ پر متابعت بھی کی گئی ہے۔
امام طبری اپنی التاريخ (٩٩/٣) میں روایت لائے ہیں: مجھے موسیٰ بن عبدالرحمان مسروقی نے بیان کیا، کہا: ہمیں عبید بن صباح نے عطا بن مسلم سے بیان کیا، وہ اعمش سے روایت کرتے ہیں: ابوعبدالرحمٰن سلمی نے کہا: میں نے حضرت ←

سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کا قول کہ ''ہمارے مصلح حق پر ہیں'' یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ سمجھتے تھے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں ایسے لوگ موجود ہیں جو فسادی ہیں، جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون میں شامل ہیں۔

تخریج میں ہم نے ایک شاذ لفظ ذکر کیا ہے، جو اس روایت کی وجہ سے درست نہیں ہے تو اس کو پہچاننے کے لیے اس کی طرف رجوع کریں۔ اب ہم صحیح روایات کی طرف آتے ہیں۔

[349] وضیء بیان کرتے ہیں کہ میں نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو کہتے ہوئے سنا: جو چاہتا ہے کہ اس کو حور عین تھام لیں تو وہ صفوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے آگے بڑھے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ ایک صف تمھیں بہت شدید مارے گی جس سے باطل پرست شک میں پڑ جائیں گے اور اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر وہ ہمیں مارتے ہوئے ھجر کی چوٹیوں تک لے جائیں، تب بھی میں جانتا ہوں کہ ہم حق پر ہیں اور وہ گمراہی پر ہیں۔[1]

← عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو صفین میں سنا، وہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے کہہ رہے تھے: تو نے اس جھنڈے والے کے ساتھ تین دفعہ قتال کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر، یہ چوتھی دفعہ ہے اور نہ یہ زیادہ بہتر ہے اور نہ زیادہ تقوے والی ہے۔

اس کی سند ضعیف ہے۔ عبید بن صباح سے مراد ابو محمد کوفی خزاز ہے۔ امام ابو حاتم رازی اس کے متعلق کہتے ہیں: یہ ضعیف الحدیث ہے۔ بزار کہتے ہیں: اس میں کوئی حرج نہیں۔ مسند البزار (١٤٩٠) الجرح والتعديل (٤٠٨/٥) التذييل على الكتب الجرح والتعديل (٥٠٨)

اور عطا بن مسلم سے مراد: ابو مخلد خفاف کوفی حلبی ہے۔ صدوق ہے لیکن بہت زیادہ غلطیاں کرتا ہے۔ التقریب (٤٥٩٩)

اسی طرح ابن سعد نے اس روایت کو الطبقات (٢٥٨/٣) میں واقدی سے بیان کیا ہے، اپنی سند کے ساتھ اور انھی الفاظ کے ساتھ۔ اس میں ہے کہ میں نے اس جھنڈے والے کے ساتھ تین مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر قتال کیا ہے۔ اور یہ چوتھی دفعہ بھی ان میں سے ایک کی طرح ہی ہے۔

پھر اس روایت کو وکیع، غندر، یزید بن ہارون، وہب بن جریر، ابو الولید طیالسی یحییٰ بن عباد ضبعی نے شعبہ سے اسی طرح بیان کیا ہے۔

تخریج: اس روایت کو ابن سعد نے الطبقات (٢٥٧/٣) میں یحییٰ بن عباد ضبعی سے بیان کیا ہے۔ ابن ابی شیبہ (٣٩٠٢١) نے وکیع سے بیان کیا ہے اور ابن ابی شیبہ نے اپنی المصنف (٣٩٠٢٧) میں اور المسند (٤٤٦) میں اور ابو یعلیٰ (١٦١٠) نے، اور ابن حبان (٧٠٨٠) نے غندر سے بیان کیا ہے۔

حاکم (٥٦٥١) نے یزید بن ہارون کی سند سے بیان کیا ہے اور اسی طرح (٥٦٧٨) میں وہب بن جریر کی سند سے بیان کیا ہے۔ ابو الولید طیالسی سے بیان کیا ہے یہ سب شعبہ سے یہی روایت بیان کرتے ہیں۔

امام حاکم دوسری مرتبہ کہتے ہیں کہ یہ روایت شیخین کی شرط پر صحیح ہے، لیکن انھوں نے اس کو بیان نہیں کیا۔

[1] مصنف ابن أبي شيبة (٣٨٩٩٤) اس کی سند متابعت کی بنا پر حسن ہے۔ ←

[350] ہمیں سلیمان بن احمد نے بیان کیا، کہا: ہمیں حسن بن علی معمری[1] نے بیان کیا، کہا: ہمیں محمد بن سلیمان بن ابی الرجاء نے بیان کیا، کہا: ہمیں ابومعشر نے بیان کیا، کہا: ہمیں جعفر بن عمرو ضمری نے بیان کیا، وہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی[2] ابو سنان دولی سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو دیکھا، انھوں نے پانی منگوایا، انھیں دودھ کا ایک پیالہ دیا گیا تو انھوں نے اس سے پیا، پھر کہا: اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے سچ کہا، آج ہم محبوبوں سے ملیں گے، محمد ﷺ اور ان کی جماعت سے۔ یقیناً رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ آخری چیز جو تو دنیا سے پیے گا وہ دودھ کی لسی ہوگی۔ پھر کہا: اللہ کی قسم! اگر وہ ہمیں شکست دے دیں یہاں تک کہ ہمیں ھجر کی چوٹیوں تک لے جائیں تو بھی ہم جانتے ہیں کہ ہم حق پر ہیں اور وہ باطل پر ہیں۔[3]

← اس کے تمام راوی ثقہ، شیخین کے راوی ہیں سوائے وضیء کے، اس کے متعلق امام بخاری اور ابو حاتم نے سکوت کیا ہے۔ امام ابو حاتم کہتے ہیں: اسے وضیء یا وضین کہا جاتا ہے۔

وضیء کا تعارف: التاریخ الکبیر (۱۹۱/۸) اور الجرح والتعدیل (۴۹/۹) میں ہے۔

تخریج: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس خبر کو مختصر طور پر فتح الباري (۸۶/۱۳) میں لائے ہیں اور کہا ہے کہ یہ روایت ابن ابی شیبہ نے ابو الرضا سے صحیح سند کے ساتھ ذکر کی ہے۔ وہ کہتے ہیں: میں نے عمار رضی اللہ عنہ سے صفین کے دن سنا۔ اسی طرح "فتح الباري" کے مطبوعہ نسخے میں "الوضیء" کی جگہ "ابو الرضا" کا لفظ آیا ہے۔

اس روایت کی تضعیف پر شعیب ارناؤط کا ردّ:

مصنف ابن ابی شیبہ کے طبعات میں "سمعت الوضیء" کا لفظ ساقط ہوگیا ہے جو عوامہ کی طبع سے شائع ہوئی تھی۔ تو شعیب ارناؤط اس سقوط کی بنا پر سمجھ بیٹھے کہ "عن أبي مسلمة" کا لفظ "عبداللہ بن مسلمہ" سے تصحیف ہے۔ انھوں نے یہ بھی سمجھ لیا کہ "عن عمرو بن مرہ" کا لفظ بھی اس روایت سے گر گیا ہے۔

پھر انھوں نے "مسند" کی تحقیق میں کہا: ابن ابی شیبہ کے مطبوعہ نسخے میں سقوط اور تحریف ہوئی ہے اور دو سندوں میں باہم خلط ملط ہوگیا ہے۔ اب شیخ شعیب نے عبداللہ بن سلمہ کی متابعت نہیں پائی جس پر اعتبار کیا جا سکتا ہے، اسی لیے اس روایت کو ضعیف قرار دے دیا۔ درست مگر یہ ہے کہ یہ روایت صحیح ہے۔ الحمد للہ. سابقہ اور آئندہ روایت ملاحظہ کیجیے۔

[1] مطبوعہ نسخے میں اس کی تصحیف "العمري" سے ہوئی ہے۔ اس کا تعارف سیر أعلام النبلاء (۵۱۰/۱۳) میں ہے۔

[2] راوی نے ایسے ہی کہا ہے کہ ابو سنان صحابی ہے، اس کا نام یزید بن امیہ ہے۔ درست بات یہی ہے کہ صحابی نہیں ہے۔ اس کا تعارف: تہذیب الکمال (۸۶/۳۲) میں دیکھیں۔

[3] حلیۃ الأولیاء (۱۴۱/۱) اس کی سند حسن لغیرہ ہے۔

علامہ البانی لکھتے ہیں: اس سند میں کوئی حرج نہیں ہے۔ شواہد میں پیش کی جا سکتی ہے۔ معمری معروف حافظ ہیں اور ان کے شیخ محمد بن سلیمان کو ابن حبان نے ثقہ قرار دیا ہے اور ابومعشر سے مراد نجیح بن عبدالرحمٰن سندھی ہے جو ضعیف ہے۔ ←

[351] ہمیں ابو الولید فقیہ[1] اور ابو بکر ابن قریش[2] نے بتایا، دونوں کہتے ہیں: ہمیں حسن بن سفیان[3] نے بیان کیا، کہا: ہمیں حرملہ بن یحییٰ نے حدیث بیان کی، کہا: ہمیں عبداللہ بن وہب نے بیان کیا، کہا: مجھے ابراہیم بن سعد نے بیان کیا، وہ اپنے باپ سے، وہ اپنے دادا سے بیان کرتے ہیں: سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما صفین کے اس دن جس دن انھیں قتل کیا گیا، کہہ رہے تھے جنت سجا دی گئی، حور عین سے شادی کر

← ہیثمی کا قول ہے کہ اس روایت کو طبرانی نے بیان کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے، لیکن یہ ہیثمی کا تساہل ہے۔ البتہ اگر وہ اسے حسن لغیرہ کہتے ہیں تو پھر ٹھیک ہے۔ لیکن یہ خلافِ ظاہر ہے۔ امام البانی رحمہ اللہ کا کلام ختم ہوا۔ سلسلة الأحاديث الصحيحة (٦٦٢/٧)

[1] حسان بن محمد بن احمد بن ہارون نیشا پوری ابو الولید فقیہ شافعی ہیں۔ عابد ہیں۔ خلیلی نے ان کی توثیق کی ہے۔
امام حاکم کہتے ہیں: یہ خراسان میں اہل الحدیث کے امام تھے اور میں نے جتنے علماء کو دیکھا ہے ان میں سب سے زیادہ زاہد تھے، سب سے زیادہ عبادت گزار تھے اور کہتے ہیں: ابو الولید نے صحیح مسلم پر مستخرج لکھی ہے، امام ذہبی نے "العبر" میں لکھا ہے: یہ حدیث کے بہت بڑے عالم اور اس علم کے بہت زیادہ جاننے والے تھے۔
مزید دیکھیے: الإرشاد للخليلي (٨٤٢/٣) سير أعلام النبلاء (٤٩٢/١٥) العبر في خبر من غبر (٨٠/٢) الثقات ممن لم يقع في الكتب الستة (٣٣٨/٣) الروض الباسم في تراجم شيوخ الحاكم (٢٦٩)

[2] محمد بن عبداللہ بن قریش ابو بکر الوراق الریونجی۔ علامہ سمعانی کہتے ہیں: یہ اہلِ علم اور اہلِ صدق میں سے تھے۔ امام حاکم کہتے ہیں: یہ کثیر الحدیث تھے، ان کا خط خوبصورت تھا اور روایت میں صدوق تھے۔ میں نے ان پر مسند حسن بن سفیان پڑھی ہے۔ دیکھیے: الأنساب للسمعاني (٢٢٢/٦) رجال الحاكم في المستدرك (١٣٩٩) الروض الباسم في تراجم شيوخ الحاكم (٩٤٧)

[3] حسن بن سفیان بن عامر بن عبدالعزیز بن نعمان بن عطاء شیبانی: امام، حافظ، ثبت، ابو عباس خراسانی، نسوی، صاحب المسند ہیں۔ حافظ ذہبی نے "العبر" میں کہا ہے: یہ ثقہ تھے، حجت تھے اور بہت زیادہ سفر کرتے تھے۔ ابن ابی حاتم کہتے ہیں: انھوں نے مجھے لکھا ہے اور وہ صدوق ہیں۔
امام ابن حبان کہتے ہیں: حسن ان میں سے تھے جو سفر کرتے تھے، تصنیفات کرتے تھے اور حدیث بیان کرتے تھے اور پورے دیانت دار اور بیدار مغز انسان تھے اور سنت میں مضبوط تھے۔
امام حاکم کہتے ہیں: حسن بن سفیان خراسان کے محدث تھے۔ اپنے زمانے میں ثبت ہونے میں مقدم تھے۔ اسی طرح کثیر الحدیث تھے۔ اللہ نے بہت زیادہ فہم، فقہ اور بہت ادب دیا تھا۔
حافظ ابو بکر احمد بن علی رازی کہتے ہیں: دنیا میں حسن کی کوئی نظیر نہیں ہے۔ ۳۰۳ھ میں فوت ہوئے۔
مزید دیکھیے: الجرح والتعديل (١٦/٣) تاريخ دمشق (٩٩/١٣) العبر (٤٤٥/١) سير أعلام النبلاء (١٥٧/١٤) الثقات ممن لم يقع في الكتب الستة (٣٥٩/٣)

دی گئی، آج ہم اپنے حبیب محمد ﷺ سے ملیں گے، انھوں نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ آخری زادِ راہ جو دنیا سے میرا ہوگا وہ دودھ کی لسی ہوگی۔ ①

[352] ابراہیم بن سعد کے دادا بیان کرتے ہیں کہ میں نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو صفین میں سنا، اس دن جس دن انھیں قتل کیا گیا، وہ اعلان کر رہے تھے: میں جبار ② سے ملوں گا، میں حور عین سے شادی کروں گا، آج ہم محبوبوں سے ملیں گے، آج ہم محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں سے ملیں گے، مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے وعدہ کیا تھا کہ دنیا میں تیرا آخری زادِ راہ دودھ کی لسی ہوگی۔ ③

[353] ابوالبختری روایت کرتے ہیں کہ سیدنا عمار رضی اللہ عنہ صفین کے دن لڑائی کرنے لگے، لیکن ان کو قتل نہیں کیا جا سکا۔ پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے: امیر المومنین! کیا یہ وہ وہ دن نہیں ہے؟ تو انھوں نے کہا: آپ اپنے آپ سے دور کر دیں۔ ایسا کئی دفعہ کہا، پھر ان کے پاس دودھ لایا گیا، وہ انھوں

---

① المستدرك (٥٦٦٨) اس کی سند صحیح ہے اس کے راوی شیخین کے راوی ہیں سوائے حرملہ کے۔ حرملہ صحیح مسلم کے راویوں میں سے ہے۔ ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف قرشی زہری اور ان کے دادا ابراہیم ہیں۔
امام حاکم کہتے ہیں: یہ روایت بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے لیکن انھوں نے اسے بیان نہیں کیا۔ حافظ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ میں کہتا ہوں: حرملہ صحیح مسلم کے راویوں میں سے ہیں۔
اس روایت کو البانی اور شعیب ارناؤوط نے صحیح قرار دیا ہے۔ السلسلة الصحيحة (٣٢١٧) مسند أحمد (١٧٣/٣١)
تخریج: اس روایت کو حرملہ بن یحییٰ نے اپنے نسخہ میں بیان کیا ہے جیسا کہ تاريخ دمشق (٤٦٨/٤٣- ٤٦٩) میں ہے اور ان ائمہ نے اسے حرملہ کی سند سے ہی روایت کیا ہے۔ موارد ابن عساكر في تاريخ دمشق (٧٧٢/٢)
اسی طرح بیہقی نے دلائل النبوة (٥٥٢/٢) میں حاکم کے واسطے سے بیان کیا ہے۔ طبرانی نے الأوسط (٦٤٧١) میں بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں: ہمیں محمد بن عبداللہ بن عرس نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں حرملہ نے اسی سند سے بیان کیا۔ پھر طبرانی کہتے ہیں: اس حدیث کو ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف سے سوائے ان کے بیٹے کے کسی اَور نے بیان نہیں کیا، نہ ہی ابراہیم بن سعد سے کسی نے بیان کیا سوائے ابن وہب کے۔ تو اس کے بیان کرنے میں حرملہ بن یحییٰ منفرد ہیں۔ اس مکمل روایت کو ہم آگے بیان کریں گے۔
ابن عرس سے مراد: ابوعبداللہ مصری ہیں، ان کی توثیق مجھے نہیں مل سکی۔ دیکھیں: إرشاد القاصي والداني إلى شيوخ الطبراني (٩٤٦)

② "إني لقيت الجبار" یہ الفاظ ایسے ہی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ "أزلفت الجنة" (جنت قریب کر دی گئی ہے) سے تصحیف ہے، سابقہ روایت دیکھیں۔

③ المعجم الأوسط (٦٤٧١) یہ روایت بھی سابقہ روایت کی طرح صحیح ہے۔ اس پر ہم نے طبرانی کی تعلیق پچھلی حدیث کی تخریج میں بیان کر دی ہے۔

نے پیا، پھر عمار رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ آخری مشروب ہے جو میں دنیا میں پیوں گا، پھر آگے بڑھے، قتال کیا، یہاں تک کہ ان کو قتل کر دیا گیا۔[1]

[**354**] ابوبکر محمد بن ابراہیم بن علی بن عاصم ابن المقری نے اپنے ''فوائد'' میں ابراہیم بن منصور سلمی کے واسطے سے روایت ذکر کی ہے، جیسا کہ "تاریخ دمشق"میں ہے۔ہمیں ابومحمد عبدالرحمان بن عبیداللہ ابن اخی الامام نے حلب[2] میں بیان کیا، کہا: ....

---

[1] مسند أبي يعلى (١٦٢٦) یہ حسن لغیرہ ہے۔ خالد سے مراد: خالد بن عبداللہ واسطی ہیں۔ عطا سے مراد عطا بن سائب ہیں، یہ صدوق تھے، پھر مختلط ہو گئے تھے۔ میں نے ان کے اختلاط کے متعلق ایک کتاب میں پوری فصل ذکر کی ہے۔ وہ کتاب ہے:"خطبة الحسن ومعاوية رضي الله عنهما عند البيعة" (رقم: ٤١)

خالد کی اس سے روایت اختلاط کے بعد کی ہے، لیکن ان کی متابعت کی گئی ہے اور میسرہ سے مراد: ابو جمیلہ بن یعقوب طہوی ہیں جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا جھنڈا پکڑے ہوئے تھے۔ مقبول راوی ہیں۔ ابوالبختری سے مراد: سعید بن فیروز ہیں جو ثقہ ثبت ہیں۔ ان میں ہلکا سا تشیع تھا، لیکن کثیر الارسال تھے۔ وہ اس حادثے میں موجود نہیں تھے، لہٰذا اس کی روایت مرسل ہے، لیکن میسرہ نے ان کے متابعت کر رکھی ہے۔

تخریج الحدیث: امام ابن حجر نے اس کو المطالب العالية (٤٤٢٤) میں ابویعلیٰ سے ان کی مسند سے نقل کیا ہے۔

ابونعیم نے اس کو الحلية (١٤١/١) میں "يحيى الحماني، ثنا خالد بن عبد الله" کے طریق سے ایسے ہی بیان کیا ہے۔ یہ روایت صرف انہی سے مرفوع بیان ہوئی ہے، آئندہ روایت بھی دیکھیں۔

[2] یہاں دو راوی ایسے ہیں جو تین معاملات میں مشترک ہیں: نام میں، اپنے استاد (الجوہری) میں اور اپنے شاگرد ''ابن المقری'' میں۔ وہ دو راوی درج ذیل ہیں:

- **شیخ محدث ابومحمد عبدالرحمٰن بن عبیداللہ بن عبدالعزیز بن فضل ہاشمی حلبی:** یہ ''ابن اخی الامام'' کے نام سے معروف ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کی کنیت ابوالقاسم ہے۔ ان کی وفات ۴۱۲ھ میں ہوئی ہے۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں: یہ بارھویں طبقے کے مقبول راوی ہیں۔ دیکھیے: تاريخ الإسلام (٦٣٠/٢٣) سير أعلام النبلاء (٣٠٧/١٤) التقريب (٣٩٤٠)
- **محدث ابومحمد عبدالرحمٰن بن عبیداللہ بن احمد الاسدی الحلبی صغیر معدل:** ان کو بھی ''ابن اخی الامام'' کہا جاتا ہے، امام ذہبی اپنی "التاریخ" میں کہتے ہیں کہ یہ صدوق ہیں۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں: یہ بارھویں طبقے کے مقبول راوی ہیں۔ دیکھیے: تاريخ الإسلام (٦٣١/٢٣) سير أعلام النبلاء (٣٠٧/١٤) التقريب (٣٩٤١)

تو خبر کا راوی ان دونوں میں سے کوئی ایک ہے۔

یہاں ایک تیسرا راوی بھی ہے لیکن وہ ان سے مشابہ نہیں ہے۔ اسے فقط پہچان کے لیے ذکر کر دیتے ہیں۔ اس کا نام ہے: عبدالرحمٰن بن عبیداللہ بن حکیم اسدی ابومحمد حلبی الکبیر المعروف ابن اخی الامام، صدوق ہیں۔ امام ابوحاتم کہتے ہیں: یہ صاحبِ فہم انسان تھے۔ د.س. التقريب (٣٩٣٩)

ہمیں ابراہیم بن سعید جوہری[1] نے بیان کیا، کہا: ہمیں ابوالجواب[2] نے بیان کیا، کہا: ہمیں سلیمان بن قرم[3] نے بیان کیا، وہ ہارون بن سعد[4] سے، وہ عمران بن ظبیان[5] سے، وہ ابو تحیی[6] سے بیان کرتے ہیں کہ میں صفین کی ایک صف میں تھا کہ ہمارے پاس سیدنا علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر پر سوار گزرے، آپ صفیں سیدھی کر رہے تھے۔ تو حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کھڑے ہوئے اور لگام پکڑ لی، کہنے لگے: امیر المومنین! کیا یہ وہی یومِ عتیق ہے سیدنا علی رضی اللہ عنہ چلتے رہے اور ان کا کوئی جواب نہیں دیا، پھر ہماری طرف لوٹے اور صفیں سیدھی کرنے لگے، حضرت عمار رضی اللہ عنہ پھر کھڑے ہوئے اور لگام پکڑی، کہا: امیر المومنین! کیا یومِ عتیق یہی ہے؟ پھر انھوں نے کہا: امیر المومنین! آپ بات کیوں نہیں کرتے؟ کیا یومِ عتیق یہی ہے تو علی رضی اللہ عنہ نے کہا:

---

(1) یہ امام حافظ مجود صاحب المسند الاکبر ابواسحاق ابراہیم بن سعید بغدادی جوہری ہیں۔ اصلاً طبرستان سے تھے۔ امام نسائی نے ان کی توثیق کی ہے جیسا کہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے کہا ہے۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں: یہ ثقہ ہیں۔ حافظ ہیں، ان کے متعلق بغیر دلیل کے کلام کیا گیا ہے۔ م: ٤. التقريب (١٧٩)

(2) ''احوص بن جواب الضبی'' سے مراد ابوالجواب کوفی ہے۔ یہ صدوق ہے، کبھی وہم کر جاتے ہیں۔م د ت س۔ التقريب (٢٨٩)

(3) سلیمان بن قرم بن معاذ تمیمی ضبی ابو داود البصری النحوی۔ امام احمد نے ان کی توثیق کی ہے۔ ایک مرتبہ تو کہا کہ میں اس کے بارے میں کوئی حرج نہیں جانتا، لیکن یہ تشیع میں بہت زیادہ آگے بڑھے ہوئے تھے۔ امام ابن معین، امام نسائی، امام ابو زرعہ اور ابو حاتم نے ان کو ضعیف کہا ہے۔ امام مسلم شواہد میں اس کی روایت لائے ہے۔ حافظ ذہبی کہتے ہیں: یہ کوفی تھے اور حسن الحدیث تھے لیکن شدید قسم کے شیعہ تھے۔ امام ابن معین نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: یہ کمزور حافظے والے تھے، شیعہ تھے۔ خت م د ت س. تهذيب الكمال (١٢/٥١) تاريخ الإسلام (١٠/٢٤٧) التقريب (٢٦٠٠)

(4) ہارون بن سعد عجلی جعفی کوفی اعور ثقہ ہیں۔ ان پر رفض کی تہمت ہے۔ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے رجوع کر لیا تھا۔ التقريب (٧٢٢٧)

(5) یہ حنفی کوفی ہے، یعقوب بن سفیان کہتے ہیں کہ یہ ثقہ ہیں۔ امام ابو حاتم کہتے ہیں: ان کی حدیث لکھی جاتی ہے۔ امام بخاری کہتے ہیں: ان پر کلام ہے۔ ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے، پھر مجروحین میں بھی ذکر کر دیا ہے۔ یہ خطا کرنے والے تھے، لیکن ان کی خطائیں بہت بڑی نہیں تھیں کہ ان سے احتجاج کرنا ہی باطل ہو جائے لیکن جس روایت میں یہ منفرد ہوں اس سے بہرحال دلیل نہیں لی جائے گی۔ امام ابن حجر کہتے ہیں کہ یہ ضعیف تھے اور ان پر تشیع کا الزام تھا۔ ابن حبان ان کے معاملے میں تناقض کا شکار ہو گئے ہیں۔ بخ س. تهذيب الكمال (٢٢/٣٣٤) تهذيب التهذيب (٨/١٣٣) التقريب (٥١٥٨)

(6) حکیم بن سعد الحنفی: ابو تحیی، الکوفی، ابن حجر نے ان کو صدوق کہا ہے۔ الإكمال لابن ماكولا (١/٥٠٢) (٢/٤٨٦) التقريب (١٤٨٣)

جی ہاں، یہی ہے۔ پھر انھوں نے لگام چھوڑ دی اور وہ کہہ رہے تھے: آج محبوبوں سے ملیں گے، محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں سے ملیں گے۔[1]

---

[1] تاریخ دمشق (٤٣/٤٦٤) اس کی سند حسن لغیرہ ہے۔ سوائے ان الفاظ کے "جناب رسول اللہ ﷺ کے خچر پہ" اگر معاملہ حقیقت میں ایسے ہی ہوتا تو یہ بات ثقہ اور مشہور رواۃ کی زبان سے مشہور ہوتی۔ دیکھیے: موارد ابن عساکر في تاریخ دمشق (١١٣٢/٢)

یہ روایت اس کی شاہد بھی ہے:

⊙ ابن ابی شیبہ (٣٩٠٠٢) نے اس روایت کو بیان کیا ہے: [ہمیں یحییٰ بن آدم نے بیان کیا، انھوں نے کہا: ہمیں فطر نے ابو القعقاع سے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے علی رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ کے شہباء نامی خچر پر دیکھا، وہ مقتولین کے درمیان چل پھر رہے تھے] اس کی سند ضعیف ہے۔ اس میں نکارت اور جانبداری ہے، مبنی بر غلو ہے۔

یحییٰ ثقہ ہیں۔ فطر: ابن خلیفہ ہے۔ یہ صدوق راوی ہیں لیکن ان پر تشیع کا الزام ہے۔ ابن العدیم نے بغیة الطلب (٤٥٩٩/١٠) میں ابو القعقاع کا تعارف ذکر کیا ہے۔ فرمایا: ابو القعقاع الجرمی: اس نے جنگِ صفین میں علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شرکت کی اور اس کے واقعات بیان کیے۔ ابو جناب الکلبی نے اس سے روایت لی ہے۔

اور ابن العدیم کے ان الفاظ سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ جس "ابو القعقاع" کا انھوں نے تذکرہ کیا ہے وہ ابو القعقاع ایک دوسرے راوی ہیں، ان کا نام عبداللہ بن خالد الجرمی ہے۔ امام بخاری اور ابو حاتم نے اس پر سکوت کیا ہے۔ ابن حبان نے ان کا ذکر "الثقات" میں کیا ہے۔ دیکھیے: الطبقات الکبریٰ (١٨٠/٦) التاریخ الکبیر (٧٧/٥) الجرح والتعدیل (٤٣/٥) الثقات لابن حبان (٢٩/٧) الثقات ممن لم یقع في الکتب الستة (٩/٦)

⊙ امام نسائی نے اس روایت کو السنن الکبریٰ (٨٥١٧) میں روایت کیا ہے۔ کہتے ہیں: ہمیں عبدالاعلیٰ بن واصل بن عبدالاعلیٰ نے بتایا، کہا: ہمیں فضل بن دکین نے موسیٰ بن قیس حضرمی سے روایت کیا، وہ سلمہ بن کہیل سے، وہ زید بن وہب سے روایت کرتے ہیں کہ جنابِ علی رضی اللہ عنہ نے قنطرہ الدیز جان نامی جگہ پر ہم سے خطاب کیا اور کہا: میرے لیے ایک گروہ کا ذکر کیا گیا ہے جو مشرق کی طرف سے ظاہر ہوگا اور اس میں ذو الثدیہ نامی ایک شخص ہوگا، تو ان سے قتال ضرور کرنا۔ اس بات پر خوارج نے ایک دوسرے سے کہا: ان سے گفتگو نہ کرو، وہ تمھارا ویسے ہی جواب دیں گے جس طرح انھوں نے حروراء کے دن دیا تھا۔ خوارج میں سے بعض نے دوسروں کو نیزے مارنے شروع کر دیے۔ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے ایک بندے نے کہا: اپنے عوالی کو کاٹ ڈالو، یعنی نیزوں کو، پھر وہ گھوم گئے اور ان کے ساتھی بھی آگے پیچھے ہو گئے، اس دوران میں علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں سے ١٢ یا ١٣ لوگ قتل ہو چکے تھے۔ جنابِ علی رضی اللہ عنہ نے کہا: مخدج کو تلاش کرو اور یہ واقعہ یومِ شات میں پیش آیا تھا۔ انھوں نے کہا: ہم اس چیز کی طاقت نہیں رکھتے، پھر علی رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے شہباء نامی خچر پر سوار ہوئے اور نشیبی زمین کی طرف آگئے، وہاں پہ کہا: اس مخدج کو ان لوگوں میں تلاش کرو، پھر اس کو نکال لایا گیا تو آپ نے کہا: میں نے جھوٹ نہیں بولا اور نہ ہی مجھ سے جھوٹ کہا گیا ہے۔ علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ تم اپنے اپنے اعمال کرو اور کسی چیز پر بھروسا نہ کر کے بیٹھ جاؤ۔ اگر مجھے اس بات کا ڈر نہ ہوتا کہ تم اسی ←

چیز پر بھروسا کر کے بیٹھ جاؤ گے تو میں تمھیں وہ چیز ضرور بتاتا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی زبان سے تمھارے لیے طے کی ہے۔ یمن میں کچھ لوگ ہمارے ساتھ شریک ہوئے تھے تو انھوں نے کہا: امیر المومنین! کیسے؟ فرمایا کہ ان کی منشا ہمارے ساتھ تھی۔ [رقم: ۵۰۸] پر یہی روایت مختصر ذکر ہو گی۔

ابن ابی شیبہ (۳۹۰۵۳) نے اور بزار نے (۵۸۰) اس روایت کو فضل بن دکین سے ایسے ہی روایت کیا ہے، لیکن ابن ابی شیبہ نے اپنی روایت میں ان الفاظ ''نبی ﷺ کے خچر'' کا ذکر نہیں کیا۔

امام نسائی کی روایت پہ حکم: یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ شاذ ہے کہ ''نبی ﷺ کا خچر'' اور ''۱۲ یا ۱۳ آدمی قتل ہوئے'' اور ''یمن میں کچھ لوگ ہمارے ساتھ تھے''۔

تو راوی کا یہ کہنا کہ ''پھر علی رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے شہباء نامی خچر پر سوار ہوئے'' اور اس کا یہ کہنا: ''لوگ ہمارے ساتھ یمن میں حاضر تھے تو انھوں نے کہا: امیر المومنین کیسے؟ جواب دیا کہ ان کی خواہش ہمارے ساتھ تھی'' یہ دونوں زیادات شاذ ہیں۔ موسیٰ بن قیس ان زیادات کو سلمہ بن کہیل سے روایت کرنے میں منفرد ہیں۔ اس حدیث کو ثقہ راویوں نے بھی بیان کیا ہے مگر ان الفاظ کا ذکر نہیں کیا۔ موسیٰ بن قیس کو جنت کی چڑیا کا لقب دیا جاتا تھا۔ یہ صدوق اور شیعہ راوی تھا اور اس کی زیادت ''جس میں نبی ﷺ کے خچر کا نام آتا ہے'' اس میں شیعہ کی طرف جھکاؤ محسوس ہوتا ہے۔

اس تفرد کے ساتھ ثقات کی مخالفت بھی ہے، لہٰذا یہ روایت قبول نہیں ہے بلکہ اس کے متن میں بھی اختلاف کیا گیا ہے۔ جیسا کہ امام مسلم اور ابن ابی شیبہ نے اپنی روایت میں ذکر کیا ہے۔ یہ روایات آگے آئیں گی۔

اور موسیٰ بن قیس نے یہاں بھی غلطی کھائی ہے جب یہ کہا کہ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں سے ۱۲ یا ۱۳ لوگ قتل ہو گئے۔ اس میں اس نے شک کا اظہار کیا ہے، جبکہ امام مسلم کی روایت میں فقط دو آدمیوں کے قتل ہونے کا ذکر ملتا ہے۔

- امام مسلم (۳/۱۱۵) نے اس روایت کو عبدالملک بن ابی سلیمان کے واسطے سے سلمہ بن کہیل سے اسی سند سے ذکر کیا ہے اور اس میں ہے کہ اس دن لوگوں میں صرف دو بندے قتل ہوئے، یعنی علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے دو آدمی نہ کے ان کی تعداد ۱۲ یا ۱۳ تھی۔ یہ روایت [رقم: ۴۹۴] میں مکمل تفصیل سے آئے گی۔
- ابن ابی شیبہ نے اس روایت کو بیان کیا، فرمایا: ہمیں ابو معاویہ نے اعمش سے اور انھوں نے زید بن وہب سے ایسے ہی روایت کیا ہے۔ اس میں یہ دونوں زیادات نہیں ہیں۔ [رقم ۵۰۶] پہ وہ بھی تفصیل کے ساتھ ذکر ہو گی۔
- عبداللہ نے اس روایت کو المسند (۱۱۸۹) پر اپنی زیادات میں بیان کیا ہے، وہ ابو الوضیء عن علی رضی اللہ عنہ کی سند سے نقل کرتے ہیں لیکن انھوں نے بھی ان دونوں زیادات کا ذکر نہیں کیا۔ [رقم: ۵۰۴] پر اس کا بھی تفصیلاً ذکر ہو گا۔
- امام ابن ابی شیبہ نے ابو وائل عن علی رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی اس روایت (۳۹۰۶۹) کو ذکر کیا ہے۔ اس میں بھی ان زیادات کا تذکرہ نہیں ہے، بلکہ اس میں مضمون تو وہ ہے جو موسیٰ بن قیس کی روایت کے مخالف ہے۔

ابو وائل نے کہا کہ علی رضی اللہ عنہ نے اپنی سواری کو منگوایا، اس پر سوار ہوئے اور چل پڑے یہاں تک کہ نشیبی زمین کی طرف آ گئے۔ تو وہ علی رضی اللہ عنہ کی سواری تھی نہ کہ نبی ﷺ کا خچر تھا۔ [رقم: ۴۹۶] پر اس کا بھی ذکر ہو گا۔

....

← یہ حدیث بے حد مشہور ہے۔ اسے ایک جماعت نے علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، مگر اس طرح کی زیادات کا ذکر نہیں کیا، تو جو کچھ ہم نے اس سلسلے میں ذکر کر دیا ہے وہ ابن قیس کے شذوذ کو سمجھنے کے لیے کافی ہے۔ ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

⊙ اس روایت کو خطیب نے تاریخ بغداد (۱/۱۷۱) میں احمد بن اسحاق بن ابراہیم بن نبیط بن شریط الاشجعی کی سند سے ذکر کیا۔ فرمایا: مجھے میرے باپ نے بیان کیا، وہ اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں، پھر جنگِ نہروان کے دن کا ایک لمبا قصہ ذکر کیا اور اس میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں: ''تو پھر ہم کھڑے ہوئے اور مقتولین کے درمیان چلنے پھرنے لگے یہاں تک کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر کو دیکھا، اس پر جناب علی رضی اللہ عنہ سوار تھے، انھوں نے کہا کہ مردوں کو الٹ پلٹ کرو۔'' یہ موضوع روایت ہے۔ احمد بن اسحاق کے بارے میں امام ذہبی نے کہا کہ یہ اپنے باپ اور اپنے دادا کی سند سے ایک ایسے نسخے سے روایات کرتا تھا جس میں بڑے بڑے جھوٹ تھے۔ اس سے دلیل پکڑنا جائز نہیں، یہ کذاب راوی ہے۔

امام ذہبی نے اپنی ''التاریخ'' میں اس کے بارے میں کہا کہ یہ مشہور وضعی نسخے کا مالک تھا۔ دیکھیے: تاریخ الإسلام (۲۱/۵۱) میزان الاعتدال (۱/۸۲) إرشاد القاصي والداني (٦١)

تو اس سلسلے میں درست بات یہی ہے کہ وہ خچر جس پر علی رضی اللہ عنہ سوار تھے وہ انہی کا تھا نہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ اس چیز کی دو دلیلیں مجھے ملی ہیں:

پہلی یہ کہ پچھلے ہی صفحے میں ابن ابی شیبہ کی روایت گزری ہے کہ جس میں یہ الفاظ واضح ہیں کہ انھوں نے اپنی سواری منگوائی اور اس پر سوار ہو گئے، یہ جنگِ نہروان کے دن ذوالثد یہ کو تلاش کرنے کا وقت تھا۔ دوسری روایت کو امام بزار نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ ذوالثد یہ کی تلاش میں نکلے، تو وہ اپنے شہباء نامی خچر پر سوار ہوئے۔ تو یہ ان کا خچر تھا نہ کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ [رقم:۵۰۱] میں یہ روایت مکمل آئے گی۔

تو یہ عام مشہور کی گئی باتیں ہیں جو کوفہ کے تشیع مزاج لوگوں کا کارنامہ ہے۔ اس سلسلے میں کچھ اَور بھی من گھڑت مشہور باتیں ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذوالفقار نامی تلوار تھی۔ دیکھیے: [رقم: ۳۳۰]

اس باب میں ایک روایت امام وکیع نے بھی اپنے نسخے میں بیان کی ہے۔ وہ اعمش عن ابی صالح سے روایت کرتے ہیں کہ ایک حدی خوان اس دن عثمان رضی اللہ عنہ کی حدی بیان کرتا اور کہتا:

إِنَّ الْأَمِيـرَ بَعْـدَهُ عَلِيٌّ رضی اللہ عنہ وَفِي الزُّبَيْرِ رضی اللہ عنہ خَلَفٌ رَضِـيٌّ

''بے شک ان کے بعد امیر اور خلیفہ علی رضی اللہ عنہ ہیں اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما ان کے بعد ہیں اور لوگوں کے پسندیدہ بھی ہیں۔''

کہتے ہیں: کعب نے اس سے کہا: مستحقِ خلافت تو شہباہ نامی خچر کے مالک ہیں، یعنی معاویہ رضی اللہ عنہ۔

جب یہ بات سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو پتا چلی تو وہ ان کے پاس آئے اور کہا: ابو اسحاق یہ تم کیا کہتے ہو؟ جبکہ یہاں تو علی، زبیر اور اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی موجود ہیں۔ جواب دیا: آپ ہی اس کے صحیح مستحق ہیں۔

اس روایت کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔ ابو صالح کا نام ذکوان السمان ہے۔ اس نے کعب احبار سے ←

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے یہ جو فرمایا: ''خود سے دور کر دیں۔'' وہ شاید کہنا چاہ رہے تھے کہ اپنے آپ سے خوف کو دور کر دیں، یعنی موت سے نہ ڈریں۔ یہ مراد نہیں ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان کو خوف زدہ دیکھ رہے تھے۔ بلکہ آپ تو ایک الگ طرح سے کہنا چاہ رہے تھے کہ یہ وہی دن ہے جس کے بارے میں آپ مجھ سے سوال کر رہے ہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمار رضی اللہ عنہ گویا جانتے تھے کہ یہی وہ دن ہے جب سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا جائے گا، اسی لیے سیدنا عمار رضی اللہ عنہ نے جواب مل جانے کے بعد کہا: ''آج محبوبوں سے ملاقات ہوگی، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی حزب سے'' یعنی ابھی مجھے قتل کر دیا جائے گا اور پھر میں ان سے ملوں گا۔ پھر سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کے پاس دودھ لایا گیا۔ آپ نے وہ دودھ پیا پھر کہا: یہ آخری مشروب ہے جو میں دنیا میں پیوں گا۔ پھر آگے بڑھے لڑائی کی اور شہید کر دیے گئے۔

سیدنا عمار رضی اللہ عنہ نے کہا: ''امیر المومنین! آپ کلام کیوں نہیں کرتے؟ کیا یہی یوم عتیق نہیں ہے؟ انھوں نے کہا: جی ہاں۔ پھر انھوں نے لگام کھینچی اور وہ کہہ رہے تھے: آج ہم محبوبوں سے ملیں گے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں سے ملیں گے۔'' گویا آپ اپنے قتل کے دن کو یوم العتیق قرار دیتے تھے۔ یہ تشبیہ تھی اس دن کے ساتھ جس میں بندہ فوت ہو جاتا ہے اور لوگ اس کے وارث بن جاتے ہیں۔[1]

← سماعت نہیں کی۔ مزید اس روایت کے متن میں بھی نکارت ہے، یعنی صحیح اور متواتر روایات کی مخالفت ہے۔ اس میں جانبداری ہے اور ایک طرف جھکاؤ ہے۔

اس مخالفت کی وجہ یہ ہے کہ جنابِ عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد جو خلیفہ ہیں وہ علی رضی اللہ عنہ ہیں، نہ کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ۔ اور اس خبر میں کعب کی زبان سے ان کے بارے میں یہ گمان ہے کہ جنابِ عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد خلیفہ معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

روایت میں یہ بات ذکر ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات کعب سے کہی تھی کہ یہاں علی اور زبیر رضی اللہ عنہما بھی موجود ہیں تو انھوں نے جواب دیا: نہیں، آپ ہی اس کے مستحق ہیں۔

میں نے شیخ علامہ محدث عبداللہ سعد کو سنا، وہ کہتے ہیں کہ ابو صالح یعنی سمان نامی راوی نے کعب احبار سے کوئی روایت نہیں سنی، اس نے صرف ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور صحابہ میں طبقہ وسطیٰ کے دوسرے راویوں سے سماعت کی ہے۔ کبار صحابہ عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم سے اس کی کوئی سماعت نہیں ہے، البتہ ان کے بعد والوں سے سماع ہے۔ جبکہ کعب تو عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہی وفات پا گیا تھا تو ابو صالح کا کعب سے روایت کرنا منقطع ہے۔

تخریج الحدیث:

اس روایت کو خلال نے السنة (۷۰۹) میں اور ابن عساکر (۱۲۳/۵۹) نے وکیع کی سند سے ایسے ہی بیان کیا ہے۔

[1] دیکھیں: أحكام الميراث بالولاء في: الموسوعة الفقهية الكويتية (۲۷۱/۲۹)

جب یہ ثابت ہو گیا کہ سیدنا علی اور سیدنا عمار رضی اللہ عنہما اس دن کے متعلق جانتے تھے تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بتایا تھا۔

[355] ابن دیزیل اپنی کتاب "صفین" میں لائے ہیں، جیسا کہ "بغية الطلب" میں ہے: ہمیں یحییٰ بن سلیمان نے بیان کیا، کہا: ہمیں ابراہیم بن الجراح[1] نے بیان کیا، وہ ابو یوسف[2] سے، وہ محمد بن اسحاق سے، وہ صالح بن ابراہیم بن عبدالرحمان بن عوف[3] سے روایت کرتے ہیں: اسلم قبیلے کے ایک بزرگ بیان کرتے ہیں جو صفین میں حاضر ہوئے تھے۔ اللہ کی قسم! لوگ اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ کوئی اپنی زین ٹھیک کر رہا تھا۔ کوئی لگامیں درست کرتا تھا۔ کوئی اپنی سواری کو چرا رہا تھا، تو ہمیں سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کی آواز نے پریشان کر دیا۔ انھوں نے کہا: لوگو! کون اللہ کی طرف جانے والا ہے۔ پیاسا پانی کی طرف آتا ہے۔ جنت نیزوں کے اردگرد ہے۔ اور پھر کہا: جب سورج معتدل ہونے لگا تو سیدنا عمار رضی اللہ عنہ اسی دن شہید کر دیے گئے، اسی طرح خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے اور عبدالرحمٰن بن کلدہ رضی اللہ عنہ[4] بھی شہید کر دیے گئے۔

---

[1] ابراہیم بن جراح بن صبیح تمیمی مازنی مروذی کوفی۔ یہ اصحابِ رائے میں سے ہیں۔ مصر کے قاضی بنے اور حضرت ابو یوسف سے فقہ حاصل کی۔ انہی سے حدیث سنی اور "الأمالي" لکھی۔ حافظ ابن حبان نے ان کا "الثقات" میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے: وہ خطا کرتے تھے۔ حرملہ نے ان کے متعلق گواہی دی ہے کہ یہ خلقِ قرآن کے قائل تھے۔ یونس بن عبدالاعلی کہتے ہیں: یہ بہت بڑے عالم تھے۔ ۲۱۷ھ یا ۲۱۹ھ میں فوت ہوئے۔ دیکھیے: الثقات لابن حبان (٦٩/٨)، كتاب الولاة وكتاب القضاة للكندي (ص: ٣٠٦)، تاريخ الإسلام (٥٢/١٥)، لسان الميزان (٤٣/١)، الثقات ممن لم يقع في الكتب الستة (١٦٤/٢)، الطبقات السنية في تراجم الحنفية لتقي الدين الغزي (٢١٨/١)، ترجمة: ٢٩)

[2] یہ امام، مجتہد، علامہ، محدث، قاضی القضاۃ، ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم بن حبیب بن حبیش بن سعد بن بجیر بن معاویہ الانصاری، الکوفی، صاحب ابی حنیفہ ہیں۔ امام احمد اور علی بن مدینی کہتے ہیں: یہ صدوق ہیں، امام نسائی کہتے ہیں: یہ ثقہ ہیں۔ ابن عدی کہتے ہیں: ان میں حرج نہیں۔ امام دارقطنی کہتے ہیں: ان کی حدیث میں ضعف ہے۔ ۱۸۲ھ میں فوت ہوئے۔ دیکھیے: العلل لأحمد رواية عبدالله (٥٣٣٢) سؤالات السلمي للدارقطني (٣٣٨) سير أعلام النبلاء (٥٣٥/٨)

[3] القرشی الزہری ابو عبدالرحمٰن یا ابو عمران المدنی۔ ثقہ۔ خ.م. التقريب (٢٨٤٣)

[4] عبدالرحمٰن بن کلدہ کا تعارف مجھے نہیں ملا، البتہ نصر کی "وقعة صفين" (ص: ٣٩٤) میں صفین کے مقتولین میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ اسی طرح خلیفہ کی التاريخ (ص: ١٩٤) میں اور عبدالرحمٰن بن محمد بن اسحاق بن مندہ کی المستخرج من كتب الناس (٥٧٤/٢) میں اور ذہبی کی الخلفاء الراشدين (ص: ٢٦٧) میں ان کا ذکر ملتا ہے۔

یہ ساری شخصیات مقتولوں کے درمیان پہاڑوں کی طرح پڑی تھیں۔[1] [رقم: ۳۴۵] میں اس روایت کی شرح کر دی گئی ہے۔ لازماً وہاں رجوع کرو۔

اس کے عینی گواہ شیخ اسلمی مبہم ہیں۔ ان کی تصریح ابن سعد کی روایت میں موجود ہے:

[**356**] ہمیں محمد بن عمر نے بیان کیا، کہا: مجھے ہاشم بن عاصم[2] نے بیان کیا، وہ منذر بن جہم[3] سے

---

[1] بغية الطلب في تاريخ حلب (۳۲۵۵/۷) كتاب صفين لابن ديزيل: رقم: [۱۲۲] میرے جمع واہتمام کے ساتھ۔
یہ روایت اپنے شواہد کے ساتھ حسن ہے، لیکن مذکورہ سند ضعیف ہے۔ یحییٰ بن سلیمان سے مراد جعفی ہیں جو بخاری کے شیوخ سے ہیں۔ صدوق ہیں خطا کر جاتے ہیں۔ محمد بن اسحاق سے مراد: ابن یسار مدنی ہیں۔ صاحبِ سیرت، صدوق لیکن مدلس ہیں اور ان پر تشیع اور قدری ہونے کا الزام ہے۔
عینی شاہد: اسلم قبیلے کے شیخ کی صراحت ابن سعد کی اگلی روایت میں آ رہی ہے لیکن اس کا تعارف مجھے نہیں ملا۔
متابعات وشواہد: یہ جو بات ہے کہ ''ہمیں عمار رضی اللہ عنہ کی آواز نے ہی ڈرایا۔'' اس کی گواہی سعید بن یحییٰ کے چچا کے قول نے دی ہے، اس میں کہتے ہیں کہ ''دردناک آواز سے ڈرایا۔'' وہ روایت حسن لغیرہ ہے۔ دیکھیے: [رقم: ۳۴۵]
حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا قول: ''آج ہم محبوبوں سے ملیں گے۔'' صحیح سند کے ساتھ [رقم: ۳۵۱] اور اس کے بعد کی روایت میں آیا ہے۔ جبکہ اسی دن حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت کا قصہ مستدرک حاکم کی روایت میں موجود ہے: وہ ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف سے بیان کرتے ہیں، کہتے ہیں: میں نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو صفین میں سنا، جس دن انھیں قتل کیا گیا، وہ آواز لگا رہے تھے: جنت تیار کر دی گئی ہے، ...... ۔ اس کی سند صحیح ہے۔ [رقم: ۳۵۱] اور بعد کی روایت دیکھیں۔
تخریج: اس روایت کو الشیخ المفید نے الاختصاص (ص: ۱۳) میں ذکر کیا ہے۔ ابومخنف لوط بن یحییٰ کی سند سے، وہ محمد بن اسحاق سے بیان کرتے ہیں۔ اس کے آخر میں ایسی زیادت ہے جس میں نکارت ہے، میں نے معلومات کے لیے ذکر کر دیا ہے۔ اس مصدر پہ اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ اس روایت کو مجلسی نے بحار الأنوار (۲۰/۳۳) میں "المفید" سے ذکر کیا ہے۔

[2] ہاشم بن عاصم الاسلمی واقدی کے شیخ ہیں۔ مجھے اس کا ترجمہ نہیں ملا، البتہ اس کے والد کا تعارف الاستیعاب (۷۸۵/۲، ترجمة: ۱۳۵۱) میں موجود ہے۔ وہ کہتے ہیں: عاصم بن الاسلمی مدنی، ان سے ان کے بیٹے ہاشم بن عاصم نے بیان کیا ہے۔ ابونعیم نے معرفة الصحابة (۲۱٤٤/٤) میں کہا ہے: عاصم ابو ہاشم الاسلمی ظاہر ہوتا ہے۔
ظاہر ہوتا ہے کہ ہاشم بن عاصم اخباری ہیں اور انھوں نے بہت سی تاریخی روایات ذکر کی ہیں۔ اسی طرح سیرتِ نبویہ کے بعض واقعات بھی ذکر کیے ہیں، وہ انھیں اپنے والد سے اور وہ انھیں منذر بن جہم اسلمی سے روایت کرتا ہے۔
دیکھیے: الطبقات الكبرى - طبعة الخانجي (۹۵/۱، ۹٦) (۲۳۹/۳) (۲۲۸/٤) (٦۰/٥، ۲۱٦) (۲۰۳/٦، ۳۹۰، ۳۹۲)
معرفة الصحابة لأبي نعيم (۱۲۷٦/۳، رقم: ۳۲۰٤)

[3] منذر بن الجہم الاسلمی، امام بخاری اور ابن ابی حاتم نے اس پہ سکوت کیا ہے۔ التاريخ الكبير (۳٥۸/۷) الجرح والتعديل (۲٤۳/۸) بيان خطأ البخاري في تاريخه (٥٤۲)

روایت کرتے ہیں، کہا: مجھے ابو مروان اسلمی نے بیان کیا، انھوں نے کہا: میں صفین میں حاضر ہوا ہم موجود تھے کہ سید عمار رضی اللہ عنہ نکلے، سورج غروب ہونے کے قریب تھا اور وہ کہہ رہے تھے: کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف آئے گا۔ پیاسا پانی کی طرف آتا ہے۔ جنت نیزوں کے سائے میں ہے۔ آج میں اپنے محبوبوں سے ملوں گا، آج میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے گروہ[1] سے ملوں گا۔

[357] یحییٰ بن سعید اپنے چچا سے بیان کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ جس دن سیدنا عمار رضی اللہ عنہ شہید ہوئے، دو شخص اپنی تلواروں کے ساتھ شدید طرح سے لڑ رہے تھے۔ یہاں تک کہ وہ کمزور ہو گئے اور آرام کرنے کے لیے بیٹھ گئے، پھر وہ دوبارہ لڑنے لگے۔

بعض مرتبہ راوی نے کہا کہ آدھا دن، یعنی نصف النہار ہو گیا تھا اور لوگ سبھی تھک ہار گئے، تو کوئی ایک بھی حرکت نہیں کر رہا تھا، تو وہ ایک دوسرے سے مل جاتے اور راوی نے اپنے ہاتھ کی انگلیاں دوسرے میں ملا کر دکھائیں۔ یہاں تک کہ سورج زوال پذیر ہو گیا۔ ایک بندہ بڑے جسم والا بڑے گھوڑے پر بیٹھا صفوں کے درمیان سے ظاہر ہوا، وہ بھاری بھرکم شخص آواز دے رہا تھا: اے اللہ کے بندو! اس کی آواز میں درد اور تیزی تھی۔ کہتا تھا: اللہ کے بندو! آؤ جنت کی طرف، اس نے تین مرتبہ کہا۔ جنت نیزوں کے سائے میں ہے، پھر لوگ بپھر گئے۔ یہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما تھے اور پھر ان کو قتل کر دیا گیا۔[2]

[358] ابو حفص[3] اور کلثوم بن جبر بیان کرتے ہیں کہ ابو الغادیہ نے کہا: میں نے سیدنا عمار بن

---

[1] الطبقات الکبری (٣/٢٦٨) یہ روایت شواہد کی بنیاد پر حسن ہے، سوائے اس قول: ''سورج غروب ہونے ہی والا تھا'' کے، کیونکہ یہ سند بہت زیادہ ضعیف ہے، اس کے سبھی راوی اسلمی ہیں ان کے شواہد سابقہ خبر میں دیکھیے۔

تخریج: اس روایت کو ابن عساکر (٤٣/٤٦٥) ابن سعد کی سند سے لائے ہیں۔

ابن سعد (٣/ ٢٥٨، ٢٦٤) اور حاکم (٣/٤٣٤) واقدی سے لائے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: مجھے عبداللہ بن ابی عبیدہ نے اپنے والد سے بیان کیا، وہ لؤلؤۃ سے بیان کرتے ہیں جو ام الحکم عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی بیٹی کی مولاۃ ہیں۔ وہ کہتی ہیں: پھر انھوں نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے دودھ پینے کا ذکر کیا، اور ان کے مقتل کا ذکر کیا، وہ غروب کے قریب ہی شہید کیے گئے۔ اور یہ بات درست نہیں ہے، درست بات یہ ہے کہ یہ دن کے ابتداء میں شہید ہوئے۔

[2] تاریخ دمشق (٤٣/٤٧٠) اس کی سند حسن لغیرہ ہے، [رقم: ٣٣٥] میں یہ روایت شرح، تخریج اور تفصیل سے گزر چکی ہے۔

[3] ابو حفص کا تعارف مجھے نہیں ملا اور شیخ شعیب الارناؤط بھی اس کو نہیں پہچان پائے سو یہ مجہولین میں سے ہے۔

یہ ابو الاحوص نہیں ہے جیسا کہ ڈاکٹر بلال بن فیصل البحر نے اپنی بحث میں سمجھ لیا ہے، ان کی بحث کا عنوان ہے: ''النظر والاعتبار في التقصي عن حديث قاتل عمار رضی اللہ عنہ'' یہ ''الألوكة'' ویب سائٹ پر موجود ہے۔ ڈاکٹر بلال کہتے ہیں: درست لفظ ابو الاحوص ہے اور یہ عوف بن ابی جمیلہ الاعرابی ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر کی ''إتحاف المهرة'' میں ہے۔ ←

یاسر رضی اللہ عنہما کو مدینہ میں دیکھا، وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کر رہے تھے تو میں نے ارادہ کر لیا کہ انھیں قتل کر دوں گا۔ میں نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے طاقت دی تو میں ایسا کروں گا۔

پھر صفین کے دن سیدنا عمار رضی اللہ عنہ لوگوں کو ابھار رہے تھے تو کہا گیا: یہ عمار ہے، پھر میں نے ان کے گھٹنوں اور پنڈلیوں کے درمیان گنجایش دیکھی تو میں نے ان پر حملہ کیا اور ان کے گھٹنے پر نیزہ مارا، وہ نیزہ کاری ثابت ہوا، میں نے انھیں قتل کر دیا، پھر کہا گیا: تو نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو قتل کر دیا ہے؟[1]

اس کی خبر سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو دی گئی تو انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ان کا قتل کرنے والا اور ان کا سامان سلب کرنے والا آگ میں ہوگا۔

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: آپ بھی تو ان سے لڑ رہے تھے۔ تو انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ان کو قتل کرنے والا اور ان کا سامان لوٹنے والا آگ میں ہوگا۔[2]

← اس کا جواب دو طرح سے دیا جائے گا:
اول: عوف بن ابی جمیلہ کی کنیت ابو سہل ہے یہ ابو الاحوص نہیں ہے۔
دوم: ابن حجر کی إتحاف المهرة (١٥٩٧٤) میں تصحیف ہے۔
تو اس کی تصحیح تخریج کے سبھی مصادر سے کی گئی ہے جو ابو حفص ہے۔

[1] ''کہا گیا: آپ نے عمار بن یاسر کو قتل کر دیا ہے؟!'' یعنی لوگوں نے قتلِ عمار رضی اللہ عنہ پر ان پہ نکیر کی۔

[2] الطبقات الکبری (٣/٢٦٠) اس کی سند حسن ہے سوائے اس لفظ کے ''کہا گیا: یہ عمار ہیں۔'' یہ لفظ منکر ہے۔ کیونکہ اس نے معنی کو محال کر دیا ہے۔ اسی طرح اس روایت کے مرفوع الفاظ کہ ''عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو خبر دی گئی تو انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ان کا قاتل اور ان کا مال لوٹنے والا آگ میں ہوگا۔'' یہ حدیث انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔ کلثوم نے ابو الغادیہ سے نہیں سنا، بلکہ اسے عمرو سے مرسل بیان کیا ہے۔
اسی طرح مرفوع حدیث کے متن میں بھی نکارت ہے، کیونکہ غنیمت اور سلب تو کفار کے مقتولین میں ہوتا ہے جو مسلمانوں کے مقتولین میں جائز ہی نہیں ہے۔ پھر یہ متن کہ اس کا قاتل اور اس کا سامان سلب کرنے والا کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ اور اگر ہم اس روایت کو تسلیم کر بھی لیں تو حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا مال تو کسی نے نہیں لوٹا، لہٰذا یہ وعید بھی پھر ثابت نہیں ہو سکی۔
اس کے متن میں حماد بن سلمہ کی مخالفت کی گئی ہے۔ حماد بن سلمہ کی روایت دلالت کرتی ہے کہ ابو الغادیہ جانتے تھے کہ یہ عمار رضی اللہ عنہ ہیں تو جان بوجھ کر انھوں نے ان کو قتل کیا۔ ''پھر بتایا گیا کہ یہ عمار رضی اللہ عنہ ہیں۔'' جبکہ اس کو ربیعہ بن کلثوم نے [رقم: ٣٥٩، ٣٦١] اور عبداللہ بن عون مزنی نے [رقم: ٣٦٢] میں بھی بیان کیا ہے، وہ دونوں اکیلے کلثوم سے بیان کرتے ہیں کہ ابو الغادیہ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے متعلق تب جانا جب وہ انھیں قتل کر چکے تھے۔ وہ کہتے ہیں: ←

....

➜ میں نے ان کو مارا تو اچانک دیکھا کہ یہ عمار کا سر ہے۔ ابن عون حماد سے زیادہ ثقہ ہے اور ابن عون کی متابعت ربیعہ نے بھی کر رکھی ہے۔

جبکہ حماد نے اپنی روایت میں ابوحفص المہمل اور کلثوم بن جبر کو جمع کر دیا ہے اور ان کے الفاظ میں تمیز نہیں کی، یہ زیادت ابوحفص المہمل کی روایت سے ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ذہبی نے اس خبر کو سیر أعلام النبلاء (٥٤٤/٢) میں ذکر کیا ہے، وہ حماد بن سلمہ سے، وہ کلثوم بن جبر اکیلے سے اسی روایت کو بیان کرتے ہیں۔ اس میں یہ لفظ نہیں ہے: ''کہا گیا کہ عمار ہیں۔'' لہٰذا معلوم ہو گیا کہ یہ زیادت ابوحفص محمد کی روایت میں ہے۔

ربیعہ کا تعارف ہم اگلی روایت میں کریں گے اور ابن عون ثقہ ہیں، ثبت ہیں، فاضل ہیں۔ علم، عمل اور عمر میں ایوب کے اقران میں سے ہیں۔ التقریب (٣٥١٩)

جبکہ حماد کے متعلق ذہبی کہتے ہیں: یہ ثقہ صدوق ہیں، غلطی کرتے ہیں۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں: ثقہ عابد ہیں، ثابت البنانی سے بیان میں سب سے زیادہ اثبت ہیں۔ آخر پر ان کا حافظہ بگڑ گیا تھا۔ خت م ٤، الکاشف (١٢٢٠)، التقریب (٣٥١٩)

ہم [رقم: ٣٦٢] کے بعد اس متن کی مزید تفصیل بعنوان: ''کیا ابو الغادیہ جانتے تھے کہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما ان کے قرین ہیں؟'' کے تحت کریں گے۔ اس کی طرف لازمی رجوع کیجیے گا۔ نیز دیکھیے ہم عنقریب تعلیق میں البانی کی رائے ذکر کریں گے۔ (ص: ٤٤٠)

تخریج: اس روایت کو بلاذری نے أنساب الأشراف (١٧٣/١) میں ابن سعد سے بیان کیا ہے۔ لیکن انھوں نے سند میں ابوحفص کا ذکر نہیں کیا۔

اس روایت کو امام احمد (١٧٧٧٦) نے بھی بیان کیا ہے اور عمر بن شبہ نے تاریخ المدینۃ (١١٠٢/٣) میں بیان کیا ہے اور بلاذری نے أنساب الأشراف (٣٦٤/٢) میں عفان سے اسی سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔

بلاذری نے ابوحفص کا ذکر نہیں کیا اور اس کو مکمل بیان کیا ہے جبکہ مسند احمد اور ابن شبہ نے اس کو مختصر بیان کیا ہے۔

یہ تاریخ دمشق (١٣٩/٧٤) میں ابن سعد سے روایت موجود ہے، لیکن وہاں مرفوع نہیں ہے۔

بلاذری سے ابوحفص کے گرانے کی مخالفت قبول نہیں کی جا سکتی۔ میں نے الشیخ العلامہ المحدث عبداللہ السعد سے بلاذری کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے کہا: یہ صدوق ہیں۔ یہ رجال اور علل حدیث کے عالم کا جواب ہے۔

پھر میں نے اس کے متعلق شیخ خالد الغیث سے پوچھا تو انھوں نے کہا: یہ صدوق ہے۔ لیکن بعض مواقع پر امویوں پر سختی کرتا ہے۔ یعنی کتاب ''أنساب الأشراف'' میں۔ یہ ایسے عالم کا جواب ہے جو تاریخ کا جاننے والا ہے۔

بہرحال بلاذری کی مخالفت اس سے زیادہ اوثق کے ہوتے ہوئے قبول نہیں کی جا سکتی اور وہ اوثق راوی امام احمد، امام ابن سعد اور عمر بن شبہ ہیں۔

اس حدیث کو البانی نے صحیح قرار دیا ہے اور شعیب الارناؤط نے کہا ہے کہ اس کی سند قوی ہے۔ دیکھیں: السلسلۃ الصحیحۃ (١٩/٥، رقم: ٢٠٠٨) ان دونوں نے اس روایت کو مکمل صحیح قرار دیا ہے اس کے مرفوع حصے کو بھی۔ ➜

یہ دونوں حضرات انقطاع کی علت نہیں جان سکے۔ جس کا ذکر ذہبی نے کیا ہے اور جو جانتا ہے وہ حجت ہے اس پر جو نہیں جانتا، ذہبی یہ علت لانے کے بعد کہتے ہیں: اس کی سند میں انقطاع ہے۔ مراد یہ ہے کہ کلثوم اور عمرو کے درمیان انقطاع ہے۔ سیر أعلام النبلاء (٥٤٤/٢)

اسی طرح مرفوع روایت کی علت کو بیان کرتے ہوئے فضیلۃ الشیخ العلامہ المحدث عبداللہ السعد نے کہا ہے: یہ ابوالغادیہ تک صحیح ہے۔ لیکن یہ قول: ''عمرو بن عاص کو خبر دی گئی'' کیا یہ ابو الغادیہ نے عمرو سے روایت کیا ہے، یا کلثوم بن جبر نے عمرو بن عاص سے روایت کیا ہے؟ اگر تو پہلی بات ہے تو پھر یہ روایت صحیح ہے اور اگر دوسری بات ہے تو یہ روایت منقطع ہے اور یہی بات درست ہے، کیونکہ اس میں ہے کہ عمرو کو خبر دی گئی اور اس میں یہ بھی ہے کہ عمرو سے کہا گیا یہ تو وہی ہیں جن سے آپ لڑتے رہے؟ گویا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو الغادیہ اس روایت کو عمرو سے بیان نہیں کر رہے۔ اسی لیے ذہبی نے کہا ہے کہ اس کی سند میں انقطاع ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حدیثِ مرفوع: ''عمار کا قاتل آگ میں ہوگا'' اس کا ثبوت محلِ نظر ہے۔ واللہ أعلم. جبکہ عمار رضی اللہ عنہ کے قتل کا قصہ ابوالغادیہ کی جانب سے ثابت ہے۔ دیکھیں: "فتح الواحد العلي في الدفاع عن صحابة النبي ﷺ" ڈیجیٹل نسخہ میں۔ اور میں اس کتاب کے "دار المحدث" سے شائع کردہ مطبوع نسخہ پر واقف نہیں ہو سکا، کیونکہ میں ان دنوں امریکہ میں موجود ہوں۔

متابعت: اس روایت کا ایک متابع موجود ہے۔ امام حاکم (٥٦٦١) عبدالرحمٰن بن مبارک کی سند سے روایت لائے ہیں۔

ہمیں معتمر بن سلیمان نے بیان کیا، وہ اپنے باپ سے، وہ مجاہد سے، وہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں: دو شخص حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس آئے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے خون کے سلسلے میں لڑتے ہوئے اور ان کے مال کھینچنے کے سلسلے میں، تو حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: اس سے دور ہو جائیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

''اے اللہ! قریش عمار پر فریفتہ ہو گئے ہیں، یقیناً عمار کو قتل کرنے والا اور اس کا سامان کھینچنے والا آگ میں ہوگا۔''

امام حاکم کہتے ہیں: اس کے بیان میں عبدالرحمٰن بن المبارک منفرد ہیں، گو کہ یہ ثقہ مامون ہے، یہ معتمر سے بیان کرتے ہیں، وہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں، اگر یہ روایت محفوظ ہو تو یہ شیخین کی شرط پر صحیح ہے، لیکن انھوں نے اس کی تخریج نہیں کی بلکہ لوگوں نے اس روایت کو معتمر سے بیان کیا ہے، وہ لیث سے بیان کرتے ہیں، وہ مجاہد سے بیان کرتے ہیں۔

امام حاکم نے علت کی طرف اشارہ کر دیا ہے، وہ یہ ہے کہ راویوں کی ایک جماعت نے اس سے اس سند سے بیان کیا ہے: معتمر، لیث سے بیان کرتے ہیں اور لیث ضعیف ہے۔

اس روایت کو مجاہد نے بھی بیان کیا ہے اور ان سے اختلاف کیا گیا ہے۔

عباس بن ولید نرسی، عمرو بن علی، محمد بن خلف، صالح بن حاتم اور مسدد یہ پانچوں معتمر سے بیان کرتے ہیں، وہ بیان کرتے ہیں لیث بن ابی سلیم سے، وہ مجاہد سے۔ یہ الفاظ محفوظ ہیں۔ ان کی مخالفت عبدالرحمٰن بن المبارک نے کی۔ وہ معتمر سے بیان کرتے ہیں، وہ اپنے والد سے اور وہ مجاہد سے۔ وہ اس میں اس راستے پر چلے ہیں۔

....

← اس روایت کو ابن ابی عاصم نے الاحآد والمثاني (۸۰۳) میں ذکر کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: ہمیں عباس بن ولید نرسی نے بیان کیا۔ اسی طرح اس کو بزار (۲۳۶۸) نے بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: ہمیں عمرو بن علی نے اور محمد بن خلف نے بیان کیا۔ اس کو ابن اخی میمی نے فوائد (۲۰۰۷) میں صالح بن حاتم کی سند سے اور مسدد نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے، جیسا کہ المطالب العالیة (٤٤١٤، ٤٤١٥) میں ہے: وہ کہتے ہیں کہ ہمیں معتمر بن سلیمان نے لیث سے خبر دی، وہ مجاہد سے بیان کرتے ہیں، وہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں اور بسا اوقات اس روایت کو عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے بجائے ان کے والد عمرو رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں۔

اس روایت کو طبرانی نے الأوسط (۷۹۰۸) میں، ابن المقری نے اپنی معجم (۲۳۶) میں، ابن جمیع الصیداوی نے اپنی معجم (۲۴۲) میں، اسماعیل بن عمرو بجلی کی سند سے بیان کیا ہے، وہ سفیان ثوری سے وہ لیث سے۔ اور اس کا راوی اسماعیل ضعیف ہے۔

اس روایت کو بزار نے (۲۳۶۹) میں بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: ہمیں عباد بن یعقوب الکوفی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن عبدالقدوس نے بیان کیا، وہ یونس بن خباب سے، وہ مجاہد سے، وہ عبداللہ بن عمرو سے، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ ''عمار کو باغی گروہ قتل کرے گا'' اس کی سند ضعیف ہے۔

الشیخ عبداللہ السعد لکھتے ہیں: درست یہ ہے کہ یہ لیث کی مجاہد سے روایت ہے جبکہ عبدالرحمٰن بن مبارک کی روایت دو وجہ سے خطا ہے:

ایک: اکثر لوگوں نے اسے معتمر کی سند سے بیان کیا ہے اور وہ لیث سے بیان کرتے ہیں جیسا کہ حاکم نے کہا۔

دوم: یہ کہ عبدالرحمٰن معتمر کی روایت میں اس راستے پر چلا ہے اور اس حدیث کو معتمر کے والد سے بیان کیا ہے۔ کیونکہ اکثر معتمر اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں۔ اور حفاظ کے ہاں یہ معلوم بات ہے کہ جو شخص جادہ (معروف راستہ) کی مخالفت کرتا ہے، اس کو مقدم رکھا جاتا ہے اس پر جو اس جادہ پر گامزن ہے، کیونکہ یہ اس کے حفظ کی دلیل ہے۔

پھر شیخ السعد نے اس متن کے شذوذ کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ فئہ باغیہ کی روایت کئی سندوں سے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے ثابت ہے، ان کے والد سے بھی ثابت ہے لیکن اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں کہ ''عمار کا قاتل اور سالب آگ میں ہوگا۔''

علامہ البانی نے ''عبدالرحمن عن معتمر عن أبیه'' کی سند کو حدیث الباب کا شاہد بنایا ہے۔ لیکن یہ حدیث معلول ہے، اس کا شاہد ہونا درست نہیں ہے اور متابعت اور شواہد میں اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے، کیونکہ یہ محض خطاء ہے۔

اسی طرح فضیلۃ الشیخ عبداللہ السعد نے حدیث ابوالغادیہ کی تخریج کی ہے اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قتل کا قصہ بھی اپنی کتاب میں ذکر کیا اور اس کا ایک مکمل دراسہ کیا ہے اور اس کے علل پر کلام کیا ہے۔ ان کی کتاب کی طرف لازمی رجوع کر لیجیے۔

میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ عمار رضی اللہ عنہ کو ابوالغادیہ کے قتل کرنے کا قصہ صحیح ہے اور مرفوع روایت ضعیف ہے۔ →

[359] ربیعہ بن کلثوم بن جبر بیان کرتے ہیں: مجھے میرے باپ نے بتایا: میں واسط القصب[1] میں عبدالاعلیٰ بن عبداللہ بن عامر[2] کے پاس تھا، میں نے کہا: یہ اجازت طلب کرنے والا ابو الغادیہ ہے۔ تو عبدالاعلیٰ نے کہا: ان کو بلاؤ۔ وہ داخل ہوئے۔ انھوں نے چھوٹے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ یہ ایک لمبے پتلے آدمی تھے، گویا اس امت[3] کے بندے نہ ہوں۔ جب وہ بیٹھ گئے تو انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی۔ میں نے کہا: کیا دائیں ہاتھ کے ساتھ؟ انھوں نے کہا: جی ہاں؟ پھر ہمیں رسول اللہ ﷺ نے عقبہ[4]

← اس کے بعد میں الشیخ السعد کی کتاب پر واقف ہوا، میں اس سے پہلے اس کتاب کو نہیں جانتا تھا تو میں نے پایا کہ جس نتیجے پر میں پہنچا ہوں اسی نتیجے پر فضیلۃ الشیخ پہنچے ہیں۔ الحمد للہ. لیکن میں نے شیخ پر کچھ زیادات کی ہیں۔ وہ یہ کہ میں نے اس لفظ کو بھی منکر قرار دیا ہے کہ ''کہا گیا: یہ عمار ہے۔''

اس کے بعد مجھے اس حدیث کی بہت بڑی تخریج ملی جس میں اس کے علل پر بھی کلام تھا۔ یہ تخریج دکتور محمد ترکی الترکی نے کی ہے جو انھوں نے مجلة جامعة أم القرى لعلوم الشريعة واللغة العربية وآدابها (ج: ١٨، ع: ٣٨، رمضان ١٤٢٧ھ) میں ذکر کیا ہے۔ اس کا عنوان ہے: "تخريج المجلس الثالث من أمالي المخلدي" الحديث السابع (ص: ٦٣٢- ٦٣٩) تو وہ باحث بھی اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ مرفوع روایت ضعیف ہے ''بے شک عمار کا قاتل اور سالب آگ میں ہیں۔''

1. واسط القصب کے بارے میں آئندہ روایت کے بعد گفتگو ہو گی۔
2. عبدالاعلیٰ بن عبداللہ بن عامر بن کریز القرشی، ابوعبدالرحمٰن بصری۔ لوگوں میں فصیح ترین اور بلیغ ترین بندے تھے، بے حد سخی تھے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو بصرہ اور واسط القصب کا گورنر مقرر کیا تھا۔ ابن سعد کی اسی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ یہ واسط القصب پر امیر تھے، امیر کے سر پر کھڑے ہوئے ایک آدمی نے کہا۔ ابن حجر نے ان کے بارے میں کہا: یہ مقبول راوی ہیں۔ امام ابو داود نے مسئلہ قدر میں ان سے روایت لی ہے۔

بحشل نے اپنی تاریخ واسط (ص: ٣٥- ٣٦) پر ایک روایت بیان کی ہے جس سے یہ پتا چلتا ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں عبدالاعلیٰ واسط القصب کے والی تھے۔ اس بارے میں آگے [رقم: ٣٦٠] تفصیلی روایت آئے گی۔

عبدالاعلیٰ کا تعارف: البيان والتبيين للجاحظ (٢٧٨/١) قرى الضيف لابن أبي الدنيا (٢٩) تقريب التهذيب (٣٧٣٢)

3. یہاں امت سے ان کی مراد عرب تھے، یعنی وہ عرب سے نہیں۔
4. یہ بیعتِ عقبہ ثانیہ کی بات ہے۔ یہ بعثت کے تیرھویں سال، بارہ ذی الحجہ میں ہوئی تھی، یعنی ہجرت سے تین یا نو مہینے پہلے۔ فتح الباري لابن حجر (٢٢٧/٧، ٢٣٥)

امام احمد (١٥٧٩٨) نے ایک طویل روایت بیان کی ہے، اس میں آتا ہے کہ کعب بن مالک انصاری نے کہا: ہم حج کے لیے نکلے تو ہم نے ایامِ تشریق کے درمیان میں عقبہ میں رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی۔ امام البانی اور شعیب ارناؤط نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔ التعليقات الحسان (٦٩٧٢)

کے دن خطبہ دیا اور کہا: لوگو! خبردار تمھارے خون، تمھارے مال، تم پر حرام ہیں، یہاں تک کہ تم اپنے رب تعالیٰ کو آملو اس دن، اس مہینے، اس شہر کی حرمت کی طرح۔ کیا میں نے پہنچا دیا ہے؟ ہم نے کہا: جی ہاں، آپ نے پہنچا دیا ہے۔ کہا: اللہ تو گواہ ہو جا۔ پھر فرمایا: خبردار! میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ تم ایک دوسرے کی گردنیں مارتے پھرو۔

کہتے ہیں: پھر وقت گزر گیا تو ہم سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو اپنے اندر بہت نرم مزاج سمجھتے تھے۔ میں مسجد قبا میں موجود تھا کہ وہ کہہ رہے تھے کہ یہ نعثل یعنی عثمان، میں ان کی طرف متوجہ ہوا، اگر اس وقت مجھے طاقت ملتی تو میں اسی وقت ان کو قتل کر دیتا، لیکن میں نے کہا: اللہ! اگر تو چاہے گا تو مجھے عمار رضی اللہ عنہ پر قدرت دے گا، پھر جب صفین کا دن آیا تو وہ پہلے دستے میں موجود تھے۔ جب وہ دوصفوں کے درمیان موجود تھے تو ایک بندے نے خالی جگہ دیکھ کر ان کے گھٹنے میں نیزہ مار دیا جس سے وہ گر گئے اور ان کا خود اتر کر گر گیا۔ میں نے ان کو مارا تو وہ عمار رضی اللہ عنہ کا سر تھا۔ انھوں نے کہا: اس سے زیادہ میں نے گمراہ آدمی کوئی نہیں دیکھا، اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا جو سنا، پھر عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا۔ کہتے ہیں: پھر ابو غادیہ نے پانی مانگا، اس کو ایک بوتل میں پانی دیا گیا، انھوں نے پینے سے انکار کر دیا، پھر ایک پیالے میں پانی لایا گیا[1] جس سے انھوں نے پی لیا۔

---

[1] ان کے پاس چاندی کے برتن میں پانی لایا گیا تو انھوں نے پینے سے انکار کر دیا۔
- جہاں تک بوتل میں پانی پینے کا مسئلہ ہے تو سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیح ثابت ہے کہ وہ چاندی سے مزین برتن میں پانی پینے سے بچتے تھے۔ شاید اس کا سبب یہ ہو کہ یہ امیروں کا برتن تھا۔
ربیعہ اور ابن عون کے الفاظ میں تطبیق ممکن ہے۔ شاید وہ برتن چاندی کے ساتھ مزین کیا گیا ہو۔ اس لیے ابوالغادیہ نے اس میں پانی پینے سے انکار کر دیا ہو، پھر دوسرا لایا گیا ہو جس میں چاندی استعمال نہ ہوئی ہو تو پھر اس سے پی لیا ہو۔
- اور جہاں تک چاندی سے مزین کیے گئے برتن سے پانی پینے کا تعلق ہے تو سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور بعض تابعین سے صحیح ثابت ہے کہ وہ اس میں پانی نہیں پیتے تھے۔ اس کا سبب فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا عموم تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''موٹا اور باریک ریشم نہ پہنو، سونے چاندی کے برتنوں میں پانی نہ پیو، نہ ہی ان کی پلیٹوں میں کھاؤ، کیونکہ وہ کفار کے لیے دنیا میں اور ہمارے لیے آخرت میں ہیں۔'' صحيح البخاري (٥١١٠) مزید دیکھیے: الطبقات الكبرىٰ (١٧١/٤) مصنف ابن أبي شيبة (٢٤٦٢٩) اور اس کے بعد کی روایت۔ شرح مشكل الآثار (٥١/٤)
جبکہ بہت سے صحابہ اور تابعین چاندی سے مزین کیے گئے برتن میں پانی پینا جائز سمجھتے تھے۔ دیکھیے: مصنف ابن أبي شيبة (٢٤٦٢١، ٢٤٦٢٣) الموسوعة الفقهية الكويتية (١١٨/١- ١١٩)

تو امیر کے سر پر[1] کھڑے ایک شخص نے کہا جو نبطی زبان[2] میں بات کر رہا تھا: یہ بوتل میں پینے سے بچتا ہے لیکن عمار رضی اللہ عنہ کے قتل سے نہیں بچتا۔[3]

بلاذری کی روایت میں ہے کہ اس شخص نے نبطی زبان میں کہا کہ یہ بوتل میں پانی پینے سے تو بچتا ہے لیکن عمار رضی اللہ عنہ کے قتل سے باز نہیں آیا۔ (یعنی لوگوں نے اس جملے کا عربی ترجمہ کر دیا)

"أنساب الأشراف" کے محقق نے کہا ہے: ''وای بد کفتار'' کا معنی ہے کہ بری بات کرنے والے کے لیے ویل ہو۔

---

[1] اس سے واسط القصب کے والی مراد ہیں اور وہ عبدالاعلیٰ بن عبداللہ بن عامر بن کریز القرشی تھے۔

[2] یعنی نبطی زبان میں۔ نبطی سریانی قوم تھی اور عراق، جزیرہ اور شام میں رہائش پذیر تھی۔ آرامی زبان میں گفتگو کرتے تھے۔ ان کا نام نبط اس لیے رکھا گیا، کیونکہ وہ زمین سے نکلنے والی چیزوں کو نکالنے میں بہت زیادہ ماہر تھے۔ اس لیے پھر یہ ان کی ضرب المثال بن گئی۔

اس نبطی قوم اور جنوبی اردن کی حکومت کی تاسیس کرنے والی قوم میں فرق ہے۔ جنوبی اردن والوں کی طرف بترا شہر منسوب ہے۔ الموسوعة العربية، دمشق (٢٠/٤٤٣)

[3] الطبقات الکبریٰ (٣/٢٦٠) اس کی سند حسن ہے، یحیٰ بن معین عجلی اور ذہبی نے ربیعہ بن کلثوم کی توثیق کی ہے۔ امام احمد کہتے ہیں: یہ صالح ہے اور الذہبی نے اپنی کتاب "من تکلم فيه وهو موثق" میں کہا ہے کہ یہ صدوق راوی ہے۔ اس کی توثیق کی گئی ہے۔ اس کے بارے میں امام نسائی کا قول مختلف ہے۔ بعض دفعہ تو وہ کہتے ہیں: اس میں کوئی حرج نہیں اور دوسری مرتبہ کہتے ہیں: یہ قوی نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: یہ صدوق ہے، وہم کھاتا ہے۔ یہ بخاری و مسلم اور نسائی کا راوی ہے۔ دیکھیے: من تکلم فيه وهو موثق (١١٤) تهذيب الكمال (٩/١٤٢) تهذيب التهذيب (٣/٢٦٣) التقريب (١٩١٧)

مسلم بن ابراہیم سے مراد: ابو عمر الازدی الفراہیدی اور موسیٰ بن اسماعیل سے مراد: ابو سلمہ منقری التبوذکی ہیں۔ یہ دونوں ثقہ ہیں۔

تخریج: اس روایت کو ابن عساکر (۴۳/۴۷۴) ابن سعد کی سند سے لائے ہیں اور وہ مختصر تاريخ دمشق (١٨/٢٣٠) میں موجود ہے۔ بلاذری اس روایت کو أنساب الأشراف (١/١٧٢) (٢/٣١٥) میں عمرو بن محمد بن الناقد سے لائے ہیں، وہ عفان سے بیان کرتے ہیں لیکن انھوں نے مرفوع حدیث بیان نہیں کی۔

طبرانی اس کو المعجم الكبير (٢٢/٣٦٤، رقم:٩١٣) میں عبداللہ بن کلثوم بن جبر کی سند سے لائے ہیں۔ وہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں۔ انھوں نے یہ روایت اسی طرح بیان کی ہے، البتہ اس میں انھوں نے حجاج بن یوسف ثقفی کا ذکر کیا ہے۔ لیکن اس روایت میں نکارت ہے اور یہ جو عبداللہ ہے مجھے ان کے حالات نہیں ملے اور پریشانی اسی عبداللہ کی طرف سے ہے۔ اگلی سطور ملاحظہ ہوں۔

علامہ سندھی[1] نے اس جملے کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ وہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قتل پر مدح کر رہے تھے۔ لیکن یہ معنی بہت بعید ہے، کیونکہ ابن سعد کی روایت سے پتا چلتا ہے کہ انھوں نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قتل کا انکار کیا تھا اور ''ولم یتورع'' کہا تھا۔

کلثوم بن جبر بیان کرتے ہیں: میں واسط القصب میں عبدالاعلیٰ بن عبداللہ کے پاس تھا، اس روایت کے آخر میں ہے، امیر کے سر پر کھڑے ایک شخص نے کہا۔ یہاں ''الامیر'' سے مراد خود عبدالاعلیٰ بن عبداللہ بن عامر ہیں، کیونکہ یہ واسط القصب کا والی تھا۔ اس کو امیر المومنین معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے اس کا والی بنایا تھا۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ابوالغادیہ کا قصہ واسط القصب میں پیش آیا۔ جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں تھا۔

[**360**] عوانہ بن الحکم[2] بیان کرتے ہیں: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے سعید بن عاص کو کوفہ، واسط القصب اور بصرہ کا والی بنایا۔

---

[1] حاشیة المسند للسندي (٤٦٤/٩، ح: ٧١٨٣)

[2] اس سے مراد: العلامہ الاخباری عوانہ بن الحکم بن عیاض بن وزر کلبی ابو الحکم کوفی الضریر ہے۔ یہ بہت فصیح شخص تھے۔ ان کی ایک کتاب کا نام "التاریخ" اور دوسری کا نام "سیر معاویة رضی اللہ عنه وبني أمية" ہے۔
امام ذہبی "التاریخ" میں لکھتے ہیں: یہ شعر اور ایام الناس کے عالم تھے۔ انھوں نے مسند حدیث بہت کم روایت کی ہے۔ اس لیے ان کے بارے میں جرح و تعدیل کا ذکر نہیں ملتا۔ ظاہر ہے کہ وہ صدوق تھے۔ نیز ذہبی نے "السیر" میں لکھا ہے: یہ اپنی نقل میں صدوق تھے۔
یاقوت الحموی نے "الأدباء" میں لکھا ہے: الہیثم بن عدی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ...... آگے روایت کے اسی حصے میں ہے۔ وہ کہتے ہیں: عبداللہ بن المعتز نے الحسین بن علیل العنزی سے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں: عوانہ بن الحکم عثمانی تھا اور بنوامیہ کے لیے روایات گھڑتا تھا۔ یہ حکایت من گھڑت ہے، لہٰذا یہ جرح بھی درست نہیں ہے۔
الہیثم: کذاب ہے۔
عبداللہ بن المعتز: ان کا نام عبداللہ بن المعتز باللہ محمد بن جعفر المتوکل علی اللہ بن ابی اسحاق المعتصم باللہ ہے۔ اس کی کنیت ابو العباس تھی۔ شاعر تھے۔ ثعلب اور مبرد کے شاگرد رہے۔ خطیب بغدادی کہتے ہیں: یہ ادب میں متقدم تھے۔ غزیر العلم تھے۔ واضح فضیلت والے تھے۔ خلافت پر ان کی بیعت کی گئی، پھر اس کے ایک دن اور ایک رات بعد بیعت توڑ دی گئی۔ سنہ ۲۹۶ھ میں قتل ہوئے۔ ان کے بارے میں کوئی جرح اور تعدیل نہیں ملتی۔ ان کی ایک کتاب "طبقات الشعراء" ہے۔ دیکھیے: تاریخ بغداد (۹۵/۱۰)

وہ ہمیشہ وہاں کے والی رہے، یہاں تک کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حاکم بنے تو انھوں نے عبدالاعلیٰ بن عبداللہ کو بصرہ اور واسط القصب کا والی بنایا، پھر عبدالملک بن مروان نے حجاج کو کوفہ، واسط القصب اور بصرہ کا والی بنایا۔[1]

یہ خبر اس بات کی دلیل ہے کہ واسط القصب حجاج بن یوسف ثقفی کی ولایت سے قبل ایک پرانا شہر تھا۔

← حسن بن علیل کے متعلق خطیب کہتے ہیں کہ یہ صدوق تھے۔ دیکھیے: تاریخ بغداد (٤٠٩/٧)

یہ نص حافظ ابن حجر "اللسان" میں لائے ہیں، وہ کہتے ہیں: عبداللہ بن معتز سے روایت کی گئی ہے۔ وہ حسن بن علیل العنزی سے بیان کرتے ہیں۔ وہ عوانہ بن الحکم کے بارے میں بتاتے ہیں کہ وہ عثمانی تھے اور بنو امیہ کے لیے روایات گھڑا کرتے تھے۔ مطبوعہ نسخے میں بھی یہ روایت "عن" کے ساتھ ہے۔

بعض باحثین کا خیال ہے کہ یہ کلام ابن حجر رحمہ اللہ کا قول ہے، جب کہ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کو صرف صیغۂ تمریض کے ساتھ نقل کیا ہے۔

عوانہ بن حکم کے حالات: معجم الأدباء للحموي (٢١٣٥/٥) تاريخ الإسلام (٥٥٥/٩) سير أعلام النبلاء (٢٠١/٧) لسان الميزان (٣٨٧/٤)

[1] تاریخ واسط (ص: ٣٥- ٣٦) یہ خبر مقبول ہے سوائے ان الفاظ کے (سعید بن عاص کے والی ہونے کے) کیونکہ وہ قرائن کے ذریعے مقبول ثابت ہوتی ہے۔ اور اسی طرح روایت میں الفاظ ہیں کہ "فلم يزل كذلك"وہ ہمیشہ اسی طرح رہے۔ یہ الفاظ بھی صحیح نہیں ہیں، کیونکہ یہ صحیح ثابت ہے کہ کوفہ اور بصرہ میں سعید بن عاص کے بعد اور لوگ بھی والی بنے تھے۔ اس سند میں یزید اور اس کے والد ہیں۔ مجھے نہیں معلوم یہ کون ہے۔ اسی طرح یزید سے مراد شاید یزید بن مخلد الواسطی ابو خداش ہے۔ اس کا ترجمہ الجرح والتعديل (٢٩١/٩)اور تاريخ الإسلام (٤١٩/١٧) میں ہے، لیکن انھوں نے اس کے بارے میں کوئی جرح اور تعدیل ذکر نہیں کی۔

شواہد: جہاں تک تعلق ہے سعید بن العاص کے والی ہونے کا تو خلیفہ بن خیاط، زبیر بن بکار، ابن عبدالبر، ابن عساکر، ذہبی اور ایک جماعت نے ذکر کیا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو کوفہ کا والی بنایا تھا۔ گویا واسط القصب ایک چھوٹی بستی ہونے کے سبب کوفہ اور بصرہ کی ولایت کے ماتحت رکھی جاتی تھی۔ والله أعلم.

مزید دیکھیے: تاريخ خليفة (ص: ١٦٣) الاستيعاب (٦٢٢/٢) تاريخ دمشق (١٠٧/٢١، ١١٢) تهذيب الكمال (٥٠٣/١٠) سير أعلام النبلاء (٤٤٥/٣)

جبکہ عبدالاعلیٰ بن عبداللہ بن عامر کی واسط القصب پر ولایت کے متعلق ابن سعد وغیرہ میں حسن سند سے روایت موجود ہے۔ دیکھیے: [رقم: ٣٥٩] اور اس کا مابعد۔ اور حجاج بن یوسف الثقفی کی عراق پر ولایت اور اس کا واسط کو اپنا مستقر بنانا اور اس کی تعمیرِ نو کرنا متواتر ہے۔

دیکھیے: تاريخ الطبري (٦٤٦/٣، ٦٤٩) (٢٦/٤) معجم البلدان (٣٤٨/٥، ٣٤٩، ٣٥٣)

امام طبری رحمہ اللہ نے ۹۵ھ کے واقعات میں لکھا ہے کہ اس سال رمضان میں واسط القصب کی تعمیر ہوئی۔[1] یہ اس بات کی دلیل ہے کہ واسط القصب ہمیشہ موجود رہا۔ سارا یا اس کا بعض حصہ، حجاج کی تعمیر کے بعد بھی۔

جب حجاج ۷۴ھ یا اس کے بعد والیِ عراق بنا[2] تو اس نے واسط القصب کے پاس ایک اَور ''واسط'' شہر تعمیر کروایا۔ ممکن ہے اس وقت کا قدیم شہر پورا باقی رکھا، یا اس کا بعض حصہ منہدم کر دیا ہو۔ حجاج نے واسط شہر کی عمارت ۸۴ھ میں بنانی شروع کی اور ۸۶ھ میں فارغ ہوا تھا۔ گویا دو سال میں اس کی عمارت مکمل ہوئی، یعنی اسی سال اس نے واسط شہر کی تعمیر مکمل کی جس سال عبدالملک بن مروان کی وفات ہوئی۔[3]

الاصمعی کہتے ہیں: حجاج نے واسط شہر دو برس میں بنایا اور اس کی تعمیر سے ۸۶ھ میں فارغ ہوا۔[4]

یاقوت الحموی ذکر کرتے ہیں کہ ''واسط القصب'' واسط شہر سے قبل اس کے مقام پر ایک بستی تھی جو بصرہ اور کوفہ کے درمیان واقع تھی اور اس سے کوفہ اور بصرہ دونوں ۵۰ فرسخ دور تھے۔[5]

[**361**] ربیعہ بن کلثوم بن جبر اپنے والد سے بیان کرتے ہیں، انھوں نے کہا: میں واسط القصب میں عبدالاعلیٰ بن عبداللہ بن عامر کے پاس تھا، میں نے کہا: یہ اجازت طلب کرنے والا ابو الغادیہ ہے۔ تو عبدالاعلیٰ نے کہا: ان کو بلاؤ، وہ داخل ہوئے۔ انھوں نے چھوٹے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ یہ ایک لمبے پتلے آدمی تھے، گویا اس امت کے بندے نہ ہوں۔ جب وہ بیٹھ گئے تو انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی۔ میں نے کہا: کیا دائیں ہاتھ کے ساتھ؟ انھوں نے کہا: جی ہاں؟ پھر ہمیں رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا اور کہا: ''لوگو، خبردار! تمھارے خون، تمھارے مال تم پر حرام ہیں یہاں تک کہ تم اپنے رب کو آ ملو، اس دن کی حرمت کی طرح، اس مہینے میں، اس شہر میں۔ کیا میں نے پہنچا دیا ہے؟'' ہم نے کہا: جی ہاں، آپ نے پہنچا دیا ہے۔ کہا: ''اللہ! تو گواہ ہو جا۔'' پھر فرمایا: ''خبردار! میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ تم

---

[1] تاريخ الطبري (٢٦/٤)

[2] تاريخ دمشق (١١٣/١٢) کیونکہ عبدالملک بن مروان نے حجاج کو عراق کا والی ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی شہادت کے بعد بنایا تھا اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی شہادت ۷۳ھ کے آخر میں ہوئی۔ دیکھیے: سير أعلام النبلاء (٢٣٢/٣)

[3] معجم البلدان (٣٤٨/٥)

[4] تاريخ الإسلام (٣٢٥/٦) [(١٠٧٧/٢) تحقيق: بشار عواد]

[5] معجم البلدان (٣٤٧/٥، ٣٥٣)

ایک دوسرے کی گردنیں مارتے پھرو۔'' کہتے ہیں: ہم عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو اپنے اندر سب سے بہتر سمجھتے تھے۔ پھر جب صفین کا دن آیا تو وہ پہلے دستے میں موجود تھے۔ جب وہ دوصفوں کے درمیان موجود تھے تو ایک بندے نے ان کے گھٹنے میں نیزہ مار دیا جس سے وہ گر گئے اور ان کا خود اُتر گیا۔ میں نے ان کو مارا تو وہ عمار کا سر تھا۔ ہمارے غلام نے کہا: ''أيّ يد كفتاه'' کہا: میں نے اس سے زیادہ گمراہ آدمی کوئی نہیں دیکھا۔ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا جو سنا، پھر عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا۔[1]

[**362**] کلثوم بن جبر بیان کرتے ہیں کہ ہم واسط القصب میں عبدالاعلیٰ بن عبداللہ بن عامر کے پاس تھے۔ تو اس کے پاس ایک بندہ بیٹھا ہوا تھا جس کو ابو الغادیہ کہتے تھے۔ اس نے پانی مانگا تو اسے پانی چاندی سے مزین مرصع برتن[2] میں دیا گیا، اس نے پینے سے انکار کر دیا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا اور یہ حدیث ذکر کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرے بعد کافر یا گمراہ نہ ہو جانا۔'' یہ ابن ابی عدی کی طرف سے شک ہے کہ ''تم ایک دوسرے کی گردنیں مارتے پھرو۔''

پھر وہ شخص فلاں کو گالی دینے لگا تو میں نے کہا: اللہ کی قسم! اگر اللہ نے جنگی دستے میں مجھے تجھ پر قدرت دی۔[3]

تو جب صفین کا دن تھا، میں وہاں آیا اور انھوں نے زرہ پہن رکھی تھی۔ میں اس وقت قمیص کے دامن میں کوئی خالی جگہ تلاش کرنے لگا، پھر میں نے ان کو وار کیا اور قتل کر دیا تو دیکھا کہ یہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما تھے۔ راوی کہتے ہیں: میں نے کہا کہ یہ کیسا بندہ ہے کہ چاندی والے برتن میں پانی پینا ناپسند کرتا ہے اور اس نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو قتل کر دیا![4]

---

[1] المعجم الكبير (٣٦٣/٢٢، رقم: ٩١٢) اس کی سند حسن ہے۔ علی بن عبدالعزیز کا ترجمہ [رقم: ١٩٣] میں گزر چکا ہے۔ ابو مسلم الکشی سے مراد: ابراہیم بن عبداللہ بن مسلم بصری ہے۔ اس کے حالات إرشاد القاصي والداني (٢٦) میں ہیں۔ یہ دونوں ثقہ ہیں۔

تخریج: اس روایت کو یعقوب بن شیبہ نے ''مسند عمار'' میں بیان کیا ہے۔ جیسا کہ یہ الإصابة (٣١١/٧) میں بھی موجود ہے، وہ کہتے ہیں: ہمیں مسلم بن ابراہیم نے یہی روایت بیان کی۔

[2] اس کی تفصیل [رقم: ٣٥٩] کے حاشیے میں گزر چکی ہے۔

[3] اس کی جزا مقدر ہے، یعنی میں تمھیں ہر صورت قتل کروں گا، یہ بات امام سندھی نے کی ہے۔

[4] مسند أحمد (١٦٦٩٨)، حاشية المسند للسندي (٤٦٤/٩، ح: ٧١٨٣) امام البانی اور شیخ شعیب نے اس کو صحیح کہا ہے۔ السلسلة الصحيحة (١٩/٥، رقم: ٢٠٠٨)

سابقہ روایات (۳۵۸ تا ۳۶۲) پر تعلیق:

⦿ سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر کلام کی توجیہ:

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''خبردار یہ نعثل یعنی عثمان''[1] ایک روایت کے الفاظ ہیں: ابو الغادیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو سنا کہ وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو مدینہ[2] میں گالیاں دے رہے تھے۔'' دوسری روایت کے الفاظ ہیں کہ یہ شخص فلاں[3] کو گالیاں دے رہا تھا۔ تو یہ قول سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کی عصمت پر دلالت نہیں کرتا۔ آپ کے متعلق اگرچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: عمار کو باغی گروہ[4] قتل کرے گا، لیکن یہ حدیث ان کی عصمت اور ان کی مواقف کی عصمت پر دلالت نہیں کرتی ہے۔ کیوں کہ سیدنا عمار رضی اللہ عنہ نے سوال کرنے والے سے خود صراحت کی تھی کہ وہ جنگ میں اپنے اجتہاد سے آئے ہیں۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت نہ تھی۔[5]

اس فتنے میں سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کا موقف اہلِ شام کے مقابل اقرب الی الحق تھا۔[6] مگر اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ مکمل حق پر تھے، یا اس فتنے میں مطلق معصوم تھے۔ سیدنا عمار رضی اللہ عنہ بدری ہیں، سابقین میں سے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ بدر کے متعلق فرمایا ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر کے دلوں میں جھانک لیا اور فرمایا: ''جو تم چاہتے ہو عمل کرو، میں نے تم کو معاف کر دیا۔''[7]

⦿ کیا حضرت ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ ان کے مدِ مقابل عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما ہیں؟

جواب: اس بارے میں صحیح بات یہ ہے کہ ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ نہیں جانتے تھے کہ ان کے مدِ مقابل عمار رضی اللہ عنہ ہیں۔ مگر جب قتل کر دیا تو پھر جان لیا۔ ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے ان کا خود اتارا تو دیکھا کہ وہ سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کا سر تھا۔[8] عبارت میں ''إذا'' فجائیہ ہے۔

---

① دیکھیے: [رقم: ۳۵۹]
② دیکھیے: [رقم: ۳۵۸]
③ دیکھیے: [رقم: ۳۶۲]
④ دیکھیے: [رقم: ۳۴۷]
⑤ دیکھیے: [رقم: ۶۲، ۶۳]
⑥ دیکھیے: [رقم: ۶۷] اور ما بعد۔
⑦ صحيح البخاري (۲۸۴۵)
⑧ دیکھیے: [رقم: ۳۵۹، ۳۶۱، ۳۶۲] یہ ربیعہ بن کلثوم بن جبر اور عبداللہ بن عون مزنی کی روایت ہے۔ دونوں کلثوم بن جبر سے بیان کرتے ہیں۔ وہ ابو الغادیہ سے بیان کرتے ہیں۔

یعنی سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما پر خود چڑھا ہوا تھا، جب وہ گرے تو وہ خود اُتر گیا۔ جوں ہی وہ خود اُترا سیدنا ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ نے فوراً انھیں قتل کر دیا۔ پھر ان پر واضح ہوا کہ وہ عمار رضی اللہ عنہ ہیں۔

[363] اس کی تائید ابن سعد کی واقدی اور دوسروں سے بیان کردہ روایت ہے۔[1] اسی طرح اس کو ابن جریر طبری نے ہشام کلبی اور ابو مخنف[2] سے ایک لمبے قصے میں بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: میں نے انھیں اپنی تلوار کے ساتھ مارا، یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے۔ کہتے ہیں: لوگوں نے پھر آواز دی کہ آپ نے ابو الیقظان رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا ہے۔ اللہ تجھے قتل کرے! میں نے کہا: اپنا کام کرو، بخدا میں پروا نہیں کرتا کہ تو کون ہے، اور اللہ کی قسم! میں تب ان کو نہیں جانتا تھا۔[3] [4]

جبکہ [رقم: ۳۵۸] روایت[5] کے بارے میں ہم کلام کر آئے ہیں کہ اس میں جو زیادت ''کہا گیا: یہ عمار رضی اللہ عنہ ہیں۔'' منکر ہے، جس نے معنی کو مشکل بنا دیا ہے۔ اس روایت کے بیان میں ابو حفص منفرد ہیں اور ان کو مجہولین میں شمار کیا جاتا ہے۔

اس روایت سے معنی یہ بنتا ہے کہ جناب ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ پہلے سے جانتے تھے کہ یہ عمار رضی اللہ عنہ ہیں، اور

---

[1] الطبقات الکبری (۲۶۱/۳) انہی کی سند سے ابن عساکر (۴۷۶/۴۳) نے بھی روایت کی ہے۔
ابن سعد کہتے ہیں: ہمیں محمد بن عمر وغیرہ نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: جب صفین میں جنگ بڑھ گئی ...... الخ!

[2] المنتخب من ذیل المذیل للطبري (ص: ١٦) انھوں نے کہا: جب کہ ہشام بن محمد نے ابو مخنف سے ذکر کیا ہے کہ سیدنا عمار ...... الخ۔

[3] یعنی اپنا کام کر اللہ کی قسم میں پروا نہیں کرتا کہ تو کون ہے کہ مجھے ملامت کرے۔ اللہ کی قسم! جب میں نے انھیں قتل کیا تھا تو میں نہیں جانتا تھا کہ یہ عمار ہیں۔

[4] یہ جس قدر ہم نے روایت ذکر کی ہے۔ اپنے شواہد کے ساتھ صحیح ہے پہلی سند میں واقدی ہے اور دوسری میں کلبی اور ابو مخنف ہیں۔

شواہد: ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ نے جو کہا ہے کہ ''اللہ کی قسم! تب میں اس کو نہیں جانتا تھا'' اس کی گواہی خود ابو الغادیہ کے قول سے ملتی ہے۔ وہ کہتے ہیں: میں نے انھیں مارا تو اچانک دیکھا کہ وہ عمار کا سر ہے۔ دیکھیے: [رقم: ۳۵۹، ۳۶۱، ۳۶۲]
یہ جو الفاظ ہیں کہ ''لوگوں نے کہا: تو نے ابو الیقظان کو قتل کر دیا ہے۔'' ان کا شاہد ابو الغادیہ کا اپنا قول ہے۔ اس میں ہے کہ ''میں نے انھیں قتل کر دیا تو کہا گیا تو نے عمار بن یاسر کو قتل کر دیا ہے؟!!'' دیکھیے: [رقم: ۳۵۸]

[5] یہ عفان بن مسلم کی روایت ہے۔ وہ حماد بن سلمہ سے، وہ ابو حفص سے، وہ کلثوم بن جبر سے، وہ ابو الغادیہ سے بیان کرتے ہیں۔ اس روایت کو بلاذری نے عفان سے ذکر کیا ہے اور ابو حفص کو گرا دیا ہے۔ بلاذری کی طرف سے یہ مخالفت قابلِ قبول نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں بلاذری نے اپنے سے زیادہ ثقہ کی مخالفت کی ہے۔

انھیں ارادتاً قتل کیا گیا۔ جب جنگِ صفین کا دن تھا تو عمار رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ابھارنا شروع کر دیا، ان سے کہا گیا کہ یہ عمار رضی اللہ عنہ ہیں، میں نے گھٹنوں اور پنڈلیوں کے درمیان خالی جگہ دیکھی، میں ان کی طرف لپکا اور میں نے ان کے گھٹنے پہ ضرب لگائی، وہ گر گئے تو میں نے ان کو قتل کر دیا، اس پر کہا گیا کہ آپ نے تو عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا ہے۔

سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کے قاتلین کی تعداد:

سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کے قتل میں شامل ہونے والوں کے متعلق روایات مختلف ہیں۔

کلثوم بن جبر[1] کی روایت کے تمام الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ قاتل ایک شخص تھا اور وہ ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ تھے۔ جبکہ ابن سعد[2] کی روایت میں ہے کہ ان کے قتل میں دو لوگ شامل تھے: ایک ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے کا نام ذکر نہیں ہوا جس نے ان کے گھٹنے پر نیزہ مارا تھا۔

جبکہ ابن دیزیل کی روایت، جو آگے آرہی ہے،[3] اس میں ہے کہ ان کے قتل میں دو لوگ شامل تھے: ایک ابو الغادیہ جہنی اور دوسرے ابن حوی السکسکی تھے۔ ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کو مارا اور انھیں زخمی کر دیا۔ پھر ابن حوی نے ان کا سر اتارا، لیکن ابو الغادیہ کا وار ہی کاری تھا، وہی قاتل تھا۔ جیسا کہ کلثوم بن جبر[4] کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ اور ابن دیزیل کی روایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت حضرت عمار رضی اللہ عنہ میں زندگی کی رمق موجود تھی۔ پھر ابن حوی نے ان کا سر اتار دیا۔

ابن سعد کی روایت[5] گزر چکی ہے، اس میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے گھٹنے پر نیزہ مارا، پھر ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ نے ضرب لگائی۔ اگر ایسے صحیح ہے تو پھر ان کے قتل میں تین لوگ شامل ہوں گے۔

⊙ روایات میں ملتا ہے کہ لشکرِ شام کی ایک جماعت نے سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کا دعویٰ کیا:

ابن دیزیل کی جو روایت آرہی ہے اس میں ہے کہ لشکرِ شام کا ایک گروہ جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور عمرو رضی اللہ عنہ کے پاس بار بار آرہا تھا وہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قتل کا دعویٰ کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ ان کے قتل

---

[1] دیکھیے: [رقم: ۳۵۸، ۳۶۱، ۳۶۲]

[2] دیکھیے: [رقم: ۳۵۹]

[3] یہ روایت آگے [رقم: ۳۶۴] کے بعد آرہی ہے۔

[4] دیکھیے: [رقم: ۳۵۸ تا ۳۶۲]

[5] دیکھیے: [رقم: ۳۵۹]

پر ہمیں انعام ملے لیکن وہ اپنے دعووں میں جھوٹے تھے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے ان کے جھوٹ واضح کیے۔ تو آپ نے صرف ابن حوی سکسکی کے دعوے کی تصدیق کی لیکن آپ نے اسے کچھ نہیں دیا۔ بلکہ انھوں نے اس پر انکار کیا اور کہا: خبردار، اللہ کی قسم! تیرے ہاتھ کبھی کامیاب نہیں ہوں گے تو نے اپنے رب تعالیٰ کو ناراض کر دیا ہے۔

[**364**] احنف بن قیس بیان کرتے ہیں کہ پھر عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما نے ان پر حملہ کیا اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما پر ابن حوی سکسکی نے اور ابو الغادیہ الفزاری نے حملہ کیا۔ ابو الغادیہ نے ان کو نیزہ مارا اور ابن حوی نے سر اتار دیا۔ لوگ حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کے پاس آتے اور کہتے: میں نے عمار کو قتل کر دیا تو حضرت عمرو رضی اللہ عنہ ان سے کہتے: اس وقت تم نے عمار رضی اللہ عنہ کو کیا کہتے ہوئے سنا؟ پھر وہ باتوں میں اختلاط کرنے لگتے، یہاں تک کہ ابن حوی آیا۔ اس نے کہا: میں نے اس کو قتل کیا ہے تو ان سے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: عمار رضی اللہ عنہ کا آخری کلام کیا تھا؟ تو ابن حوی نے کہا: میں نے انھیں یہ کہتے ہوئے سنا:

اَلْيَوْمَ أَلْقَى الْأَحِبَّةَ مُحَمَّدًا وَحِزْبَهُ

''آج ہم اپنے محبوبوں سے ملیں گے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں سے۔''

تو حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: تو نے سچ کہا۔ تو ہی ان کا قاتل ہے، پھر اس سے کہا: افسوس! خبردار، اللہ کی قسم! تیرے ہاتھ کامیاب نہیں ہوں گے تو نے اپنے رب تعالیٰ کو ناراض کر دیا۔[1]

---

[1] تاریخ دمشق (۶۸/۲۷) بغية الطلب (۱۰/۴۶۷۱) كتاب صفين لابن ديزيل، [رقم: ۱۲۳]، میری جمع و تحقیق کے مطابق۔ یہ جس قدر روایت ہم نے ذکر کی ہے مقبول ہے، لیکن یہ سند ضعیف ہے۔ عمرو بن شمر اور جابر جعفی کا ترجمہ [رقم: ۵۴] گزر چکا ہے۔ دیکھیں: موارد ابن عساكر في تاريخ دمشق (۱/۳۹۸)

شواہد: حضرت ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ کا قصہ اور ان کے سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کو مارنے کا قصہ ثابت ہے۔ دیکھیں: [رقم: ۳۵۸] اور ما بعد۔
جبکہ شام کے لشکر کے بعض لوگوں کی طرف سے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے سر کے حوالے سے جھگڑے کا کچھ حصہ "مسند أحمد" میں ذکر ہوا ہے۔ دیکھیں: [رقم: ۳۷۵]
حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قتل پر انکار کرنا بھی ثابت ہے۔ دیکھیے: [رقم: ۳۷۲] اور ما بعد تعلیق۔
جبکہ ابن حوی کا عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کرنا مورخین کے نزدیک مشہور ہے۔ اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ اہلِ شام بالجزم یہی بات کرتے ہیں، تھوڑا آگے اگلے صفحات میں اس کا ذکر آجائے گا۔

تخریج: اس روایت کو ابن کثیر البداية والنهاية (۷/۲۹۷- ۲۹۸) میں ابن دیزیل سے لائے ہیں۔ اسی طرح نصر بن مزاحم نے وقعة صفين (ص: ۳۴۰- ۳۴۲) میں عمر بن سعد سے بیان کیا ہے۔

←

"مسند احمد" کی روایت میں ہے کہ دو شخص حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے سر کے حوالے سے آپس میں لڑے۔ حنظلہ بن خویلد عنزی بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھے کہ دو شخص حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے سر کے متعلق لڑتے ہوئے آئے، دونوں کہہ رہے تھے کہ میں نے اس کو قتل کیا ہے۔[1]

سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کے سر کے متعلق لڑنے والے دو بندے:

میں ان دو لڑنے والے بندوں کو نہیں جانتا اور یہ حضرت ابو الغادیہ جہنی رضی اللہ عنہ اور ابن حوی سکسکی نہیں تھے۔ نہ ان میں سے ایک تھا۔

جہاں تک ابو الغادیہ جہنی رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے تو

ا۔ راوی نے کہا ہے کہ "دو بندے لڑتے ہوئے آئے۔" یعنی صیغۂ نکرہ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ یہ دلیل ہے کہ وہ دو بندے مشہور نہیں تھے۔ جبکہ ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ تو سابقین میں سے ہیں اور بیعتِ عقبہ ثانیہ میں حاضر تھے۔ آپ مشہور صحابی ہیں۔ اگر ان دو میں سے ایک وہ ہوتے تو حنظلہ بن خویلد پہچان لیتے اور ان کا نام مشہور ہونے کی وجہ سے اس کی صراحت کرتے۔

۲۔ اگر ان میں سے ایک ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ ہوتے تو واسط القصب کی مجلس میں ذکر کر دیتے، کیونکہ ذکر کرنا تو قتل کرنے سے زیادہ چھوٹا کام ہے۔

۳۔ ابن دیزیل کی سابقہ خبر میں دلیل ہے کہ ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ دعویٰ کرنے والوں میں موجود ہی نہیں تھے۔ کیونکہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ان دعویٰ کرنے والوں میں سے کسی کی تصدیق ہی نہیں کی تھی سوائے ابن حوی سکسکی کے۔[2]

← اس قصے کی ابتدا میں کچھ زیادات ہیں۔ وہ کہتے ہیں: ابو العادیہ فزاری اور ابن جون السکونی۔ ان دونوں کے نام ایسے ہی ضبط کیے ہیں۔

[1] دیکھیے: [رقم: ۳۷۵]

[2] واقدی کا خیال ہے کہ ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ اور ایک دوسرا بندہ جس کے نام کی انھوں نے صراحت نہیں کی، یہی دو لوگ ہیں جنھوں نے عمار رضی اللہ عنہ کے سر کے حوالے سے جھگڑا کیا۔ لیکن واقدی نے یہ بات بغیر سند کے ذکر کی ہے اور وہ خبر مردود ہے۔ اس میں نکارت ہے۔ اور دیزیل کی اگلی خبر کی مخالفت بھی کر رہی ہے، جو مقبول خبر ہے۔

دیکھیے: الطبقات الکبری (۲۵۹/۳) اور انہی کی سند سے ابن عساکر (۳۷۰/۱۶-۳۷۱) (۴۷۰/۴۳-۴۷۱) نے بیان کیا ہے۔ اس روایت کو ابن جریر طبری نے المنتخب من ذیل المذیل (ص: ۱۵) اور حاکم نے المستدرك (۴۳٤/۳، رقم: ٥٦٥٧) میں واقدی سے ذکر کیا ہے۔ ←

جبکہ ابن حوی سکسکی تو:

۱۔ یہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس آیا ہی تب تھا، جب جھگڑا کرنے والے جا چکے تھے۔ کیونکہ جھگڑا کرنے والوں کا حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے سر کے متعلق جھگڑا ابن حوی کے دعوے کے علاوہ ہے۔

۲۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ان کے سامنے دو جھگڑا کرنے والوں کا ردّ نہیں کیا، جبکہ ابن حوی کا ردّ کیا۔ دو بندوں کا ردّ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے کیا تھا، انھوں نے کہا: تم خوش رہو کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا ہے: ''ان کو باغی گروہ قتل کرے گا۔''[1]

شاید حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے جواب نہ دینے کی وجہ یہ تھی کہ وہ حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم: ''عمار رضی اللہ عنہ کو باغی گروہ قتل کرے گا۔'' سننے کے بعد پریشان اور غمزدہ تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اپنے بیٹے عبداللہ کے درمیان گفتگو سن کر پرسکون ہوئے، پھر ان کے پاس ابن حوی آیا تو حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے اس پر انکار کیا۔

قاتلِ عمار رضی اللہ عنہ کے نام کے متعلق مورخین کے اقوال:

مورخین کا ان کے نام کے ضبط میں اختلاف ہے۔

نصر بن مزاحم نے ''وقعة صفين'' میں کہا ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو ابو الغادیہ الفزاری اور ابن جون سکسکی نے قتل کیا۔ وہ کہتے ہیں: جبکہ ابوالغادیہ نے ان کو نیزہ مارا اور ابن جون نے ان کا سر اتارا۔[2]

ابن دیزیل کی روایت جو کتاب ''صفین'' میں نصر بن مزاحم کی سند سے ہے کہ انھوں نے کہا: وہ لوگ ابو الغادیہ فزاری اور ابن حوی سکسکی تھے۔ وہ کہتے ہیں: ابوالغادیہ نے ان کو نیزہ مارا اور ابن حوی نے ان کا سر اتار دیا۔[3]

واقدی اور ابو مخنف کہتے ہیں: حضرت عمار رضی اللہ عنہ پر ابن حوی سکسکی اور ابوالغادیہ المزنی نے حملہ کیا اور اس کو قتل کر دیا۔[4]

➜ واقدی نے اس سے قبل حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کی شہادت کا قصہ اپنی سند سے بیان کیا ہے۔ پھر عمار رضی اللہ عنہ کا قصہ بغیر سند کے ذکر کیا ہے اور انھیں ایک ہی حکایت میں جمع کر دیا ہے۔

[1] دیکھیے: [رقم: ۳۷۵]

[2] وقعة صفين (ص: ٣٤١)

[3] تاريخ دمشق (٢٧/٦٨) بغية الطلب (٤٦٧١/١٠)

[4] الطبقات الكبرى (٢٦١/٣) اور انہی کی سند سے ابن عساکر (۴۷۶/۴۳) نے واقدی وغیرہ سے ذکر کیا ہے اور المنتخب من ذيل المذيل للطبري (ص: ١٦) میں ہشام بن محمد کلبی کے واسطے سے ابو مخنف سے روایت ہے۔

کلبی لکھتے ہیں: اہلِ شام کہتے تھے[1] کہ جس نے عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کیا ہے وہ کندہ قبیلے سے حوی بن ماتع بن زرعہ بن محض سکسکی ہے۔ دوسرے کہتے ہیں کہ اس کو ابوالغادیہ المری نے قتل کیا۔[2]

مدائنی کہتے ہیں: اہلِ شام کہا کرتے تھے: سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کو حوی بن ماتع بن زرعہ بن بحص سکسکی[3] نے قتل کیا۔

خلیفہ بن خیاط نے اپنی ''تاریخ'' میں بروایت تستری کہا ہے، جیسا کہ ''تاريخ دمشق'' اور ''بغية الطلب'' میں ہے کہ وہ کندہ دمشق کا حاکم تھا، یعنی حوی بن ماتع جو عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کا قاتل تھا۔[4]

خلیفہ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا قاتل ایک ہی قرار دیا ہے اور وہ حوی ہے۔

جبکہ اس کی مطبوعہ ''تاریخ'' میں بقی بن مخلد کی روایت میں ہے کہ ابن حوی سکسکی کندہ دمشق کا حاکم تھا۔[5] اس میں انھوں نے اس کے قاتلِ عمار رضی اللہ عنہ ہونے کی طرف اشارہ نہیں کیا۔

یہاں کچھ نادرست اقوال ہیں۔ ان کا ذکر واقدی نے کیا ہے۔ وہ کہتا ہے: تین لوگوں نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کیا۔ اور وہ عقبہ بن عامر الجہنی، عمر بن حارث الخولانی اور شریک بن سلمہ المرادی ہیں۔ واقدی کہتا ہے: ''بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عقبہ بن عامر نے عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کیا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جس نے قتل کیا ہے اس کا نام عمر بن حارث خولانی ہے۔''[6]

② سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت کی توجیہ

شیخ علامہ محدث عبداللہ السعد کہتے ہیں:

''حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو ابوالغادیہ کا قتل کرنا ثابت ہے۔ بلاشبہہ یہ بہت بڑا گناہ ہے، لیکن یہ کوئی بندہ بھی نہیں کہتا کہ صحابہ گناہ نہیں کرتے یا کبائر میں واقع نہیں ہوتے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق کہا:

---

① اہلِ شام سے مراد: شام کے مورخین ہیں۔

② أنساب الأشراف (١/١٧١)

③ أنساب الأشراف (٢/٣١١)

④ تاريخ دمشق (١٥/٣٦٧) بغية الطلب (٦/٢٩٩٥)

⑤ تاريخ خليفة (ص: ١٩٦)

⑥ الطبقات الكبرى (٣/٢٥٩) المستدرك للحاكم (٣/٤٣٤، رقم: ٥٦٥٧)

﴿ وَعَصٰى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴾ [طٰہٰ: ۱۲۱] ''آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو وہ بھٹک گیا۔''

اور اللہ تعالیٰ نے آدم و حوا علیہما السلام کے متعلق کہا:

﴿ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾ [الأعراف: ۲۳]

''وہ کہنے لگے: اے اللہ ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اگر تو ہمیں معاف نہ کرے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو ہم خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔''

نیز دیگر دلائل ملاحظہ ہوں۔'' انتھی۔

میں کہتا ہوں: یہ روایت درست ہے کہ ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ نہیں جانتے تھے کہ ان سے مقابلہ کرنے والے عمار رضی اللہ عنہ ہیں۔ انھیں یہ بات قتل کرنے کے بعد ہی پتا چلی اور لڑائی دو گروہوں کے درمیان ہو رہی تھی اور وہ ایک دوسرے کو اجتہاد اور تاویل کی بنا پر قتل کر رہے تھے۔ اس میں ہی حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قتل کا واقعہ بھی پیش آ گیا۔ بلاشبہ ان کے قتل کا واقعہ بہت بڑا واقعہ ہے لیکن ایسا معرکے کے درمیان ہوا ہے، لہٰذا اس کو بھی اجتہاد اور تاویل کے دائرے سے نہیں نکالا جا سکتا جس کی وجہ سے جنگ جاری ہوئی تھی۔ جس میں ہزاروں لوگ قتل ہوئے اور یہ سبھی مجتہد اور اللہ کے اذن سے ماجور تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب حاکم اجتہاد کرے پھر درست ہو تو اس کو دو اجر ملتے ہیں اور جب وہ اجتہاد کرے اور خطا کرے تو اس کو ایک اجر ملتا ہے۔''[1]

اہلِ بدعت صحابہ رضی اللہ عنہم پر طعن کرنے میں یہ طریقہ اپناتے ہیں کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت کو بہت بڑا بنا کر پیش کرتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ اس قتل کو دائرۂ اجتہاد اور تاویل سے نکال دیا جائے۔

اس اسلوب کے نتیجے میں وہ ہزاروں خونوں کو بھلا دیتے ہیں اور ایک خون کو بہت بڑا بنا کر پیش کرتے ہیں اور وہ سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کا خون ہے۔ گویا جنگِ صفین میں صرف ایک ہی شخص شہید ہوا ہو۔ جب کہ جنابِ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کئی ایک بڑے صحابہ شہید ہوئے تھے، ان میں ذوالشہادتین جناب خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی ہیں، انھوں نے اُحد اور مابعد کی جنگوں میں شرکت کی۔ اہلِ بدعت کا یہ شیوا ہے کہ ان سب کے خون کو رائیگاں کر دیا جائے۔

---

[1] صحيح البخاري (٦٩١٩) حدیث عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ [رقم: ۳۰، ۳۴۳] کے تحت گزر چکی ہے۔

نبی ﷺ کا بیان کردہ قاعدہ: ''جب حاکم فیصلہ کرنے میں اجتہاد کرے، ....'' اس قاعدے سے جنابِ عمار رضی اللہ عنہ کے معاملے میں غلو نہیں پیدا ہوتا، نہ ہی ان کا خون رائیگاں جاتا ہے۔ صفین میں ہزاروں مقتولین کے خون سے غفلت والا رویہ بھی نہیں رہتا۔ یہی عدل وانصاف ہے جو اس قاعدے کی بنیاد ہے۔

رہی جناب عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت تو نبی ﷺ نے ان کی شہادت کو ایک جماعت کے صواب اور دوسری کے باغی ہونے کی نشانی مقرر کیا ہے، نبی ﷺ نے کہا: ''ہائے افسوس عمار پہ! اس کو ایک باغی جماعت قتل کر دے گی۔'' اور حدیث کا دوسرا حصہ: ''وہ اس کو دوزخ اور یہ ان کو جنت کی دعوت دیتے ہوں گے۔'' اس میں باغی لوگوں کی امام کے خلاف بغاوت کا بیان ہے۔[1]

ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے: ان جنگوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے حسنِ ظن رکھنا ہی اصل قاعدہ ہے کہ وہ متاولین ہیں، اور مجتہد مخطی کو بھی اجر ملے رہتا ہے، جب یہ قاعدہ اور لچک ایک عام آدمی کے لیے ثابت ہے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالاولی اس کے مستحق ہیں۔[2]

③ امام البانی رحمہ اللہ کی رائے اور اس کا جواب

امام البانی رحمہ اللہ نے ابن حجر کے سابقہ قول کہ ''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں حسنِ ظن رکھنا، ....'' پر تعلیق لگائی کہ یہ بات بالکل حق سچ ہے لیکن صحابہ میں سے ہر ایک پر اس کی تطبیق مشکل معلوم ہوتی ہے، کیونکہ اس تطبیق سے مذکورہ احادیث میں تناقض پیدا ہو جاتا ہے[3] کیونکہ یہ کہنا ممکن نہیں ہے کہ ابو الغادیہ جو جنابِ عمار رضی اللہ عنہ کا قاتل ہے وہ ماجور ہے، کیونکہ اس نے اجتہاد کی بنا پہ قتل کیا تھا اور جنابِ رسول اللہ ﷺ کا یہ کہنا ہے کہ عمار رضی اللہ عنہ کا قاتل آگ میں ہے۔

تو درست بات یہی ہے کہ بے شک یہ قاعدہ صحیح ہے، مگر جہاں پر کوئی قطعی دلیل اس کے خلاف ثابت ہو جائے تو پھر اس ثابت شدہ چیز کو استثنیٰ حاصل ہو جائے گا جس طرح کہ ان احادیث میں یہاں پہ ہو رہا ہے اور صحیح حدیث کی یہ تطبیق بالکل ٹھیک ہے۔ واللہ أعلم.[4]

---

① (ص: ۳۳۱-۳۳۲) پہ اس کا ذکر ہے، وہاں رجوع کرو۔

② الإصابة (۳۱۲/۷)

③ مقصود یہ تھا کہ اس قاعدے: ''خطا کار مجتہد کے لیے اجر ہے۔'' کا انطباق ہر ایک صحابی پہ کرنے سے اس حدیث: ''عمار کا قاتل و سالب آگ میں ہے۔'' کے ساتھ تناقض پیدا ہو جاتا ہے۔

④ سلسلة الأحاديث الصحيحة (۱۹/۵، ۲۰۰۸)

میں کہتا ہوں کہ امام البانی رحمہ اللہ کا مقصود مرفوع ضعیف روایت کو صحیح قرار دینا ہے: ''عمار کا قاتل اور سامان چھیننے والا آگ میں ہے۔'' اور ان کا مقدمہ اسی بنا پہ ہے۔ یہ روایت انقطاع کے سبب معلول ہے، جب مقدمہ کی بنیادی روایت ہی ضعیف ہے تو یہ کہنا درست نہیں ہے کہ عمار رضی اللہ عنہ کے قاتل کے لیے کوئی جہنم کا وعدہ ہے، بلکہ صحیح موقف تو یہی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قتل کرنے والے گروہ کے باغی ہونے کی خاصیت بیان کی ہے اور جنابِ عمار رضی اللہ عنہ کی بھی ایک خوبی کو نمایاں کیا ہے، خوبی یہ ہے کہ جنابِ عمار رضی اللہ عنہ اس باغی جماعت کو جنت کے راستے کی دعوت دیتے ہوں گے۔ وہ راستہ امام اور امیر کی اطاعت کا ہے جبکہ باغی جماعت انھیں سبیلِ جہنم کی طرف دعوت دے رہی ہوگی اور وہ راستہ بغاوت والا راستہ ہے۔

پھر اس حدیث کے متن میں بھی نکارت ہے اور وہ یہ ہے کہ مالِ غنیمت اکٹھا کرنا اور مقتول کا ساز وسامان چھیننا تو صرف کفار کے مقتولین میں جائز ہے نہ کہ مسلمانوں کے، حتیٰ کہ اگر مسلمان باغی بھی ہوں پھر بھی جائز نہیں۔ اسی لیے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے جنگِ جمل، صفین اور نہروان کے کسی بھی مقتول سے کوئی مالِ غنیمت نہیں لیا۔ پھر حدیث کے یہ الفاظ کیسے صحیح ہو سکتے ہیں کہ ان کا قاتل اور ساز وسامان چھیننے والا آگ میں ہے؟

جس طرح کہ کسی بھی شخص نے جنابِ عمار رضی اللہ عنہ کا ساز وسامان نہیں کھینچا، بلکہ حدیث کا ظاہر تو یہ بتاتا ہے کہ دو بندے اس بات پر جھگڑ رہے تھے کہ قتلِ عمار رضی اللہ عنہ کے سلسلے میں ان کو انعام واکرام دیا جائے کیونکہ جنابِ عمار رضی اللہ عنہ عراقی لشکر کے ایک سرکردہ اور بڑے افراد میں شامل تھے تو ان کا یہ جھگڑا انعام واکرام کے حصول میں تھا، نہ کہ چھینے گئے مال کے حصول میں۔ اس سلسلے میں لشکرِ شام سے ایک بڑی جماعت نے جھوٹ بولا اور قاتلِ عمار رضی اللہ عنہ ہونے کا دعویٰ کیا۔ اس دعوے کی وجہ یہی تھی کہ وہ کوئی انعام واکرام چاہتے تھے نہ کہ ان کا غصب شدہ مال۔

جب ہم اس بحث اور جھگڑے سے باہر آ گئے ہیں کہ کسی بھی شخص نے جنابِ عمار رضی اللہ عنہ کا ساز وسامان نہیں چھینا تو پھر ان کے قاتل پہ یہ بات صادق نہیں آتی۔

آخر پہ میں کہتا ہوں کہ وہ قاعدہ جو ابن حجر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے، اس کا انطباق جنگِ صفین میں شرکت کرنے والے ہر شخص پر ہوتا ہے بشمول ابوالغادیہ رضی اللہ عنہ کے۔ کوئی بھی چیز اس کے معارض نہیں ہے، والحمدللہ، اور خاص طور پر ابوالغادیہ رضی اللہ عنہ کے قتل سے پہلے ان کے علم میں یہ بات نہ تھی کہ ان کے مدِمقابل عمار رضی اللہ عنہ ہیں تو وہ اجتہاد جو انھیں جنگ تک لے گیا اس کے ساتھ یہ آخری عذر ہے جو ان کو حاصل ہے۔

④ امام ذہبی رحمہ اللہ کا موقف اور اس کا جواب

امام ذہبی نے کہا: روافض کے ہاں، آخرت میں سب سے بدتر آدمی ابن ملجم ہے اور اہلِ سنت کا اس کے بارے میں موقف یہ ہے کہ ہم اس کے متعلق جہنم کی امید رکھتے ہیں اور یہ بھی امکان ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف کر دے۔ ہم اس کے بارے خوارج اور روافض والا موقف نہیں رکھتے تو اس کا حکم وہی ہے جو حکم قاتلِ عثمان رضی اللہ عنہ، قاتلِ زبیر رضی اللہ عنہ، قاتلِ طلحہ رضی اللہ عنہ، قاتلِ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ، قاتلِ عمار رضی اللہ عنہ، قاتلِ خارجہ رضی اللہ عنہ اور جنابِ حسین رضی اللہ عنہ کے قاتل کا ہے، یعنی اس پوری جماعت سے ہم اعلانِ براءت کرتے ہیں اور اللہ کے لیے ہی ان سے بغض رکھتے ہیں۔ ساتھ ساتھ ان کے معاملے کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔[1]

میں یہ کہتا ہوں کہ امام ذہبی رحمہ اللہ کا قاتلِ عمار رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بات کہنا، ان کی طرف سے ایک سہو ہے۔ یہ بات درست نہیں ہے کہ ان ساری شخصیات کے قاتلین کو جنابِ عمار رضی اللہ عنہ کے قاتل کی طرح بنا دیا جائے اور یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ ان سارے قاتلین کو ایک ہی درجے میں رکھا جائے جس طرح کہ امام ذہبی نے کیا ہے، کیونکہ یہ ساری جماعت قاتلین اہلِ ہوا تھے، سوائے قاتلِ عمار رضی اللہ عنہ کے۔

رہے جنابِ علی اور خارجہ رضی اللہ عنہما کے قاتل تو وہ دونوں خارجی تھے اور ان کا یہ قتل عداوت اور سرکشی کی بنیاد پر تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنابِ علی رضی اللہ عنہ کے قاتل کو امت کا سب سے بدبخت فرد قرار دیا ہے۔[2]

اور جنابِ عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین ہوا پرست لوگ تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قاتلین اور قتل پر مدد کرنے والوں کو منافق کہا ہے[3] کہ انھوں نے جنابِ عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر پر چڑھائی کی، گھر میں جا کے ان کو قتل کیا اور ان کی حرمت کا کوئی خیال نہیں کیا۔

جنابِ زبیر رضی اللہ عنہ کے قاتل کے متعلق تو علی رضی اللہ عنہ سے یہ بات ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قاتل کو جہنم کی خوشخبری دی[4] اور اس روایت کا حکم مرفوع حدیث والا ہی ہے، یعنی جنابِ زبیر رضی اللہ عنہ کو جنگ سے واپس جاتے ہوئے قتل کیا گیا، نہ کہ وہ دورانِ جنگ مقتول ہوئے۔

---

① الخلفاء الراشدين للذهبي (ص: ٢٨٨) تاريخ الإسلام (٦٥٤/٣)

② یہ حدیث [رقم: ۵۲۲] پر آئے گی۔

③ یہ روایت [رقم: ۲۳] پہ گزر چکی ہے۔

④ امام احمد (۶۸۱) نے اور ابونعیم نے حلیۃ الأولیاء (١٨٦/٤) میں اور حاکم (۵۵۸۰) نے ''عاصم بن ابی النجود عن زر بن حبیش عن علی رضی اللہ عنہ'' کی سند سے روایت کیا اور کہا: ابن صفیہ کے قاتل کو جہنم کی خوشخبری دے دو۔ ←

اور رہا جنابِ طلحہ رضی اللہ عنہ کا قاتل تو اس کی تعیین میں کلام ہے۔ اگر ان کا قاتل مروان بن حکم ہے تو اس کا حکم وہی ہے جو امام ذہبی نے ذکر کر دیا، یعنی ان کا قتل ایک دھوکہ، خیانت اور بہت بڑا جرم ہے۔ کیونکہ مروان جنابِ طلحہ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں تھا اور اس بات کا بھی امکان ہے کہ اس نے توبہ کر لی ہو، سو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ اگر اس کا قاتل باغی سبائی جماعت میں سے کوئی ایک فرد ہے جو علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں تھے تو بھی اس کا حکم وہی ہے جو امام ذہبی نے بیان کیا ہے، کیونکہ یہ جماعت بھی خواہش پرست تھی، انھوں نے اس سے پہلے امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی قتل کیا تھا۔

اس کے بعد میرے سامنے مروان بن حکم کی جنابِ طلحہ بن عبیداللہ کے خون سے براءت واضح ہو جاتی ہے، اس سلسلے میں جو سب سے مضبوط دلیل ان پر مقدمہ قائم کرتی ہے وہ قیس بن ابی حازم کی روایت ہے لیکن وہ روایت باطل ہے۔

کیوں کہ وہ سند کے لحاظ سے مرسل [1] روایت ہے، ....

← میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ''ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے اور میرا حواری زبیر ہے۔'' شعیب ارناؤط نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔ امام حاکم نے اس کو صحیح کہا اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ ابونعیم نے کہا: یہ حدیث صحیح ثابت ہے اور ابن حجر نے اس کو فتح الباري (٦/٢٢٩) میں صحیح کہا ہے۔

[1] قیس کی روایت مرسل ہے، کیونکہ اس نے جنگِ جمل میں شرکت نہیں کی۔ یہ بات علی بن مدینی نے تب کہی تھی جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا قیس بن ابی حازم جمل میں شریک ہوئے تھے؟ فرمایا: ''نہیں، وہ تو عثمانی ہے۔'' دیکھیے: العلل ابن المديني (ص: ٥٠، رقم: ٤٦) ہلکے سے تصرف کے ساتھ۔ تاريخ بغداد (١٢/٤٤٩) تاريخ دمشق (٤٩/٤٦٠) میں یہ روایت ابن مدینی کی سند سے ایسے ہی بیان ہوئی ہے۔ یعنی قیس تو کوفی تھا اور اس زمانے میں اہلِ کوفہ علی رضی اللہ عنہ کے انصار میں تھے۔ ان کے ساتھ مل کر اس جماعت سے قتال کرتے تھے جو جنابِ عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا مطالبہ رکھتے تھے، لیکن قیس عثمانی تھا، یعنی ان لوگوں میں شامل تھا جو کسی بھی طرح مسئلۂ قصاص کی تائید کرتے تھے۔

کسی کے عثمانی ہونے کا معنی ومفہوم: جب فتنوں کے زمانے میں کسی شخص کے بارے میں مطلقاً ''عثمانی'' ہونے کا کہا جائے تو اس سے مراد یہ ہوتا ہے کہ وہ قصاصِ عثمان رضی اللہ عنہ کا مطالبہ کرتا ہے، یا اس مطالبے کی کسی بھی طرح سے تائید کرتا ہے، اور جب یہ فتنہ ختم ہوا تو اس جماعتِ عثمانیہ میں غلو پیدا ہو گیا حتی کہ ان میں سے بعض لوگوں نے علی رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا، انھیں برا بھلا کہا تو اس جماعت کو ''نواصب'' کا نام دے دیا گیا۔

اور سارے عثمانی ہی ان کے خون کے بدلے میں مددگار تھے، وہ جنابِ عثمان رضی اللہ عنہ کو علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے زیادہ افضل سمجھتے تھے۔ اس لیے یہاں اس اصطلاح کا ایک اور مفہوم بھی ہے، یعنی وہ بندہ بھی عثمانی ہے جو جنابِ عثمان رضی اللہ عنہ کو علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے افضل سمجھتا ہے، اس مفہوم کو نظر انداز کرنے کے ساتھ کہ وہ خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کے ←

....

← معاملے میں کسی بھی طرح سے مددگار ہے یا نہیں ہے۔ اس کی مثال جناب ابو وائل شقیق بن سلمہ الکوفی ہیں، یہ عثمانی تھے یعنی عثمان رضی اللہ عنہ کو زیادہ افضل سمجھتے تھے اس کے باوجود انھوں نے جنابِ علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے صفین میں شرکت کی۔ دیکھیے: سیر أعلام النبلاء (٤/١٦٦، ٢٦٨)

البتہ جب فتنوں کے زمانے میں کسی کے بارے میں ''شیعہ'' ہونے کا کہا جائے تو اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ وہ خلافتِ علی رضی اللہ عنہ میں ان کا مددگار اور حمایتی تھا۔ پھر علی رضی اللہ عنہ کی جنابِ عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت کا مسئلہ کھڑا ہونے پر اس اصطلاح میں ایک نیا مفہوم داخل ہوگیا، تو شیعہ کا معنی بدل گیا۔ اس کے بعد شیعہ ایک مستقل مذہب کے طور پر ظاہر ہوا اور ان میں سب سے غالی جماعت رافضہ کی ہے۔

اب ہم بات کو دوبارہ قیس بن ابی حازم کی روایت کی طرف لے آتے ہیں تو جو بات واضح پتا چلتی ہے وہ یہ ہے کہ قیس نے اس طرح کی پھیلی ہوئی باتوں کو کوفہ میں سنا تھا اور روایت کر دیا۔

جبکہ اسی روایت کو ابن سعد (٣/٢٢٣) نے اور ابن ابی شیبہ (١٢٢٢٢، ٣٨٩٢٥) نے بیان کیا، یہ دونوں کہتے ہیں کہ ہمیں ابو اسامہ حماد بن اسامہ الکوفی نے بیان کیا، مزید اس روایت کو ابن ابی شیبہ (٣١٢١٩، ٣٨٩٥٨) نے بیان کیا، کہتے ہیں: ہمیں وکیع نے روایت بیان کی اور اس روایت کو یعقوب بن سفیان نے "المعرفة والتاریخ" میں بھی ذکر کیا ہے جیسا کہ یہ تاریخ دمشق (٢٥/١١٢) میں ہے۔

کہتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن نمیر نے بیان کیا، پھر یہ تینوں ہی اسماعیل بن ابی خالد سے اور وہ قیس بن ابی حازم سے روایت کرتے ہیں کہ اس نے کہا: مروان نے جنگِ جمل کے دن جنابِ طلحہ کے گھٹنے میں تیر مارا پھر وہ مر گئے، ...۔

معرفت و تاریخ کے لیے دیکھیے: موارد ابن عساکر في تاریخ دمشق (١/١٢٧)

اس روایت کو ثقہ راویوں نے مرسل ہی بیان کیا ہے۔ یحییٰ بن سلیمان الجعفی، جو صدوق ہے لیکن غلطیاں کرتا تھا، اس نے ثقہ راویوں کی مخالفت کی، اس نے اس روایت کو وکیع سے ایسے ہی بیان کر دیا، اور اسے موصول بیان کیا اور کہا: میں نے مروان کو دیکھا...۔ امام طبرانی نے اس روایت کو المعجم الکبیر (٢٠١) میں اور حاکم (٥٥٩١) نے دو سندوں کے ساتھ جعفی سے ایسے ہی بیان کیا اور جعفی کی مخالفت اس بات کی دلیل ہے کہ ثقہ راوی اس کے مرسل ہونے پر اچھی طرح واقف تھے، تو انھوں نے یہ نہیں کہا کہ میں نے مروان کو دیکھا ہے۔ البتہ اس سلسلے میں جعفی نے وہم کھایا ہے۔

جس طرح یہ ثابت ہے کہ عمران بن طلحہ بن عبیداللہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھی سمجھتے تھے کہ جنابِ طلحہ رضی اللہ عنہ کا قاتل جیشِ علی رضی اللہ عنہ میں سے کوئی بندہ ہے۔

امام حاکم (٣٣٤٨) نے ربعی بن حراش کی سند سے روایت بیان کی ہے، اس نے کہا: میں علی رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، اس دوران میں ابن طلحہ آئے اور انھوں نے سلام کہا، تو علی رضی اللہ عنہ نے ان کو خوش آمدید کہا تو انھوں نے کہا: امیر المومنین! آپ مجھے مرحباً کہتے ہیں، جبکہ آپ نے میرے باپ کو قتل کر دیا ہے، ...... الخبر۔ امام حاکم نے کہا: یہ روایت صحیح الاسناد ہے، شیخین نے اس کو روایت نہیں کیا۔ امام ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ ←

← عمران بن طلحه کا یہ کہنا: ''آپ نے میرے باپ کو قتل کیا ہے۔'' مراد یہ ہے کہ آپ کے ساتھیوں میں سے کسی نے میرے باپ کو قتل کیا۔ تو یہ بات کہنے والے عمران بن طلحہ بن عبیداللہ ہیں اور ان کے یہ الفاظ بطور دلیل کافی ہیں، یعنی آلِ طلحہ رضی اللہ عنہ مروان بن حکم پر اپنے باپ کے قتل کا الزام نہیں لگاتے تھے۔

ابن سعد (۲۲۴/۳) نے اس کو روایت کیا ہے اور احمد بن حنبل نے فضائل الصحابة (۱۲۹۸) میں روایت کیا ہے۔

آئندہ الفاظ انہی کے ہیں اور امام حاکم (۵۶۱۳) نے اس کو روایت کیا ہے۔ [(۵۷۲۰) مطبوعة التأصيل] بہ سند ابی حبیبہ مولیٰ طلحہ۔ وہ کہتے ہیں کہ جنگِ جمل سے فارغ ہونے کے بعد عمران بن طلحہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو انھوں نے ان کو خوش آمدید کہا اور کہا کہ میں یہ امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور تیرے باپ کو ان لوگوں میں شامل کرے گا جن کے بارے میں اللہ عزوجل نے کہا ہے: ﴿ إِخْوَانًا عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ ﴾ [الحجر: ٤٧] ''وہ تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوں گے۔'' راوی کہتے ہیں کہ اس دوران میں دو آدمی بستر کی جانب بیٹھے ہوئے تھے، ان دونوں نے کہا: اللہ عزوجل اس سے بڑے عادل ہیں کہ کل تم ان کو قتل کرتے ہو اور آج تم جنت میں ان کے بھائی بن جاتے ہو۔

امام حاکم نے کہا: یہ روایت صحیح الاسناد ہے، البتہ شیخین نے اس کو بیان نہیں کیا، امام ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

ابو حبیبہ تابعی ہیں۔ امام بخاری نے التاریخ الکبیر (۲٤/۹) میں اس کا ذکر کیا اور اس پہ سکوت کیا ہے۔ ان سے دو بندوں نے روایت لی ہے۔ امام حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے اور ربعی بن حراش کی طرف سے اس کی متابعت بھی کی گئی ہے، سو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

اور ان کا یہ کہنا: ''کل تم ان کو قتل کرتے ہو۔'' یعنی تمھارے ساتھیوں نے طلحہ رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کو کل قتل کیا ہے۔

امام حاکم کے الفاظ یہ ہیں کہ ''اللہ اس بات سے بڑا عادل ہے کہ ہم ان کو قتل بھی کریں، پھر جنت میں ان کے بھائی بھی بن جائیں۔'' اور ''مستدرک'' کے طبع شدہ نسخے میں یہ الفاظ گر گئے ہیں کہ (عمران بن طلحہ داخل ہوئے)۔

اس سلسلے میں کچھ ضعیف روایات بھی ہیں جو اس بات کی دلیل نہیں بن سکتیں کہ مروان نے طلحہ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا۔ ان میں سے ایک روایت یوں مروی ہے: ''عن عم يحيىٰ بن سعيد'' یہ مجہول راوی ہے، [رقم: ۳۳۵] میں اس کا تعارف گزر چکا ہے۔

عمر بن شبہ نے اس روایت کو تاریخ المدینة (۱۱۷۰/٤) میں اور امام حاکم (۵۵۹۳) نے بیان کیا ہے۔ شریک بن خطاب سے مروی ہے، وہ عتبہ بن صعصہ سے اور وہ عکراش بن ذؤیب سے روایت کرتے ہیں۔ امام حاکم (۵۵۸۹) نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔

شریک اور عتبہ دونوں ہی مجہول ہیں، امام بخاری اور ابن ابی حاتم نے ان پر سکوت کیا ہے۔ ابن حبان نے ان کا ذکر ''الثقات'' میں کیا ہے۔ امام حاکم نے ان کے بارے میں کہا: یہ اہلِ اہواز سے شیخ اور ثقہ ہیں۔ المستدرك (۱۳۵)

تو شیخ مقبل الوادعی نے اس پہ تعاقب کیا اور کہا کہ امام حاکم متساہل ہیں تو اصل کلام جو معتبر ہے وہ ابو حاتم کا ہے اور وہ یہ ہے کہ شریک مستور الحال راوی ہے۔ رجال الحاكم في المستدرك (۸۳۸) ←

اور متن کے لحاظ سے منکر ہے۔[1]

تو درست یہی ہے کہ جنابِ طلحہ رضی اللہ عنہ کا قاتل جیشِ علی رضی اللہ عنہ میں سے کوئی بندہ ہے۔[2]

اور آگے یہ ذکر ہو گا کہ یہ سبائی جماعت کے مختلف حیلے ہیں جن کی بنیاد پر وہ پہلے جرم کرتے ہیں، پھر اس کا الزام دوسروں پر ڈال دیتے ہیں۔ جس طرح کہ حسن رضی اللہ عنہ پر حملہ کرنا[3] اور ان کو زہر دینا۔[4]

رہے جنابِ حسین اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ کا قاتل تو وہ بھی خواہش پرست اور گناہوں پر جری جماعت سے تعلق رکھتے ہیں، قاتلِ عمار رضی اللہ عنہ کے سوا باقی تمام جماعتِ قاتلین کا یہ کام اجتہاد اور تاویل کے دائرۂ کار میں نہیں آتا بلکہ یہ خواہش پرستی کے دائرہ کار میں آتا ہے اور ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہی سپرد

← ''شریک'' کے تعارف کے لیے دیکھیے: التاريخ الكبير (٢٤٠/٤) الجرح والتعديل (٣٦٧/٤) الثقات (٣١١/٨)

''عتبہ'' کے تعارف کے لیے دیکھیے: التاريخ الكبير (٥٣٠/٦) الجرح والتعديل (٣٧١/٦) الثقات (٢٥٠/٥)

اس سلسلے میں نافع مولا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی ایک روایت منقول ہے۔ ابن سعد نے اس کو الطبقات (٢٢٣/٣) میں روایت کیا ہے مگر وہ مرسل روایت ہے۔ نافع نے جنگِ جمل کو نہیں دیکھا۔ اس سلسلے میں تفصیلاً دیکھیے: [رقم: ٦٢٤]

محمد بن سیرین سے بھی ایک روایت ہے، ابن سعد (٢٢٣/٣) نے اس کو بیان کیا ہے، مگر وہ مرسل ہے۔ ابن سیرین تو اس زمانے میں دودھ پیتے بچے تھے، (ص: ٥٢) پر اس طرف ایک اشارہ ہو چکا ہے۔

"عن عمران بن داور القطان، عن قتادة بن دعامة، عن الجارود بن أبي سبرة" کی سند سے بھی ایک روایت ہے۔ امام بغوی نے اس کو معجم الصحابة (٤١١/٣) میں ذکر کیا ہے۔ اس میں ایک راوی عمران ہے جو صدوق ہے، وہم کرتا تھا اور اس پر خارجی ہونے کا بھی الزام ہے اور اس سند میں قتادہ کا عنعنہ بھی ہے اور یہ مدلس راوی ہے۔ الجارود نے جنگِ جمل کا زمانہ نہیں دیکھا، انھوں نے ١٢٠ھ میں وفات پائی ہے۔ التقريب (٨٨١)

اس سلسلے میں اور بھی بہت ساری سندیں موجود ہیں، ان کا ضعف واضح ہونے کے سبب میں نے چھوڑ دیا ہے۔ اس موضوع پر میں نے سب سے زیادہ استفادہ اس تفصیلی بحث سے کیا ہے جو عبدالحمید الازہری نے لکھی ہے اور انھوں نے اس کو اس عنوان کے ساتھ نشر کیا ہے: ''کیا یہ بات صحیح ہے کہ مروان نے جنگِ جمل کے دن طلحہ بن عبیداللہ کو تیر مارا تھا؟'' انھوں نے بہت ساری سندیں اور ان کی علت واضح کر دی ہے۔ جزاه الله خيرا.

[1] متن کی نکارت کی تفصیل کے سلسلے میں میرے استاد دکتور خالد الغیث کی کتاب "استشهاد عثمان رضی اللہ عنہ ووقعة الجمل" دیکھیں۔

[2] یہ بات سابقہ حاشیے میں گزر چکی ہے کہ آلِ طلحہ اور اصحابِ علی رضی اللہ عنہ سمجھتے تھے کہ قاتلِ طلحہ رضی اللہ عنہ جنابِ علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں سے کوئی بندہ ہے۔

[3] دیکھیے: [رقم: ٦٠٧] اور بعد کی تعلیق۔

[4] دیکھیے [رقم: ٦٠٦] اور اس سے پہلے کی دو سطریں اور بعد کے صفحات۔

ہے، اگر وہ چاہے تو ان کو عذاب دے دے، چاہے تو معاف کر دے، ہم اللہ تعالیٰ کی وجہ سے ہی ان سے ان کے اعمال کے بقدر بغض رکھتے ہیں اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ ان میں سے بعض بندوں نے موت سے پہلے توبہ کر لی ہو۔

رہا جنابِ عمار رضی اللہ عنہ کا قاتل تو اس نے جنگ کے دوران انھیں قتل کیا تھا، اس بات کو جانے بغیر کہ یہی عمار رضی اللہ عنہ ہیں تو یہ قتل ایک اجتہاد اور تاویل کا نتیجہ ہے، وہ اجتہاد کہ جس پر بخشش ہے تو ہم ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ سے بھی اور جنابِ عمار رضی اللہ عنہ سے بھی محبت رکھتے ہیں، اس کی بنیاد وہ مقامِ صحابیت ہے جو انھیں حاصل ہے، تو اللہ تعالیٰ ان دونوں ہی جلیل القدر صحابہ پر رحمت فرمائے کہ انھوں نے فضیلت میں وہ مقام حاصل کیا ہے جو ہم نہیں کر سکتے اگرچہ اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کر دیں۔ جنابِ عمار رضی اللہ عنہ تو سابقون اوّلون میں ہیں، جبکہ ابو الغادیہ ان سابقین میں شامل ہیں جو بیعتِ عقبہ ثانیہ میں شریک ہوئے تھے۔

عمار رضی اللہ عنہ نے جنابِ عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو کہا سو کہا اور ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ نے جو کچھ اپنی آخرت کے لیے آگے بھیجا سو بھیجا۔ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ دونوں ہی معصوم نہیں ہیں اور جو کچھ بھی ان سے سرزد ہوا وہ اجتہاد کی بنیاد پر ہے۔

⑤ حافظ ابو عمر ابن عبدالبر رحمہ اللہ کا موقف اور اس پر جواب

ابو عمر ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے کہا: یعنی جب ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ امیرِ معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ سے اجازت طلب کرتے تو ان الفاظ کے ساتھ کہ قاتلِ عمار رضی اللہ عنہ دروازے پر کھڑا ہے۔ اور جب ان سے اس قتل کے متعلق سوال کیا جاتا تو اس بارے میں کوئی خوف نہیں رکھتے تھے۔ ان کے اس قصے میں اہلِ علم کے ہاں بہت کچھ عجیب ہے۔[1]

میں کہتا ہوں: بغیر کسی نیت کے ابن عبدالبر ایک جلیل القدر صحابی ابو الغادیہ جہنی رضی اللہ عنہ پر بہتان کا سبب بن گئے ہیں اور انہی سے یہ بات بعد والے اہلِ سیر اور رجال نے ابو الغادیہ کے تعارف میں اپنی مصنفات میں نقل کی ہے، ہو بہو انہی الفاظ کے ساتھ یا اس معنی میں، بغیر کسی تحقیق اور تنقید کے۔ ان میں سے بعض لوگ اس موقف کی نسبت ان کی طرف کر دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ابو عمر نے کہا اور بعض ان کے موقف میں سے کچھ اقتباس کر لیتے ہیں اور ان کی طرف منسوب نہیں کرتے[2] حتی کہ اس تناقل، اس پر

---

[1] الاستیعاب (١٧٢٥/٤)

[2] وہ بندے جنھوں نے یہ موقف ابن عبدالبر سے نقل کیا ہے: ان میں ابن الاثیر نے أسد الغابة (٦/٢٥٠- ٢٥١) میں ←

خاموشی، متاخرین میں اس بات کا عام ہونا، ان اسباب کی وجہ سے بعض خارجیوں نے سمجھا کہ یہ قول بالکل صحیح ہے اور مسلّم ہے۔ واللہ المستعان.

تو نقل کرنے والے ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ کے تعارف میں یہ نقل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب وہ معاویہ رضی اللہ عنہ اور دوسروں کے پاس جاتا تو یہ الفاظ کہتا تھا کہ دروازے پر قاتلِ عمار رضی اللہ عنہ کھڑا ہے اور ایسے ہی جب ان سے اس سلسلے میں سوال ہوتا تو وہ بغیر کسی خوف، غم یا پریشانی کے اس واقعے کو بیان کرتے۔ اس طرح کی دوسری عبارات نقل کرتے جو اسی معنی میں ہیں اور یہ ساری چیزیں ابن عبدالبر کی کتاب "الاستیعاب" سے منقول ہیں۔

تو اے اصحابِ فضیلت! آپ نے ابن عبدالبر رحمہ اللہ کی ایسی باتیں نقل کرنے سے پہلے کسی منہجِ تحقیق پہ عمل کیوں نہ کیا؟

تو درست یہی ہے کہ یہ ساری کی ساری چیزیں ابو الغادیہ الجہنی رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہیں، جس طرح کہ آگے بات ہوگی سوائے اس کے کہ وہ عمار رضی اللہ عنہ کا قاتل ہے۔

← نقل کیا ہے اور اس کی نسبت ابن عبدالبر کی طرف نہیں کی۔ ابن کثیر نے البداية والنهاية (٢٤٠/٦) میں ذکر کیا اور ان کی ابن عبدالبر کی طرف نسبت کی۔ اس روایت کو زرکلی نے الأعلام (١٩١/٨) میں بیان کیا اور اس کی نسبت ابن عبدالبر کی طرف نہیں کی۔

حسینی نے اس کو الإكمال (١١٤٥) میں ابن عبدالبر سے اسی معنی کے ساتھ نقل کیا اور نسبت ان کی طرف نہیں کی۔ پھر ابن حجر نے تعجيل المنفعة (٥١٩/٢) میں اس کو حسینی سے نقل کیا، جس طرح کے "التعجيل" میں ان کا منہج ہے تو انھوں نے وہ سارا کام جمع کر دیا کہ جو حسینی نے مقدسی کی کتاب "الكمال" پر اضافہ کیا تھا، "مقدمة التعجيل" دیکھیے۔

ایسے ہی امام البانی نے ان باتوں کو اسی معنی میں نقل کیا اور ابن عبدالبر کی طرف نسبت نہیں کی۔ امام البانی رحمہ اللہ نے کہا: ابو الغادیہ کی غرائب باتوں میں یہ بھی ہے، جس کو عبداللہ بن احمد نے "زوائد المسند" میں ابن عون عن کلثوم بن جبر سے روایت کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہم واسط شہر میں عبدالاعلیٰ کے پاس تھے۔ پھر اس حدیث کو مکمل ذکر کیا، [رقم: ٣٦٢] میں یہ روایت گزر چکی ہے۔ دیکھیے: السلسلة الصحيحة (١٩/٥، رقم: ٢٠٠٨)

ایسے ہی نقل کرنے والوں نے ان باتوں کو ہو بہو ویسے ہی یا اسی معنی کے ساتھ ان کی طرف نسبت کر کے یا نسبت کیے بغیر بغیر کسی تحقیق اور نقد کے اپنی کتابوں میں نقل کر دیا ہے۔ امام البانی نے اس کو ذکر نہیں کیا ہے بلکہ انہی چیزوں پر اعتماد کیا ہے۔ واللہ المستعان.

امام ذہبی نے جب ابن عبدالبر کے اس سارے کلام سے جو مختلف کتابوں میں ابو الغادیہ کے حوالے سے ذکر ہے۔ اس سے اعراض کیا تو بہت اچھا کیا۔ تاريخ الإسلام (١٣٥/٤) سير أعلام النبلاء (٥٤٤/٢)

ابھی ہم فی الفور ''الاستیعاب'' میں ابن عبدالبر رحمہ اللہ کے منہج پر گفتگو کر لیتے ہیں۔ ان کا منہج یہ ہے کہ وہ ضعیف اور منکر روایات کو نقل کرنے میں بہت وسیع المشرب ہیں، پھر وہ انہی روایات پر اعتماد کرتے ہیں اور ان کو راوی کے تعارف کا ایک مستقل حصہ بنا دیتے ہیں۔ تو ان ضعیف، منکر روایات اور تاریخی روایات میں ایک مترجم کے لیے فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ''الاستیعاب'' کو غور اور گہری نظر سے پڑھنے پر یہ بات واضح طور پر سمجھ آ جائے گی۔

ابن عبدالبر کا یہ کہنا کہ جب بھی وہ معاویہ رضی اللہ عنہ یا کسی دوسرے کے پاس جاتے تو وہ کہتے تھے کہ ''دروازے پر قاتلِ عمار رضی اللہ عنہ کھڑا ہے'' اس مقولے کی بنیاد دو روایات ہیں: ایک کو مرثد بن عامر الہنائی نے ذکر کیا ہے اور دوسری کو محمد بن سائب الکلبی نے۔

[**365**] ہمیں ابراہیم بن حجاج نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں مرثد بن عامر الہنائی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں کلثوم بن جبر نے حدیث بیان کی اور کہا کہ ہم واسط القصب شہر میں عنبسہ بن سعید القرشی کے گھر میں تھے اور ہمارے درمیان عبدالاعلیٰ بن عبداللہ بن عامر بھی لوگوں میں موجود تھے، جب ان کے پاس قوم کو اجازت دینے والا ایک بندہ آیا اور اس نے کہا کہ ''قاتلِ عمار رضی اللہ عنہ دروازے پر ہے۔'' اس پر بعض لوگوں نے ناگواری محسوس کی لیکن انھوں نے کہا: اسے داخل ہونے کی اجازت دے دو۔ جب وہ داخل ہوا تو وہ ایک بوڑھا اور لمبا تڑنگا آدمی تھا جو اپنے چھوٹے چھوٹے کپڑوں کو کھینچ رہا تھا۔ اس نے سلام کیا اور کہا: میں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا ہے، میں اپنے گھر والوں کے لیے سب سے زیادہ نفع مند ہوں اور انھیں سب سے زیادہ مال دینے والا ہوں۔ اس پر لوگوں میں سے کسی نے کہا: اے ابوالغادیہ! پھر سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کا معاملہ کیا ہے؟ کہا: ہم انھیں اپنے درمیان سب سے نرم دل آدمی سمجھتے تھے، حتیٰ کہ جب جنگِ صفین کا دن تھا تو وہ ایک لشکر کی قیادت کرتے ہوئے میرے سامنے آئے تو ہم نے ایک دوسرے کو ضربیں لگائیں، میں نے جلدی ضرب لگا دی تو وہ اپنے چہرے کے بل گر پڑے، پھر میں نے تلوار سے وار کیا اور انھیں قتل کر دیا۔[1]

---

[1] الآحاد والمثاني (٢٧٥) اس کی سند اس سیاق کے ساتھ ضعیف ہے اور ضعف کا سبب مرثد بن عامر کی جہالت ہے، امام احمد نے اس کے بارے میں کہا: میں اس کو نہیں جانتا۔ الجرح والتعدیل (٨/٣٠٠)

تخریج: اس روایت کو ابن مندہ نے ''معرفة الصحابة'' میں بیان کیا ہے جیسے کہ یہ توضیح المشتبه (٤٠٩/٦) میں بھی موجود ہے۔

←

یہ لفظ ضعیف ہیں، ان الفاظ کو بیان کرنے کے ساتھ مرثد منفرد ہے اور اس ضعیف سیاق کے ساتھ قائل کا یہ کہنا کہ قاتلِ عمار دروازے پر ہے، یہ قوم کو اجازت دینے والا چوکیدار یا حاجب ہے، ابوالغادیہ نہیں ہے اور بلاذری اور طبرانی کی روایت میں یہ گزر چکا ہے کہ اجازت طلب کرنے والے نے کہا: یہ ابوالغادیہ الجہنی دروازے پر کھڑے ہیں[1] اور اس کی سند حسن ہے۔[2]

[**366**] مجھے ابوفراس محمد بن فراس السامی[3] نے بیان کیا، وہ ہشام سے اور وہ اپنے باپ سے روایت کرتا ہے کہ میں ولید بن عبدالملک کے دروازے پر تھا، تو ایک سرخ رنگت والا، صحت مند بوڑھا آدمی آیا اور اس کے کندھوں کے درمیان یہ الفاظ رقم تھے کہ اس نے "فتح الفتوح" میں شرکت کی ہے اور لوگ قاتلِ عمار رضی اللہ عنہ کو "فتح الفتوح" کہا کرتے تھے۔

← ابونعیم نے بھی اس کو معرفة الصحابة (۲۸۰۷/۵، رقم: ٦٦٥٠) میں نقل کیا ہے۔ یہ اس کو ابراہیم بن حجاج کی سند سے ایسے ہی مختصر ذکر کرتے ہیں، مگر ان کی روایت میں قاتلِ عمار رضی اللہ عنہ کا بیان نہیں ہے۔

امام بخاری نے اس روایت کو التاریخ الأوسط (۷۲۸) میں نقل کیا، کہتے ہیں: ہمیں حرمی بن حفص نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں مرثد بن عامر نے بیان کیا، پھر روایت ایسے ہی مختصر ذکر کی۔ اس روایت میں اجازت طلب کرنے والے کی جگہ پر قوم کی اجازت کے الفاظ ہیں۔

امام بخاری نے اس کو الأوسط (۱۱۳۹) میں بھی ذکر کیا، کہتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں مرثد بن عامر الہنائی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: مجھے کلثوم بن جبیر نے بیان کیا اور کہا کہ میں واسط القصب شہر میں عنبسہ بن سعید القرشی کے گھر پر تھا اور ہمارے درمیان عبدالاعلیٰ بن عبداللہ بن عامر القرشی بھی تھے تو ابوالغادیہ قاتلِ عمار رضی اللہ عنہ داخل ہوئے۔

[1] یہ الفاظ "أنساب الأشراف" سے منقول ہیں۔ امام طبرانی کی روایت میں یہ الفاظ نہیں ملتے۔

[2] دیکھیے: [رقم: ۳۵۹] اس کا حاشیہ اور [رقم: ۳۶۱] بھی دیکھیں۔

[3] السامي: نسخے میں اس کی تصحیف سلمی سے ہوئی ہے۔ ان سے مراد: ابوفراس محمد بن فراس بن محمد بن عطاء بن شعیث السامی ہیں۔ ان کا تعلق بنو سامہ بن لوی سے ہے، یہ نسب کے ماہر تھے، ان کی ایک کتاب (نسب سامہ بن لوی) بھی ہے۔ یہ ہشام ابن کلبی سے روایت لیتے ہیں۔

ان کا باپ فراس ایک خطیب تھا اور ان کا دادا محمد بن عطاء یہ ہشام بن عبدالملک کے ساتھیوں میں سے تھا، پھر یہ ابوجعفر منصور کے ساتھیوں میں شامل ہوگیا۔ ابن ماکولا نے ابوفراس کے نسب کو سامہ بن لوی تک ذکر کیا ہے۔

شیخ بکر ابو زید نے کہا کہ اس کی ایک کتاب "نسب بنی سامہ" ہے۔ اس سے ابن ماکولا نے "الإکمال" میں نقل کیا ہے۔ یہ تیسری صدی کے نصف میں فوت ہوئے۔

ان کا تعارف: الإکمال لابن ماکولا (۵۸/۲) (۵۵۷/٤) (۴۵/۷، ۱۷۱)، طبقات النسابین لشیخ بکر أبو زید (۵۷۷)

اس نے حاجب سے کہا: میرے لیے ان الفاظ کے ساتھ اجازت طلب کرو کہ ابو الغادیہ قاتلِ عمار رضی اللہ عنہ ہے۔ کلبی نے کہا: میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اس سے کہا: تجھے تیرے باپ کی قسم! تو نے جھگڑے کو بہت زیادہ کر دیا ہے۔[1]

---

[1] المحبر (ص: ٢٩٦) یہ موضوع روایت ہے اور اس پر وضع کی علامات ظاہر ہیں۔ کلبی نے جب صفین کو فتح الفتوح کا نام دیا تو اس نے جھوٹ بولا۔ جنگِ صفین کا یہ نام کبھی بھی مشہور نہیں ہے۔ نہ ہی کبھی محدثین اور مورخین کی زبانوں پر یہ نام آیا، بلکہ وہ لوگ جو صفین میں شریک ہوئے تھے اور ایک سوز وغم کے ساتھ اس کا اظہار کرتے تھے۔ انھوں نے بھی کبھی یہ نام نہیں دیا اور نہ ہی انھوں نے کبھی اس کو فتح کہا جس طرح کہ کلبی کا گمان ہے۔

شقیق بن سلمہ یہ علی رضی اللہ عنہ کے لشکریوں میں سے ایک تھا، اس نے کہا کہ میں نے صفین میں شرکت کی اور یہ جنگوں میں سے بہت ہی بری جنگ تھی، یعنی جو کچھ اس میں واقع ہوا۔ بہت برا تھا۔ دیکھیے [رقم: ٢٦٤]

ہشام سے مراد: ہشام بن محمد بن السائب الکلبی ہیں۔ یہ اور اس کا باپ رافضی اور متروک راوی ہیں۔ مزید یہ متہم بھی ہیں۔ ابن حجر نے محمد الکلبی کے بارے میں کہا کہ اس پر جھوٹ کا اتہام ہے اور تشیع کی تہمت ہے۔

"فتح الفتوح" سے مراد "معرکۂ نہاوند" ہے جو ٢١ھ میں مسلمانوں اور ایرانی مجوسیوں کے درمیان امیر المومنین الفاروق عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہوا۔ اس جنگ میں اللہ تعالیٰ نے مجوسیوں کو بہت بری شکست دی۔ ان کے بہت زیادہ مقتولین ہوئے اور ان کا سپہ سالار فیرزان بھاگ نکلا۔ جب وہ بھاگا تو جنابِ قعقاع بن عمرو نے اس کا پیچھا کیا اور اسے قتل کر دیا، پھر فارس کا بادشاہ یزدگرد بھی قتل ہو گیا، تو اس جنگ کو "فتح الفتوح" کا نام دیا گیا، کیونکہ اس کے بعد فارسی بادشاہت ختم ہو گئی تھی۔

فارسی اس کے بعد کبھی بھی بادشاہت کے لیے اکٹھے نہ ہو سکے اور پھر مشرق میں فتوحات پھیلتی ہی چلی گئیں۔ معرکۂ نہاوند میں مسلمانوں کے قائد نعمان بن مقرن مزنی کو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے شہادت کا جام پلایا۔ "جنگِ نہاوند" قادسیہ کے بعد ہوئی تھی۔

محمد بن السائب یہ سبعی ہے۔ جب جنگِ نہاوند کا نام ہی فتح الفتوح ہے جو عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تھی اور اس جنگ میں مجوسیوں پر جو کچھ مصیبتیں آئیں سو آئیں۔ اس بنیاد پر ہمیں پتا چل جاتا ہے کہ کلبی سبعی نے یہ جھوٹ کیوں گھڑا ہے۔

خلیفہ نے اس کو اپنی "التاریخ" (ص: ١٣٧) میں ذکر کیا۔ کہتے ہیں: ہمیں ابو عوانہ سے کئی ایک بندوں نے بیان کیا، وہ حسین سے اور وہ ابو وائل سے روایت کرتے ہیں کہ جنگِ جلولاء کا نام "فتح الفتوح" رکھا گیا۔

"جلولاء" بھی ایک جنگ ہے جو امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں سعد بن ابی وقاص کی قیادت میں مجوسیوں کے خلاف لڑی گئی، اس جنگ میں بھی اللہ تعالیٰ نے مجوسیوں کو شکست دی اور ان میں ایک لاکھ لوگ قتل ہوئے۔ امام طبری نے اس کو ١٦ھ کے واقعات میں ذکر کیا ہے۔ خلیفہ نے اس کو ١٧ھ کے واقعات میں بیان کیا ہے اور جنگِ قادسیہ ١٥ھ میں ہوئی ہے۔

دیکھیے: تاریخ خلیفة (ص: ١٣٧) تاریخ الطبري (٤٦٨/٢) اور قادسیہ کے لیے دیکھیے: تاریخ الإسلام (١٤٢/٣)

[367] ہشام ابن کلبی نے کہا: وہ[1] مری ہیں، مجھے ابو محمد بن السائب نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو الغادیہ المری کو حج کے دنوں میں واسط شہر میں دیکھا اور ان پر ایک چادر تھی جس کے پیچھے لکھا ہوا تھا کہ میں نے "فتح الفتوح" یعنی صفین میں شرکت کی ہے۔[2]

یہ دونوں روایات ایسے ہی نقل ہوئی ہیں کہ ابو الغادیہ خلیفہ ولید بن عبدالملک کے پاس تھا یا حجاج کے پاس تھا جب کہ یہ بات صحیح نہیں ہے۔

اس سے واضح معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں خبریں جھوٹی ہیں، کیوں کہ ابو الغادیہ نے تو ولید[3] کا زمانۂ خلافت نہیں دیکھا بلکہ اس کے باپ عبدالملک[4] کا زمانۂ خلافت بھی نہیں دیکھا اور نہ ہی وہ عراق پر حجاج کی گورنری کے زمانے میں وہاں تھا جیسا کہ واسط القصب[5] کا ذکر ہے تو ان کے اس سب کچھ کے نہ جاننے پر چار امور دلالت کرتے ہیں:

---

[1] یعنی ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ۔

[2] أنساب الأشراف (٣١١/٢) سابقہ روایت کی طرح یہ بھی موضوع ہے۔

[3] ولید بن عبدالملک بن مروان نے اپنے باپ کے بعد خلافت سنبھالی تھی اور ولید ۹۶ھ میں فوت ہوا۔ اس کی مدتِ خلافت ۱۰ سال سے چار مہینے کم ہے۔ دیکھیے: سیر أعلام النبلاء (٣٤٧/٤)

[4] عبدالملک بن مروان بن حکم ۸۶ھ میں فوت ہوا۔ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: اس نے مستقل ۱۳ سال تک بادشاہت قائم کی۔ اس سے پہلے نو سال ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے جھگڑے کے ساتھ۔ التقریب (٤٢١٣)

[5] حجاج نے ۷۳ھ کے آخر میں ابن زبیر رضی اللہ عنہما کو قتل کیا۔ دیکھیے: سیر أعلام النبلاء (٢٣٢/٣)

حجاج نے عراق کی گورنری ۷۴ھ کے بعد ہی سنبھالی تھی، کیونکہ عبدالملک بن مروان نے ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے قتل کے بعد ہی اسے عراق کا گورنر مقرر کیا تھا۔ تاریخ دمشق (١١٣/١٢)

جب حجاج عراق پر گورنر مقرر ہوا تو اس نے "واسط القصب" کے پاس ایک اور شہر "واسط" بنایا تھا اور یہ بھی امکان ہے کہ اس نے سابقہ قدیم شہر کو باقی رکھا، یا اس کا بعض حصہ گرا دیا تھا۔ حجاج نے "واسط" شہر بنانے کا آغاز ۸۴ھ میں کیا اور ۸۶ھ میں اس کو مکمل کیا، یعنی اس کی عمارت دو سالوں میں مکمل ہوئی۔ عبدالملک بن مروان کی وفات کے سال وہ اس شہر کی تعمیر سے فارغ ہوا۔ معجم البلدان (٣٤٨/٥)

اصمعی نے کہا ہے کہ حجاج نے "واسط" شہر دو سال میں بنایا تھا اور ۸۶ھ میں اس کی تکمیل کی۔ دیکھیے: تاریخ الإسلام (٣٢٥/٦) [(١٠٧٧/٢) بتحقيق بشار عواد]

حجاج ۹۵ھ میں فوت ہوا اور ۲۰ سال تک عراق کا والی رہا۔ تاریخ الإسلام (٣١٦/٦، ٣٢٦)

اوّل: ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث ''واسط القصب'' شہر میں اس کے والی عبدالاعلیٰ بن عبداللہ بن عامر کے گھر میں بیان کی اور اس شہر پر اس کی ولایت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تھی۔[1]

دوم: امام ذہبی رحمہ اللہ نے ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ کا ذکر طبقہ خامسہ میں کیا ہے تو یہ طبقہ ان بندوں کی وفات پر مشتمل ہے جو ۴۱ھ سے ۵۰ھ[2] کے درمیان فوت ہوئے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ خلافتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے پہلے نصف[3] میں فوت ہو چکے تھے۔

سوم: امام ذہبی رحمہ اللہ نے جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما کے تعارف میں کہا کہ یہ اس آخری بندے کی موت[4] ہے جو بیعتِ عقبہ ثانیہ میں شریک ہوا تھا اور جابر رضی اللہ عنہ کی موت ہجرت کے ۷۰ سال بعد ہوئی۔[5]

ابوالغادیہ کے بارے میں یہ صحیح ثابت ہے کہ وہ بیعتِ عقبہ ثانیہ میں شریک تھے اور ان کے یہ الفاظ ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی۔ میں نے کہا: کیا آپ نے اپنے دائیں ہاتھ سے بیعت کی؟ جواب دیا: ہاں دائیں ہاتھ سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یومِ عقبہ[6] میں ہمیں خطاب بھی کیا تھا۔

ابو الغادیہ کے الفاظ تقاضا کرتے ہیں کہ وہ جابر رضی اللہ عنہ سے پہلے ہی وفات پا چکے تھے، کیونکہ بیعتِ عقبہ میں شریک ہونے والوں میں جابر رضی اللہ عنہ سب سے آخری متوفی ہیں جنھوں نے وفات پائی ہے۔

چہارم: چوتھا وہ ساری روایات جن میں اجتماع کا یا ابو الغادیہ کے حجاج یا اس کے بعد والوں کے زمانے، یعنی ولید بن عبدالملک کو پانے کا ذکر ہے تو وہ روایات درست نہیں ہیں۔ یہ بے حد ضعیف اور کذاب[7] راویوں کی روایتیں ہیں۔ جو بات مجھ پر واضح ہوئی ہے کہ ضعیف راوی جب ابو الغادیہ کے

---

① اس کی تفصیل [رقم: ۳۵۹] کے بعد گزر چکی ہے۔

② تاریخ الإسلام (١٣٥/٤) [(٤٤٨/٢) مطبوعة: بشار عواد]

③ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ۶۰ھ میں فوت ہوئے۔

④ سير أعلام النبلاء (١٨٩/٣)

⑤ یہ بات ابن حجر رحمہ اللہ نے التقریب (٨٧١) میں کہی ہے کہ ابن عبدالبر نے کہا کہ وہ ۷۴ھ میں فوت ہوئے۔ اور ایک قول ۷۸ھ اور ۷۷ھ کا بھی ہے۔ الاستیعاب (٢٢٠/١) تهذيب الكمال (٤٥٣/٤) میں ان کی وفات کے بارے میں اَور بھی اقوال ملتے ہیں۔

⑥ دیکھیے: [رقم: ۳۵۹]

⑦ ضعیف راویوں کی روایات کے لیے [رقم: ۳۶۸، ۳۶۹] اور کذاب راویوں کی روایات کے لیے [رقم: ۳۶۶، ۳۶۷] ملاحظہ ہو۔

بارے میں واسط القصب کے قصے کو ذکر کرتے ہیں تو وہ راہِ حق پر نہیں رہتے۔ بے شک واسط القصب شہر اس کا نام حجاج[1] کے وثیقہ میں ہے، کیونکہ اسی نے اس شہر کو اپنی ولایت میں بنایا اور اس کا نام واسط رکھا تھا۔ یہاں تک کہ یہ شہر واسط الحجاج کے نام سے مشہور ہو گیا تو یہ ضعیف راوی خطا کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہر وہ قصہ، کہانی جو واسط شہر کے والیوں کے ساتھ پیش آئی ہے وہ حجاج سے ہی منسوب ہے۔

اس پہ غور کرنا چاہیے! اور رہے جھوٹے راوی تو وہ حجاج اور ولید بن عبدالملک کے ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ قصے میں مختلف باتیں گھڑتے ہیں اور بیان کرتے ہیں۔[2]

اور ابن عبدالبر کا ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس بات کی تخصیص کرنا کہ وہ جنابِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے اجازت طلب کرتے ہوئے یہ کہتے تھے کہ قاتلِ عمار رضی اللہ عنہ دروازے پر ہے۔ مجھے اس کا کوئی مصدر نہیں ملا اور نہ ہی ابن عبدالبر سے پہلے کوئی ایسا بندہ ملا جس نے یہ بات کی ہو۔ یہ روایت بغیر کسی حوالے اور سند کے ہے اور اس کے متن میں نکارت ہے، یہ مردود ہے۔ کتنے ہی بہتان اور بے بنیاد چیزیں ہیں جو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے گھڑی گئی ہیں۔

اسی طرح ابن عبدالبر کے یہ الفاظ جس میں وہ قتلِ عمار رضی اللہ عنہ کی تفصیلات بیان کرتے ہیں کہ جب ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ سے قتلِ عمار رضی اللہ عنہ سے متعلق سوال کیا جاتا تو وہ کوئی پروا یا خوف محسوس نہ کرتے تھے۔ یہ غیر مسلم بات ہے۔ انھیں یہ بات کہاں سے پتا چلی کہ وہ کوئی پروا نہیں کرتے تھے۔ اس حادثے میں جو کچھ ان کے بارے میں بیان ہوا ہے، یہ اس کی انتہا ہے اور یہ بات ذکر ہے کہ انھوں نے عمار رضی اللہ عنہ کو قتل ضرور کیا تھا، لیکن انھیں پتا نہیں تھا کہ یہ عمار رضی اللہ عنہ ہیں مگر قتل کرنے کے بعد۔

اس سے یہ چیز سمجھی جا سکتی ہے کہ ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ نے جب اس قصے کو بیان کیا، تو انھوں نے جہالت کو عذر بنایا تھا اور ہم نے حسن سند کے ساتھ بہت سی روایات سے اس قصے کو ذکر کیا ہے، کسی میں بھی یہ ذکر نہیں ہے کہ وہ اس معاملے میں بے خوف تھے، بلکہ انھوں نے تو ان روایات میں جہالت کے عذر بننے کا

---

[1] یاقوت حموی نے ذکر کیا ہے کہ تاریخ میں بہت سارے شہر ایسے ہیں جن کو واسط کا نام دیا گیا ہے، پھر آگے کہا کہ ان میں واسط الحجاج سب سے بڑا اور مشہور شہر ہے۔ معجم البلدان (۳۴۷/۵) ہلکے سے تصرف کے ساتھ۔

[2] دیکھیے: [رقم: ۳۶۶، ۳۶۷]

ذکر کیا ہے تو ابن عبدالبر رحمہ اللہ کا یہ فہم صرف انہی کے ساتھ خاص ہے، کسی اَور نے ان کی موافقت نہیں کی اور نہ ہی دور وقریب کی کوئی حدیث اس پر دلالت کرتی ہے۔

اس قصے کو ابو الغادیہ نے امیر عبدالاعلیٰ بن عبداللہ بن عامر کے گھر میں بیان کیا اور اس قصے کو ان سے کلثوم بن جبر نے روایت کیا ہے۔ یہ قصہ ہم تک کسی بھی صحیح سند سے نہیں پہنچتا۔ جہاں تک میں جانتا ہوں کہ انھوں نے اس بات کو اس دفعہ کے علاوہ کسی کو بیان نہیں کیا ہے اور نہ ہی کلثوم اور ابوحفص المبہم کے سوا کسی اَور راوی نے اس کو ان سے نقل کیا ہے۔ یہ دونوں اس قصے کو عبدالاعلیٰ کے گھر میں ان کی بیان کردہ بات بیان کرتے ہیں تو یہی کافی ہے۔

مجھے اس سلسلے میں دو شدید نکارت والی روایات ملی ہیں:

[**368**] ابومعشر بیان کرتے ہیں: حجاج بن یوسف بیٹھا ہوا تھا، اس دوران میں ایک بندہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ہوا اس کے پاس آیا، جب حجاج نے اس کو دیکھا تو کہا: ابوالغادیہ کو خوش آمدید! پھر اسے اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا اور کہا: تو نے ہی ابن سمیہ کو قتل کیا ہے نا؟ اس بندے نے جواب دیا: بالکل، حجاج نے کہا: تو نے یہ کیسے کیا؟ پھر اس نے بیان کیا کہ میں نے ایسے اور ایسے حملہ کیا، حتی کہ ان کو قتل کر دیا۔ تو حجاج نے کہا: اے شام کے لوگو! تم میں سے جسے یہ بات پسند ہے کہ وہ قیامت کے دن کسی مضبوط اور طاقتور شخص کو دیکھے تو وہ اس بندے کی طرف دیکھ لے۔ پھر ابوالغادیہ نے ان سے سرگوشی کی اور کسی چیز کا سوال کیا، اس پہ حجاج نے انکار کر دیا۔ ابوالغادیہ نے کہا: ہم ان کے لیے دنیا کو روند دیتے ہیں، پھر جب ان سے کوئی چیز مانگتے ہیں تو یہ ہمیں نہیں دیتے؟ اور یہ گمان کرتا ہے کہ بلاشبہہ میں قیامت کے دن بڑا طاقتور ہوں گا جس کی داڑھ اُحد پہاڑ کے برابر ہوگی اور ران ورقان[1] کی مثل، اس کی مجلس مدینہ اور ربذہ[2] کے درمیان مسافت جتنی بڑی ہوگی اور یہ قیامت والے دن طاقتور ہوگا۔[3]

---

[1] ورقان ایک بہت بڑا پہاڑ ہے جو مدینہ کے جنوب میں ۷۰ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ معجم البلدان (٣٧٢/٥) تاج العروس (٤٦٣/٢٦) مادة: ورق، معجم المعالم الجغرافية السيرة النبوية (ص: ٣٣٣)

[2] یہ مدینہ سے تین دن کی مسافت پر ایک بستی ہے جو مکہ کے راستے پر ذاتِ عرق کے قریب ہے۔ معجم البلدان (٢٤/٣) معجم المعالم الجغرافية السيرة النبوية (ص: ١٣٥)

[3] الإصابة (٣١٢/٧) یہ جھوٹ ہے اور اس کا موضوع ہونا واضح ہے۔ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہ روایت ذکر کرنے کے بعد کہا کہ یہ منقطع روایت ہے۔ اس کا راوی ابومعشر ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ شیعہ بھی ہے اور اس زیادت میں ایک شناعت اور مشکل ہے۔

←

[**369**] ابو زیاد کہتے ہیں: میں نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے قاتل کو واسط القصب شہر میں حجاج کے ساتھ دیکھا، یہ بنو جہینہ قبیلے کا ایک آدمی تھا، اس پر مختصر کپڑے تھے اور وہ بیان کر رہا تھا کہ کیسے اس نے عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کیا؟ کہنے لگا: میں نے خلافتِ عثمان رضی اللہ عنہ میں جھگڑا کیا، پھر میں ایک خیمے کے پاس آیا تو وہاں ایک آدمی تھا جس پر لوگوں نے ہجوم کر رکھا تھا، وہ عثمان رضی اللہ عنہ کے عیب بیان کر رہا تھا تو میں نے کہا: اے اللہ! کاش تو مجھے اس کا خون بہانے کی طاقت دے! جب جنگِ صفین کا دن تھا تو میں نے اس آدمی کی طرف نیزے کے ساتھ قصد کیا اور پھر اسے نیزہ مار کر قتل کر دیا۔[1]

ابو زیاد کا خیال ہے کہ انھوں نے عمار رضی اللہ عنہ کے بارے سنا تھا کہ وہ مکہ میں دورانِ حج میں ایک خیمے میں عثمان رضی اللہ عنہ کی خامیاں بیان کر رہے تھے جبکہ یہ بات غلط ہے۔ صحیح بات وہ ہے جو ابن سعد کی دو روایات میں ہے کہ وہ مدینہ[2] میں مسجدِ قبا میں بیٹھے ہوئے تھے اور اس نے یہ بھی سمجھا کہ ابو الغادیہ حجاج کے پاس تھا۔ یہ بات بھی غلط ہے، صحیح یہ ہے کہ وہ عبدالاعلیٰ بن عبداللہ بن عامر[3] کی مجلس میں تھا۔

یہ بات پیچھے ہم ذکر کر چکے ہیں[4] کہ جب ضعیف راوی واسط القصب شہر میں ابوالغادیہ کے اس قصے کو بیان کرتے ہیں تو وہ مستقیم نہیں رہتے، چونکہ اس شہر کو حجاج نے تعمیر کیا تھا تو ضعیف راوی یہ سمجھ لیتے ہیں کہ واسط القصب شہر میں جو کچھ بھی واقعات پیش آئے ہیں وہ حجاج کے ساتھ ہی پیش آئے ہیں۔

ابن عبدالبر نے جب ابو الغادیہ کے حالات لکھے تو وہاں کہا کہ ابو الغادیہ جب اس قتل کے اوصاف بیان کرتا تو کوئی خوف نہیں کھاتا تھا، اس سلسلے میں ان کا اعتماد پہلے گزری ہوئی اور آگے آنے والی ضعیف

← ابومعشر: اس کا نام نجیح بن عبدالرحمٰن سندھی ہے۔ ضعیف راوی ہے، بڑھاپے میں اس کو اختلاط ہو گیا تھا۔ یہ خبر أسد الغابة (٢٥١/٦) ابن ابی الدنیا کے واسطے سے مروی ہے۔

[1] تاریخ دمشق (١٣٩/٧٤) اس کی سند ضعیف ہے اور متن میں نکارت ہے۔ یہ صحیح روایات کے مخالف ہے۔ ابو المنہال اور اس کا شیخ ابو زیاد مجھے ان دونوں کا تعارف نہیں ملا اور نہ ہی انھوں نے عمار رضی اللہ عنہ کے قاتل کا نام لیا ہے۔

"ضمرہ" سے مراد: ابن ربیعہ ہیں اور ابن شوذب سے مراد: عبداللہ بلخی ہے۔ "نعیم بن حماد عن ضمرة عن ابن شوذب عن أبي المنهال، عن أبي زياد، عن كعب الأحبار" کی سند سے منکر روایات بیان کرتا تھا۔ دیکھیے: الفتن (٢٣١، ٢٧١، ٢٩٧، ١٠٣٤)

[2] دیکھیے: [رقم: ٣٥٨، ٣٥٩]

[3] دیکھیے: [رقم: ٣٥٨ تا ٣٦٢]

[4] ملاحظہ ہو: (ص: ٦١٥)

روایات پر ہے، البتہ ابن ابی عاصم کی روایت کہ لوگوں میں سے کسی نے کہا: ابو الغادیہ! عمار رضی اللہ عنہ کا کیا معاملہ ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ ہم انھیں اپنے درمیان ایک شفیق اور نرم خو آدمی سمجھتے تھے، یہاں تک کہ جنگ صفین کا دن آ گیا، ......۔''[1]

ابن ابی الدنیا کی روایت جس میں آتا ہے کہ حجاج نے ان سے سوال کیا تھا: کیا تو نے ابن سمیہ کو قتل کیا ہے؟ تو انھوں نے کہا: ہاں، میں نے کیا ہے۔ پھر حجاج نے کہا کہ کیسے قتل کیا ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ میں نے اس اس طرح سے حملہ کیا، یہاں تک کہ ان کو قتل کر دیا۔

اور یعقوب بن شیبہ کی روایت میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ میں نے قاتلِ عمار رضی اللہ عنہ کو حجاج کے ساتھ دیکھا، وہ لوگوں کو واقعۂ قتل بیان کر رہا تھا کہ کیسے اس نے انھیں قتل کیا، اس میں کسی طرح کے سوال و جواب کا تذکرہ نہیں ہے؟

ان روایات سے ابن عبدالبر رحمہ اللہ کے اس قول کا صحیح نہ ہونا واضح ہو جاتا ہے، جن میں وہ کہتے ہیں کہ وہ ان الفاظ کے ساتھ اجازت طلب کرتے تھے کہ ''قاتلِ عمار رضی اللہ عنہ دروازے پر کھڑا ہے'' اور جب وہ اس واقعے کی تفصیلات کے بارے میں بتاتے تو بے خوف ہوتے تھے۔

ہم نے یہ بات ذکر کر دی ہے کہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ لوگوں کے تراجم میں ضعیف اور منکر روایات پر اعتماد کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی اور ہماری غلطیاں معاف فرمائے! پھر بعد والوں نے ایسی چیزیں ان سے نقل کی ہیں، یہاں تک کہ بعض قراء نے سمجھ لیا کہ ان کی یہ بات بالکل ٹھیک ہے۔ واللہ المستعان.

ابن عبدالبر رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ اہلِ علم کے ہاں اس قصے میں بڑی عجیب چیزیں ہیں تو تین اہلِ علم کے سوا مجھے کوئی اور ایسا بندہ نہیں ملا جو ان چیزوں کو بیان کرتا ہو۔

- پہلے ابن عبدالبر ہیں، تو ہر وہ بندہ جو ان سے اس غلط قول کو ہو بہو، یا اسی معنی میں نقل کرے، ان کی طرف نسبت کرے یا نہ کرے تو وہ غلط ہے۔
- دوسرا النبطی ہے جو عبدالاعلیٰ کی مجلس میں تھا، یہ عام لوگوں میں سے ایک آدمی ہے، یہ چوکیدار یا امیر کا خادم تھا تو نبطی نے کہا کہ یہ چاندی کے ایک پیالے میں پانی پینے سے تو بچتے ہیں لیکن قتلِ عمار رضی اللہ عنہ سے نہیں بچتے۔

---

[1] دیکھیے: [رقم: ۳۶۵]

⊙ تیسرے کلثوم بن جبر ہیں جو ابو الغادیہ سے روایت کے راوی ہیں، انھوں نے کہا: میں نے ایسا بندہ نہیں دیکھا جس کی ضلالت مجھ پر بالکل واضح ہو کہ اس نے نبی ﷺ سے بہت ساری چیزیں سنی ہوں اور پھر عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا!! باوجودیکہ امام طبرانی کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بات کہنے والا نبطی ہے کلثوم بن جبر نہیں ہے۔ واللہ أعلم.[1]

اور امام ذہبی رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ ہمیں ہشام بن عمار نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سعید بن یحییٰ نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں حسن بن دینار نے کلثوم بن جبر سے اور وہ ابوالغادیہ سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے سنا کہ ''عمار کا قاتل آگ میں ہے۔'' پھر امام ذہبی نے اس پہ تبصرہ کیا یہ بڑی عجیب چیز ہے، بے شک عمار رضی اللہ عنہ کو تو ابو الغادیہ نے ہی قتل کیا۔[2]

تو امام ذہبی کا یہ تعجب قاتلِ عمار رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نہیں ہے، ان کا یہ تعجب تو حسن بن دینار کے اندھے پن پر ہے کہ جب وہ اس شدید نکارت والی حدیث کو بیان کرتا ہے اور کوئی تحقیق نہیں کرتا۔ ابوالغادیہ وہ قاتلِ عمار رضی اللہ عنہ تو ہیں، مگر نبی ﷺ سے اس حدیث کے راوی نہیں ہیں۔ گویا امام ذہبی رحمہ اللہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حسن بن دینار پر مجھے بڑا تعجب ہے کہ اس کا دل کس قدر اندھا ہے۔

امام البانی رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ روایت حسن بن دینار کی تخالیط میں سے ہے، کیونکہ اس روایت کو رسول اللہ ﷺ سے ابو الغادیہ نے نہیں بیان کیا بلکہ ان دونوں کے درمیان سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا واسطہ موجود ہے۔[3]

اور حسن بن دینار سے امام وکیع اور ابن المبارک نے روایت لینا چھوڑ دیا تھا۔ امام احمد اور یحییٰ نے اس کو کذاب قرار دیا ہوا ہے۔ تو بے شک ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے قتلِ عمار رضی اللہ عنہ کے سلسلے میں اجتہاد اور تاویل والی بنیاد کی طرف رجوع نہیں کیا، اسی لیے انھوں نے تعجب کیا تھا تو وہ تعجب اس بات پر ہے۔ تو انھوں نے اس چیز پر تعجب کیا تھا کہ ابو الغادیہ نے نبی ﷺ سے یہ حدیث سنی ہوئی ہے کہ میرے بعد کفار نہ بن جانا

---

1. دیکھیے: [رقم: ۳۶۱]
2. میزان الاعتدال (۱/۴۸۸- ۴۸۹) لسان المیزان (۲/۲۰۴) ان دونوں نے اس روایت کو حسن بن دینار کے تعارف میں لکھا ہے۔ اس روایت کو ابن عدی نے الکامل (۲/۳۰۰) میں ہشام بن عمار کی سند سے ایسے ہی بیان کیا ہے۔ یہی روایت ابن ابی حاتم کی العلل (۲۷۶۹) میں بھی موجود ہے۔
3. السلسلة الصحيحة (۵/۲۰، رقم: ۲۰۰۸)

کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو اور اس کے باوجود وہ صفین میں عمار رضی اللہ عنہ کے قتل پر آمادہ ہوئے، لیکن یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے جب ہم ان کے اس قدم کو اجتہاد اور تاویل کا نتیجہ قرار دیتے ہیں اور ابوالغادیہ اکیلے نے ہی یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنی تھی، بلکہ بہت سارے دوسرے صحابہ بھی ان کے ساتھ شریک تھے، بلکہ ان میں سے بعض نے تو وہ احادیث بھی سنی ہوئی تھیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مسلمان کو قتل کرنے اور فتنوں میں قتال سے بھی منع کیا ہے۔

ان کا ذخیرۂ حدیث ابو الغادیہ سے زیادہ تھا، اس کے باوجود وہ جنگِ صفین میں اس اقدام پر مجبور ہوئے تو ان جنگوں کا مرجع، مصدر اور بنیاد اجتہاد ہے اس پہ کوئی تعجب نہیں ہے۔ والحمد للہ.

یہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ ہیں جنھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فتنوں میں قتال نہ کرنے کی حدیث سنی ہے، یہ حدیث انھوں نے اہبان بن سیفی اور محمد بن مسلمہ انصاری[1] سے سنی تھی۔

ایسے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنابِ علی رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ عنقریب تمھارے اور عائشہ کے درمیان ایک معاملہ ہوگا تو انھوں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا میرے درمیان؟ فرمایا: ہاں تمھارے درمیان، انھوں نے پھر کہا کہ یا رسول اللہ! کیا میں بھی شریک ہوں گا؟ فرمایا: ہاں، کہا: پھر تو میں یا رسول اللہ بڑا بدبخت ہوں گا۔ فرمایا کہ نہیں ایسی بات نہیں ہے لیکن جب یہ معاملہ پیش آئے تو تم اس کو باحفاظت واپس لوٹا دینا۔[2] اس کے باوجود علی رضی اللہ عنہ اپنے اجتہاد کی بنیاد پر ان سے جنگ کرنے کے لیے آئے۔

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے یہ بھی کہا کہ میرے پاس عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ آئے، تب میں نے اپنے قدم رکاب میں رکھ دیے تھے، انھوں نے کہا: آپ عراق نہ جائیں مجھے اس بات کا خدشہ ہے کہ آپ کو وہاں تلواریں پہنچ کر رہیں گی، تو علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی کہ ابوالاسود[3] نے کہا کہ میں نے آج کے دن کی طرح کوئی کو محارب نہیں دیکھا جو اپنے بارے اس خبر کو روایت کرے۔[4]

جنابِ حسن اور ابن عباس رضی اللہ عنہم نے بھی ان کو جنگ سے رُکنے کی نصیحت کی تھی لیکن انھوں نے

---

[1] دیکھیں: [رقم: ۲۲۸، ۲۲۹]

[2] اس روایت کو امام احمد (۲۷۱۹۸) نے بیان کیا ہے۔ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کو حسن کہا ہے اور شعیب ارناؤط نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ فتح الباري (۱۳/۵۵)

[3] یہ وہ راوی ہے جو علی رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کرتا ہے۔

[4] دیکھیں: [رقم: ۲۵۶]

دونوں کی بات نہیں مانی، لیکن اس منع کے باوجود وہ دونوں اجتہاد کی بنیاد پر ان کے ساتھ جنگ میں شریک ہوئے تھے۔ ابن عبدالبر کو پھر اس سارے معاملے سے تعجب کیوں نہیں ہوتا؟ اور جنابِ علی، عمار، ابن عباس اور دوسرے بہت سارے صحابہ رضی اللہ عنہم نے حجۃ الوداع میں نبی ﷺ کا خطبہ سن رکھا تھا جس میں ایک لاکھ سے زیادہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شریک تھے۔

[370] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: دسویں تاریخ کو رسولِ کریم ﷺ نے منیٰ میں خطبہ دیا، خطبہ میں آپ ﷺ نے پوچھا: ''لوگو! آج کون سا دن ہے؟'' لوگ بولے: یہ حرمت والا دن ہے، آپ ﷺ نے پھر پوچھا: ''اور یہ شہر کون سا ہے؟'' لوگوں نے کہا: یہ حرمت والا شہر ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''یہ مہینہ کون سا ہے؟'' لوگوں نے کہا: یہ حرمت والا مہینہ ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ تمھارا خون، تمھارے مال اور تمھاری عزت، ایک دوسرے پر اسی طرح حرام کیے گئے جیسے اس دن کی حرمت، اس شہر اور اس مہینے کی حرمت ہے۔'' اس کلمے کو آپ ﷺ نے کئی بار دہرایا۔

اور پھر آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہا: ''اے اللہ! کیا میں نے (تیرا پیغام) پہنچا دیا: اے اللہ! کیا میں نے پہنچا دیا۔'' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بتلایا کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! آنحضرت ﷺ کی یہ وصیت اپنی تمام امت کے لیے ہے، لہٰذا حاضر (اور جاننے والا) غائب (اور ناواقف لوگوں کو اللہ کا پیغام) پہنچا دے۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا: ''دیکھو میرے بعد ایک دوسرے کی گردنیں مار کر کافر نہ بن جانا۔''[1]

[371] سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعے پر فرمایا: ''ہاں تم لوگ کس چیز کو سب سے زیادہ حرمت والی سمجھتے ہو؟'' لوگوں نے کہا کہ اپنے اسی مہینا کو۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، کس شہر کو تم سب سے زیادہ حرمت والا سمجھتے ہو؟'' لوگوں نے جواب دیا کہ اپنے اسی شہر کو۔ آنحضرت ﷺ نے دریافت فرمایا: ''ہاں، کس دن کو تم سب سے زیادہ حرمت والا خیال کرتے ہو؟'' لوگوں نے کہا کہ اپنے اسی دن کو۔ آنحضرت ﷺ نے اب فرمایا کہ پھر بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے خون، تمھارے مال اور تمھاری عزتوں کو حرمت والا قرار دیا ہے، سوا اس کے حق کے، جیسا کہ اس دن کی حرمت، اس شہر اور اس مہینا میں ہے۔ ہاں! کیا میں نے تمھیں پہنچا دیا۔ تین مرتبہ آپ ﷺ نے

[1] صحيح البخاري (١٦٥٢)

فرمایا اور ہر مرتبہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جواب دیا کہ ہاں، پہنچا دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''افسوس! میرے بعد تم کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔''[1]

تو جنابِ علی، عمار، ابن عباس اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کئی ایک ایسے ہیں جنھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وہی روایت سنی تھی جو ابو الغادیہ نے سن رکھی تھی۔ ابن عبدالبر کے میزان و معیار کی بنیاد پر پھر ان سارے لوگوں کو سامنے رکھتے ہوئے تعجب کیوں نہیں ہوتا؟

جب ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ اس قاعدے کی طرف لوٹتے ہیں کہ جب حاکم اجتہاد کرے تو پھر یہ تعجب اور حیرانی کی ساری بنیادیں ختم ہو جاتی ہیں، کیونکہ قتل اور قتال یہ اجتہاد اور تاویل کا ہی نتیجہ تھا۔ وہ روایت کہ جس کو عمار رضی اللہ عنہ کے قاتل[2] نے سن رکھا تھا، وہ عمار رضی اللہ عنہ نے بھی سنی تھی تو جو کچھ بھی جنگِ صفین میں ہوا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ حدیث میں قاعدۂ اجتہاد پر بنیاد رکھتے ہیں ہر طرح کی پھسلاہٹ اور ذلت سے محفوظ رہ سکتے ہیں، دلوں کو اطمینان نصیب ہوگا اور امرِ حق کی اتباع ہو جائے گی:

﴿ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾

[الحشر: ١٠]

''اور وہ لوگ جو ان کے بعد آئیں وہ کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان پر سبقت لے گئے اور ان ایمان لانے والوں کے بارے میں ہمارے دل میں کسی طرح کا کوئی بغض نہ رکھنا، اے ہمارے رب! بے شک تو رؤوف و رحیم ہے۔

تو ابن عبدالبر رحمہ اللہ کا کلام بھی اپنی جگہ پر ہے جس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ایک غلط دروازے کا افتتاح ہوتا ہے جو حرام ہے۔

اس موقف کے ساتھ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کے کلام کا جواب دے کر ہم اس بحث کا اختتام کرتے ہیں۔ واللّٰه ولي التوفيق.

---

[1] صحيح البخاري (٦٤٠٣)

[2] نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث: ''میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔''

⑥ جنابِ عمار رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر پر امیر معاویہ، عمرو بن عاص، عبداللہ بن عمرو اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم اور شامی لشکر کا موقف

[372] محمد بن عمرو بن حزم بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما شہید ہوئے تو عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور انھیں بتایا کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ عمار رضی اللہ عنہ کو ایک باغی گروہ قتل کر دے گا؟ یہ سن کر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ گھبرا کر اُلٹے پاؤں لوٹے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس چلے گئے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ تمھیں کیا ہوا؟

انھوں نے بتایا کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے ہیں، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ تو شہید ہو گئے، لیکن تمھاری یہ حالت؟ انھوں نے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عمار رضی اللہ عنہ کو باغی گروہ قتل کرے گا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم اپنے پیشاب میں گرتے، کیا ہم نے انھیں قتل کیا ہے؟ انھیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے خود قتل کیا ہے، وہی انھیں لے کر آئے اور ہمارے نیزوں کے درمیان لا ڈالا، یا ہماری تلواروں کے سامنے لے آئے۔[1]

پہلے امام طبری کی روایت میں گزر چکا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا ہم نے عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کیا ہے؟ عمار رضی اللہ عنہ کو تو ان لوگوں نے قتل کیا ہے جو انھیں جنگ میں لے کر آئے۔ اس بات پہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے لوگ اپنے اپنے خیموں اور جھونپڑیوں سے باہر نکل آئے اور کہنے لگے کہ عمار رضی اللہ عنہ کو اسی نے قتل کیا ہے جو انھیں یہاں لے کر آیا ہے۔[2]

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ نے قتلِ عمار رضی اللہ عنہ پر تنقید کی تھی اور جنابِ عمرو رضی اللہ عنہ تو ان کے قتل کی خبر سن کر شدید قسم کے خوف و ہراس میں مبتلا ہوئے تھے۔ جنابِ عمرو رضی اللہ عنہ نے ابن حوی کو قتلِ عمار رضی اللہ عنہ پر برا بھلا کہا تھا اور ان سے کہا: اللہ کی قسم! تمھارے ہاتھ کامیاب نہیں ہوں گے، بے شک تو نے اپنے رب کو ناراض کر دیا ہے۔[3]

---

① مسند أحمد (١٧٧٧٨) شعیب ارناؤط نے کہا: اس کی سند صحیح ہے۔ ابن طاؤس سے مراد: عبداللہ ہیں۔

② دیکھو: [رقم: ٣٢٩]

③ دیکھو: [رقم: ٣٦٤]

ان کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بھی ان دونوں بندوں کو برا بھلا کہا جو جنابِ عمار رضی اللہ عنہ کے سر کے بارے جھگڑا کر رہے تھے: تم دونوں میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ وہ اپنے ساتھی کے لیے پسند کرے، بے شک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اس عمار رضی اللہ عنہ کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔ [1]

اور آئندہ کی روایات بھی دیکھیں۔ [2]

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جنابِ عمار رضی اللہ عنہ کے قتل کی تاویل کی تھی لیکن سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے سے یہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ قتل کے سلسلے میں اس خبر کو عام کر دیں، کہیں لشکر کے عزائم کمزور نہ ہو جائیں۔ اسی لیے انھوں نے سختی سے اس کا ردّ کیا اور عمرو رضی اللہ عنہ کو کہا کہ تم اپنے پیشاب میں ڈوبے رہتے ہو، تم ہمیشہ ہی ہمارے پاس کوئی اچھی خبر لے کر نہیں آتے۔

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے کہا کہ جب وہ اپنے باپ سے گفتگو کر رہے تھے کہ تم اپنے پاگل پن کو ہم سے دور نہیں رکھ سکتے، پھر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ رضی اللہ عنہ سے اونچی آواز سے کہا: تمھارا ہمارے ساتھ کیا معاملہ ہے؟ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے جنگِ صفین کے واقعات پہ اپنی کراہت اور ناپسندیدگی کو واضح کر دیا، قتال کے ناپسند کرنے کو بھی واضح کر دیا اور کہا کہ میرے باپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میری شکایت کی تھی تو جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کہا تھا کہ اپنے باپ کی اطاعت کرو، جب تک وہ زندہ ہے، اس کی نافرمانی نہ کرنا۔ بے شک میں تمھارے ساتھ تو ہوں لیکن میں قتال نہیں کروں گا۔

اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ اہلِ شام قتلِ عمار رضی اللہ عنہ سے اور اس حدیث سے جس میں آتا ہے کہ اس کو باغی جماعت قتل کرے گی، بہت ڈر گئے تھے لیکن جب انھوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ تاویل سنی، تو جنگ میں ان کے مقاصد تک پہنچنے کا ایک راستہ نکل آیا، کیونکہ جنگ اپنی سختیوں اور شدت کے ساتھ ابھی بھی جاری تھی، ختم نہیں ہوئی تھی اور جنگ میں تو دو ہی راستے ہوتے ہیں: غالب ہونا یا مغلوب ہو جانا۔ جب ان کے مقاصد مکمل ہو گئے تو عراقی لشکر کی تلواروں نے ان کی بربادی کا آغاز کر دیا۔ اسی لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس تاویل کو پھیلانے میں جلدی کی، پھر اہلِ شام اپنے خیموں سے یہ آوازیں بلند کرتے ہوئے نکلے کہ عمار رضی اللہ عنہ کو تو اسی نے قتل کیا ہے جو اس کو لے کر آیا ہے۔ اسی بنیاد پر پھر شامی مقاصد پایۂ تکمیل کو پہنچ گئے۔

---

[1] ملاحظہ ہو: [رقم: ۳۷۵]

[2] ملاحظہ ہو: [رقم: ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵]

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہا ہے: امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ اس کو تو انھوں نے قتل کیا ہے جو انھیں ہماری تلواروں کے سامنے لے کر آئے، یہ بہت بعید تاویل ہے کہ اگر یہ بات ایسے ہی ہے تو لشکر کا امیر اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتل کیے جاتے ہیں ان کے قاتل اس سلسلے میں قصور وار نہیں ٹھہرتے ہیں۔ جب انھوں نے خود ہی اپنے آپ کو دشمن کی تلواروں کے سامنے پھینک دیا۔[1]

امام ابن القیم رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ جنگِ جمل اور صفین میں لوگوں نے ایک قرآنی تاویل کی بنیاد پر قتال کیا تھا۔ یہ گروہ بھی اس کو اپنی دلیل بناتا ہے اور دوسرے گروہ کا بھی یہی طریقہ کار ہے، مگر وہ تاویل باطل ہے۔ اہلِ شام عمار رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو حدیثِ عمار رضی اللہ عنہ کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ ہم نے ان کو قتل نہیں کیا، ان کو قتل کرنے والے وہ ہیں جو انھیں ہمارے نیزوں کے سامنے لائے۔

یہ وہ باطل تاویل ہے جو لفظ کی حقیقت اور ظاہر کے مخالف ہے۔ اس کا قاتل تو وہ ہے جس نے اس کے قتل میں جلدی کی نہ کہ وہ بندہ جو ان سے مدد اور حمایت حاصل کر رہا تھا۔ اسی لیے انھوں نے اس تاویل کو اولیٰ بالحق والحقیقت کی بنیاد پر ردّ کر دیا اور اگر ہم اس کو تسلیم کر لیں تو وہ یہ بھی کہہ دیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول اور ان کے ساتھی ہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے جناب حمزہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے شہداء کو قتل کر دیا، کیونکہ وہی انھیں جنگ میں لے کر آئے تھے اور دشمن کی تلواروں کے مدِ مقابل کیا تھا۔[2]

جنگ ختم ہونے اور دونوں لشکروں کے الگ ہو جانے کے بعد بھی لشکرِ شام میں ایک لمبے عرصے تک قتلِ عمار رضی اللہ عنہ کا مسئلہ چلتا رہا۔ جنابِ عمرو رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس دلیل پر مطمئن نہ ہو سکے جو انھوں نے قتلِ عمار رضی اللہ عنہ کے بارے میں کی تھی کہ اس کا قاتل تو وہ گروہ ہے جو ان کو لے کر آیا۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ اس بات پر مصر تھے کہ باغی گروہ سے لشکرِ شام ہی مراد ہے۔ وہ دونوں ہمیشہ اس معاملے میں معاویہ رضی اللہ عنہ سے جھگڑتے رہے حتی کہ جنگ ختم ہو جانے کے بعد شام کے راستے میں واپسی تک یہ جھگڑا باقی رہا۔ عبداللہ بن حارث بن نوفل کا قول جو آئندہ دو روایات میں نقل ہو رہا ہے اس کا مقصود و مراد بھی یہی ہے:

[373] حضرت عبداللہ بن حارث کہتے ہیں کہ جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جنگِ صفین سے فارغ ہو کر آ رہے تھے تو میں ان کے اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے درمیان چل رہا تھا، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما

---

[1] البداية والنهاية (٦/٢٤٠)

[2] الصواعق المرسلة في الرد على الجهمية والمعطلة (١/١٨٤-١٨٥)

اپنے والد سے کہنے لگے: ابا جان! کیا آپ نے نبی ﷺ کو حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ کہتے ہوئے نہیں سنا کہ افسوس! اے سمیہ کے بیٹے! تجھے ایک باغی گروہ قتل کر دے گا؟ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا آپ اس کی بات سن نہیں رہے؟ فرمایا: تم ہمیشہ ہمارے پاس بری چیزیں لاتے ہو، کیا ہم نے اسے قتل کیا ہے؟ قاتلین تو وہ ہیں جو انھیں ساتھ لائے ہیں۔[1]

ان کا یہ کہنا: ''جنگِ صفین میں واپس آتے ہوئے'' اور ایسے ہی اگلی حدیث میں ان کے یہ الفاظ: ''میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صفین سے واپس آیا'' اس سے پتا چلتا ہے کہ یہ واقعہ جنگ ختم ہونے اور دونوں لشکروں کے الگ الگ ہو جانے کے بعد کا تھا اور حتمی طور پر لشکرِ شام کے شام واپس آنے میں دوران راستہ ہوا۔

[**374**] عبداللہ بن حارث بن نوفل بیان کرتے ہیں: میں جنابِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صفین سے واپس آیا تو جنابِ معاویہ اور ابو اعور سلمی یہ ایک طرف چل رہے تھے اور جنابِ عمرو بن عاص اور ان کا بیٹا عبداللہ یہ ایک طرف چل رہے تھے۔ میں ان کے درمیان تھا، کوئی اَور درمیان میں نہیں تھا، تو کبھی میں اس سمت اپنا کان لگاتا اور کبھی دوسرے دونوں کی سمت کان لگاتا۔ میں نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کو سنا، وہ اپنے باپ سے کہتے تھے کہ اے ابا جان! آپ نے عمار رضی اللہ عنہ کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا قول نہیں سنا، جب وہ مسجد بنا رہے تھے؟ انھوں نے کہا تھا: تم اجر پر بہت زیادہ حریص ہو، ذرا ٹھہرو، یا انھوں نے کہا تھا: اے عمار! تم اہلِ جنت میں سے ہو اور تمھیں ایک باغی جماعت قتل کرے گی؟ فرمایا: بالکل میں نے اس کو سنا ہوا ہے۔ تو کہا: پھر آپ نے کیوں ان کو قتل کر دیا؟ راوی کہتے ہیں: پھر وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف گئے اور کہا: ابو عبدالرحمٰن! کیا آپ نے وہ بات سنی ہے جو یہ بندہ کر رہا ہے، پھر پچھلی ساری بات نقل کی۔ فرمایا: تمھارے لیے بربادی ہو، تم ہمیشہ ہی اپنے قول[2] میں ڈوبے رہتے ہو! کیا ہم نے انھیں قتل کیا ہے؟ ان کے قاتل تو وہ ہیں جو انھیں ساتھ لے کر آئے۔[3]

---

[1] مسند أحمد (٦٤٩٩) شعیب ارناؤط نے کہا: اس کی سند صحیح ہے۔ یہ حدیث اس معاملے میں صحیح ہے کہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما اور ان کے باپ نے یہ روایت نبی ﷺ سے سن رکھی تھی۔ ہم نے اس روایت کو [رقم: ٣٢٨، ٣٢٩] میں ایسے ہی نقل کیا ہے۔ اس میں آتا ہے کہ ان دونوں نے نبی ﷺ سے مسجدِ نبوی کی دوسری تعمیر کے وقت یہ بات سنی تھی، جب سیدنا عمار رضی اللہ عنہ دو دو پتھر اٹھا کر لا رہے تھے۔

[2] (اپنے قول) ''المطالب العالیة'' میں یہ عبارت ایسے ہی ہے اور ''مسند أبي یعلیٰ'' میں یہاں اپنے ''بول'' (پیشاب) کا لفظ ہے۔

[3] مسند أبي یعلی (٧٣٥١) المطالب العالیة (٤٤٢١) اور یہ لفظ انھی کے ہیں، اس کی سند حسن ہے۔ ←

سابقہ روایت پر تعلیق ملاحظہ کیجیے۔

اس جھگڑے اور عدمِ اطمینان پر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ صفین سے شام واپس آ گئے۔ ان کی اسی نرمی کی بنیاد پر معاویہ رضی اللہ عنہ قاتلِ عمار رضی اللہ عنہ کے سلسلے میں اپنی رائے پر ڈٹے رہے لیکن یہاں پر سوال یہ بنتا ہے کہ صفین سے واپسی پہ لشکرِ شام میں کس رائے پر زیادہ اتفاق پایا جاتا تھا؟ کیا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ کے موقف پر یا جنابِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے موقف پر؟

تو امام ذہبی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اہلِ شام کی اکثریت [1] امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے یومِ صفین کے دن قتال کے معاملے میں توقف کیے ہوئے تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ وہ اور ان کے آباء واجداد دونوں گروہوں میں سے اقرب الی الحق ہیں۔ [2]

امام ذہبی رحمہ اللہ کے قول سے یہ بھی سمجھ آتا ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے کہ اسے قتل کرنے والے وہی ہیں جو ان کو ساتھ لے کر آئے ہیں، جنگِ صفین کے بعد شامی لشکر میں یہی رائے غالب تھی۔

[375] حنظلہ بن خویلد عنزی سے روایت ہے: اس دوران میں کہ میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھا، جب دو آدمی آئے، جو جنابِ عمار رضی اللہ عنہ کے سر کے بارے جھگڑ رہے تھے، ان میں سے ہر ایک کا دعویٰ تھا کہ میں نے اس کو قتل کیا ہے، تو عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے کہا: تم میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ وہ اپنے ساتھی سے راضی ہو جائے، بے شک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ عمار رضی اللہ عنہ کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔ اس پہ جنابِ معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تم اپنے پاگل پن کو ہم سے دور نہیں رکھ سکتے؟ تمھارا ہمارے ساتھ کیا تعلق ہے؟ فرمایا کہ ایک دفعہ میرے باپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میری شکایت کی تھی، اس

← اسماعیل بن موسیٰ سے مراد: فزاری نسیب السدی ہیں۔ یہ صدوق راوی ہیں مگر خطا کرتے تھے اور ان پر رفض کی تہمت بھی ہے۔ اسباط سے مراد: ابن محمد القرشی ہیں۔ یہ ثقہ ہیں۔ بڑھاپے میں یہ ضعیف ہو گئے تھے۔

[1] مقصود یہ ہے کہ تابعین اور ان کے پیروکار اور ان کے متبعین اور اہلِ شام میں تدریجاً یہ رائے کمزور ہونا شروع ہوئی یہاں تک کہ تیسری صدی تک یہ بہت کمزور ہو کے رہ گئی۔ (۲۰۰ھ۔ ۲۹۹ھ)

یہ امام احمد اور کتبِ ستہ والے ائمہ کی صدی ہے، یہ وہ صدی ہے جس میں تدوینِ حدیث کا کام ہوا، جس میں تدوینِ حدیث، علمِ عقیدہ جیسے علوم نمودار ہوئے، البتہ تدوینِ حدیث کی ابتدا دوسری صدی (۱۰۰ھ تا ۱۹۹ھ) میں ہی ہو گئی تھی، تو اس ساری تحریک کا نتیجہ اہلِ شام میں حق کی وضاحت اور صحیح حدیث کے اس معنی کی مزید وضاحت کی صورت نکلا: ''اس کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی''۔

[2] میزان الاعتدال (۳/۵۵۱، ۵۵۲) محمد بن زیاد الالھانی الحمصی کے تعارف میں۔ یہ تابعی ہیں اور چوتھے طبقے کے راوی ہیں۔

پہ رسول اللہ ﷺ نے کہا تھا: جب تک تمھارا باپ زندہ ہے اس کی اطاعت کرو، نافرمانی نہ کرنا، تو میں تمھارے ساتھ ضرور ہوں لیکن میں قتال نہیں کرتا۔[1]

یہ حادثہ جنگِ صفین کے ایام میں جنابِ عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن پیش آیا تھا۔

⑦ قتلِ عمار رضی اللہ عنہ کی خبر پر ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا موقف

یہ بات درست اور صحیح ثابت ہے کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو جب صفین میں جنابِ عمار رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر پہنچی تو وہ غم زدہ ہوگئی تھیں، انھوں نے عمار رضی اللہ عنہ کی بہت زیادہ تعریف کی تھی۔

زفر بن حارث کہتے ہیں کہ جنگِ صفین کے دنوں میں، میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا سفیر بن کر عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا، انھوں نے پوچھا: لوگوں میں سے کون کون قتل ہوگیا؟ میں نے کہا: عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما، تو کہا: یہ تو وہ بندہ ہے کہ لوگ دینی معاملات میں اس کی اتباع اور اطاعت کرتے ہیں۔[2]

یہ حادثہ جنگِ صفین کے زمانے کا ہے۔

عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ کہنا: ''یہ تو وہ بندہ ہے کہ لوگ دین میں ان کی اتباع کرتے ہیں۔'' اس سے ان کا

---

[1] مسند أحمد (٦٥٣٨) اسی سند کے ساتھ اس کا تکرار (٦٩٢٩) میں بھی ہے۔ امام شعیب ارناؤط نے اس کو ایک دفعہ حسن اور ایک دفعہ صحیح کہا ہے۔ العوام سے مراد: ابن حوشب ہیں۔

تخریج: اس روایت کو یعقوب بن شیبہ نے اپنی مسند میں بیان کیا ہے جیسا کہ یہ المعجم المختص بالمحدثين للذهبي (ص: ٩٦) میں یزید بن ہارون سے ایسے ہی منقول ہے۔ امام ذہبی نے کہا اس کی سند جید ہے۔

اسود کو ابن معین نے ثقہ کہا ہے۔

امام ذہبی اپنا نسخہ "مسند يعقوب بن شيبة" کے نسخے سے ہی "المعجم المختص"، "تاريخ الإسلام"، "السير" اور "تذكرة الحفاظ" میں یہ روایت "شهدة، عن أبي عبدالله الحسين بن أحمد النعالي عن أبي عمر ابن مهدي عن أحمد بن منصور بن شيبة سدوسي عن جده يعقوب" کی سند سے روایت کرتے ہیں۔ دیکھیے: تاريخ الإسلام (٩١/٢)، (٥٨/٢٥) سير أعلام النبلاء (٤٧٩/١٢)۔ باقی کچھ تخریج [رقم: ٣٣٥] کے حاشیے میں ذکر ہوگی۔

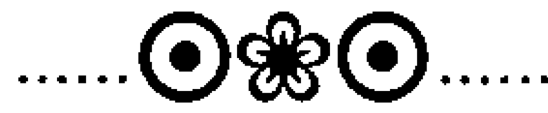
ابن عساکر کے ہاں اس کی ایک اَور سند بھی ہے: موارد ابن عساكر في تاريخ دمشق.

بلاذری نے اس کو أنساب الأشراف (٣١٢/٢) میں ہشیم بن بشر عن العوام کی سند سے ایسے ہی بیان کیا، اس میں یہ آتا ہے کہ حنظلہ بن خویلد سے مروی ہے، وہ علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے پاس جاتا تھا۔

[2] تاريخ دمشق (٣٥/١٩) روایت شواہد کے ساتھ صحیح ہے۔ یہ روایت اپنی مکمل تفصیل اور شرح کے ساتھ [رقم: ٦١١] میں آئے گی۔

مقصود ان کی تعریف کرنا، ان کو بطور نمونہ تسلیم ہونا، اور ان کے ورع اور تقویٰ کا بیان ہے، یعنی عمار رضی اللہ عنہ تو متقی، مرشد اور لوگوں کے لیے دین میں ایک نمونہ اور آئیڈیل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس میں اس بات کی بھی دلالت ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا سمجھتی تھیں کہ عمار رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت جنگِ صفین میں اہلِ شام کی نسبت أقرب إلی الحق ہیں۔

جبکہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بھی بیان کی ہے جو اسی معنی پر دلالت کرتی ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کو روایت کیا ہے، عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمار رضی اللہ عنہ کو کبھی بھی دو معاملات نہیں پیش کیے گئے، مگر انھوں نے ان میں سے جو اقرب إلی الهدایہ اور رشد والا ہے، اس کو اختیار کیا۔[1] یہ روایت اپنی مزید شرح اور تفصیل کے ساتھ آگے ذکر ہو گی۔



[1] سنن الترمذي (۳۷۹۹) [(٤١٣٢) بتحقيق شعيب] امام البانی اور شیخ شعیب ارناؤط نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

نویں بحث:

وہ اسباب جنھوں نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو تحکیم بہ کتاب اللہ کے ذریعے جنگ روکنے پر مجبور کیا

مجھے چار ایسے اسباب ملے ہیں جن کی بنیاد پر جنابِ عمرو رضی اللہ عنہ نے جنگ روکنے کی کوشش کی۔ جن میں سے پہلا سبب اپنی ذات میں کافی اور شافی ہے اور وہ درج ذیل ہیں:

1. وہ قتلِ عام جو دونوں طرف کے اجتہادی مواقف کا نتیجہ تھا۔
2. جنابِ علی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان خون بہانے کے معاملات میں ایک دوسرے پر اتہامات تھے۔ دونوں میں سے ہر ایک سمجھتا تھا کہ وہ حق پر ہے اور خون بہانے کی ساری ذمے داری دوسرے پر ہے۔ خاص طور پر کہ جب قتل بے بہا ہو گیا تھا اور مسلسل جاری تھا تو اس دوران میں اتہامات اور اجتہادات کا نتیجہ جنگ کو مزید بڑھانے اور خون بہانے کو زیادہ کرنے کے سوا کچھ نہ تھا، یا پھر دوسرے لفظوں میں یہ کہہ لیں کہ یہ اجتہادات اور اتہامات کا تبادلہ جنگ کو جاری رکھنے اور مقتولین کی تعداد کو بڑھانے کا سبب بنا ہے۔
3. جنابِ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی شہادت کا عظیم حادثہ، اس کے بعد عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کا اپنے باپ سے اس حدیث کو ذکر کرنا جس میں انھیں ایک باغی جماعت کے قتل کرنے کا تذکرہ ملتا ہے۔
4. فریقین کی طرف سے مسلسل بڑے بڑے حوادث کا رونما ہونا حتی کہ خون بہانا اور قتلِ عام شروع ہو گیا، یہاں تک کہ بات شامی لشکر کے ختم ہو جانے اور شکست تک جا پہنچی۔ یہ بات طے شدہ تھی کہ ان کے پیچھے عورتیں اور بچے بھی ان کی رعایا میں ہیں اور ایسی سرحدیں بھی ہیں جو انھیں دین کے دشمنوں یعنی رومی عیسائیوں سے محفوظ رکھتی ہیں۔

اب اس اجمال کی تفصیل ملاحظہ کیجیے:

یحییٰ بن سعید انصاری کے چچا کی روایت میں آتا ہے کہ عمرو رضی اللہ عنہ ایک خندق کے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے اور کوئی بھی مقتول دونوں فریقوں میں سے ان کی نگاہوں سے چھپا ہوا نہ تھا۔ علی رضی اللہ عنہ کے لشکر سے ایک ایسے بندے کی لاش کو ان کے سامنے سے گزارا گیا تو اس پر وہ رو پڑے اور کہا کہ یہ تو ایک مجتہد آدمی تھا اور کتنے ہی ایسے بندے ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے تھے مگر آج قتل کر دیے گئے جبکہ حضرت علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما سمجھتے ہیں کہ یہ دونوں ان سب کے خون سے بری ہیں؟![1]

امام مالک کی روایت میں آتا ہے کہ عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کتنے ہی آدمی ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ہاں عظیم مرتبہ رکھتے تھے، فلاں اور فلاں ان کے قتل سے بری نہیں ہو سکتے، یعنی علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما۔[2]

مراد یہ ہے کہ مقتولین کے قتل کی ذمے داری علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما پر ہے۔

ان دونوں روایات سے دونوں لشکروں کے قتال کے متعلق جنابِ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا موقف واضح ہوتا ہے۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں کے موقف سے پریشان تھے اور اس پر افسوس کا اظہار کرتے تھے، جس وقت مقتولین کو نکال کے دفن کیا جا رہا تھا، وہ ایک خندق کے کنارے پر بیٹھے ہوئے تھے، کوئی مقتول بھی ان کی نظروں سے اوجھل نہیں تھا۔ جب بھی کسی مقتول کو دیکھتے تو غمزدہ ہو جاتے اور ان حالات پر غمزدہ ہوتے جو مسلمانوں کی باہمی لڑائی کی وجہ سے پیدا ہوئے تھے۔ مزید وہ علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں کے موقف کو ناپسند کرتے تھے کہ جب دونوں میں سے ہر ایک سمجھتا تھا کہ اس خون کی ذمے داری دوسرے پر ہے اور سب سے بڑی چیز جو جنابِ عمرو رضی اللہ عنہ کو محزون کرتی اور غم میں مبتلا کر دیتی وہ اسلامی معاشرے کے صالحین، علماء، عبادت گزاروں، شہسواروں، بہادروں اور دوسرے اہلِ خیر کی ایک بڑی جماعت کا ختم ہو جانا تھا، وہ بھی ایک ایسی جنگ میں کہ جو کسی خیر کی بنیاد پر نہیں ہوئی۔ جس کی بنیاد فقط لوگوں کی آراء اور ان کے اجتہاد تھے۔ جنابِ عمرو رضی اللہ عنہ کا کلام بھی وہی معانی وجذبات رکھتا ہے جو اس سلسلے میں ابومسعود البدری رضی اللہ عنہ کا موقف ہے۔[3]

البتہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ وہ شرعی خلیفہ ہیں اور اپنے خلاف بغاوت کرنے والوں سے قتال کر رہے ہیں، سو خون بہنے کی ساری ذمے داری باغیوں پر ہے۔

---

1. دیکھیے: [رقم: ۳۳۶]
2. دیکھیے: [رقم: ۳۴۰]
3. صفحہ (۵۵۸) پہ میں نے اس کی تفصیل کر دی ہے، وہاں دیکھیں۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سمجھتے تھے کہ قصاص کو بیعت پر مقدم کرنا ضروری ہے اور اس موقف سے وہ حدود اللہ کی اقامت کر رہے ہیں۔ وہ حدود جنھیں علی رضی اللہ عنہ قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ کے سلسلے میں موخر کیے جا رہے ہیں۔ انھوں نے نہ ہی جنگ کا راستہ چنا ہے، نہ ان کی ایسی کوئی رغبت رکھتے ہیں، نہ وہ اپنا لشکر لے کر علی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے ہیں، بلکہ خود جنابِ علی رضی اللہ عنہ وہ شخصیت ہیں جو اپنا لشکر لے کر ان کی طرف آئے ہیں۔ ان پر حملہ کیا ہے تو وہ سمجھتے تھے کہ یہ میرا شرعی حق ہے کہ میں اس شر کو روکوں جو مجھ پہ آ پڑا ہے، تا کہ اپنے آپ اور اہلِ شام کو بچا لوں، سو اس کی ذمے داری اس بندے پر ہے جس نے جنگ کا راستہ چنا اور اس پر چلا۔

البتہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی رائے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ والی تھی، مگر وہ علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے جنگ کو جاری رکھنے پر راضی نہیں تھے، کیونکہ جنگ جاری رکھنے میں ان دونوں کا موقف اس بنیاد پر کھڑا تھا کہ میں حق پر ہوں اور میں خون بہانے کی ذمے داری سے بری ہوں۔

[رقم: ۳۳۶] روایت میں یہ واضح اور گہری دلالت ہے کہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ایک عراقی سپاہی کو دیکھا جس کا شمار عبادت گزاروں، اہلِ تہجد اور صالحین میں ہوتا تھا۔ اس کی لاش شامی لشکر کے معسکر سے نکالی جا رہی تھی، اس پر وہ رو پڑے اور اپنے انہی خیالوں میں غرق رہے (مسلمانوں کے درمیان اس جنگ میں وہ نیک عراقی لوگ جو اہلِ شام سے مقتول ہوئے ہیں، ان کے خون کی ذمے داری کس پہ ہے؟ کیا علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کا ایک دوسرے پہ اس خون کی ذمے داری ڈالنا مناسب ہے؟ یہ کشت و خون کب تک جاری رہے گا)۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ دونوں گروہ ایک اجتہاد پہ کھڑے ہیں اور مستحقِ اجر ہیں۔ اللہ ان کو معاف کرے اور رحمت والا معاملہ فرمائے۔ آمین

تو وہ اثر جو جنابِ عمرو رضی اللہ عنہ کی طبیعت پر ہوا وہ بہت سخت قسم کا تھا، یعنی وہ مقتولین کو دیکھ رہے تھے جنھیں ان کے سامنے قتل کیا جا رہا تھا، اور ان کی لاشوں کو یہاں وہاں سے اٹھایا جا رہا تھا، بلکہ روایت میں آتا ہے کہ عمرو رضی اللہ عنہ ایک خندق کے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے اور کوئی بھی مقتول ان کی نگاہوں سے چھپا نہیں تھا۔ اس قتل کی ذمے داری کے حوالے سے علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما پر ان کا افسوس بہت سخت تھا، لیکن پھر اس کے بعد وہ عظیم حادثہ پیش آیا جس نے پچھلے سارے غم بھلا دیے اور وہ حادثہ جنابِ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی شہادت کا تھا۔

اور وہ حدیثِ رسول جو انھیں قتل کرنے والی جماعت کے متعلق وارد ہوئی ہے تو جب جنابِ عمرو بن

عاص رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے سے یہ حدیث سنی تو وہ بہت زیادہ خوف اور گھبراہٹ کا شکار ہو گئے، ایک لفظ بھی نہ ادا کر سکے اور اس صدمے کی وجہ سے الٹے پاؤں چلتے ہوئے معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور انھیں بتایا کہ عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا گیا ہے۔

جب عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے یہ بات اپنے باپ سے کی کہ ابا جان! آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہیں سنی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمار رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا کہ ہائے ابن سمیہ! تمھیں ایک باغی جماعت قتل کر دے گی۔ تو عمرو رضی اللہ عنہ ڈر گئے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہا کہ آپ نے وہ بات نہیں سنی جو یہ بندہ کر رہا ہے۔[1]

مجموعی طور پر یہ وہ حادثات ہیں جنھوں نے جنابِ عمرو رضی اللہ عنہ کو اس نتیجے تک پہنچا دیا کہ جنگ کو ہر صورت ضرور روکا جائے۔ تاکہ دونوں فریقین ان بڑے بڑے نقصانات سے نجات پا سکیں، کیونکہ مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے جو کچھ ہو رہا ہے، اس سے اس سے بڑے نقصانات پیدا ہو رہے ہیں، یعنی اگر امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا جائے، یا پھر شامی لشکر جنگِ صفین میں ہلاک ہو جائے تو پھر سرحدیں روند دی جائیں گی اور رومی لوگ مسلمان علاقوں پر قبضہ جما لیں گے اور خاص طور پر جب لشکرِ شام کی ہلاکت شروع ہوئی تو یہ ایک مسلمانوں کے لیے بہت بڑا حادثہ تھا جو اپنا سر اٹھا رہا تھا۔ سرحدوں پر لشکر بھی اس انتظار میں تھے، قریب تھا کہ وہ ان پر حملہ کر دیتے۔

یہ بات بعید نہیں ہے کہ جو چیز جنابِ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ذہن میں آ رہی تھی، دونوں فریقین میں سے ایک بڑی تعداد کے ذہن میں بھی ہو۔ میں اس پر مزید یہ اضافہ کرتا ہوں کہ فریقین میں سے دونوں کا جتنا نقصان اور خسارہ ہو چکا تھا، وہ اس سے زیادہ کی طاقت نہیں رکھتے تھے، خاص طور پر جنابِ عمار رضی اللہ عنہ کے قتل پر ان کا افسوس اور اظہارِ غم کرنا۔

تو دونوں طرف کے لوگ اس مسلسل قتل و غارت اور گھروں کی دوری سے اُکتا چکے تھے، کیوں کہ انھیں صفین میں آئے ہوئے دو مہینے سے زیادہ گزر چکے تھے۔ روز وہ ایسے حادثات دیکھ رہے تھے جو ذوالحجہ سے شروع ہوئے اور یہاں تک کہ صفر کی ابتدا ہو گئی، وہ تھک گئے، اُکتا گئے، ان کی طبیعتیں بھر گئیں اور انھوں نے ایک دوسرے پر تکیہ کر لیا، یہاں تک کہ ان میں سے ہر ایک کے دل میں یہ خواہش چھپی تھی۔[2]

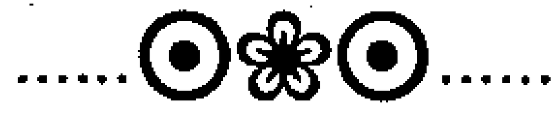
---

[1] [رقم: ۳۷۳۰، ۳۷۴۲] روایات دیکھیں۔

[2] "سيرة أمير المؤمنين علي بن أبي طالب رضي الله عنه" لدكتور علي الصلابي (ص: ٤٧٣- ٤٧٨)

کہ کوئی اصلاح کرنے آئے اور صلح کی آواز بلند ہو، عرب کے بڑے لوگوں میں سے جنابِ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اصلاح کا جھنڈا اٹھایا اور اس معاملے میں پہل کر کے ایک فضیلت اور مقام حاصل کیا جس پر تاریخ گواہ ہے اور خون کے بہنے کو روکنا ہمیشہ جنگ سے اچھا ہوتا ہے۔

[376] عمار بن ربیعہ بیان کرتے ہیں: جنابِ علی رضی اللہ عنہ نے ۳۷ھ ۱۰/ربیع الاول، منگل والے دن، اندھیرے میں فجر کی نماز پڑھائی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ۱۰/صفر کا دن تھا، پھر وہ عراقی لشکر کو لے کر اہلِ شام کی طرف چل نکلے۔ لوگ ان کے جھنڈے تلے تھے، وہ بھی اہلِ شام کی طرف چل نکلے۔ قریب تھا کہ جنگ کی آگ دونوں گروہوں کو نگل جاتی لیکن اہلِ شام میں اس کا نقصان اور مقتولین زیادہ تھے، تو ان کے دل جنگ سے اُکتا گئے، قتال کو ناپسند کرنے لگے اور ان کی قوت کمزور پڑ گئی۔[1]



---

[1] وقعة صفين (ص: ۴۷۳)، اس روایت کا مذکورہ حصہ مقبول ہے، درست بات یہی ہے کہ صفر کا مہینہ تھا۔ اس سند میں کچھ کمزوری ہے، عمرو بن شمر کا تعارف [رقم: ۵۴] میں گزر چکا ہے۔ ابو ضرار اور عمار جو عینی شاہد بھی ہیں، مجھے ان کا تعارف نہیں ملا۔

شواہد: روایت کے یہ الفاظ: ''قریب تھا کہ جنگ دونوں گروہوں کو نگل جاتی''، اس کے شاہد ملاحظہ ہو:

- ابو مروان اسلمی کے یہ الفاظ ہیں: ''ہمارے درمیان مقتولین پہاڑوں کی مثل تھے'' یہ شواہد کے ساتھ حسن ہے۔ دیکھیں: [رقم: ۳۵۵]

- یحییٰ بن سعید کے چچا کی روایت بھی اس کی شاہد ہے: ''تو ہمارے مقتولین بہت زیادہ ہو گئے''، ہم نے اس روایت کو مکمل الفاظ اور شرح کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ دیکھو: [رقم: ۳۳۵، ۳۳۸] نیز دیکھو: [رقم: ۳۴۴، ۳۴۵]

روایت کے یہ الفاظ: ''اہلِ شام میں اس جنگ کے نقصانات اور مقتولین زیادہ تھے'' اس کا شاہد جنابِ ابو وائل کے یہ الفاظ ہیں: ''جنگِ صفین کے دوران میں جب اہلِ شام کا قتل عام بہت زیادہ ہو گیا'' دیکھیں: [رقم: ۳۷۷]

روایت کے آخری الفاظ: ''تو ان کے دل جنگ سے اکتا گئے، قتال کو ناپسند کرنے لگے اور ان کی قوت کمزور پڑ گئی'' اس کا شاہد عبداللہ بن زریر غافقی کا یہ قول ہے: ''دونوں لشکروں نے قتال کیا یہاں تک کہ میں نے گمان کیا، اب کوئی بھی نہیں بچے گا'' یہ بھی شواہد کے ساتھ حسن ہے۔ دیکھیں: [رقم: ۳۳۱]

دسواں مبحث:

جنگ روکنا اور تحکیم کی طرف دعوت دینا

[377] ہمیں ابن نمیر نے بیان کیا، کہا: ہمیں عبدالعزیز بن سیاہ[1] نے بیان کیا، حبیب بن ابی ثابت کہتے ہیں: میں ابو وائل کے پاس آیا اور ان سے اس قوم کے بارے پوچھا جن سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے قتال کیا تھا،[2] وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو کیوں چھوڑ گئے اور کیوں انھوں نے آپ کا خون حلال سمجھا؟ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے انھیں کس طرح بلایا؟ کیوں وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ گئے، پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھی ان کا خون حلال سمجھا؟[3] تو انھوں نے کہا: جب صفین میں اہلِ شام کے مقتولین زیادہ ہونے لگے تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے پہاڑ کی پناہ لی۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہنے لگے: علی رضی اللہ عنہ کی طرف مصحف بھیجو، بخدا! وہ اس کو کبھی ردّ نہیں کریں گے۔ پھر ایک بندہ قرآن اٹھائے ہوئے آیا اور اعلان کرنے لگا۔ ہمارے اور تمھارے درمیان کتاب اللہ ہے۔

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴾ [آل عمران: ٢٣]

”کیا تم نہیں دیکھتے ان لوگوں کی طرف جنھیں کتاب اللہ کا کچھ حصہ دیا گیا، وہ کتاب اللہ کی طرف بلائے گئے، تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے پھر ان میں سے ایک فریق پھر جاتا ہے اس حال میں کہ وہ منہ موڑنے والے ہوتے ہیں۔“

---

[1] یہ اسدی حمانی کوفی ہیں، سیاہ فارسی لفظ ہے، اس کا معنی سیاہ ہوتا ہے، یہ لفظ اب منصرف بن گیا ہے۔ دیکھیے: عمدة القاري (١٩/١٨٠)

[2] یعنی خوارج۔

[3] ”مسند أحمد“ میں یہ الفاظ ہیں: کس بنیاد پہ وہ ان کے ساتھ کھڑے ہوئے تھے اور کیوں چھوڑ گئے، کس دلیل سے علی رضی اللہ عنہ نے ان کا خون حلال سمجھا، یعنی پہلے ان کے ساتھ کھڑے کیوں ہوئے اور بعد میں الگ کیوں ہوئے؟ کیوں ان کا خون حلال ہوا؟

تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کہنے لگے: جی ہاں، ہمارے اور تمھارے درمیان اللہ کی کتاب ہے۔ میں اس کا زیادہ حقدار ہوں۔ پھر خوارج آئے، ان دنوں ہم خوارج کو قراء[1] کا نام دیا کرتے تھے۔ انھوں نے تلواریں کندھوں پر اٹھا رکھی تھیں، اور کہنے لگے: امیر المومنین! کیا ہم اس قوم کی طرف نہ چلے جائیں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے۔ اس پر سیدنا سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: لوگو! اپنے آپ کو الزام دو۔[2]

---

[1] تلاوتِ قرآن اور عبادت میں ان کی سخت محنت وکوشش کے سبب ان کو یہ نام دیا گیا تھا۔ مگر ان کی غلطی یہ تھی کہ وہ قرآن کو اس کی غیر مراد پہ محمول کرتے تھے، اپنی رائے سے اس کے معانی بدل دیتے، زہد، خشوع اور دوسرے معاملات میں غلو کی راہ پہ مائل تھے۔ فتح الباري (۲۸۳/۱۲)

[2] اس معاملے میں اپنی رائے کو الزام دو۔ فتح الباري (۵۸۸/۸) یعنی تمھاری اپنی رائے، کہ جنگ کو جاری رکھنا چاہیے، یہ امیر المومنین کی رائے کے مخالف ہے۔

امام بخاری کی روایت (۶۸۷۸) کے الفاظ یہ ہیں: ''دینی معاملات میں اپنی رائے پہ اتہام کرو۔'' ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: یعنی دینی معاملات میں صرف اپنی رائے وعقل سے کام نہ لو جو اصولِ دین میں کوئی مستند بنیاد نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی یہی تفسیر کی ہے اس کی ایک اور توجیہ بھی ممکن ہے کہ کسی جھگڑے کو حل کرنے کے لیے کتاب اللہ کی طرف رجوع کیا جائے۔ خود کتاب اللہ میں آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ﴾ [النساء: ٥٩] ''اگر تم کسی چیز میں جھگڑا کرو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ۔'' جبکہ اختلاف کے وقت کتاب اللہ کی طرف رجوع نہ کرنا یہ محض رائے ہے جو قران کریم کے مخالف ہے۔ دیکھیے: الكواكب الدراري في شرح صحيح البخاري للكرماني (۱۰۰/۱۸، ح: ٤٥٢٤) اسی معنی میں۔

دیگر حضرات نے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی اس تفصیل کی مخالفت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس لفظ کا معنی یہ ہے کہ صفین کے دن قتال میں کوتاہی کی تہمت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو نہ دو بلکہ اپنے آپ کو دو کہ تم نے قتال پر اصرار کیا اور امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت نہیں کی، جو تمھیں اللہ کی کتاب کی طرف رجوع کے طریقے یعنی تحکیم کے ذریعے جنگ سے روکتے ہیں۔ اور تم اپنی رائے اور اجتہاد کی بنا پہ اپنے مسلمان بھائیوں سے لڑتے ہو۔ جس میں خطا کا احتمال بہر حال ہوتا ہے، تو تم ڈر جاؤ اور تمھارے کتاب اللہ کی طرف لوٹنے میں ہی تمھارے دین کی سلامتی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے مخالفین کے اقوال:

⊙ علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں: ''(سہل بن حنیف کا یہ کہنا: اپنے آپ کو تہمت دو) یہ روایت (اپنی رائے کو الزام دو) ان الفاظ سے بھی وارد ہوئی ہے۔ مراد یہ ہے کہ انسان کبھی ایک رائے رکھتا ہے لیکن درست رائے کوئی دوسری ہوتی ہے، تو اس لفظ کا معنی یہ ہوا کہ تم اپنی آراء پر عمل نہ کرو۔ مراد یہ ہے کہ لوگوں کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان صلح کی طرف جانا۔ یعنی سیدنا سہل رضی اللہ عنہ پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کی طرف سے تحکیم کی عدمِ قبولیت ظاہر ہوگئی تھی۔

علامہ کرمانی لکھتے ہیں: سہل رضی اللہ عنہ پر تہمت لگائی جاتی تھی کہ انھوں نے قتال میں کوتاہی کی ہے، تو انھوں نے کہا: ←

➜ تم اپنے آپ پر تہمت لگاؤ، میں نے کوئی کوتاہی نہیں کی اور نہ ہی ضرورت کے وقت میں کوتاہی کرتا ہوں جیسا کہ یومِ حدیبیہ میں ہوا بلکہ میں نے اس دن اپنے آپ کو دیکھا کہ اگر میں یہ سمجھتا کہ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت ہو رہی ہے تو میں بہت بڑا قتال کرتا لیکن اس دن میں نے قتال میں کوئی مصلحت نہیں سمجھی۔ میں نے سمجھا کہ قتال سے رُک جانا ہی مسلمانوں کی مصالحت کے لیے سب سے بہتر ہے جبکہ تحکیم سے انکار کتاب اللہ میں نہیں ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جی ہاں ایسا ہی ہے جو انکار کر رہے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب سے پھر رہے ہیں، کیونکہ مجتہد جب یہ دیکھتا ہے کہ اس کا گمان تحکیم کے جواز کی طرف جا رہا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہی ہے۔ تو سیدنا سہل رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم انکار کرنے میں اپنے آپ کو اتہام دو، کیونکہ ہم بھی حدیبیہ کے دن قتال ترک کرنے کو ناپسند کرتے تھے، لیکن نبی کریم ﷺ نے ہمیں صلح پر مجبور کیا اور اس سے بہت بڑی خیر برآمد ہوئی۔'' عمدة القاري (١٩/١٨٠- ١٨١)

⊙ ابن بطال رحمہ اللہ نے مہلب بن احمد بن ابی صفرہ اسدی الاندلسی سے نقل کیا ہے: وہ کہتے ہیں کہ ''اپنے آپ کو تہمت دو'' سے مراد یہ تھا کہ اس جنگ میں اپنے آپ کو تہمت دو۔ وہ دونوں فریقوں کو وعظ ونصیحت کر رہے تھے، کیوں کہ ہر فریق ہی ایک رائے پر لڑ رہا تھا اور ایک اجتہاد کر رہا تھا تو سیدنا سہل رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: اپنے آپ کو تہمت دو۔ تم اسلام میں اپنے بھائیوں سے ایک رائے کی بنیاد پر لڑ رہے ہو، اگر رائے کا تقاضا یہ ہوتا تو میں یہ کام ابو جندل کے روز کر لیتا۔ جب نبی کریم ﷺ نے ابو جندل کو حدیبیہ کے دن واپس کرنے کا حکم دیا تھا، یعنی نبی کریم ﷺ نے جب ابو جندل کو مشرکین کی طرف واپس بھیج دیا تھا۔ شرح صحيح البخاري لابن بطال (٥/٣٦٣- ٣٦٤) اور مہلب نے بھی صحیح بخاری کی شرح لکھی ہے ان کا تعارف سیر أعلام النبلاء (١٧/٥٧٩) میں موجود ہے۔

⊙ علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں: ''اپنے آپ کو تہمت دو۔'' انھوں (سہل رضی اللہ عنہ) نے یہ بات صفین کے دن کہی تھی۔ وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، انھوں نے یہ کہا۔ تو مراد ان کی یہ تھی کہ اس قتال میں اپنی رائے پر تہمت لگاؤ۔ آپ دونو ں فریقوں کو وعظ کر رہے تھے، کیونکہ ہر فریق ایک رائے کی بنیاد پر دوسرے سے لڑائی کر رہا تھا، تو ان سے سیدنا سہل رضی اللہ عنہ نے کہا: اپنے آپ کو تہمت دو، کیونکہ تم اسلام میں اپنے بھائیوں سے ایک رائے کی بنیاد پر لڑ رہے ہو۔ وہ سیدنا سہل رضی اللہ عنہ پر تہمت لگاتے تھے کہ انھوں نے قتال میں کوتاہی کی ہے تو کہا: تم اپنی رائے کو تہمت دو میں نے کوئی کوتاہی نہیں کی اور نہ ہی میں جماعت سے کوتاہی کرتا ہوں جیسا کہ حدیبیہ کے دن ہوا۔ عمدة القاري (١٥/١٠٣)

⊙ علامہ قسطلانی نے کہا: ''اپنی رائے کو الزام دو۔'' اس جملے میں سیدنا سہل رضی اللہ عنہ دونوں فریقوں کو وعظ ونصیحت کر رہے تھے، تم اسلام میں اپنے بھائیوں سے صرف ایک اجتہاد کی بنا پہ قتال کر رہے ہو۔

⊙ علامہ قسطلانی لکھتے ہیں: ''ہم صفین میں تھے تو سیدنا سہل رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا: ....'' جب انھوں نے اصحابِ علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ تحکیم سے کراہت محسوس کر رہے ہیں تو انھوں نے کہا: ''اے لوگو! اپنے آپ کو الزام دو۔'' اس اجتہاد پہ جو ایک فریق کو دوسرے سے لڑائی تک لے آیا۔ إرشاد الساري لشرح صحيح البخاري (٥/٢٤٤)

⊙ علامہ کرمانی اور بدرالدین عینی لکھتے ہیں: ''اپنی رائے کو تہمت دو'' سے مراد یہ ہے کہ سیدنا سہل رضی اللہ عنہ پر جنگ میں ➜

← کوتاہی کا الزام لگایا گیا تھا، تو انھوں نے کہا: اپنے آپ کو الزام دو، میں نے کوتاہی نہیں کی اور میں ضرورت کے وقت کوتاہی کرتا بھی نہیں ہوں۔ جیسا کہ حدیبیہ کے دن ہوا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر اس دن میں رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرتا تو شدید قتال کرتا، لیکن اس دن میں قتال سے رک گیا، کیونکہ مسلمانوں کی مصلحت زیادہ بھاری تھی۔ دیکھیے:

الكواكب الدراري (١٣/١٤٣، ح: ٢٩٧٤) عمدة القاري (١٧/٢٣٠)

⊙ علامہ سندھی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ''اپنے آپ کو تہمت دو۔'' سے مراد یہ ہے کہ تم اسلام میں اپنے بھائیوں سے اجتہاد کی بنیاد پر لڑ رہے ہو جس میں خطا کا احتمال ہوتا ہے، تو تم بچ جاؤ۔ دیکھیے: حاشية مسند أحمد للسندي (٩/١٤٨، ح: ٦٨٢٠)

ابن حجر رحمہ اللہ کی رائے اور اس پہ جواب:

(اپنے آپ کو الزام دو) ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا کہ سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کا مقصود ہی خوارج کا نقطۂ نظر تھا۔ (لا حكم إلا لله)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے: ''اِتهموا'' سے مراد یہ ہے کہ اپنی اس رائے میں اپنے آپ کو تہمت دو، کیونکہ ان میں سے بہت سے لوگوں نے تحکیم کا انکار کر دیا تھا اور انھوں نے کہا تھا: اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا کوئی حکم نہیں۔

تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ کلمہ تو حق ہے، لیکن مراد اس سے باطل لیا جا رہا ہے۔

جواب: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی یہ تفسیر درست نہیں۔

اوّل: اس کی پہلی وجہ تو یہ ہے کہ یہ تفسیر سیاقِ خبر کے مخالف ہے، کیونکہ خبر اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قراء سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرتے تھے کہ آپ نے قتال کیوں روک دیا ہے؟ ان کا اعتراض فقط اسی بات پر تھا کسی اَور بات پر نہیں تھا، تو انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہا تھا: کیا ہم اس قوم کی طرف نہ جائیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے؟ تب سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے ان کو جواب دیا، بلکہ ان کے اسی قول کا جواب دیا نہ کہ کسی اَور قول کا اور کہا: تم اپنی رائے کو تہمت دو، یعنی قتال جاری رکھنے کی رائے کو تہمت دو جس میں تم خلیفہ کے حکم کی مخالفت کر رہے ہو۔

ثانی: یہ اعتراض کرنے والے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی نصیحت کے وقت قراء میں شمار کیے جاتے تھے، ان کو خوارج نہیں کہا جاتا تھا، کیونکہ ابھی تک وہ علی رضی اللہ عنہ کے لشکر ہی میں موجود تھے۔ ان سے ابھی پھرے نہیں تھے۔ اس پر راوی کا قول دلالت کرتا ہے کہ ہم ان دنوں خوارج کو ''قراء'' کہا کرتے تھے۔ ان کا نام ''خوارج'' تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے پھر جانے کے بعد رکھا گیا، جب وہ وثیقہ کی کتابت کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے الگ ہو گئے تھے۔ اس کتابت کے بعد انھوں نے کہا: اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا حکم نہیں، پھر وہ واپسی پر علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جانے کے بجائے ایک دوسرے راستے سے حروراء چلے گئے۔

ثالث: خوارج نے حروراء میں صعصعہ بن صوحان سے کہا تھا: ہم ڈرتے ہیں کہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کوئی ایسا کام نہ کر دیں جو کفر ہو، تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ خوارج نے ابھی تک تکفیر کی بدعت جاری نہیں کی تھی۔ بلکہ تکفیر کی بدعت انھوں نے تحکیم کا وثیقہ لکھے جانے کے بعد جاری کی۔

رابع: اگلی روایت خوارج کی ابتداء کے بارے میں آ رہی ہے کہ وہ دو مرحلوں میں گزرے۔ پہلا مرحلہ یہ تھا کہ وہ ''قراء'' تھے اور دوسرے مرحلے میں ''خوارج'' بنے۔ سیدنا سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے جس مرحلے میں ان کو نصیحت کی تھی ←

ہم حدیبیہ[1] کے دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اور اگر ہم لڑنا درست سمجھتے تو ہم لڑتے، یہ اس صلح کا واقعہ ہے، جب رسول اللہ ﷺ اور مشرکین کے درمیان صلح ہو رہی تھی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور کہنے لگے: اللہ کے رسول! کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ اور وہ باطل پر نہیں ہیں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیوں نہیں۔'' تو کہا: کیا ہمارے مقتولین جنت میں اور ان کے مقتولین آگ میں نہیں ہیں؟ تو فرمایا: ''کیوں نہیں۔'' کہا: پھر ہم کیوں اپنی کمزوری کا اظہار کریں اور واپس جائیں؟ جبکہ ابھی تک اللہ تعالیٰ نے ان کے اور ہمارے درمیان فیصلہ نہیں کیا۔ فرمایا: ''اے ابن خطاب! میں اللہ کا رسول ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھے کبھی بھی ضائع نہیں کرے گا۔'' پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ چل پڑے اور غصے سے صبر نہیں کر سکے، آپ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، کہنے لگے: ابوبکر! کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں ہیں؟ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیوں نہیں، تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا ہمارے مقتولین جنت میں اور ان کے مقتولین آگ میں نہیں ہیں؟ تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیوں نہیں۔ تو کہا: پھر ہم اپنے دین میں کمزوری کیوں دکھا رہے ہیں؟ اور کیوں لوٹ رہے ہیں؟ جب کہ اللہ تعالیٰ نے ابھی ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ ہی نہیں کیا؟

← وہ پہلا مرحلہ (قراء) تھا۔ اس مرحلے میں قراء نے ابھی حکمین کی تکفیر کی بدعت شروع نہیں کی تھی۔ بلکہ انھوں نے یہ بدعت کتابِ وثیقہ لکھے جانے کے بعد شروع کی۔

خلاصہ یہ ہے کہ ابن حجر رحمہ اللہ نے سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کے قول کی تفسیر ایک ایسے معاملے پر کر دی ہے جو ابھی تک واقع ہی نہیں ہوا۔ بلکہ وہ واقعہ اس نصیحت کے تقریباً پانچ دن بعد ہوا تھا۔ یعنی وثیقہ لکھنے کے بعد۔ لہٰذا حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا قول درست نہیں ہے۔ واللہ أعلم.

[1] اس سے مراد صلح حدیبیہ کا دن ہے اور یہ صلح ذوالقعدہ سنہ ۶ ھ میں ہوئی تھی۔ فتح الباري لابن حجر (۴۴۰/۷)

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: سیدنا سہل رضی اللہ عنہ کے اس قول کا سبب یہ تھا کہ خوارج نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر انکار کیا تھا کہ انھوں نے تحکیم قبول کیوں کی ہے؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے حدیبیہ کے قصے سے دلیل پکڑی کہ نبی کریم ﷺ نے قریش کی صلح کو قبول کر لیا تھا۔ حالانکہ آپ اس وقت ان پر غالب تھے تو بعض صحابہ نے توقف کیا حتی کہ ان پر بھی درست بات ظاہر ہو گئی۔ فتح الباري (۲۸۹/۱۳)

نیز حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: کبار صحابہ نے ان کی طرف اشارہ کیا کہ آپ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت کریں اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ جس کی طرف اشارہ کر رہے ہیں، اس کی مخالفت نہ کی جائے۔ کیونکہ اس میں وہ مصلحت کو زیادہ بہتر جانتے ہیں، پھر سیدنا سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے ان کے سامنے قصۂ حدیبیہ کا ذکر کیا کہ انھوں نے اس دن یہ سمجھا تھا کہ مسلسل قتال ہوتا رہے اور صلح کی مخالفت کی تھی۔ پھر زیادہ بہتر فیصلہ واضح ہو گیا۔ وہ وہی تھا جس پر نبی کریم ﷺ نے عمل درآمد کیا تھا۔ فتح الباري (۵۸۹/۸)

تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ابن خطاب! وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں کبھی ضائع نہیں کرے گا۔ پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن فتح کی خبر کے ساتھ نازل ہوا۔[1] تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا اور ان پر پڑھوایا، تو انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا وہ فتح ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں۔ پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خوش ہو گئے اور لوٹ گئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کہنے لگے: لوگو! یہ فتح ہے۔[2] آپ نے اس قضیے کو قبول کر لیا اور لوٹ گئے، لوگ بھی لوٹ گئے[3] اور حروراء[4] چلے گئے، یہ بارہ ہزار کی تعداد پر مشتمل خوارج کا گروہ تھا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کو پیغام بھیجا[5] اور انھیں اللہ تعالیٰ کی قسم دی لیکن انھوں نے انکار کر دیا، پھر ان کے پاس صعصعہ بن صوحان[6] آئے اور انھیں اللہ کی قسم دی، کہا: تم اپنے خلیفہ سے کیوں لڑ رہے ہو؟[7] وہ کہنے

---

[1] مراد یہ ہے کہ سورۃ الفتح نازل ہوگئی: ﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا﴾ [الفتح: ۱] ''ہم نے تمھیں واضح فتح دی۔'' جیسا کہ صحیح البخاري (۳۰۱۱) میں ہے کہ پھر سورۃ الفتح نازل ہوگئی، اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر شروع سے آخر تک پڑھا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول! کیا یہ فتح ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں، یہ فتح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صلح حدیبیہ کا نام فتح رکھا، کیونکہ اس میں ایک خیر پوشیدہ تھی۔ صحیح البخاري (۳۹۱۹) میں روایت ہے، سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: تم فتح کو فتح مکہ سمجھتے ہو، حالانکہ فتح مکہ ایک فتح تھی۔ لیکن ہم تو فتح بیعتِ رضوان کو سمجھتے تھے جو حدیبیہ کے دن ہوئی تھی۔

[2] اس سے مراد کتاب اللہ کے ساتھ تحکیم اور اس پر صلح ہے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اسی کا نام فتح رکھا۔

[3] ''قضیہ'' سے مراد تحکیم کا قضیہ ہے اور لوگوں کے لوٹنے سے مراد کوفہ کی طرف لوٹنا ہے، یعنی سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے تحکیم کو قبول کر لیا اور پھر اپنے لشکر کو لے کر کوفہ چلے گئے۔

[4] حروراء: کوفہ سے دو میل باہر ایک بستی کا نام ہے۔ معجم البلدان (۲/۲۴۵)

[5] سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بھیجا، وہ انھیں اللہ کی قسم دے رہے تھے، لیکن انھوں نے انکار کر دیا۔ [رقم: ۴۶۶، ۴۶۷] روایات دیکھیں۔

[6] یہ صعصعہ بن صوحان بن حجر بن حارث عبدی ہیں، ابوطلحہ کوفی تابعی ہیں۔ عرب کے خطباء میں سے ہیں۔ یہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے کبار ساتھیوں میں سے تھے۔ شریف آدمی تھے۔ ان کی اطاعت کی جاتی تھی۔ امیر تھے۔ فصیح تھے اور بہت ہی خوبصورت انسان تھے۔ آپ جمل اور صفین میں حاضر ہوئے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں وفات پائی۔ بعض کہتے ہیں کہ یزید کی خلافت میں وفات پائی۔ حافظ ابن سعد، امام نسائی اور حافظ ابن حجر نے ان کی توثیق کر رکھی ہے۔
دیکھیے: الطبقات الکبریٰ (۶/۲۲۱) التاریخ الکبیر (۴/۳۱۹) سیر أعلام النبلاء (۳/۵۲۸) التقریب (۲۹۲۷)

[7] یہاں ''قتال'' سے مراد قتال کی تیاری ہے، کیونکہ قتال کی تیاری اس کا پہلا مرحلہ ہوتا ہے۔

لگے: ہم تو فتنے سے ڈرتے ہیں۔[1] تو صعصعہ نے کہا: اگلے سال[2] کے فتنے سے ڈرتے ہوئے، اس سال کی گمراہی میں جلدی نہ کرو۔ تو وہ لوٹ گئے اور کہنے لگے: ہم اپنے گھروں کی طرف جا رہے ہیں، کیونکہ علی رضی اللہ عنہ نے فیصلہ تسلیم کرلیا ہے جس پر ہم نے صفین کے دن قتال کیا تھا۔ اگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس سے کوتاہی کریں گے تو ہم علی سے بھی قتال کریں گے،[3] پھر وہ لوٹے اور نہروان چلے گئے، ...... الخبر[4]

---

[1] مطلب یہ ہے کہ ہم دین میں فتنے سے ڈرتے ہیں اور وہ تحکیم سے راضی ہونے کے سبب کفر کا فتنہ ہے۔ وہ کہنا یہ چاہتے تھے کہ وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اتباع کر کے کفر میں واقع ہونے سے ڈرتے ہیں، کیونکہ ان کے گمان میں علی رضی اللہ عنہ نے کتاب اللہ کے مطابق حکم مقرر کر کے کفر کیا ہے۔

[2] یعنی آپ ان سے یہ کہہ رہے تھے کہ اتنی جلدی نہ کرو ایک قریبی فتنے میں پڑنے سے جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کا فتنہ ہے۔ ایک بعد میں آنے والے فتنے کے خوف سے اور وہ فتنہ کون سا تھا حکمین کا اجتماع جو اگلے سال میں ہونا تھا اور ممکن تھا نہ بھی ہوتا تو صعصہ نے یہ بات الزامی طور پر کہی تھی، نہ کہ ان کی موافقت کی تھی۔

[3] مراد یہ ہے کہ خوارج سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی نصیحت اور صعصہ کی نصیحت کے بعد حروراء سے کوفہ لوٹ گئے تھے، جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو تحکیم کے لیے بھیجا تو خوارج نے دوسری دفعہ خروج کیا، لیکن اس مرتبہ یہ حروراء نہیں گئے تھے بلکہ نہروان چلے گئے اور کہنے لگے: ہم سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اعتزال کر رہے ہیں اور ان کے معاملے پر غور وفکر کریں گے۔ اگر انھوں نے تحکیم کو قبول کرنے پر اصرار کر لیا تو ہم ان سے ویسے ہی قتال کریں گے جیسے ہم نے صفین میں اہلِ شام سے قتال کیا تھا اور اگر وہ تحکیم قبول کرنے سے باز آگئے تو ہم ان کی طرف واپس چلے جائیں گے اور ان کے جیش میں شامل ہو جائیں گے اور ان کے ساتھ مل کر اہلِ شام سے قتال کریں گے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ان کی طرف جانا [رقم: ۴۶۶، ۴۶۷] اور جنابِ صعصہ کی روانگی [رقم: ۴۶۵] پر ملاحظہ ہو۔ البتہ (۶۲۶ تا ۶۳۶) صفحات میں اس بحث کی تفصیل کی ہے، اس کو لازماً دیکھو۔

ابن راہویہ کے الفاظ یہ ہیں: ''ہم اپنے ایک موقف پہ ہیں، اگر انھوں (علی رضی اللہ عنہ) نے قضیۂ تحکیم کو قبول کر لیا تو ہم ان سے اسی بنیاد پہ قتال کریں گے جس پہ ہم نے صفین میں اہلِ شام سے کیا تھا۔ اگر انھوں نے اسے ردّ کر دیا تو ہم ان کے ساتھ مل کر قتال کریں گے۔''

[4] مصنف ابن أبي شيبة (۳۹۰۶۹) اس کی سند امام مسلم کی شروط پہ صحیح ہے، راوی ثقہ ہیں اور رجال الشیخین ہیں۔

ابن نمیر: عبداللہ ہمدانی۔ ابو وائل: شقیق بن سلمہ اسدی۔

میں نے یہاں پہلی جلد میں اس پہ گفتگو کی ہے، جلد دوم میں [رقم: ۴۹۶] کے ضمن میں بھی اس پہ بات ہوگی، اس تقسیم کا سبب بات کا لمبا ہونا اور موضوعات کی کثرت ہے۔

تخریج: اس روایت کو امام مسلم (۵/ ۱۷۵) نے ابن ابی شیبہ کی سند سے مختصر بیان کیا ہے۔ ساتھ میں سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کا قصہ بھی مذکور ہے۔

←

⦿ اس مقام پر دو قصے ہیں جو کچھ اختصار کے ساتھ وارد ہوئے ہیں: سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کا قول اور صعصعہ بن صوحان کا قصہ۔ البتہ جہاں تک سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کے قول کا تعلق ہے تو وہ تفصیل کے ساتھ "صحيح البخاري" میں آیا ہے:

[**378**] اعمش کہتے ہیں کہ میں نے ابو وائل سے پوچھا: تم صفین کی لڑائی میں شریک تھے؟ کہا کہ ہاں۔ لوگو! اپنے دین کے مقابلہ میں اپنی رائے[1] کو بے حقیقت سمجھو، میں نے اپنے آپ کو ابو جندل رضی اللہ عنہ[2]

← امام احمد نے اس کو (۱۵۹۷۵) میں، امام بخاری نے (۴۵۶۳) میں، امام طبری نے تفسیر (۲۰۱/۲۲) میں یعلیٰ بن عبید الطنافسی عن عبدالعزیز بن سیاہ کی سند سے روایت کیا ہے۔ یہ روایت مختصر ہے اور انہی الفاظ تک ہے: "کیا یہ فتح ہے؟ جواب دیا: جی ہاں، بالکل۔"

اسحاق بن راہویہ نے اس کو اپنی "مسند" میں بیان کیا ہے، جیسا کہ یہ إتحاف الخيرة المهرة (۷۴۵۳) اور المطالب العالية (٤٤٣٩) میں ہے: (أخبرنا يحيىٰ بن آدم، ثنا يزيد بن عبدالعزيز بن سياه، عن أبيه) کی سند سے اس کے آخر میں ایک اہم قصہ بھی مذکور ہے، [رقم: ۵۷۴] کے تحت اس کا ذکر ہوگا۔ مزید مسند میں اس کی تخریج دیکھیں۔

[1] مراد یہ ہے کہ مجھ پر تہمت نہ لگاؤ اور نہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اطاعت کرنے والوں پر تہمت لگاؤ، کہ انھوں نے صفین میں قتال سے کوتاہی کی۔ بلکہ اپنی رائے پر تہمت لگاؤ کہ تم قتل پر اصرار کر رہے ہو اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت نہیں کر رہے جو تمھیں جنگ روکنے کا حکم دیتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں: تحکیم کے ذریعے کتاب اللہ کی طرف رجوع کر لیا جائے۔ تم اپنے بھائیوں سے لڑتے ہو جو مسلمان ہیں اور اجتہاد کی بنا پر لڑ رہے ہو جس میں خطا کا احتمال ہوتا ہے، تو تم ڈر جاؤ تمھارا کتاب اللہ کی طرف لوٹنا تمھارے دین کی سلامتی کا باعث ہے۔

[2] اس سے مراد صلح حدیبیہ کا دن ہے۔

ابو جندل سیدنا عاص بن سہیل بن عمرو عامری قریشی ہیں، خیار صحابہ میں سے تھے اور یہ جب اسلام لائے تو ان کے والد نے ان کو لوہے کے ساتھ باندھ دیا، انھیں ہجرت سے روک دیا۔ جب صلح حدیبیہ کا دن آیا تو اپنی بیڑیوں کے ساتھ ہی بھاگ گئے۔ ان کے والد نبی ﷺ کے پاس صلح کا کتابت نامہ لائے اور کہا: یہ پہلا فیصلہ ہے، اے محمد! جو آپ نے کرنا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "یہ آپ مجھے ہبہ کر دیں" تو ان کے والد نے انکار کر دیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے انھیں ان کے والد کو واپس کر دیا۔ اس حال میں کہ وہ چلا رہے تھے اور کہتے تھے: اے مسلمانو! مجھے مشرکین کی طرف لوٹا دیا جائے گا، حالانکہ میں اسلام قبول کر کے آیا ہوں۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ مجھے کیا کیا تکلیفیں آئی ہیں؟ انھیں اللہ کے معاملے میں شدید قسم کا عذاب دیا گیا تھا۔ تو ان کے والد انھیں مکہ واپس لے گئے، ان کا واپس جانا مسلمانوں پر بڑا مشکل تھا، لیکن پھر وہ بھاگ گئے اور ابو بصیر کے ساتھ جا ملے اور پھر انھوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی اور ہمیشہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ غزوات کرتے رہے۔ پھر جہادِ شام کی طرف چلے گئے اور ۱۸ھ طاعونِ عمواس میں اردن میں شہید ہوئے۔ سير أعلام النبلاء (۱۹۲/۱) الطبقات الكبرىٰ (٤٠٥/٧)

کے واقعہ کے دن دیکھا کہ اگر میرے اندر رسول اللہ ﷺ کے حکم سے ہٹنے کی طاقت ہوتی تو میں اس دن آپ سے انحراف کرتا[1] اور ہم نے اپنی رسوائی والی کسی مہم پر اپنی تلواریں کاندھوں پر رکھیں تو ان تلواروں کی بدولت ہمیں ایک آسانی مل گئی جسے ہم پہچانتے تھے، مگر ہمارے اس مسئلے کے سوا۔[2] [3]

[**379**] سیدنا سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ جب جنگِ صفین[4] سے واپس آئے تو ہم ان کی خدمت میں حالات معلوم کرنے کے لیے حاضر ہوئے۔ انھوں نے کہا کہ اس جنگ کے بارے میں تم لوگ اپنی رائے اور فکر پر نازاں مت ہو، میں یومِ ابی جندل میں بھی موجود تھا۔ اگر میرے لیے رسول اللہ ﷺ کے حکم کو

---

[1] اس کے باوجود ہم نے صبر کیا، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے صلح میں بہتری سمجھی تھی۔ حاشية مسند أحمد للسندي (٩/١٤٨، ح: ٦٨٢٠)

[2] یعنی ہمارے اس معاملے کے علاوہ سے مراد فتنۂ صفین ہے جو مسلمانوں کے درمیان پیدا ہو گیا تھا، کیونکہ یہ ہم پر مشکل تھا۔ ہم نہیں جانتے تھے کہ کس بنا پر مسلمانوں کو قتل کیا جا رہا ہے تو ایسے معاملے میں تلوار کا رکھ دینا تلوار کو سونت لینے سے بہرحال زیادہ بہتر تھا۔

علامہ ابن بطال لکھتے ہیں: اس سے مراد فتنوں کے وہ معاملات ہیں جو مسلمانوں کے درمیان اسلام کی ابتدا میں پیدا ہوتے تھے تو ان میں تلواریں حقیقت واضح نہیں کرتی تھیں بلکہ مسلمانوں کے قتل کی مصیبت پڑ جاتی تھی تو ایسے معاملے میں تلوار کو رکھ دینا تلوار سونت لینے سے بہرحال بہتر ہے۔ شرح صحيح البخاري لابن بطال (٥/٣٦٤)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: سیدنا سہل رضی اللہ عنہ کی مراد یہ تھی کہ جب وہ لوگ کسی شدت میں مبتلا ہوتے جس میں انھیں قتل کرنا پڑتا جیسے مغازی کا معاملہ ہے یا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی فتوح کا معاملہ ہے تو وہ اپنی تلواریں اٹھاتے انھیں اپنے کندھوں پر رکھتے، یعنی وہ شدید جنگ سے کنایہ کر رہے تھے۔ جب وہ ایسا کرتے تو ان کی مدد ہو جاتی۔

مراد یہ ہے کہ آسانیاں پیدا ہو جاتیں، پھر صفین کی جنگ اس سے مستثنیٰ ہو گئی، کیونکہ اس میں نصرت نہیں آئی بلکہ دونوں طرف سے معارضہ بڑھتا چلا گیا، کیونکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی دلیل یہ تھی کہ اہلِ بغاوت سے قتال مشروع ہے، یہاں تک کہ وہ حق کی طرف لوٹ آئیں، جبکہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی دلیل یہ تھی کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو مظلوماً قتل کر دیا گیا ہے اور ان کے قاتلین کا بالکل سامنے عراقی لشکر میں موجود ہونا یہ ایک بہت بڑا شبہہ تھا۔ یہاں تک کہ قتال شدید ہو گیا اور دونوں طرف میں قتل بہت زیادہ ہو گیا، حتی کہ تحکیم کا معاملہ ہوا، پھر جو ہوا سو ہوا۔ فتح الباري (١٣/٢٨٨)

[3] صحيح البخاري (٣٠١٠) عبدان سے مراد: ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن عثمان بن جبلہ بن ابی رواد الازدی ہیں اور ابوحمزہ سے مراد: محمد بن میمون سکری ہیں۔

[4] یعنی جب وہ صفین کی جنگ سے واپس آئے، یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے قتال سے روکا تھا اور اللہ کی کتاب پر عمل کرنے کا حکم دیا تھا۔

ماننے سے انکار ممکن ہوتا تو میں اس دن ضرور حکم عدولی کرتا۔ اللہ اور اس کا رسول ﷺ خوب جانتے ہیں کہ جب ہم نے کسی مشکل کام کے لیے اپنی تلواروں کو اپنے کاندھوں پر رکھا تو صورتِ حال آسان ہوگئی اور ہم نے مشکل حل کر لی۔ لیکن اس جنگ[1] کا کچھ عجیب حال ہے اس میں ہم (فتنے کے) ایک کونے کو بند کرتے ہیں تو دوسرا کونا کھل جاتا ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ ہمیں کیا تدبیر کرنی چاہیے۔[2]

سیدنا سہل رضی اللہ عنہ کے قول: ''ہم نے تلواریں کندھوں پر نہیں رکھی تھیں'' سے مراد یہ ہے کہ جب سے ہم مسلمان ہوئے تھے، تو جب ہمیں کوئی شدت یا پریشانی پیدا ہوتی، تو ہم قتال کی طرف چلے جاتے، تلواریں اٹھاتے اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جنگ کرتے، اللہ تعالیٰ ہمارے لیے اس قتال میں کشادگی پیدا کر دیتے تھے۔ لیکن فتنۂ صفین میں جو جنگ ہوئی، عجیب ہی طرح کی تھی، بہت مشکل تھی، حیرت میں مبتلا کرنے والی تھی۔ اس سے جان چھڑانے کا کوئی راستہ نہیں تھا، ہم ایک جانب کو بند کرتے تو دوسری جانب کھل جاتی، ہم نہیں جانتے کہ کس بنیاد پر مسلمانوں کو قتل کیا جا رہا ہے تو ایسے معاملے میں تلوار رکھ دینا، اس کو سونت لینے سے زیادہ بہتر ہوتا ہے۔

سیدنا سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے: ''تم اپنی رائے کو تہمت دو، ...... ہم تلواریں اپنے کندھوں پر نہیں رکھتے تھے، ......'' اس سے صفین میں سیدنا سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کا قتال کے متعلق موقف واضح ہوتا ہے، وہ نیچے بیان ہو رہا ہے:

1. وہ لوگوں کو قتال چھوڑ دینے کی طرف بلا رہے تھے۔ نیز قتال چھوڑ دینے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت بھی تھی۔
2. آپ صفین میں قتال کو پسند نہیں کرتے تھے اور اس سے بیزار تھے، ان کی رائے یہ تھی کہ صلح قتال سے بہتر ہے۔ ان کی بیزاری کی دلیل ان کا یہ قول ہے کہ سوائے اس معاملے کے ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ آسانیاں پیدا کر دیتا تھا، ہم یہاں تو ایک کونے کو بند کرتے تو دوسرا کونا کھل جاتا، ہم نہیں جانتے تھے کہ اس سے کیسے نپٹا جائے۔

---

[1] یعنی صفین سے قبل ہماری تمام جنگیں ہمیں ایک واضح راستے پر لے جاتی تھیں جس میں ہمارے لیے خیر ہوتی تھی، لیکن جنگِ صفین ایسی نہیں تھی بلکہ اس جنگ نے ہمیں ایک غیر واضح راستے کی طرف لے جا کر چھوڑ دیا تھا، اب ہم خیر کی طرف نہیں گئے۔

[2] صحيح البخاري (۳۹۵۳)، حسن بن اسحاق سے مراد: ابن زیاد اللیثی ہیں، جو ابوعلی مروزی ہیں اور شاعر ہیں۔ ابوحصین سے مراد: عثمان بن عاصم بن حصین اسدی ہیں۔

3. ان کی رائے میں صفین کا قتال فتنہ تھا، اسی لیے انھوں نے اس کی صفت یہ بیان کی کہ اس کی ایک جانب بند کی جاتی تو دوسری جانب کھل جاتی یہاں تک کہ یہ بھی معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ اس سے جان چھڑانے کا طریقہ کیا ہے؟

4. ان کی رائے یہ تھی کہ صفین کے دن قتال نے لوگوں کو ایک غیر واضح راستے پر ڈال دیا ہے، یہ قتال لوگوں پر خیر نہیں لائے گا، کیونکہ اس میں بہت لوگ قتل ہو گئے اور اختلاف بڑھتا چلا گیا۔

5. وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ صفین کا قتال رائے اور اجتہاد کی بنا پر ہو رہا ہے اور یہ دونوں فریقوں کا اجتہاد ہے، اسی لیے انھوں نے مصریوں سے کہا کہ اپنی رائے کو تہمت دو۔ انھوں نے صفین کے دن اہلِ شام کے ساتھ قتال کو ایک رائے اور اجتہاد سمجھا نہ کہ جنابِ رسول اللہ ﷺ کی وصیت۔

اور صعصعہ بن صوحان کا قصہ اور ان کا اہلِ حرروراء کو قسم دینا تو یہ یعقوب بن شیبہ سے مروی ہے:

[380] مجھے خلف بن سالم نے بیان کیا، کہا: ہمیں وہب بن جریر نے اپنے باپ سے بیان کیا، انھوں نے کہا: جب خوارج نے ابن الکواء کے ساتھ خروج کیا، یہ بنو یشکر کا ایک بندہ تھا، یہاں سے خروج کر کے وہ حروراء چلے گئے اور علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور صعصعہ بن صوحان[1] کو بھیجا۔ صعصعہ نے ان سے کہا کہ فیصلہ تو اگلے سال ہے، سوتم اسی حالت میں رہو[2] اور تم انتظار کرلو، یہاں تک کہ تمھیں پتا چل جائے کہ فیصلہ کیا ہوتا ہے۔[3] کہنے لگے: ہم ڈرتے ہیں کہ ابوموسیٰ کوئی ایسا کام کریں گے جو کفر ہو گا۔ تو صعصعہ نے کہا: تم اس سال تو کفر نہ کرو۔[4]

---

[1] یہ کلام مجمل ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ابتداء میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کو خوارج کی طرف حروراء میں بھیجا تھا جو انھیں اطاعت کی طرف بلا رہے تھے لیکن خوارج نے ان کی بات قبول نہیں کی تھی۔ پھر انھیں (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ان کی طرف دوسری دفعہ مناظرے کے لیے بھیجا تو خوارج میں سے دو ہزار لوگ تائب ہوئے۔ پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ خود خوارج کے پاس حروراء گئے اور ان کے ساتھ صعصعہ اور ابن الکواء بھی تھے، پھر انھوں نے ان سے بات چیت کی، تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور خوارج کے درمیان رضامندی ہو گئی اور خوارج ایک کمزور فہم کے ساتھ کوفہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ آ گئے۔

[2] یعنی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہو۔

[3] فیصلے سے مراد تحکیم کا وقت ہے۔

[4] تم کفر نہ کرو: روایت میں اسی طرح آیا ہے لیکن اس کا درست لفظ یہ ہے کہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ۔ کیونکہ اس کے دو سبب ہیں:
اوّل: پچھلی روایت میں آیا ہے کہ اس سال کی ضلالت میں جلدی نہ کرو۔ ←

اگلے سال کے کفر سے ڈرتے ہوئے۔ جب صعصعہ وہاں سے کھڑے ہو گئے تو ابن الکواء کہنے لگا: اے قوم والو! کیا تم نہیں جانتے کہ میں نے تم کو اس معاملے کی طرف بلایا تھا؟ انھوں نے کہا: کیوں نہیں، تو اس نے کہا: یہ بندہ[1] شفیق اور ناصح ہے، سو اس کی اطاعت کرو۔ پھر ان کے ساتھ بہت سے لوگ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس واپس آ گئے۔ اور بہت سے لوگ واپس آ کر کوفہ داخل ہو گئے اور اسلحہ اور گھوڑے خریدنے لگے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اس بارے میں بتایا گیا تو آپ نے کہا: انھیں ایسا کرنے دو۔ پھر وہ یہاں سے خروج کر کے نہروان چلے گئے۔[2]

ابن کواء کہنے لگے: ''اے قوم! کیا تم نہیں جانتے کہ میں نے تم کو اس معاملے کی طرف بلایا ہے؟ انھوں نے کہا: کیوں نہیں، تو کہنے لگے: یہ شخص شفیق ہے، ناصح ہے، اس کی اطاعت کرو۔'' ابن الکواء کے بارے صحیح ثابت ہے کہ وہ خوارج کے قول سے تائب ہو گیا تھا جب سے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خوارج سے مناظرہ کیا تھا، اس میں ہے: ''ان میں سے چار ہزار لوگ لوٹ آئے، ان میں ابن الکواء بھی تھے۔''[3]

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مناظرہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی قسم دینے اور صعصعہ کی قسم دینے سے پہلے کا واقعہ تھا۔ تو یعقوب بن شیبہ کی خبر کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ ابن الکواء نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور صعصعہ کے قسم دینے کا مشاہدہ کیا تھا۔ وہ مستقیم آدمی تھا، پھر وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور صعصعہ کے ساتھ چلا گیا۔ اسی لیے انھوں نے

← دوسرا: یہ ہے کہ خوارج سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی تحکیم پر رضا کو کفر سمجھتے تھے، نہ کہ ان کو چھوڑنا۔ سیدنا صعصعہ رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھا کہ ان کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑنا گمراہی ہے اور ساتھ ساتھ الزامی طور پر انھیں یہ بتا رہے تھے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر اگلے سال گمراہی کی طرف جلدی نہ کرو اور اگلے سال کے کفر کے خوف سے جو ابھی آیا بھی نہیں ہے، وہ آئے یا نہ آئے۔ تو ثابت ہوا کہ یہ عبارت (تم کفر نہ کرو) درست نہیں ہے، بلکہ درست وہی ہے جس کا ہم نے ذکر کر دیا ہے۔

[1] یعنی جنابِ صعصعہ رضی اللہ عنہ۔

[2] تاریخ دمشق (۲۹۲/۴۹) روایت کا وہ حصہ جو ہم نے ذکر کیا ہے یہ شواہد کی بنا پہ صحیح ہے، سوائے ان الفاظ کے ''تو تم کفر نہ کرو''، یہاں درست الفاظ یہ ہیں: ''تو تم گمراہ نہ ہو جاؤ'' -سابقہ حاشیہ دیکھیں-، اس کی سند انقطاع کے سبب ضعیف ہے، وہب بن جریر سے مراد: ابن حازم الازدی ہے۔

مزید دیکھیے: موارد ابن عساکر في تاریخ دمشق (۵۹۲/۱)

شواہد: روایت کا یہ حصہ سابقہ روایت میں بھی مذکور ہے۔

تخریج: ابن حجر رحمہ اللہ نے اس روایت کو لسان المیزان (۳۲۹/۳) میں اسی سند کے ساتھ یعقوب بن شیبہ سے روایت کیا ہے۔

[3] [رقم: ۴۷۹] روایت دیکھیں۔

خوارج سے کہا: میں اس سے پہلے تمھارے سرداروں میں سے تھا، تب میں تمھیں سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر خروج کی طرف بلا رہا تھا لیکن اب میں نے حق دیکھ لیا ہے اور تمھیں سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور صعصہ کی اطاعت کی طرف بلا رہا ہوں، کیونکہ وہ تمھارے لیے شفیق اور ناصح ہیں۔

یہ قول: ''بہت سے لوگوں نے ان کی اتباع کی اور بہت سے لوگ آ کر کوفہ داخل ہو گئے'' اس پر دلالت کرتا ہے کہ اکثر خوارج سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے قسم دینے کے بعد لوٹ آئے تھے، سب لوٹ کر نہیں آئے تھے۔

اسی طرح روایت کے الفاظ ہیں: ''وہ اسلحہ اور گھوڑے خریدنے لگے۔'' تو ان کا گھوڑے اور اسلحہ خریدنا یہ کوفہ داخل ہونے کے فوری بعد کا قصہ نہیں ہے بلکہ کئی ماہ بعد ایسا ہوا، اندازاً خوارج کے ۳۷ھ شوال میں عبداللہ بن وہب راسبی کی بیعت کرنے کے بعد۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔[1]

اسی طرح روایت کے الفاظ ہیں: ''سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ان کی تیاریوں کی خبر دی گئی، تو آپ نے کہا: ان کو چھوڑ دو۔'' مراد یہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بتایا گیا کہ خوارج قتال کی طرح تیاری کر رہے ہیں، اسلحہ خرید رہے ہیں، گھوڑے خرید رہے ہیں تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ اور نہ ہی ان کا پیچھا کیا، اور نہ ہی انھیں خریداری سے منع کیا، بلکہ آپ نے انھیں نہروان جانے سے بھی منع نہیں کیا، کیونکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان کو عہد دے چکے تھے۔ جب تک وہ حرام خون نہیں بہائیں گے، وہ ان سے قتال میں ابتدا نہیں کریں گے[1] اور ابھی تک انھوں نے خون نہیں بہایا تھا۔

[**381**] عبداللہ بن زریر الغافقی، جنھوں نے علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ صفین میں شرکت کی تھی، روایت کرتے ہیں: اس دن میں نے دیکھا کہ ہم اہلِ شام کے ساتھ لڑ رہے ہیں اور ہماری لڑائی جاری ہے کہ مجھے یوں محسوس ہوا کہ اب تو کوئی بھی باقی نہیں رہے گا، پھر میں نے ایک چیخ سنی، ایک بندہ چیخ رہا تھا: کہتا تھا: اے مسلمانو! اللہ سے ڈرو، عورتوں کا کیا بنے گا؟ بچوں کا کیا بنے گا؟ رومیوں، ترکوں اور اہلِ دیلم[2] کا

---

[1] پانچویں فصل کی پہلی بحث سے دسواں پوائنٹ ملاحظہ کیجیے۔

[1] اس سے پہلے [رقم: ۴۸۹] کی تعلیق دیکھو۔

[2] دیلم: ایک عجمی قوم ہے جو دیلم کے پہاڑوں پر رہتی تھی اور یہ پہاڑ آج کل ایران کے شمال میں واقع ہیں، جیلان کی طرف ان کی حدود شمال سے بحرِ قزوین اور آذربائیجان تک ہیں۔
تفصیل کے لیے دیکھیں: المسالك والممالك للاصطخري (ص: ٢٠٤) المعجم الوسيط (٢٩٤/١) المعالم الأثيرة في السنة والسيرة (ص: ١١٧)

مقابلہ کون کرے گا؟ اللہ کا واسطہ ہے! اپنی بقاء کے لیے خود کو سلامت رکھو۔ میں نے اپنے پیچھے حرکت دیکھی تو دیکھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ جھنڈا لے کر بھاگ رہے ہیں۔ یہاں تک کہ انھوں نے اس کو کھڑا کر دیا، پھر وہ اپنے بیٹے محمد سے ملے۔ میں نے ان کو کہتے ہوئے سنا: اے بیٹے! اپنے جھنڈے کو لازم پکڑو، میں قوم میں آگے جا رہا ہوں، پھر میں نے ان کی طرف دیکھا کہ وہ تلوار کے ساتھ لڑ رہے ہیں یہاں تک کہ معاملہ کھل گیا۔ پھر وہ ان کی طرف واپس لوٹ آئے۔[1]

[**382**] طفیل بن ادہم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی جانب کھڑا ہوا، ابو شریح جذامی میمنہ کی طرف کھڑا ہوا اور ورقاء بن معمر میسرہ کی طرف کھڑا ہوا، پھر یہ آواز دینے لگے: اے عرب! اپنی عورتوں کے معاملے میں اور اپنی بچیوں کے معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ۔ رومیوں کا کیا بنے گا؟ رومیوں کے ساتھ کون لڑے گا؟ ترکوں کے ساتھ کون لڑے گا؟ اہلِ فارس کے ساتھ کون لڑے گا اگر تم ہی فنا ہو گئے؟ اپنے دین کے معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، یہ کتاب اللہ ہے جو ہمارے اور تمھارے درمیان فیصلہ کرے گی۔[2]

[**383**] حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ اہلِ شام جب اپنی جگہوں سے ہل گئے اور نصرت جیشِ عراق کو ملنے لگی تو اہلِ شام کہنے لگے: یہ کتاب اللہ ہمارے اور تمھارے درمیان ہے، لوگ فنا ہو رہے ہیں، سرحدوں کا کیا بنے گا؟ جہاد کون کرے گا؟ مشرکین اور کفار سے جہاد کے لیے کون بچے گا؟[3]

① جنگ روکنے کے حالات کا بیان

سابقہ تین روایات (احمد بن خازم، نصر بن مزاحم اور ابن کثیر کی روایت) یہ جنگِ صفین کے آخری اوقات کا ذکر کرتی ہیں جب تحکیم کی طرف لوگوں کو بلایا گیا۔ نصر کی روایت یہ بتاتی ہے کہ اہلِ شام مختلف کونوں سے اہلِ عراق کو قسمیں دینے لگے کہ قتال روک دو اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کر دو جبکہ شامیوں نے یہ قسمیں مختلف کونوں سے دی تھی، یعنی قلب سے، میمنہ سے اور میسرہ سے، تا کہ ہر کسی تک بات پہنچ جائے اور بات کی تاکید ہو جائے۔

---

[1] الطبقات الکبری (۵/۹۳-۹٤) شواہد کی بنا پہ روایت حسن ہے، [رقم: ۳۳۱] پہ مکمل تخریج اور رواۃ کے تعارف کے ساتھ گزر چکی ہے۔

[2] وقعة صفين (ص: ٤٧٨) شواہد کی بنا پہ روایت حسن ہے، [رقم: ۳۳۲] پہ مکمل تخریج اور رواۃ کے تعارف کے ساتھ گزر چکی ہے۔

[3] البداية والنهاية (۳۰۲/۷) روایت کا مذکورہ حصہ شواہد کی بنا پہ حسن ہے، [رقم: ۳۳۳] پہ گزر چکی ہے۔

تبلیغ: مختلف کونوں سے قسم کی آواز بلند کرنا، اس سے آوازِ لشکرِ عراق کے تمام لوگوں تک پہنچ جاتی تھی ان میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

تاکید: کیونکہ وہ مسلسل قسمیں دے کر اور اس کا ابلاغ کر کے یہ تاکید کر رہے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ذریعے صلح میں رغبت رکھتے ہیں اور قتال میں رغبت نہیں رکھتے۔ گویا وہ کہہ رہے ہوں کہ ہم آپ سے لڑنا نہیں چاہتے، ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ ہم اور آپ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کر لیں اور وہ تیز آوازوں سے چلا رہے تھے، ایک ہی وقت میں مختلف جگہوں سے اور تکرار سے رُک نہیں رہے تھے۔

ان قسموں نے، جو ایک بلند آواز سے دی جا رہی تھیں، دونوں گروہوں اور دونوں لشکروں کے دلوں میں چھپی ہوئی خواہشات کو جگا دیا،[1] وہ خواہشات بہت زیادہ بڑھ رہی تھیں، کیونکہ جنگ بہت ہولناک ہو چکی تھی، لوگ تھک چکے تھے، شدید خون بہہ چکا تھا لیکن یہ خواہشات پوری نہیں ہو رہی تھیں، خصوصاً جنگ کے درمیان لیکن جب ایک آواز سنی جو اصلاح کی آواز تھی جس نے جنگی میدان کا ایک انچ بھی خالی نہیں چھوڑا تھا مگر بجلی کی آواز کی طرح پہنچ رہی تھی، اور وہ خواہش تھی قتال کے رک جانے کی تو لوگوں کی امید لوٹ آئی، تا کہ ایک اصلی حل نکالا جا سکے جس میں مومنوں کا اختلاف نہ ہو اور وہ کیا تھا؟: ''جھگڑے چکانے کے لیے اللہ تعالیٰ کی کتاب کی طرف رجوع کرنا۔''

یہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر سے عینی شاہد ہے جس کا نام عبداللہ بن زریر غافقی ہے۔ یہ ثقہ ہے اور تشیع سے متہم ہے،[2] وہ بیان کرتا ہے کہ اس کے دل میں کس طرح خواہش چھپی ہوئی تھی یہ کس طرح امید جاگی، حالاں کہ وہ سمجھ رہا تھا کہ لامحالہ اسے مرنا ہی پڑے گا، وہ کہتا ہے کہ میں نے خود اس دن دیکھا کہ ہم اور اہلِ شام لڑ رہے ہیں، ایسی لڑائی ہے کہ میں نے گمان کیا ہے کہ کوئی بھی باقی نہیں بچے گا، پھر میں نے ایک چیخنے والے کی چیخ سنی کہ مسلمانو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو، عورتوں کا کیا بنے گا؟ بچوں کا کیا ہو گا؟ رومیوں کے ساتھ، ترکوں کے ساتھ، ظالم کے ساتھ قتال کون کرے گا؟ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنی بقا کی سلامتی کی حفاظت کرو، جب عبداللہ بن زریر نے یہ چیخ سنی تو یہ امید دوبارہ سے جاگ اٹھی۔

---

[1] [رقم: ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۳۵] روایات اور ان کے بعد کی تعلیقات دیکھیں۔ دونوں لشکر ایک دوسرے کے منتظر تھے، تھکاوٹ کے سبب کوئی بھی لڑائی میں پہل نہیں کر رہا تھا۔

[2] تقریب التہذیب (۳۳۲۲)

ان بلند آوازوں میں لوگوں کو یہ یاد دلوایا جا رہا تھا کہ اگر ہم مسلسل لڑتے ہی رہے تو پھر ہمارے انجام کیا ہوں گے، اصلاح کے داعی چلا رہے تھے، مسلمانو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو، عورتوں کا کیا بنے گا؟ بچوں کا کیا بنے گا؟ رومیوں کے ساتھ، ترکوں کے ساتھ، اہلِ دیلم کے ساتھ جہاد کون کرے گا؟ اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اپنی بقا کی حفاظت کرو، اے عربو! اپنی عورتوں کے بارے میں ڈرو، اپنی بچیوں کے بارے میں ڈرو، اگر تم ہی فنا ہو گئے تو رومیوں سے، ترکوں سے، اہلِ فارس سے کل کون لڑے گا؟ اپنے دین کے معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، یہ کتاب اللہ ہے جو ہمارے اور تمھارے درمیان فیصلہ کرے گی۔ یہ کتاب اللہ ہمارے اور تمھارے درمیان ہے، لوگ فنا ہو رہے ہیں، سرحدوں کا کیا بنے گا؟ مشرکین اور کفار سے جہاد کون کرے گا؟

تو ان آوازوں سے مجموعی طور پر جمہور عراقی لشکر کی قتال سے رغبت کم ہوئی۔ بلاشبہ ان آوازوں کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھی سنا تھا، جو لوگوں کو اس ہولناک انجام کی یاد دلا رہی تھیں۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ اسلام کی سرحدوں پر ان سے زیادہ حریص تھے، ان سے زیادہ مسلمانوں کے بچوں اور عورتوں پر رحیم تھے، سو آپ رضی اللہ عنہ نے مصلح کی آواز کے ساتھ نرمی کا معاملہ کیا، یہ ایک اضافی عمل ثابت ہوا جس کی وجہ سے امیر المومنین نے بہت تیزی سے صلح قبول کر کے جنگ روک دی۔ پھر آپ نے اس صلح کا نام اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح رکھا، جیسے صلح حدیبیہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح تھی، کیونکہ صلح حدیبیہ کے بعد مسلمانوں میں خیر کا حصول ہوا تھا۔ اس سے صلح مکمل کرنے اور تیزی سے اس کے نفاذ میں اصلاحی آوازوں کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔

نصر اور ابن کثیر کی روایات بتاتی ہیں کہ ان آوازوں کے ساتھ ہی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف مصحف ارسال کیا گیا تھا، لیکن دوسری تینوں روایات[1] سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ شام پہلے آوازیں دے رہے تھے، پھر ان کی آوازیں مسلسل ہوتی گئیں، یہاں تک کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا پیغامبر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس مصحف لے کر پہنچ گیا اور انھیں تحکیم کی دعوت دی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان آوازوں کے وقت اور مصحف بھیجے جانے کے وقت لڑائی کر رہے تھے اور اپنے جھنڈے کے ساتھ خود معرکے کے اندر موجود تھے۔ پیغام سن کر آپ تیزی سے معرکے سے لوٹے، تاکہ دیکھ سکیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے قاصد کیا لے کر آئے ہیں، اور ان آوازوں کا راز ظاہر ہو جائے، اس دن ان آوازوں نے ارضِ صفین کو ہلا دیا تھا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے قاصد کی بات قبول کی اور لڑائی روکنے کا حکم دے دیا۔

---

[1] احمد بن خازم، نصر بن مزاحم اور ابن کثیر کی روایات۔

آوازیں ظاہر ہونے اور جنگ رُکنے کے درمیان زمنی مدت بہت کم ہے، شاید ہمارے وقت کے اعتبار سے بیس منٹ ہوں گے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ اس سے بھی زیادہ جلدی جنگ رُک جاتی، لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس وقت ارضِ معرکہ میں موجود تھے اور لڑ رہے تھے۔ جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے قاصد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملنا چاہا تو اسے لازم تھا کہ وہ انتظار کرتا، یہاں تک کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا دربان اپنے گھوڑے پر ارضِ معرکہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس گیا، پھر اس نے قاصد کا معاملہ بتایا، پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنے خیمے کی طرف لوٹے اور قاصد سے ملے۔ آپ بہت جلدی سے قاصد سے ملنے گئے تھے، تا کہ ان شامی آوازوں کا راز ظاہر ہو سکے۔ جن کے ساتھ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے بھی نرمی کا معاملہ کیا تھا اور یہ مکمل مدت ہے جو ہم نے ذکر کر دی ہے۔

جنگ بندی کا آئیڈیا سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی طرف سے آیا تھا، اس وقت عسکری پلڑا عراقی لشکر کا بھاری تھا اور لشکرِ شام کے پاؤں اُکھڑ چکے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے ایک پہاڑ کے پیچھے پناہ لی تھی، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے صورتِ حال کا جائزہ پہلے سے لے رکھا تھا، اسی لیے لڑائی کے لیے پہاڑ کا انتخاب کیا تھا اور لڑائی کی زمین کا انتخاب خود ہی کیا تھا، جیسا کہ ''پانی پر قتال'' کے حادثے میں ہم ذکر کر چکے ہیں۔[1]

عبداللہ بن زریر غافقی ان اصلاح کی آوازوں کو سننے کے بعد فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے پیچھے سے حرکت سنی اور میں نے جب دیکھا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ تھے جو اپنے جھنڈے کے ساتھ دوڑ رہے تھے یہاں تک کہ اسے گاڑھ دیا، ان کے ساتھ ان کا بیٹا محمد بھی ملا اور اس کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اے بیٹے! اپنے جھنڈے کو لازم پکڑو۔ میں آگے قوم کی طرف جا رہا ہوں، اب میں ان کی طرف دیکھ رہا تھا کہ وہ تلوار کے ساتھ لڑتے تھے یہاں تک کہ ان کے لیے راستہ کھل جاتا تھا، پھر وہ ان میں لوٹ آئے۔ ابن زریر نے امیر المومنین کو دیکھا کہ وہ اپنے جھنڈے کو لیے آگے بڑھ رہے ہیں اور پھر اسے لیے ہوئے وہاں تیزی سے آگے بڑھ رہے ہیں جہاں شامی لشکر عراقی لشکر کا مقابلہ نہیں کر پا رہا یہاں تک کہ آپ نے اس جھنڈے کو ایک انتہائی قریب، آگے والے مقام میں گاڑھ دیا جو پہاڑ کے نزدیک تھا اور اس پہاڑ کے پیچھے شامی لشکر نے پناہ لی تھی، شامی لشکر پہاڑ کے اوپر اور اس کے اردگرد تھا۔

---

[1] [رقم: ۲۹۴] اور اس کے مابعد دیکھیں۔

تو امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے آگے تک جانے کا ارادہ کیا، تاکہ آپ اس پہاڑ پر اس کے ارد گرد پر حملہ کر سکیں، پھر آپ نے اپنا جھنڈا اپنے بیٹے محمد کو دے دیا اور اس سے کہا: اے بیٹا! اپنا جھنڈا لازم پکڑنا اور میں آگے قوم کی طرف جا رہا ہوں۔ ابن زریر کہتے ہیں: میں ان کی طرف دیکھ رہا ہوں کہ وہ تلوار کے ساتھ لڑتے چلے جا رہے ہیں یہاں تک کہ ان کے لیے راستہ کھل گیا، مراد یہ ہے کہ پھر سیدنا امیر المومنین رضی اللہ عنہ آگے بڑھے، اپنے بیٹے محمد کو جھنڈا پکڑانے کے بعد اپنی تلوار کے ساتھ لڑتے رہے، یہاں تک کہ شام کی صفیں کٹ گئیں۔

ابن زریر کہتے ہیں: پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان میں لوٹے یعنی شام کی صفیں کاٹنے اور توڑنے کے بعد اپنے جھنڈے کے مکان کی طرف واپس آئے، پھر دوبارہ سے شامی لشکر اور ان کی صفوں کو چیر پھاڑ دیا، شامی لشکر عراقی لشکر کی اس بھیڑ کے مقابلے میں واپس پلٹتا چلا جا رہا تھا۔

اس وقت نصرت جیشِ عراق کو مل رہی تھی اور جیشِ عراق کا قلب آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا اور وہ پہاڑ کے ارد گرد رُک رہے تھے، یعنی جیشِ شام ہلاکت کے قریب تھا اور جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کا قلب اس حد تک آگے چلا گیا اور دوسرے جھنڈے بھی بہت تیزی سے آگے آنے لگے اور بہت جلد اہلِ شام کی شکست ہونے لگی تو اس سے ایک بہت زیادہ قتلِ عام کا خطرہ بڑھ گیا۔ اب یہ صورتحال پیدا ہونے لگی جو والیِ کوفہ ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ میں بیان کی تھی کہ ہم اس کو فتح شمار نہیں کرتے کہ مسلمانوں کے دو بڑے لشکر لڑیں، یہ ان کو قتل کر دیں اور وہ ان کو قتل کر دیں۔ یہاں تک کہ کچھ بھی باقی نہ بچے سوائے ان لوگوں کے ایک گروہ کے جس میں خیر نہ ہو، دونوں گروہوں میں سے ایک دوسرے پر غالب آ جائے۔[1]

یہ قتلِ عام جیسے لشکرِ شام میں بالفعل شروع ہو چکا تھا اور وہ بہت شدت سے قتل ہوتے جا رہے تھے تو ان گھڑیوں میں سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی عبقریت نے کام کیا اور عین حالتِ جنگ میں جو کسی بھی طرح ختم ہونے والی نہیں تھی اور اپنے پنجے مضبوط کر رہی تھی، لیکن سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ چونکہ ایک عسکری قائد تھے اور جنگ کے اصولوں سے واقف تھے اور عرب کے زیرک اور عقلمند لوگوں میں سے تھے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور تقویٰ کو جانتے تھے۔ اسی لیے انھوں نے قسم کھا کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس بات کا یقین دلایا کہ علی رضی اللہ عنہ اللہ عزوجل کے حکم کو ردّ نہیں کریں گے۔

---

[1] دیکھو: [رقم: ۱۹۲]

انھوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اشارہ دیا کہ وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو کتاب اللہ کے حکم کی طرف اور جنگ روکنے کی طرف بلائیں تو انھوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا: علی رضی اللہ عنہ کی طرف مصحف بھیجو۔ اللہ کی قسم! وہ آپ پر اس کو نہیں لوٹائیں گے۔ تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنا قاصد مصحف دے کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بعض ساتھیوں کو حکم دیا کہ عراقی لشکر میں مختلف کونوں سے آوازیں لگانی شروع کر دو: اے لوگو! جنگ روک دو، اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کو حکم بنا لو۔ اور انھیں جنگ جاری رہنے کی صورت میں ہونے والے ہولناک انجام کی یاد دلاؤ۔ اس کی تفصیل تھوڑا سا پیچھے گزر چکی ہے۔

پھر یہ آوازیں مسلسل بلند ہونے لگیں جب یہ قاصد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس جا رہا تھا، یہاں تک کہ وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گیا، سیدنا علی رضی اللہ عنہ تیزی سے واپس آئے، تاکہ اس قاصد کا معاملہ کھل سکے اور ان آوازوں کا راز کھل سکے تو انھوں نے دیکھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا قاصد موجود ہے اور اس نے مصحف اٹھا رکھا ہے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو قسم دے رہا ہے۔

کہتا ہے کہ ہمارے اور تمھارے درمیان اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے:

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴾ [آل عمران: ۲۳]

''کیا آپ دیکھتے نہیں ان لوگوں کی طرف جنھیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا، انھیں اللہ کی کتاب کی طرف بلایا جاتا ہے، تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے، پھر ان میں سے ایک فریق اعراض کرتے ہوئے لوٹ جاتا ہے۔''

اس وقت سیدنا امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فوراً صلح قبول کی اور کتاب اللہ کی تحکیم بغیر کسی تردّد اور تاخیر کے قبول کی، حالانکہ اس وقت سیدنا علی رضی اللہ عنہ نصرت پا رہے تھے۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں ہمارے اور تمھارے درمیان کتاب اللہ ہے اور میں اس کا زیادہ حقدار ہوں، یعنی میں چونکہ خلیفہ ہوں اور تم میری رعایا ہو تو میں اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مطابق حکم کا زیادہ حقدار ہوں، کیونکہ یہ تو خلیفہ کا عمل ہے اور مجھے یقین ہے کہ حق تو میرے ساتھ ہے۔

اس کے بعد امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فوراً جنگ روکنے کا حکم دے دیا، پھر وہ خواہش جو لشکرِ عراق کے دلوں میں انگڑائی لے رہی تھی، لیکن ان کے دل اس سے نا امید ہو چکے تھے، دوبارہ جاگ گئی اور وہ مسلسل

قتل سے گھبرا گئے اور اس لڑائی سے تھک گئے جو دن رات میں ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی اور وہ خلیفہ کے حکم پر عمل پیرا ہو گئے اور قتال فوراً رُک گیا۔

قتال رُکنے کے بعد خوارج آئے، اس وقت ان کو قراء کہا جاتا تھا وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، ان کے کندھوں پر تلواریں موجود تھیں اور جنگ رکنے پر اعتراض کر رہے تھے، کہنے لگے: امیر المومنین! ہم اتنا عرصہ اہلِ شام سے مسلسل کیوں نہ لڑتے رہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان پر مدد دے دے، گویا ان کا خیال تھا کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ قتال میں کوتاہی کر رہے ہیں، یا اپنی صلح اختیار کرنے میں خطا پر ہیں تو سیدنا سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انھوں نے کہا: لوگو! امیر المومنین پر تہمت نہ لگاؤ اور نہ ہی ان پر لگاؤ جنھوں نے ان کی بات کو قبول کیا ہے، ان کو آپ کوتاہی کرنے والے یا خطا کرنے والے نہ کہو بلکہ اپنی جانوں پر اتہام کرو کہ انھوں نے خطا کی ہے۔

تم خلیفہ کے امر کی مخالفت کرنے اور ان کی عدمِ اطاعت میں کوتاہی پر ہو، تم اپنے مسلمان بھائیوں سے ایک اجتہاد کی بنیاد پر لڑ رہے ہو اور اجتہاد میں ثواب اور خطا کا احتمال موجود ہوتا ہے، لہٰذا تم بچ جاؤ۔

پھر سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے ایک قصے کے ساتھ ان کو وعظ کیا جو اس مقام کے مناسب تھا، تا کہ وہ اپنے فعل سے رُک جائیں، انھوں نے قصۂ حدیبیہ کا ذکر کیا اور کہا: ہم حدیبیہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، ہم سمجھتے تھے کہ ہماری عزت قوت کے ساتھ مکہ میں داخل ہونے میں ہے، جب قریش نے ہمیں مسجدِ حرام سے روک دیا تھا لیکن ہمیں فوراً معلوم ہو گیا کہ صلح حدیبیہ گو کہ اس کا ظاہری معاملہ مشرکین کا غلبہ تھا لیکن اس کا انجام کار اسلام پر اور مسلمانوں پر عزت، نصرت اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح تھا، تو اے لوگو! تم بھی خلیفہ کی اطاعت کرو اور قتال سے رُک جاؤ۔ جب لوگوں نے صلح حدیبیہ کا قصہ سنا اور یہ جانا کہ کس طرح مسلمان صلح حدیبیہ کے بعد منصور ہو گئے تھے اور کیسے اللہ تعالیٰ نے صلح حدیبیہ کو رسول اور مسلمانوں کی فتح قرار دیا ہے اور صلح حدیبیہ کے متعلق قرآن نازل کیا ہے:

﴿ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ﴾ [الفتح: ۱]

''ہم نے آپ کو بہت واضح فتح دی ہے۔''

اس وقت سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: اے لوگو! یقیناً یہ فتح ہے،[1] یعنی اے قراء! تحکیم کے ساتھ صلح اور

[1] مراد یہ ہے کہ کتاب اللہ کے ساتھ تحکیم اور اس پر صلح کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فتح قرار دیا ہے۔

جنگ کا رُک جانا، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کی فتح ہے جیسا کہ صلح حدیبیہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں اور رسول کی فتح تھی، تو اس تحکیم کو قبول کرلو اور میری اطاعت کرو۔

یہ عبارت جو امیر المومنین نے کہی ہے کہ یہ فتح ہے، اس کی مراد سمجھنا اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک آپ صلح حدیبیہ کے قصے کی طرف رجوع نہ کریں جس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے اور یہ ایک طویل قصہ ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ مدینہ سے مکہ کی جانب عمرے کی ادائیگی کے لیے نکلے تو قریش نے انھیں مکہ میں داخل ہونے سے منع کر دیا، پھر نبی کریم ﷺ اور قریش کے درمیان صلح ہوگئی اور صلح کی تحریر لکھ دی گئی۔ نبی کریم ﷺ نے لکھنا چاہا: ''یہ وہ صلح ہے جس پر محمد رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ کیا ہے۔'' تو سہیل بن عمرو[1] نے اس کا انکار کر دیا، اور کہا: اللہ کی قسم! اگر ہم یہ جانتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ کو بیت اللہ سے کیوں روکتے اور نہ ہی آپ سے قتال کرتے۔ آپ لکھو: محمد بن عبداللہ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں اللہ کا رسول ہوں، اگرچہ تم میری تکذیب کرتے ہو۔'' اور پھر نبی ﷺ نے محمد بن عبداللہ لکھ دیا۔ پھر صلح کی شرائط لکھی گئیں جن میں سے ہم کچھ ذکر کرتے ہیں:

- یہ کہ نبی کریم ﷺ بغیر عمرہ کے مدینہ چلے جائیں گے، پھر اگلے سال آئیں گے تو آپ اور آپ کے ساتھی عمرہ کریں گے۔
- جب کوئی صحابی مرتد ہو جائے گا اور قریش کے ساتھ جا ملے گا تو وہ پھر نبی کریم ﷺ کی طرف واپس نہیں آئے گا۔
- لیکن جب قریش میں سے کوئی بندہ مسلمان ہوگا اور نبی کریم ﷺ سے ملے گا تو آپ ﷺ اسے لٹا دیں گے اور قریش کو واپس کر دیں گے۔

وہ یہ معاہدہ لکھ رہے تھے کہ ابو جندل بن سہیل بن عمرو نے اپنی بیڑیوں کے ساتھ دھیمے دھیمے چلتے ہوئے اپنے آپ کو لا گرایا، یہ مکہ کے نشیبی حصے سے نکلا تھا، یہاں تک کہ خود کو مسلمانوں کے درمیان لے آیا تو سہیل کہنے لگے: اے محمد! یہ پہلا معاملہ ہے جو ہم آپ کے پاس لائے ہیں، آپ اس کو ہمیں واپس کر دیں۔ تو نبی کریم ﷺ نے ابو جندل کو کفار کی طرف واپس بھیج دیا۔ ابو جندل رضی اللہ عنہ مسلمانوں کو بلانے لگے اور کہنے لگے:

---

[1] ان کا تعارف [رقم: ۹۷۴] میں آئے گا۔

اے مسلمانو! مجھے مشرکین کی طرف لوٹایا جا رہا ہے، حالانکہ میں مسلمان ہو کر آیا ہوں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ مجھے کیا عذاب دیے گئے ہیں، کیونکہ انھیں اللہ تعالیٰ کے معاملے میں بڑا شدید عذاب دیا گیا تھا، سو انھیں کفار نے پکڑا اور مکہ لے گئے۔

اس صلح کا ظاہر یہی تھا کہ مسلمانوں کی ذلت ہوئی ہے اور جیت کافروں کی ہوئی ہے، سو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس ذلت پر راضی بھی نہیں تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفتح نازل کی:

﴿ إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝ وَيَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا ﴾

[الفتح:١ - ٣]

''ہم نے آپ کو واضح فتح دی ہے، تا کہ اللہ آپ کے گذشتہ و سابقہ گناہ معاف کر دے اور اللہ آپ پر اپنی نعمت تمام کر دے اور آپ کو صراطِ مستقیم کی ہدایت دے۔ اور آپ کو ایک بڑی نصرت عطا کرے۔''

اس سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے اور کہا: اللہ کے رسول! کیا یہ فتح ہے، یعنی کیا صلح حدیبیہ فتح ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں، اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ خوش ہوئے اور واپس لوٹ گئے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی ذبح کی، اپنا سر منڈوایا، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (عمرے سے) روک دیا گیا تھا،[1] صحابہ نے بھی ایسا ہی کیا، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کو لے کر مدینہ کی طرف لوٹ گئے، یہ حدیبیہ کا قصہ ہم نے اختصار کے ساتھ بیان کر دیا ہے، اس کی تفصیل صحیح البخاری میں موجود ہے۔[2]

---

[1] یعنی نُسک مکمل کرنے سے منع کر دیا گیا۔
یہ فقہی مسئلہ ہے جس کو فقہاء نے ''باب الفوات والإحصار'' میں ذکر کیا ہے، اس طرح کہ اگر دورانِ حج دشمن کی وجہ سے وقوفِ عرفہ رہ جائے جو اسے بیت اللہ سے روک دے، یا کسی مرض کی وجہ سے، یا نفقہ ختم ہو جانے کی وجہ سے، یا کسی اَور عذر کی وجہ سے جو مناسک پورے کرنے میں مانع ہو جائے۔ اسی طرح عمرے کا معاملہ ہے، جب اس کو مکمل کرنے کی طاقت بندے کے پاس نہ ہو تو اس حالت میں حکم یہ ہے کہ وہ احرام کھول دے اور بغیر حج اور عمرہ کیے واپس چلا جائے اور یہ جو احرام کھولا جائے گا وہ قربانی ذبح کر کے کھولا جائے گا، جب قربانی اپنے ساتھ لائی ہوگی، پھر حلق کیا جائے گا، یا تقصیر کی جائے، یعنی بال چھوٹے کیے جائیں گے۔ اس طرح ان کا احرام کھل جائے گا۔ دیکھیں: الموسوعة الفقهية الكويتية (٢/١٩٦) مادة: إحصار.

[2] صحيح البخاري (٢٥٨١)

صلح حدیبیہ کے قصے اور صفین کے دن حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کے اس قصے کو ذکر کرنے کے درمیان یہ ربط تھا اور اس سے یہ واضح ہو گیا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جو کہا: لوگو! یہ صلح اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح میں بدل جائے گی جیسا کہ صلح حدیبیہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے رسول اور مومنین پر فتح ہوئی تھی تو انھوں نے صلح قبول کر لی، کیونکہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ابتدا میں یہ سمجھا تھا کہ صلح میں کمزوری ہے لیکن مسلمان بغیر عمرہ کے لوٹے تو اس پر انھیں تکلیف بہت تھی۔ اسی طرح ابو جندل بن سہیل بن عمرو کو مشرکین کی طرف واپس بھیجنے میں بھی تکلیف محسوس کی۔ بعض مسلمانوں نے تو یہ بھی سمجھا کہ صلح حدیبیہ کمزوری ہے، شکست ہے لیکن اس کی حقیقت اور اس کا انجام خیر پر مبنی تھا اور مسلمانوں کی فتح تھا۔ تو آپ یہ نہ سمجھیے کہ تحکیم میں کمزوری ہے بلکہ وہ حدیبیہ کی طرح فتح ہے۔

دیکھیے: دکتور محمد امحزون کا قول جو عنقریب روایت [رقم: ۳۹۲] میں آئے گا۔

② حکمین کا چناؤ اور وثیقۂ صلح کی کتابت

دونوں لشکروں کے صلح پر اتفاق، جنگ رکنے اور تحکیم کی طرف لوٹنے کے بعد انھوں نے دو حکم چنے، وہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تھے جو اہلِ عراق کی طرف سے تھے اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ جو اہلِ شام کی طرف سے تھے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فتنوں سے الگ تھلگ عراق کی بستیوں میں سے کسی بستی میں مقیم تھے۔ ان کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خط لکھا کہ آپ صفین چلے آئیں، جب حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ ارضِ صفین میں پہنچے تو پھر لوگ وثیقۂ صلح لکھنے لگے۔ یہ بدھ کا دن، ۱۷ر صفر اور ۳۷ھ کا زمانہ تھا۔[1] یعنی ۱۷/۰۲/ ۳۷ھ

یہاں تاریخی پیچیدگیوں میں ایک اشکال ہے کہ جنگ ۱۰ر صفر کو جمعہ کے دن بند ہوئی اور وثیقہ بدھ کے روز لکھا گیا تو ضروری ہے کہ بدھ کے دن ۱۵ تاریخ بنتی ہو اور اگر ہم (بقیت) کے لفظ کو (مضت) کے لفظ سے بدلا ہوا فرض کر لیں تو وہ تاریخ جس کا واقعۂ صفین میں ذکر ہے اس سے تعارض ختم ہو جاتا ہے۔ اس میں ہے کہ وثیقہ جمعرات کے دن، ۷ر صفر، ۳۷ھ میں لکھا گیا۔[2] اس اعتبار سے بدھ چھٹا دن بنتا ہے جمعہ آٹھواں اور اگلے بدھ کو ۱۳ تاریخ بنتی ہے۔ اس طرح تعارض دور ہو جاتا ہے۔

---

[1] وقت کی یہ تحدید وثیقۂ تحکیم میں آئی ہے۔ [رقم: ۳۸۷] روایت دیکھیں۔ بلاذری نے لکھا ہے کہ ابو مخنف نے کہا: جمعہ کے دن ماہِ صفر میں یہ تحریر لکھی گئی۔ [رقم: ۳۹۰] روایت دیکھیں۔

[2] وقعة صفين (ص: ٢٣٢) عن عمر بن سعد، عن عبد الرحمان بن جندب، عن أبيه، به.

بہرحال وثیقہ کی تاریخ میں یہ مشکل اور پیچیدگی ضرور ہے جب جنگ جمعہ والے دن بند ہوئی اور وثیقہ بدھ کو لکھا گیا تو اس کا مطلب ہے کہ دونوں طرف کے لوگ جنگ بند ہونے کے بعد پانچ دن تک سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے آنے کا انتظار کرتے رہے۔

[**384**] مجھے مدائنی نے عامر بن اسود اور اسماعیل بن عیاش سے بیان کیا، وہ ابو غالب جزری سے بیان کرتے ہیں کہ جب لوگ تحکیم کی طرف مائل ہو گئے اور دو بندوں کو انھوں نے حکم منتخب کر لیا تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ پر راضی ہوں، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو آنے کا لکھا جو فتنے سے ڈرتے ہوئے کسی گاؤں میں موجود تھے تو ان سے قاصد نے کہا: لوگ صلح کرنے لگے ہیں اور انھوں نے آپ کو حاکم بنایا ہے تو انھوں نے کہا: إنا لله وإنا إليه راجعون. پھر وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس چلے آئے۔[1]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ وثیقہ میں یہ لکھنا چاہتے تھے: ''بسم الله الرحمن الرحيم. یہ وہ معاہدہ ہے جس پر علی بن ابی طالب امیر المومنین اور معاویہ بن ابی سفیان نے فیصلہ کیا ہے، ......۔'' لیکن اہلِ شام نے امیر مومنین لکھنے سے منع کر دیا، کیونکہ ابھی تک انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت ہی نہیں کی تھی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو مٹایا اور لکھا: ''بسم الله الرحمن الرحيم. یہ وہ ہے جس پر علی بن ابی طالب اور معاویہ بن ابی سفیان نے فیصلہ کیا ہے، ......۔''[2]

---

[1] أنساب الأشراف (٢/٣٣٣- ٣٣٤)

- جس حد تک یہ روایت ہم نے ذکر کی ہے یہ اس حد تک تو مقبول ہے لیکن یہ سند منقطع ہے، اس کے راویوں میں سے ابوالحسن علی بن محمد مدائنی کے علاوہ میں کسی کو نہیں جانتا اور اسماعیل میری رائے میں ابو عتبہ حمصی نہیں ہے، کیونکہ اس کا طبقہ بالکل الگ ہے۔ جس کا ترجمہ التقریب (٤٧٣) میں ہے۔

اس روایت کے شواہد:

- جہاں تک سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو چننے کا معاملہ ہے تو یہ متواتر ہے۔
- اسی طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو بلوانا، پھر حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کا کتابتِ وثیقہ میں پہنچنا، یہ بھی صحیح اور متواتر ہے۔

[2] تاريخ الطبري (٣/١٠٣) یہ روایت جس قدر ہم نے ذکر کی ہے شواہد کے ساتھ صحیح ہے اہلِ شام کا ''امیر المومنین'' لکھنے سے منع کرنا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنے نام سے ''امیر المومنین'' مٹا دینا، دوسری سند سے ثابت ہے۔ [رقم: ٣٨٢] میں اس کا ذکر ہوگا۔

←

آگے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے مناظرے میں آ رہا ہے[1] کہ انھوں نے خوارج سے کہا: ''یہ جو تم کہتے ہو کہ علی رضی اللہ عنہ نے اپنا نام ''امیر المومنین'' مٹا دیا...۔'' یہ مناظرہ صحیح ہے۔ نیز ابو اسحاق شیبانی[2] نے اس وثیقہ کو دیکھا اور اس پر حضرت علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کی مہر بھی دیکھی ہے۔[3]

[**385**] معتمر اپنے باپ سے اور وہ ابو اسحاق شیبانی سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: میں نے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی مہر کا نقش اہلِ شام کی صلح میں دیکھا اور اس میں لکھا ہوا تھا: ''محمد رسول اللہ۔''[4]

[**386**] کہتے ہیں: مجھے ابو اسحاق شیبانی نے بیان کیا: میں نے سعید بن ابی بردہ[5] کے پاس صلح کا کتابت نامہ پڑھا ہے، یہ ایک پیلے رنگ کا صحیفہ تھا، اس پر دو مہریں لگی ہوئی تھیں: ایک نچلی جانب اور ایک اوپر والی جانب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مہر میں لکھا تھا: ''محمد رسول اللہ'' اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مہر میں بھی لکھا تھا: ''محمد رسول اللہ'' ......[6]

← اس روایت کی سند طبری کے ہاں یہ ہے: ہمیں علی بن مسلم الطّوسی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں حبان بن ہلال باہلی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں مبارک بن فضالہ نے بیان کیا، وہ حسن بصری سے بیان کرتے ہیں، انھوں نے کہا کہ مجھے احنف بن قیس نے خبر دی کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ یہ نام مٹا دو اگر آپ صلح چاہتے ہیں۔

یہ سند بھی ضعیف ہے، کیونکہ مبارک بن فضالہ مدلس ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

طبری نے اہلِ شام کے ''امیر المومنین'' لکھے جانے سے منع کرنے کا قصہ ذکر کیا ہے۔ ابو مخنف کی سند سے ذکر کیا ہے۔

دیکھیے: وقعة صفين (ص: ٥٠٨) البداية والنهاية (٣٠٦/٧)

1. دیکھیے: [رقم: ٤٨٢]

2. امام، حافظ، حجۃ، سلیمان بن ابی سلیمان فیروز کوفی، ابو اسحاق شیبانی۔ یہ صحابہ کے دور میں ہی پیدا ہوئے جیسے ابن عمر، جابر رضی اللہ عنہم ہیں۔ عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی ملاقات ہے اور ان سے سماع بھی کیا ہے۔ کبار تابعین سے انھوں نے روایات لی ہیں اور بہت بڑے صاحبِ علم تھے۔ ۱۴۰ھ میں فوت ہوئے۔ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان کو ثقہ کہا ہے۔ دیکھیے: سير أعلام النبلاء (١٩٣/٦) التقريب (٢٥٦٨)

3. عصر الخلافة الراشدة (ص: ٤٧٦)

4. الطبقات الكبرى (٣٠/٣) اس کی سند حسن ہے۔ عمرو بن عاصم کے متعلق ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ صدوق ہے، لیکن اس کے حفظ میں کچھ معاملہ ہے۔ سند کے باقی رجال ثقہ ہیں اور سبھی کے سبھی شیخین کے راوی ہیں۔

5. سعید بن ابی بردہ عامر بن ابی موسیٰ اشعری کوفی، ثقہ ثبت ہیں۔ التقريب (٢٢٧٥)

6. وقعة صفين (ص: ٥٠٩) یہ روایت جس قدر ہم نے بیان کی ہے اپنے شواہد کے ساتھ حسن ہے۔ اس کی سند میں کچھ کمزوری ہے، سابقہ روایت دیکھیں۔ ←

وثیقۂ تحکیم کی نص:

[387] بسم اللہ الرحمن الرحیم. اس پر علی بن ابی طالب اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے باہم فیصلہ کیا ہے۔ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اہلِ عراق پر فیصلہ کیا ہے اور اپنے شیعوں پر جو مومن اور مسلمان ہیں اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے اہلِ شام پر اور اپنے ساتھیوں پر جو مومن اور مسلمان ہیں۔[1]

❀ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کی کتاب کے حکم پر جنگ روک رہے ہیں۔[2]

❀ اور ہمارے درمیان صلح اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ساتھ ہی ہوگی۔[3]

❀ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہمارے اور تمھارے درمیان ابتدا سے آخر تک ہوگی جس کو قرآن زندہ رکھے ہم بھی اسے زندہ رکھیں گے اور جس کو قرآن مار دے ہم بھی اسے ماریں گے۔

❀ حکمین جو کتاب اللہ میں پائیں گے،[4] وہ ہمارے اور تمھارے درمیان فیصل ہوگا۔[5]

❀ حکمین اس کا حل کتاب اللہ میں ڈھونڈیں گے۔[6]

⊙ اگر کتاب اللہ میں نہیں ملا تو پھر سنتِ عادلہ اور جامعہ جس میں کوئی اختلاف نہ ہو، اس سے فیصلہ کریں گے:

❀ حکمین دو ہوں گے عبداللہ بن قیس[7] اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما۔

❀ ہم حکمین کو اللہ تعالیٰ کا وعدہ اور میثاق دیتے ہیں[8] کہ وہ کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کریں اگر کتاب اللہ سے نہ ملے تو پھر سنتِ جامعہ غیر مفرقہ پر فیصلہ کریں۔

← نصِ وثیقہ آگے آ رہی ہے جو ابو اسحاق شیبانی کی روایت کی تابع ہے۔ تو شیبانی نے وثیقہ دیکھا تھا اور اس کا ذکر کیا، پھر انھوں نے یہ نص ذکر کی تھی۔

① یہ وہ شروط ہیں جو حضرت امیر المومنین علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما نے اپنے آپ پر لاگو کی تھیں۔

② یعنی امیر المومنین علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما اللہ تعالیٰ کی کتاب کے حکم کے مطابق فیصلہ کریں گے اور جنگ روک دیں گے۔

③ یعنی صلح نہ کرو اور نہ ہی جنگ روکو مگر اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے، کیونکہ اس کے بغیر کسی کا حکم نہیں ہوتا، نہ ہی کسی کی خواہش چلتی ہے۔

④ یہ شروط امیر المومنین علی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما نے حکمین پر فرض کی تھیں۔

⑤ یعنی سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کے لشکر کے درمیان اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے لشکر کے درمیان۔

⑥ یعنی حکمین کتاب اللہ میں موجود احکام کو تلاش کریں گے جو فریقین کے اختلاف سے تعلق رکھتے ہیں۔

⑦ عبداللہ بن قیس سے مراد: سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہیں جو امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے حکم تھے۔

⑧ یعنی سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے حکمین پر اللہ تعالیٰ کا وعدہ اور عہد لیا ہے۔

⦿ حکمین نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ، معاویہ رضی اللہ عنہ اور دونوں لشکروں سے یہ عہد لیا[1] :

❀ حکمین کے مال اور اہلِ خانہ امن میں رہیں گے۔

❀ وہ جو فیصلہ کریں گے امت ان کے فیصلے پر ان کی مدد کرے گی۔[2]

⦿ مومنوں اور مسلمانوں دونوں گروہوں پر اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے[3] :

❀ ہم اس پر راضی ہوں گے جو اس صحیفہ میں ہوگا اور اسی پر ہم قائم ہوں گے اور ہم اس کی مدد کریں گے۔

❀ مسلمانوں کے درمیان یہ فیصلہ واجب ہو چکا ہے کہ وہ امن سے رہیں گے اور اسلحہ رکھ دیں گے، جہاں بھی وہ جائیں گے اپنی جانوں پر، مال پر، اپنے اہلِ خانہ پر، اپنی اراضی پر، اپنے شاہد اور غائب پر، الغرض کسی پر اسلحہ استعمال نہیں کریں گے۔

❀ عبداللہ بن قیس اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما پر اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ امت کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کریں گے۔ امت کو فرقے میں نہیں ڈالیں گے اور نہ ہی جنگ میں ڈالیں گے یہاں تک کہ ان کا یہ فیصلہ مکمل ہو جائے۔[4]

فیصلے کا وقت[5] :

❀ رمضان کے مہینے تک ہے اگر وہ چاہیں تو جلدی بھی کر سکتے ہیں۔

❀ اگر حکمین میں سے کوئی فوت ہو جاتا ہے تو اس کے گروہ کا امیر اس کی جگہ کوئی دوسرا بندہ لے لے گا، لیکن پوری کوشش کرے گا کہ وہ ایسا بندہ ڈھونڈے جو اس کے پائے کا ہو۔

---

① یہ وہ شرطیں ہیں جو حکمین نے سیدنا علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما اور ان کے لشکروں اور تمام مسلمانوں پر لگائی تھیں۔

② یعنی امت حکمین کی مدد کرے گی جو وہ سیدنا علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے بارے میں فیصلہ کریں گے۔

③ دونوں فریق ان شروط کا انتظام اس دورانیہ میں کریں گے جو صحیفہ لکھے جانے سے لے کر اجتماعِ حکمین کے درمیان کا ہوگا۔

④ یعنی صفین کے دن ہونے والی یہ صلح مسلسل جاری رہے گی، یہاں تک کہ حکمین کا اجتماع ہو جائے گا اور وہ حق کے مطابق فیصلہ کر دیں گے اور حکمین کے لیے جائز نہیں ہے کہ اس خاص وقت سے پہلے کوئی فیصلہ کریں نہ کوئی ایسا کام کریں نہ کوئی ایسی بات کہیں جو فتنے یا جنگ کا سبب بن سکے۔

⑤ یہ شروط تحکیم کے مکان و زمان اور وہاں حاضر ہونے کی کیفیت سے متعلق ہیں۔

❀ دونوں حکمین جہاں پر جمع ہو کر فیصلہ کریں گے وہ اہلِ شام اور اہلِ کوفہ کے درمیان کا کوئی مکان ہوگا، اگر وہ اس کے علاوہ کسی اَور جگہ پر جمع ہونا چاہیں تو جہاں وہ چاہیں جمع ہو سکتے ہیں۔

❀ اس جگہ پر ان کے ساتھ وہی شخص جا سکے گا جس پر وہ دونوں راضی ہوں گے اور حکمین جس کو چاہیں گے بطور گواہ بلوا لیں گے اور پھر اس کی گواہی صحیفے میں لکھ لیں گے۔

ہم بری ہیں ایسے فیصلے سے جو کتاب اللہ میں نہ ہو،[1] اللہ! ہم تجھ سے مدد مانگتے ہیں اس شخص پر جو اس صحیفے میں موجود فیصلے کا انکار کرے اور اس میں الحاد اور ظلم چاہے۔

پھر اس صحیفے پر گواہ ہوں گے حضرت عبداللہ بن عباس، اشعث بن قیس، سعید بن قیس، ورقاء بن سمی، عبداللہ بن طفیل، حجر بن یزید، عبداللہ بن جمل، عقبہ بن جاریہ، یزید بن جحیہ، ابو الاعور سلمی، حبیب بن مسلمہ، مخارق بن حارث، زمل بن عمرو، حمزہ بن مالک، عبدالرحمٰن بن خالد، سبیع بن یزید، علقمہ بن مرصد، عتبہ بن ابی سفیان[2] اور یزید بن حر رضی اللہ عنہم اجمعین۔

عمیرہ نے لکھا: ۱۷ صفر، بروز بدھ، سنہ ۳۷ھ میں۔

حکمین اُذرح[3] کے مقام پر آئیں گے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنے ۴۰۰ ساتھیوں کو لے کر آئیں گے۔ اسی طرح سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اپنے ۴۰۰ ساتھیوں کو لے کر آئیں گے اور فیصلے میں حاضر ہوں گے۔[4]

---

[1] یہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور حکمین کی طرف سے تاکید ہے کہ وہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق فیصلہ کریں گے۔

[2] عتبہ بن ابی سفیان صخر بن حرب بن امیہ، ابو الولید اموی۔ یہ باپ کی طرف سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں۔ یہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ یوم الدار میں موجود تھے اور جمل میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بھی حاضر تھے۔ صفین میں اپنے بھائی کے ساتھ تھے۔ مدینہ، طائف، مصر اور اپنے بھائی معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کئی مرتبہ موسمِ حج کے والی رہے۔ فصیح اور خطیب آدمی تھے۔ علائی نے کہا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پیدا ہوئے لیکن ان کو صحبت یا رویت حاصل نہیں ہو سکی۔ یہ اسکندریہ کی سرحد پر ذوالقعدہ سنہ ۴۴ھ میں فوت ہوئے۔ دیکھیے: تاریخ دمشق (۲٦۲/۳۸) تاريخ الإسلام (٧٩/٤) جامع التحصيل (٥٠٣)

[3] یاقوت کہتے ہیں کہ اذرح اطرافِ شام میں ایک ملک ہے، یا پھر بلقاء کے نواح میں ہے۔ معجم البلدان (١٢٩/١) عاتق حربی کہتے ہیں: ان دنوں یہ اردن کی ہاشمی سلطنت میں موجود ہے جو معان شہر کے شمال مغرب میں تقریباً ۲۲ کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔ دیکھیے: معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية (ص: ٢١، ٨٠)

[4] وقعة صفين (ص: ٥١٠- ٥١١) یہ خبر اپنے قرائن کے ساتھ مقبول ہے، کیونکہ اس کا اصل موجود ہے اور یہ مشہور بھی ہے۔

←

[388] ابوجعفر طبری کہتے ہیں: سیدنا علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان فیصلے کی کتاب ۱۳/ صفر ۳۷ھ بدھ کے روز لکھی گئی اور اس چیز کا وعدہ کیا گیا کہ سیدنا علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما دومۃ الجندل[1] میں حکمین کے مقام پر رمضان میں جمع ہوں گے اور ہر کسی کے پاس یعنی سیدنا معاویہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما دونوں کے پاس ۴۰۰، ۴۰۰ ساتھی ہوں گے۔[2]

③ صفین میں وثیقہ لکھے جانے کے بعد فریقین نے جو جو کام کیے

وثیقہ لکھے جانے کے بعد دونوں فریقوں نے اکٹھے دو بڑے کام کیے:

1. تمام قیدیوں کی رہائی۔
2. وثیقہ لکھے جانے کے دو دن بعد صفین سے روانگی۔

ابومخنف کہتا ہے کہ انھوں نے مقتولین کو صلح کا وثیقہ لکھے جانے کے بعد دفن کیا، لیکن یہ بات درست نہیں ہے، کیونکہ قوم نے یہ صحیفہ جنگ رکنے کے پانچ دن بعد لکھا تھا، وہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ درست بات یہی ہے کہ انھوں نے قتال ختم ہونے کے بعد مقتولین کو دفن کر دیا تھا، یعنی وثیقہ کی کتابت سے پہلے ہی دفن کر دیا۔[3]

سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اسی جگہ واپس چلے گئے جہاں وہ صفین سے قبل موجود تھے۔ وہ عراق کی کوئی بستی تھی اور آپ اس بستی میں مقیم رہے حتی کہ حکمین کے اجتماع کا وقت آ گیا۔

← اور اس میں یہ قرینہ بھی ہے کہ اس میں جو کچھ ہے اس پر انھوں نے عمل کیا ہے۔ یہ روایت اس سے پہلی روایت کے تابع ہے جس کو نصر بن مزاحم نے روایت کیا ہے۔ عمر بن سعد بیان کرتے ہیں کہ مجھے ابواسحاق شیبانی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: میں نے سعید بن ابی بردہ کے پاس کتابِ صلح دیکھی۔ انھوں نے وثیقہ کی صفت ذکر کی اور پھر اس کی نص کا ذکر کیا۔

تخریج: اس وثیقے کا تذکرہ تاریخ الطبري (۱۰۳/۳) میں ابومخنف اور البداية والنهاية (۳۰۶/۷) میں ہیثم بن عدی کی سند سے موجود ہے۔ دیکھیں: أنساب الأشراف (۳۳٤/۲) الأخبار الطوال (ص: ۱۹٤) اس کی سند ذکر نہیں ہے۔ مزید دیکھیں: مجموعة الوثائق السياسية للعهد النبوي والخلافة الراشدة (ص: ٥۳۸)

① یہ ایک بستی ہے جو شام اور مدینہ کے درمیان ہے اور جبلِ طے کے قریب ہے۔ معجم البلدان (٤۸۷/۲) ان دنوں میں یہ سعودیہ کے شمال کی جانب موجود ہے۔

② تاریخ الطبري (۱۰۵/۳) سابقہ روایت کی مثل قرائن کی بنا پہ مقبول ہے۔ ضمناً اس میں بھی تذکرہ ہے۔

③ دیکھیے: [رقم: ۳۹۰]

بلاذری کی روایت ہے کہ جب حکمین کے اجتماع کا وقت آیا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف پیغام بھیجا، وہ بصرہ سے آئے اور سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ جو کسی بستی میں موجود تھے وہاں سے آئے۔ دونوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے گھڑ سوار دے کر بھیجا اور پھر وہ وہاں چلے گئے۔[1]

④ صفین کے دن امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی تلوار جو ان کے بیٹے عبیداللہ کے پاس تھی

[**389**] ہمیں ابوعبداللہ حافظ نے بیان کیا، کہا: ہمیں ابو العباس محمد بن یعقوب نے بیان کیا، کہتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن سلیمان[2] نے بیان کیا، وہ موسیٰ بن اسماعیل سے بیان کرتے ہیں، وہ جویریہ بن اسماء سے، وہ نافع سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا: عبیداللہ بن عمر رحمہ اللہ[3] صفین کے دن شہید ہوئے تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی تلوار خرید لی اور اس کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس بھیج دیا تو جویریہ کہنے لگے: میں نے نافع سے کہا: کیا یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی تلوار تھی؟ جواب دیا: جی ہاں۔ میں نے کہا: اس کا زیور کتنا تھا؟ کہا: لوگوں نے اس تلوار کے نعل[4] کے بدلے چالیس درہم پائے تھے۔[5] [6]

---

① دیکھیے: [رقم: ۴۰۶]

② ابو اسحاق سے مراد: ابراہیم بن ابی داود سلیمان بن داود الاسدی البرلسی ہیں۔ ابن عساکر بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے ابو سلمہ تبوذکی وغیرہ سے روایت لی ہے اور ان سے ابو العباس اصم، احمد بن محمد بن حجاج بن رشدین مصری اور دیگر لوگوں نے روایت لی ہے۔

ابن یونس کہتے ہیں: یہ ثقہ تھا اور حفاظِ حدیث میں سے تھا۔ ایک دفعہ انھوں نے کہا: یہ حفاظ میں سے ہے جو مجودین اور ثقہ وثبت ہے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں: امام، حافظ، متقن ہے اور ۲۷۰ھ میں فوت ہوا۔ دیکھیے: تاریخ دمشق (٦/٤١٤) تاریخ الإسلام (٢٠/٦١، ٢٩٢) سیر أعلام النبلاء (١٢/٦١٢) (١٣/٣٩٣) الثقات ممن لم یقع في الکتب الستة (٢/١٩٠)

③ یہ تابعی ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پیدا ہوئے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرسل روایات بیان کرتے ہیں۔ صفین میں یہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور اسی دن قتل ہو گئے۔ تاریخ الإسلام (٣/٥٦٨)

④ تلوار کا دستہ جو تلوار کی سائیڈ پر لوہے یا چاندی سے بنا ہوتا ہے لسان العرب (١١/٦٦٩) مادة: نعل.

⑤ مراد یہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی تلوار کا دستہ چاندی سے بنایا گیا تھا جو ۴۰ درہم کے برابر تھا۔

⑥ السنن الکبری للبیهقي (٧٥٧٥) اس کی سند صحیح ہے۔ ابو عبداللہ حافظ: حاکم نیشاپوری، صاحب المستدرک اور ابو العباس سے مراد: اصم ہیں، ان کا ترجمہ [رقم: ۲۵] میں گزر چکا ہے اور موسیٰ بن اسماعیل سے مراد: ابو سلمہ منقری تبوذکی ہیں۔

تخریج: یہ روایت امام ابن عساکر (۳۸/۷۷) نے حافظ بیہقی کی سند سے لائے ہیں۔ ←

یہ خبر دلیل ہے کہ عبیداللہ بن عمر رحمہ اللہ نے صفین میں اپنے والد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی تلوار کے ساتھ لڑائی کی تھی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ تلوار صفین کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو واپس کر دی تھی۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیح ثابت ہے کہ وہ یہ تلوار اپنے پاس رکھا کرتے تھے۔[1]

یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اس تلوار کا نام ''ذوالوشاح'' تھا۔[2]

⑤ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا کوفہ لوٹنا اور واپسی پر خوارج کا ان سے الگ ہو جانا اور حروراء چلے جانا

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کوفہ میں اپنے راستے پر چلے گئے اور ہیت یا صندوداء مقام پر آ گئے اور پھر ربیع الاول ۳۷ھ میں کوفہ چلے گئے۔

خوارج سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے الگ ہو گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک الگ راستے پر چلنے لگے اور نہرِ فرات کی ایک جانب معسکر بنا لیا۔ تا کہ امیر المومنین ان سے پہلے چلے جائیں۔ امیر المومنین ان سے پہلے چلے گئے اور ربیع الاول میں کوفہ پہنچ گئے، پھر خوارج حروراء چلے گئے۔

[**390**] ابو مخنف کہتے ہیں: یہ وثیقۂ تحکیم صفر[3] کے مہینے میں جمعہ کے دن لکھا گیا تھا اور اس کی

← اسی طرح حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ الاستیعاب (۱۰۱۱/۳) میں احمد بن محمد بن حجاج بن رشدین کی سند سے لائے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: مجھے ابراہیم بن سلمان نے بیان کیا۔

علامہ البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس کی سند جید ہے اور اس کے سبھی راوی ثقہ اور معروف ہیں سوائے ابراہیم بن سلیمان شیخ ابو العباس الاصم کے۔ ظاہر ہے کہ اس سے مراد: تمیمی عطار ہیں جو کوفی ہیں۔ ان سے امام ابو حاتم نے سنا ہے اور ان کے متعلق کہا ہے کہ یہ ثقہ راوی ہیں۔ دیکھیے: إرواء الغليل (۳۰۷/۳، تحت رقم: ۸۲۳)

اسی طرح اس روایت کو علامہ البانی رحمہ اللہ نے جید قرار دیا ہے، کیونکہ ان کے خیال میں ابراہیم بن سلمان سے مراد: ابراہیم بن سلمان تمیمی عطار کوفی ہیں۔ لیکن ثابت ہو چکا ہے کہ وہ برلسی ہیں، لہٰذا یہ سند صحیح ہے۔ الحمد للہ.

[1] مصنف عبدالرزاق (۹٦٦٥) مصنف ابن أبي شيبة (۲٥٦۹۲) شرح مشكل الآثار (۲۳/٤) حلية الأولياء (٤٥/۹) السنن الكبرى للبيهقي (۷٥۷٤) إرواء الغليل (۸۲۳)

[2] تاريخ الطبري (۹۷/۳) بہ روایت ابی مخنف۔ ہشام بن محمد کلبی کا قول ہے، انھوں نے سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تلوار کا ذکر کیا ہے جہاں تک مجھے معلوم ہے۔ یہی نام دارقطنی کی المؤتلف والمختلف (۲۰٦۲/٤) اور تاریخ دمشق لابن عساكر (۷۰/۳۸) میں بھی آیا ہے۔

[3] وثیقۂ تحکیم کے متعلق آتا ہے کہ یہ صفر کی ۱۷ تاریخ کو ۳۷ھ میں بدھ کے دن لکھا گیا۔ دیکھیں: [رقم: ۳۸۷]

مدت آٹھ ماہ بعد رمضان میں رکھی گئی تھی کہ وہاں حکمین جمع ہوں گے۔ پھر لوگوں نے اپنے مقتولین کو دفنایا اور سیدنا علی و معاویہ رضی اللہ عنہما نے اپنے قیدیوں کو آزاد کیا اور دو دن بعد یہاں سے کوچ کر گئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اسی راستے سے واپس چلے گئے جہاں سے آئے تھے یہاں تک کہ ہیت اور صندوداء نامی جگہ پر پہنچ گئے اور ربیع الاول سنہ ۳۷ھ میں کوفہ پہنچ گئے۔[1]

بلاذری ہی کی روایت ہے، وہ محمد بن سائب کلبی سے بیان کرتے ہیں، انھوں نے کہا: سیدنا علی رضی اللہ عنہ صفین سے کوفہ ربیع الاول کی بیس تاریخ کو آئے تھے۔[2] ......[3]

طبری بیان کرتے ہیں ابو رزین سے، وہ کہتے ہیں: جب تحکیم کا واقعہ ہوا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ صفین سے لوٹ گئے تو خوارج ان سے الگ ہو گئے۔ جب وہ نہر کے پاس پہنچے تو وہیں پہ قیام کر لیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ لوگوں کے ساتھ کوفہ میں داخل ہو گئے اور خوارج حروراء چلے گئے۔[4]

ابن ابی شیبہ ابو رزین سے روایت لائے ہیں، وہ کہتے ہیں: جب صفین میں تحکیم ہوگئی، خوارج سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے الگ ہو گئے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے الگ ہو کر لوٹے۔ وہ ایک لشکر میں تھے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا الگ لشکر تھا یہاں تک کہ علی رضی اللہ عنہ کوفہ میں اپنے لشکر کے ساتھ داخل ہو گئے اور خوارج اپنے لشکر کے ساتھ حروراء چلے گئے۔[5]

⑥ بعض جلیل القدر معانی جن پر ابن ابی شیبہ کی روایت دلالت کرتی ہے[6]

1 سیدنا معاویہ بن ابی سفیان اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے متعلق اچھی رائے رکھتے تھے، کیونکہ

---

① أنساب الأشراف (۳۳۷/۲) یہ روایت مقبول ہے، اس کا ابتدائی اور آخری حصہ شواہد کے ساتھ مقبول ہے اور باقی حصہ قرائن کے ساتھ مقبول ہے۔ انھوں نے جمعہ کے دن کا ذکر کیا ہے یہ آگے [رقم: ۴۶۲] میں آرہا ہے۔ ساتھ اس کے شواہد بھی ذکر ہوں گے اور دوسری روایات کے ساتھ اس کا تسلسل بھی بیان ہوگا، اور وہیں پر "ھیت وصندوداء" کا تعارف بھی آجائے گا۔ امیر المومنین کے کوفہ پہنچنے کے حوالے سے بھی دیکھیں: [رقم: ۴۶۲]

② یعنی ۲۰/۰۳/۳۷ھ میں۔

③ دیکھیں: [رقم: ۴۶۳]

④ دیکھیں [رقم: ۴۶۶] اس کی سند صحیح ہے۔

⑤ دیکھو: [رقم: ۴۶۷] اس کی سند صحیح ہے۔

⑥ [رقم: ۳۷۷] پہ گزر چکی ہے۔

سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ علی رضی اللہ عنہ کے پاس مصحف بھیجو، اللہ کی قسم! وہ مصحف آپ کی طرف نہیں لوٹائیں گے۔

2 نیز دونوں فریق صلح کے حریص اور جنگ سے اجتناب کر رہے تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے صلح کی ابتدا کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو مرحبا کہا اور اس کا نام فتح رکھا۔ جب ان پر کتاب اللہ کی تحکیم پیش کی گئی تو انھوں نے کہا: جی ہاں، ہمارے اور تمھارے درمیان فیصلہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کرے گی اور میں اس کا زیادہ حقدار ہوں۔ پھر انھوں نے کہا: لوگو! یہ فتح ہے۔ پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے تحکیم کو قبول کیا اور واپس چلے گئے ان کے ساتھ لوگ بھی واپس چلے گئے۔

3 یہ روایت دلیل ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی اقتدا کرتے ہوئے انھی جیسا قول کہا: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا: اللہ کے رسول! کیا یہ فتح ہے؟ پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے صفین میں کہا: لوگو! یقیناً یہ فتح ہے۔

4 سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے صلح کا نام اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کی فتح رکھا جیسا کہ صلح حدیبیہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں اور رسول کی فتح تھی۔ علی رضی اللہ عنہ نے صلح کا نام فتح تب ہی رکھا جب حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے صلح حدیبیہ کا قصہ ذکر کیا اور بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صلح کا نام فتح رکھا تھا۔ تب ہی سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کہا: لوگو! یہ جو تحکیم کی صلح ہے یقیناً فتح ہے۔

جب ہم صفین سے قبل کے زمانے کی طرف لوٹتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ نے اس اصلاح کے وقوع سے بھی پہلے اس کا نام صلح رکھا تھا۔ صلح کا نام فتح رکھا تھا۔ یہ تب کا واقعہ ہے جب وہ معزول ہونے سے قبل اہلِ کوفہ میں خطیب کے طور پر کھڑے ہوئے۔

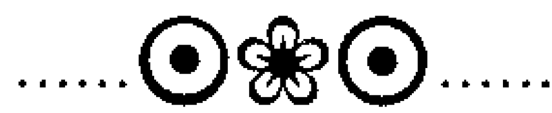
[391] ہمیں عبداللہ بن جعفر نے بیان کیا، کہتے ہیں: ہمیں عبیداللہ بن عمرو نے زید بن ابی انیسہ سے بیان کیا، وہ عمرو بن مرہ سے، وہ خیثمہ بن عبدالرحمٰن سے بیان کرتے ہیں، انھوں نے کہا: جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ صفین کی طرف گئے تو عقبہ بن عمرو ابو مسعود کو کوفہ پر اپنا نائب بنا دیا۔ کہتے ہیں کہ کچھ لوگ چھپ گئے تھے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہیں نکلے تھے۔ تو حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ منبر پر کھڑے ہوئے اور کہا: لوگو! جو چھپ گیا تھا وہ سامنے آ جائے۔ میری عمر کی قسم! یقیناً وہ بہت زیادہ ہیں، بے شک ہمارے ساتھی بہت زیادہ ہیں۔ ہم اس کو فتح شمار نہیں کرتے کہ یہ دو لشکر کل آپس میں لڑ پڑیں اور یہ ان کو قتل کر دیں وہ ان کو قتل کر دیں۔ یہاں تک کہ کچھ کم حیثیت لوگ ہی باقی رہ جائیں، اس لشکر سے بھی اور اس لشکر سے بھی۔ ایک

گروہ دوسرے گروہ پر غالب آ جائے۔ لیکن ہم اس چیز کو فتح شمار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسا معاملہ اپنی طرف سے پیدا کر دے، جس سے خون بچ جائیں اور ان کے درمیان صلح ہو جائے اور ان کا کلمہ ایک ہو جائے۔[1]

5 سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی چاہتے تھے کہ خون بہنے رک جائیں۔ وہ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ اہلِ شام ختم ہو جائیں اور ان کا صفایا ہو جائے۔

معرکہ میں عسکری برتری سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس تھی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس اتنی طاقت تھی کہ انھوں نے اہلِ شام کے قدم اکھاڑ دیے تھے۔ بلکہ عراقی لشکر کے جھنڈے اس پہاڑ کے اوپر تک لگ چکے تھے جس میں اہلِ شام نے پناہ لی تھی، جن میں سے ایک سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے قلب کا جھنڈا تھا۔ مدد عراق کے لشکر کو مل چکی تھی، اس کے باوجود سیدنا علی رضی اللہ عنہ سوائے بیعت کے کچھ نہیں چاہتے تھے، اور وہ چاہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلہ ہو جائے۔ اسی لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فوراً تحکیم قبول کر لی۔

6 سیدنا علی رضی اللہ عنہ اہلِ شام کو مومن مانتے تھے، کیونکہ اگر ان کو وہ کافر سمجھتے تو ان سے تحکیم قبول نہ کرتے۔ بلکہ کسی قسم کا توقف کیے بغیر ان کو مکمل تباہ کر دیتے، لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان کی تکفیر نہیں کرتے تھے۔



---

[1] الطبقات الكبرى (٣٦٢/٤) طبع: الخانجي۔ اس کی سند صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ اور شیخین کے راوی ہیں۔ [رقم: ۱۹۲] پہ گزر چکی ہے۔

گیارھواں مبحث:

صفین کی صلح کے متعلق خوارج کا موقف اور ان کی تعداد

① صفین کے دن الگ ہونے والے خوارج کی تعداد

یہاں حروراء جانے والے خوارج کی تعداد اور نہروان والے خوارج کی تعداد میں فرق کرنا چاہیے۔

حروراء جانے والے خوارج کی تعداد کے متعلق مختلف صحیح روایات ملتی ہیں:

⊙ بعض روایات میں ہے کہ وہ بارہ ہزار تھے۔ ابو وائل شقیق بن سلمہ بیان کرتے ہیں: پھر یہ لوگ حروراء چلے گئے اور خوارج کا یہ گروہ بارہ ہزار لوگوں پر مشتمل تھا۔[1]

⊙ بعض روایات میں ان کی تعداد آٹھ ہزار بتائی گئی ہے۔ عبداللہ بن شداد بیان کرتے ہیں: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے کتابت کی اور حکمین مقرر کر دیے تو آٹھ ہزار قراء وہاں سے نکل گئے اور حروراء نامی مقام پر قیام کیا۔ یہ جگہ کوفہ کے جانب تھی۔[2]

⊙ راجح موقف مگر یہ ہے کہ چھے ہزار تھے۔[3] سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ جب خوارج نے خروج کیا تو ایک گھر میں جمع ہو گئے۔ وہ چھے ہزار لوگ تھے۔

اس روایت کی ترجیح کا سبب یہ ہے کہ یہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور انھوں نے خوارج کو خود دیکھا تھا، نیز ان کے معسکر میں کئی دفعہ گئے تھے۔ جب ان سے تین دن تک وہ مناظرہ کرتے رہے۔

اسی طرح عبداللہ بن شداد نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے مناظرے دیکھے ہیں۔ ابن شداد کہتے ہیں: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بھیجا۔ میں بھی ان کے ساتھ گیا۔[4]

---

① دیکھیں: [رقم: ۴۷۷]

② دیکھیں: [رقم: ۴۷۹]

③ دیکھیں: [رقم: ۴۸۲]

④ دیکھیں: [رقم: ۴۷۹]

ایک اور قول ملتا ہے جو مبالغہ پر مبنی ہے۔ وہ کسی طرح بھی درست نہیں۔ مصنف عبدالرزاق کے الفاظ ہیں کہ ان میں سے بیس ہزار لوگ لوٹ آئے اور صرف چار ہزار لوگ باقی رہ گئے جنھیں قتل کر دیا گیا،[1] لیکن یہ بات خطا ہے۔ کیونکہ اس سے مراد یہ ہوئی کہ وہ چوبیس ہزار لوگ تھے، یعنی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کا تقریباً آدھا حصہ۔ ایسا ممکن نہیں ہے کہ خوارج سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں اتنے زیادہ ہوں۔ یہ راوی کی خطا ہے۔

نہروان کے خوارج کی تعداد چار ہزار تھی۔ اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔[2]

② صفین کے دن صلح کے متعلق خوارج کا موقف

سیدنا علی رضی اللہ عنہ خود سے صلح کر رہے تھے، وہ اس پر نہ تو مجبور تھے اور نہ ہی کسی درجے میں کمزور تھے، مگر خوارج ان کے مخالف تھے اور ان کا اصرار تھا کہ جنگ جاری رکھی جائے۔ روایت کے الفاظ ہیں: ''پھر خوارج، جنھیں ان دنوں ''قراء'' کہا کرتے تھے، آئے اور ان کے تلواریں ان کے کندھوں پر موجود تھیں، کہنے لگے: امیر المومنین! کیا ہم اس قوم کی طرف نہ جائیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے؟ تب حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: لوگو! اپنے نفسوں کو تہمت لگاؤ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لوگو! یقیناً یہ فتح ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے تحکیم قبول کر لی اور لوٹ آئے اور ان کے ساتھ لوگ بھی لوٹ آئے۔[3]

اسی طرح خوارج نے صلح کا انکار کیا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس پر مصر رہے بلکہ اس کا نام فتح رکھا۔ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جنگ رکوا دی اور حکمین مقرر کر دیے تو خوارج کو غصہ آ گیا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی تکفیر کرنے لگے اور ان پر خروج کر دیا۔

خوارج مسلسل سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر طعن کرتے رہے کہ انھوں نے تحکیم کی موافقت کیوں کی ہے؟ حدیث کے الفاظ ہیں: ''پھر یہ لوگ حروراء کی طرف خروج کر گئے، خوارج کا یہ گروہ بارہ ہزار لوگوں پر مشتمل تھا اور کہنے لگے: ہم اپنے راستے پر جائیں گے، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تحکیم قبول کر لی ہے، ہم نے صفین کے

---

① دیکھیں: [رقم: ۴۸۲] کی تخریج۔

② پانچویں فصل کی دوسری بحث سے تیسرا مطلب ملاحظہ کیجیے۔

③ دیکھیں: [رقم: ۳۷۷]

دن جن لوگوں سے قتال کیا تھا، اگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس فیصلے میں کوتاہی کی تو ہم ان کے ساتھ بھی قتال کریں گے۔ پھر وہ لوگ وہاں سے چلے اور نہروان پہنچ گئے، ......۔"[1]

طبری نے ذکر کیا ہے کہ خوارج نے صلح کی ابتدا ہی سے تحکیم کا انکار شروع کر دیا تھا جو صفر ۳۷ھ کی بات ہے، پھر مسلسل انکار کرتے رہے یہاں تک کہ نہروان کا قصہ ۳۸ھ میں شروع ہو گیا۔[2]

[**392**] ڈاکٹر محمد امحزون لکھتے ہیں کہ یہ جو گمان کیا جاتا ہے کہ خوارج ہی وہ لوگ تھے جنھوں نے لڑائی رکوائی، تحکیم پر رضا کروائی اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی بطورِ حکم تعیین کروائی۔ یہ ایک تاریخی جھوٹ ہے جسے شیعہ اخباریوں نے گھڑ لیا ہے جن کے سردار ابو مخنف اور نصر بن مزاحم[3] ہیں۔ جنھیں اس بات سے تکلیف تھی کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہلِ شام کے ساتھ نرمی کا معاملہ کیوں کیا تھا اور اپنے دشمنوں کے ساتھ صلح کی طرف راغب کیوں ہوئے تھے۔ سو انھوں نے اس ساری مسؤولیت کو خوارج کے سر منڈھ دیا، تاکہ خود اس تکلیف سے چھٹکارا پا لیں۔ انھوں نے خوارج کے دعوے کو متناقض بنا کر پیش کیا کہ خوارج ہی وہ لوگ تھے جنھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو تحکیم قبول کرنے پر مجبور کیا اور وہی لوگ تھے جنھوں نے تحکیم قبول کرنے کے سبب سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر حملہ کر دیا۔[4]

ڈاکٹر محمد امحزون نے اس خیال کے لوگوں کے متعلق بہترین تبصرہ کیا ہے جو سمجھتے ہیں کہ خوارج نے ہی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو قتال سے رکنے پر مجبور کیا تھا۔

انھوں نے کہا کہ ان کے دعوے باہم متضاد ہیں۔ یعنی انہی لوگوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو صلح پر مجبور کیا اور انھوں نے ہی غصے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر خروج کیا اور ان کی تکفیر کی، کیونکہ انھوں نے صلح قبول کر لی تھی؟

ہم امیر المومنین کے بارے میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتے کہ لوگ ان سے ایسے کام کرواتے پھریں جو وہ خود نہ چاہیں۔

یہ دو واقعات ایسے ہیں جن سے غالی شیعہ کو بہت تکلیف تھی: ایک واقعہ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تحکیم

---

[1] دیکھیں: [رقم: ۳۷۷]

[2] تاريخ الطبري (۱۲۵/۳)

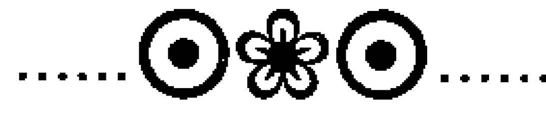
[3] تاريخ الطبري (۱۰۲/۳) وقعة صفين لنصر بن مزاحم (ص: ۴۹۹- ۵۰۰)

[4] تحقيق مواقف الصحابة في الفتنة (۲۱۴/۲- ۲۱۵) قضية التحكيم في موقعة صفين بين الحقائق والأباطيل للدكتور خالد كبير علال (ص: ۳۰)

قبول کرنے کا تھا اور دوسرا حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو حکم مقرر کرنے کا تھا، جو فتنے میں داخل ہونے کے ڈر سے لوگوں سے الگ کہیں بیٹھے ہوئے تھے۔ تو ان کی تکلیف کا سبب یہ تھا کہ علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اعداء کے ساتھ نرمی کیوں برتی ہے؟[1]

پھر ایک تیسرا واقعہ ہوا جس سے شیعہ غالیوں کو مزید تکلیف ہوئی اور وہ تھا سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا اپنے دشمنوں کے ساتھ نرمی برتنا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت قبول کر لینا۔

وہ لوگ تو ایسے قصے بھی گھڑنے لگے جو انتہائی قبیح تھے، بلکہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی ذات پر بہت بڑے بہتانوں پر مشتمل تھے۔[2]



[1] [رقم: ۴۰۸] اور بعد کی تعلیق دیکھیں۔

[2] [رقم: ۵۹۶] کے بعد کی تعلیق دیکھیں۔ جنابِ حسن رضی اللہ عنہ پر ایسے بہتانات کی کئی ایک مثالیں موجود ہیں۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ کیجیے: کتاب "خطبة الحسن ومعاوية رضی اللہ عنہما عند البيعة" اس میں بطور مثال [۳۳، ۴۸، ۴۹] روایات بھی دیکھیں۔

بارھواں مبحث:

صفین کی جنگ ختم ہونے کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا موقف

صفین کا معرکہ ختم ہونے کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ انتہائی صدمے میں تھے کہ جنگ کے بعد کتنے لوگ مقتول ہو چکے تھے اور آپ اپنے جنگی اقدام پر نادم تھے۔ آپ کو یقین ہو چلا تھا کہ اب ان کی حکومت مکمل نہیں ہوگی اور نہ ہی استقرار پا سکے گی۔ آپ ایسی باتیں کرتے تھے جو معرکے کے درمیان نہیں کیا کرتے تھے۔

اس کلام کا نمونہ:

[**393**] ابو مالک الاشجعی اشجع قبیلے کے ایک آدمی سے ذکر کرتے ہیں جس کا نام سالم بن عبید اشجعی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو صفین کے بعد دیکھا، انھوں نے میرے ہاتھ پکڑے ہوئے تھے اور ہم مقتولین کے درمیان چل رہے تھے۔ وہ ان کے لیے استغفار کرنے لگے۔ یہاں تک کہ اہلِ شام کے مقتولین کے پاس پہنچ گئے۔ میں نے کہا: امیر المومنین! یہ تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھی ہیں۔ انھوں نے فرمایا: حساب تو مجھ پر اور معاویہ رضی اللہ عنہ پر ہے۔[1]

---

[1] تاریخ دمشق (۳۴۳/۱)، کتاب صفین لابن دیزیل: [رقم: ۱۴۷]، میری جمع و تحقیق کے مطابق۔ اس کی سند حسن ہے اور اس کے رجال صحیحین کے رجال ہیں۔ ابو مالک اشجعی سے مراد: سعد بن طارق بن اشیم کوفی ہیں۔
سالم بن عبید اشجعی اہلِ صفہ کے صحابی ہیں، کوفہ میں رہائش پذیر ہو گئے تھے۔ ابن العدیم کہتے ہیں: آپ صفین میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شامل ہوئے ان سے ابو مالک اشجعی نے روایت کی ہے۔ بغیة الطلب (۴۱۵۱/۹)
ابو مالک اشجعی نے لمبی عمر پائی اور ان کی موت کافی تاخیر سے ہوئی جیسا کہ صریفینی کا قول ہے، جیسا کہ تھذیب التھذیب (۴۷۳/۳) میں ان کا قول ہے کہ آپ ۱۴۰ھ تک زندہ رہے۔ انھوں نے اپنے والد، عبداللہ بن ابی اوفی، انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے روایت لی ہے۔ یہ تینوں صحابہ ہیں اور یہ سالم بن عبید اشجعی کے ہم عمر تھے اور انھوں نے سالم بن عبید کو پایا تھا، کیونکہ یہ سب کوفہ میں تھے، لہٰذا ان کی معاصرت اور امکانِ لقاء ثابت ہو گیا۔ مزید دیکھیے: موارد ابن عساکر في تاریخ دمشق (۳۹۸/۱)
تخریج: اس روایت کو ابن العدیم نے بغیة الطلب (۲۹۷/۱) (۴۱۵۳/۹) میں اسی سند و متن کے ساتھ ابن عساکر کے طریق سے بیان کیا ہے۔

[394] یزید بن اصم بیان کرتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے صفین کے مقتولین کے متعلق سوال ہوا تو انھوں نے کہا: ہمارے مقتولین اور ان کے مقتولین جنت میں ہوں گے اور پھر معاملہ میرے اور معاویہ کے درمیان رہ جائے گا۔[1]

---

[1] مصنف ابن أبي شيبة (٣٩٠٣٥) یہ روایت اپنے شواہد کے ساتھ حسن ہے اور اس سند کے رجال ثقہ ہیں سوائے یزید بن الاصم کے، کیونکہ اس نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں کیا اور لیکن وہ اس روایت میں منفرد نہیں ہے بلکہ حسن سند کے ساتھ سابقہ خبر میں ان کی متابعت کی گئی ہے۔

حافظ ذہبی نے السير (٥١٧/٤) میں لکھا ہے: یزید بن اصم کی روایت سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے صحیح نہیں ہے۔ البتہ وہ ان سے ملے ضرور ہیں اور ان کی خلافت میں وہ کوفہ میں تھے لیکن ابن کثیر نے البداية والنهاية (٣٨٨/١) میں اس کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے نہیں ملے۔

کتبِ تراجم میں ان کی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کا ذکر ملتا ہے لیکن وہ سند ضعیف ہے۔ یزید بن اصم سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے خضر کے قصے کے حوالے سے بیان کرتے ہیں۔ وہ کعبہ کے پردوں کے ساتھ چمٹا ہوا ہے، ...... تو اس کا راوی ابن محرر متروک ہے اور غالب گمان یہ ہے کہ مزی نے جو یہ کہا ہے: انھوں نے ضعیف سند سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

اور ذہبی نے جو کہا ہے کہ ''ان کی روایت سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے صحیح نہیں ہے'' تو مراد یہی روایت ہے۔

یزید کی وفات سنہ ۱۰۳ھ میں ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر ۷۳ برس تھی، جیسا کہ واقدی نے کہا ہے۔ اگر یہ ثابت ہو جائے تو ان کی عمر سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ملنے کے وقت ۱۰ سال ہوگی۔ تخریج میں ہم عنقریب ابن عساکر کی روایت ذکر کریں گے، اس میں یزید بن اصم سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ صفین کے مقتولین کے درمیان چل رہے تھے۔ لیکن یزید صفین میں شامل نہیں ہوئے تھے، لہٰذا سند کا انقطاع ثابت ہو گیا۔ دیکھیے: تاريخ دمشق (١٢٩/٦٥) تهذيب الكمال (٨٤/٣٢) تهذيب التهذيب (٣١٤/١١)

تخریج: طبرانی نے المعجم الكبير (٣٠٧/١٩) میں روایت بیان کی ہے، ہمیں حسین بن اسحاق تستری نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں حسین بن ابی السری عسقلانی نے بیان کیا، کہا: ہمیں زید بن ابی الزرقاء نے بیان کیا، وہ جعفر بن برقان سے بیان کرتے ہیں، ...... ہمارے مقتولین اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقتولین جنت میں ہوں گے۔

حافظ ہیثمی لکھتے ہیں کہ اس روایت کو طبرانی نے بیان کیا ہے اور اس کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے۔ بعض راویوں کے متعلق اختلاف بھی ہے۔ مجمع الزوائد (١٥٩٢٧) مراد یہ ہے کہ اختلاف ابن ابی السری میں ہے۔

حافظ ذہبی نے اس کو سير أعلام النبلاء (١٤٣/٣- ١٤٤) میں زید بن ابی زرقاء کی سند سے بیان کیا ہے اور الفاظ وہی طبرانی والے ہیں۔ اسی طرح ابن عساکر (١٣٩/٥٩) نے روایت بیان کی ہے۔ وہ یزید بن اصم سے بیان کرتے ہیں کہ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی صلح ہوئی تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نکلے اور مقتولین میں چلنے لگے اور کہا: ←

ہم نے ذکر کر دیا ہے[1] کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اہلِ شام کی بغاوت کی وجہ سے ان کو خون بہنے کا سبب مانتے تھے، لیکن پھر آپ کی یہ رائے بدل گئی تھی۔ ابن دیزیل نے بیان کیا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی رائے معرکہ کے بعد بدل گئی تھی۔ اس وقت آپ سمجھتے تھے کہ خون کے ذمے دار وہ ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

← یہ جنت میں ہیں، پھر مقتولینِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان چلنے لگے اور کہا: یہ بھی جنت میں ہیں اور معاملہ میرے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان رہ جائے گا، پھر میرے لیے فیصلہ کیا جائے گا اور معاویہ رضی اللہ عنہ کو معاف کر دیا جائے گا جس طرح مجھے میرے حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی۔ مزید دیکھیے: موارد ابن عساکر في تاريخ دمشق (٢١٠٧/٣)

ابن عساکر کی خبر کا حکم: یہ روایت حسن ہے سوائے اس قول کے کہ ''میرے لیے فیصلہ کیا جائے گا اور معاویہ رضی اللہ عنہ کو معاف کر دیا جائے گا جس طرح مجھے میرے حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے۔'' یہ زیادت ضعیف ہے، کسی بھی سند سے ثابت نہیں ہے۔ جبکہ پہلی قسم کی خبر حسن سند کے ساتھ بھی آئی ہے۔ جیسا کہ اگلی روایت میں آ رہا ہے۔

ابن عساکر کی سند کے راوی:

- ابو القاسم خضر بن حسین بن عبدان: ابن عساکر ان کے متعلق کہتے ہیں کہ میں نے ان سے روایت لکھی ہے، یہ صاف دل شیخ تھے۔ سمعانی کہتے ہیں: شیخ ہیں، صالح ہیں، صدوق ہیں اور نیک سیرت ہیں، میں نے ان سے دمشق میں کئی اجزاء لکھے ہیں۔ تاريخ دمشق (٤٣٤/١٦) التحبير في المعجم الكبير (٢٦١/١)
- ابو القاسم علی بن محمد بن ابی العلاء مصیصی: ذہبی کہتے ہیں: یہ فقیہ اور ثقہ تھے۔ العبر (٣٥٥/٢) اور سير أعلام النبلاء (١٢/١٩) میں بھی ان کا ترجمہ ذکر کیا ہے۔
- ابو زکریا یحییٰ بن عمار: ان کے متعلق ذہبی کہتے ہیں: یہ امام، محدث، واعظ اور سجستان کے شیخ تھے اور یہ مبتدعہ، جہمیہ پر مائل تھے، ان کی طرف جھکاؤ رکھتے تھے اور ایسا تعلق رکھتے تھے جو طریقِ سلف سے تجاوز ہے۔ فصیح تھے، بہت خوبصورت وعظ کہتے تھے اور تفسیر کے تو امام تھے۔ دیکھیے: سير أعلام النبلاء (٤٨١/١٧) تاريخ الإسلام (٩٧/٢٩) العبر في خبر من غبر (٢٤٩/٢)
- ابراہیم بن احمد بن محمد انصاری سے مراد: ابو اسحاق میمذی قاضی ہیں۔ خطیب کہتے ہیں: یہ غیر ثقہ تھے۔ ابن حجر کہتے ہیں: ان کو ابن سمعانی نے ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھیے: الإكمال لابن ماكولا (٩١/٧) تاريخ دمشق (٢٤٧/٦) الأنساب للسمعاني (٥٣٥/١٢) تاريخ الإسلام (٤٩٤/٢٦) سير أعلام النبلاء (٢٦١/١٦) ميزان الاعتدال (١٧/١) لسان الميزان (٢٩/١)
- سعید بن یحییٰ بن سعید: بن ابان ابو عثمان اموی ثقہ ہیں، کبھی خطا کر جاتے ہیں۔
- خالد بن حیان رقی: ابو یزید کندی الخراز صدوق ہیں، خطا کر جاتے ہیں۔

[1] تیسری فصل کی نویں مبحث ملاحظہ کیجیے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ ''حساب مجھ پر اور معاویہ رضی اللہ عنہ پر ہے۔'' یہ ان کی ندامت پر دلالت کرتا ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا نادم ہونا اور صفین کے بعد قوت کے ساتھ اہلِ شام کو بیعت کے لیے مجبور کرنے کی کوشش کرنا باہم متعارض نہیں ہے، کیونکہ حزن وندامت کا معنی یہ نہیں ہے کہ اب سرے سے انسان کا عزم ہی ختم ہو جائے گا۔ بلکہ عزم، حیرت، حزن اور ندامت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دل میں جمع ہو گئے تھے۔ فتنوں میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ ایک حلم رکھنے والا بندہ حیران ہو جاتا ہے۔

امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے حکمین کے چلے جانے کے بعد غزوۂ شام کا عزم کر رکھا تھا۔ لیکن پھر خوارج کا شر پھیل گیا۔ وہ خون بہانے لگے، تو امیر المومنین ان میں مشغول ہو گئے، جب ان سے فارغ ہوئے تو ایک وقت تک غزوۂ شام میں تاخیر کی، پھر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حملوں میں مشغول ہو گئے۔ اس دوران میں امیر المومنین اپنے لشکر کو ابھارتے رہے، لیکن وہ نہیں نکلے یہاں تک کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان کے عناد کے سبب موت کی تمنا کرنے لگے۔[1]

[**395**] ہمیں ابو اسامہ نے ہشام بن عروہ سے بیان کیا، کہا: مجھے عبداللہ بن عروہ نے بیان کیا، کہا: مجھے ایک آدمی نے بتایا جو صفین میں حاضر تھا، کہنے لگا: میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ بعض راتوں میں نکلے اور اہلِ شام کی طرف دیکھا، کہا: اللہ مجھے اور ان کو معاف کر دے۔ لوگ سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو انھوں نے کہا: ان کے ہر حکم پر عمل کرو، یعنی سعد کے۔[2]

ان کے الفاظ: ''یعنی سعد کی بات مانو'' میں سمجھتا ہوں کہ یہاں تصحیف ہو گئی ہے، یا راوی کو وہم ہو گیا ہے۔ یہاں لفظ ''سعد'' نہیں بلکہ ''علی'' ہونا چاہیے تھا۔ یہ خبر اس بات کی دلیل ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اہلِ شام کے لیے استغفار کیا، جب اس کی خبر حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو دی گئی تو انھوں نے بھی ان کے لیے

---

[1] اہلِ لشکر کے عناد کے سبب ان کا موت کی تمنا کرنا: [رقم: ۵۱۴، ۵۲۱] میں اس کا تذکرہ ہوگا۔

[2] مصنف ابن أبي شيبة (۳۹۰۲۰) یہ روایت اپنے شواہد کے ساتھ حسن ہے، اس سند کے راوی ثقہ ہیں سوائے اس شخص کے جو صفین میں شامل ہوا تھا۔ یہ بندہ مبہم ہے لیکن وہ عینی شاہد ہے۔

ابو اسامہ سے مراد: حماد بن اسامہ قریشی کوفی ہیں۔

تخریج: یہ روایت یعقوب بن شیبہ نے اپنی مسند میں بیان کی ہے جیسا کہ تاریخ دمشق (۳٤٦/۱) میں ہے۔ اسی طرح بغية الطلب (۳۰۲/۱- ۳۰۳) میں ہے کہ ہمیں عثمان بن محمد ابن ابی شیبہ نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں اسامہ نے بیان کیا۔ لیکن اس کے آخر میں "يعني سعدا" کے لفظ نہیں ہیں۔ یہ الفاظ مختصر تاریخ دمشق (۱۳۱/۱) میں ہیں۔ دیکھیے: موارد ابن عساكر في تاريخ دمشق (۵۹۰/۱)

استغفار کیا اور اہلِ شام کے لیے استغفار کے متعلق اپنے ساتھیوں کو بھی وصیت کی۔ اور ہر معاملے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اتباع کی وصیت کی۔

اس روایت کو اس بات پر محمول نہیں کیا جا سکتا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے صفین کی جنگ رکنے کے بعد دعا کی ہوگی، کیونکہ سیدنا عمار رضی اللہ عنہ تو اس سے پہلے ہی شہید کر دیے گئے تھے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ اہلِ شام کے روساء اور ان کے ساتھیوں پر جنگ کے دوران میں اعلانیہ قنوت کیا کرتے تھے، تاکہ اہلِ شام کی خطا واضح ہو جائے اور ان کی بغاوت بیان ہو جائے۔

انہی دنوں میں اپنے بعض لشکریوں کے سامنے ان کے لیے استغفار بھی کرتے تھے، تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ اہلِ شام مومن ہیں کفار نہیں ہیں۔ عراقی لشکر کے بعض لوگوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اس عمل پر تعجب بھی کیا کہ آپ ایسا کیسے کر لیتے ہیں کہ ان پر قنوت بھی کرتے ہیں، پھر ان کے لیے استغفار بھی کرتے ہیں؟ یہ تعجب کرنے والے لوگ سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، انھیں اس کی خبر دی تو سیدنا عمار رضی اللہ عنہ نے ان کو بتایا کہ یہ بات حق ہے، کیونکہ ہر مسلمان کے لیے استغفار کرنا جائز ہے۔ پھر انھیں سیدنا عمار رضی اللہ عنہ نے وصیت کی کہ تم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اتباع کرو۔ ان کے اقوال، افعال اور کسی بھی چیز میں ان کی مخالفت نہ کرو۔ ایک وصیت یہ بھی تھی کہ تم ان کی مخالفت کر کے اہلِ شام کی تکفیر نہ کرو۔

[396] حارث بیان کرتے ہیں کہ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ صفین سے لوٹے تو ان کو علم ہو گیا کہ وہ اب حاکم نہیں رہ سکیں گے۔ انھوں نے کچھ چیزوں کے متعلق کلام کیا جن کے متعلق اس سے پہلے نہیں کرتے تھے اور کچھ ایسی باتیں کہیں جو اس سے پہلے نہیں کہتے تھے۔ انھوں نے کہا: لوگو! حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت کو ناپسند نہ کرو، اللہ کی قسم! اگر تم نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو کھو دیا تو تم دیکھو گے کہ سر کندھوں سے تنے کی فصلوں کی طرح کٹ رہے ہیں۔[1]

[1] الجزء المتمم لطبقات ابن سعد - الطبقة الرابعة (ص: ٤٣٢) بتحقيق سلومي۔ یہ روایت قرائن کے ساتھ مقبول ہے۔ اس خبر کی سند تو ضعیف ہے، کیونکہ مجالد بن سعید ہمدانی ضعیف ہے، شیعہ ہے، جبکہ عامر بن شراحیل شعبی ثقہ ہیں۔ حارث بن عبداللہ ہمدانی ابو زہیر اعور، اس کے متعلق ابن حجر نے کہا ہے کہ اس کی حدیث میں ضعف ہے۔ شعبی نے اس کی رائے میں ان کی تکذیب کی ہے اور ان کو رفض سے متہم کیا ہے۔

قرائن: پچھلی تین روایات میں صحیح ثابت ہو چکا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے صفین کے بعد ایسا کلام کیا جو اس سے پہلے نہیں کرتے تھے اور وہ ان کے لیے استغفار کرنا ہے اور یہ کہنا کہ حساب مجھ پر اور معاویہ پر ہے۔ ←

اس کا کہنا: ''سیدنا علی رضی اللہ عنہ صفین سے لوٹے تو ان کو معلوم ہو گیا کہ اب وہ حکمران نہیں رہیں گے'' کیوں کہ جنگ کے نتائج دیکھنے کے بعد انھیں یقین ہو گیا تھا کہ اب ان کی سلطنت مکمل نہیں ہو سکے گی اور نہ ہی آگے چل سکے گی، اقتدارِ شام ان کو اب نہیں ملے گا اور نہ ہی فتنے ختم ہوں گے۔ اس معنی پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول دلالت کرتا ہے: ''میں دیکھتا ہوں یہ قوم[1] تم پر غالب آ جائے گی، کیونکہ وہ اپنے باطل پر مجتمع ہے اور تم اپنے حق سے تفرقے میں پڑے ہوئے ہو، وہ اپنے امیر کی اطاعت کرتے ہیں اور تم اپنے امیر کی نافرمانی کرتے ہو، وہ امانتیں ادا کرتے ہیں اور تم خائن ہو۔''[2]

⊙ اگر سوال کیا جائے کہ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا کہ ان کی حکومت اب مکمل نہیں ہو سکے گی تو پھر اہلِ شام کو جھکانے پر اصرار کیوں کر رہے تھے؟

جواب: آپ اس لیے ہمیشہ اصرار کرتے رہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ ﴾ [الحجرات: ۹]

''اگر ان گروہوں میں سے ایک گروہ بغاوت پر اتر آئے تو اس سے قتال کرو، یہاں تک کہ وہ اللہ کے امر کی طرف واپس آ جائے۔''

اس بات کی دلیل سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے، وہ کہا کرتے تھے: ''یا اللہ! انھوں نے[3] مجھے امت میں دین قائم کرنے سے منع کر دیا لہٰذا تو مجھے اس کا ثواب دے دینا۔''[4] مراد یہ تھی کہ انھوں نے قرآن کے مطابق عمل کرنے سے منع کر دیا۔ اور قرآنِ مجید کے اندر جو چیز ہے اس سے مراد مذکورہ آیت ہے اور جس

← **تخریج:** اس روایت کو ابن ابی شیبہ نے المصنف (۳۹۰۰۹) میں، بلاذری نے أنساب الأشراف (۵/۵۲) میں، عبداللہ بن احمد نے السنة (۲/۵۵۰) میں، بیہقی نے دلائل النبوة (٦/٤٦٦) میں، ابن عساکر (۵۹/۱۵۱-۱۵۲) نے مجالد کی سند سے ایسے ہی روایت کیا ہے۔ بیہقی نے اپنی سند میں حارث کا ذکر نہیں کیا، جبکہ درست یہی ہے کہ اس کا ذکر کیا جائے۔
یہی روایت حلم معاویة لابن أبي الدنيا (٥)، تاریخ الإسلام (٤/١٦٧) (٤/٣١١)، سیر أعلام النبلاء (۳/۱٤٤) میں اور البداية والنهاية (۸/۱٤۰) میں بھی موجود ہے۔

[1] یعنی اہلِ شام۔
[2] دیکھیے: [رقم: ۵۱۴] اور اس کی اسناد صحیح ہے۔
[3] یعنی مراد اہلِ کوفہ ہیں۔
[4] دیکھیں: [رقم: ۵۱۸]

امر سے انھوں نے منع کیا تھا وہ باغی گروہوں سے قتال تھا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے قول میں اشارہ ہے کہ وہ آیت میں وارد امور کو واجب سمجھتے تھے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں پر جنگ کے دوران میں اعلانیہ قنوت کیا کرتے تھے، پھر جب جنگ ختم ہوگئی تو قنوت کرنا چھوڑ دیا اور ان کے مقتولین پر ترحم کرنے لگے۔

[**397**] عبدالرحمٰن بن معقل بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ فجر کی نماز ادا کی، تو انھوں نے قنوت کی اور اپنی قنوت میں کہا: یا اللہ! تو معاویہ اور ان کے ساتھیوں کو کافی ہو جا۔ عمرو بن عاص اور ان کے ساتھیوں کو کافی ہو جا۔ ابوالاعور سلمی اور ان کے ساتھیوں کو کافی ہو جا۔ عبداللہ بن قیس اور ان کے ساتھیوں کو کافی ہو جا۔[1]

ہم پیچھے ذکر کر آئے ہیں کہ ''عبداللہ بن قیس'' کا لفظ اس روایت میں غیر محفوظ ہے۔ اگر محفوظ ہو تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا موقف حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے متعلق بدل گیا تھا، کیونکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ انھیں خطا پر تو سمجھتے تھے، اسی لیے ان پر قنوت کی تھی اور جو لوگ بھی ان کے ساتھ الگ ہوئے ان پر بھی قنوت کی۔

پھر جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جنگ کی ہولناکیاں دیکھیں تو نادم ہوئے اور تمنا کی کہ اے کاش! ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی رائے پر عمل کیا ہوتا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ انھوں نے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو اس معاملے میں باقاعدہ حکم مقرر کیا اور لوگوں سے اس تحکیم کے بارے میں کہا: لوگو! یہ فتح ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے تحکیم کو قبول بھی کیا اور لوٹ گئے اور لوگ بھی لوٹ گئے۔[2]

علی رضی اللہ عنہ نے جنگ کے رُکنے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح قرار دیا تھا، اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اس فتح کی مثال قرار دیا تھا، اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے متعلق اپنی رائے سے رجوع کر چکے تھے۔

اس سے حارث اعور کے قول کا معنی بھی واضح ہو جاتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کچھ ایسی باتیں کرنے لگے جن سے متعلق پہلے بات نہیں کرتے تھے۔

---

[1] مصنف ابن أبي شيبة (۷۱۲۳) اس کی سند صحیح ہے، سوائے ان الفاظ کے ''عبداللہ بن قیس اور ان کے ساتھیوں کو کافی ہو جا۔'' [رقم: ۳۰۷] میں گزر چکی ہے۔

[2] [رقم: ۳۷۷] میں یہ گزر چکی ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت کو ناپسند نہ کرو، اللہ کی قسم! اگر تم نے انھیں کھو دیا تو تم اس طرح گرتے ہوئے دیکھو گے جیسے تمے گرتے ہیں۔'' تو شاید اس کا معنی یہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے معاملات کا اندازہ لگا لیا تھا اور اس پر پورا غور وفکر کر لیا تھا۔ ان پر یہ واضح ہو گیا تھا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ شام کے معاملے کو پوری طرح اپنے ہاتھ میں رکھتے ہیں۔ رومیوں سے سرحدوں کو بچاتے ہیں اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ تعامل میں حکیم ہیں۔ اپنے وعدوں میں امین ہیں۔ گویا سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر تجربے اور غور وفکر کے بعد واضح ہو چکا تھا کہ اگر کسی اور شخص نے شام کی قیادت کی تو شر زیادہ ہو جائے گا، قتل بڑھ جائے گا اور خون بہنے لگیں گے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے صفین کے بعد ایک ایسا فیصلہ کیا جو ان کے بعض مواقف سے رجوع پر دلیل ہے۔ انھوں نے حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ کو کوفہ سے معزول کر دیا تھا، کیونکہ حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو صفین کی جنگ سے قبل کہا تھا کہ خیر صلح میں ہے۔ صفین کے قتال میں کوئی خیر نہیں ہے۔ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ صفین سے واپس آئے، انھیں اس بات کے متعلق بتایا گیا تو انھوں نے ابو مسعود رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا۔ حالانکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ خود اس صلح کو قبول کر چکے تھے، جس کی تمنا حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے کی تھی۔ تو شاید سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس لیے ان کو معزول کیا کہ ان کی رائے میں یہ تعلیمات کے مخالف قول تھا اور خلیفہ کی سیاست کے بھی مخالف تھا اور پھر امورِ سلطنت میں دخل اندازی کے مترادف تھا۔ واللہ أعلم.

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے صلح ہی کو قبول کر لیا جس کے ابو مسعود داعی تھے، جب کہ وہ صفین سے پہلے یہ موقف رکھتے تھے کہ یا ہماری بیعت کر لو یا جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ مگر جنگ کی ہولناکیوں کو دیکھ کر وہ صلح کے حامی بن گئے۔

ابن دیزیل کی خبر[1] بھی اس بات پر دلیل ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا موقف بدل گیا تھا اور وہ دوسرے موقف پر ثابت قدم ہو چکے تھے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا جو موقف بدلا تھا، اس کا ذکر تو ہم کر آئے ہیں کہ وہ جنگ کرنے پر نادم تھے اور وہ اس کی ذمے داری صرف سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اب نہیں ڈالتے تھے، بلکہ خود پر اور معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں پر ڈالتے تھے۔

میں کہتا ہوں: وہ دونوں مجتہد ماجور تھے اور فتنے کے وقت کبھی ایسا ہو جاتا ہے کہ حق پر کچھ پردے پڑ جاتے ہیں جو فتنے کے ختم ہونے کے بعد ہی کھلتے ہیں۔

---

[1] [رقم: ۳۹۳] کے تحت گزر چکی ہے۔

[398] امام طبری سیف بن عمر کی سند سے ایک لمبی خبر لائے ہیں، اس میں ہے کہ سیدنا ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو فتنے میں پڑنے سے روکا تھا اور انھوں نے کہا تھا کہ فتنہ جب آتا ہے تو وہ متشابہ ہوتا ہے اور جب چلا چلتا ہے تو بالکل واضح ہو جاتا ہے۔[1]

ان کے اس قول کا معنی درست ہے اور یہ حسن بصری رحمہ اللہ کے قول سے بالکل صحیح ثابت بھی ہے۔

باقی رہا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا وہ موقف جو کبھی بھی نہیں بدلا تو وہ ان کا اہلِ شام کے متعلق یہ اعتقاد تھا کہ وہ مومن ہیں، وہ ایمان کے دائرے سے نکلے نہیں ہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ مقتولینِ عراق میں گئے تو ان کے لیے استغفار کیا، یہاں تک کہ اہلِ شام کے لشکر کے مقتولین تک پہنچ گئے تو ان کے لیے بھی استغفار کیا تو سالم بن عبید نے انھیں یاد کروایا کہ ہم سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کے مقتولین تک پہنچ گئے ہیں! آپ ان کے لیے استغفار کر رہے ہیں یہ تو معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر سے ہیں! تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ دعا اور مغفرت سے رُکے نہیں اور سالم کو بیان کیا کہ وہ کفار یا منافقین نہیں ہیں کہ ان کے بارے میں دعا نہ کی جائے یا مغفرت کی دعا نہ کی جائے، بلکہ وہ مومن ہیں ان کے لیے استغفار جائز ہے۔ ہم دونوں فریقوں کے مقتولین کے لیے مغفرت اور رحمت کی دعا کرتے ہیں جبکہ وہ جنگ جو واقع ہوئی ہے اور وہ خون جو بہائے گئے ہیں تو ان کی ذمے داری علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما پر ہے۔ اللہ تعالیٰ عنقریب ان دونوں سے حساب لے گا۔

---

[1] تاريخ الطبري (٢٦/٣) اس کی سند ضعیف ہے۔

تخریج: یہ مقولہ نعیم بن حماد الفتن (٣٤٧) میں ابو مہدی سعید بن سنان شامی کی سند سے لائے ہیں۔ وہ جبیر بن نفیر سے بیان کرتے ہیں، وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً بیان کرتے ہیں، لیکن وہ روایت موضوع ہے، کیونکہ سعید بن سنان متروک ہے اور دارقطنی وغیرہ نے اسے وضاع کہا ہے۔

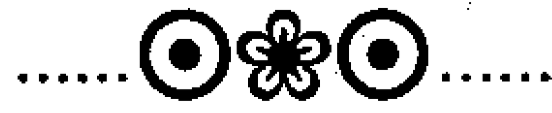
اسی طرح نعیم بن حماد الفتن (٣٤٨) میں ایک اور روایت لائے ہیں، وہ کہتے ہیں: ہمیں وکیع نے سفیان سے بیان کیا، وہ اعمش سے، وہ زید بن وہب سے، وہ عبداللہ بن مسعود سے موقوفاً بیان کرتے ہیں، اس کی سند بھی ضعیف ہے، کیونکہ نعیم بن حماد خود ضعیف ہے۔

پھر نعیم بن حماد نے اس کے بعد والی خبر (٣٤٩) لائی ہے، وہ کہتے ہیں: سفیان نے کہا: ہمیں حارث بن حصیرہ نے خبر دی، وہ زید بن وہب سے، وہ حذیفہ بن یمان سے اسی کے متعلق بیان کرتے ہیں، اس میں یہ الفاظ زائد ہیں کہ سیدنا حذیفہ سے کہا گیا: فتنے کا آنا بھلا کیا ہوتا ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ تلواریں سونت لی جاتی ہیں، پوچھا: پھر جانا کیا ہوتا ہے؟ انھوں نے کہا: پھر تلواریں نیام میں ڈالی جاتی ہیں۔ یہ روایت سابقہ روایت کی طرح ضعیف ہے۔ آگے حسن بصری کا کلام [رقم: ٤٢٠] میں تخریج کے ساتھ آ رہا ہے۔

جیسا کہ معلوم ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان میں سے نہ کسی کو قیدی بنایا اور نہ ہی مالِ غنیمت لیا، بلکہ ان کے ساتھ باغیوں والا تعامل کیا، کفار مرتدین والا تعامل نہیں کیا۔

اب دیکھیں ابو امامہ رضی اللہ عنہ کا قول کہ وہ کہتے ہیں: میں صفین میں حاضر تھا تو وہ کسی زخمی کا سامان نہیں اٹھاتے تھے اور نہ کسی کو غلام بناتے تھے اور نہ کسی مقتول کا سامان سلب کرتے تھے۔[1]

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے مناظرے میں خوارج سے کہا تھا: تم کہتے ہو کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے قتال کیا لیکن نہ تو کسی کا مالِ غنیمت لیا اور نہ کسی کو غلام بنایا۔[2]



---

(1) دیکھیں: [رقم: ۳۲۱]

(2) دیکھیں: [رقم: ۴۸۲]

تیرھواں مبحث:

ابو میسرہ عمرو بن شرحبیل ہمدانی کوفی کا خواب

ابو میسرہ رحمہ اللہ صفین میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شامل ہوئے تھے۔ اس کے باوجود وہ اہلِ شام کے ساتھ ویسے ہی عدل و انصاف والا معاملہ کرتے جیسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ انصاف کرتے تھے۔ جب ابو میسرہ نے لوگوں کو خبر دی کہ انھوں نے دو خواب دیکھے ہیں اور دونوں کا تعلق صفین کے ساتھ ہے:

پہلا خواب: انھوں نے صفین کی رات دیکھا تھا۔ اس کا ذکر گزر چکا ہے۔[1]

دوسرا خواب: انھوں نے صفین اور نہروان کے ایک زمانے بعد دیکھا۔ اس کا ذکر آگے آرہا ہے:

[399] ابو میسرہ عمرو بن شرحبیل بیان کرتے ہیں: میں نے خواب میں دیکھا، گویا آسمان پھٹ گیا ہے اور اس میں سے ایک شخص ظاہر ہوا ہے۔ میں نے کہا: آپ کون ہیں؟ تو اس نے کہا: میں فرشتہ ہوں۔ میں نے کہا: میں آپ سے سوال کرتا ہوں تو اس نے کہا: جو دل چاہے سوال کر، میں نے کہا: مجھے اہلِ جمل کے متعلق بتائیں تو اس نے کہا: دو مومن گروہ تھے جن کی آپس میں لڑائی ہوئی۔ میں نے کہا: پھر مجھے اہلِ صفین کے بارے میں بتائیں؟ تو اس نے کہا: یہ بھی دو مومن گروہ تھے جن کی آپس میں لڑائی ہوئی، پھر میں نے کہا: مجھے اہلِ نہروان کے بارے میں بتاؤ؟ تو اس نے کہا: ان لوگوں نے امام کو چھوڑ دیا اور اس کی بیعت توڑ دی اور پھر ان کو تکلیف برداشت کرنا پڑی۔[2]

---

[1] دیکھیں: [رقم: ۳۳۴]

[2] المنامات لابن أبي الدنیا (۲۴۵) خبر حسن ہے اور اس کی سند میں ابو اسحاق ہیں جو عمرو بن عبداللہ سبیعی ہیں، ثقہ ہیں، کثرت سے روایت کرنے والے ہیں اور عبادت گزار ہیں۔ آخری عمر میں اختلاط ہو گیا تھا۔

اس کے بقیہ رجال:

- ابراہیم بن عبداللہ: ابن حاتم ہروی، ابو اسحاق، صدوق حافظ ہیں۔ ان پر قرآن کی وجہ سے کلام ہوا۔
- قبیصہ: صدوق ہیں۔
- مطرف: یہ ابن طریف حارثی ہیں، ثقہ ہیں۔
- ابو میسرہ بھی ثقہ ہیں۔ [رقم: ۳۳۴] میں اس کا تعارف گزر چکا ہے۔

[400] ابومیسرہ بیان کرتے ہیں: میں نے خواب دیکھا کہ ایک باغ میں کچھ خیمے گھاڑے ہوئے ہیں۔ میں نے پوچھا: یہ کن کے ہیں؟ تو انھوں نے کہا: ذوالکلاع اور ان کے ساتھیوں کے ہیں،[1] پھر میں نے جنت میں کچھ اور خیمے دیکھے، میں نے پوچھا: یہ کن کے ہیں؟ تو انھوں نے کہا: یہ سیدنا عمار رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں[2] کے ہیں۔ پھر میں نے کہا کہ یہ کیسے ہوگیا یہ تو ایک دوسرے کو قتل کر رہے تھے؟ تو اس نے کہا کہ انھوں نے اللہ کو پایا کہ وہ بہت وسیع مغفرت کرنے والا ہے۔[3]

---

① یعنی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت کے مقتول۔ ذوالکلاع: سمیفع بن حوشب الحمیری، تابعی ہیں، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کے سپہ سالاروں میں سے تھے، صفین میں قتل ہوئے۔

② مراد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی جماعت کے مقتولین ہیں۔

③ الشريعة للآجري (١٩٨٢) اس کی سند صحیح ہے اور اس کے تمام رجال ثقہ ہیں۔ صحیح بخاری اور مسلم کے راوی ہیں۔
یحییٰ بن سعید سے مراد: قطان ہیں۔ سفیان سے مراد: سفیان ثوری ہیں۔ ابووائل سے مراد: شقیق بن سلمہ ہیں۔
اس روایت کو حافظ ذہبی اور ابن حجر نے صحیح قرار دیا ہے۔ جیسا کہ تخریج کے آخر میں ذکر ہوگا۔

تخریج: اس روایت کو حافظ ابونعیم نے الحلية (٦٢/٩) میں بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں مخلد بن جعفر نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں احمد بن محمد بن جعد نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں نوح بن حبیب نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں عبدالرحمٰن بن مہدی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن سعید نے یہی روایت بیان کی۔ اس کی سند صحیح ہے۔ اس کے راوی مخلد بن جعفر سے مراد: ابوعلی الباقرحی ہیں۔

خطیب بغدادی کہتے ہیں: میں نے حافظ ابونعیم سے مخلد بن جعفر کے متعلق پوچھا تو انھوں نے کہا: جب ہم نے ان سے سنا تھا تو ان کا معاملہ مستقیم تھا، پھر جب ہم بغداد سے نکل آئے تو ہمیں خبر ملی کہ وہ مختلط ہو گئے ہیں۔

میں نے احمد بن علی البادہ سے مخلد بن جعفر کا ذکر کیا تو انھوں نے کہا: وہ ثقہ تھا۔ اس کا سماع بھی صحیح تھا، لیکن اس کو حدیث کا کچھ پتا نہیں تھا۔ دیکھیے: تاريخ بغداد (١٧٨/١٣) سير أعلام النبلاء (٢٥٤/١٦)

اسی طرح ابوالقاسم علی بن ابراہیم بن عباس النسیب نے اپنی "أمالي" میں ذکر کیا ہے جیسا کہ تاريخ دمشق (٣٩٥/١٧) میں ہے۔ وہ کہتے ہیں: ہمیں عبدالعزیز بن احمد نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں تمام بن محمد نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں خبر دی ابومحرز عبدالواحد بن ابراہیم بن عبدالواحد عبسی اور محمد بن عبداللہ بن احمد قاضی نے، وہ دونوں کہتے ہیں: ہمیں ابوصالح یحییٰ بن محمد بن محمد بغدادی بیت سوا میں بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں عمر بن علی فلاس نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن سعید نے بیان کیا۔ آگے یہی روایت بیان کرتے ہیں۔ موارد ابن عساكر في تاريخ دمشق (٢١٦٠/٣)

عبدالعزیز بن احمد سے مراد: عبدالعزیز بن احمد کتانی ہیں۔ خطیب بغدادی وغیرہ نے ان کی توثیق کر رکھی ہے۔ سير أعلام النبلاء (٢٤٨/١٨)

←

←تمام بن محمد سے مراد: ابوالقاسم بجلی ہیں۔ ان کی توثیق عبدالعزیز کتانی نے کی ہے۔ سیر أعلام النبلاء (۲۸۹/۱۷)
عبدالواحد کا تعارف ابن عساکر نے اپنی التاریخ (۲۰۶/۳۷) میں ذکر کیا ہے لیکن ان کے متعلق کوئی جرح اور تعدیل ذکر نہیں کی۔ محمد بن عبداللہ سے مراد: ابن زبر ربعی ہیں۔ کتانی نے ان کی توثیق کی ہے۔ سیر أعلام النبلاء (۴۴۰/۱٦)
ابو صالح یحییٰ کا تعارف خطیب نے اپنی التاریخ (۲۳٤/۱٤) میں ذکر کیا ہے، لیکن اس کے بارے میں کوئی جرح و تعدیل ذکر نہیں کی۔ وہ کہتے ہیں: انھوں نے عمرو بن علی فلاس سے روایت بیان کی ہے اور ان سے ابوسلیمان محمد بن عبداللہ بن احمد بن زبر دمشقی اور ابومحرز عبدالواحد بن ابراہیم دمشقی بیان کرتے ہیں۔ پھر انھوں نے ذکر کیا کہ ان لوگوں نے ان دونوں سے بیت سوا میں سماع کیا ہے۔ اور وہ دمشق کے ایک محلے میں تھا۔ اور فلاس تو ثقہ حافظ ہیں۔ التقریب (۷٦۱)
اس روایت کو ابن عبدالبر نے الاستیعاب (٤۷٤/۲) میں بھی ذکر کیا ہے، وہ کہتے ہیں: ہمیں خلف بن قاسم نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن عمر جوہری نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں احمد بن محمد بن حجاج بن رشدین نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں ایوب بن سلیمان بن ابی حجر ایلی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں مومل بن اسماعیل نے بیان کیا، وہ سفیان ثوری سے یہی روایت بیان کرتے ہیں۔
اس میں ایوب بن سلیمان بن ابی حجر کے متعلق ابن ابی حاتم کہتے ہیں: میں نے اپنے والد اور ابو زرعہ سے ان دونوں کے متعلق پوچھا: تو انھوں نے کہا: ہم اس کو نہیں جانتے اور میرے والد نے کہا: یہ روایات جو یہ بندہ بیان کرتا ہے، وہ صحیح ہیں۔ ابن یونس نے اپنی ''تاریخ'' میں لکھا ہے کہ ایوب بن سلیمان بن عبدالواحد بن ابی حجر کی کنیت ابوسلیمان ہے اور میں نے دیکھا ہے ان لوگوں کو جو اس سے بیان کرتے ہیں۔ اسی طرح امام دارقطنی نے کہا ہے اور انھوں نے یہ الفاظ زیادہ کیے ہیں کہ اس سے ان کے بیٹے داود نے بیان کیا ہے۔ ازدی کہتے ہیں: یہ منکر الحدیث تھا اور ازدی تو بذاتِ خود ضعیف ہے۔ امام ابوحاتم کہتے ہیں: اس کی احادیث صحیح ہیں، لہٰذا ازدی کے قول کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔
ایوب کے حالات ملاحظہ کیجیے: الجرح والتعديل (۲٤۹/۲) تاريخ ابن يونس المصري (٥٤/۱) المؤتلف والمختلف للدارقطني (٦٦٤/۲) الإكمال لابن ماكولا (۱۲۹/۱) (۳۸۸/۲) تاريخ دمشق (۱۱۱/۱۷) توضيح المشتبه (۱۳۳/۱) (۱۲٦/۳) ميزان الاعتدال (۲۸٥/۱) إكمال تهذيب الكمال (۳۳٤/۲) لسان الميزان (٤۷۷/۱) تبصير المنتبه (٤۱۳/۱).

یہ روایت ابن دیزیل اپنی کتاب ''صفین'' ([رقم: ۱٥۲] بمطابق میری جمع وتحقیق) میں بھی لائے ہیں جیسا کہ تاریخ دمشق (۳۹٥/۱۷) میں ہے۔ نیز بغية الطلب (۳۰٤/۱) میں بھی موجود ہے، ہمیں یحییٰ بن سلیمان نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن یمان نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں سفیان ثوری نے یہی روایت بیان کی۔
اسی طرح ابن عبدالبر نے الاستیعاب (٤۷۳/۲) میں اس کا ذکر کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: ہمیں خلف بن قاسم نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن عمر نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں احمد بن محمد بن حجاج بن رشدین نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن سلیمان نے یہی روایت بیان کی۔

اس روایت کی ایک دوسری معلول سند:

[401] ابو وائل سے روایت ہے کہ ابومیسرہ، جو ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے فاضل ساتھیوں میں سے تھے، نے خواب دیکھا، وہ کہتے ہیں: میں نے خواب میں دیکھا، گویا میں جنت میں داخل ہوا ہوں اور کچھ خیمے لگے پڑے ہیں، میں نے پوچھا: یہ کن کے ہیں؟ انھوں نے کہا: یہ ذوالکلاع اور حوشب کے ہیں۔ میں نے کہا: وہ تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صفین میں قتل ہو چکے تھے۔ میں نے کہا: عمار رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی کہاں ہیں؟ انھوں نے بتایا: وہ آپ کے سامنے ہیں۔ میں نے کہا: انھوں نے تو ایک دوسرے کو قتل کیا تھا، تو مجھے بتایا گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کو ملے تو اسے بہت مغفرت کرنے والا پایا۔ میں نے کہا: تو اہلِ نہروان یعنی خوارج کا کیا ہوا؟ تو ان سے کہا گیا: ان کو سختی اور تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔[1]

← اسی طرح یعقوب بن شیبہ اپنے مسند میں یہی روایت لائے ہیں جیسا کہ تاریخ دمشق (۳۹۶/۱۷) میں ہے۔وہ کہتے ہیں: ہمیں عثمان بن محمد ابن ابی شیبہ نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں ہمیں یحییٰ بن یمان نے یہی روایت بیان کی۔

اس روایت کو ابن حجر نے الإصابة (٤٢٩/٢) میں صحیح قرار دیا ہے اور کہتے ہیں: یعقوب بن شیبہ نے اس کو صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ابو وائل سے اور وہ ابو میسرہ سے کہ انھوں نے خواب دیکھا، ...... پھر اس کو ذکر کیا۔

اسی طرح حافظ ذہبی اس کو کتاب العبر (٢٩/١) میں لائے ہیں اور کہا: ابو وائل سے صحیح سند سے ثابت ہے کہ وہ اور میسرہ سے یہ خواب بیان کرتے ہیں۔ البتہ ان دونوں کی مخالفت قبیصہ بن عقبہ نے کی ہے۔ ابن سعد اپنی الطبقات (٢٦٤/٣) میں روایت لائے ہیں اور اسی کی سند ابن عساکر (۳۹۶/۱۷) نے بھی بیان کی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ہمیں قبیصہ بن عقبہ نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں سفیان نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں اعمش نے بیان کیا، وہ ابوالضحیٰ سے بیان کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: ابومیسرہ نے خواب میں ایک سبز باغ دیکھا، اس میں کچھ قبے لگے ہوئے تھے۔ ان میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ تھے اور کچھ قبے لگے ہوئے تھے ان میں ذوالکلاع تھے، میں نے پوچھا: یہ کیسے ہو گیا؟ حالانکہ انھوں نے تو آپس میں لڑائی کی تھی تو مجھے بتایا گیا: انھوں نے اپنے رب کو وسیع مغفرت کرنے والا پایا۔

[1] تاريخ دمشق (٣٤٦/١٥) بغية الطلب في تاريخ حلب (٣٠٤/١- ٣٠٥) كتاب صفين لابن ديزيل، رقم: [١٥٣] میری جمع و تحقیق کے مطابق۔

یہ روایت صحیح ہے لیکن اس سند میں یزید بن ہارون نے خطا کی ہے جیسا کہ اس نے خود بتایا ہے۔ یعقوب بن شیبہ اپنی مسند میں روایت لائے ہیں جیسا کہ تاریخ دمشق (٣٤٧/١٥) اور (۴۸۳/۴۳) میں ہے۔ اسی طرح موضح أوهام الجمع والتفريق (٥٩/١- ٦٠) میں بھی روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں: ہمیں عثمان بن محمد ابن ابی شیبہ نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں محمد بن یزید واسطی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں عوام بن حوشب نے بیان کیا، وہ ابراہیم مولی صخیر سے بیان کرتے ہیں، وہ ابو وائل سے بیان کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: ابومیسرہ نے خواب دیکھا، .... ←

....

← آگے روایت مکمل ہے، پھر عثمان نے کہا: میں نے یزید بن ہارون سے پوچھا، جب انھوں نے عوام کی حدیث: ''ذوالکلاع اور حوشب کی حدیث'' ہمیں بیان کی کہ کیا محمد بن یزید نے ہمیں یہ روایت ابراہیم مولا صخیر سے بیان کی تھی؟ یزید نے کہا: انھوں نے درست بیان کیا اور میں نے خطا کی۔ عثمان کہتے ہیں: یہ ابراہیم مولیٰ صخیر ہیں اور وہ ابراہیم بن عبدالرحمٰن سکسکی، ابواسماعیل ہیں۔ وہ تهذيب الكمال (٢٢٧/٢١) میں عثمان بن ابی شیبہ سے یہ روایت بیان کرتے ہیں۔ دیکھیے: موارد ابن عساكر في تاريخ دمشق (٥٩٠/١)

خطیب بغدادی نے یہ روایت بیان کرنے کے بعد کہا: محمد بن یزید نے اس حدیث میں یزید بن ہارون کی مخالفت کی ہے اور درست بات وہی ہے جو محمد بن یزید نے کہی ہے۔

میں کہتا ہوں: اس روایت کو بیان کرنے میں یزید بن ہارون منفرد نہیں ہیں، بلکہ اس روایت کو سعید بن منصور نے بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں: ہمیں شہاب بن خراش نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں عوام نے بیان کیا، وہ عمرو بن مرہ سے اسی طرح بیان کرتے ہیں۔

شہاب بن خراش: صدوق ہے، خطا کرتا ہے۔ میں کہتا ہوں: کبھی سند میں بھی خطا کر جاتا ہے۔ اس کے باوجود ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے جیسا کہ تخریج میں آرہا ہے۔

یحییٰ سے مراد: ابن سلیمان جعفی ہیں اور ابراہیم مولیٰ صخیر صدوق ہے لیکن اس کا حفظ کمزور ہے۔ التقريب (٢٠٤)

تخریج: اس روایت کو ابن عبدالبر نے الاستيعاب (٤٧٣/٢- ٤٧٤) میں ذکر کیا ہے، وہ کہتے ہیں: ہمیں خلف بن قاسم نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن عمر نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں احمد بن محمد بن حجاج بن رشدین نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن سلیمان نے یہی روایت بیان کی۔

مزید دیکھیے: الطبقات الكبرى (٢٦٣/٣) اسی سند سے ابن عساکر (٣٤٥/١٥- ٣٤٦) نے بیان کیا۔ مصنف ابن أبي شيبة (٣٨٩٩٩) مسند يعقوب بن شيبة - تاريخ دمشق (٣٩٦/١٧) الشريعة للآجري (١٩٨٣) شرح أصول الاعتقاد للالكائي (٢٠٢٠) حلية الأولياء لأبي نعيم (١٤٣/٤) السنن الكبرى للبيهقي (١٦٧٢٠) اسی سند سے ابن عساکر (٣٤٦/١٥) نے بیان کیا۔ موضح أوهام الجمع والتفريق للخطيب (٥٩/١- ٦٠) میں یزید بن ہارون کی سند سے ایسے ہی مروی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یعقوب بن سفیان اور ابراہیم ابن دیزیل نے کتاب "صفین" میں اور بیہقی نے "الدلائل" وغیرہ میں صحیح سند سے ابو وائل سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں: عمر بن شرحبیل نے خواب دیکھا۔ دیکھیے: الإصابة (١٨٥/٢) لیکن مجھے یہ روایت "دلائل النبوة للبيهقي" میں نہیں ملی، میں ڈرتا ہوں کہ شاید یہ سبقتِ قلم ہوگئی ہو یا اس میں تصحیف ہوگئی ہو۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ درست بات یہ ہے کہ یعقوب بن شیبہ اور بیہقی نے الکبری میں اس کو روایت کیا ہے۔ اور اس کو ڈاکٹر اکرم ضیاء عمری نے المعرفة والتاريخ (٣١٤/٣) میں بھی الجزء المفقود میں "الإصابة" پر اعتبار کرتے ہوئے ذکر کیا ہے۔

......⊙❀⊙......

اسی طرح یہ روایت سعید بن منصور اپنی السنن (۲۹۵۵) میں لائے ہیں۔ وہ شہاب بن خراش سے بیان کرتے ہیں، وہ عوام سے یہی روایت بیان کرتے ہیں۔ ہم ذکر کر آئے ہیں کہ شہاب نے اس کی سند میں خطا کی ہے۔ یہاں ہم کچھ اضافہ کریں گے اور وہ یہ ہے کہ انھوں نے اس کے متن میں دو زیادات کر دی ہیں جو درست نہیں ہیں۔ اور ان کے بیان کرنے میں یہ منفرد بھی ہے اور وہ صدوق تو ہے مگر خطا کرتا ہے۔ لہٰذا اس سے ایسی روایت نہیں لی جا سکتی۔

وہ زیادات کیا ہیں، وہ یہ ہیں کہ ابووائل نے ابن شرحبیل کو مسروق سے افضل کہا ہے۔ نیز ابو میسرہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مددگار ہونے کے باوجود کسی گروہ کو حق پر نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن یہ ناممکن سی بات لگ رہی ہے۔ واللہ اعلم!

اس کے الفاظ یہ ہیں: (ابو وائل بیان کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: مجھے عمرو بن شرحبیل ہمدانی نے بیان کیا اور ہم نے ہمدانی کو ان سے افضل نہیں سمجھا، میں نے کہا: اور مسروق سے بھی افضل نہیں؟ انھوں نے کہا: مسروق بھی نہیں۔ تو کہتے ہیں: میں نے اہلِ صفین کے معاملے کا اہتمام کیا لیکن میں دونوں فریقوں میں فضیلت نہیں سمجھتا تھا۔ میں نے اللہ سے دعا کی کہ مجھے ایک ایسا معاملہ دکھا دے جس پر میں مطمئن ہو چکا ہوں۔ تو پھر مجھے یہ بات خواب میں دکھائی گئی ......)

دیکھیے: موارد ابن عساکر في تاریخ دمشق (۳۹۸/۱) کتاب صفین لابن دیزیل- الطبقات الکبری (۱٦۳٦/۳) مسند یعقوب بن شیبة (۵۹۰/۱) السنن الکبری للبیهقي (۵٦۵/۱)

چودھواں مبحث:

صفین کے مقتولین کی تعداد

ضعیف روایات میں صفین کے مقتولین کے متعلق مبالغے سے کام لیا گیا ہے۔ بعض لوگوں نے تو کہا ہے کہ مقتولین کی تعداد ستر ہزار تھی، جن میں سے پینتالیس ہزار اہلِ شام سے تھے اور اہلِ عراق کے پچیس ہزار تھے،[1] بلکہ مسعودی نے تو یہاں تک ذکر کیا ہے کہ یہ ایک لاکھ دس ہزار تک تھے۔ اہلِ شام کے نوے ہزار تھے اور اہلِ عراق کے بیس ہزار تھے۔[2]

یہ تعداد ان اسباب کی بنیاد پہ جھوٹ پر مبنی ہے:

1. ان میں نکارت ہے، ایک حد سے زیادہ جھکاؤ ہے۔ تو نکارت ایک علتِ قادحہ ہے۔ جو تاریخی خبر کو مردود کر دیتی ہے۔ جیسا کہ ہم نے منہجی مقدمے میں ذکر کیا ہے۔
2. اسی طرح ہم ذکر کر آئے ہیں[3] کہ علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کی تعداد تقریباً پچاس ہزار تھی اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کی تعداد چالیس ہزار تھی، جب مقتولین ہی ستر ہزار ہو جائیں تو اس کا معنی یہ ہے کہ دونوں فریقوں میں سے چند لوگ ہی بچے ہوں اور دوسرے قول کے مطابق تو ایک بندہ بھی نہیں بچا ہوگا، حالانکہ یہ دونوں باتیں ناممکن ہیں۔
3. فارسیوں رومیوں کے ساتھ اس سے بھی زیادہ شدید قسم کے معرکے ہوئے، لیکن مسلمانوں میں سے اس تعداد کا دسواں حصہ بھی قتل نہیں ہوا۔ یہ یرموک کا معرکہ ہے جس میں رومیوں کی تعداد دو لاکھ تک پہنچ

---

[1] مروج الذهب (٣٠٦/٢) انھوں نے اس روایت کو ہیثم بن عدی اور شرقی بن قطامی اور ابو مخنف سے منسوب کیا ہے۔ شرقی بن القطامی سے مراد: ولید بن حصین کوفی ہیں، جو علامہ ہیں ادیب ہیں ماہرِ انساب اخباری ہیں۔ زکریا ساجی نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے۔ ابو حاتم نے کہا ہے کہ یہ حدیث میں قوی نہیں ہے۔ دیکھیے: الجرح والتعديل (٣٧٦/٤) معجم الأدباء (١٤١٥/٣) ميزان الاعتدال (٢٦٨/٢)

[2] مروج الذهب (٣٠٦/٢) کہتے ہیں: احمد ابن الدورقی نے یحییٰ بن معین سے ذکر کیا: مقتولین کی تعداد ...... پھر یہ روایت ذکر کی۔

[3] صفحہ (٥٠٠) میں۔

گئی تھی اور مسلمانوں کی تعداد فقط ۲۰ ہزار تھی، لیکن مسلمانوں میں صرف چار ہزار قتل ہوئے۔

اسی طرح قادسیہ کا معرکہ ہے جس میں مجوسیوں کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی اور ستر ہزار ہاتھی تھے اور مسلمان فقط پینتیس ہزار تھے، لیکن مسلمانوں میں سے صرف چھے ہزار قتل ہوئے۔ بعض کہتے ہیں: آٹھ ہزار قتل ہوئے تو ایسا تو ناممکن ہے کہ صفین کے مقتولین کی تعداد قادسیہ کے مقتولین سے بھی زیادہ ہو۔

4 صفین کی جنگ تو چھوٹے چھوٹے دستوں کی صورت میں ہوئی تھی، یا لوگوں کی انفرادی قسم کی جنگ تھی۔ ان میں دونوں لشکروں کے درمیان بہت زیادہ مڈھ بھیڑ تو تھی نہیں، سوائے آخری تین دنوں کے اور وہ بھی دن کے وقت ایسا ہوا تھا سوائے جمعے کی رات کے۔ اس لحاظ سے ان کی باہمی مڈھ بھیڑ کا مکمل دورانیہ تقریباً ۳۵ یا ۳۸ گھنٹے بنتے ہیں۔[1]

5 اس پوری مڈھ بھیڑ کے دورانیے میں دونوں لشکروں کی غالب تعداد جنگ سے اکتا گئی اور تھک چکی تھی۔ ان کی قتال میں کوئی رغبت ہی نہیں رہ گئی تھی۔

جیسا کہ نصر بن مزاحم کی روایت میں آتا ہے: وہ جنگ سے تھک گئے تھے اور قتال کو ناپسند کرنے لگے تھے اور ان کے لوگوں کی قوت گرنے لگی تھی۔[2]

6 نیز دونوں لشکروں میں سے کسی نے بھی شکست نہیں کھائی، کیونکہ جو لشکر شکست کھاتا ہے اس میں بہت زیادہ مقتولین ہوتے ہیں لیکن صفین میں تو ایسا ہوا ہی نہیں۔

صفین کے مقتولین کی راجح تعداد:

راجح قول کے مطابق صفین کے مقتولین کی تعداد ۸ ہزار سے زیادہ نہیں تھی۔

شاید پانچ ہزار شامی لشکر میں سے اور تین ہزار عراقی لشکر میں سے تھے۔ کیونکہ لشکرِ شام[3] میں قتل زیادہ ہونے لگ گیا تھا۔ واللہ أعلم.

نصر بن مزاحم کی روایت میں آتا ہے کہ جنگ دونوں فریقوں کو کھانے لگی تھی، لیکن اہلِ شام میں زیادہ تکلیف اور پریشانی تھی، ......۔[1]



1 "سيرة أمير المؤمنين علي بن أبي طالب ﷺ" لدكتور الصلابي (ص: ٤٨٨)

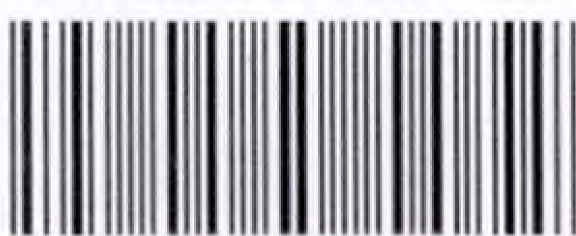
2 دیکھیں: [رقم: ٣٧٦]

3 دیکھیں: [٣٧٧]

1 دیکھیں: [رقم: ٣٧٦]

زیرِ نظر کتاب میں عہدِ صحابہ میں رونما ہونے والے بعض اختلافات اور مشاجرات کے حالات و واقعات صحیح اسانید اور مستند روایات کی روشنی میں بیان کیے گئے ہیں۔ جنگِ صفین اور معرکہ نہروان اور ان دونوں حادثات کے بعد جو نتائج سامنے آئے، ان کے متعلق یہ اوّلین مستند تحقیقی کتاب ہے جو عربی زبان میں تصنیف کی گئی اور اب اسے اردو زبان میں پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ کتاب اس پہلو سے نہایت اہم پیش رفت ہے کہ جو کچھ اس میں لکھا گیا ہے محدثین و مورخین کے منہج کے مطابق تحقیقی نقطۂ نظر سے رقم کیا گیا ہے اور من گھڑت روایات سے کلیتاً اجتناب کیا گیا ہے۔ تاکہ ایک تو ان واقعات کی درست تصویر ہمارے سامنے آ سکے اور ہم دشمنانِ صحابہ کے مخالفانہ پراپیگنڈے سے محفوظ رہیں۔ اور دوسرا اہلِ سنت کے عقیدہ منہج کے مطابق صحابہ کرام کے متعلق کسی قسم کی بدگمانی سے بچیں اور ان کے متعلق اپنے قلوب و اذہان کو پاک رکھیں کہ جو ان میں سے درست موقف پر تھا اسے دوہرا اجر حاصل ہوا اور جو ان میں سے اجتہادی غلطی کا مرتکب ہوا وہ بھی ماجور و معذور ہے۔ اور اہلِ اسلام کے اجماعی عقیدے کے مطابق بفضلہٖ تعالیٰ تمام صحابہ کرام مغفور و مرحوم اور جنتی ہیں۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین

دار ابی الطیب
للبحث والتحقیق



Street no: 5, Hameed Colony, Gill Road, Gujranwala
+92-340-6671335 darabitayyab1@gmail.com
fb/darabitayyab www.darabitayyab.com